محاسنِ ترمذی

ترجمہ وشرح اردو

جامع ترمذی شریف

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم وشارح

مفتی عطاء الرحمن ملتانی دامت برکاتہم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

جلد چہارم

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم وشارح

مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی دامت برکاتہ

MAKTABA-E-REHMANIA

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

محاسن ترمذی ترجمہ و شرح اردو جامع ترمذی

(جلد چہارم)

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
فون: 042-37724228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھ ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست عنوانات

اَبْوَابُ الرُّؤْيَا ۳۱۹

اَبْوَابُ الشَّهَادَاتِ ۳۴۱

اَبْوَابُ الزُّهْدِ ۳۴۷

اَبْوَابُ صِفَةِ الْقِيَامَةِ	۴۰۵

اَبْوَابُ الرِّقَائِقِ	۴۲۷

اَبْوَابُ الْوَرع ۴۶۱

اَبْوَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ ۴۷۳

اَبْوَابُ الطِّبِّ
علاج معالجہ کا بیان

رسول اللہ ﷺ سے طب سے متعلق ہدایات وغیرہ کے ابواب

طب نبوی کی روایات پڑھنے سے پہلے چند باتیں جان لیں:

پہلی بات: وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے لکھی ہے کہ احادیث کی دو قسمیں ہیں: ① ایک وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر وارد ہوئی ہیں۔ ② وہ جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں، بلکہ وہ دنیوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں، علاج معالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات قسم دوم کی ہیں اس لئے ابواب الطب کی روایات پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ احکام شرعیہ نہیں ہیں۔

دوسری بات: بیماریاں اور دوائیں دو قسم کی ہیں: مفرد اور مرکب، جو بیماریاں مفرد غذا کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مفرد دوائیں کافی ہیں، اور جو بیماریاں مرکب غذاؤں کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں ان کے لئے مرکب دوائیں ضروری ہیں، مفرد دواؤں سے ان کا علاج ممکن نہیں، اور قدیم زمانہ میں لوگ سادہ زندگی گزارتے تھے اور مفرد غذائیں کھاتے تھے، اس لئے حدیثوں میں جو مفرد علاج آئے ہیں وہ کارگر تھے مگر اب جبکہ لوگ مرکب (طرح طرح کی) غذائیں کھانے لگے ہیں تو اب مفرد دوائیں زیادہ کارگر نہیں، اب مرکب دواؤں کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات معمول بہ نہیں ہیں۔

تیسری بات: پہلے جب حکماء اور ڈاکٹر صاحبان کم تھے تو ہر شخص حکیم ڈاکٹر تھا، ایک ایک بیماری کے کئی کئی علاج لوگ جانتے تھے، جس کے سامنے بھی بیماری کا تذکرہ کیا جائے ایک نئی دوا بتاتا تھا اور اب شہروں کا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ لوگ نزلے کی دوا بھی نہیں جانتے، اس کے لئے بھی حکیم ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں، غرض قدیم زمانہ میں لوگ عام طور پر بیماریوں کے علاج خود کرتے تھے اور نئی نسل بڑوں سے علاج معالجہ اور دواؤں کا علم حاصل کرتی تھی، ابواب الطب کی روایات اسی قبیل کی ہیں، نبی ﷺ نے تجربہ سے یا بڑوں سے جو باتیں جانی تھیں وہ امت کو بتلائیں تا کہ امت ان سے استفادہ کرے۔

چوتھی بات: ابواب الطب کی روایت پر عمل کرنے کے لئے دو باتیں جانی ضروری ہیں:

① **مرض کی پہچان:** بعض امراض پیچیدہ ہوتے ہیں اور بعض امراض متشابہ (ملتے جلتے) ہوتے ہیں، اس لئے آنکھ بند کر کے کسی نسخہ پر

عمل نہیں کیا جا سکتا۔

② دوا کے استعمال کا طریقہ جاننا ضروری ہے یعنی یہ علم ضروری ہے کہ دوا مفرد استعمال کی جائے یا مرکب؟ پھر ہر دوا کی مقدار کیا ہو؟ اور دوا کتنی مقدار میں اور کتنی مرتبہ استعمال کی جائے؟ ان سب باتوں کا علم ضروری ہے مگر یہ سب تفصیلات روایات میں نہیں آئیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل ممکن نہیں، جیسے حدیث میں آیا ہے کہ چار علاج مفید ہیں (۱) سعوط (ناک میں دوا ڈالنا) (۲) لدود (گوشۂ فم میں دوا ڈالنا) (۳) پچھنے لگوانا (۴) مسہل لینا، مگر یہ بات مروی نہیں کہ سر کی کس بیماری میں ناک میں دوا ڈالی جائے؟ اور کون سی دوا ڈالی جائے؟ اسی طرح کس بیماری میں لدود کیا جائے؟ اور کون سی دوا سے لدود کیا جائے؟ جبکہ اس روایت پر عمل کرنے کے لئے یہ باتیں جاننی ضروری ہیں، اس لئے بھی طب نبوی کی روایات پر کما حقہ عمل نہیں کیا جا سکتا۔

پانچویں بات: لوگ پہلے بیماریوں کا علاج خود کیا کرتے تھے کیونکہ حکیم ڈاکٹر کی جنس نایاب تھی اور تیار دوائیں بھی بازار میں دستیاب نہیں تھیں، اور اب صورت حال بدل گئی ہے، گاؤں گاؤں ڈاکٹر پھیل گئے ہیں، اور دوا ساز کمپنیاں ہر مرض کی دوا بازار میں لے آئی ہیں، اس لئے جب روٹی ملے یوں تو کھیتی کرے کیوں؟ لوگ اب از خود علاج کرنے کا ذوق نہیں رکھتے، اس لئے بھی لوگ طب نبوی پر عمل پیرا نہیں کیونکہ یہ احکام شرعیہ نہیں۔

چھٹی بات: علاج دو ہیں: جسمانی اور روحانی، جو علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے وہ جسمانی ہے اور جو علاج دعا تعویذ سے کیا جاتا ہے وہ روحانی ہے کیونکہ بیماریاں دو طرح کی ہیں، زیادہ تر بیماریاں دواؤں کی ہیں، وہ دواؤں کا اثر جلد قبول کرتی ہیں، اگرچہ دعا تعویذ بھی ان میں پہنچاتا ہے اور کچھ بیماریاں جھاڑ کی ہیں جیسے سانپ بچھو کا زہر: جھاڑ زیادہ سنتا ہے، دوا اس میں کم اور دیر سے اثر کرتی ہے اس لئے ان ابواب میں دونوں علاجوں کا ذکر ہے۔

طب کے لغوی واصطلاحی معنی:

لفظ طب مثلثۃ الطاء ہے باب ضرب ونصر دونوں سے مستعمل ہے جس کے معنی علاج کرنا اور اس کا اطلاق جسمانی، روحانی دونوں طرح کے علاج پر ہوتا ہے، اصطلاح میں علم طب وہ علم کہلاتا ہے جس میں جسمانی امراض کے علاج ومعالجہ کا بیان اور حفظان صحت کی تدابیر مذکور ہوں۔

طب کا موضوع: اس فن کا موضوع بدن انسانی یا ابدان ذی روح ہے من حیث الصحۃ والمرض.

طب کی غرض وغایت:

حفظان صحت کے اصول وامراض سے شفاء حاصل کرنے کی تدابیر معلوم کرنا، بالفاظ دیگر جسمانی امراض سے بچنا۔

علم طب کی ابتداء اور اس کی مختصر تاریخ:

فن طب الہامی فن ہے مختلف انبیاء علیہم السلام کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے:

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ علم حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا پھر ان کے واسطہ سے حضرت شیث علیہ السلام کو پھر بنی آدم میں اس علم کی اشاعت ہوتی چلی گئی، چنانچہ حضرات مفسرین نے آیت قرآنی ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ... الآیۃ﴾ (البقرۃ:۳۱)

کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی نافع ومضر چیزیں اوران کے خواص وآثار ہر جاندار اور ہر قوم کے مزاج وطبائع اوران کے آثار وغیرہ سب بتادیئے تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے فن طب کی معلومات حضرت آدم علیہ السلام کو ہوئی ان کے بعد ان کی اولاد کو ہوتی چلی گئی۔

② بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس فن کی ابتداء حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوئی بزار اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے اور کوئی پیڑ سامنے ہوتا تو نماز کے بعد اس پیر سے نام پوچھتے اور یہ بھی معلوم کرتے کہ تجھ کو کس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو وہ پیڑ اپنے خواس بتادیتا تھا جس کو لکھ لیا جاتا اس طرح جڑی بوٹیوں کے خواص کا علم ہوا اور اس فن کی ابتداء ہوئی۔

③ سدیدی میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہوئے انہوں نے بیماری کا علاج نہ کیا بلکہ انکار کیا حق تعالیٰ کی طرف سے نداء آئی کیا تم چاہتے ہو کہ توکل پر میری حکمت بیکار کردو؟ میرے سوا کون ہے جس نے عقاقیر اور حشائش میں یہ منافع رکھے ہیں، صحت نہیں دی جائے گی جب تک ان دواؤں کو استعمال نہ کرو گے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے علاج کیا اور ٹھیک ہوگئے، یہودیوں نے اسی وجہ سے اس علم کی ایجاد موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کی ہے۔

④ تفسیر عزیزی میں ہے کہ جالینوس کے جگر میں درد ہوا ہر چند گوناگوں معالجات سے جدوجہد کوشش وجوشش کی مگر اچھا نہ ہوا خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نورانی اس کو حکم دیتا ہے کہ اس شیریان (دائیں ہاتھ کی پشت پر انگوٹھے اور سبابہ کے درمیان ایک رگ ہے) سے خون نکالو اس سے بیماری کو شفاء ہوگی جالینوس نیند سے اٹھا اس شخص کو تلاش کیا اور فصد کرایا چنانچہ اچھا ہوگیا۔

یہ سب اقوال درست معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ اس علم کو روحانی معاملات سے خاص تعلق ہے جس طبیب میں جس قدر روحانیت محسوس کی جاتی ہے اسی قدر اس کی تشخیص وتجویز مؤثر ہوتی ہے جیسا کہ مشاہدہ اور تجربہ بھی ہے۔

پھر آہستہ آہستہ یہ علم مختلف ممالک میں پہنچا اور ہر ملک والوں نے اس کی ابتداء کی نسبت اپنے اپنے پیشواؤں کی طرف کی مثلاً اہل ہند نے کا اس کی ابتداء برھماجی نے کی ہے اہل چین نے کہا ادویہ کے استعمال کا اول رواج دینے والا پہلا شخص شہنشاہ ہورنگ ہے جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 3687 سال قبل ہے پھر اس سے دیگر اشخاص نے سیکھا، بابل والے کہتے ہیں سب سے پہلے اہل بابل نے اس کی ابتداء کی ہے لوگوں کے سامنے مریض کو لایا جاتا اور ہر شخص اپنی اپنی تجویز سے اس کا علاج کرتا تھا جس سے فائدہ ہوتا اس کو تانبے اور چاندی کی تختیوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور اس کو اپنے بت کے گلے میں ڈال دیتے تھے اس طرح اہل بابل نے اس کو ایجاد کیا ہے، عبرانیوں اور بنی اسرائیل نے اس کی ابتداء حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کی ہے اہل مصر کہتے ہیں کہ قدیم مصری بادشاہ آتھوسس نے اس علم کو ایجاد کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 6 ہزار سال قبل بادشاہ تھا علم طب پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی، اہل یونان کا کہنا ہے کہ اس کی ابتداء اسقلیبوس سے ہوئی ہے اہل یونان ابوالطب کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اس پر یہ فن خدا کی طرف سے الہام ہوا تھا اس نے اپنی اولاد کو یہ فن سکھایا اور اس کے خاندان میں بڑے بڑے حکماء واطباء پیدا ہوئے ہیں پھر فیساغورس جو حضرت مسیح سے 580 سال قبل پیدا ہوا تھا اس نے اس فن کو رواج دیا لیکن ابھی تک یہ فن مدون نہیں ہوتا تھا۔

تدوین علم طب:

اسقلبیوس کی سولھویں نسل میں تقریباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 460 سال قبل حکیم بقراط پیدا ہوا جو یونانیوں میں پہلا شخص ہے جس نے دیگر علوم کی طرح فن طب کو باقاعدہ مرتب کیا اور اس پر کتابیں لکھیں۔ بقراط کے بعد ارسطا طالیس حکیم ہوا جس کی علمی تحقیقات اور کوششوں سے علم طب میں بہت کچھ اضافہ ہوا اس کے بعد حکیم جالینوس کا دور آیا جس نے دیگر نامور اطباء کے ساتھ مل کر علم الادویہ پر قابل قدر کتابیں لکھیں۔

اس زمانہ کے مشہور اطباء ثاؤفرسطس اور ویسقوریدوس، برمانیدس اور افلاطون وغیرہ ہیں، اس کے بعد یونانی زبان سے عربی زبان میں اس کو منتقل کیا گیا مسلمانوں کے عروج کے زمانہ میں اس علم میں بہت ترقی ہوئی اور اضافہ وترمیم بھی کی گئی، دمشق میں مسیحی اور یہودی استادوں کی مدد سے اس یونانی طب کی تعلیم پر پوری کوشش کی گئی بغداد میں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک بڑا دارالعلوم قائم کیا گیا جو برسوں تک خوب چلتا رہا، دولت امویہ اور عباسیہ میں بقراط وجالینوس کی بہت سی کتابیں درسگاہ میں داخل درس تھیں، اسلامی طب کا عروج ابوبکر محمد بن زکریا رازی 850ء سے شروع ہوتا ہے جس نے بغداد میں تحصیل علوم کی اور علم طب کو حکیم ابوالحسن بن زید طبری صاحب کتاب فردوس الحکمۃ سے تحصیل کیا موصوف کی تصنیفات سو سے زائد ہیں۔ علم طب پر حاوی کبیر نہایت عمدہ کتاب ہے جس کی شہرت آج تک قائم ہے، رازی کے بعد ابوعلی ابن سینا کا دور آیا تو اس فن کو مزید ترقی ہوئی، اسلامی اطباء میں مشہور حکماء ابوالقاسم زہراوی ابومروان عبدالملک اور ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مشہور طبیب ہوا ہے۔ اس نے فلسفہ اور طب پر کتابیں لکھیں چنانچہ اسلامی فلسفہ کو اس کے نام کے ساتھ خاص تعلق ہے ان کے علاوہ اور بھی نامور اطباء گزرے ہیں مثلاً ابن بیطار، داؤد انطاکی، ابوعلی بن عیسیٰ، علی بن عباس قرشی، سمرقندی، ارزانی اور مؤمن وغیرہ۔

قرآن وحدیث سے طب کا ثبوت:

نصرانی طبیب ہارون رشید بختیوع نے علی بن حسین بن واقد سے کہا کہ تمہارے قرآن میں کوئی چیز طب سے نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے تمام طب کو قرآن حکیم کی اس آیت میں جمع فرمادیا ہے: ﴿وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ (الاعراف:۷) اس نے پھر کہا کہ تمہارے نبی کی تعلیم میں طب کا ذکر نہیں ہے تو علی بن حسین نے جواباً فرمایا کہ حضور ﷺ نے اپنے فرمان المعدۃ (یہ آپ ﷺ کی طرف محض شہرۃ منسوب ہے ورنہ یہ حارث بن کلدہ کا قول ہے) بیت کل داء والحمیۃ راس. کل دوا میں طب کو بیان کیا گیا ہے تو بختیوع نے کہا پھر تو تمہارے نبی نے جالینوس کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

عقلاء کا فیصلہ ہے کہ ضروریات زندگی اور علوم مفیدہ فنون نافعہ قاطبۃً مذہب اسلام میں بتلائے گئے ہیں، روحانیت، تمدن، اخلاق، صحت بدنی، معاشرت ومعیشت اور حسن زندگی کے تمام قوانین اس میں موجود ہیں چنانچہ اہل ایمان نے تمام علوم وفنون اپنے پیغمبر کی ہدایت کے مطابق علیحدہ علیحدہ مرتب فرمادیئے ہیں اور علم طب بھی انہیں علوم میں سے ہے آج بھی جو اصول حفظان صحت کے ڈاکٹروں نے قائم کئے ہیں وہ پہلے ہی سے اسلام میں موجود ہیں۔ الغرض کوئی خوبی اور کوئی حسن وجمال علمی وعملی ایسا نہیں جو اسلام میں نہ ہو۔

درحقیقت نبی کریم ﷺ نے امت کو جہاں احکام شرع کی تبلیغ فرمائی ہے ساتھ ہی ساتھ آپ نے آداب معاشرت ومعیشت کو

• بھی واضح انداز میں بیان فرمایا ہے کتب احادیث میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں آداب نہ بیان کئے گئے ہوں اور اسی کے ساتھ جسمانی علاج کے لئے بھی آپ ﷺ نے بہت سی اشیاء وادویہ کو بیان فرمایا ہے اسی کو طب نبوی ﷺ کہا جاتا ہے حضرات محدثین رحمہم اللہ کی عادت ہے کہ وہ اپنی تالیفات میں ابواب الطب کا عنوان قائم کر کے ان احادیث کو ذکر فرماتے ہیں جو علاج ومعالجہ سے متعلق حضور ﷺ سے مروی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اپنی جامع ترمذی میں ابواب الطب عن رسول اللہ ﷺ کا عنوان قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت مختلف باب قائم کر کے آپ ﷺ کے فرامین کو جمع کیا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْحِمْيَةِ

باب ۱: پرہیز کا بیان

(۱۹۵۹) اِذَا اَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِىْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ.

ترجمہ: حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اسی طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔

(۱۹۶۰) دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَّلَنَا دَوَالٍ مُّعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَاْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَاْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِعَلِيٍّ مَهْ مَهْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَّالنَّبِيُّ ﷺ يَاْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَّشَعِيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَاَصِبْ فَاِنَّهُ اَوْفَقُ لَكَ.

ترجمہ: حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے ہمارے گھر میں کھجوروں کے خوشے لٹکے ہوئے تھے نبی اکرم ﷺ نے ان کو کھانا شروع کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو کھانا چاہا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! رک جاؤ رک جاؤ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے اور نبی اکرم ﷺ اسے کھاتے رہے پھر اس کے بعد ان حضرات کے لیے چقندر اور جو تیار کیے گئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے علی اسے کھاؤ کیونکہ تمہاری طبیعت کے لیے موافق ہے۔

تشریح: بیماری میں مضر اشیاء سے پرہیز کرنے کا حکم:

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو، یا بیماری سے صحت کے بعد طبیعت میں نقاہت اور کمزوری ہو تو اسے ایسی تمام چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے جو اس کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے، پرہیز نہ کرنا خلاف سنت عمل ہے، لہٰذا ایسی چیز کھانی چاہئے جو صحت کے لئے فائدہ مند ہو، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نیم پختہ کھجور کھانے سے اس لئے منع کیا تھا کہ یہ ذرا ثقیل ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی ہی بیماری سے شفایاب ہوئے تھے، طبیعت میں کافی کمزوری تھی، خطرہ ہے کہ اگر کھجوریں کھالیں تو کہیں دوبارہ بیمار نہ ہو جائیں، اس لئے آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور جب ام منذر رضی اللہ عنہا نے چقندر اور جو تیار کر دیئے تو پھر آپ ﷺ

نے انہیں کھانے کا حکم دیا کہ یہ چیزیں تم کھالو، یہ خفیف اور ہلکی غذائیں ہیں، یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہیں۔

بیماری میں پرہیز کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ (النساء:۴۳) سے بھی ہوا ہے کہ اگر تم بیمار یا مسافر ہو، بیماری میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہو یا سفر میں پانی میسر نہ ہو تو تیمم کیا جاسکتا ہے، اسلام نے یہ آسانی اسی لئے دی ہے تاکہ انسان اپنی صحت کا خیال رکھے اور ہر ایسی چیز سے پرہیز کرے جو صحت کے لئے نقصان دہ ہوسکتی ہے۔

طب کی تین بنیادیں ہیں:

حفظانِ صحت، پرہیز اور استفراغ مادۂ فاسد اور تینوں کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا۔

اِذَا اَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا: دنیا سے بچانے کی دو صورتیں ہیں:

① سرے سے صالح بندے کو دنیا دی ہی نہ جائے، اس کو غریب رکھا جائے۔

② دنیا دی تو جائے اور خوب دی جائے مگر اس کے دل کو مال میں نہ اٹکایا جائے، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے عظام ایسے گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ ثروت (مال و دولت والا) بنایا تھا، مگر ان کے دل دولت میں پھنسے ہوئے نہیں تھے۔

ایک واقعہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے مالدار تھے، جب رمضان آتا اور شام کو ان کے سامنے دسترخوان بچھایا جاتا تو افطاری دیکھ کر رونا شروع کردیتے اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد کرتے جو غربت کی حالت میں دُنیا سے رخصت ہوگئے تھے، پھر سارا دسترخوان غریبوں کو بانٹ دیا جاتا خود اس میں سے کچھ بھی نہیں کھاتے تھے۔

دوسرا واقعہ: پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بڑے مالدار تھے، آپ ایکسپورٹ اور امپورٹ کا کاروبار کرتے تھے، ایک مرتبہ مجلس میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں جہاز جو فلاں ملک جا رہا تھا ڈوب گیا، آپ نے سر جھکالیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمدللہ! لوگوں کو حیرت ہوئی، کیونکہ یہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کا موقعہ تھا مگر کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ مجلس ہی میں منیجر نے اطلاع دی کہ فلاں ملک سے جو جہاز مال لے کر آیا تھا وہ پہنچتے ہی دوگنے نفع پر بک گیا تو آپ نے سر جھکالیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمدللہ! اب لوگوں سے صبر نہ ہوسکا اور پوچھ ہی لیا کہ حضرت! دونوں موقعوں پر آپ نے تحمید کی اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ دونوں موقعے مختلف تھے، آپ نے فرمایا: میں نے پہلی مرتبہ الحمدللہ نقصان ہونے پر نہیں کہا تھا، نہ اب نفع ہونے پر کہا ہے بلکہ جب نقصان کی خبر ملی تو میں نے سر جھکا کر دل کا جائزہ لیا کہ اس کو صدمہ پہنچا یا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ قلب نقصان سے متاثر نہیں ہوا اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اب جبکہ نفع کی خبر ملی تو بھی میں نے دل کا جائزہ لیا کہ اس کو خوشی ہوئی یا نہیں؟ میں نے دیکھا کہ دل اس سے بھی متاثر نہیں ہوا اس پر میں نے الحمدللہ کہا ہے۔

تیسرا واقعہ: خواجہ عبداللہ احرار رحمہ اللہ بھی بہت مالدار تھے، جب وہ خدام کے ساتھ نکلتے تھے تو بادشاہ کا جلوس ماند پڑ جاتا تھا، میں نے آپ کی قبر کی زیارت کی ہے اور اس سے متصل خانقاہ بھی دیکھی ہے، ان کے یہاں بزرگی کا شہرہ سن کر ایک مرید آیا اور آپ کا ٹھاٹھ دیکھ کر بدگمان ہوگیا، اس نے خانقاہ کے دروازے پر لکھ دیا: نہ مرداست آنکہ دنیا دوست دارد! وہ کیسا بزرگ جو دولت جمع کئے ہوئے ہے! کسی مرید نے حضرت کو اطلاع دی کہ نو وارد مہمان نے خانقاہ کے دروازے پر یہ لکھا ہے، آپ نے فرمایا: اس کے نیچے لکھ دو: وگر دارد برائے دوست دارد! یعنی اگر کوئی اللہ کے لئے اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کے لئے دنیا رکھتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے!

اور دنیا سے بچانے کی یہ دونوں صورتیں اسی حدیث سے سمجھ میں آتی ہیں، اس طرح کہ آپ ﷺ نے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح تم میں سے ہر شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے اور ظاہر ہے: پانی ہر مریض کے لئے مضر نہیں گردے کی پتھری میں تو پانی خوب پلایا جاتا ہے اور عرب تو بخاری کو پانی سے نہلاتے ہیں، یہی حال مال کا بھی سمجھنا چاہئے، وہ ہر حال میں مضر نہیں۔

سند کی بحث: پہلی حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اس کے راوی صرف فلیح بن سلیمان ہیں، مگر یہ بات صحیح نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں اس کی ایک اور سند بھی ذکر کی ہے۔ (تحفۃ الاشرف مزی 13:108)

اور دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ فلیح اس حدیث کو عثمان بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں اور ایوب بن عبدالرحمٰن سے بھی، پھر ایوب کی سند لکھی ہے اور دونوں کی روایتوں میں ذرا سا فرق ہے، عثمان کی روایت میں فانہ اوفق لك ہے اور ایوب کی روایت میں فانہ انفع لك ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے...... اور پہلی حدیث کی دونوں سندوں کے آخر میں جو عبارت ہے: وقال محمد بن بشار فی حدیثه الی آخرہ. اس عبارت کا مطلب واضح نہیں، کیونکہ محمد بن بشار ایوب بن عبدالرحمٰن کے شاگرد نہیں ہیں کہ کہیں: مجھ سے ایوب نے حدیث بیان کی (ممکن ہے حدثنیہ سے پہلے قال رہ گیا ہو یعنی فلیح نے کہا: مجھ سے ایوب نے یہ حدیث بیان کی کیونکہ پہلے عن سے روایت آئی ہے، اب یہ سماع کی صراحت کی تاکہ یہ احتمال ختم ہو جائے کہ شاید ایوب کا تذکرہ سند میں وہم ہو)۔

اور دوسری حدیث کی بھی دو سندیں لکھی ہیں: پہلی سند موصول ہے اور دوسری مرسل، اس کے آخر میں حضرت قتادہ کا تذکرہ نہیں اور یہ قتادہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی ہیں اور حضرت محمود بن لبید صحابی صغیر ہیں۔

فائدہ: علاج کے سلسلہ میں یونانی اور ایلوپیتھی یعنی انگریزی طریقہ علاج مختلف ہیں، طب میں سبب کا علاج کیا جاتا ہے اور جب بیماری کا سبب ختم ہو جاتا ہے تو مسبب یعنی بیماری خود بخود ختم ہو جاتی ہے، وہ دوبارہ نہیں لوٹتی اور انگریزی طریقہ علاج میں مسبب کا علاج کیا جاتا ہے تا آنکہ اس کا سبب ختم ہو جائے، چنانچہ یونانی دواؤں سے فوراً بیماری نہیں دبتی اور انگریزی دواء کی پہلی خوراک ہی اثر دکھاتی ہے، نیز یونانی دوا کا کوئی کورس نہیں ہوتا بلکہ جب تک بیماری کا سبب ختم نہ ہو: دوا کھانی پڑتی ہے اور سبب کے ختم ہونے کی علامت یہ ہے کہ مسبب یعنی بیماری ختم ہو جائے اور انگریزی طریقہ علاج میں دواؤں کا کورس ہوتا ہے، جس کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ بیماری عود کر آنے کا احتمال رہتا ہے کیونکہ سبب ابھی باقی ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: دیوار میں درخت نکل آیا اس کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک تیزاب سے اس کی جڑیں جلا دی جائیں، درخت خود بخود سوکھ جائے گا اور پھر کبھی نہیں اگے گا۔ دوسرا: پہلے درخت کی ٹہنیاں کاٹی جائیں، پھر تنا نکالا جائے پھر جڑیں کھودی جائیں تو بھی درخت ختم ہو جائے گا، لیکن اگر ذرا سی جڑ بھی باقی رہ گئی تو درخت دوبارہ اُگ آئے گا۔

لغات: طب: (طا کے نیچے زیر) جسمانی و ذہنی علاج، دوا، علم العلاج۔ اُم المنذر: یہ حضور ﷺ کی خالہ ہیں، ان کا نام سلمٰی بنت قیس ہے۔ دوال دالیة کی جمع ہے: پکی کھجور کے خوشے، جنہیں پکنے کے لئے گھر میں لٹکا دیا جائے۔ معلقہ لٹکائے ہوئے۔ مه مه: یہ اسم فعل ہے، اس کے معنی ہیں: رک جا، رک جاء، ٹھہر ٹھہر۔ ناقه: یہ نقہ (باب سمع) سے اس فاعل کا صیغہ ہے، وہ ضعف اور کمزوری جو بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ سلقا: (سین کے نیچے زیر اور لام کے سکون کے ساتھ) چقندر، ایک قسم کی سبزی جس کے پتے لمبے اور جڑ گہری ہوتی ہے، پکا کر کھائی جاتی ہے۔ شعیر: جو۔ أصب: (ہمزے پر زبر اور صاد کے نیچے

زیر کے ساتھ) صیغہ امر ہے: تم لے لو، کھالو۔ حماہ: اللہ تعالیٰ اس کو بچاتے ہیں، محفوظ رکھتے ہیں۔ سقیم: مریض، بیمار۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الدَّوَاءِ وَالْحَثِّ عَلَیْهِ

باب ۲: دوا دارو کی ترغیب

(۱۹۶۱) قَالَ قَالَتِ الْاَعْرَابُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَتَدَاوٰی قَالَ نَعَمْ یَاعِبَادَاللّٰهِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَضَعْ دَاءً اِلَّاوَضَعَ لَهٗ شِفَاءً اَوْقَالَ دَوَاءً اِلَّادَاءً وَّاحِدًا قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُوَ قَالَ الْهَرَمُ۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں: کچھ دیہاتیوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم دوائی استعمال نہ کیا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو! دوائی استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اسکے لیے شفا بھی رکھی ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اسکے لیے دوا بھی رکھی ہے البتہ ایک بیماری ایسی ہے (جس کی کوئی دوا نہیں) لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ وہ کون سی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بڑھاپا۔

تشریح: دنیا دارالاسباب ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے۔ پس بیماری کے لئے بھی اسباب پیدا کئے ہیں اور شفاء کے بھی اسباب بنائے ہیں، پھر جو اسباب ظاہری ہیں ان کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، اس لئے بیماری کا علاج کرانا مسنون ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں۔

لغات: الحث علیه: علاج کرانے کی ترغیب۔ الا نتداوی: کیا ہم علاج نہ کرائیں۔ تداووا (یہ امر کا صیغہ ہے) تم علاج کراؤ۔ لم یضع: نہیں پیدا کی، نہیں اتاری۔ الهرم: (ہاء اور راء پر زبر کے ساتھ) بڑھاپا۔ یہاں بڑھاپے سے مراد موت ہے، بڑھاپا اس کی تمہید ہے، اور موت ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

اعتراض: قرآن وحدیث میں توکل (اللہ کی ذات پر اعتماد کرنے) کی تعلیم دی گئی ہے اور اس حدیث میں علاج کا حکم دیا گیا ہے، بظاہر یہ دونوں باتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں،

جواب: جب یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہوں گے، البتہ اسباب تین قسم کے ہیں: ظاہری، خفی اور اخفی، سبب ظاہر وہ ہے جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے، اور سبب خفی: سبب ظنی کا نام ہے اور سبب اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے، جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے اور پانی سے سیراب، اور دوا سے شفا حاصل ہوتی ہے، یہ اسباب ظاہرہ ہیں، اور جھاڑ پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر یہ سبب خفی ہے اور علویات کے سفلیات یعنی انسانی حوادث (صحت، مرض، عزت، ذلت وغیرہ) پر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ سبب اخفی ہے، اس کا ادراک نجومیوں کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا اور نجومیوں کی باتیں اٹکل پچو ہوتی ہیں اس لئے شریعت نے سبب اخفی کی تو قطعاً ممانعت کر دی، فرمایا:

"جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نچھتروں کی وجہ سے بارش ہوئی وہ نچھتروں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں،

اور جولوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نچھتروں کا انکار کرتے ہیں۔"

اور اسباب خفیہ کی ممانعت: تونہیں کی مگر اس کے ترک کو اولیٰ قرار دیا، مسلم شریف (حدیث 220) میں حدیث ہے کہ قیامت کے دن ستر ہزار لوگ ایسے ہوں گے جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: وہ کون لوگ ایسے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هم الذين لا يرقون، ولا يسترقون، ولا يتطيرون، وعلى ربهم يتوكلون.

"وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑتے ہیں اور نہ جھڑواتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

اور اسباب ظاہری کو اختیار کرنا مامور بہ ہے اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرانے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ سبب ظاہری ہے مگر سبب ظاہری اختیار کرنے کی حالت میں بھی بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے کیونکہ اسباب محض اسباب ہیں وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں وہ خودکار نہیں مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں وہ چاہیں گے تو اسباب کام کریں گے ورنہ نہیں کریں گے اور آگے یہ حدیث آرہی ہے کہ ایک بدو نے پوچھا: میں اونٹ کے پیر باندھ کر اللہ پر اعتماد کروں یا یونہی چرنے کے لیے چھوڑ دوں اور اللہ پر اعتماد کروں؟ آپ نے فرمایا: **اعقلها وتوكل:** اُونٹ کے پیر میں رسی باندھ، پھر اللہ پر بھروسہ کر۔ اور جنگ احد نہایت سخت معرکہ تھا، چنانچہ نبیؐ نے دوزر ہیں اوپر تلے پہنی تھیں حالانکہ آپ سید المتوکلین تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ سب ایک دروازہ سے شہر میں داخل مت ہونا، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی نظروں میں آجاؤ۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہیں گے۔ "ما اغنى عنكم من الله من شئى" میری تدبیر اللہ کے کسی فیصلہ کو روک نہیں سکے گی، پھر سوال پیدا ہوا کہ تدبیر بتانے سے کیا فائدہ؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دیا ہے: ﴿وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ... الآية﴾ (یوسف:٦٨) یعنی جب وہ لوگ مصر پہنچ کر جس طرح ان کے ابا نے کہا تھا اس طرح شہر میں داخل ہوئے اور وہ ان سے اللہ کے حکم میں سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتے تھے، یعنی ان کی بتلائی ہوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، صاحبزادگان میں سے ایک بجائے دو روک لئے گئے، تاہم ان کے ابا کا ارمان پورا ہوگیا، یہ ارمان کیا تھا؟ اسباب کو اختیار کرنے کی آرزو! کیونکہ انبیاء نے امتوں کو اسباب اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، وہی تعلیم آپ نے اپنے بیٹوں کو بھی دی تھی، مگر تدبیر بتلانے کا مقصد اللہ کے حکم کو ٹالنا نہیں تھا، پھر قرآن نے فرمایا: ﴿وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ﴾ (یوسف:٦٨) اور یعقوب علیہ السلام بلاشبہ بڑے عالم تھے، اس وجہ کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا یعنی یہ ارمان جو ان کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کا ایک حکم تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسباب ظاہرہ اختیار کرنے کے ساتھ اللہ پر اعتماد ضروری ہے، پس اسباب ظاہرہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ، جس طرح اسباب کا اختیار کرنا تقدیر کے منافی نہیں، کیونکہ اسباب بھی تقدیر کا ایک حصہ ہیں، تفصیل ابواب القدر میں آئے گی۔

خلاصہ کلام: اسباب کی اقسام جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے علماء نے اسباب کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

اوّل: اسباب مقطوعہ یعنی یقینیہ یہ وہ اسباب ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم ومشیت سے مسبباب کا تعلق ہے ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں ہوتا ہے مثلاً جب تک کھیت میں کاشت نہیں کرے گا غلہ نہیں اگے گا کوئی یہ کہے کہ بغیر غلہ بوئے کھیت

میں غلہ پیدا ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے خلاف ہے یہاں بھی کاشت کرنا پڑے گی اس پر اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے مطابق پیداوار کا ترتب ہوگا، اگر جلب منفعت کے ان ظاہری یقینی اسباب کو ترک کر کے کوئی شخص توکل کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا اسی طرح دفع مضرت کے لئے اسباب مقطوعہ یقینیہ کا اختیار کرنا لازم ہے مثلاً پانی کے ذریعہ پیاس کی شدت دور ہوتی ہے روٹی کے ذریعہ بھوک کا ضرر دور ہوتا ہے اگر پیاسا پانی نہ پیئے اور بھوکا نہ کھائے تو گنہگار ہوگا۔

دوسری قسم: اسباب ظنیہ ہے یعنی غالب یہ ہے کہ مسبباب ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتے مثلاً کوئی مسافر جنگل بیابان میں سفر کرتا ہو تو اس کو چاہئے کہ توشۂ راہ ضرور ساتھ لے چونکہ غالب گمان ہے کہ جنگل میں ضروریات اکل وشرب میں میسر نہ ہوں گی لہٰذا ایسے اسباب ظنیہ کا اختیار کرنا سنت مؤکدہ ہے ان اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔

تیسری قسم: اسباب موہومہ یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ مسببات تک پہنچنا وہمی ہے ضروری نہیں ہے کہ تدبیر کے بعد طلوب حاصل ہو مثلاً مال حاصل کرنے کی بڑی بڑی تدبیریں کی جاتی ہیں اور وسیع تر منصوبے بنائے جاتے ہیں حالانکہ ان منصوبوں سے مال کا حصول یقینی وظنی نہیں بلکہ وہمی ہے بسا اوقات تمام منصوبے بے کار ہو جاتے ہیں اسی طرح دفع مضرت کے لئے اسباب موہومہ جیسے، داغ لگوانا وغیرہ ان اسباب کا ترک بہتر ہے اس لئے کہ ان سے توکل حاصل نہ ہوگا۔

بہر حال علاج و معالجہ اسباب ظنیہ میں سے ہے جو توکل کے خلاف نہیں ہے۔

تداووا: حضور ﷺ نے علاج و دوا کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج نازل فرمایا ہے خود حضور ﷺ سے اپنا علاج کرنا ثابت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ اس قدر دوائیں کس طرح جانتی ہیں فرمایا کہ حضور ﷺ کے کثرت علاج و معالجہ کی وجہ سے یہ سب دوائیں مجھے یاد ہو گئیں۔ نیز کتب احادیث کے ابواب الطب صراحۃً استحباب تداوی پر دال ہے۔

فائدہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے چند ایسے اسباب بیان فرمائے ہیں جن کی وجہ سے اگر علاج نہ کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے نیز بعض حضرات سلف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا فرمایا ہے۔

اوّل: مریض اہل کشف میں سے ہوں اس کو بذریعہ کشف حقیقی یا غلبۂ ظن یا رویائے صالح سے معلوم ہو جائے کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو جائے گا۔

دوم: مریض خوف عاقبت یا اپنے حال میں ایسا مستغرق ہے کہ اس کو مرض کی تکلیف کا احساس ہی نہیں اور دوا و علاج کی فرصت نہیں۔

سوم: مرض انتہائی پرانا ہے جو دوائیں اس کے لئے تجویز کی جاتی ہیں ان کی افادیت وہمی ہے جیسے داغ وغیرہ۔

چہارم: کوئی شخص مرض کی اذیت پر صبر کر کے اجر حاصل کرنا چاہتا ہے یا اپنے نفس کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

پنجم: امراض کے تکفیر ذنوب ہونے کی وجہ سے علاج نہیں کرانا چاہتا۔

ششم: زیادہ صحت مند رہنے سے غرور و کبر کا اندیشہ ہے اس وجہ سے علاج نہیں کرتا، بہر حال ان چھ وجوہ کی بناء پر بعض حضرات نے ترک علاج کی اجازت دی ہے۔

الھرم بفتح الھاء والراء: بڑھاپہ مرض لا علاج کیوں ہے؟

① علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہرم یعنی بڑھاپہ کو ایسا مرض فرمایا جس کی کوئی دوا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ

جس طرح امراض کے ذریعہ آدمی کمزور ولاغر ہوکر موت تک پہنچ جاتا ہے ایسے ہی بڑھاپے کے ذریعہ بھی آدمی موت تک پہنچ جاتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں گویا بڑھاپہ اعلیٰ قسم کا مرض ہے،

② حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہرم سے مراد موت ہے بڑھاپہ کو موت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ جس طرح موت کے ذریعہ صحت بدن ختم ہوجاتی ہے اسی طرح بڑھاپے کے ذریعہ بھی آہستہ آہستہ صحت ختم ہو جاتی ہے یا بڑھاپہ موت کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ بوڑھا آدمی صحت سے مایوس ہوتا ہے بالآخر موت پر اس کی زندگی پوری ہوجاتی ہے۔

③ بعض حضرات فرماتے ہیں یہاں استثناء ہے بمعنی لکن الهرم لادواء له۔

بَابُ مَاجَاءَ مَايُطْعَمُ الْمَرِيْضُ

باب ۳: جس میں اس چیز کا ذکر ہے جو بیمار کو کھلائی جاتی ہے

(۱۹۶۲) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الْوَعَكُ أَمَرَ بِالْحِسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَكَانَ يَقُوْلُ إِنَّهُ لَيَرْتُقُ فُؤَادَ الْحَزِيْنِ وَيَسْرُوْ عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ كَمَا تَسْرُوْ إِحْدَاكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ کی کسی اہلیہ کو اگر بخار ہوجاتا تو آپ ﷺ ان کے لیے حریرہ تیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور پھر انہیں یہ ہدایت کرتے تھے کہ وہ گھونٹ گھونٹ کر کے اس پئیں آپ ﷺ یہ فرماتے تھے یہ غمگین دل کو تقویت پہنچاتا ہے اور بیمار شخص کے دل کی تکلیف کو دور کرتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی عورت پانی کے ذریعے اپنے چہرے کا میل دور کرتی ہے۔

تشریح: مریض کو "حساء" کھلایا جائے: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعہ اس بات کی تعلیم دی ہے کہ مریض کو ہلکی غذا کھلائی جائے تاکہ وہ اس کے معدے پر بوجھ نہ ہو، خاص طور پر جب بخار یا ایسا کوئی مرض ہو جس سے کمزوری زیادہ ہوجاتی ہے، ایسے میں ثقیل غذائیں عموماً نقصان پہنچاتی ہیں، اس لئے ایسی غذا استعمال کی جائے جو صحت کے لیے مفید ہو اور جس سے طبیعت پر بوجھ بھی نہ ہو، حدیث باب میں جس کھانے کا ذکر ہے، اس کی افادیت حضور اکرم ﷺ نے بتائی کہ یہ کھانا دل کو طاقت فراہم کرتا ہے اور اس سے دل کے رنج وغم زائل ہوجاتے ہیں اور سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس کھانے کے فائدے کو سمجھانے کے لئے عورتوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرح تم میں سے کوئی پانی سے اپنے چہرے کی میل کو دور کرتی ہے اسی طرح وہ کھانا آدمی کے غم کو دور کرتا ہے،

بیمار کی دو حالتیں ہیں، کبھی اس کو کھانے کی خواہش نہیں ہوتی اور کبھی بھوک نہیں ہوتی۔ پہلی صورت میں اس کو حریرہ پلانا چاہئے اور دوسری صورت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے کیونکہ اس وقت طبیعت مرض کی مقاومت (مقابلہ) کر رہی ہوتی ہے، پس اس کو کھانے کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ اطباء سخت بخار میں اور بحرانی کیفیت میں غذا دینے سے منع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں جب مریض کا کھانے کو جی نہ چاہ رہا ہو اس وقت کا حکم ہے اور دوسرے باب میں جب

مریض بالکل کھانے کے لئے تیار نہ ہو اس وقت کا حکم ہے۔

بخاری (حدیث 5417) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: التلبینة مجمة لفواد المریض، تذھب ببعض الحزن: تلبینہ یعنی بھوسی یا چھنے ہوئے آٹے میں دودھ اور شہد ملا کر بنایا ہوا حریرہ بیمار کی دلجوئی کا ذریعہ ہے، اور اس کا کچھ غم دور کرتا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہی حدیث ہے، کبھی مریض کو بھوک تو ہوتی ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، ایسی صورت میں تھوڑے گھی میں آٹا بھون لیا جائے، پھر اس میں کافی دودھ ڈال کر پکالیا جائے اور اس کو ایسا پتلا رکھا جائے کہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیا جاسکے، مریض اس کو دل نہ چاہنے کے باوجود پی لے تو اس کے دل سے بوجھ ہٹ جائے گا اور یہ خیال نکل جائے گا کہ اس نے کچھ نہیں کھایا اور غذا بھی پیٹ میں پہنچ جائے گی، جس سے اس کو قوت ملے گی۔

لغات: الوَعْك: بخار، شدید بخار، تپ۔ حساء یہ کھانے کی ایک قسم ہے جو آٹے، دودھ یا پانی اور گھی سے بنایا جاتا ہے، کبھی اسے میٹھا کرنے کے لئے شکر یا شہد بھی ملایا جاتا ہے، یعنی حلوا بنالیا جاتا ہے، اہل مکہ اسے ''حریرہ'' کہتے ہیں، بعض روایات میں اسے ''تلبینہ'' بھی کہا گیا ہے، گویا اس کھانے کے لئے تین لفظ حساء ''حریرہ'' اور ''تلبینہ'' استعمال کئے جاتے ہیں، معنی سب کے ایک ہی ہیں۔ حسوامنہ: وہ اس حساء کو تھوڑا تھوڑا کر کے پیتے، چسکی لگا کر پیتے۔ لیرتو: قوت دیتا ہے، طاقت پہنچاتا ہے۔ فواد دل۔ الحزین: غمگین آدمی۔ یسرو: (بیمار کے دل سے) غم دور کرتا ہے۔ تیسرو: وہ ہٹاتی اور زائل کرتی ہے (یعنی دھوتی ہے)۔

بَابُ مَاجَآءَ لَاتُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

باب ۴: بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور مت کرو

(۱۹۶۳) لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا پلاتا ہے۔

تشریح: لاتکرھوا: تم زبردستی اور جبر نہ کرو۔ مرضی: مریض کی جمع ہے: بیمار مریض کو زبردستی کوئی چیز نہیں کھلانی چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا تکرھوا مرضا کم علی الطعام، فان اللہ تبارك و تعالیٰ یطعمھم و یسقیھم'' اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے پلاتے ہیں، یعنی ان کو نہ کھانے سے ضعف لاحق نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا مداوا کر دیتے ہیں اور اگر اس شدید ناگواری کی حالت میں زبردستی کھلاؤ گے تو اس کی طبیعت کھانے کے نظم و انتظام کی طرف متوجہ ہوں گی اور وہ مرض کی مقاومت نہیں کر سکے گی، مگر دو کیفیتوں میں فرق کرنا ضروری ہے:

ایک: مریض کو بھوک تو ہے مگر کھانے کو جی نہیں چاہتا، اس حالت میں اس کو حریرہ دینا چاہئے اور دوسری حالت یہ ہے کہ مریض بالکل کھانا ہی نہیں چاہتا، اس کو بھوک ہی نہیں، پس ایسی حالت میں زبردستی نہیں کھلانا چاہئے اور اللہ کے کھلانے پلانے کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ مریضوں کو ایسی قوت عطا فرماتے ہیں جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنے پر صبر عطا فرماتے ہیں۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس ارشاد میں بڑا اہم ادب بیان فرمایا ہے جو اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جب کوئی مریض کھانے پینے سے گریز کرتا ہے تو اس وقت اس کی طبیعت مرض کے مقابلے میں مشغول ہوتی ہے، اگر اس وقت اس کو زبردستی غذا دی جائے تو مرض کے مقابلے سے طبیعت ہٹ جائے گی، فائدے کے بجائے نقصان ہوگا، یہی وجہ ہے کہ بعض بیماریوں میں مریضوں کو مخصوص ایام میں کھانے پینے سے منع کیا جاتا ہے، کیونکہ مریض کی طبیعت اس دن مرض کے مقابلے میں زیادہ مشغول ہوتی ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا کرو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

باب ۵: کلونجی کا بیان

(۱۹۶۴) عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ فَإِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ وَالسَّامُ الْمَوْتُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم کلونجی استعمال کیا کرو کیونکہ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے (حدیث میں استعمال ہونے والے لفظ) سام سے مراد موت ہے۔

تشریح: کیا کلونجی ہر بیماری کا علاج ہے؟

حدیث باب میں ہے کہ فان فیھا شفاءً امن کل داء کلونجی میں ہر مرض کا علاج ہے، اس سے کیا مراد ہے، کیا اس میں عموم ہے کہ ہر مرض کا اس میں علاج ہے یا بعض کا، اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

① علامہ خطابی اور علامہ طیبی رحمہما اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم اگرچہ عام ہے لیکن یہ خاص طور پر انہی امراض میں زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے جو رطوبت اور بلغم سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ کلونجی کی تاثیر خشک اور گرم ہوتی ہے، اس لئے یہ ان بیماریوں کا علاج میں مفید ہوتی ہے جو اس کی ضد ہوں۔

② علامہ کرمانی، عینی اور حضرت گنگوہی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں عموم ہی مراد ہے کہ کلونجی تمام بیماریوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں موت کا استثناء کیا گیا ہے کہ کلونجی موت کے علاوہ تمام امراض کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے اس سے عموم ثابت ہوتا ہے، چنانچہ کلونجی بعض امراض میں تنہا مفید ہوتی ہے جبکہ بعض میں کسی اور دوا کے ساتھ ملا کر، بشرطیکہ خاص مقدار اور مناسب ترکیب کے ساتھ اسے شامل کیا جائے۔

③ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ میں گوکہ عموم ہے لیکن اس سے اکثر امراض مراد ہیں کہ کلونجی اکثر بیماریوں میں مفید ہوتی ہے، جس طرح کہ شہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (النحل:۶۹) اس سے بظاہر عموم معلوم ہوتا ہے کہ شہد تمام امراض کا علاج ہے حالانکہ یہ مراد نہیں ہے کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ بعض بیماریوں میں شہد فائدے کے بجائے نقصان دہ ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ شہد تمام امراض کے لئے نہیں بلکہ اکثر امراض کے لئے مفید ہوتا ہے، ایسے

ہی کلونجی بھی تمام امراض میں نہیں بلکہ اکثر امراض میں فائدہ مند ہوتی ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مریض کے حال کو دیکھ کر علاج تجویز فرماتے تھے ممکن ہے جس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہو، اس وقت آپ کے سامنے ایسا کوئی مریض ہو جس کے لئے کلونجی ہی مفید تھی، آپ نے اس کے مزاج اور مرض کا اندازہ لگا کر فرمایا: فان فیھا شفاء من کل داء۔ گویا یہ اس مخصوص مریض کی حالت کے اعتبار سے ہے۔، ابن ابی جمرة رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ہم اہل طب کے تجربات پر اعتماد کرتے ہیں اور علاج ان کی تجاویز کے مطابق کرتے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ آپ ﷺ کے اس فرمان میں کوئی شک وشبہ نہ کریں بلکہ آپ رحمہ اللہ کے فرمان کی تصدیق کریں اور یقین کرتے ہوئے جملہ امراض کے لیے کلونجی کو شافی مانیں صاحب محیط اعظم فرماتے ہیں کہ اہل عرب کی غذا چونکہ عموماً راطبہ اور حامضہ ہوتی ہے اس لئے ان کو اکثر امراض بادہ لاحق ہوتے ہیں لہٰذا ان کے جملہ امراض کے لئے کلونجی مفید ہے گویا آپ کے اس فرمان میں عموم نوعی ہے یہ جملہ اقوال متقارب ہیں۔

کلونجی کے فوائد:

کلونجی گرم وخشک ہوتی ہے، رطوبت کو خشک کرتی ہے، قوت باہ کو پختہ اور معتدل کرتی ہے، خلطوں کو خارج کرتی ہے، پیشاب وحیض کو جاری کرتی ہے، قاطع بلغم بھی ہے اور محلل ورم بھی، نزلہ کے لئے بھی مفید ہے، نہار منہ استعمال کرنے سے پیٹ کے کیڑوں کے لئے نافع ہے، نیز سانس کی بیماریوں کے لئے بھی مفید ہے اور مرض یرقان کے لئے سعوطاً نافع ہے، البتہ یہ خناق اور دردسر پیدا کرتی ہے اس کے لئے سرکہ اور کتیرا مصلح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شُرْبِ اَبْوَالِ الْاِبِلِ

باب ۶: حرام اشیاء سے علاج کرانے کا شرعی حکم

(۱۹۶۵) اَنَّ نَاسًا مِّنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَبَعَثَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ اشْرَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا وَاَبْوَالِهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرینہ قبیلے کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے وہاں کی آب وہوا انہیں موافق نہ آئی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں زکوۃ کے اونٹوں کی طرف بھیج دیا اور ارشاد فرمایا تم ان کا دودھ اور پیشاب (دوائی کے طور پر) پیو۔

تشریح: تداوی بالمحرمات جائز ہے یا نہیں؟

اضطراری حالت میں یعنی جان کا خطرہ ہو تو تداوی بالحرام بالاتفاق جائز ہے جیسے کہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ (الانعام:۱۱۹) اور جان کا خطرہ نہ ہو صرف مرض کے علاج کے لیے تداوی بالحرام میں اختلاف ہے اور کئی مذاہب ہیں: ① امام صاحب رحمہ اللہ 'حنابلہ کے ہاں مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ② امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں مطلقاً جائز ہے۔ ③ شوافع تداوی بالمحرمات المسکر جائز نہیں لیکن تداوی بالمحرمات غیر المسکرہ جائز ہے۔ ④ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اگر

حالت ضرورت ہو تو تداوی بالحرام جائز ہے اور حالت ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ طبیب حاذق فیصلہ کرے کہ تداوی بالحرام کے علاوہ علاج ممکن نہیں۔

اختلاف کی وجہ: احادیث تعارض کا ہے۔ واقعہ عرنین سے تداوی بالحرام کا جواز معلوم ہوتا ہے اور" لا شفاء فی الحرام "" ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم "(صحیح بخاری ص :۸۴۰ ج :۲ باب شرب الحلوا ء والعسل) اور ابو داؤد میں ہے لا تتداووا بالحرام اب تطبیق یہ ہے کہ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کی حالت پر اور جن سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کے علاوہ کی حالت پر اور یہ واقعہ عرنین دلیل سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اطلاع دی گئی ہوگی کہ ان کی شفاء انہی چیزوں میں ہے لیکن دیگر اطباء ظنی فیصلہ کریں گے اور مزید جوابات اس حدیث کے ابھی گذشتہ مسئلہ میں ملاحظہ کرلیں۔

حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ حرام اور نجس اشیاء سے علاج اس وقت جائز ہے جب کوئی ماہر ڈاکٹر بتادے کہ اس مرض کا علاج حرام اور نجس دوا ہی سے ہوسکتا ہے، حلال اور پاک دوا اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی مسلمان کو ایسا کوئی مرض لگ جائے جو حلال دوا سے نہیں بلکہ حرام سے درست ہوسکتا ہے تو اسے چاہئے کہ کسی مسلمان ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرے اور حرام دوا اسی قدر استعمال کرے جس قدر اسے ضرورت ہو، ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْغَيْرِهِ

باب ۷: زہر وغیرہ سے خودکشی کرنے کا بیان

(۱۹۶۶) مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَحَدِيْدَتُهُ فِيْ يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا وَّمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسُمٍّ فَسُمُّهُ فِيْ يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کیا ہے (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے) جو شخص لوہے کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ قیامت کے دن آئے گا تو لوہے کی چیز اس کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اس چیز کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا اور جو شخص زہر کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اسے پیتا رہے گا۔

(۱۹۶۷) مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهُ فِيْ يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا وَّمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسُمٍّ فَسُمُّهُ فِيْ يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا وَّمَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدّٰى فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوہے کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا اور جو شخص زہر کے ذریعے خودکشی کرے گا وہ زہر اس کے

ہاتھ میں ہوگا جسے وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے نیچے گر کر خودکشی کرے گا تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ نیچے گرتا رہے گا۔

(۱۹۶۸) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيْثِ۔ قَالَ ابو عيسى يعني السم.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے خبیث دوائی استعمال کرنے سے منع کیا ہے (امام مہدی بیان کرتے ہیں) اس سے مراد زہر ہے۔

تشریح: خودکشی کیوں حرام ہے؟

دراصل انسان اپنی ذات کا خود مالک نہیں ہے کہ جس طرح چاہے اسے میں تصرف کرے بلکہ یہ جسم اللہ کی امانت ہے بندہ کو اس سے صرف انتفاع کا اختیار دیا گیا ہے اسی لئے اگر بندہ بیمار ہو جائے تو اس کی حفاظت کے لئے علاج معالجہ کا حکم ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ کی اس امانت میں خیانت کرتا ہے اور اپنے اختیار سے اس کو ہلاک کرتا ہے اور خودکشی کر لیتا ہے تو یہ شخص خائن کہلائے گا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اس پر جہنم کی سزا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خودکشی کو حرام فرمایا ہے۔۔ پھر خودکشی کا فائدہ کچھ نہیں، آدمی سمجھتا ہے کہ میں مرکز مصیبتوں سے نجات پاؤں گا حالانکہ آدمی مرکر بھی نہیں مرتا۔

موت بدن سے روح کے جدا ہونے کا نام ہے:

حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات واضح کی ہے کہ موت بدن سے روح کے جدا ہونے کا نام ہے، پس بدن تو مرتا ہے مگر روح نہیں مرتی، اس کو جسم سے نکلنے کے بعد جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر خودکشی کرنے سے کیا فائدہ؟ ہوسکتا ہے آگے اور بھی سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے اس لئے مومن کو کبھی یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے۔

تشریح: یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ عبیدۃ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کو شک ہے، وہ کہتے ہیں: اراہ رفعه: میرا گمان ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے، لیکن آگے اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے تلامذہ کی جو سندیں آرہی ہیں، ان میں یہ حدیث بالاتفاق مرفوع ہے۔

③ اور تیسری بات یہ ہے: ومن تردى من جبل، فقتل نفسه، فهو يتردى: فى نار جهنم، خالدا مخلدا فيها ابدا: اور جو شخص کسی پہاڑ سے گرا، پس اس نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو وہ پہاڑ سے گرے گا: وہ دوزخ کی آگ میں لمبے عرصہ تک رہے گا، بہت دنوں تک رہے گا، ہمیشہ ہمیش رہے گا۔

تشریح: اس حدیث کو اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے وکیع اور ابو معاویہ رحمہما اللہ بھی شعبہ کی طرح روایت کرتے ہیں یعنی وہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صحیح حدیث ہے، اور پہلی حدیث سے صحیح تر ہے، اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر متعدد تلامذہ نے بھی یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے، پس عبیدہ کو جو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک تھا وہ صحیح نہیں، یہ حدیث بالیقین مرفوع ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِسُمٍّ اور مذکورہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند سے بھی مروی ہے: محمد بن عجلان رحمۃ اللہ علیہ، سعید مقبری رحمۃ اللہ علیہ سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا: من قتل نفسه بسم

عذب فی نار جھنم: جس نے اپنے آپ کو کسی زہر سے مار ڈالا وہ دوزخ کی آگ میں سزا دیا جائے گا۔ اس حدیث میں خالدا مخلدا فیھا ابدا نہیں ہے، اور یہ حدیث اسی طرح ابوالزناد: عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج سے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، یعنی ابوالزناد کی سند سے بھی حدیث میں خالدا مخلدا ابدا نہیں ہے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ تیسری روایت صحیح ترین ہے، جس میں خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا نہیں ہے کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ گنہگار مومنین دوزخ میں جائیں گے مگر بعد میں وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور کسی روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ مومنین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اس لئے صحیح روایت یہ تیسری ہے، جس میں خالدًا مخلدًا ابدًا نہیں ہے۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيْثِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے گندی دواء سے یعنی زہر کے ذریعہ علاج کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث اس باب میں لا کر اشارہ کیا کہ زہر کے ذریعہ خودکشی کرنا عام ہے، خواہ مرنے کے لئے زہر پیا ہو، یا علاج کے طور پر زہر پیا ہو اور مر گیا ہو، دونوں صورتوں میں خودکشی کرنے کا گناہ ہوگا کیونکہ خطرناک دوائیں ماہر حکیم کے مشورے کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں، بے احتیاطی کی صورت میں حکیم اور بیمار دونوں کو قتل نفس کا گناہ ہوگا مگر اس حدیث میں دوائے خبیث کی تفسیر زہر سے متعین نہیں کیونکہ یہ تفسیر یا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے یا نیچے کے کسی راوی نے کی ہے بہر حال حدیث کا جز نہیں اور حرام اور ناپاک دوا سے بھی اس کی تفسیر کی جاسکتی ہے، پس حدیث عام ہوگی، زہر کے ساتھ خاص نہ رہے گا۔

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان سے ان کے تین شاگرد روایت کرتے ہیں، ابو صالح ذکوان، سعید مقبری اور عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج، پھر اعرج سے ابوالزناد روایت کرتے ہیں، یہ روایت بخاری (حدیث 1265) میں ہے، اس میں: خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا نہیں ہے، اور سعید مقبری رحمہ اللہ سے محمد بن عجلان رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، اس میں بھی یہ بات نہیں ہے۔ اور ابو صالح ذاکوان رحمہ اللہ سے سلیمان اعمش رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، پھر ان سے چار تلامذہ روایت کرتے ہیں:

① عبیدۃ بن حمید رحمہ اللہ، جن کو حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے، باقی تین تلامذہ حدیث کو بالیقین مرفوع کرتے ہیں اور اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے۔

② اور شعبہ رحمہ اللہ کی حدیث بخاری (حدیث 5778) میں اور نسائی (حدیث 1965) میں ہے۔

③ اور ابو معاویہ رحمہ اللہ کی حدیث ابوداؤد (حدیث 3873) میں اور مسند احمد (2:254) میں ہے۔

④ اور وکیع رحمہ اللہ کی روایت مسلم (حدیث 109) اور ابن ماجہ (حدیث 3460) میں ہے، ان تمام روایات میں خالدًا مخلدًا فیھا ابدًا ہے۔ پس ان سب روایات کو جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں غیر صحیح کہنا جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ممکن نہیں ہے اس لئے اشکال اپنی جگہ باقی ہے۔

کیا خودکشی کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

"خالدًا مخلدًا ابدًا" اس جملے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگر خودکشی کرلے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اسی سے استدلال کر کے معتزلہ (ایک گمراہ فرقہ) کہتے ہیں کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلے تو وہ دائمًا جہنم میں رہے گا لیکن اہل سنت

والجماعت کہتے ہیں کہ مومن اپنے گناہوں کی سزا پاکر بالآخر ضرور جنت میں داخل کیا جائے گا، دائماً جہنم میں نہیں رہے گا۔اس لئے اہل السنۃ والجماعۃ نے اس قسم کی روایات کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

پہلا جواب: یہ حدیث مستحل کے بارے میں ہے، یعنی جو شخص خودکشی وغیرہ گناہوں کو حلال سمجھ کر کرتا ہے وہ کافر ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ ہر گناہ کو حلال سمجھنا کفر نہیں ہے بلکہ صرف اس گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے جس کی حرمت لعینہ ہو اور اس کا ثبوت ایسی دلیل قطعی سے ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو اور خودکشی اگرچہ حرام ہے مگر اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں اور ارشاد پاک ﴿لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ اگرچہ نص قطعی ہے مگر ظنی الدلالۃ ہے، انفس سے مراد دیگر مومنین بھی ہو سکتے ہیں، ای لایقتل بعضکم بعضًا اور انفسکم سے ان کو اس لئے تعبیر کیا ہے کہ سب مومنین کنفس واحدۃ ہیں۔

دوسرا جواب: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''خلود'' سے وہ مدت مراد ہے جس میں اسے عذاب دیا جائے، عذاب جہنم میں ہمیشہ رہنا مراد نہیں ہے۔ خلود سے مکث طویل مراد ہے۔ خلد بالمکان کے معنی ہیں: دیر تک قیام کرنا، اور خلدہ کے معنی ہیں: عمر بھر قید رکھنا، سورۃ النساء آیت 93 میں کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کے بارے میں ﴿فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا﴾ آیا ہے یعنی اس کی سزا جہنم ہے جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہوگا اس آیت کی تفسیر مکث طویل سے کی گئی ہے، یعنی خلود سے لمبی مدت تک جہنم میں رہنا مراد ہے۔ اور الابد مطلق زمانہ کے لئے بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے طال الابد علی لبد: یعنی اس پر ایک طویل زمانہ گزر چکا ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور زجر و توبیخ کے طور پر وارد ہوئی ہے، یعنی اس گناہ کی اصل سزا تو یہی ہے مگر دیگر نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ مومنین پر یہ سزا جاری نہیں ہوگی جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ کبھی نہ کبھی جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

دوا خبیث سے کیا مراد ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے ''خبیث دوا'' کے استعمال سے منع فرمایا ہے، ''خبیث دوا'' سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں شارحین حدیث کے اقوال درج ذیل ہیں: (۱) اس سے حرام چیز مراد ہے کہ اس سے علاج جائز نہیں مثلاً زہر وغیرہ۔ (۲) ناپاک اور نجس چیز۔ (۳) وہ دوا جسے کھانے سے طبیعت گھن کرے اور کھانے پر مائل نہ کرے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ ''دوا خبیث'' سے زہر مراد لی جائے کیونکہ بعض روایات میں اس کی تفسیر ''زہر'' سے کی گئی ہے۔

زہر کا شرعی حکم:

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہر کے بارے میں تفصیل ہے، اس کی چار صورتیں ہیں جن کے الگ الگ احکام ہیں:

① ایسا تیز زہر جس کی تھوڑی سی مقدار بھی ہلاکت کا سبب بن جائے، اس کا استعمال علی الاطلاق حرام ہے، علاج کے لئے بھی اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرہ:۱۹۵) (تم اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

② اگر زہر اس قسم کا ہو کہ اس کی کثیر مقدار تو یقیناً ہلاکت کا باعث ہو، لیکن اگر قلیل ہو تو اس میں ہلاکت کا خطرہ نہ ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ کثیر تو حرام ہے، البتہ قلیل مقدار کا استعمال دوا کے طور پر کیا جاسکتا ہے، تاہم زہر کے علاوہ اس کا اور کوئی متبادل تلاش کرتے رہنا چاہئے۔

③ ایسا زہر جس کے بارے میں گمان غالب ہو کہ اس سے موت واقع ہو جائے گی، کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے کہ اس کے استعمال سے موت واقع نہیں ہوتی، اس کا حکم بھی دو نمبر کی طرح ہے۔

④ اگر زہر اس قسم کا ہو کہ اس کے استعمال سے غالب گمان ہے کہ موت واقع نہیں ہوگی تاہم موت کا امکان ضرور ہے، یہ زہر اگر علاجاً مفید ہو تو دوا کے طور پر اسے استعمال کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اسے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لغات: یتوجا بجا: (یاء اور جیم پر زبر): چھری یا اور کوئی شے مارتا ہے۔ یتحساہ: وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر پئے گا۔ تردی: جو شخص پہاڑ سے گرا۔ سم: کی سین پر تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں اور خودکشی حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، حدیثوں میں اس بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ التَّدَاوِیْ بِالْمُسْكِرِ

باب ۸: نشہ آور چیز سے علاج کرانے کی ممانعت

(۱۹۶۹) اَنَّهُ شَهِدَ النَّبِیَّ ﷺ وَسَاَلَهُ سُوَيْدُ بْنُ طَارِقٍ اَوْ طَارِقُ بْنُ سُوَيْدٍ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ عَنْهُ فَقَالَ اِنَّا نَتَدَاوٰی بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَّلٰكِنَّهَا دَاءٌ۔

ترجمہ: علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ اس وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے جب حضرت سوید بن طارق یا شاید طارق بن سوید نے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو استعمال کرنے سے منع کر دیا انہوں نے عرض کی ہم اسے دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔

تشریح: ابواب الاشربہ کے شروع میں یہ حدیث گزری ہے کہ کل مسکر حرام: ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور حرام اور ناپاک چیز سے علاج کے بارے میں ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ ممنوع ہے لیکن اگر نشہ آور چیز میں علاج منحصر ہو اور دوسرا کوئی علاج معلوم نہ ہو تو مجبوری میں حرام اور ناپاک چیز سے بھی علاج کرانے کی گنجائش ہے اور شامی میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے۔

فائدہ: چار قسم کی شرابیں بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں، وہ چار یہ ہیں (1) انگور کی کچی شراب (2) اور انگور کی پکی شراب (3) اور منقی کی شراب (4) اور کھجور کی شراب، ان کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، گھر میں رکھنا اور کسی کام میں لانا جائز نہیں۔

اور دیگر نشہ آور چیزوں میں سے جو خشک ہیں وہ پاک ہیں اور شدید ضرورت کے وقت علاج کے طور پر طبیب کے مشورہ سے اتنی مقدار کھانا جس سے نشہ نہ ہو درست ہے اور جو نشہ آور چیزیں سیال ہیں یعنی رقیق ہیں جن کو شراب کہتے ہیں، ان میں سے مذکورہ چار شرابیں تو قطعی حرام ہیں اور ان کے علاوہ کا حکم یہ ہے کہ بعض روایات سے ان کا بھی حرام اور نجس ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے ان کا پاک ہونا اور دواء کے طور پر اتنی مقدار میں پینا۔

نشہ آور چیز سے علاج کرنے کا حکم:

حرام چیز خواہ وہ نشہ آور ہو یا نہ ہو، عام حالات میں اس سے علاج کرانا جائز نہیں ہے لیکن اگر ایسی کوئی بیماری لگ جائے، جس

میں حلال اور پاک دوا کارگر نہیں ہے اور ہر ماہر مسلمان ڈاکٹر کی رائے ہے کہ حرام دوا کے استعمال سے فائدہ یقینی ہے، تو پھر بقدر ضرورت اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل ایک باب پہلے باب ماجاء فی شرب ابوال الابل میں ''حرام اشیاء سے علاج کرانے کا شرعی حکم'' کے تحت گزر چکی ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔

مَاجَآءَ فِی السَّعُوْطِ وَغَیْرِہٖ

باب ۹: ناک میں دوا ٹپکانے وغیرہ علاج کا بیان

(۱۹۷۰) اِنَّ خَیْرَ مَاتَدَاوَیْتُمْ بِہِ السَّعُوْطُ وَاللَّدُوْدُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِیُّ فَلَمَّا اشْتَکٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَدَّہٗ اَصْحَابُہٗ فَلَمَّا فَرَغُوْا قَالَ لُدُّوْھُمْ قَالَ فَلُدُّوْا کُلُّھُمْ غَیْرَ الْعَبَّاسِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم لوگ جو علاج کے طریقے استعمال کرتے ہیں ان میں ناک میں دوا ڈالنا منہ کے ایک طرف سے دوائی پلانا پچھنے لگوانا اور اسہال سب سے بہترین طریقے ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں دوائی ڈالی جب وہ لوگ اس سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سب کے منہ میں دوائی ڈالو۔ راوی بیان کرتے ہیں پھر ان سب کے منہ میں دوائی ڈالی گئی صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے منہ میں نہیں ڈالی گئی۔

(۱۹۷۱) اِنَّ خَیْرَ مَاتَدَاوَیْتُمْ بِہِ اللَّدُوْدُ وَالسَّعُوْطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِیُّ وَخَیْرَ مَا اکْتَحَلْتُمْ بِہِ الْاِثْمِدُ فَاِنَّہٗ یَجْلُوا الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ قَالَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَلَہٗ مُکْحَلَةٌ یَکْتَحِلُ بِھَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِیْ کُلِّ عَیْنٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: تم لوگ جو علاج کرتے ہو ان میں سب سے بہترین منہ میں دوائی پلانا ہے ناک میں دوائی ڈالنا ہے پچھنے لگوانا ہے اور اسہال (کی دوائی دینا) ہے تم لوگ سرمے کے طور پر جو چیز آنکھ میں ڈالتے ہو اس میں سب سے بہترین اثمد ہے یہ نظر کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت سرمہ لگایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر آنکھ میں تین مرتبہ سرمہ ڈالتے تھے۔

اعتراضات و جوابات: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے علاج کے لئے فرمایا کہ بہترین دوا سعوط، لدود، حجامۃ اور مشی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں دوا ٹپکائی بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اشارہ سے منع فرمایا چونکہ آپ نے لدود کی تعریف فرمائی اس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے لدود کیا کہ شاید آپ کو اس سے افاقہ ہو جائے مگر جب لوگ اس سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جنہوں نے میرے منہ میں دوا ٹپکائی ہے ان سب کے منہ میں بھی دوا ٹپکائی جائے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب کے منہ میں دوا ٹپکائی گئی اس پر سوال ہوتا ہے کہ آپ نے ان سب کے منہ میں دوا

ٹپکانے کا حکم کیوں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل آپ نے اگرچہ لدود کی تعریف فرمائی تھی مگر آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تھا کہ اس مرض میں میری وفات ہونے والی ہے، لہٰذا لدود سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لئے آپ نے اشارہ کر کے منع فرمادیا تھا جیسا کہ بخاری ومسلم میں ہے فاشار ان لا تلدونی، لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کو لدود نہیں کرنا چاہئے تھا مگر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ شاید آپ ٹھیک ہوجائیں بیمار تو اس طرح کا عذر کرتا ہی ہے لدود کردیا گیا گویا یہ ایک قسم کی نافرمانی پائی گئی اس پر تعزیراً آپ نے حکم دیا کہ ان کے منہ میں دوا ٹپکائی جائے ۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل آپ کو جو بیماری تھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو ذات الجنب کی بیماری خیال کیا اور اس کے لئے لدود تجویز کرلیا حالانکہ یہ وہ بیماری نہ تھی اس وجہ سے آپ نے ان کو لدود سے منع فرمایا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ شاید آپ طبعاً دوا سے کراہت فرمارہے ہیں اس وجہ سے لدود کردیا اس پر آپ نے قصداً صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی لدود کرایا تاکہ دنیا ہی میں ان کو اس کی سزا مل جائے اور آخرت میں اس کے بدلے سے بچ جائیں گے مگر اصح قول یہ ہے کہ آپ نے انتقاماً لدود نہیں کرایا بلکہ تعزیراً لدود کرایا تھا۔

اعتراض: غیر عباس رضی اللہ عنہ : حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لدود کرنے کا حکم آپ نے نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ بوقت لدود حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر نہ تھے کما ورد فی مسلم لفظه فانه لم یشهد کم ، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لدود کا حکم کرنے والے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی تھے کما ورد فی روایة فلما افاق قال من صنع هذا بی قالوا یارسول الله عمك، اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے امر تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا ہو مگر بوقت لدود حاضر نہ ہوں اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہوا اور قاعدہ ہے کہ مرتکب کے ہوتے ہوئے متسبب پر مواخذہ نہیں ہوتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے چچا ہیں جو بمنزلہ باپ کے ہیں کما ورد فی روایة عم الرجل صنو ابیه آپ نے تعظیماً وتکریماً ان کے لدود نہیں کرایا مگر اشکال یہ ہے کہ اگر یہ لدود تعزیراً من اللہ ہو تو پھر تعزیر مانع تعظیم نہیں ہوتی اس میں جلیل وحقیر سب برابر ہیں بعض حضرات نے فرمایا دراصل حضرت عباس رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے اس لئے ان کو مستثنیٰ فرمادیا مگر اس پر یہ وہم ہوتا ہے کہ افطار کے بعد یا ایک دو دن میں تعزیراً لدود ہوسکتا تھا اس لئے کہ عذر کی بناء پر تعزیر میں تاخیر جائز ہے نیز بعض ازواجِ مطہرات (حفصہ رضی اللہ عنہا) کو باوجود صائمہ ہونے کے لدود کیا گیا کما ورد فی روایۃ۔

لغات: الاثمد: بکسر الھمزہ وسکون المثلثہ وکسر المیم ، یہ ایک قسم کا پتھر ہے جو سرخی کی طرف مائل ہوتا ہے، عربی بلاد میں ہوتا ہے، سب سے بہتر وہ پتھر ہے جو اصفہان سے لایا جاتا ہے قالہ الحافظ، بعض نے فرمایا وہ اصفہانی سرمہ ہے جو آنکھوں کی صحت وقوت کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے بالخصوص بوڑھوں اور بچوں کے لئے زیادہ مفید ہے۔

الشعر: بفتح الشین والعین المھملۃ ویجوز اسکان الشین اس سے مراد پلک ہیں جو آنکھوں کے اوپر بال ہوتے ہیں جن سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ مکحلة: بضم المیم وفتح الحاء وبینھما ساکنۃ اسم آلہ الکحل وھو المیل مگر یہاں مراد سرمہ دانی ہے، یجلو: ماخوذ من الجلاء از باب نصر : آنکھوں کو خوبصورت کرنا، روشن کرنا۔

سرمہ کے فوائد اور اس کے استعمال کی تاکید:

نبی کریم ﷺ نے سرمہ استعمال کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس کے فوائد بیان کئے ہیں کہ اس سے آنکھوں کی بیماری دور

ہوتی ہے، آنکھوں کی بینائی بڑھتی ہے، اس سے پلکوں کے بال بڑھتے ہیں جس سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے، اس لئے خود حضور ﷺ نے سرمہ مستقل طور پر استعمال فرمایا ہے، جیسا کہ روایت مذکورہ میں فرمایا کہ آپ ﷺ کی سرمہ دانی تھی جس سے آپ تین تین بار آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ سرمہ لگاتے وقت وتر کا خیال رکھو۔

سرمہ لگانے کا طریقہ:

اوّل: یہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں تین، تین سلائی سرمہ لگایا جائے۔

دوم: دونوں آنکھوں میں ملا طاق بار ہو یعنی ایک آنکھ میں تین مرتبہ اور دوسری میں دو مرتبہ داہنی آنکھ سے شروع کرنا اور داہنی پر ختم کرنا یہ مستحب ہے۔

فائدہ: ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سرمہ لگانے کی دو صورتیں ہیں اول زینت کے لئے دوم منفعت کے لئے، اگر منفعت کے لئے ہو تو اس کے لئے آپ ﷺ کا معمول اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ روزانہ رات کے وقت سرمہ لگانا زیادہ بہتر و نافع ہے چونکہ سرمہ لگانے کے بعد آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور آنکھ میں سرمہ زیادہ دیر تک رہتا ہے جس سے تمام گرد و غبار اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے۔

مذاہب فقہاء: ① امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے سرمہ لگانا مکروہ ہے مگر تداوی و معالجہ کے لئے مباح ہے کیونکہ حضور ﷺ نے علاج کی تاکید فرمائی ہے،

② جمہور فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے بھی بغیر علاج جائز ہے البتہ نیت اس میں اتباع سنت کی ہو اگر اس کے ساتھ کوئی دنیوی منفعت بھی حاصل ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے اور اگر تزئین مقصود ہو اور دن میں لگایا جائے تو مکروہ غالباً امام مالک رحمہ اللہ کے قول کا محمل بھی یہی ہے۔

فائدہ: ① دماغی بیماریوں کے لئے ناک میں دوا ڈالنا بہترین علاج ہے، رہی یہ بات کہ کس دماغی بیماری میں کون سی دوا ناک میں ٹپکائی جائے، یہ بات لوگ جانتے تھے، اس لئے حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں آیا اور آج بھی بہت سے لوگ جانتے ہیں یا طب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے مطابق حکیم علاج کرتے ہیں۔

② اور نمونیا وغیرہ میں زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دوا ڈالتے ہیں، اس کا نام لُدود ہے، یہ بھی بہترین طریقۂ علاج ہے۔

③ سینگی لگانا فسادِ خون کا بہترین علاج ہے، مگر گرم خشک ممالک ہی میں یہ علاج مفید ہے، بارد اور مرطوب خطوں میں یہ علاج مفید نہیں، جب خون میں زیادتی ہوتی ہے تو جسم کی خاص حصوں میں سینگی لگاتے ہیں اور خون چوس کر نکالتے ہیں، اس سے خون کا پریشر کم ہو جاتا ہے اور خون کی بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

④ مسہل لینا بھی بہترین طریقۂ علاج ہے مگر لوگ اس کی اہمیت نہیں جانتے، حالانکہ مہینہ میں ایک مرتبہ کوئی ہلکا مسہل لیا جائے تو پیٹ صاف ہو جائے گا اور معدہ کی بیماریوں سے حفاظت ہو جائے گی۔

لغات: السعوط: (بفتح السین) اسم ہے، ناک میں ڈالنے کی دوا، اور السعوط (بضم السین) مصدر ہے۔ سعط الدواء: ناک میں دوا چڑھانا (یہ فرق الطهوذ اور الطهود کی طرح ہے) لدود (بفتح اللام) اسم ہے، منہ زبان کی ایک جانب سے ڈالنے کی دوا،

لدود (بضم اللام) مصدر ہے، لدالمریض: بیمار کی زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دوا ڈالنا۔ الحجامة: پچھنے لگانا، سینگی لگانا، یعنی سینگی کے ذریعہ خراب خون چوسنا۔ المشی: مسہل دوا، امشی الدواء فلانًا: دوا سے کسی کو دست آنا، استمشی فلان اور استمشی بالدوا: مسہل (دست آور) دوا لینا، جلاک لینا۔ تداوی: دوا لینا، اپنا علاج کرنا۔ جلا یجلو بصرہ بالکحل: نگاہ کو سرمہ سے صاف کرنا، جلا دینا۔ المکحلة: سرمہ دانی، اکتحل الرجل: سرمہ لگانا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ الْکَیِّ

باب ۱۰: گرم لوہے سے داغنے کی ممانعت

(۱۹۷۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰی عَنِ الْکَیِّ قَالَ فَابْتُلِیْنَا فَاکْتَوَیْنَا فَمَا اَفْلَحْنَا وَلَا اَنْجَحْنَا.

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے داغ لگوانے سے منع کیا ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں: جب ہم بیمار ہوئے ہم نے (علاج کے طور پر) داغ لگوائے لیکن بیماری سے چھٹکارا نہیں ملا اور ہم کامیاب نہیں ہوئے۔

(۱۹۷۳) قَالَ نُهِیْنَا عَنِ الْکَیِّ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمیں داغ لگوانے سے منع کیا گیا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے احادیث منقول ہیں۔

تشریح: الکیّ، الکیّة مصدر ہیں، کواہ یکوی: لوہا تپا کر کھال کو داغنا، اسی سے کپڑوں کی پریس کو المکواۃ کہتے ہیں۔

داغ لگا کر علاج کرانے کا شرعی حکم؟

گزشتہ زمانہ میں کچھ بیماریوں کا علاج داغنا تھا، اور یہ نہایت تکلیف دہ علاج تھا، اگر چہ سُن کرنے والی دوا لگا کر داغتے تھے مگر جب سُن کرنے والی دوا کا اثر ختم ہو جاتا تھا تو بے چین کرنے والی تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔ اس لئے نبی ﷺ نے علاج کے اس طریقہ سے منع فرمایا اور مکروہ ہے۔

پہلے باب میں ممانعت کی روایت ہے، مگر آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ اس طریقہ سے علاج کیا بھی ہے، دوسرے باب میں یہ روایت ہے، پس نہایت سخت مجبوری ہو لیکن اگر کسی مرض کا اور کوئی علاج مفید نہ ہو اور ماہر مسلمان ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ اس مرض کا آخری علاج صرف ''داغنا'' ہی ہے اور اس سے فائدہ بظاہر یقینی ہے تو پھر داغنے کا علاج بغیر کسی کراہت کے درست ہوگا۔ کیونکہ علاج سنت ہے مگر کوئی خاص طریقۂ علاج سنت نہیں، اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

———※———

بَابُ مَا جَآءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

باب ١١: گرم لوہے سے داغنے کی اباحت

(۱۹۷۴) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَوٰى اَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پھوڑے پر داغ لگوایا تھا۔

(۱۹۷۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَوَاهُ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے نبی اکرم ﷺ نے انہیں داغ لگوائے تھے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے "کیّ" کے بارے میں دو باب قائم کئے ہیں پہلے باب میں اسے استعمال کرنے کی کراہت کا ذکر ہے جبکہ دوسرے باب میں علاج کے اس طریقے کے رخصت اور اجازت کا بیان ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات دونوں طرح کی ہیں،

روایات اباحت ورخصت:

بعض روایات میں نبی کریم ﷺ نے داغ کے ذریعہ علاج کرانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے پہلے باب میں روایات ذکر فرمائی ہیں، آپ نے یہ طریقہ علاج پسند نہیں فرمایا، اس طرح کی روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، دوسری طرف وہ روایات ہیں جن میں داغ کے ذریعے علاج کی اجازت کا ذکر ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسرے باب میں روایت ذکر کی ہے صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر جابر کو داغ لگایا تھا، ایسے ہی طلحہ کو عہد رسالت میں نمونیہ کی وجہ سے داغ لگایا گیا، دیگر بہت سے واقعات ہیں جن میں بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگانے کا ذکر ہے، ان تمام روایات سے اباحت اور جواز معلوم ہوتا ہے، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے۔

(1) ممانعت کی احادیث سے خلاف اولیٰ اور مکروہ مراد ہے جبکہ اس مرض کا اور کوئی بہتر علاج موجود ہو۔

(2) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "داغ لگانا" دوطرح کا ہوتا ہے۔ کی الصحیح: تندرست آدمی جسے کوئی مرض نہ ہو، حفاظت کے طور پر پیشگی "داغ" لگوائے تو یہ ممنوع ہے، اسی کے بارے میں کہا گیا ہے: لم یتوکل من اکتوی (جو داغ لگائے، وہ متوکل نہیں)۔

کی الجرح: وہ شخص جو واقعی کسی مرض میں مبتلا ہو یا کسی زخم سے دوچار ہو، جس کا علاج "داغ" کے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر اس میں کوئی ممانعت اور کراہت نہیں ہے۔

(3) ممانعت کا حکم اس رسم سے متعلق ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھی، اہل عرب داغنے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اس میں

اس قدر مبالغہ تھا کہ کسی ڈاکٹر اور طبیب سے مشورہ کے بغیر ہر مرض کے لئے داغنے کو ضروری قرار دیتے تھے، اسی وجہ سے یہ محاورہ کہا جانے لگا: اخر للدواء الکی (آخری علاج داغنا ہے) لیکن ان کا یہ طریقہ درست نہیں تھا کیونکہ ہر مرض کے لئے یہ طریقہ علاج مفید نہیں، نیز اہل عرب اس طریقے سے داغتے تھے کہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا تھا، یوں اس مریض کو گویا عذاب دیا جاتا تھا، اس طریقہ کار سے اسلام نے منع کیا۔

حَدِیْث: انس رضی اللہ عنہ فی الباب ان النبی ﷺ کوی اسعد بن زرارۃ من الشوکۃ، حدیث جابر رضی اللہ عنہ اخرجہ مسلم، وحدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ. ان کے علاوہ اور بھی آثار ہیں۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو داغ لگوانے سے منع فرمایا مگر ہم نے داغ لگوایا تو کامیابی نہ ہوئی، دراصل آپ ﷺ نے بلاضرورت شدیدہ داغ سے منع فرمایا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غیر ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہوئے داغ لگوالیا تو شفاء نہ ہوئی ورنہ آپ کے منع فرمانے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخالفت کا تصور نہیں ہوسکتا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کا مرض تھا ان کے لئے داغ لگوانا مضر تھا حضور ﷺ نے خاص طور پر ان کو منع فرمایا تھا جب مرض زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے مجبوراً داغ لگوایا مگر شفاء نہ ہوئی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْحِجَامَةِ

باب ۱۲: پچھنے لگوانے کا بیان

(۱۹۷۶) کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَحْتَجِمُ فِی الْاَخْدَعَیْنِ وَالْکَاهِلِ وَکَانَ یَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ.

تَرْجَمَہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سر کی دونوں جانب میں اور کندھے کے درمیان والے حصے میں پچھنے لگوائے ہیں آپ ﷺ نے یہ عمل سترہ انیس یا اکیس تاریخ کو کیا تھا۔

(۱۹۷۷) حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لَیْلَةِ اُسْرِیَ بِهٖ اَنَّهٗ لَمْ یَمُرَّ عَلٰی مَلَاٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ اِلَّا اَمَرُوْهُ اَنْ مُّرْ اُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ.

تَرْجَمَہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنا معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی آپ ﷺ فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرے انہوں نے آپ ﷺ سے صرف یہی گزارش کی کہ آپ ﷺ اپنی امت کو (علاج کے طور پر) پچھنے لگوانے کی ہدایت کریں۔

(۱۹۷۸) کَانَ لِابْنِ عَبَّاسٍ غِلْمَةٌ ثَلَاثَةٌ حَجَّامُوْنَ فَکَانَ اثْنَانِ یُغِلَّانِ عَلَیْهِ اَهْلِهٖ وَوَاحِدٌ یَحْجِمُهٗ وَیَحْجِمُ اَهْلَهٗ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ نِعْمَ الْعَبْدُ الْحَجَّامُ یَذْهَبُ بِالدَّمِ وَیُخِفُّ الصُّلْبَ وَیَجْلُوْا عَنِ الْبَصَرِ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَحَیْثُ عُرِجَ بِهٖ مَا مَرَّ عَلٰی مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ اِلَّا قَالُوْا عَلَیْكَ بِالْحِجَامَةِ

وَقَالَ اِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ يَوْمَ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَقَالَ اِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوْطُ وَاللَّدُوْدُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَدَّهُ الْعَبَّاسُ وَاَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَدَّنِيْ فَكُلُّهُمْ اَمْسَكُوْا فَقَالَ لَا يَبْقٰى اَحَدٌ مِّمَّنْ فِي الْبَيْتِ اِلَّا لُدَّ غَيْرُ عَمِّهِ الْعَبَّاسِ قَالَ النَّضْرُ اللَّدُوْدُ الْوَجُوْرُ.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تین غلام تھے جو پچھنے لگایا کرتے تھے ان میں سے دو اجرت پر کام کرتے تھے ایک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے گھر والوں کو پچھنے لگانے کے لیے مخصوص تھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات بیان کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچھنے لگانے والا غلام بہترین ہوتا ہے جو خون نکال دیتا ہے اور پشت کو ہلکا کر دیتا ہے اور نظر کو صاف کر دیتا ہے۔ انہوں نے یہ بات بھی بیان کی ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لیے تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی ہوا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی گزارش کی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے یہ کہیں) تم لوگ پچھنے لگوایا کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی بیان کی ہے پچھنے لگانے کی بہترین تاریخ سترہ تاریخ ہے انیس تاریخ ہے یا اکیس تاریخ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جو علاج کرتے ہو ان میں سے بہتر ناک میں دوا ڈالنا ہے منہ میں دوا ڈالنا ہے پچھنے لگوانا ہے اور اسہال (کی دوا دینا ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات بھی بیان کی ہے ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کی بیماری کے دوران زبردستی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں دوا ڈالی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر میں موجود ہر شخص کے منہ میں دوا ڈالی جائے البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کے منہ میں نہ ڈالی جائے۔

نضر نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے لدود کا مطلب منہ کے ایک طرف سے دوائی پلانا ہے۔

تشریح: سینگی لگوانا فساد خون کا بہترین علاج ہے: رہی یہ بات کہ سینگی جسم کے کس حصہ میں لگائی جائے؟ اور کن بیماریوں میں لگائی جائے؟ اور کن تاریخوں میں لگائی جائے؟ یہ باتیں اس فن کے ماہرین جانتے ہیں۔

پچھنے لگانے کے مناسب اوقات:

اس باب کی احادیث میں پچھنے لگانے کی ترغیب کو بیان کیا گیا ہے اور اس کا کہ سینگی کس دن اور کن اوقات میں لگانا زیادہ موزوں اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں جسم سے زائد خون نکالنے کا یہی طریقہ رائج تھا، عرب کا علاقہ چونکہ آب و ہوا کے لحاظ سے گرم ہے، وہاں کے لوگوں کی غذا بہت مقوی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان کے بدن میں خون کی فراوانی ہو جاتی، پھر سینگی کے ذریعہ اس خون کو نکالا جاتا، تاکہ جسم سے بھاری پن، سستی اور مختلف امراض سے بچاؤ ہو سکے، کیوں کہ اطباء نے اپنے تجربات کی روشنی میں لکھا ہے کہ بدن کے مختلف حصوں پر مختلف بیماریوں کے لئے پچھنے لگانا نہایت ہی مفید ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک سے زیادہ بار جسم کے مختلف مقامات پر سینگی لگوائی ہے، آپ کے صحابہ کے ہاں بھی یہ طریقہ علاج عام تھا، اس لئے کسی ماہر مسلمان ڈاکٹر سے مشورہ کے بعد آج بھی اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو بہر حال مفید ہوگا۔

یوں تو یہ سینگی ضرورت کے وقت کسی بھی وقت اور کسی بھی دن اور تاریخ میں لگائی جاسکتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے رات کے وقت اور روزے کی حالت میں بھی پچھنے لگوانا ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سینگی کسی بھی وقت لگوائی جاسکتی ہے تاہم احادیث میں خاص طور پر ان اوقات اور ایام کو بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں اگر سینگی لگائی جائے تو اس کا فائدہ عام اوقات اور ایام کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں مہینے کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو پچھنے لگانا زیادہ بہتر قرار دیا ہے، اسی طرح جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن پچھنے لگوانے چاہئیں، بدھ اور ایک روایت میں منگل کے دن اس کی ممانعت آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: منگل کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں جاری ہونے والا خون بند نہیں ہوتا۔

فائدہ: ''حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اطباء کے ہاں دن کے دوسرے اور تیسرے حصے میں پچھنے لگانا زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہوتا ہے، غسل اور ہمبستری کے بعد پچھنے لگانا درست نہیں، ایسے ہی زیادہ بھوک یا زیادہ شکم سیری کی حالت میں بھی ٹھیک نہیں، مہینہ کے آخری پندرہ دنوں میں یہ لگائے جائیں، چودہ تاریخ سے 23 تاریخ تک کے دن اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوتے ہیں کیونکہ جسم کے اخلاط (خون، سودا، اصفر اور بلغم) میں مہینے کی ابتداء میں ہیجان اور جوش ہوتا ہے جبکہ مہینے کے آخر میں یہ سکون ہوتے ہیں اس لئے درمیان کا عرصہ بہتر ہے کیونکہ وہ اخلاط کے اعتدال کا زمانہ ہوتا ہے۔

باب کی پہلی حدیث نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے کا ذکر ہے کہ آپ نے گردن کی دونوں طرف کی پوشیدہ رگوں اور کندھے پر پچھنے لگوائے، اور آپ ﷺ سترہ، انیس، اور اکیس تاریخ میں لگواتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو فرشتوں کی جس جماعت کے اس سے آپ کا گزر ہوتا تو وہ آپ سے گزارش کرتے کہ اپنی امت کو پچھنے لگانے کا حکم دے دیجیے۔ اس میں لفظ ''مُر'' گو کہ صیغہ امر ہے، لیکن اس سے وجوب مراد نہیں بلکہ استحباب مراد ہے کہ سینگی کے ذریعہ خون کا نکالنا بہتر اور مستحب ہے، ضروری نہیں، البتہ اگر کوئی مرض ایسا ہو کہ اس کا علاج سینگی لگائے بغیر نہ ہوسکتا ہو تو پھر پچھنے لگوانا شرعاً ضروری ہو جاتا ہے۔

فائدہ: پچھنے لگوانا ان لوگوں کے لئے مفید ہوتا ہے جن کے مزاج میں حرارت ہو، برودت نہ ہو، لہٰذا جن لوگوں کے مزاج میں ٹھنڈک زیادہ ہو، حرارت نہ ہو، ان کے لئے پچھنے لگوانا زیادہ مفید نہیں، چنانچہ امام طبری نے سند صحیح کے ساتھ ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ''جب آدمی کی عمر چالیس سال کو پہنچ جائے تو پچھنے نہ لگائے جائیں'' کیونکہ اس کی طبیعت میں کمزوری اور ضعف شروع ہو چکا ہے، اب ہر دن اس کا قدم مزید بڑھاپے کی طرف بڑھ رہا ہے، اب اگر اسے سینگی لگائی گئی تو اس کا ضعف اور بڑھ جائے گا، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس عمر میں اسے پچھنا نہ لگایا جائے۔

لغات: الحجامة: پچھنے لگانا یعنی سینگی کے ذریعہ خراب خون چوسنا۔ یحتجم: آپ ﷺ پچھنے لگواتے تھے۔ احدعین: یہ تثنیہ ہے اخدع کا: گردن کے دونوں طرف دو پوشیدہ رگیں۔ الکاهل: کندھا۔ اسری به: (ماضی مجہول کا صیغہ ہے) آپ ﷺ کو رات کے وقت لے جایا گیا۔ حجامون: حجام کی جمع ہے: پچھنے لگانے والے۔ یغلان: وہ دونوں پچھنے لگا کر (حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل وعیال کے پاس) آمدنی لاتے ہیں۔ یحجم: وہ پچھنے لگاتا ہے۔ نضر کہتے ہیں کہ لدود اور وجور دونوں ہم معنی ہیں یعنی منہ کی ایک جانب دوا ڈالنا جبکہ بعض حضرات نے ان میں فرق بیان کیا ہے کہ لدود کے معنی تو یہی ہیں اور ''وجور'' اس دوا کو کہا جاتا ہے جو گلے میں

ڈالی جائے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّدَاوِیْ بِالْحِنَّاءِ

باب ۱۳: مہندی سے علاج کرنا

(۱۹۷۹) مَا کَانَ یَکُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرْحَۃٌ وَّلَا نَکْبَۃٌ اِلَّا اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اَضَعَ عَلَیْہَا الْحِنَّاءَ.

ترجمہ: علی بن عبید اللہ اپنی دادی کا یہ بیان نقل کرتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتی تھیں وہ فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی زخم وغیرہ لگ جاتا تو آپ مجھے یہ ہدایت کرتے تھے کہ میں اس پر مہندی لگا دوں۔

تشریح: مہندی: انار جیسا ایک درخت ہے، اس کے پتے سنا کے پتوں کے مشابہ ہیں، ان کو پیس کر عورتیں ہاتھوں پر لگاتی ہیں جس سے سرخ رنگ پیدا ہوتا ہے، اس کا مزاج سرد اور گرم دو جواہروں سے مرکب ہے، جن میں گرم جوہر غالب ہے، مگر سرد جوہر کی قوت بہت جلد نمایاں ہوتی ہے اور اس کا مزاج سرد خشک بیان کیا جاتا ہے، مہندی مُسکن الم اور مخفف ہے، ورموں کو تحلیل کرتی ہے، مدر بول اور مصفی خون ہے، اس کو پانی میں پیس کر ہاتھ پاؤں کی سوزش کو رفع کرنے کے لئے ہتھیلی اور تلوؤں پر لگاتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف بیماریوں میں مختلف طرح سے استعمال کی جاتی ہے۔ (مخزن مفردات، کتاب الادویہ)

مہندی سے زخموں کا علاج:

مہندی کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے، اس لئے یہ زخم کی حرارت اور درد کو کم کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زخم کے علاج کے لئے مہندی کا استعمال فرماتے تھے، مہندی خارش، بدن کی سوزش اور پیروں کے تلوؤں کے لئے بھی نافع ہوتی ہے اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کی خارش کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے، بسا اوقات انگلیوں کے درمیان جو کھال گلنے لگتی ہے، اس کے لئے بھی یہ مفید ہوتی ہے۔

راوی کا تعارف: اس حدیث کو حضرت سلمی رضی اللہ عنہا سے ان کے پوتے عبید اللہ بن علی بن ابی رافع رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں، بعض راویوں نے ان کا نام الٹ کر علی بن عبید اللہ کر دیا ہے، یہ صحیح نہیں اور غلط فہمی کی وجہ یہ بنی کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے عبید اللہ نامی بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سکریٹری تھے، لوگوں نے اس علی کو ان کا لڑکا قرار دے دیا، حالانکہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے علی نامی بھی ایک لڑکے تھے جن کے عبید اللہ نامی یہ لڑکے ہیں، پھر ان سے فوائد روایت کرتے ہیں جو ابو رافع کے خاندان کے آزاد کردہ ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے شاگرد حماد کی سند لکھی ہے جس میں علی بن عبید اللہ ہے جو صحیح نہیں، پھر فائد کے دوسرے شاگرد زید بن حباب رحمۃ اللہ علیہ کی سند پیش کی ہے جس میں صحیح نام عبید اللہ بن علی ہے۔

لغات: الحناء: مہندی، مہندی کے پتے۔ قرحۃ: زخم جو تلوار اور چھری سے ہو۔ نکبۃ: وہ زخم جو پتھر کاٹنے کی وجہ سے ہو۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الرُّقْيَةِ

باب ۱۴: جھاڑ پھونک کی ممانعت

(۱۹۸۰) مَنِ اكْتَوٰى اَوِ اسْتَرْقٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے داغ لگوایا یا دم کروایا وہ توکل سے بری الذمہ ہوگیا۔

تشریح: من اکتوی... من التوکل اس کے دو مطلب ہیں: ① جو شخص بغیر کسی ضرورت اور مجبوری کے اسباب صحت میں خوب مبالغہ کرتا ہے یا وہ جو اپنی بیماریوں کو جھاڑ پھونک کے ایسے کلمات سے دور کرنے میں مبالغہ کرتا ہے جو کلمات نہ تو کتاب اللہ کے ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کے اسماء یا صفات میں سے ہیں اور نہ ہی مسنون اذکار ہیں تو ایسا شخص توکل کے مقام سے گر جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کے بجائے اسباب پر جمی ہوئی ہے، وہ اسباب و ذرائع اختیار کرنے میں زیادہ منہمک ہے، حالانکہ مومن کے ایمان کامل کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی نظر ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو اور اسباب پر صرف ذرائع کی حد تک ہو، اس لئے امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت دروازے پر تالہ لگائے اور اس کے باوجود پڑوسی کو بھی خیال رکھنے کی تاکید کرے تو ایسا شخص متوکل لوگوں کی فہرست سے نکل جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر اسباب پر مبالغہ کی حد تک پہنچ چکی ہے جو مقام توکل کے بہر حال منافی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عام مسلمانوں کو امراض و آفات کے دفعیہ کے لئے اسباب و ذرائع اختیار کرنے چاہئیں، یہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل کے منافی نہیں جبکہ انہیں مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے، ہاں اگر کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے بلند مقام پر اس طرح پہنچ جائے کہ دنیا کے سازوسامان اور اسباب سے بالکل اعراض کرتا ہو، دنیا کی کسی چیز کے ساتھ اس کا لگاؤ نہ ہو تو ایسا شخص اسباب و ذرائع اختیار کرنے سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے، یہ توکل کا سب سے اعلیٰ مقام ہوتا ہے جو ہر شخص کو حاصل بھی نہیں ہوتا، ایک روایت کے مطابق ایسے ستر ہزار لوگوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا یہ لوگ امراض کے علاج کے لئے نہ تو داغ لگواتے تھے اور نہ جھاڑ پھونک کراتے، محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور توکل کرتے رہے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس مقام کو حاصل کرنے کا انسان مکلف نہیں ہے اور ویسے بھی اس زمانے میں امراض وغیرہ میں ترک اسباب کیا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ طبیعتوں میں کمزوری اور ضعف غالب ہے، اس لئے احکام شریعت پر اعتدال کے ساتھ عمل کرتے رہنا چاہئے اور امراض وغیرہ سے دفاع کے لئے اسباب کی حد تک علاج وغیرہ ضرور کرایا جائے لیکن نظر ہر موقع پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی رہے کیونکہ وہی ہر مرض سے شفاء اور ہر غم سے نجات دینے والے ہیں، ہر موقع پر اسی کو پکارا جائے اور اسی سے مانگا جائے، یہی چیز دنیا اور آخرت میں کامیابی کا باعث ہے۔

② بعض حضرات نے س حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص یہ نظریہ رکھے کہ بیماری سے شفاء اور صحت ان دو چیزوں یعنی

داغنے اور جھاڑ پھونک کرانے میں ہی منحصر ہے، صرف انہی سے ہی شفاء حاصل ہوتی ہے تو ایسا شخص توکل سے بری ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی سبب کے بغیر بھی شفا دینے پر قادر ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرُّخْصَةِ فِیْ ذٰلِکَ

باب ۱۵: جھاڑ پھونک کی اجازت

(۱۹۸۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِی الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ وَالْعَيْنِ وَالنَّمْلَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بچھو کے کاٹنے اور پھوڑے پھنسیوں میں دم کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۱۹۸۳) لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دم صرف نظر لگنے کی صورت میں اور بچھو کے کاٹنے کی صورت میں کیا جا سکتا ہے شعبہ نے اس روایت کو حصین کے حوالے سے شعبی کے حوالے سے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: دونوں بابوں کی تشریح: دم اور جھاڑ پھونک کے بارے میں روایات چونکہ دونوں طرح کی ہیں، بعض سے اس کا جواز جبکہ دوسری بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، اس لئے امام ترمذی نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں ان روایات کا ذکر ہے جن سے جھاڑ پھونک کی کراہت اور دوسرے باب کی احادیث سے اس کی اجازت ثابت ہوتی ہے، پس اس رخصت کو پہلے باب کی وجہ ممانعت کے تناظر میں دیکھنا ہوگا یعنی پہلے باب کی حدیث میں نہی کی جو وجہ ہوگی جواز کی حدیث میں اس وجہ کی نفی رخصت کی علت ہوگی۔

(1) ممانعت کی روایات اس جھاڑ پھونک سے متعلق ہیں جس کے الفاظ غیر عربی ہوں اور ان کے معنی معلوم نہ ہوں کیونکہ اس میں بسا اوقات کفر کا اندیشہ ہوتا ہے اور جواز والی احادیث سے وہ دم مراد ہے جو قرآنی آیات یا منقول کلمات اور اذکار سے کیا گیا ہو۔

(2) جھاڑ پھونک کی حرمت ان لوگوں سے متعلق ہے جو اسے موثر بالذات اور سبب حقیقی سمجھتے ہوں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا نظریہ یہ تھا، چونکہ جھاڑ پھونک سے علاج میں کامیابی کی صور میں آدمی کا عقیدہ کچھ نہ کچھ متزلزل ہونے کا قوی اندیشہ رہتا ہے اگرچہ خواص اس سے محفوظ رہتے ہیں مگر عوام بیچارے تو فائدے کو دیکھتے ہیں او ظاہری فائدہ جس چیز سے حاصل ہوتا ہے عوام اسی کو مفید بلکہ موثر سمجھنے لگتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ یہ ظن غلبہ اختیار کرتا رہتا ہے اس لئے پہلے باب کی حدیث میں ان دونوں سے روکا گیا، پس مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ کامل توکل سے محروم ہو جاتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بغیر اضطراب اور ضرورت کے ایسا کرے گا تو وہ توکل میں نقصان اٹھائے گا یا پھر یہ روایت اس وقت سے متعلق ہے جب لوگ نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے اور قرآنی تعلیمات ابھی ابتدائی حالت میں تھیں جب لوگوں نے عقائد کی تفصیل معلوم کر لی تو پھر یہ حکم منسوخ ہوا

علیٰ ہذا اس ممانعت کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن دوسرے میں اس کی رخصت بیان ہوئی ہے

جھاڑ پھونک کا شرعی حکم:

دم اور جھاڑ پھونک شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں:

(1) یہ جھاڑ پھونک قرآن مجید کی کسی آیت یا اللہ تعالیٰ کے اسماء یا صفات میں سے کسی سے کیا جائے۔

(2) یہ کلمات عربی زبان میں ہوں، جن کے معنی معلوم اور شریعت کے موافق ہوں، یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہوں لیکن ان کا مفہوم واضح ہو اور شریعت کے خلاف نہ ہو، لہٰذا ایسے کلمات جو کفر و شرک کے معنی پر مشتمل ہوں یا جو بے معنی اور غیر واضح ہوں ان سے دم کرنا جائز نہیں۔ البتہ بعض ایسے دم اور منتر جن کے الفاظ و کلمات صحیح احادیث میں منقول ہیں لیکن ان کے معنی اور مفہوم معلوم نہیں ہیں تو ان کے ذریعہ دم اور جھاڑ پھونک کرنا شرعاً جائز ہے۔

(3) جھاڑ پھونک کو مؤثر بالذات اور سبب حقیقی نہ سمجھا جائے۔ جبکہ اسے اسباب کے درجہ میں مان کر اعتماد صرف اللہ پر ہو مگر یہ قدرت عوام کو شاید حاصل ہونا مشکل ہو، لہٰذا جھاڑ پھونک کے وقت ان کو بتانا چاہئے کہ شفا دینے والا صرف اللہ ہے اسی نے اپنے کلام میں شفاء رکھی ہے۔

لا رقیۃ الامن عین او حمۃ: اس حدیث میں جھاڑ پھونک کا ذکر اگرچہ دو چیزوں میں ہے لیکن اس سے حصر مراد نہیں ہے، ایسے ہی پہلی حدیث میں تین چیزیں یعنی حمہ، عین اور نملہ کا ذکر فرمایا، اس سے دوسرے امراض وغیرہ میں جھاڑ پھونک اور دم کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے، ان چیزوں میں چونکہ دم اور جھاڑ پھونک کا اثر زیادہ مفید اور زیادہ بہتر ہوتا ہے اس لئے ان احادیث میں خاص طور پر انہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

زہریلے جانور یعنی سانپ بچھو وغیرہ کے ڈسنے کا دم:

جب کوئی زہریلا جانور ڈس لے تو احادیث میں اس پر دم کرنے کے مختلف اذکار منقول ہیں، ان میں سے کوئی بھی کیا جا سکتا ہے:

(1) سانپ وغیرہ ڈس لے تو اس پر سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر لیا جائے۔

(2) ایک دفعہ دوران نماز بچھو نے نبی کریم ﷺ کو ڈس لیا، آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ بچھو پر خدا کی لعنت ہو، نہ نماز پڑھنے والے کو چھوڑتا ہے نہ کسی دوسرے کو، اس کے بعد پانی اور نمک منگایا اور نمک کو پانی میں گھول کر ڈسنے کی جگہ پر پھیرتے رہے، ساتھ ساتھ سورۃ کافرون اور معوذتین یعنی آخری دو سورتیں پڑھتے رہے۔

زخم اور پھوڑے پھنسی کا دم:

نبی کریم ﷺ زخم اور پھوڑے پھنسی پر ان کلمات سے دم فرماتے: بسم اللہ تربۃ ارضنا، بریقۃ بعضنا، لیشفی بہ سقیمنا، باذن ربنا۔ میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں، یہ ہماری زمین کی مٹی ہے، جو ہم میں سے بعض کے لعاب دہن سے ملی ہوئی ہے، تاکہ اس کے ذریعے ہمارا مریض ہمارے رب کے حکم سے شفایاب ہو جائے۔ اس دم کا طریقہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ شہادت کی انگلی سے لعاب مبارک لیتے، پھر اسے مٹی میں رکھتے، اور مٹی لگ جانے کے بعد اس انگلی کو مریض کے زخم یا پھنسی پر رکھ کر مذکورہ کلمات ارشاد فرماتے، اس لئے جب کبھی دم کرنا ہو تو اسی مسنون طریقے کے مطابق کرنا چاہئے۔

مٹی کی تاثیر چونکہ ٹھنڈی اور خشک ہوتی ہے، اس لئے اس سے زخم کی جگہ اور پھوڑے پھنسی ٹھیک ہوجاتے ہیں اور زخم خشک ہونے لگتا ہے، اسی طرح لعاب میں بھی یہ خصوصیت ہے۔لیکن امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان طبی توجیہات اور تاویلات کی سرے سے ضرورت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کا اثر ہوتا ہے کہ مریض کا زخم اور پھوڑے پھنسی درست ہوجاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الرُّقْيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

باب ۱۶: معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) سے جھاڑنا

(۱۹۸۴) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ حَتّٰى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتَا أَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں اور انسانوں کی نظر لگ جانے سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوئیں۔ جب یہ دونوں نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں (پڑھ کر دم کرنا) اختیار کرلیا اور دیگر دعاؤں کو ترک کردیا۔

معوذتین سے جھاڑ پھونک کا ذکر:

چونکہ نظر بد ایک حقیقت ہے اور ہر ایک کو لگ سکتی ہے اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے شر اور نظر بد کے ضرر سے بچنے کے لئے دعا مانگتے مثلاً: "اعوذ باللہ من الجان و عین الانسان" پھر جب لبید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تو اس سے شفاء کے لئے یہ دونوں سورتیں نازل ہوگئیں جس کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کا پڑھنا معمول بنایا اور باقی معوذات کا پڑھنا کم کردیا کیونکہ اس سورتوں میں جو جامعیت اور برکت ہے وہ دوسری ادعیۂ تعوذ میں نہیں ہے لہٰذا باقی تعوذاتِ ماثورہ کا پڑھنا بدستور جائز ہے منسوخ نہیں۔

قال ابن العربی رحمہ اللہ فی العارضۃ: "اذا کان الافضل الرقیۃ بکتاب اللہ فالفاتحۃ اصل ... و بالمعوذتین ... او بکلمات المرویۃ عنہ فی تعویذ الحسن و فی تعویز جبریل و ثابت"

معوذتین کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں مگر یاد رہے کہ کسی سورت یا آیت کا مکرر نازل ہونا ممنوع نہیں۔ ان میں سے پہلی سورۃ یعنی سورۃ فلق میں دنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے، اور دوسری سورۃ یعنی سورہ ناس میں اخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے، حقیقت یہ ہے بہت سی مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں۔

① حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرکے سارے بدن پر پھیرتے تھے، پھر جب مرض وفات میں آپ کی بیماری میں شدت آگئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کردیتی تھی، آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے، میں یہ کام اس لئے کرتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں

کا بدل میرے ہاتھ نہیں ہو سکتے تھے۔

② ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

③ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول ﷺ نے معوذتین پڑھائیں، پھر انہیں مغرب کی نماز میں بھی پڑھا اور پھر فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کو سوتے وقت بھی پڑھا کرو اور اٹھتے وقت بھی۔ حاصل نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے اہتمام سے انہیں پڑھا کرتے، اس لئے تمام مسلمانوں کو ان سے استفادہ کرنا چاہئے، کیونکہ ان دونوں سورتوں کی جادو کے توڑ، نظر بد اور تمام روحانی اور جسمانی آفات کو دور کرنے میں بڑی تاثیر ہے، تو ہر نماز کے بعد انہیں ضرور پڑھنا چاہئے۔

لغات: عوذ اور عیاذ پناہ اور پناہ میں آنے کو کہتے ہیں جبکہ تعوذ پناہ میں آنے اور پناہ لینے کو کہا جاتا ہے۔ قولہ "المعوذتان" اصطلاح میں سورۂ فلق اور سورۂ الناس دونوں کہتے ہیں۔

المعوذۃ: اس فاعل واحد مؤنث، پناہ دینے والی، المعوذتان (تثنیہ) سورۂ فلق اور سورۂ ناس جو سحر وغیرہ دفع کرنے لئے اکسیر ہیں، یہ دونوں سورتیں چونکہ بندے کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں اس لئے ان کا یہ نام ہے۔ **العوذۃ:** تعویذ، گنڈا وغیرہ جو بیماری دور کرنے کے لئے یا سحر جن کو دفع کرنے کے لئے قرآنی آیات یا اللہ کا نام لکھ کر یا پڑھ کر تیار کیا جاتا ہے، اسی کو تعویذ بھی کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرُّقْیَةِ مِنَ الْعَیْنِ

باب ۱۷: نظر بد سے جھاڑ کا بیان

(۱۹۸۵) اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَیْسٍ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ اِلَیْهِمُ الْعَیْنُ اَفَاَسْتَرْقِیْ لَهُمْ فَقَالَ نَعَمْ فَاِنَّهٗ لَوْ کَانَ شَیْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَیْنُ.

ترجمہ: سیدہ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ (حضرت) جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو نظر بڑی جلدی لگ جاتی ہے کیا میں ان پر دم کر دیا کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جا سکتی ہے تو وہ نظر لگنا ہے۔

(۱۹۸۶) کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ یَقُوْلُ اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّةٍ وَّیَقُوْلُ هٰکَذَا کَانَ اِبْرَاهِیْمُ یُعَوِّذُ اِسْحٰقَ وَاِسْمٰعِیْلَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے ہوئے یہ پڑھا کرتے تھے۔ "میں تم دونوں کو ہر شیطان ہر تکلیف اور ہر لگنے والی نظر سے اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں۔"

نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے حضرت ابراہیم بھی حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق (علیہم السلام) کو ان الفاظ کے ذریعے دم کیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بصیغۂ تصغیر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں، یہاں سوال اپنے ہی بچوں کے بارے میں مراد ہے مگر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کو سوال میں اُجاگر کرنا مقصود ہے تاکہ نظر بد لگنے کی وجہ بھی ساتھ ساتھ ذکر کر دیں کیونکہ

"الولد سر لابیہ" یعنی میرے بچوں کوخوبصورتی کی وجہ سے نظر بدلگتی ہے کیونکہ آخر وہ جعفر ہی کے بچے ہیں نظر کیوں نہ لگے گی، پھر ولد بفتحتین مفرد اور جمع ایک تا دس مذکر اور مؤنث سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کا بہترین ترجمہ اردو میں "اولاد" ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کا اجازت دینا ان کی خصوصیت نہیں بلکہ عام اذن ہے بشرطیکہ وہ کلمات ماثور یا کم از کم معنی صحیح پر مشتمل ہوں اور جہاں تک جواب میں اضافے کا تعلق ہے تو یہ مبالغے کے لئے ہے تاکہ لوگ نظر بد سے بچنے کی تدبیر کریں جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تدبیر بتلائی تھی

نظر بد: اور اگر نظر بد لگ جائے تو اس کے لئے جھاڑ پھونک کریں کیونکہ نظر بد کی مستعار تاثیراتنی قوی ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آسکتی ہے تو نظر وہ چیز ہے جو غالب آجاتی مگر اللہ کا فضل ہے کہ کوئی چیز تقدیر کو مغلوب نہیں کرسکتی ہے کیونکہ یہ سب تقدیر کا حصہ ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ نظر بد کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے وہ نقل اور عقل دونوں کے خلاف چلتے ہیں اور یہ کہ یہ تاثیر دراصل روح کی ہوتی ہے اسی بناء پر نابینا شخص کی بھی نظر بد لگتی ہے

قولہ: "التامة" اس سے کلمات کی توصیف اس لئے کی گئی کہ اللہ کا کلام پورا اور مکمل ہے اس میں کسی طرح کا نقصان نہیں ہے یا اس لئے کہ وہ تعوذ کے لئے کافی ہے، پھر کلمات سے مراد کلام بھی ہوسکتا ہے جو کہ قرآن ہے اور اسماء وصفات بھی ہوسکتی ہیں۔

قولہ: "هامة" ہر وہ زہریلا جانور جس کے کاٹنے سے آدمی ہلاک ہوجاتا ہے جبکہ اس سے کم درجے کا جانور سام کہلاتا ہے یعنی اس کا زہر قاتل نہیں۔ ھامۃ، ہم بمعنی فکر سے بھی ہوسکتا ہے یعنی ہر اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو پریشان کرنے والی ہو۔

قولہ: "لامة" لامہ، جنون کی ایک قسم یا درجہ ہے، جب آدمی کو نظر بدلگتی ہے تو وہ معیون پاگل اور مجنون جیسا حواس باختہ محسوس ہوتا ہے وہ خود بھی اپنی حالت صحیح طور پر نہیں جانتا کہ مجھے کیا ہوا ہے؟

قرآن وحدیث سے نظر بد کے علاج کی تفصیل یہ ہے:

① سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اس پر دم کیا جائے۔

② سورہ قلم کی آخری آیات: ﴿وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (القلم: ۵۱-۵۲)

③ نظر لگانے والا اگر ﴿مَاشَاءَ اللّٰهُ، لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کہہ دے تو اس کی وجہ سے بھی نظر بد کی تاثیر جاتی رہتی ہے۔

④ باب کی دوسری روایت میں ہے: اَعُوْذُ بِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ... الخ یہ پڑھ کر اس پر دم کیا جائے۔

⑤ بسم الله ارقيك من كل شئي يوذيك و من شر كل نفس او عين حاسد، الله يشفيك، بسم الله ارقيك۔

ترجمہ: "میں اللہ کے نام سے تیرا علاج کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو تجھے تکلیف پہنچائے، ہر نفس کے شر اور حاسد نظر سے، اللہ ہی تجھے شفاء دے گا، میں اللہ کے نام سے آپ پر دم کررہا ہوں" یہ ذکر پڑھ کر اس پر دم کیا جائے۔

⑥ بسم الله ارقيك، والله يشفيك من كل داء فيك من شر النفاثات في العقد، و من شر حاسد اذا حسد۔

ترجمہ: "میں اللہ کے نام سے آپ پر جھاڑ پھونک کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفاء دے گا اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (ان تمام شرور وآفات سے

محفوظ رکھے گا)"

⑦ بسم الله ارقيك من كل داء يشفك، من شر كل حاسد اذا حسد و من شر كل عين۔

ترجمہ: "میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کی ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتا ہوں، اللہ ہی آپ کو شفا دے گا، ہر حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے اور ہر نظر کے شر سے (محفوظ رکھے گا)۔

لغات: العين: نظر بد خواہ دشمنی یا حسد کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔ نظر لگانے والے کو "عائن" اور جس شخص کو نظر لگتی ہے اسے "معیون" اور "معین" کہتے ہیں۔ ولد: (واؤ پر پیش اور لام کے سکون کے ساتھ): اولاد۔ سرع: نظر جلدی لگ جاتی ہے۔ افاسترقی: تو کیا میں جھاڑ پھونک کرا سکتی ہوں۔ سابق القدر: تقدیر سے سبقت کرنے والی۔ کلمات الله: اس سے قرآن مجید مراد ہے، بعض نے کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی اسماء اور عیب سے پاک ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی اسماء اور صفات مراد ہیں۔ التامة: علامہ جزری فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلمات کو "تامہ" اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ نقص اور عیب سے پاک ہیں۔ بعض نے کہا کہ "تامہ" کے معنی یہ ہیں کہ وہ کلمات پناہ مانگنے والے کے لئے نافع اور مصائب و آفات سے حفاظت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ هامة: (میم کی تشدید کے ساتھ) ایسا زہریلا جانور جس کے کاٹنے سے انسان ہلاک ہو جائے جیسے سانپ اس کی جمع "هوام" ہے اور جو جانور زہریلا ہو لیکن اس کے کاٹنے سے عام طور پر ہلاکت نہ ہوتی ہو تو اسے "سامة" کہا جاتا ہے، مثلاً بچھو، بھر وغیرہ اور کبھی "هامة" کا لفظ ہر اس جانور کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو زمین پر چلتا ہے جیسے حشرات الارض وغیرہ۔ کل عین لامة: اس سے ہر وہ بدنظری مراد ہے جو باعث ضرر اور تکلیف ہو۔ "نہایہ" میں ہے کہ "لمم" جنون اور پاگل پن کی ایک قسم ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے، ترجمہ یہ ہوگا: ہر اس نظر بد سے پناہ مانگتا ہوں جو جنون پیدا کر دے۔

سند کی بحث: یہ روایت سفیان کے علاوہ ایوب سختیانی بھی عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، اور ان کی روایت میں: ان اسماء کے بجائے عن اسماء ہے، یعنی عبید یہ واقعہ بیان نہیں کرتے، کیونکہ وہ اس وقت موجود نہیں تھے بلکہ وہ یہ حدیث حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، پس یہی سند صحیح ہے مگر سند میں انقطاع ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ اَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَاَنَّ الْغُسْلَ لَهَا

باب ۱۸: نظر برحق ہے اور اس کے لئے دھونا

(۱۹۸۷) لَا شَيْءَ فِي الْهَامِ وَالْعَيْنُ حَقٌّ.

ترجمہ: حیہ بن حابس تمیمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میرے والد نے مجھے یہ بات بتائی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہام کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نظر لگ جانا حق ہے۔

(۱۹۸۸) لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جا سکتی ہے تو نظر اس پر

سبقت لے جاسکتی ہے اور جب تم سے غسل کرنے کے لیے کہا جائے تو تم غسل کرلو۔

تشریح: ہام کے بارے میں کچھ کہانی زمانہ جاہلیت کے اہل عرب میں مشہور ومزعوم تھی، اس حدیث میں اس کی صریح نفی کی گئی، اس کے بعد اس قسم کی واہیات کا زعم کسی طرح جائز نہیں اسی طرح بعض مسلمانوں میں ارواح کے متعلق جو قصے مشہور ہیں کہ روح کبھی طوطے کی شکل میں کسی پنجرے میں بند ہوتی تھی اور کبھی موتی بن کر سانپ کے منہ میں محفوظ کردی جاتی وغیرہ وغیرہ یہ ہندوؤں کے عقائد کا حصہ ہیں جو کہ تناسخ کے قائل ہیں لہٰذا پریوں، دیو اور شہزادوں کے اس قسم کے مفروضی بلکہ من گھڑت قصہ خوانیوں سے پرہیز لازمی ہے کہ اس سے عقیدہ خراب ہوجاتا ہے کیونکہ اسلام میں تناسخ کے عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

"ھام" کے بارے تین اقوال: "ھام" ① زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ زمانہ جاہیت میں عربوں کا خیال تھا کہ جو آدمی قتل کیا جائے، اور اس کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس مقتول کے سر سے "ھامہ" یعنی ایک کیڑا نکلتا ہے جو اس کی قبر پر گردش کرتا رہتا ہے، اور کہتا ہے اسقونی اسقونی (مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ، میرا بدلہ لو) اگر اس کا انتقام لے لیا جائے تو چلا جاتا ہے، ورنہ اوپر ہی رہتا اس تفسیر کے اعتبار سے "لا شیء فی الھام" کے معنی ہوں گے: "اس عقیدے کی کوئی اصل نہیں کہ مقتول کے سر سے ھامہ یعنی کیڑا نکلتا ہے۔

② ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ "ھام" سے ایک پرندہ مراد ہے "جسے اردو میں "الو" کہتے ہیں، اہل عرب اس سے بدشگونی لیتے تھے، ان کا خیال تھا کہ الو جس گھر پر آکر بیٹھ جائے تو اس میں کوئی موت ضرور واقع ہوتی ہے اور اس میں غم وحزن اور تباہی آجاتی ہے۔ "لاشئی فی الھام" کے معنی ہوں گے: لاشوم بالبومۃ (الو میں کوئی بدشگونی اور نحوست نہیں) اس لئے عربوں کا خیال غلط ہے۔

③ ابوعبید کہتے ہیں کہ عرب یہ سمجھتے تھے کہ میت کی ہڈیاں یا اس کی روح "ھام" یعنی ایک پرندے کی شکل اختیار کرلیتی تھی، اس پرندے کو "صِدٰی" کہا جاتا تھا پھر یہ پرندہ اڑتا رہتا تھا۔ اس معنی کے اعتبار سے "لاشئی فی الھام" کے معنی ہوں گے: لاحیاۃ الھامۃ لمیت، میت کے ہامہ یعنی پرندے کی کوئی زندگی نہیں ہوتی لہٰذا یہ بے اصل بات ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

نظر کی تاثیر ایک حقیقت ہے؟

"والعین حق" اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ نظر بد کا لگ جانا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، یہ زمانہ جاہلیت کے دوسرے باطل اوہام ونظریات کی طرح کوئی باطل چیز نہیں بلکہ حق اور ثابت ہے، بعض لوگ یہ کہہ کر اس کا انکار کردیتے ہیں کہ "سب کچھ تقدیر سے ہوتا ہے، نظر بد کچھ نہیں کرسکتی" ان کی یہ بات دو وجہ سے درست نہیں: بلاشبہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے مگر اس کے ساتھ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اشیاء کی تاثیرات تولیدی نہیں اور نہ ہی تاثیرات کا دارومدار اعداد پر ہے بلکہ عادی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اشیاء میں بعض اثرات پیدا فرمائے ہیں، یہ اشیاء بمنزلہ اسباب ہوتے ہیں، ان کے استعمال یا رونما ہونے سے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی سنتِ جاریہ کے مطابق کچھ اثرات پیدا فرماتے ہیں، اس مسئلہ کی تفصیل "باب ماجاء فی کراھیۃ البول فی المغتسل" میں گزری ہے۔

نظر بد آنکھ کا اثر ہے یا روح کا؟

اس کے بارے میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے:

ولیست العین ھی الفاعلۃ وانما التاثیر للروح ولشدۃ ارتباطھا بالعین نسب الفعل الیھا وروح

الحاسد موذیة للمحسود اذیً بینًا ولهذا امر الله رسوله ان یستعیذ به من شره ... الخ۔ (مختصر زاد المعاد ص ۲۳۷، فصل فی الحجة ابی بکر رضی اللہ عنہ)

یعنی نظر بد آنکھ کی تاثیر نہیں بلکہ دراصل روح کی تاثیر ہوتی ہے مگر آنکھ سے گہرے تعلق کی بناء پر نسبت آنکھ کی طرف کی جاتی ہے چنانچہ حسد کرنے والا شخص محسود کو سخت تکلیف پہنچاتا ہے یعنی نظر بد لگاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اجسام وارواح میں مختلف خصوصیتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں، جن کا مختلف انداز سے ظہور ہوتا ہے، ایک شخص کا چہرہ شرم کی وجہ سے سرخ ہو جاتا ہے، خوف کے وقت چہرہ زرد پڑ جاتا ہے، مریض کو دیکھ کر بعض لوگ بیمار ہو جاتے ہیں، یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں میں بہت سی تاثیرات رکھی ہیں، لیکن چونکہ نظر کا تعلق روح کے ساتھ انتہائی گہرا ہوتا ہے تو فعل کی نسبت روح کی بجائے نظر کی طرف کر دی جاتی ہے، اس وجہ سے نہیں کہ نظر موثر بالذات ہے بلکہ صرف اتصال اور قرب کی وجہ سے، ورنہ تاثیر تو روح کی وجہ سے ہوتی ہے اور ارواح طبائع، قویٰ، کیفیات اور خواص کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں، بعض روحیں بغیر کسی اتصال کے اپنی شر انگیزی کی وجہ سے محض دیکھنے سے ہی دوسرے کے بدن پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاثیر جسمانی اتصال پر منحصر نہیں ہے، کبھی تو اس کی وجہ سے ہوتی ہے، کبھی آمنے سامنے ملاقات سے، کبھی محض دیکھنے سے، کبھی روح کی توجہ ڈالنے سے، اور بسا اوقات یہ تاثیر محض توہم اور تخیلات کی وجہ سے بھی واقع ہو جاتی ہے، گویا نظر لگانے والے کی آنکھ سے معنوی طور پر ایک تیر نکلتا ہے جو دوسرے کے بدن پر لگ کر اثر انداز ہو جاتا ہے اور تباہی پھیلا دیتا ہے۔

بہر حال نظر ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم اس کی ماہیت کیا ہے تو یہ جاننا خاصا مشکل ہے ممکن ہے کہ جس طرح آج کل لیزر شعاعیں غیر مرئی حقیقت اور موثر قوت ہیں، اسی طرح یہاں بھی کوئی غیر مرئی طاقت خفیہ طریقہ سے وار کرتی ہو اور اس قسم کے حقائق کا کارخانہ قدرت میں وجود کوئی ناممکن نہیں، دیکھئے کبھی ایک بات سے اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔

پھر غسل کا طریقہ حاشیہ میں تفصیل سے بتلایا ہے کہ عائن کے پاس جب پانی لایا جائے تو وہ پہلے چلو میں پانی لے کر مضمضہ کر کے کلی کا پانی اسی برتن میں ڈالے، پھر چہرہ دھولے، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے کر دائیں پر ڈالے وبالعکس، پھر بائیں ہاتھ سے پانی داہنی کہنی پر ڈالے، وبالعکس، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے کر سیدھے پاؤں پر ڈالے، وبالعکس یعنی پھر سیدھے ہاتھ سے پانی لے کر بائیں پیر پر ڈالے، پھر اسی طرح گھٹنے دھوئے اور پھر داخل الازار یعنی شرم گاہ اور ازار باندھنے کی جگہ کے درمیانی حصے کو دھوئے، یہ سارا مستعمل پانی اس برتن میں جمع ہونا چاہئے، فراغت کے بعد یہ سب پانی یک بارگی معین کے اوپر پشت کی جانب سے ڈالے وہ اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جائے گا۔ تاہم ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے عارضہ میں دھونے کی اس تفصیل سے اتفاق نہیں کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''ومن قال لا یجعل الاناء فی الارض ویغسل کذا بکذا او کذا بکذا. فهو کله تحکم وزیادة'' (العارضة)

یعنی مندرجہ بالا طریقہ کار کی ضرورت نہیں اور نہ ہی برتن کو ہاتھوں میں معلق پکڑنے کی ضرورت ہے بلکہ صرف پاؤں اور داخل الازار

دھونا جیسے بھی ہو کافی ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس وضو کے پانی کا نظر کے ازالہ سے کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے بعض اسباب انتہائی مخفی ہوتے ہیں تو پھر ان کے اثر کے ازالے کا طریقہ بھی باریک ہوتا ہے جس کا عام مشاہدہ کیا جاسکتا ہے دیکھئے جادو وغیرہ اور ریاضی کے اصول وغیرہ کو وہ کتنی باریکی پر مبنی ہوتے ہیں چنانچہ کچھ اجسام کو مخصوص زاویہ پر رکھنے سے ان میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک آدمی باقاعدہ ایک گھنٹے کے بعد آکر گھنٹی بجاتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے حالانکہ وہ کوئی انسان نہیں ہوتا ہے، آپ نظام شمسی پر غور کریں کہ مخصوص زاویہ پر واقع ہونے پر یہ اجرام فلکیہ کس طرح رواں دواں ہیں؟ جب آدمی اللہ عزاسمہ کے کارخانۂ قدرت میں معلومات کی روشنی میں غور کرتا ہے تو اس قسم کے عجائبات کا مشاہدہ روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے۔

علاج کے اسباب کیا ہیں؟

اس بارے میں کئی آراء ہیں: ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد تجربے پر ہے ممکن ہے کہ یہ تمام اسباب بیک وقت مفید ہوں، علی ھذا نظر بد سے اشفاء اس تجربے کے تناظر میں نامعقول نہیں کہ اس قسم کے تجربات قدیم زمانے سے چلے آرہے ہیں، مذکورہ تجربہ بھی زمانۂ قدیم کا نسخہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے باقی رکھا، علاوہ ازیں روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب کوئی چیز دیکھنے سے پسند آجائے تو آدمی برکت کی دعا کرے یا "ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ" کہے تو نظر کے ضرر سے تحفظ ہوسکتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نظر کے حوالے سے جو طریقے مختلف اقوام میں معمول بہا ہیں اور وہ مفید بھی ثابت ہوئے ہیں تو اگر ان میں کسی شرعی امر کا ارتکاب نہ آتا ہو یا وہ اصول سے متصادم نہ ہوں تو وہ بھی قابل عمل ہیں مثلاً ہمارے ہاں یہ طریقہ ہے کہ عائن اپنے بدن پر سوتی کپڑا ملتا ہے پھر اس کی بتی بنا کر آگ لگا دی جاتی ہے اور معین اس دھوئیں کے اوپر کھڑا ہو جاتا ہے اور دھواں سونگھتا ہے، اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ شفاء بھی عنایت فرماتے ہیں۔

نظر بد لگانے کے عادی کو محبوس کیا جاسکتا ہے؟ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص نظر بد لگانے میں مشہور ومعروف ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور نہ ہی اس کے سامنے آنا چاہئے اور اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسے شخص پر گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دے تاکہ وہ لوگوں کے آمنے سامنے نہ آئے اور ان کے ساتھ نشست وبرخاست نہ کرسکے اور اگر وہ شخص غریب وفقیر ہو تو بیت المال سے اس کے اخراجات کے بقدر وظیفہ مقرر کردے تاکہ وہ اس سے گزر اوقات کرسکے کیونکہ اس کا ضرر بہت سخت ہے، اس سے لوگوں کو بچانا چاہئے، اس کا ضرر پیاز وتھوم کھانے کی بدبو سے، جزامی اور موذی جانور کے ضرر سے کہیں زیادہ ہے، جس طرح شریعت میں یہ ضرر قابل برداشت نہیں، ان کے ازالے کے لئے تدابیر اختیار کی گئیں ہیں ایسے ہی اس ضرر کے ازالے کے لئے بھی تدبیر اختیار کرنی چاہئے اور وہ یہی ہے کہ اسے حتی الامکان لوگوں سے دور رکھا جائے، تاکہ لوگ اس کی نظر بد کے ضرر سے محفوظ رہ سکیں۔

عائن کے لئے خاص ذکر:

جس شخص کی نظر اکثر لگ جاتی ہو، اسے ان امور کا اہتمام کرنا چاہئے: ① برکت کی دعا دے، یوں کہے: اللّٰھم بارك علیه.

② یا یوں کہے: ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔ ان اذکار کا فائدہ یہ ہے کہ پھر اس کی نظر بد کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

لغات: ھام جمع ہے ھامۃ کی بروزن ساعۃ یعنی میم کی تخفیف کے ساتھ۔ بعض نے تشدید کو بھی جائز کہا ہے۔ ھام یا ھامہ سر اور کھوپڑی کو بھی کہتے ہیں اور "بومہ" یعنی اُلو کو بھی کہا جاتا ہے اور ایک چھوٹے سے پرندے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو رات کو قبرستان میں رہتا ہے۔ قاموس الوحید وغیرہ میں ہے کہ زمانہ جاہیت میں عربوں کا اعتقاد تھا کہ مقتول کی کھوپڑی سے ایک پرندہ نکل کر گھر آتا ہے اور "اسقونی، اسقونی" پکارتا ہے یعنی مجھے سیراب کرو اور مراد بدلہ لینا ہوتا ہے چنانچہ وہ مسلسل انتقال لینے تک یہ پکارا رہتا ہے، اسلام نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا جیسا کہ حدیث باب مصرح ہے۔

'استغسلتم'' بصیغۂ مجہول طلب غسل مراد ہے یعنی جب کسی کی نظر لگ جائے اور معین یا اس کے گھر والے عائن سے کہیں کہ تم اپنے اعضاء دھو کر وہ مستعمل پانی ہمیں دے دو تو ایسا کرنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی اَخْذِ الْاَجْرِ عَلَی التَّعْوِيْذِ

باب ۱۹: تعویذ پر اجرت لینے کا بیان

(۱۹۸۹) بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِیْ سَرِیَّةٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَاَلْنَاهُمُ الْقِرٰی فَلَمْ یَقْرُوْنَا فَلُدِغَ سَیِّدُهُمْ فَاَتَوْنَا فَقَالُوْا هَلْ فِیْكُمْ مَنْ یَّرْقِیْ مِنَ الْعَقْرَبِ قُلْتُ نَعَمْ اَنَا وَلٰكِنْ لَا اَرْقِیْهِ حَتّٰی تُعْطُوْنَا غَنَمًا قَالُوْا فَاِنَّا نُعْطِیْكُمْ ثَلَاثِیْنَ شَاةً فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَیْهِ الْحَمْدَ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ قَالَ فَعَرَضَ فِیْ اَنْفُسِنَا مِنْهَا شَیْءٌ فَقُلْنَا لَا تَعْجَلُوْا حَتّٰی تَاْتُوْا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَقَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَیْهِ ذَکَرْتُ لَهُ الَّذِیْ صَنَعْتُ قَالَ وَمَا عَلِمْتَ اَنَّهَا رُقْیَةٌ اقْبِضُوا الْغَنَمَ وَاضْرِبُوْا لِیْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا ہم نے ایک قوم کے ہاں پڑاؤ کیا ہم نے ان سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی ان کے سردار کو بچھو نے ڈنک مار دیا وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور دریافت کیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو بچھو کے کاٹے کا دم کرتا ہو میں نے جواب دیا جی ہاں میں ہوں لیکن میں اسے دم نہیں کروں گا جب تک تم ہمیں بکریاں نہیں دو گے انہوں نے کہا ہم آپ کو تیس بکریاں دیں گے ہم نے انہیں قبول کر لیا میں نے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا ہم نے وہ بکریاں لیں پھر ہمیں اس بارے میں کچھ الجھن محسوس ہوئی تو ہم نے کہا تم لوگ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرو جب تک نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤ۔

راوی بیان کرتے ہیں جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے میں نے اپنے طرز عمل کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ دم ہے؟ تم لوگ بکریوں کو اپنے قبضے میں لے لو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ رکھو۔

(۱۹۹۰) اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ مَرُّوْا بِحَیٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَلَمْ یَقْرُوْهُمْ وَلَمْ یُضَیِّفُوْهُمْ فَاشْتَكٰی سَیِّدُهُمْ فَاَتَوْنَا فَقَالُوْا هَلْ عِنْدَكُمْ دَوَاءٌ قُلْنَا نَعَمْ وَلٰكِنْ لَمْ تَقْرُوْنَا وَلَمْ تُضَیِّفُوْنَا فَلَا نَفْعَلُ حَتّٰی تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا فَجَعَلُوْا عَلٰی ذٰلِكَ قَطِیْعًا مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ فَجَعَلَ رَجُلٌ مِّنَّا یَقْرَاُ عَلَیْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَبَرَاَ فَلَمَّا اَتَیْنَا النَّبِیَّ ﷺ

ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ وَّلَمْ يَذْكُرْ نَهْيًا مِّنْهُ وَقَالَ كُلُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ عربوں کے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے ان لوگوں نے ان حضرات کی مہمان نوازی نہیں کی پھر ان کا سردار بیمار ہوگیا تو وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور دریافت کیا تمہارے پاس کوئی دوا ہے ہم نے جواب دیا جی ہاں لیکن تم لوگوں نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی تو ہم اس وقت تک ایسا نہیں کریں گے جب تک تم ہمیں معاوضہ نہیں دو گے تو ان لوگوں نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دینے کا وعدہ کیا تو ہم میں سے ایک شخص سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کرنے لگا تو وہ ٹھیک ہوگیا جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ دم کرنے کا طریقہ ہے اس روایت میں آپ کے منع کرنے کا ذکر نہیں ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے کھالو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھو۔

تشریح: علاقہ بن صحار تمیمی کے دم کا واقعہ:

واضح رہے کہ اس قسم کا ایک واقعہ نسائی میں بھی مروی ہے جس سے تعارض کا شبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ وہ آدمی مجنون اور پاگل تھا جبکہ یہاں لدیغ کا ذکر ہے لیکن وہ الگ واقعہ ہے کہ یہاں راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں اور اس میں حضرت علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ تھے۔ دم اور جھاڑ پھونک کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ سنن ابی داؤد میں حضرت خارجہ کے چچا علاقہ بن صحار تمیمی سے بھی منقول ہے: ''وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اسلام قبول کیا، صحبت نبوی سے استفادہ کر کے گھر کا سفر شروع کردیا، راستے میں ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جنہوں نے ایک مجنون آدمی کو لوہے سے باندھا ہوا تھا، ان کے قابو میں نہیں آرہا تھا، بے بس اور انتہائی تنگ تھے، وہ لوگ حضرت علاقہ سے کہنے لگے کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ تمہارے ساتھی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیر لے کر مبعوث ہوئے ہیں، تم بھی ان کی صحبت پا کر آ رہے ہو تو کیا تمہارے پاس کوئی دم، کوئی منتر ہے جس سے تم ہمارے اس مریض کا اعلان کرسکو؟ حضرت علاقہ کہتے ہیں، میں نے سورہ فاتحہ سے اس پر دم کیا تو وہ ٹھیک ہوگیا، اس پر انہوں نے مجھے ایک سو بکری دی، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور یہ سارا واقعہ بتایا تو آپ نے فرمایا کہ واقعی تم نے اس پر سورہ فاتحہ سے ہی دم کیا ہے، میں نے کہا جی ہاں اسی سے کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ناجائز دم اور جھاڑ پھونک سے اجرت حاصل کرتا ہے وہ اس پر وبال اور عذاب ہوتا ہے اور جو جائز طریقے سے یعنی قرآن وسنت سے دم اور منتر کرے تو اس پر اجرت لینا جائز ہے،،۔ یہ واقعہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا واقعہ جسے حدیث باب میں بیان کیا گیا ہے، یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں، اس واقعہ میں وہ مریض مجنون ہے جبکہ حضرت ابوسعید خدری کی رروایت میں بچھو سے ڈسے ہوئے پر دم کرنے کا ذکر ہے، اس لئے یہ دونوں قصے جدا جدا ہیں۔

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: **وما علمت انها رقیه؟** آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ جھاڑ ہے؟ یہ حوصلہ افزائی اور ستائش ہے کہ آپ نے صحیح سمجھا، فاتحہ میں صرف دینی فائدے ہی نہیں ہیں، دنیوی پریشانیوں، بیماریوں اور بلاؤں کا علاج بھی ہے۔ دارمی میں روایت ہے کہ سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفاء ہے، چنانچہ میں ہر بیماری کو سورۂ فاتحہ سے جھاڑتا ہوں اور الحمدللہ فائدہ ہوتا ہے، ایک مرتبہ میری بھتیجی کو کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا، میں نے اس کو سورۂ فاتحہ سے جھاڑا اور وہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ہوگئی، البتہ عمل

کی تاثیر کے لئے اکل حلال اور صدق مقال ضروری ہے اور قرآن وحدیث میں جو دعائیں آئی ہیں ان کی تاثیر پر یقین بھی ضروری ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مریض کا یقین ضروری ہے یہ قطعاً غلط ہے، عامل کا یقین ضروری ہے، اگر پختہ ایمان کے ساتھ سورۂ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جائے تو انشاء اللہ ہر بیماری میں جھاڑ مفید ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو کیسے معلوم ہوا؟ کہ اس لدیغ کو فاتحہ سے شفاء ہوسکتی ہے؟ اس کا جواب ابن العربی رحمہ اللہ نے عارضہ میں دیا ہے کہ انہوں نے ''ام الکتاب'' کے نام اور جامعیت مضمون سے معلوم کیا تھا یعنی قرآن میں شفاء تو ہے اور فاتحہ ام الکتاب ہے، لہٰذا اس میں بھی شفاء کی خاصیت ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اجتہاد کی تردید نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ ان کا اجتہاد صحیح تھا اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں اجتہاد و استنباط فرماتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مسافر کے پاس کھانے پینے کا انتظام نہ ہو تو وہ اس کا مطالبہ کرسکتا ہے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام نے انطاکیہ والوں سے کیا تھا، عارضہ میں ہے کہ رقیہ کی اقل مقدار تین بار پڑھنا ہے اور اکثر سات مرتبہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اکثر پر عمل کیا

''غبۃ'' فی تحصیل البر والاخذ بالاوثق: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی حکم میں شک پڑ جائے تو یقین کے حصول تک توقف کرنا چاہئے اور یہ کہ تحصیل یقین میں کوشش تیز کرنی چاہئے۔

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رقیہ پر اجرت لینا جائز ہے، اسی طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے العرف الشذی میں بحوالہ شاہ عبدالعزیز صاحب نقل کیا ہے کہ امر دنیاوی کی غرض سے ختم القرآن یا بخاری پر بھی عوض لینا جائز ہے جبکہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے ''شفاء العلیل'' میں لکھا ہے کہ ایصال ثواب کے لئے تلاوت پر اجرت لینا حرام ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر شرح عقود رسم المفتی میں بھی بحث کی ہے بلکہ اس مسئلہ کا ذکر ان امثلہ میں کیا ہے جو مصنفین حوالہ جات میں اصل کتاب کے مراجعت کے بغیر نقل کرتے ہیں جن کی تعداد علامہ شامی نے تلاش اور تتبع کے بعد (20) بیس ذکر کی ہے چنانچہ متعدد کتابوں میں تلاوت مجردہ یعنی بغیر تعلیم کی غرض سے تلاوت پر اجرت لینے کو جائز لکھا ہے حالانکہ یہ خطاء ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ص: 6، 7 یا شفاء العلیل و بل الغلیل فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتہالیل)

البتہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو جائز ہے ہی مگر متاخرین فقہائے حنفیہ نے بھی ضرورتاً جائز لکھا ہے گو اصل مذہب میں جائز نہیں ہے، یہ مسئلہ اجرت علی الطاعات کے اوپر مبنی ہے۔

جمہور کا استدلال: باب کی حدیث سے ہے جو بطور قیاس تعلیم پر اجرت کو جائز مانتے ہیں،

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ رقیہ امر مباح ہے جبکہ تعلیم فرض ہے گو کفایہ ہے، نیز رقیہ کا نفع دنیوی و جسمانی ہے جبکہ تعلیم کا نفع اخروی اور دینی ہے، تعلیم عبادت ہے جو حق اللہ ہے اس پر مخلوق سے اجرت لینے کا کیا مطلب؟ چونکہ مال محبوب ترین عندالاکثرین ہے اس لئے اجرت لینے میں اہل علم، لوگوں میں مبغوض شمار ہوتے ہیں کہ محبوب کی طمع رکھنے سے تو حسد و عداوت یقینی چیز ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام آتے ہی اعلان فرماتے:

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ... الآيۃ﴾ (الانعام: ۹۰)

بہر حال اب مسئلہ پر اتفاق ہوچکا ہے اس لئے فریقین کے دلائل ذکر کرنے میں کوئی معتدبہ فایدہ نہیں، نیز اس کی وضاحت کسی

حد تک پہلے گزری ہے۔ (باب ماجاء فی کرایۃ ان یاخذالموذن علی اذانہ اجراً)

اس حدیث سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ رقیہ سے تقدیر میں تبدیلی آجاتی ہے کیونکہ رقیہ، دعا اور دوا یہ سب تقدیر کا حصہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے جو بھی بیماری مقدر فرمائی ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی متعین فرمایا کہ یہ شخص فلاں ذریعہ اختیار کرے گا تو ٹھیک ہو جائے گا جبکہ بعض کے بارے میں یہ فیصلہ ہے کہ وہ باوجودیکہ اسباب اختیار کریں گے مگر ان کو فائدہ نہ ہوگا جیسا کہ اگلے باب میں آئے گا۔

لغات: ''تعویذ'' باب تفعیل کا مصدر ہے، تحفظ کے پیش نظر یا شفاء کی غرض سے اسماء حسنیٰ وغیرہ کلمات خیر لکھنا یا پڑھنا "فی سریۃ،" بکسر الراء وتشدید الیاء المفتوحہ، لشکر کا وہ دستہ جس کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار سو افراد پر مشتمل ہو، یہاں جس سریہ کا ذکر ہے۔ روایات کے مطابق یہ تیس نفوس پر مشتمل تھا۔

اصحاب السیر کی اصطلاح میں وہ لشکر جس کے ساتھ آنحضور ﷺ بنفس نفیس شامل نہ ہوں سریہ کہلاتا ہے۔ ''القریٰ'' بکسر القاف والف المقصورۃ، ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ قری اور ضیافت دونوں قریب المعنی الفاظ ہیں۔ البتہ ''ق، ر، ی'' مادہ میں جمع کے معنی پائے جاتے ہیں جبکہ ''ض، ی، ف'' میں میلان کے معنی ہیں۔ گویا میزبان اپنے مہمان کی خاطر محبت، خدمت، ٹھکانہ اور کھانا جمع کرتا ہے، اسی طرح وہ مہمان کی جانب مائل بھی ہوتا ہے۔

"فلدغ" بصیغۂ مجہول، لدغ بچھو کے ڈنگ مارنے اور سانپ کے ڈسنے کو کہتے ہیں۔ "من یرقی" یرقی، رقیًا، جھاڑ پھونک کو کہتے ہیں۔ "وما علمت انہا رقیۃ" اگلی روایت میں ہے "وما یدریك انہا رقیۃ" ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں "بہ" مقدر ہے۔ "جعلاً" بالضم، اجرت، "قطیعًا" گلہ، ریوڑ۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الرُّقٰی وَالْاَدْوِیَةِ

باب ۲۰: جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ کا بیان

(۱۹۹۱) سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰى بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِيْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَيْئًا قَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ.

ترجمہ: ابوخزامہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ کا دم کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے ہم دم کریں یا دوا استعمال کریں یا پرہیز کریں کیا یہ تقدیر کے لکھے کو ٹال سکتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر میں شامل ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں سوال کا مطلب تو واضح ہے کہ جب کوئی چیز تقدیر میں مقدر و مقرر ہو جیسے موت اور قتل وغیرہ تو پھر اس کے روکنے کی تدبیر سے کیا وہ فیصلہ تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور جواب کا مطلب یہ ہے کہ نہیں ہرگز نہیں قضاء میں کسی طرح تبدیلی ممکن نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اسباب اور دفاع کا سامان بھی تقدیر ہی میں سے ہے کہ اللہ نے جس طرح کسی مرض وغیرہ کی تقدیر فرمائی ہے تو ساتھ ساتھ یہ بھی مقدر فرمایا کہ فلاں کی بیماری فلاں ڈاکٹر کے علاج سے ٹھیک ہوگی یا فلاں جھاڑ پھونک سے شفاء نصیب ہوگی اور

فلاں دشمن کا حملہ فلاں ہتھیار سے پسپا ہوگا، لہٰذا ان میں تعارض نہ سمجھا جائے۔ تاہم یہ اسباب بہر حال مؤثر نہیں ہیں کیونکہ بعض اسباب وذرائع کے بارے میں اگر چہ یہ مقدر ہوتا ہے کہ ان کے استعمال سے فائدہ ہوگا مگر بعض کے متعلق یہ بھی فیصلہ ہوتا ہے کہ ان سے کوئی فائدہ نہ ملے گا جبکہ بعض امراض وغیرہ کے بارے میں یہ ہوتا ہے کہ یہ بغیر دوا ودعا کے ختم ہوں گے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے:

وذالك لان الله خلق الاشيا .... لاندر كما فقد يكون شفاء من غير دواء و قد يكون سقم بعد دواء قد يكون شفاء بعد دوا و قد يكون كفاية بغير تقية.

یعنی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوا سے مرض مزید شدید ہو جائے جیسا کہ بعض مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، لہٰذا تقدیر میں یہ تمام صورتیں مندرج ہوتی ہیں، کسی بھی امر موجود کو تقدیر کے منافی قرار دینا درست نہیں۔

قوله "وقد روى عن ابن عيينة"... الخ یعنی اس حدیث کے بعض طرق میں "عن ابن ابی خزامة" آیا ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب القدر کے "باب ما جاء لا ترد الرقی والدواء من قدر الله شيئا" میں اسی سند سے ذکر کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ "عن ابی خزامة" ہی ہے جیسا کہ زیر بحث باب کی سند میں ہے۔ عارضہ میں ہے کہ حدیث کا معنی بالا جماع صحیح ہے۔

سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ کون ہیں؟ ابوخزامہ رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے بیٹے ابن ابی خزامہ رحمۃ اللہ علیہ؟ پہلی سند میں عن ابی خزامۃ ہے اور دوسری سند میں عن ابن ابی خزامۃ ہے، اور صحیح سند پہلی ہے کیونکہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر تلامذہ عن ابی خزامۃ، عن ابیہ کہتے ہیں اور حضرت ابوخزامہ کی یہی ایک حدیث ہے۔

لغات: "ابو خزامة" بکسر الخاء وتخفیف الزاء۔ "ارأيت" ای اخبرنی. "رقی" جمع رقیة. قوله "نسترقيها" سین وطلب کے لئے ہیں "ای نقرءها لطلب الرقیة. "دواء" رقی پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ "نتداوى به" ای نستعمله. "تقاة" بضم التاء وقی اور وقایہ سے ہے بمعنی سامان حفاظت جیسے ڈھال اور باقی ہتھیار وغیرہ۔ قوله: "نتقيها" ای نجد ذر بسببها یعنی ان سے اپنی حفاظت کرتے ہیں اور بطور احتیاط رکھتے ہیں۔ قوله "هي من قدر الله" یعنی یہ تینوں اسباب بھی تقدیر میں سے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَمْأَةِ وَالْعَجْوَةِ

باب ۲۱: کھمبی اور کھجور کا بیان

(۱۹۹۲) اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِّنَ السُّمِّ وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجوہ جنت سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں زہر کے لیے شفا ہے اور کھمبی من (وسلوی) کا ایک حصہ ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے۔

(۱۹۹۳) اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ.

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں۔ کھمبی من (وسلویٰ) کا حصہ ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔

(۱۹۹۴) اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا الْكَمْأَةُ جُدَرِيُّ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَاءٌ مِّنَ السُّمِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد نے عرض کی کھمبی زمین کی چیچک ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھمبی من (وسلوی) کا حصہ ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے جبکہ عجوہ جنت سے تعلق رکھتی ہے اور یہ زہر کے لیے شفاء ہے۔

(۱۹۹۵) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اَخَذْتُ ثَلَاثَةَ اَكْمُؤٍ اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ فَجَعَلْتُ مَاءَهُنَّ فِي قَارُوْرَةٍ فَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِي فَبَرَاَتْ.

ترجمہ: قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے یہ حدیث سنائی گئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے تین پانچ یا سات کھمبیاں لے کر میں نے انہیں نچوڑا اور ان کا پانی ایک شیشی میں رکھ لیا پھر میں نے اسے ایک لڑکی کی آنکھوں میں سرمے کے طور پر لگایا تو وہ ٹھیک ہوگئی۔

(۱۹۹۶) اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ الشُّوْنِيْزُ دَوَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّامَ قَالَ قَتَادَةُ يَاْخُذُ كُلَّ يَوْمٍ اِحْدٰى عِشْرِيْنَ حَبَّةً فَيَجْعَلُهُنَّ فِي خِرْقَةٍ فَيَنْقَعُهُ فَيَسْتَعِطُّ بِهِ كُلَّ يَوْمٍ فِي مِنْخَرِهِ الْاَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْاَيْسَرِ قَطْرَةً وَالثَّانِي فِي الْاَيْسَرِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْاَيْمَنِ قَطْرَةً وَالثَّالِثِ فِي الْاَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْاَيْسَرِ قَطْرَةً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ روزانہ کلونجی کے اکیس دانے لیتے تھے اور اسے ایک کپڑے میں رکھتے تھے اسے پانی میں تر کر لیتے تھے پھر ناک کے دائیں نتھنے میں دو قطرے بائیں میں ایک قطرہ دوسرے دن دائیں نتھنے میں ایک قطرہ بائیں میں دو قطرے اور تیسرے دن دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں نتھنے میں ایک قطرہ ڈالا کرتے تھے۔

تشریح: عجوہ کھجور کے جنتی ہونے کا مطلب کیا ہے؟

① اس بارے میں محشی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک تشبیہ ہے جس سے مراد اس کی عمدگی بیان کرنا ہے۔

② دوسری رائے یہ ہے کہ یہ حقیقی اطلاق ہے اور محشی کوکب نے "جمع الفوائد" سے بحوالہ بزار وکبیر روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے تھے تو اپنے ہمراہ کچھ جنتی پھل لے آئے تھے پھر ان کی گٹھلیوں سے موجودہ عجوہ وغیرہ معرض وجود میں آئی ہے تاہم دنیا میں آنے کے بعد جنت کے اثرات دنیاوی ماحول کی وجہ سے کم یا ختم ہو گئے ہیں، دنیا کا ماحول بعض اشیاء پر زیادہ اثر انداز ہوا ہے جبکہ بعض پر کم۔ عجوہ کافی حد تک محفوظ ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: عجوہ میں زہر اور سحر سے شفاء بعض کے نزدیک اس کی خاصیت و تاثیر ہے مگر بذل المجہود میں ہے کہ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ذاتی خاصیت کی نفی کر کے فرمایا ہے کہ یہ اثر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہے، علاوہ ازیں عجوہ دل کی بیماری کے لئے مفید ہے،

چنانچہ ابوداؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بیمار ہوگیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کی غرض سے تشریف لائے پھر اپنا دست مبارک میری دونوں چھاتیوں کے درمیان (یعنی دل پر) رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی، پھر فرمایا ''انك رجل مفؤد'' یعنی تجھے دل کی بیماری ہے۔ جاؤ حارث بن کلدہ کے پاس وہ طب کا کام کرنے والا آدمی ہے، تو وہ عجوہ کی سات کھجوریں مدینہ کی لے کر گٹھلیوں سمیت کوٹ لے اور تمہیں کھلا دے، نیز سحر اور زہر کے لئے بھی سات کھائے (جیسا کہ ابوداؤد میں ہے، باب فی تمرة العجوة من کتاب الطب)۔

فائدہ: بذل المجہود میں ہے کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصابہ'' اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے فرمایا ہے کہ حارث بن کلدہ (طبیب) کا مسلمان ہونا صحیح روایت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل ذمہ میں سے ڈاکٹر وطبیب سے علاج کروانا درست ہے۔ نیز اس حدیث میں طبیب کو کیفیت بھی بتلا دی۔

قولہ ''والکمأ من المن'' جیسا کہ باب کی تیسری حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں یہ تأثر بیان ہوا جو عربوں کا زعم تھا کہ کھمبی زمین کا چیچک ہے یعنی فاسد مادہ سے پیدا ہوتی ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زعم کو رد فرمایا اور کھمبی کی مدح فرمائی اور جدید تحقیق سے بھی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ چیچک خراب خون یا مادہ کی وجہ سے نہیں نکلتا بلکہ ایک وائرس کے حملے سے ہوتا ہے۔ اور اگر عربوں کی اس اصطلاح کا مقصد محض تشبیہ ہو کہ جس طرح چیچک جسم کے ظاہری حصے پر ہوتے ہیں اسی طرح کھنبی دانوں کی شکل میں روئے زمین پر نکلتی ہے تو پھر حدیث میں اس تشبیہ کی نفی مراد ہوگی کیونکہ اچھی چیزوں کے لئے بری مثال بیان نہیں کرنی چاہئے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کا استعمال کس طرح ہے تو اس کے لئے مابعد والی حدیث میں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین یا پانچ یا سات کھنبیاں لیں اور ان کو نچوڑا اور ان کا پانی ایک بوتل (شیشی) میں ڈالا پھر اس سے اپنی باندی کو بطور سرمہ لگاتا رہا یعنی ڈالتا رہا تو وہ ٹھیک ہوگئی۔ طبرانی نے حضرت جابر سے روایت نقل کی ہے کہ ''عہد رسالت'' میں کھمبی کی پیداوار بڑھ گئی تو لوگوں نے اس کا کھانا یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ یہ زمین کی چیچک ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: کھمبی زمین کی چیچک نہیں ہے، وہ ''من'' کی ایک قسم ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھمبی کو زائد فضلات اور فاسد رطوبتوں کی وجہ سے گویا مذمت کے طور پر ''زمین کی چیچک'' قرار دیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زمین کا فاسد مادہ یعنی چیچک نہیں بلکہ وہ ''من'' کی ایک قسم ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی محنت ومشقت اور بغیر کاشت کے پیدا فرمایا، جس طرح کہ بنی اسرائیل پر یہ ''من'' بغیر کسی محنت وتکلیف کے ان پر نازل ہوتا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے جس پر اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ کھمبی کے پانی کی شفاء میں اس اعتبار سے اختلاف ہے کہ اسے کیسے استعمال کیا جائے؟

وماءها شفاء للعین کا مطلب دو طرح کی ہوتی ہے: ① بالکل سیاہ یا سفید وسرخ، یہ دونوں صحت کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ② خالص سفید، یہ صحت اور بالخصوص آنکھوں کے لئے اس کا پانی بہت نفع بخش ہوتا ہے۔

چند اقوال ہیں: ① علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی کا پانی تنہا آنکھ میں استعمال نہ کیا جائے کیونکہ یہ نقصان پہنچاتا ہے، اس سے سرمہ یا ایسی کوئی چیز تیار کرلی جائے جس میں اس پانی کو ڈالا جائے، اور پھر سے بطور سرمہ کے

استعمال کیا جائے تو وہ مفید ہوگا۔

② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محض کھنبی کا پانی آنکھ کو شفاء بخشا ہے اور فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک دیندار عالم نابینا ہوگئے تھے، انہوں نے سانپ کی چھتری کو علاج کے طور پر استعمال کیا، اللہ نے ان کی بینائی واپس عطا فرمادی تھی لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض دوسرے مشائخ نے اس پانی کو استعمال کیا تو آنکھیں ٹھیک ہونے کے بجائے مزید خراب ہوگئیں، اس لئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ایسے آدمی سے متعلق ہے جو حدیث پر پورا اعتقاد کر کے یہ علاج کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات اسے شفاء عطا فرماتی ہے۔

③ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر آنکھ میں حرارت کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس کے لئے کھنبی کا خالص پانی شفاء ہوتا ہے اور اگر صرف حرارت کی وجہ سے تکلیف نہ ہو بلکہ دوسرے اسباب مرض بھی ہوں و پھر دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر اس کا پانی مفید رہتا ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کے خالص پانی کو نچوڑ کر پکالیا جائے تو پھر اسے آنکھ میں ڈالا جاسکتا ہے، کیونکہ آگ پر پکانے کی وجہ سے اس کے فضلات، رطوبتیں اور فاسد مادے ختم ہو جاتے ہیں اور اس میں صرف نفع بخش اجزاء باقی رہ جاتے ہیں۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ بتایا کہ کھنبی کا پانی آنکھ کے لئے مفید ہوتا ہے، اسے کیسے استعمال کیا جائے، کیا تنہا آنکھ میں ڈالا جائے، یا کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر، ان طبی تفصیلات کو آپ نے بیان نہیں فرمایا اور ان کا بیان کرنا آپ کی شرعی ذمہ داری بھی نہیں، کیونکہ یہ امور نبوت میں سے نہیں، اس لئے مذکورہ چار اقوال میں سے کوئی قول قطعی اور یقینی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، بسا اوقات اس کا استعمال تنہا مفید ہوتا ہے اور کبھی مرکب کر کے، بعض امراض کے لئے نفع بخش ہوتا ہے اور بعض کے لئے مضر، مختلف افراد کے اعتبار سے اس کا اثر بھی مختلف ہوسکتا ہے، لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کھنبی کا ہر پودا، ہر مرض کے لئے، ہر وقت، ہر جگہ اور ہر انسان کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے، اس لئے ہر بیماری میں از خود اسے استعمال کرنے کے بجائے کسی طبیب سے رجوع کر کے علاج تجویز کرانا چاہئے، تاہم اگر کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کامل یقین رکھتے ہوئے سانپ کی چھتری کو ہر مرض کے علاج کے لئے استعمال کرے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اسے شفاء فرمائیں گے۔

حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''المسک الذکی'' میں اگلے سے پیوستہ ''باب ماجاء فی تبرید الحمی بالماء'' میں فرمایا ہے:

''پختگی عقیدے سے حق تعالیٰ شفاء دے ہی دیتے ہیں، عقیدے کا انجاح حوائج میں بڑا دخل ہے۔''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شونیز (کلونجی) ہر مرض کی دوا ہے سوائے موت کے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ روزانہ اکیس دانے لے کر کپڑے میں لپیٹ دے اور پانی میں بھگو دے پھر اس (کے پانی) سے ناک کے دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ڈالے، اور دوسرے دن بائیں میں دو قطرے اور دائیں میں ایک قطرہ ٹپکا دے، اور تیسرے دن دائیں میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ڈالے۔

یہ روایت ابونعیم نے طب میں مرفوعاً نقل کی ہے، اس بارے میں پیچھے مستقل باب ''الحبۃ السوداء'' کے عنوان سے گزرا ہے۔

کھمبی اور کلونجی کو استعمال کرنے کا ایک ایک طریقہ:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب کے آخر میں حضرت قتادہ کی دو روایتیں ذکر کی ہیں، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، پہلی حدیث میں کھمبی کے استعمال کا ایک طریقہ مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رحمۃ اللہ علیہ نے تین، پانچ یا سات کھمبیاں لے کر ان کا پانی نچوڑا، پھر وہ عرق باندی کی آنکھ میں ڈالا تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے، اسے استعمال کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ کلونجی کے اکیس دانے لیکر کسی کپڑے میں کر کے بھگو دے، ساری رات بھگے رہیں، پھر اس کے پانی سے پہلے دن ناک کے دائیں سوراخ میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکائے، دوسرے دن صبح بائیں سوراخ میں دو اور دائیں میں ایک دائیں میں ایک قطرہ ٹپکائے اور تیسرے دن دائیں میں دو اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ دونوں طریقے درست ہیں اور ان کی افادیت میں بھی کوئی شبہ نہیں لیکن چونکہ ہر شخص کا مزاج، مرض اور اسباب مرض مختلف ہوتے ہیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ کسی ماہر ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر ان چیزوں کا استعمال اپنی طرف سے نہ کیا جائے۔

اعتراض: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کی آخری حدیث کو جس میں کلونجی کا ذکر ہے، اس باب سے کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ اس باب میں کھمبی اور عجوہ کا ذکر ہے جبکہ اس روایت میں ان دو چیزوں میں سے کسی کا کوئی ذکر نہیں تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت اس باب میں کس وجہ سے ذکر کی ہے؟

یہ درست ہے کہ ظاہراً اس حدیث کو باب سے مناسبت نہیں ہے، البتہ یوں تاویل کی جاسکتی ہے:

② الكمأة من المن، وماءها شفاء للعين: کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے مفید ہے (اور من وہ میٹھا گوندتھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور غذا بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا)۔

احادیث کا خلاصہ: باب کی پہلی حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے دونوں مضمون ہیں اور دوسری حدیث میں جو سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ہے صرف دوسرا مضمون ہے، پھر تیسری حدیث میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے: حدیث کا شان ورود بھی ہے، پھر اس کے بعد کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انہوں نے تین، پانچ یا سات کھمبیاں لیں اور ان کو نچوڑ لیا اور ان کا پانی ایک شیشی میں بھر لیا پھر ان کی ایک چندھیا باندی تھی اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ اچھی ہوگئی۔

اس کے بعد آخری روایت باب سے بے جوڑ ہے، قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: مجھ سے بیان کیا گیا (یعنی درمیان میں کوئی مجہول واسطہ ہے) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شونیز یعنی کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے، پھر قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا طریقہ استعمال بیان کیا کہ ہر دن اکیس دانے لے کر کپڑے میں پوٹلی باندھ لی جائے پھر اس کو پانی میں بھگو دیا جائے، پھر پہلے دن دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اگر ایک دن میں بیماری دور نہ ہو تو پھر اکیس دانے باندھ کر بھگوئے جائیں اور دوسرے دن بائیں نتھنے میں دو قطرے اور دائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اب بھی اگر شفا نہ ہو تو تیسرے دن پھر اکیس دانے بھگوئے جائیں اور دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے، اسی طرح شفاء ہونے تک عمل جاری رکھا جائے،

مگر یہ علاج کس بیماری کا ہے؟ یہ بات بیان نہیں کی، اس لئے بات بے فائدہ ہے، نیز باب سے اس کا جوڑ بھی نہیں، اس کو کلونجی کے باب میں آنا چاہئے تھا۔

لغات: کمأة ابن اعرابی نے اس کے برعکس کما واحد ہے اور کماۃ خلاف قیاس جمع ہے بعض حضرات کی رائے ہے کہ کماۃ کا لفظ واحد اور جمع دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع اکمو بھی آتی ہے۔ یہ ایک گھاس اور پودا ہے جس کا پتہ اور تنا نہیں ہوتا، زمین سے بغیر کسی محنت اور کاشت کے نکلتا ہے۔ اسے اردو میں "کھمبی" "سانپ کی چھتری" یہ کھمبی برسات کے موسم میں اگتی ہے اور انڈے کی طرح سفید ہوتی ہے اہل عرب اسے "نبات الرعد (کڑک اور بجلی کا پودا) بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بادل کی گرج اور کڑک کی وجہ سے زمین سے نکلتی ہے۔ عجوۃ: (عین کی زبر اور جیم کے سکون کے ساتھ) مدینہ کی عمدہ قسم کی ایک کھجور۔ من (میم کی زبر اور نون کی تشدید کے ساتھ) ترنجبین وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور غذا نبی اسرائیل پر نازل کیا تھا۔ "جلادی الارض" بضم الجیم وفتح الدال وکسر الراء وتشدید الیاء چیچک کو کہتے ہیں یہ ایک وبائی بیماری تھی جو انتہائی مہلک تھی، بقول سائنس دانوں نے چیچک زدہ مرض کے ساتھ کمرے میں صرف پانچ سکینڈ رہنے سے اس کا وائرس منتقل ہو جاتا ہے اور پھر مریض میں انتہائی سرعت سے پھیل جاتا ہے اس سے کبھی کبھار اتنی اموات ہو جاتیں کہ پوری کی پوری بستی خاموش ہو جاتی۔

حدثت (مجہول کا صیغہ ہے) مجھے حدیث بیان کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ قارورۃ شیشی، بوتل ج قواریر۔ حلت به: میں وہ عرق سرمہ کے طور پر لگایا۔ برأت: اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ شونیز: (شین پر پیش، واؤ کے سکون، اور نون کی زیر کیساتھ) کالا دانہ، کلونجی۔

قوله "الشونیز" بضم الشین وسکون الواؤ وکسر النون کلونجی کو کہتے ہیں اور اسے حبته السوداء بھی کہتے ہیں۔

قوله "السام" بروزن عام موت کہتے ہیں وقدمر۔ قوله "فینقعه" بفتح الیاء منقع پانی میں بھگوئی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ پھر ان کو پانی میں اچھی طرح بھگوئے۔ قوله "فیستعط" سعوط سے ہے، ناک میں ڈالنے والی دوا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اَجْرِ الْكَاهِنِ

باب ۲۲: غیب کی باتیں بتلانے والے کی اجرت

(۱۹۹۷) نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کتے کی قیمت فاحشہ عورت کی کمائی اور کاہن کے معاوضے کو استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ان تینوں اجرتوں کی ممانعت معلوم ہوگئی البتہ ثمن الکلب ہمارے نزدیک مقید ومشروط بشرط ہے جبکہ باقی دونوں کی تحریم پر اجماع ہے، یہ تینوں مسائل محاسن ترمذی میں اپنے اپنے متعلقہ ابواب میں گزری ہے۔ "باب ماجاء فی ثمن الکلب، باب ماجاء فی کراھیة مھر اور حلوان الکاھن کے لئے دیکھئے مذکورہ باب کے علاوہ، باب ماجاء فی کراھیة اتیان

الحائض ج ۱، ص: ۳۶۲۔

کاہن کی تین قسمیں: (۱) جو دعویٰ کرے کہ مجھے جنات اخبار غیب بتلاتے ہیں۔ (۲) جو مقدمات سے نتائج اخذ کرنے کا دعویٰ کرے چاہے سائل کی باتوں، کپڑوں، ناخن وغیرہ سے کرے یا کسی اور ذریعہ سے۔ (۳) جو نجوم کی حرکات سے معلوم کرنے کا دعویٰ کرے جس کو عرف میں نجومی کہتے ہیں۔ حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرافہ کو بھی کہانت کی ایک قسم کہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"یہ عمل عرافہ ہے جو کہانت کی ایک قسم ہے اور محض حرام ہے۔ نیز فی نفسہ حرمت کے ساتھ عوام کے فتنہ میں پڑنے اور گمراہ کا موجب بھی ہے اور دل میں آجانا القاء شیطانی ہے، یہ جواب انہوں نے ایک فتویٰ میں دیا ہے، سائل کہتا ہے کہ دو خصمین کے نام اور عمر اگر مجھے معلوم ہو جائے تو میں جان لیتا ہوں کہ کون غالب ہوگا۔" (تحفۃ العلماء ص:530)

اسی طرح علم رمل کے متعلق لکھتے ہیں: "کہ متعارف رمل کی تعلیم و تعلم حرام ہے۔" (ایضاً ص:532)

جبکہ مسمریزم اور علم الارواح والحاضرات کو قوت خیالیہ کا تصرف قرار دیا۔ تو وہ اس کی عقل کی کمی کی نشانی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر عاملوں کا شکار عورتیں ہوتی ہیں۔

علم غیب اللہ کا خاصہ ہے:

تاہم جو خاصہ ہے وہ حقیقی علم غیب ہے اس تک کسی بھی مخلوق کی رسائی ممکن نہیں اس کا دعویٰ کرنے والا کافر ہے خواہ اپنے لئے اثبات کا دعویٰ کرے یا کسی مقرب فرشتے یا بشر کے لئے جبکہ دوسری قسم مجازی اور اضافی علم غیب کہلاتا ہے اس کا دعویٰ حرام ہے اور کاہن اسی زمرے میں آتا ہے۔

فائدہ: ① اُمور غیبیہ دو طرح کے ہیں: ایک کا تعلق احکام سے ہے اور دوسرے کا اکوان سے، علم احکام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء ہوا ہے جبکہ امور تکوینیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فخیم حصہ ملا ہے، تاہم علم کلی طور پر یہ کہنا چاہئے کہ اس کے اصول اور کلیات کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاصہ ہے، جزئیات منتشرہ لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی گئی ہے لیکن یہ تمام جزئیات اللہ کے علم کے مقابلے میں قطرہ بمقابلہ سمندر سے بھی کم ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

"یاموسٰی مانقص علمی و علمك من علم الله تعالیٰ الا کنقرۃ هذه العصفور فی البحر."

"اے موسیٰ علیہ السلام! میرے علم اور آپ کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنا بھی کم نہیں کیا جتنا کہ اس چڑیا کے چونچ بھرنے سے سمندر میں کمی آئی ہے۔" (بخاری جلد اول ص: ۲۳، کتاب العلم)

قابل غور ہے کہ ان دو انبیاء علیہم السلام کے پاس انتہائی وسیع علم تھا مگر پھر بھی انہوں نے یہ تشبیہ تقریب الی الفہم کے لئے دی ہے ورنہ اللہ کا علم تو لامتناہی ہے جبکہ سمندر متناہی ہے لہٰذا یہ نظیر بے مثال نہیں ہے۔ ہر ہر ذرے اور پتے کا علم صرف اللہ کو ہے، البتہ انبیاء علیہم السلام کو جتنا حصہ ملا ہے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ ان کے پاس علم بذریعہ وحی آتا ہے اور وحی ذرائع معرفت اور اسباب علم میں سب سے زیادہ مضبوط اور سو فیصد یقینی سبب ہے جبکہ کاہنوں اور نجومیوں کا دعویٰ محض خیال یا فراڈ اور دھوکہ پر مبنی ہوتا ہے، اس کے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہوتا پس جو چیز اندازوں اور اٹکلوں پر مبنی ہو اس کا دعویٰ کرنا یا اثبات کرنا غیر حقیقی غیر شرعی اور

غیر عقلی کہلانے کا مستحق ہے، یہ کوئی علم نہیں بلکہ تخمین اور دھوکہ دہی ہے۔ لہٰذا اس پر اجرت لینا بلاعوض لینے کی وجہ سے حرام ہے اگرچہ کوئی خوشی سے دے کیونکہ دھوکہ اسی کو تو کہتے ہیں کہ کسی کو ایسا چکر دے جس سے اس کے اوسان خطا ہو جائیں۔

تنبیہ ②: آلات کے ذریعہ جو چیز معلوم کی جاتی ہے جیسے الٹرا ساؤنڈ میں مرض یا رحم کے احوال معلوم کرنا، ہوا میں نمی کا تناسب معلوم کرنا یا نبض سے بیماری یا دیگر آلات سے دل کی حرکات وغیرہ معلوم کرنا یہ علم غیب کے زمرے میں نہیں آتے، لہٰذا ان آلات کے ذریعہ کسی چیز کو معلوم کرنے کا دعویٰ علم غیب کے دعویٰ میں نہیں آتا کیونکہ آلات انسانی دماغ اور عقل کے نتائج ہیں، لہٰذا ان کا حکم وہی ہے جو انسانی اعضاء کا ہے کہ فرع تابع اصل ہوتی ہے تو جس طرح کسی شے کا علم آنکھوں سے حاصل ہونا علم غیب نہیں تو اسی طرح عینک دوربین اور ایکسرے وغیرہ سے حاصل کردہ علم بھی علم غیب نہیں۔

اعتراض: سورۂ لقمان آیت نمبر 34 میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ﴾ (لقمان:۳۴)

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رحم کے اندر کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

جواب: اس میں لفظ ''ما'' عام ہے اس سے فقط لڑکے یا لڑکی ''من'' ہونے کا علم نہیں بلکہ نطفے کی ابتدائی احوال سے لے کر بچے کی ولادت تک تمام حالیہ حالات اور مستقبل کے احوال حسین وجمیل ہونا، فصیح وبلیغ ہونا اور باقی تمام انسانی کردار کی استعدادات کا علم حتیٰ کہ اس کے علوم اور موت وحیات کی صلاحیت نطفے کے اندر معلوم ہونا سب مراد ہے جبکہ انسانی ساخت کے آلات یہ جاننے سے قاصر ہیں اگر فی الجملہ کچھ ظاہری شکل نظر آ جائے یا نطفے کے جین کی کچھ صلاحیتیں معلوم ہو جائیں تو اس سے تمام تکوینی امور کا علم کہاں لازم آتا ہے۔ اور یہ اگر شک نہیں تو زیادہ سے زیادہ ظن ہے جبکہ علم کی تعریف شرح العقائد میں یوں کی گئی ہے: هو صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت هي به۔ دوسری تعریف میں ہے: صفة توجب تميزاً لا يحتمل النقيض اور پہلی تعریف کو دوسری کی طرف راجع کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولكن ينبغي ان يحمل التجلي على الانكشاف التام الذي لا يشمل الظن لان العلم عندهم مقابل للظن۔ (شرح العقائد ص:10) کون کہہ سکتا ہے کہ لیبارٹری رپورٹ میں نقیض کا احتمال نہیں ہے۔

تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غیب کے دو معنی ہیں: حقیقی اور اضافی۔ حقیقی: وہ ہے جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو، یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کے لئے اس کا حصول [illegible] وشرعی ہے۔ غیب اضافی وہ ہے جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کرا دیا جائے، کسی (عمل) سحر یا کسی جن کے واسطے سے یا کسی نجومی یا کسی پنڈت کے واسطے سے کسی خبر کا یقین کر لینا خصوصاً جب کہ اس خبر سے کسی بری شخص کو متہم کر دیا جائے ایسا شدید حرام ہے کہ کفر کے قریب ہے۔ جب ان ذرائع کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں اور جو ذرائع شریعت کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے، ان پر حکم لگانا کس درجہ سخت گناہ ہوگا جیسے حضرات کرنا، چور کا نام نکالنے کے لئے لوٹا گھمانا یا آج کل جو عمل مسمریزم شائع ہوا ہے یا تو بالکل مہمل اور خرافات [illegible] میں اکثر جگہ تو عامل کا دھوکہ ہی ہوتا ہے اور بعض عامل تو دھوکہ باز نہیں ہوتا مگر وہ خود دھوکہ میں ہوتا ہے، اس کو ان اعمال کی حقیقت معلوم نہیں، اول تو چور کا نام نکلنا اس عمل سے اس کا کچھ تعلق نہیں، یہ عامل کے یا کسی صاحب مجلس کے خیال کا تصرف ہے، اس کا سمجھنا مسمریزم کے جاننے پر موقوف ہے اور حاضرات وغیرہ جو عامل لوگ کرتے ہیں، وہ اگر سب نہیں تو اکثر اسی قبیل سے ہے۔

پھر یہ جو نام نکلتا ہے اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں اکثر ایسا ہوتا ہے جب چاہے آزمالیا جائے کہ ایک عامل کے عمل سے ایک شخص کا نام نکل آیا دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب تصرفات قوت خیالیہ کے ہیں، تو جیسے کوئی شخص کسی واقعہ میں فکر وخیال کو صرف کر کے کوئی رائے قائم کرے، بس اس سے زیادہ ان اعمال کی خوئی حقیقت نہیں اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ بعض اعمال میں آیات قرآنیہ پڑھی جاتی ہیں، بات یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت قوت خیالیہ کے دور کرنے کا محض حیلہ ہے ورنہ اصل فعل قوت خیالیہ کا ہے گو آیات نہ پڑھی جائیں جب بھی وہ تصرفات کرتے ہیں اور اگر صرف آیات پڑھی جائیں اور خیال کو دوسری طرف متصرف کر دیا جائے تو ہرگز یہ تصرفات نہ ہوں اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ فلاں دفعہ (عمل) اس کے مطابق نکلا، یوں تو آدمی کچھ بھی نہ کرے یوں شروع کر دے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو ہی جاتی ہے، اسی طرح ان خرافات میں اگر ایک دفعہ کوئی بات سچ ہے تو سو دفعہ جھوٹ نکلتی ہے ... الخ۔

کن مقاصد کے لئے کتا پالا جاسکتا ہے؟

چند مواقع پر کتا رکھنے اور پالنے کی شرعاً اجازت ہے جبکہ اس کی ''حاجت'' اور ضرورت ہو، شکار کے لئے، کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لئے اور گھر کی چوکیداری کے لئے کتا پالنا اور رکھنا جائز ہے تاہم اگر کتا رکھے بغیر کسی اور طریقے سے یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہو تو کتا رکھنے سے احتراز کرنا بہتر ہے، گو کہ مذکورہ مقاصد کے لئے کتا رکھا جاسکتا ہے لیکن چونکہ اس کے لعاب وغیرہ کے جراثیم انتہائی زہریلے ہوتے ہیں، عموماً طرح طرح کی امراض کا وہ شکار ہوتا ہے، اس کے مزاج میں لہو ولعب اس انداز کا ہوتا ہے کہ شیطان کی بات کو قبول کرتا ہے، نجاست سے پرہیز نہیں کرتا اور دوسرے لوگوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے اس لئے کتا پالنے سے اجتناب کرنا زیادہ مناسب ہے، مذکورہ مقاصد کے علاوہ محض اپنے شوق کو پورا کرنے کے لئے کتا پالنا، جیسا کہ اس زمانے میں عموماً شہروں میں لوگ شوقیہ طور پر کتے پالتے ہیں، شرعاً یہ جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں ان کے گھر میں رحمت کے فرشتے بھی داخل نہیں ہوتے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو اور ضرورت کی بنیاد پر جب مذکورہ مقاصد کے لئے کتا رکھا جائے تو پھر وہ اس وعید میں نہیں آتا۔

لغات: ''مھر البغی'' بغی بروزن قوی، فاحشہ اور زناکار عورت کو کہتے ہیں، یہاں مہر سے مراد اجرت ہے۔ ''خلوان'' بروزن غفران، میٹھی چیز کو کہتے ہیں، اس سے مراد اجرت ہے چونکہ یہ بغیر تعب ومشقت کے ملتی ہے اس لئے اس کو شیرینی سے تعبیر کیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بلاعوض مفت میں ملتی ہے۔ ''الکاھن'' جو آدمی غیب کی خبر دینے کا دعویٰ کرتا ہے تاثر دیتا ہو جیسے آج کل کے اکثر عامل کرتے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ التَّعْلِیْقِ

باب ٢٣: کوڑی وغیرہ باندھنے کی ممانعت

(١٩٩٨) دَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِ اللهِ بْنِ عُکَیْمٍ اَبِیْ مَعْبَدِ الْجُهَنِیِّ اَعُوْدُهٗ وَبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْنَا اَلَا تُعَلِّقُ شَیْئًا قَالَ الْمَوْتُ اَقْرَبُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُکِلَ اِلَیْهِ.

ترجمہ: محمد بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عکیم یعنی حضرت ابومعبد جہنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوا ان کے جسم پر سرخی موجود تھی میں نے کہا آپ کوئی تعویز کیوں نہیں ڈال لیتے انہوں نے فرمایا موت اس سے زیادہ قریب ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی تعویز لٹکائے گا اسے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

تشریح: تعویذ کا شرعی حکم:

دم اور جھاڑ پھونک چند شرائط کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے، جن کی تفصیل باب ماجاء فی کراھیۃ الرقیۃ کے تحت گزر چکی ہے، البتہ بعض حضرات تعویذ لکھنے، پلانے اور گلے میں لٹکانے کو جائز نہیں سمجھتے، وہ حضرات اسے شرک قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

① حدیث باب جس میں عبداللہ بن عکیم نے گلے میں تعویذ نہیں لٹکائے اور کہا کہ موت اس سے زیادہ قریب ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کچھ تعویذ لٹکالے تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے، پھر اس کے ساتھ تائید غیبی اور مدد و نصرت نہیں ہوتی۔

② سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان الرقی والتمائم والتولۃ شرك"

"بیشک جھاڑ پھونک، تعویذات اور تولہ شرک ہے۔"

تمائم، تمیمۃ کی جمع ہے، تعویذ کو کہتے ہیں، جسے اس حدیث میں شرک کہا گیا ہے۔

لیکن جمہور صحابہ، تابعین اور علماء امت کے نزدیک تعویذ لکھنا، پینا، پلانا اور گلے میں باندھنا جائز ہے بشرطیکہ قرآنی آیات یا احادیث میں منقول کلمات سے تعویذ لکھا جائے اگرچہ ان کے معنی معلوم نہ ہوں، یا ایسے الفاظ و کلمات سے تعویذ لکھا جائے جو کفر و شرک کے معنی پر مشتمل نہ ہوں، معنی واضح اور شریعت کے موافق ہوں، مہمل بے معنی الفاظ نہ ہوں اور تعویذات کو نفع و نقصان وغیرہ پہنچانے میں مؤثر حقیقی نہ سمجھا جائے۔

جمہور کا استدلال: ① ابن ابی شیبہ اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما آیت نقل کی ہے کہ جو شخص خواب میں ڈرتا ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ وہ یہ کلمات پڑھ لیا کرے:

"بسم اللہ" اعوذ بكلمات اللہ التامات من غضبه و سوء عقابه، و من شر عباده، و من همزات الشياطين، وان يحضرون"

"میں اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے واسطے سے پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب اور برے عذاب سے، اس کے بندوں کے شر اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔"

روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے سمجھ دار بچوں کو یہ کلمات سکھا دیتے تھے اور جو بچے سیکھنے کے قابل نہ ہوتے تو یہ کلمات لکھ کر ان کے گلے میں تعویذ بنا کر لٹکا دیتے۔

② حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ دردِ زہ میں مبتلا عورت کے لئے ان کلمات کو مفید سمجھتے تھے:

''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴾ (النازعات:۴۶)

﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (الاحقاف:۳۵)

"اس دن وہ اس کو دیکھیں گے وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر اس کی ایک صبح یا شام، گویا کہ وہ اسے دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نہیں ٹھہرے مگر اس کی صبح یا شام۔ پہنچانا ہے نہیں ہے ہلاکت مگر فاسق قوم کے لئے۔"

اسی روایت میں ہے کہ ان کلمات کو کچی سیاہ روشنائی سے لکھ کر عورت کو پلا دیا جائے۔

③ تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء، مجاہد، محمد بن سیرین، عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر، اور امام ضحاک رحمہم اللہ سے تعویذات کا جواز منقول ہے۔

④ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں تعویذات کے جواز کی تصریح فرمائی ہے۔

جمہور کی طرف سے حدیث باب کا جواب: یہ دیا گیا ہے کہ اس میں ان تعویذات کا ذکر ہے جو شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے اور انہی کو نفع ونقصان پہنچانے کا سبب حقیقی سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے اس طرح کے تعویذات کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے۔ چنانچہ صاحب بذل المجہود لکھتے ہیں:

قوله: شرك اى من افعال المشركين اولانه يفضى الى الشرك اذا اعتقد ان له تاثيرًا حقيقة. (بذل ص:7 ج:6)

"شرک کیا یعنی یہ مشرکین کے افعال میں سے ہے یا اس وجہ سے کہ یہ شرک کی طرف لے جاتا ہے جب اس بات کا اعتقاد رکھے کہ حقیقتاً اس کا اثر ہے۔"

ترمذی کی حدیث کا جواب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب الدری میں یہ دیا ہے کہ یہ عمل توکل کے اعلیٰ درجات یا توکل مطلق کے منافی ہے، مطلب نہیں کہ اس میں گناہ ہے۔

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''رقی'' اور ''تمائم'' کو جو شرک کہا ہے، اس سے وہی دم اور تعویذ مراد ہیں جو خلاف شرع کلمات پر مشتمل ہوں ان میں شرکیہ کلمات ہوں اور یا اسے کوئی مؤثر حقیقی سمجھتا ہو، اس کی تائید اس روایت کے باقی حصے سے بھی ہوتی ہے، اس میں ہے کہ ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں کہ تعویذ اور جھاڑ پھونک شرک ہے، واقعہ یہ ہے کہ میری آنکھ آشوب چشم میں مبتلا تھی، میں فلاں یہودی سے دم کراتی تو میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی، اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سب کچھ شیطانی عمل ہے، وہ یہودی شیطان سے مدد لے کر دم کرتا ہے تھوڑی دیر کے لئے وہ آنکھ درست ہو جاتی ہے، آپ وہ کلمات پڑھا کریں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے:

اذهب الباس، رب الناس، اشف انت الشافى، لا شفاء الا شفاءك شفاء لا يغادر سقمًا.

"مصیبت ختم کر دے اے لوگوں کے رب شفا دے دے کوئی شفا دینے والا نہیں شفا مگر تیری طرف ہے ایسی شفا عطا فرما جس کے بعد بیماری نہ ہو۔"

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ جھاڑ پھونک اور تعویذ وہ ممنوع ہے جو اہل شرک کے ہاں رائج تھا جس میں وہ شیاطین

اور جنات سے مدد مانگتے تھے، لیکن اگر دم اور تعویذات قرآنی آیات اور احادیث میں منقول کلمات سے ہوں، یا ایسے الفاظ سے جن کا مفہوم واضح اور شریعت کے موافق ہو تو ان میں کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہیں۔

تنبیہ: آج کل کے غیر مقلدین اور عربوں میں سے حنابلہ حضرات اس کو شرک کہتے ہیں حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت تعویذ کے جواز کی ہے۔ دیکھئے تحفۃ الاحوذی:

اختلف العلماء ... فی جواز تعلیق التمائم التی من القرآن و اسماء الله تعالیٰ و صفاته فقالت طائفة یجوز ذالك و هو قول ابن عمرو بن العاص و هو ظاهر ماروی عن عائشة و به قال ابو جعفر الباقر واحمد فی روایة... الخ۔

"علماء نے اختلاف کیا ہے تعویذ لٹکانے کے بارے میں جن تعویذوں میں قرآن اور اللہ تعالیٰ کا نام ہو اور اس کی صفات ہوں ایک جماعت کہتی ہے یہ جائز ہے یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور یہ ظاہر ہے اور وہ ظاہر جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور ابوجعفر الباقر اور احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔"

غیر مقلدین کی مستدل حدیث کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ فلیتذ کر

عملیات کا حکم:

دم، منتر، جھاڑ پھونک اور تعویذات ذکر کردہ شرائط کے ساتھ جائز ہیں، یہی حکم عام عملیات کا ہے، مختلف کلمات، مختلف وظائف کو بعض لوگ مخصوص تعداد اور خاص پابندیوں کے ساتھ پڑھتے ہیں، شرعاً ایسے عملیات کا حکم یہی ہے کہ اگر ان میں کوئی شرکیہ کلمہ اور غیر واضح لفظ نہ ہو تو جائز ہے۔

یہ دراصل لوگوں کے اپنے اپنے تجربات ہیں، کسی نے خاص مقصد کے لئے کوئی کلمہ ایک لاکھ مرتبہ رات کے وقت پڑھ لیا اور اس کا کام ہو گیا، اس نے پھر تجربہ کیا اور کامیاب رہا، اس طرح وہ شخص اس کو باقاعدہ ایک وظیفے اور ایک عمل کی شکل دے دیتا ہے، اسے کوئی شرعی حکم نہیں سمجھنا چاہئے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مختلف جڑی بوٹیوں کی تاثیر لوگوں کے تجربات کر کے معلوم کی ہے اور مختلف امراض میں ان کا انفراداً یا ترکیباً استعمال مفید رہتا ہے۔

لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ عملیات سے کوئی قطعی حکم ثابت نہیں ہوتا مثلاً بعض لوگ چور معلوم کرنے کے لئے عمل کرتے ہیں، تو صرف اس عمل کی وجہ سے کسی شخص کو واقعتاً چور سمجھ لینا اور اس پر چوری کے احکام لاگو کرنا جائز نہیں۔

لغات: تعلیق: لٹکانا، گلے میں تعویذ لٹکانا۔ حمرة: خسرہ، ایک جلدی بیماری جس میں بدن سرخ یا اس پر دانے نکل آتے ہیں اور اس میں بخار بھی شدید ہوتا ہے۔ الا تعلق شیئًا: تم کچھ تعویذ کیوں نہیں لٹکاتے "تعلق" باب تفعیل سے ہے، بعض حضرات نے اسے باب تفعل سے قرار دیا ہے۔ ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ وکل الیہ: (باب ضرب سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے) اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے، یعنی اگر ان تعویذات وغیرہ کو مؤثر حقیقی سمجھے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ نہیں ہوتی، اسے بس ان تعویذات کے ہی سپرد کر دیا جاتا ہے۔ "اعودہ" عیادت بیمار پرسی کو کہتے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ تَبْرِیْدِ الْحُمّٰی بِالْمَآءِ

باب ۲۴: پانی سے بخار کو ٹھنڈا کرنا

(۱۹۹۹) اَلْحُمّٰی فَوْرٌ مِّنَ النَّارِ فَاَبْرِدُوْهَا بِالْمَآءِ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں بخار آگ کا جوش ہے اسے پانی کے ذریعے ٹھنڈا کرو۔

(۲۰۰۰) اِنَّ الْحُمّٰی مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاَبْرِدُوْهَا بِالْمَآءِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار جہنم کی تپش کا حصہ ہے تم اسے پانی کے ذریعے ٹھنڈا کرو۔

(۲۰۰۱) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰی وَمِنَ الْاَوْجَاعِ كُلِّهَا اَنْ يَّقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بخار اور دردوں کے بارے میں یہ دعا بتائی تھی کہ وہ یہ پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے جو سب سے بڑا ہے میں عظیم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ہر پھڑکنے والی رگ اور جہنم کی تپش کے شر سے۔

تشریح: بخار کو آگ یا دوزخ کی آگ کا اثر اور بھڑاس قرار دینے کا مطلب اس کی شدت حرارت بیان کرنا ہے جو تشبیہ کی ایک قسم ہے جیسے محاورہ میں کسی تنگ جگہ کو قبر اور محبوس جگہ کو جیل کہا جاتا ہے۔اس موقع پر زمانہ قدیم کے اطباء نے حدیث شریف پر اعتراض کیا تھا کہ غسل کرنے سے اور بخار والے مریض پر پانی ڈالنے سے تو بخار اور بھی بڑھ جاتا ہے پھر یہ کیسی صحیح ہوسکتی ہے؟ اس کے جواب میں علماء کرام اور شارحین عظام نے مختلف اور متعدد توجیہات کی ہیں مثلاً یہ زم زم کے پانی کے بارے میں ہے، یا حجاز کے بخار کے متعلق ہے جیسے ''شرقوا اوغربوا'' الحدیث سب کے لئے نہیں یا گرمی سے لگنے والے بخار کے بارے میں ہے وغیرہ وغیرہ۔

بخار کے لئے غسل، جدید تحقیق کی روشنی میں:

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ آج کل سائنسی دور ہے اور نئی نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں، ان تحقیقات سے ایک طرف قدیم نام نہاد حکماء کے بہت سارے نظریات غلط ثابت ہوئے تو دوسرے جانب پیغمبر اسلام کے ارشادات کی تائید در تائید ہوئی، اگر ایسے مسائل کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد بن جائے گی۔

آج سے چند سال قبل تک ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ جب بخار تیز ہوجائے تو مریض کے جسم پر برف کے ٹکڑے رکھے جائیں یا ٹھنڈے پانی کی پٹی کی جائے مگر اب حال ہی میں انہوں نے مندرجہ بالا ضابطہ کی طرف لوٹ کر تسلیم کیا ہے کہ برف کا تجربہ غلط تھا، ہونا یہ چاہئے کہ نارمل پانی سے تیز بخار کا ازالہ کیا جائے یعنی اگر موسم گرم ہو تو نل کا پانی تیز بخار والے مریض پر ڈالا جائے اس سے جسم کے

مسامات کھل جائیں گے تو اندر کی حرارت مسامات کے ذریعے نکل کر بھاپ اور بخارات بن جائیں گی، اس طرح اندران درجہ حرارت کم ہوجانے سے جو عبارت ہے بخار سے خود بخود مریض کو افاقہ نصیب ہوگا اور یہ طریقہ کار ہر بخار اور ہر مرض کے لئے مفید ہے بشرطیکہ بخار تیز ہو جس کی طرف حدیث الباب میں اشارہ واضح موجود ہے لہٰذا نہ تو یہاں کسی مکان کی قید کی ضرورت ہے اور نہ زمان کی، اور نہ ہی بخار کی تقسیم کی ضرورت ہے، اس بارے میں غلط فہمی کی بنیاد کم بخار یا ٹھنڈے پانی کے استعمال پر تھی۔ فبذالك فليفرحوا اس کی مزید وضاحت ''باب التداوی بالرماد'' سے پہلے والے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ کون سے بخار میں پانی کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

اعتراض: یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ بخاری کی بعض قسموں میں ٹھنڈا پانی جسم میں استعمال کرنا مفید نہیں ہوتا، خاص کر سردی لگنے کی وجہ سے جو بخار آتا ہے اس میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہوتا ہے، تو پھر حضور ﷺ نے مطلقاً یہ کیسے ارشاد فرمایا کہ بخار میں پانی استعمال کرو؟

جواب: یہ ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد مطلقاً ہر بخار کے لئے نہیں، بلکہ یہ بخار کی ان قسموں سے متعلق ہے جن میں پانی سے جسم کو ٹھنڈا کرنا مفید ہوتا ہے، عموماً جو بخار گرمی اور گرم لو لگنے کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں پانی کا استعمال بہت مفید رہتا ہے اور چونکہ حجاز گرم علاقہ ہے تو وہاں لوگوں کو عموماً گرمی اور تپش کی وجہ سے بخار ہوجاتا تھا، اس لئے حضور ﷺ کا یہ ارشاد اس سے متعلق ہے، ہر قسم کے بخار کے بارے میں نہیں۔

بخار میں ٹھنڈا پانی کیسے استعمال کیا جائے:

حدیث میں بخار کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو کیا اس ٹھنڈک پہنچانے کا کوئی مخصوص طریقہ ہے یا کسی بھی طرح پانی استعمال کیا جاسکتا ہے؟ مختلف احادیث میں بخار ٹھنڈا کرنے کے چند طریقے منقول ہیں:

① اس کا ایک طریقہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ وہ بخار والے شخص کے سینے پر پانی چھڑک دیا کرتی تھیں۔

② امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے، اس میں ایک اور طریقہ بیان کیا گیا ہے، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بخار میں مبتلا شخص صبح کی نماز کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کسی نہر میں اتر جائے اور جس طرف سے پانی بہہ کر آرہا ہے، ادھر چہرہ اور سینہ کردے اور بسم الله، اللّٰهم اشف عبدك و صدق رسولك۔ کہہ کر اس میں تین ڈبکیاں لگائے، تین دن یہ عمل کرے، ٹھیک ہوجائے گا، ورنہ پانچ دن یا پھر سات دن اور یا پھر نو دن یہ عمل دہرائے، نو دن کے اندر اندر یہ بخار انشاء اللہ ضرور جاتا رہے گا۔

③ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بخار میں پانی کا مشکیزہ منگواتے اور اسے اپنے سر کے بالوں پر ڈال کر غسل فرماتے۔

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ بخار زدہ شخص پر صبح کے وقت ٹھنڈا پانی تین دن تک چھڑکا جائے۔

⑤ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان کسی وقت بخار زدہ آدمی پر پانی بہا دیا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث کی رو سے بخار میں پانی کا استعمال مفید ہوتا ہے، تاہم علم طب چونکہ ایک پیچیدہ اور مشکل علم ہے، بسا اوقات ایک دوا ایک مریض کے لئے ایک وقت میں فائدہ مند ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں اس کے لئے وہی دوا نقصان دہ

ہوجاتی ہے اور اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک ہی مرض کا علاج عمر، وقت، جگہ، موسم، عادت، غذا، تاثیر اور طبیعت و مزاج کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اس لئے بخار زدہ شخص کو از خود پانی کا استعمال نہیں کرنا چاہئے، جب تک کہ وہ کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ نہ کرلے۔

لغات: تبرید: ٹھنڈا کرنا۔ حمی: بخار۔ فور: تپش، شعلہ، لپٹ، بھڑک۔ فابردوها امر ہے باب نصر: تم اس بخار کو ٹھنڈا کرو۔ حافظ ابن حجر، امام نووی، قاضی عیاض اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی تلفظ راجح ہے جبکہ بعض حضرات نے اسے باب افعال سے قرار دیا ہے یعنی ہمزہ قطعی اور را کے نیچے زیر کے ساتھ، لیکن پہلے قول کو فصاحت کے لحاظ سے راجح قرار دیا گیا ہے۔ فیح: لپٹ، بھڑک۔ اوجاع: وجع کی جمع ہے، درد۔ ان یقول: اس کا قائل بیمار ہے یا تیماردار یا بیمار پرسی کرنے والا۔ عِرق: رگ۔ نَعّار یہ اسم مبالغہ ہے: بہت چیخ و پکار کرنے والا۔ اور "عرق نعار" سے وہ رگ مراد ہے جس سے خون نکلتے وقت آواز ہوتی ہے، جوش مارنے والی رگ۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْغِيلَةِ

باب ۲۵: دودھ پلانے کے زمانہ میں صحبت کرنا

(۲۰۰۲) اَرَدْتُّ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيَالِ فَاِذَا فَارِسُ وَالرُّوْمُ يَفْعَلُوْنَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ اَوْلَادَهُمْ.

ترجمہ: جدامہ بنت وہب بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں لوگوں کو عورت کے بچے کو دودھ پلانے کے دوران اس کے ساتھ صحبت کرنے سے منع کردوں لیکن ایرانی اور رومی ایسا کرتے ہیں اور اس سے ان کے بچوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا اس لیے میں نے یہ ارادہ ترک کردیا۔

(۲۰۰۳) لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيلَةِ حَتّٰى ذَكَرْتُ اَنَّ الرُّوْمَ وَفَارِسَ يَصْنَعُوْنَ ذٰلِكَ فَلَا يَضُرُّ اَوْلَادَهُمْ قَالَ مَالِكٌ وَّالْغِيلَةُ اَنْ يَّمَسَّ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ وَهِيَ تُرْضِعُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ جدامہ بنت وہب اسدیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے سنا ہے پہلے میں نے یہ ارادہ کیا کہ بچے کو دودھ پلانے کے دوران عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے منع کروں پھر مجھے پتہ چلا کہ ایرانی اور رومی ایسا کرتے ہیں اس سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غیل کی وجہ سے بچے کے مزاج میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے، اس کے قوی ضعیف ہوجاتے ہیں، پھر اس خرابی کو کمزوری کا اثر صرف بچپن ہی تک نہیں بلکہ بالغ ہونے کے بعد تک رہتا ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ بڑا ہونے کے بعد جب میدان کارزار میں جاتا ہے تو دشمن کے مقابلے میں سست اور کمزور پڑ جاتا ہے اور گھوڑے سے گر پڑتا ہے اور یہ چیز اس بچے کے حق میں ایسی ہی ہے جیسا کہ اسے مقابلے سے پہلے ہی قتل کردیا گیا ہو اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم غیلہ نہ کرو تاکہ اس کی وجہ سے تم اپنے بچے کے قتل کا سبب نہ بن جاؤ۔

فائدہ: حمل کے زمانہ میں شروع میں تو عورت کا دودھ ٹھیک ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد جب عورت کا دودھ پیلا پڑ جائے تو وہ بچے

کے لئے ناموافق ہوجاتا ہے اس لئے جب حمل پر کچھ عرصہ گزر جائے اور دودھ میں تغیر آجائے تو دودھ پلانا بند کردینا چاہئے، نیز دودھ پلانے والی عورت سے شوہر کا صحبت کرنا چونکہ استقرار حمل کا سبب ہے اس لئے بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے مگر ایک بیوی والا کیا کرے......! آپ ﷺ نے اہل فارس اور رومیوں پر قیاس کرتے ہوئے اس نہی کو جزوی طور پر منسوخ فرمایا کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے ورنہ تو رومی اور فارسی لوگ گھوڑے پر تھمنے سے قاصر ہوتے، نیز ان لوگوں کی طب پر نظر ہے اور آبادی بھی بڑی تعداد میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ نقصان کا اندیشہ بہت کم ہے اس لئے اجازت عنایت فرمائی، ہاں عربوں کے مقابلے میں وہ کمزور تھے اس لئے پہلے منع فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ قیاس اور اجتہاد فرماتے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (کذافی البذل)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ کبھی نہیں کی حکمت دفع مفسدہ ہوتا:

وبين في مواضع ان الحكمة مفسدة كالنهي عن الغيلة انما هو مخافة ضرر الولد. (قاله في مقدمه كتابه)

"ان جیسی جگہوں میں حکمت دفع مفسدہ ہے جیسا کہ غیلہ سے منع کیا ہے غیلہ کہتے ہیں کہ بچے کو ضرر سے بچانے کے خوف سے۔"

لغات: غیلۃ: بکسر الغین اس کی تفسیر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی باب میں امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کی ہے:

والغيال، والغلية ان يطا الرجل امراته وهي ترضع.

"غیال اور غیلہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے اس حالت میں جماع کرے کہ وہ حاملہ ہو۔"

یعنی جب عورت بچے کو دودھ پلاتی ہو تو ان دنوں میں اس سے ہم بستری کرنا غیلہ اور غیال ہے۔ علیٰ ہذا غیال بھی بکسر الغین ہے۔

تشریح: عربوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب عورت کے ساتھ دوران رضاعت مجامعت کی جائے تو چونکہ اس سے حمل ٹھہرنے کا امکان رہتا ہے پھر دودھ خراب یعنی نرم اور فاسد ہوجاتا ہے جس سے دودھ پیتے بچے کو صحیح غذا نہ ملنے کی وجہ سے نقصان اور ضعف لاحق ہوجاتا ہے، پھر کل وہ گھوڑے پر شہسواری میں کمزور ہوتا ہے اور یہ بات فی الجملہ کسی حد تک صحیح تھی کہ جن لوگوں کے بچے جلدی جلدی پیدا ہوتے ہیں وہ ماں کا دودھ پوری مدت تک نہیں پی سکتے، اگر پیتے بھی ہیں تو دونوں صورتوں میں ان کی ہڈیاں اور پٹھے مضبوط و طاقتور نہیں ہوتے اس لئے آنحضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا جیسا کہ نسائی و ابوداؤد میں ہے:

"لاتقتلوا اولادكم سرا فان الغيل يدرك الفارس فيدعثره عن فرسه"

(لفظہ لابی داؤد، باب فی الغیل، کتاب الطب)

یعنی اپنی اولاد کو خفیہ طریقے سے قتل مت کرو کہ زمانہ رضاعت میں جماع کا اثر گھڑسوار پر ظاہر ہو کر اسے گھوڑے سے پچھاڑتا ہے۔

سند کی بحث: پہلی حدیث میں جو محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل ہیں انہی کی رکنیت ابوالاسود ہے، امام مالک رحمہ اللہ ان سے ہی روایت کرتے ہیں، اس لئے دوسری حدیث میں ہمارے نسخہ میں عن ابی الاسود کے بعد جو واؤ ہے وہ غلط ہے، مصری نسخہ میں نہیں ہے اس لئے اس کو حذف کیا ہے۔ اور باب میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول دو مرتبہ آیا ہے کیونکہ وہ دونوں روایتوں میں مذکور ہے (دونوں حدیثیں امام مالک رحمہ اللہ کی سند سے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ دَوَاءِ ذَاتِ الْجَنْبِ

باب ۲۶: پہلو کے درد (نمونیا کا علاج)

(۲۰۰۴) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَنْعَتُ الزَّیْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ. قَالَ قَتَادَةُ یَلُدُّهُ وَیَلُدُّهُ مِنَ الْجَانِبِ الَّذِیْ یَشْتَکِیْهِ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے زیتون اور ورس کو نمونیہ کا علاج قرار دیا ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہ بیمار کے منہ میں دوا کے طور پر ڈالا جائے گا۔

(۲۰۰۵) اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ نَّتَدَاوٰی مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِیِّ وَالزَّیْتِ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی کہ ہم نمونیہ کے مریض کو قسط بحری یا زیتون دوا کے طور پر دیں۔

تشریح: ذات الجنب کا علاج:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس بات کے تحت جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں نبی کریم ﷺ نے مرض ذات الجنب کے لیے دو علاج ذکر فرمائے ہیں:

① روغن زیتون اور ورس کے ذریعہ اس کا علاج کیا جائے، اور جس پہلو میں درد ہو، اسی طرف منہ میں انہیں ٹپکایا جائے، روغن زیتون اور ورس کو ایک ساتھ تیار کر کے اکٹھا بھی لدود کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کو الگ الگ منہ میں ٹپکایا جائے۔

② عود ہندی اور روغن زیتون سے علاج کیا جائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ عود ہندی کو پیس کر بالکل باریک کر کے زیتون کو گرم تیل میں ملا لیا جائے اور درد کی جگہ مالش کی جائے، یا اس کا لعوق یعنی چاٹنے کی دوا بنا کر چاٹا جائے تو انشاء اللہ ذات الجنب کی مرض سے شفاء ہو جائے گی۔

ذات الجنب کی قسمیں: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کی دو قسمیں ذکر کی ہیں:

① **ذات الجنب حقیقی:** یہ قسم ورم یعنی سوجن کی شکل میں ہوتی ہے، انسان کی پسلیوں کے اندرونی پٹھوں میں ورم آ جاتا ہے، جس کی وجہ سے مریض پانچ تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے، شدید بخار، کھانسی، نخس (دباؤ) سانس کی تنگی و تکلیف اور نبض منشاری یہ ذات الجنب کی خطرناک قسم ہے، اس سے نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر پناہ مانگی ہے۔

② **ذات الجنب غیر حقیقی:** اس وہ درد مراد ہے جو گیس کی وجہ سے آدمی کے پہلو میں اٹھتا ہے۔ حدیث میں ذات الجنب سے یہی دوسری قسم مراد ہے، اس کے علاج میں عود ہندی مفید ہوتا ہے، کیونکہ وہ گیس کو رفع کرتا ہے اور باطنی اعضاء کو تقویت دیتا ہے، البتہ اگر پہلی قسم بلغم کی وجہ سے پیدا ہو تو ایسی صورت میں عود ہندی اس علاج کے لیے بھی مفید ہوگا۔

عود ہندی: ایک مفید جڑی بوٹی ہے، جس کی خوشبودار لکڑی دوا اور دھونی کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، اس کو اردو میں ”کوٹ“ یا ”کوٹھ“

اس کی پیداوار ملک چین اور برصغیر میں کشمیر کے علاقے میں زیادہ ہوتی ہے، اس کی عموماً دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک سفید اور دوسری سیاہ، سفید کو عود بحری یا قسط بحری یا قسط عربی کہتے ہیں اور سیاہ کو قسط ہندی یا عود ہندی کہتے ہیں، ان دونوں کی تاثیر گرم وخشک ہے، البتہ عود ہندی کی تاثیر، عود بحری کے مقابلے میں زیادہ گرم ہوتی ہے۔

قسط بحری: (سمندری عود) میں قسط کی نسبت "بحر" (سمندر) کی طرف اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ لکڑی دوسرے ممالک اور علاقوں سے سمندری راستے سے عرب پہنچتی ہے، اس لئے بحر کی طرف اس کی نسبت کی جانے لگی۔

عود ہندی کے فوائد: عود ہندی چونکہ عموماً دواء کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، اس لئے اطباء نے اس کے بہت فوائد لکھے ہیں مثلاً نفاس والی عورتیں اس کی دھونی لیں تو رکا ہوا فاسد خون جاری ہو جاتا ہے، مضر اور زہریلے جراثیم کو یہ دور کرتی ہے۔ دماغ، گردے اور جگر کو قوت دیتی ہے، گیس کو ختم کرتی ہے، دماغی بیماریوں جیسے لقوہ اور رعشہ کے لیے مفید ہے، پیٹ کے کیڑے باہر نکالتی ہے، متاثرہ جگہ پر اس کو ملنے سے چھائیاں اور دھبے جاتے رہتے ہیں، زکام کی حالت میں اس کی دھونی لینا بہترین علاج ہے، نیز اس کی دھونی سے سحر وجادو کے اثرات بھی جاتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علم طب کی کتابوں میں اس کے بہت زیادہ فوائد لکھے ہیں، اسی لئے ایک حدیث میں اسے "سب سے بہتر دواء" فرمایا گیا ہے۔

لغات: "ذات الجنب" یہ تسمیۃ الحال باسم المحل ہے، ذات الجنب: ہر اس درد کو کہتے ہیں جو انسان کے پہلو میں اٹھے، یہ درد بسا اوقات گیس کے جمع ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک مرض ہے جس میں پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں، ان میں پانی پڑ جاتا ہے، نمونیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے "ذات الجنب" کی تفسیر "سل" سے کی ہے۔

سِلّ کے معنی انتہائی ضعف اور کمزوری کے ہیں، اور اصطلاح میں "سل" اس خاص بیماری کو کہا جاتا ہے جس میں پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں، اس کی وجہ سے شدید بخار رہتا ہے اور مریض بہت ہی ناتواں اور کمزور ہو جاتا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کا مقصد اس تفسیر سے یہ نہیں کہ "ذات الجنب" بعینہٖ "سل" ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جب قسط بحری اور روغن زیتون کے ذریعہ مرض سل سے شفاء ہو جاتی ہے، جو کہ ایک سخت مرض ہے، تو ذات الجنب میں بھی یہ دونوں ضرور نافع ہوں گی کیونکہ یہ تو مرض سل کے مقابلے میں ذرا کم درجے کا مرض ہے۔

وَرس: ایک قسم کا زرد رنگ کا پودا جو زعفران کی طرح ہوتا ہے اور رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے، اور ہندوستان وعرب اور ملک حبشہ میں پیدا ہوتا ہے، اس کی تاثیر گرم اور خشک ہوتی ہے، داغ، کھجلی اور پھنسیوں کے لیے جسم پر لگانا اور برص کی بیماری کے لیے اس کو پینا مفید ہوتا ہے، یہ اپنے خواص اور منافع کے اعتبار سے عود ہندی کے قریب قریب ہے۔ یلد (یاء پر پیش اور لام کی زبر کے ساتھ) منہ کی ایک جانب دوا ٹپکائی جائے، یشتکیہ: وہ مرض اس کو لاحق ہے۔

سند پر بحث: دونوں حدیثوں کو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، ان کا نام میمون ہے، باپ کا صحیح نام معلوم نہیں، کچھ لوگ "استاذ" بتاتے ہیں، یہ بصرہ کے رہنے والے تھے اور ضعیف راوی ہیں، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک اچھے ہیں، اس لئے ان کی دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ میمون سے متعدد ذی علم حضرات نے یہ حدیث روایت کی ہے، پس یہ ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

باب

باب: درد کی ایک جھاڑ

(۲۰۰۶) اَتَانِی رَسُوْلُ اللہِ ﷺ وَبِی وَجَعٌ قَدْ کَانَ یُهْلِکُنِی فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ امْسَحْ بِیَمِیْنِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَّقُلْ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللہِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَاَذْهَبَ اللہُ مَا کَانَ بِیْ فَلَمْ اَزَلْ اٰمُرُ بِهٖ اَهْلِیْ وَغَیْرَهُمْ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے مجھے اتنی تکلیف تھی جو مجھے ہلاک کردے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اپنا دایاں ہاتھ سات مرتبہ (اپنی تکلیف والی جگہ پر پھیرو) اور یہ پڑھو میں اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت اور اس کے غلبہ کی پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں محسوس کررہا ہوں۔

راوی بیان کرتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری اس تکلیف کوختم کردیا اس کے بعد میں اپنے گھر والوں او ردوسرے لوگوں کو اسی کی ہدایت کرتا ہوں۔

روحانی علاج ہے جس کے متعلق ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد ''طب نبوی'' میں لکھتے ہیں کہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ جب روح میں قوت آجاتی ہے تو نفس اور طبیعت دونوں قوی ہوجاتے ہیں اور بیماری کے دور کرنے میں اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے میں پوری مدد دیتی ہے، اس سے چند سطور پہلے لکھتے ہیں: ادویہ قلبیہ ادویہ روحانی قوت قلب، اعتماد علی اللہ، اسی سے سب کچھ مانگنا، اس کے سامنے اپنی عاجزی کا اقرار، اپنی بے کسی کا اظہار، بے چارگی کا بیان، صدقہ، دعا، توبہ استغفار، مخلوق کے ساتھ بھلائی، دردمندوں کی فریادرسی، مصیبت زدگان کی یاوری، یہ سارے طریقے علاج کے جو خود مذہب اسلام نے اور دنیا کے دوسرے مذاہب کے متبعین نے بار بار آزمائے ہیں، ان میں شفا کا وہ انداز، تاثیر کی وہ تیزی انہیں نظر آئی کہ دنیا کے بڑے سے بڑے تجربہ کار اور حاذق طبیب بھی اس تک نہ پہنچ سکے۔ (طب نبوی ص:۳۱ فصل ۳)

درد دُور کرنے کی دعا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان کے جسم کے کسی حصے پر درد ہو تو درد کی جگہ پر دایاں ہاتھ سات دفعہ پھیر کر یہ دعا پڑھے: اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ وسلطانہ من شر ما اجد، تو اس سے اس کا درد انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اس حدیث کے راوی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں یہ دعا اپنے اہل وعیال اور دیگر لوگوں کو سکھاتا اور بتاتا رہا، کیونکہ اس دعا میں اللہ کی عظمت وبڑائی اور شرور آفات سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، پھر جس طرح بیماری میں بار بار دوائی کھائی جاتی ہے، اسی طرح دعا میں بھی تکرار ہوتا ہے، اور سات کا عدد چونکہ طاق ہے اور بہت ہی خصوصیات کا حامل ہے، اس لئے اس حدیث میں سات کا عدد ذکر کیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: تین دفعہ بسم اللہ پڑھے، اور سات دفعہ یہ دعا پڑھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث کتاب الطب میں اس لئے ذکر کی ہے کہ اس میں دعا کے ذریعہ درد کا علاج بیان کیا گیا ہے،

اس لحاظ سے اس حدیث کو کتاب الطب سے مناسبت ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی السَّنَا

باب: سَنا کا بیان

(۲۰۰۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ سَالَهَا بِمَ تَسْتَمْشِيْنَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ جَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ اَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ شِفَاءٌ مِّنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے دریافت کیا تم کس چیز کو مسہل کے طور پر استعمال کرتی ہو تو انہوں نے عرض کی شبرم کو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت گرم اور سخت ہوتا ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں پھر میں نے سنا مکی کو اس کے لیے استعمال کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر کسی چیز میں موت سے شفا ہوتی تو اس میں ہوتی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْعَسَلِ

باب ۲۸: شہد کا بیان

(۲۰۰۸) جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ فَقَالَ اسْقِهٖ عَسَلاً فَسَقَاهُ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدْ سَقَيْتُ عَسَلاً فَلَمْ يَزِدْهُ اِلاَّ اسْتِطْلَاقًا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اسْقِهٖ عَسَلاً فَقَالَ فَسَقَاهُ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدْ سَقَيْتُهٗ فَلَمْ يَزِدْهُ اِلاَّ اسْتِطْلَاقًا قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ صَدَقَ اللهُ وَ كَذَبَ بَطْنُ اَخِيْكَ فَسَقَاهُ عَسَلاً فَبَرَأَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میرے بھائی کو پیچس لگے ہوئے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے شہد پلاؤ اس نے اسے پلایا پھر آیا عرض کی میں نے اسے شہد پلایا ہے لیکن اس سے پیچس زیادہ ہو گئے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے شہد پلاؤ راوی بیان کرتے ہیں اس نے پھر شہد پلایا پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کی میں نے شہد پلایا ہے لیکن اس کے نتیجے میں پیچس زیادہ ہو گئے ہیں راوی بیان کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے راوی بیان کرتے ہیں اس شخص نے اسے پھر شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

(۲۰۰۹) مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَّعُوْدُ مَرِيْضًا لَمْ يَحْضُرْ اَجَلُهٗ فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَسْاَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ اِلاَّ عُوْفِيَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی ایسے بیمار کی عیادت کرے جس کا آخری وقت ابھی نہ

آیا ہو اور وہ سات مرتبہ یہ کلمات پڑھے: میں عظیم اللہ تعالیٰ جو عظیم عرش کا پروردگار ہے سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا کردے۔ تو اس شخص کو شفا نصیب ہو جائے گی۔

تشریح: سنا کا پودا: جنگلی کے نیل کے مشابہ ہوتا ہے، اور دو بالشت تک بلند ہوتا ہے، اس کے پتے مہندی کے پتوں کی مانند اور پھول کسی قدر نیل گول ہوتے ہیں، اس کی پھلی چپٹی ہوتی ہے، اور اس کے اندر چپٹا، لمبوترا اور کسی قدر خمیدہ چھوٹا سا بیج ہوتا ہے، اس کا مزاج گرم خشک ہے، اور یہ ملین اور مسہل ہے، اس کے پتے دواء کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، سب سے بہتر وہ سنا ہے جو بلاد حجاز سے آتی ہے، اس لئے وہ سنا مکی کے نام سے مشہور ہے۔

سنا کو اگر بغرض تلیین استعمال کرنا ہو تو مقدار قلیل میں مثلاً تین ماشہ دیتے ہیں، اور زیادہ مقدار میں استعمال کر کے مسہل قوی کا کام لیتے ہیں، اخلاط فاسدہ کو خارج کرنے کے لیے بہترین مسہل ہے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد بیماریوں میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ (مخزن مفردات ص:233)

سنا کے فوائد: اطباء نے ''سنا'' کے بہت فوائد لکھے ہیں مثلاً پیٹ کی صفائی کے لیے نہایت معتدل گھاس ہے، صفرا، سودا اور بلغم کے اسہال کے لیے بہت مفید ہے، دماغ اور جلد کو صاف کرتی ہے، اور دل کو بہت ہی طاقت فراہم کرتی ہے، سوداوی اور بلغمی امراض کے لیے فائدہ مند ہے، جنون کو ختم کرتی ہے اور مرگی سے شفاء کا ذریعہ ہے، خارش، پھوڑا پھنسی کے لیے، اور سب سے اہم یہ کہ ''وسواس سوداوی'' کے لیے اس کا استعمال بہت ہی نافع اور مفید ہوتا ہے۔

استطلاق بطن کا علاج شہد کے ذریعہ کیسے؟:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دست کے علاج کے لئے شہد پینے کا فرمایا، اس پر طبی لحاظ سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ شہد خود مسہل یعنی پیٹ کو جاری کرتا ہے اور یہاں جب اس شخص کا پیٹ پہلے سے جاری تھا، تو پھر اس کے علاج کے لئے شہد کیونکر تجویز کیا گیا؟

جواب ①: یہ شبہ محض جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک ہی مرض کا علاج عمر، عادت، وقت، جگہ، غذا، تدبیر اور مزاج وطبیعت کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور دست اسہال کا مرض بھی مختلف اسباب کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی اعتبار سے ان کے علاج کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں اور جو جلاب اور دست بدہضمی کی خرابی کی وجہ سے جاری ہوں، ان کے علاج میں شہد مفید ہوتا ہے، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کا اسے شہد پلانے کا حکم دینا اصول طب کے عین مطابق تھا۔

جواب ②: حضور اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس شخص کو شہد ہی سے شفاء ملے گی۔

جواب ③: بعض ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسہال کے علاج کے لئے جو شہد پلانے کا علاج تجویز فرمایا، یہ علاج بالمثل کے طور پر تھا کہ ایک مرض کا اعلاج اس کے مثل سے کیا گیا، یہ طب کے اصول کے بالکل مطابق ہے، کیونکہ ہومیو پیتھک میں علاج بالمثل ہی اساس اور بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے۔ **سنا:** ایک پودا جو دواؤں میں استعمال ہوتا ہے، اور مسہل اور دست آور ہے، یہ گھاس زیادہ تر حجاز میں ہوتا ہے، اور ''سنائے مکی'' فائدے اور نفع بخش ہونے میں زیادہ مشہور ہے۔

بما تستمشین: تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو، کون سی دست آور دواء پیتی ہو اور دست آور دواء۔ **شبرم:** یہ ایک گھاس اور پودا ہے جو دست آور ہے، اس کا درخت چھوٹا اور بڑا دونوں قسم کا ہوتا ہے، بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ''شبرم'' سے اس گھاس

کے دانے مراد ہیں جو چنے کے برابر ہوتے ہیں، اور اسہال کے لیے ان دانوں کو پانی میں جوش دے کر اس کو پیا جاتا ہے، اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ شبرم کسی درخت کی جڑ کا چھلکا ہے جو گرم خشک ہوتا ہے۔ حَارٌّ۔ جَارٌّ یہ جَرٌّ سے ہے، کھینچنے والا۔

باب

باب: بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرنے کا ایک طریقہ

(۲۰۱۰) اِذَا اَصَابَ اَحَدَ کُمُ الْحُمّٰی فَاِنَّ الْحُمّٰی قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْیُطْفِئْھَا عَنْهُ بِالْمَاۗءِ فَلْیَسْتَنْقِعْ نَھْرًا جَارِیًا لِیَسْتَقْبِلَ جِرْیَتَهٗ فَیَقُوْلُ بِسْمِ اللهِ اللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ فَلْیَغْتَمِسْ فِیْهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فَاِنْ لَّمْ یَبْرَاْ فِیْ ثَلَاثٍ فَخَمْسٍ وَّاِنْ لَّمْ یَبْرَاْ فِیْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ فَاِنْ لَّمْ یَبْرَاْ فِیْ سَبْعٍ فَتِسْعٍ فَاِنَّھَا لَا تَکَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِاِذْنِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب کسی شخص کو بخار ہو جائے تو بے شک بخار آگ کا ایک حصہ ہے تو وہ اسے پانی کے ذریعے بجھائے اور بہتی ہوئی نہر میں اتر کر جس طرف سے پانی آ رہا ہو اس طرف رخ کرے اور یہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اے اللہ تو اپنے بندے کو شفاء عطا کر اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دے۔ وہ یہ عمل صبح کی نماز کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے کرے اور اس میں تین مرتبہ ڈبکی لگائے اور ایسا تین دن تک کرے اگر تین دن میں ٹھیک نہیں ہوتا تو پانچ دن تک کرے اگر پانچ دن میں ٹھیک نہیں ہوتا تو سات دن کرے اور اگر سات دن میں ٹھیک نہیں ہوتا تو نو دن تک یہ عمل کرے ان شاء اللہ نو دن سے زیادہ کی نوبت نہیں آئے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی اجل پوری نہ ہوئی ہو اور وہ یہ دعا ''اسئل اللہ العظیم'' الخ سات مرتبہ پڑھے تو اس کو ضرور شفاء ہوگی۔ پہلے یہ بات گزری ہے کہ بخار آگ کا جوش ہے، پس اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو، مگر وہاں ٹھنڈا کرنے کا طریقہ مذکور نہیں، بخار کو ٹھنڈا کرنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً نہانا، کپڑا بھگو کر سر پر رکھنا یا پیروں سے لگانا وغیرہ اور اس کا ایک طریقہ اس باب میں مذکور ہے۔

بسم اللہ اشف عبدك، وصدق رسولك: عرب میں جاری نہریں نہیں ہیں، اس لئے اس حدیث کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں)۔

سند: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی سعید بن زرعہ حمصی جرار خزاف مستور راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ ہر بخار میں ہر ملک میں یہ طریقہ مفید نہیں، گرم ملکوں میں لو لگنے سے جو بخار ہو جاتا ہے اسی میں یہ طریقہ مفید ہے۔

تفصیل ''باب ماجاء میں تبرید الحمی بالماء'' میں گزری ہے وہیں مزید یہ ہے کہ جو ضابطہ وہاں بتلایا گیا تھا اس کے مطابق اصل بات جسم کی اندرونی گرمی کو خارج کرنا اور درجۂ حرارت کو کسی نہ کسی طرح کم کرنا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ عزوجل

نے انسان کے جسم میں ایک خودکار لیول و دیعت فرمایا ہے، اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جسم کے اندر 6.98 فارن ہیٹ درجہ حرارت کو محفوظ رکھتا ہے خواہ باہر کا موسم کیسا ہی ہو یعنی شدید گرمی ہو یا سخت سردی ہو مگر اندر کا درجہ حرارت اسی طرح 36 سینٹی گریڈ رہتا ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جسم کے اندر اس قسم کے جراثیم داخل ہو جاتے ہیں جو اس لیول کو متاثر کرتے ہیں۔ نتیجتاً جسم کی اندرونی گرمی کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور کھال کی سطح پر ٹھنڈ کی وجہ سے مسامات بند ہو جاتے ہیں اس طرح گرمی کے اخراج کا عمل فیل ہو جاتا ہے چونکہ قوت حاسہ کھال میں ہے اس لئے بخار میں مریض کو سردی لگتی ہے اگرچہ اندر شدید گرمی ہوتی ہے، بخار کے اتارنے کے لئے جو ادویات دی جاتی ہیں: ① اس میں دو طرح کے اثرات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو ان جراثیم کو ختم کر دیں۔ ② جو اس لیول کے عمل کر کے گرمی کا بیرون جسم منتقل کرنے کا عمل بحال کر کے گرمی کا اخراج کریں۔

صاف پانی میں اللہ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ ان جراثیم کو چُن چُن کر ہلاک کر دیتا ہے، دوسرے اس سے مسامات کھل جانے سے اندر کی گرمی بھاپ بن کر خارج ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حدیث باب میں جو طریقہ بتلایا گیا ہے وہ کئی فوائد پر مشتمل ہے مثلاً صبح کے وقت پانی صف ستھرا بھی ہوتا ہے اور صبح کے وقت غسل سے آدمی ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہو جاتا ہے جس کا اپنا اثر بھی ہے اور نفسیاتی اعتبار سے بھی مفید ہے، نیز دعا اور سنت کے مطابق روحانی علاج کے ثمرات بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

بَابُ التَّدَاوِیْ بِالرَّمَادِ

باب ۲۹: راکھ سے علاج کرنے کا بیان

(۲۰۱۱) سُئِلَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَّاَنَا اَسْمَعُ بِاَيِّ شَيْءٍ دُوْوِيَ جَرْحُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَا بَقِيَ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ كَانَ عَلِيٌّ يَأْتِيْ بِالْمَاءِ فِيْ تُرْسِهٖ وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ وَاُحْرِقَ لَهٗ حَصِيْرٌ فَحَشَا بِهٖ جُرْحَهٗ.

ترجمہ: ابو حازم بیان کرتے ہیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا میں اس بات کو سن رہا تھا نبی اکرم ﷺ کو کون سی چیز زخم پر لگانے کے لیے دوا کے طور پر دی گئی تھی تو انہوں نے جواب دیا اب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا جو اس بات کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لے کے آئے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے خون کو دھویا تھا اور میں نے آپ ﷺ کے لیے چٹائی کو جلایا تھا جسے آپ ﷺ کے زخم پر لگا دیا گیا تھا۔

(۲۰۱۲) اِنَّمَا مَثَلُ الْمَرِيْضِ اِذَا بَرَاَ وَصَحَّ كَالْبَرَدَةِ تَقَعُ مِنَ السَّمَاءِ فِيْ صَفَائِهَا وَلَوْنِهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بیمار شخص جب تندرست اور ٹھیک ہو جائے تو صفائی اور رنگت کے حوالے سے وہ آسمان سے نازل ہونے والے اولوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

تشریح: یہ روایت بخاری کی کتاب المغازی (ص:584، جلد:2) پر بھی آئی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ جب اس زخم پر راکھ لگا دی گئی تو "فاستمسك الدم و كسرت رباعية يومئذ و جرح وجهه و كسرت البيضة رأسه" مگر واضح رہے کہ

آپ ﷺ کا رباعی دانت پورا شہید نہیں ہوا تھا بلکہ صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا الگ ہو گیا تھا اور ساتھ نچلا ہونٹ مبارک بھی زخمی ہوا تھا، یہ عتبہ بن ابی وقاص کے تیر لگنے کی وجہ سے ہوا تھا، اس خون دھونے کی وجہ بخاری کی روایت کے مطابق اسے روکنا تھا جہاں تک حصیر یعنی چٹائی یا بوریا اور ٹاٹ جلا کر اس کی راکھ زخم پر ڈالنے کا تعلق ہے تو یہ بھی بخاری کی روایت کے مطابق خون روکنے کے لئے تھا۔

جدید تحقیق: انسانی جسم میں کسی عضو کے زخمی ہونے کی صورت میں اور بالخصوص زنگ آلود لوہے یا آلودہ چیز سے چوٹ آنے سے زخم میں جراثیم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جن سے تشنج (ٹیٹنس) کا خطرہ ہوتا ہے جس کے لئے آج کل ٹیکے لگائے جاتے ہیں مگر آگ میں اللہ عزوجل نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ اگر کوئی جگہ یا چیز آگ سے جلادی جائے تو وہ جراثیم مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں گویا پھر ٹیکہ لگوانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

زخم کا علاج راکھ کے ذریعہ:

زخم اگر معمولی قسم کا ہو تو پانی سے دھو لینے سے بھی درست ہو جاتا ہے، لیکن اگر زخم گہرا ہو، خون اس سے ابل رہا ہو تو پھر اسے پانی سے دھونا کافی نہیں ہوتا، اس کے علاج کے لئے کسی دوا کا استعمال ضروری ہوتا ہے، اس زمانے میں زخم سے خون کا روکنا چونکہ راکھ کے ذریعہ مشہور تھا اس لئے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے آپ ﷺ کا وہ زخم بھر دیا گیا، جس سے خون رک گیا، کیونکہ راکھ کسی بھی چیز کی ہو، اس میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اگر اسے زخم پر لگا دیا جائے تو خون رک جاتا ہے۔ یہ واقعہ غزوہ احد میں پیش آیا تھا، اس میں آپ ﷺ کا چہرہ انور زخمی اور خون آلود ہو گیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لا رہے تھے اور حضرت فاطمہ چہرہ انور سے خون دھوتی تھیں، لیکن جب دیکھا کہ خون رک نہیں رہا بلکہ پانی کی وجہ سے مزید بڑھ رہا ہے تو ایک چٹائی کو لے کر جلایا اور اس کی راکھ سے وہ زخم بھر دیا تو خون رک گیا۔

حاشیہ بخاری پر بحوالہ کرمانی اس حدیث سے کچھ اور مسائل بھی مستنبط کئے گئے: ① اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر آزمائشیں اور بیماریاں آتی تھیں تا کہ وہ اس کا اجر بھی حاصل کریں۔ ② اور تا کہ امت کو اس پر چلنا یعنی صبر کرنا آسان ہو۔ ③ اور یہ کہ معلوم ہو کہ انبیاء بھی بشر ہیں ان کو وہ تمام عوارض لاحق ہو سکتے ہیں جو عام انسانی جسموں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ④ اور یہ کہ یقین ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام مخلوق ہیں اس طرح وہ معجزات دیکھنے سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ (جیسا کہ بعض لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض نے نبی علیہ السلام کی بشریت سے انکار کر دیا ہے) ⑤ اس میں خود وغیرہ ہتھیار پہننے کا استحباب معلوم ہوا اور یہ کہ یہ توکل کے منافی نہیں۔ (بخاری ص:584، جلد:2، حاشیہ نمبر2)

لغات: "الرماد" بالکسر راکھ کو کہتے ہیں۔ "دووی" مجہول کا صیغہ ہے جیسے نودی۔ "جرح" بضم الجیم، چوٹ اور زخم کو کہتے ہیں، جمع جروح آتی ہے۔ "ترسہ" بضم التاء ترس، سپر اور ڈھال کو کہتے ہیں۔ "حصیر" کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی چٹائی اور بوریا، ٹاٹ۔ "تحشی" بصیغہ مجہول حشو بھرتی کو کہتے ہیں یعنی وہ چیز جس سے کسی چیز کو بھرا جائے جیسے تکیہ میں روئی وغیرہ۔

———*———

باب

باب: مریض کو زندگی کی امید دلانا

(۲۰۱۳) اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَّ یُطَیِّبُ نَفْسَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کی درازی عمر کے لیے دعا کرو یہ چیز تقدیر کو تو نہیں بدل سکتی لیکن اس بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

(۲۰۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَادَ رَجُلًا مِّنْ وَّعَكٍ كَانَ بِهٖ فَقَالَ اَبْشِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ هِیَ نَارِیْ اُسَلِّطُهَا عَلٰی عَبْدِیَ الْمُذْنِبِ لِتَكُوْنَ حَظَّهٗ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار میں مبتلا ایک شخص کی عیادت کی تو فرمایا تمہارے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے یہ میری آگ ہے جو میں اپنے گنہگار بندے پر مسلط کر دیتا ہوں تا کہ یہ جہنم سے (نجات کے لیے) اس کا کفارہ بن جائے۔

(۲۰۱۵) عَنِ الْحَسَنِ قَالَ كَانُوْا یَرْجُوْنَ الْحُمّٰی لَیْلَةً كَفَّارَةً لِّمَا نَقَصَ مِنَ الذُّنُوْبِ.

ترجمہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے لوگ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ایک رات کے بخار کو کفارہ سمجھتے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔

لغات: "فنفسوا له" تنفیس سے ہے، اس کے صلہ میں "عن" بھی آتا ہے، اس کے معنی خوش کرنے، تسلی دینے اور سکون بخشنے کے ہیں۔

بیمار پرسی کا ایک ادب:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار پرسی کا ایک ادب بیان فرمایا ہے کہ مریض کی عیادت کے وقت ایسی باتیں کرنی چاہئیں جس سے اس کا دل خوش ہو، خاص طور پر زندگی کے بارے میں اسے تسلی دو کہ "کوئی حرج نہیں، بیماری سے ان شاء اللہ تمہارے گناہ معاف ہو رہے ہیں، یا یوں کہے: اللہ تیری عمر دراز کرے، تمہیں شفاء اور عافیت عطا فرمائے" اس سے اس کا دل خوش ہو جائے گا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "نفسوا له" کے معنی یہ ہیں کہ اسے لمبی عمر کی امیدیں دلاؤ کہ تمہاری یہ بیماری عنقریب ختم ہو جائے گی اور ایک طویل عرصہ تم حیات رہو گے۔

مذکورہ کلمات اور تسلی سے گو کہ اس کی تقدیر کے فیصلے رد نہیں ہو سکتے اگر تقدیر میں موت لکھی ہے تو وہ ضرور آ کر رہے گی، لیکن اس گفتگو سے تھوڑی دیر اسے خوشی ضرور حاصل ہو گی اور اس کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور کسی مسلمان کا دل خوش کرنا بھی یقیناً نیکی ہے۔

اَبْوَابُ الْفَرَائِضِ
فرائض کے بیان میں

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ

باب ۱: آدمی جو مال چھوڑ کر جائے وہ اس کے اہل خانہ کو ملے گا

(۲۰۱۶) مَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِأَهْلِهٖ وَمَنْ تَرَکَ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی جو مال چھوڑ کر جائے وہ اس کے اہل خانہ کو ملے گا اور جو شخص کوئی چیز چھوڑ کر نہ جائے تو اس کے اہل خانہ کا خرچ میرے سپرد ہوگا۔

تشریح: وجہ تسمیہ: فرائض جمع فریضۃ بمعنی مقدارات چونکہ سہام مقدور معین من جانب اللہ ہیں اس وجہ سے ان کو فرائض سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فرض بمعنی قطع آتا ہے اور سہام مقدرہ ہونے کے ساتھ ساتھ مقطوعہ بدلیل القطعی بھی ہے اس وجہ سے ان کو فرائض کہا جاتا ہے:

فاجتمع فیه معنی اللغوی والشرعی لانها ثابتة بدلیل قطعی ای الکتاب والسنة والاجماع.

علم فرائض کی تعریف:

ان اصول وقواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ میت کا ترکہ مستحقین شرعی کو تقسیم کیا جائے۔

موضوع: میت کا ترکہ اور مستحقین شرعیہ۔

غرض: ایصال الحقوق الی اهل الاستحقاق ترکہ کے مستحقین اور ان کے شرعی حقوق کی مقدار کو معلوم کرنا۔

ارکانه: الوارث، المورث، الموروث.

شرائط: موة المورث، حیاة الوارث حقیقةً اور حکمًا.

مرتبہ علم اور اس کی اہمیت:

اس کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے نیز نبی کریم ﷺ نے اس علم کے حصول کی طرف ترغیب دی ہے فرمایا:

تعلموا الفرائض و علموها الناس فانها نصف العلم. رواه الدارمی والدارقطنی و ابن ماجه و الحاکم کما فی الجامع الصغیر عن ابی هریرة رضی الله عنه و فیه زیادة قوله و هو اول علم ینزع من امتی.

"تم فرائض کا علم سیکھو اور اُسے لوگوں کو سکھاؤ بیشک یہ نصف علم ہے۔"

ایک روایت میں ہے فرمایا:

وهو سنتی و هو اول شئی ینزع من سنتی. معین الفرائض بحواله مجمع الانهر عن عمر رضی الله عنه قال تعلموا الفرائض فانه من دینکم. (مشکوٰۃ شریف)

"وہ پہلی سنت ہے جو میری اُمت سے اُٹھالی گئی۔ مجمع الانہار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں تم فرائض سیکھو اس لئے کہ وہ تمھارے دین میں سے ہے۔"

اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن سیکھے اس کو فرائض بھی سیکھ لینا چاہئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرے کا سر ہے بہرحال اس علم شریف کی اس نوع سے بھی اہمیت ہے کہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جو شرعاً بہت اہم مؤکد حقوق ہیں۔

علم فرائض بہت اہم فن ہے اور اس کی اصطلاحات بھی ہیں جو کتب فرائض میں مذکور ہیں ہم یہاں بعض اصول کو بیان کرتے ہیں جن کا جاننا طلبہ علم فرائض کے لئے مفید ہے۔

اوّل: زمانہ جاہلیت میں صرف ان مردوں کو میراث دی جاتی تھی جو میدان جنگ کے قابل ہوتے تھے صرف تین علاقوں سے میراث دی جاتی تھی علاقہ نسب، معاہدہ، تبنی۔ ابتدائے اسلام میں زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر ان تین علاقوں سے میراث ملتی رہی اس کے بعد دو علاقے اور زائد ہوئے پھر پانچ علاقوں سے میراث ملتی رہی علاقہ نسب، تبنی، معاہدہ مواخاۃ، ہجرت، جب مہاجرین کے قرابت دار مسلمان ہو گئے تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ قدرتی رشتہ اس بھائی چارے سے مقدم ہے۔ لہٰذا علاقہ مواخاۃ و ہجرت اور تبنی کو منسوخ فرمایا دیا: کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (الانفال:۷۵)

"اُولوالارحام بعض بعض سے اولیٰ ہیں اللہ کی کتاب میں۔"

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا﴾ (الاحزاب:۶)

"مؤمنین اور مہاجرین کے ساتھ تم موالات کرو معروف طریقے پر۔"

﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ (الاسراء:۵۸)

"اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے۔"

ہاں البتہ سلوک واحسان ان رفیقوں سے بھی کیئے جاؤ مگر وصیت کو اس وقت لازم کر دیا گیا تھا۔ کما قال تعالیٰ:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (البقرہ:۱۸۰)

"تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔"

لوگوں میں دستور تھا کہ مرد کا تمام مال اس کی بیوی، اولاد اور بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا، ماں، باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے اس آیت میں حکم ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہیے مرنے والے پر اس کے موافق وصیت کرنا فرض ہوئی اور یہ وصیت اس وقت تک فرض تھی جس وقت تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی جب حصص مقرر ہو گئے تو وارثین کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صية لوارث۔

دوم: آیت میراث کا نزول حضرت اوس بن ثابت اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہما کی میراث کے سلسلہ میں ہوا جس کی تفصیل احادیث میں آئے گی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول آیت کے بعد بیوی کا بھی حصہ دلایا ہے اس طرح سب سے پہلی میراث بطریق شرعی سعد بن الربیع کی تقسیم ہوئی اب علاقہ میراث صرف تین رہ گئے۔ ① نسب ② نکاح ③ ولاء البتہ حنفیہ کے یہاں چوتھا علاقہ معاہدہ بھی ہے جبکہ مرنے والے کا کوئی اقرب اور ابعد وارث نہ ہو باہم معاہدہ کرنے والے بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کما سیأتی۔

سوم: مرنے والے نے وہ املاک جو بوقت موت اپنی ملکیت میں چھوڑی ہیں اس کو ترکہ کہا جاتا ہے اور اس میں میراث جاری ہوگی، مستعار اشیاء، امانت، مغصوبات وغیرہ میں میراث جاری نہ ہوگی۔

چہارم: میت کے مال میں ترتیب وار حقوق مندرجہ ذیل طریقہ پر ہیں:

سب سے پہلے میت کے مال سے تجہیز و تکفین کا تعلق ہے لہٰذا میت کی حیثیت کے مطابق کپڑا لیا جائے نہ ادنیٰ ہو کہ میت کی تحقیر ہو اور نہ قیمتی ہو کہ جس سے حقوق ورثہ میں کمی آئے اس کی حیثیت کا معیار یہ ہے کہ میت اکثر جیسا کپڑا پہن کر مسجد، بازار اور ملاقات احباب کو جاتا تھا ویسا ہی کفن دیا جاتا ہے اس کے بعد ترکہ سے قرض ادا کیا جائے پھر قرض کی تین قسمیں ہیں:

قرض قوی: جو میت کی صحت میں مرض وفات سے پہلے میت کے اقرار یا بحالت مرض وصحت گواہوں کی گواہی سے یا لوگوں کے مشاہدہ سے ثابت ہو۔

قرض ضعیف: وہ قرض ہے جو میت کے مرض وفات میں صرف میت کے اقرار سے ثابت ہو۔

قرض خداوندی: وہ قرض ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرض ہے جیسے زکوٰۃ قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ ان کی ادائیگی میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے۔

تجہیز و تکفین اور قرض کے بعد وصیت کے نفاذ کا حکم قال تعالیٰ:

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ ... الآية﴾ (النساء:۱۲)

"وصیت کے بعد کہ جس کی وصیت کی گئی ہے یا دین نقصان پہنچانے والا نہ ہو وصیت ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ علم

اور حکمت والے ہیں۔"

اگر اس آیت میں وصیت قرض پر مقدم ہے مگر آنحضور ﷺ نے قرض کو وصیت پر مقدم کیا ہے۔

قال علی رضی اللہ عنہ رأیت رسول اللہ ﷺ بدا بالدین قبل الوصیۃ۔ (ترمذی شریف)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا انہوں نے دین سے ابتداء کی وصیت سے پہلے۔"

وصیت کا نفاذ تہائی مال سے ہوگا اگر تہائی سے ادائیگی نہیں ہوتی تو وارثوں پر اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

ان تینوں کے بعد اب ترکہ وارثوں کے درمیان تقسیم ہوگا ورثہ میں اول ذوی الفروض ہیں یعنی وہ ورثہ جن کا حصہ اور میراث کی مقدار شرعاً متعین ہے اور وہ بارہ ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں، باپ دادا، شوہر، اخیافی بھائی، زوجہ، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن، والدہ، دادی، نانی ان ذوی الفروض کے مختلف حالات ہیں جن میں ان کے حصے متعین ہیں کتب فرائض میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں۔

ان کے بعد عصبات ہیں، عصبہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو اصحاب فرائض بقیہ حصہ لیتے ہیں اور تنہا ہونے کی صورت میں کل مال کے مستحق ہوجاتے ہیں۔

پھر عصبہ کی دو قسمیں ہیں نسبی، سببی، نسبی وہ عصبہ ہیں جن کا تعلق میت کے نسب سے ہو ورنہ عصبہ سببی ہیں، پھر عصبات نسبی کی تین قسمیں ہیں: (1) عصبہ بنفسہ (2) عصبہ بغیرہ (3) عصبہ مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ: اصل عصبہ یہی ہے وہ مذکر مرد ہے جس کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو درمیان میں عورت کا واسطہ نہ ہو۔

عصبہ بغیرہ: وہ عورتیں جن کا حصہ میراث میں متعین ہے لیکن یہ عورتیں جب اپنے بھائیوں کے ساتھ آتی ہیں تو ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (النساء:۱۱) کے طریقہ سے ترکہ میں شریک ہوجاتی ہیں یہ صرف چار عورتیں ہیں۔ بنت، بنت الابن، اخت عینی، اخت علاتی اختصاراً یوں بھی کہا جاسکتا ہے میت کا جزء مؤنث جیسے بیٹیاں، پوتیاں، میت کے باپ کا جزء، مؤنث جیسے علاتی اور حقیقی بہنیں۔

عصبہ مع غیرہ: وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اور وہ صرف دو عورتیں ہیں اخت عینی اور اخت علاتی جب میت کی بیٹی و پوتی کے ساتھ جمع ہوجاتی ہیں تو بمطابق ارشاد نبوی ﷺ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ مع غیرہ (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ مع غیرہ بناؤ) ہوجاتی ہیں۔

عصبہ کی دوسری قسم: عصبہ سببی ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے میت کو اس کے غلام ہونے کی صورت میں آزاد کیا ہو اگر عصبات نسبی میں سے کوئی نہ ہو تو آخری مرتبہ میں اس آزاد کرنے والے کو مال دیا جائے گا اور اگر خود موجود نہ ہو تو اس کے عصبات کو مال دیا جائے گا اور اسی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے گا یہ بھی واضح رہے کہ اس کے عصبات میں سے صرف مردوں کو ترکہ پانے کا استحقاق ہے عورتوں کو نہیں اس کے بعد رد بذوی الفروض ہے یعنی پہلے ذوی الفروض اس کے بعد عصبات ہیں اگر عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر ذوی الفروض پر ہی ان کے حصوں کے اعتبار سے مال تقسیم کیا جائے گا لیکن یہ رد ذوی الفروض نسبی پر کیا جاتا ہے ذوی الفروض سببی یعنی زوجین پر رد نہیں ہوتا اس کے بعد اگر ذوالفروض وعصبات ہر دو قسموں میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام ترکہ کے مستحق ہوں گے۔

ذوی الارحام:(ذوی الارحام فی الشریعة ھو کل قریب لیس بذی سھم ولا عصبة......"ذوی الارحام شریعت میں ہر وہ قریبی ہے جو ذی سہم ہو عصبہ نہ ہو۔" (شامی ۵/۵۹) وہ ورثہ ہیں کہ ان میں اور میت میں عورت کا واسطہ ہو جیسے نانا، ماموں، خالہ، پھوپھی، نواسہ، بھانجہ قال تعالیٰ:

و اولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتب اللہ و قال علیہ السلام الخال وارث من لا وارث لہ، و قال ایضًا ابن اخت القوم منھم.

"اولوالارحام بعض بعض سے اولیٰ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آپ ﷺ نے فرمایا ماموں وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔"

پھر اس کے اقسام ہیں کما فی کتب الفرائض اس کے بعد مولی الموالاۃ یہ وہ شخص ہے جس کے ساتھ میت نے عقد موالات کیا میری وفات کے بعد تم میرے مال کے حق دار ہو اگر مجھ سے کوئی قصور ہو جو موجب دیت وغیرہ ہو اس کا تاوان تم کو دینا ہے اب اگر یہ مجہول النسب مرجائے تو اس کا ترکہ اس کے مولیٰ الموالات کو دیا جائے گا۔

اس کے بعد مقرلہ بالنسب علی الغیر : وہ شخص جس کی نسبت میت نے اپنے نسب میں شریک ہونے کا اقرار اس طرح کیا ہو کہ اس کی تحمیل غیر کے نسب پر رہی ہو اور اصل نسب والے نے اس کا اقرار نہ کیا ہو اور نہ اس پر گواہ موجود ہوں اور میت اس نسب کے اقرار کو آخری وقت تک مانتا رہا ہو تو جو شخص اس قسم کے اقرار سے وارثوں میں داخل ہوا ہے اس کو اس میت کی میراث مل جائے گی جیسے زید ایک مجہول النسب لڑکے کے بارے میں کہتا ہے یہ میرا بھائی ہے تو یہ لڑکا زید کے باپ کا بیٹا ہوا لیکن زید کے باپ نے کبھی اقرار نہیں کیا اور نہ گواہ ہے اور زید اخیر وقت تک بھائی مانتا رہا تو زید کے حق میں یہ اقرار درست ہوگا اور زید کے مرنے کے بعد اس کو میراث مل جائے گی بشرطیکہ مستحقین بالا میں سے کوئی نہ ہو پھر موصیٰ لہ بجمیع المال ہے، میت نے کسی شخص کو کل ترکہ کی وصیت کی تھی مگر اصول وصیت کے مطابق اس کو تہائی ترکہ دیا گیا اور دو تہائی باقی حقداروں کے لئے روکا گیا اب دیکھا گیا کہ کوئی نہیں تو باقی دو تہائی بھی اس موصیٰ لہ بجمیع المال کو دے دیا جائے گا۔

اس کے بعد زوجین: عام کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا ورثہ میں سے کوئی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال کو دے دیا جائے لیکن علماء متاخرین نے بھی دیکھا کہ اس زمانہ میں نہ تو کوئی شرعی بیت المال ہے اور نہ اس قسم کے مال کو شرعی مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے تو انہوں نے لکھا کہ اگر زوجین میں سے کوئی موجود ہو اور ان کے حصہ سے باقی ماندہ مال کے لئے مستحقین مذکورہ بالا میں سے کوئی نہ ہو تو باقی ماندہ حصہ بھی زوجین میں سے کسی ایک کو دے دیا جائے گا۔

آخری درجہ بیت المال کا ہے اگر مذکورہ بالا ورثہ میں سے کوئی نہ ہو تو پھر میت کا ترکہ بیت المال یعنی اسلامی خزانہ میں جمع کر دیا جائے جو کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ ہوگا جیسے دریاؤں کے لئے پل، مسافر خانہ، ناداروں کا علاج اور ان کی تجہیز و تکفین۔

پنجم موانع وارث: بعض مرتبہ ایسے عوارض پیش آجاتے ہیں جن کی وجہ سے ورثاء میراث سے محروم ہو جاتے ہیں ایسے عوارض کو موانع ارث کہا جاتا ہے اور وہ چار ہیں۔ (1) غلامی (2) قتل (3) اختلاف مذہب (4) اختلاف ملک۔

غلامی: خواہ کامل ہو یا ناقص جیسے مکاتب، مدبر ام ولد وغیرہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا بلکہ اس کا مال اور خود مولیٰ کی ملکیت ہے۔

قتل: وارث مورث کا قاتل ہے بشرطیکہ اس قتل پر قصاص یا کفارہ و دیت واجب ہو قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطاء، یہ تینوں مانع ارث ہیں۔
اختلاف مذہب: یعنی میت اور وارث میں سے ایک مسلم دوسرا غیر مسلم ہو تو وہ ایک دوسرے کے ترکہ کے مستحق نہیں ہوں گے۔
اختلاف ملک: اس سے ایسے دو ملک مراد ہیں یا دو جگہیں جہاں کے باشندے باہم مختلف ہوں اور حفاظت جان کے لئے ان میں باہمی کوئی معاہدہ نہ ہو بلکہ ہر جگہ کا شخص دوسری جگہ کے شخص کو موقع پر قتل کر دیتا ہو اگر وہ باہم متفق ہو کر حفاظت نفس کی غرض سے کسی معاہدہ پر قائم ہو جائیں اور آپس میں صلح کر لیں تو ایک ہی دار کہلائیں گے اور آپس میں میراث جاری ہوگی۔
نوٹ: اختلاف دار کی بناء پر ترکہ سے محروم ہونے کا حکم صرف کفار کے ساتھ مخصوص ہے مسلمان اس سے مستثنیٰ ہیں دو مسلمان ہر صورت میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں خواہ دنیا میں کہیں بھی رہتے ہوں۔
ششم: عدم موانع ارث، صغرسنی، نکاح ثانی، نافرمانی و بدکاری۔
صغرسنی: کم عمر ہونے سے میراث میں کمی نہیں آتی بلکہ اسلام نے تو حمل کو وارث بنایا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔
نکاح ثانی: سے عورت اپنے شوہر کی میراث سے محروم نہیں ہوتی بلکہ جس قدر چاہئے حسب شرع نکاح کرے اپنے وفات یافتہ شوہروں سے مہر اور میراث کی مستحق ہے۔
نافرمانی: یہ میراث کو نہیں روکتی ایک لڑکا فرمانبردار ہے اور دوسرا نافرمان ہے تو دونوں لڑکے برابر کے میراث کے حقدار ہوں گے۔
تنبیہ: جو امور اوپر بیان کئے گئے ہیں وہ سب تفصیل کے محتاج ہیں جو کتب فرائض میں موجود ہیں۔
میت کا ترکہ وارثوں کے لئے: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں:
① اگر کوئی شخص موت کے وقت مال و دولت اور ساز و سامان وغیرہ چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کو ملے گا ان طریقوں کے مطابق جو قرآن و سنت میں بیان کئے گئے ہیں، لہٰذا اس ترکہ کو تقسیم نہ کرنا اور ناجائز طریقے سے بعض رشتہ داروں کا اس پر قبضہ کر لینا ناجائز اور حرام ہے، اس لئے وارثوں پر شریعت کی طرف سے یہ حکم عائد ہوتا ہے کہ ترکہ کی شرعی طریقے کے مطابق تقسیم کریں، تاکہ کسی وارث پر کوئی ظلم اور اس کی حق تلفی نہ ہو۔
اس وقت ہمارے مسلم معاشرے میں اس بارے میں بہت ہی لا پرواہی اور کوتاہی پائی جاتی ہے، بہت سے لوگ تو سرے سے وراثت تقسیم ہی نہیں کرتے، کئی سالوں کے بعد حصے بانٹتے جاتے ہیں۔
② اگر کوئی شخص اپنے پیچھے مال و دولت چھوڑ کر نہ جائے، صرف اس کی محتاج اولاد یا عیال ہو تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا نان نفقہ اور خرچہ میرے ذمے ہے۔

نادار میت کا قرضہ بیت المال سے:

صحیح بخاری کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے: ومن ترك دينا فعلي قضاءه جو شخص اس طرح وفات پائے کہ اس پر قرض ہو لیکن ادائیگی کے لئے کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے، میں اسے بیت المال سے ادا کروں گا۔

یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے ذریعہ وسعت عطا فرمائی اور بیت المال میں اس قدر گنجائش

پیدا ہوگئی کہ اس طرح کے بندے کا قرض اس سے ادا کیا جائے، یہی حکم تمام مسلم حکمرانوں کے لئے ہے کہ جب بیت المال میں وسعت موجود ہو تو نادار میت کا قرض اس سے ضرور کیا جائے، اس کے فرائض میں سے ہے، وسعت کے باوجود قرض ادا نہ کیا گیا تو اللہ کے ہاں اس حاکم سے باز پرس ہوسکتی ہے۔

یہاں فرائض سے مراد میراث اور اس کے مطابق عمل درآمد ہے، اس علم کی اہمیت اگلے باب میں بیان کی گئی ہے۔

مگر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جیسا کہ حاشیہ پر ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے، آج کسی حکومت کی ذمہ داری نہیں کہ وہ (بغیر کفالت کے) لوگوں کے دیون ادا کرتی ہے۔

ان تقسیمات کا ایک بڑا حصہ یہاں ترمذی کے ابواب الفرائض میں بیان ہوگا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَعْلِیْمِ الْفَرَائِضِ

باب ۲: فرائض کی تعلیم کا بیان

(۲۰۱۷) تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَالْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوْضٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وراثت اور قرآن کا علم حاصل کرو لوگوں کو اس کی تعلیم دو کیونکہ میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

تشریح: علم فرائض اور اس کے سیکھنے اور سکھانے کی اہمیت: اس حدیث میں علم فرائض کی فضیلت اور اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دی گئی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ علم فرائض کو سیکھنے کا حکم الگ سے دیا ہے۔

① ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید اور علم فرائض کو سیکھو اور سکھاؤ، عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا جس میں دو آدمی میراث کے مسئلے میں بحث مباحثہ کریں گے، لیکن وہ کسی ایسے آدمی کو نہیں پائیں گے جو اس کے اختلافی مسئلہ میں فیصلہ کر سکے۔

② عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم تو تین ہی ہیں، ان کے علاوہ باقی سب زائد ہیں۔ ایک آیت محکمہ یعنی قرآن، دوسرا سنت قائمہ یعنی علم حدیث اور تیسرا فریضہ عادلہ یعنی علم فرائض۔

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ وہ نصف علم ہے، اور میری امت میں سب سے پہلے اسے بھلایا اور چھینا جائے گا۔

"الفرائض" فریضہ کی جمع ہے، **کما مر:** اس سے مراد یا علم فرائض "نصف علم" کیسے ہے:

جواب ①: انسان کی دو حالتیں ہیں، ایک زندگی اور دوسری موت کی حالت، دیگر علوم میں زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور اس سے متعلق احکام کا ذکر ہوتا ہے جبکہ علم فرائض میں موت کے بعد کی حالت کا ذکر ہوتا ہے کہ موت کے بعد وارث اس علم پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اس لحاظ سے علم فرائض گویا نصف علم ہے۔

جواب②: بعض نے کہا کہ علم میراث کو نصف علم اس کی عظمت شان اور اہمیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

جواب③: علم فرائض کی صورتیں اور مسائل چونکہ بہت زیادہ ہیں اور مختلف پہلو رکھتے ہیں، لہٰذا مسائل کی تعداد اور مقدار کے اعتبار سے نصف حصہ ایک مسائل کا ہے اور نصف حصہ میراث کے مسائل کا، اس لئے فرائض کو نصف علم قرار دیا گیا۔

جواب④: شرعی احکام دو چیزوں سے ثابت ہوتے ہیں نصوص یعنی قرآن وسنت سے، اور قیاس واجتہاد سے اور فرائض کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے تمام مسائل قرآن وسنت سے ثابت ہے، قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں، اس خاص وصف کی وجہ سے علم فرائض کو نصف علم کہا گیا ہے۔

لغات: فرائض: فریضۃ کی جمع ہے، اس کے چند معانی ہیں: ① بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا عمل اور قانون۔ یعنی اللہ کی مقرر کی ہوئی وہ حد جس کا بندوں کو پابند بنایا گیا ہے، یا اس سے روکا گیا ہے، یعنی اوامر نواہی۔ ② کسی انسان کے ذمہ لازم کیا ہوا کام یا حصہ مال ③ ڈیوٹی اور فرض ④ میراث۔

تعلموا: تم سیکھو، فرائض سے علم میراث مراد ہے، بعض نے کہا کہ اس سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کئے ہوئے ہیں۔ عَلِّموا تم سکھاؤ۔ مقبوض: وفات پانے والا ہوں۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں محمد بن القاسم اسدی ضعیف راوی ہے، فضل بن دلہم بھی کچھ اچھا راوی نہیں اور عوف اعرابی کے تلامذہ میں سخت اختلاف ہے، کوئی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے اور ابو اسامہ سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں، مگر اس میں ایک مجہول راوی بھی ہے، اس کے لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مِیْرَاثِ الْبَنَاتِ

باب ۳: لڑکیوں کی میراث (کے حکم) کے بارے میں ہے

(۲۰۱۸) جَاءَتِ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ رضی اللہ عنہ قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللهُ فِي ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى عَمِّهِمَا فَقَالَ أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں ان کے والد آپ کے ہمراہ غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے ہیں ان دونوں بچیوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا تو ان دونوں کی شادی تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب ان کے پاس مال موجود ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں اللہ نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ دیا اور

وراثت سے متعلق آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے چچا کو بلوایا اور فرمایا سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ جائے وہ تمہیں ملے گا۔

تشریح: اگر میت کی ایک بیٹی ہو تو اس کو نصف ملتا ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملتا ہے اور اگر میت کے بیٹے ہوں تو بیٹے اور بیٹیاں عصبہ بنتے ہیں اور بیٹے کو دوہرا اور بیٹی کو اکہرا ملتا ہے، اور قرآن کریم میں اگرچہ دو سے زیادہ بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ مقرر کیا گیا ہے مگر سورۃ النساء کی آخری آیت میں دو بہنوں کا حصہ دو تہائی مقرر کیا گیا ہے، اس لئے یہی حصہ دو بیٹیوں کو بھی ملے گا، غرض بیٹیوں کے تمام احوال قرآن میں مذکور ہیں، اس لئے حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، باب میں جو روایت ہے وہ آیت میراث کا شان نزول ہے۔

تشریح: جو بات قرآن کریم سے دلالۃ النص کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی وہ اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہوئی کہ دو بیٹیوں کا حصہ بھی دو تہائی ہے۔

احکام میراث کا نزول:

اسلام سے پہلے پوری دنیا میں بچوں اور عورتوں پر طرح طرح کا ظلم وستم رائج تھا، معاشرے میں ان کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اور عرب نے تو یہ اصول مقرر کیا ہوا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو گھوڑ سوار ہو اور دشمنوں سے مقابلہ کر کے اس کا مال غنیمت جمع کرے، اس لئے ان کے ہاں صرف نوجوان بالغ لڑکا ہی وارث ہوسکتا تھا، لڑکی مطلقاً وارث نہ سمجھی جاتی تھی، خواہ بالغ ہو یا نابالغ اور لڑکا بھی اگر نابالغ ہوتا تو وہ بھی وراثت کا مستحق نہ تھا۔

اسلام نے سب سے پہلے اس کمزور طبقے کو حقوق دلائے، ان پر ظلم وستم کے دروازے بند کر کے ان کے حقوق کی حفاظت کا مکمل انتظام بھی کیا، چنانچہ ان کے حق میں اس صریح ظلم کے خاتمہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک صحابی حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور دو لڑکیاں، ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوی وارث چھوڑے، مگر عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں (یا بعض روایات کے مطابق سگے بھائیوں) نے مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کر لیا، اولاد اور بیوی میں سے کسی کو کچھ نہ دیا کیونکہ ان کے نزدیک عورت تو مطلقاً وراثت کی مستحق نہ تھی، اس لئے بیوی اور دونوں لڑکیاں تو یوں محروم ہوگئیں اور لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے محروم کر دیا گیا، لہٰذا پورے مال کے وارث دو چچازاد بھائی ہوگئے۔

مرحوم کی بیوہ نے یہ بھی چاہا کہ چچازاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کر رہے ہیں تو ان دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کرلیں تاکہ ان کی فکر سے فراغت ہو جائے مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا، تب اوس بن ثابت کی بیوہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض حال کیا اور اپنی اور اپنے بچوں کی بے کسی اور محرومی کی شکایت کی، اس وقت تک چونکہ قرآن کریم میں آیت میراث نازل نہ ہوئی تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں جواب دینے میں توقف فرمایا، انہیں تسلی دی کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو کیونکہ آپ کو اطمینان تھا کہ وحی کے ذریعہ اس ظالمانہ قانون کو ضرور بدلا جائے گا، چنانچہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ (النساء:۷)

''مردوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو، حصہ (بھی ایسا جو) قطعی طور پر مقرر ہے۔''

اس آیت کے نازل ہونے سے اتنا معلوم ہوگیا کہ وراثت میں جس طرح مردوں کا حق ہے، اسی طرح عورتوں اور بچوں کا بھی ہے، اس سے انہیں محروم نہیں کیا جاسکتا، لیکن چونکہ اس آیت میں حصوں کا تعین اور تفصیل نہیں تھی اس لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کے ترکہ پر قبضہ کرنے والوں سے فرمایا کہ تم اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتے جب تک کہ اس بارے میں کوئی واضح حکم نہ آجائے۔

چنانچہ اس واقعہ کے کچھ ہی عرصے کے بعد دوسرا واقعہ پیش آیا جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب میں ذکر فرمایا ہے جب حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد میں شہید ہوگئے تو زمانہ جاہلیت کے رائج دستور کے مطابق ان کے چچا زاد بھائیں نے ان کے سارے ترکہ پر قبضہ کرلیا، یوں حضرت سعد کی بیوہ اور دونوں بیٹیاں محروم رہ گئیں، تب مرحوم کی بیوہ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت عرض کی تو آپ نے فرمایا: صبر کرو، اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور فیصلہ فرمائیں گے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ آیت میراث نازل ہوئی: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ... الخ﴾ (النساء:۱۱) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اب جب تمام وارثوں کے حصوں کا تعین ہوگیا تو آپ ﷺ نے حضرت سعد کے بھائیوں کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیش نظر اپنے بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو حصہ دیدو، آٹھواں حصہ ان کی ماں کو، اور اس کے بعد جو کچھ بچے وہ تم لے لو، تقسیم اس طرح ہوگی کہ سعد نے جو کچھ چھوڑا ہے پہلے اس کے چوبیس حصے کرلو، پھر ان چوبیس حصوں میں سے آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں کو اور تین حصے ان کی ماں کو دیدو اور باقی پانچ حصے تم لے لو۔

میراث میں بیٹی کے حصے:

بیٹی اپنے والد کی میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتی، اس کی تین حالتیں ہیں:

① اگر صرف ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا نہ ہو تو میت کے ترکے میں اس کو نصف ملتا ہے اور اگر میت کا اور کوئی وارث بالکل ہی نہ ہو تو باقی نصف بھی اسی کو مل جاتا ہے۔

② اگر دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں اور کوئی بیٹا نہ ہو تو ان بیٹیوں کو ترکہ میں دو تہائی ملے گا، یہ بیٹیاں اس دو تہائی کو آپس میں برابر تقسیم کرلیں گی۔

③ اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں بلکہ جس قدر بیٹے کو ملے گا اس سے نصف ہر ایک بیٹی کو ملے گا، خواہ ایک بیٹی ہو یا دو چار ہوں، اس حالت میں بیٹیاں ذوی الفروض نہیں ہوں گی بلکہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بالغیر ہوں گی اور اسی اعتبار سے ان کو حصے ملیں گے۔

جمہوری علماء کے نزدیک دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک دو لڑکیاں بھی ایک لڑکی کی طرح نصف میراث کی حقدار ہوتی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو تہائی دو لڑکیوں سے زائد کے لئے بیان کیا گیا ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ﴾ (النساء:۱۱) اور دو لڑکیوں کا حصہ قرآن میں مذکور نہیں ہے، لہٰذا دو لڑکیوں کا حکم

بھی ایک کی طرح ہوگا، یعنی انہیں بھی نصف ملے گا، جمہور فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ دو لڑکیوں سے زائد کا حکم تو مذکورہ آیت میں ہے، لیکن چونکہ دو کا حکم اس آیت میں واضح نہیں تھا، محض احتمال کے درجے میں تھا اس لئے حدیث باب نے اس حکم کو واضح کر دیا کہ ''دو تہائی مال'' جس طرح دو لڑکیوں سے زائد لڑکیوں کے لئے ہے اسی طرح دو لڑکیوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

حدیث باب جمہور کے موقف کے مطابق ہے ممکن ہے یہ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نہ پہنچی ہو یا ان کے نزدیک یہ روایت صحیح نہ ہو اس لئے انہوں نے ظاہر آیت سے یہ اخذ کیا کہ دو لڑکیوں کا حکم بھی ایک لڑکی کی طرح ہوگا۔

ضابطہ: باب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ ... الخ﴾ (النساء:۱۱)

اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ پہلے ذوی الفروض کے حصے دیئے جائیں، ذوی الفروض سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے قرآن میں حصے مقرر کئے گئے ایسے لوگ کل ملا کر بارہ ہیں، چار مرد اور آٹھ عورتیں۔

مرد یہ ہیں: ① باپ ② جد صحیح یعنی دادا ③ ماں شریک بھائی اور ④ شوہر۔

عورتیں یہ ہیں: ① بیوی ② بیٹی ③ پوتی اگرچہ دور والی ہو ④ سگی بہن ⑤ سوتیلی بہن ⑥ ماں شریک بہن ⑦ ماں۔
⑧ جدہ صحیحہ (دادی اور نانی)۔

اگر ان سے مال بچ جائے یا ذوالفروض نہ ہوں تو پھر ما بقی پہلی صورت میں اور سارا ترکہ دوسری صورت میں عصبہ کو ملتا ہے، عصبہ کی متعدد صورتیں ہیں مگر اولین ترجیح عصبہ نسبیہ کو حاصل ہے ان میں الاقرب فالاقرب کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

(باب معرفۃ الفروض الخ وباب العصبات، من سراجی)

یہاں یہ ضابطہ قابل لحاظ ہے کہ میراث میں تمام نسبتیں میت کی طرف ہوتی ہیں اور یہ کہ دو بنات اور دو سے زیادہ کا حکم ایک ہوتا ہے یعنی ایک کو نصف اور زیادہ کو ثلثان یہ اس وقت ہے کہ ان کے ساتھ مرد نہ ہو یعنی بلا تعصب ورنہ تو پھر عورت کا حصہ مرد کے آدھے کے برابر ہوگا سوائے ماں شریک بہن کے کہ جب آدمی کلالہ ہو یعنی اس کے اصول و فروغ نہ ہوں اور ایک بہن اور بھائی ماں شریک ہوں تو ہر ایک کا حصہ سُدس ہوگا اور اگر زیادہ ہوں تو سب ثلثِ مال میں برابر کے شریک ہوں گے جیسا کہ نساء آیت نمبر 12 میں ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ مِيْرَاثِ بِنْتِ الْاِبْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ

باب ۴: صلبی بیٹی کے ساتھ پوتی کی میراث کا ذکر ہے

(۲۰۱۹) جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى اَبِيْ مُوْسٰى وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيْعَةَ فَسَاَلَهُمَا عَنِ الْاِبْنَةِ وَابْنَةِ الْاِبْنِ وَاُخْتٍ لِاَبٍ وَّاُمٍّ فَقَالَ لِلْاِبْنَةِ النِّصْفُ وَلِلْاُخْتِ مِنَ الْاَبِ وَالْاُمِّ مَا بَقِيَ وَقَالَا لَهُ انْطَلِقْ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَاسْاَلْهُ فَاِنَّهُ سَيُتَابِعُنَا فَاَتٰى

عَبْدَاللّٰهِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَاَخْبَرَهُ بِمَا قَالَا قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ وَلٰكِنْ اَقْضِيْ فِيْهِمَا كَمَا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْاِبْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَلِلْاُخْتِ مَابَقِيَ.

ترجمہ: ہزیل بن شرجیل بیان کرتے ہیں ایک شخص ابوموسیٰ اور سلیمان بن ربیعہ کے پاس آیا اور ان دونوں حضرات سے ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن (کے وراثت میں حصے) کے بارے میں دریافت کیا تو ان دونوں حضرات نے یہ جواب دیا بیٹی کو نصف حصہ ملے گا جو باقی بچ جائے گا وہ سگی بہن کو ملے گا پھر ان دونوں حضرات نے اس شخص کو ہدایت کی وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور ان سے دریافت کرے تو وہ ہمارے جیسا جواب دیں گے وہ شخص حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا اور یہ بتایا کہ ان دونوں حضرات نے جو جواب دیا ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اگر میں یہ جواب دوں) پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور میں ہدایت پانے والا نہ رہوں گا میں اس کے بارے میں وہ فیصلہ دوں گا جو نبی اکرم ﷺ نے دیا تھا بیٹی کو نصف مال ملے گا پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ یہ دونوں مل کر دوتہائی کو مکمل کریں اور باقی بچ جانے والا مال بہن کو مل جائے گا۔

تشریح: پوتی اور بیٹی کی میراث کا مسئلہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مرحوم کی بیٹی، پوتی اور حقیقی بہن ہو تو اس کے ترکے کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو چھٹا حصہ اور باقی ماندہ حقیقی بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل جائے گا، یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سائل کو بتایا، جس نے حضرت ابوموسیٰ اور سلیمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما سے یہی مسئلہ پوچھا تھا اور انہوں نے بیٹی اور بہن کو آدھا آدھا دینے کا بتایا تھا اور پوتی کو محروم کیا تھا، جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ ان دونوں نے یہ جواب دیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں بھی یہی جواب دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں ہوں گا لہٰذا میں اس مسئلے کا وہی جواب دوں گا جو نبی کریم ﷺ نے اس مسئلے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ ان دونوں حضرات نے قرآن مجید کے ظاہر سے استدلال کیا، کیونکہ بیٹی کے بارے میں قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (النساء:۱۱) اور بہن کے بارے میں یہ فیصلہ اس لئے فرمایا کہ قرآن کریم میں آیت کلالہ میں ہے: ﴿اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ (النساء:۱۷۶) (اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو (یعنی نہ مذکر نہ مؤنث اور نہ ماں باپ ہوں) اور اس کی ایک بہن ہو تو (بہن) کو اس کے تمام ترکہ کا حصہ ملے گا)۔

انہوں نے "ولد" سے یا تو عربی استعمال کے اعتبار سے مذکر مراد لیا ہے کیونکہ عربی محاورے میں عموماً ولد سے مذکر مراد لیا جاتا ہے اور اس دلیل سے کہ قرآن کی آیت ﴿وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ﴾ (النساء:۱۷۶) میں ولد سے بیٹا ہی مراد ہے، یا ان حضرات نے یہ سمجھا کہ بنت تو نصف لیکر الگ ہو چکی ہے ارو دوسرا نصب بہن کا ہے، اور باقی مال نہیں اس لئے پوتی محروم ہوگئی، نیز پوتی کی وراثت کا ذکر قرآن میں بھی نہیں ہے، یہ حضرات چونکہ شرعی مسئلہ کا حل بتانے میں مخلص تھے، اس لئے سائل سے کہا کہ آپ یہ مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی جا کر پوچھ لیں، وہ بھی ہماری موافقت کریں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا فیصلہ اس میں وہی ہے جو اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ صورت میں بیٹی کو نصف اور پوتی کو چھٹا حصہ تاکہ یہ دونوں حصے دوتہائی کے برابر ہو جائیں اور باقی ماندہ بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل

جائے گا کیونکہ بہن بیٹیوں کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہے۔

سند کی بحث: مسئلہ بنات میت کا حصہ متعدد ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ ثلثان ہے کما تقدم اور بنات الابن بھی بنات ہی میں داخل ہیں لہٰذا ایک بیٹی قرب قرابت کی بناء پر نصف کی مستحق ہوئی تو دو ثلث پورا کرنے کے لئے صرف اس صورت میں سدس رہ گیا اس لئے یہ سدس پوتی کو دے کر ثلثین کی تکمیل کی جائے یہ بھی واضح رہے کہ پوتی ایک ہو یا متعدد ان کو صرف سدس ہی دیا جائے گا، لقوله تعالىٰ: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ... الآية﴾ (النساء:۱۱)

اس کے بعد جو باقی رہ گیا وہ اخت کا حصہ ہے بربناء عصبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ آیت قرآنیہ کی روشنی میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہے چنانچہ دارقطنی کی روایت کے الفاظ **وقد سمعت رسول الله ﷺ يقول فذكر ...الخ**۔ اس پر دال ہیں۔ (ہذا حدیث صحیح اخرجہ البخاری وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی والطحاوی)

ابوموسیٰ اور سلیمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہما نے اپنے اجتہاد سے اس مسئلے کا حکم بتایا تھا، جب انہیں اس کا صحیح حل بتایا گیا تو انہوں نے اپنے مسئلے سے رجوع کر لیا، ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے علم سے پہلے قیاس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور جب خبر اور حدیث آجائے تو پھر اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور قیاس پر مبنی حکم ختم ہو جاتا ہے جبکہ وہ قرآن وسنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو۔ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا امیر مقرر کیا تھا، ان سے قبل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر تھے، بعد میں ابوموسیٰ سے پہلے انہیں معزول کر دیا گیا تھا۔

تصحیف: ترمذی میں سلیمان بن ربیعہ ہے مگر یہ تصحیف ہے، اس نام کا کوئی آدمی نہیں، اور ابوداؤد (حدیث 2893) اور ابن ماجہ (حدیث 2721) اور جامع الاصول (10:273) میں سلمان بن ربیعہ ہے اور یہی صحیح ہے اور یہ حدیث بخاری (حدیث 6736) میں بھی ہے مگر اس میں صرف ابوموسیٰ کا ذکر ہے، البتہ مسند احمد (1:389) میں سلیمان بن ربیعہ ہے مگر صحیح سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مِیْرَاثِ الْاِخْوَةِ مِنَ الْاَبِ وَالْاُمِّ

باب ۵: حقیقی بھائیوں کی میراث

(۲۰۲۰) اَنَّهُ قَالَ اِنَّكُمْ تَقْرَؤُنَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ (مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْدَيْنٍ) وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَاِنَّ اَعْيَانَ بَنِى الْاُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِى الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ اَخَاهُ لِاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ دُوْنَ اَخِيْهِ لِاَبِيْهِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تم لوگ اس آیت کی تلاوت کرتے ہو۔ یہ اس کی وصیت کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہے۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور حقیقی بھائی وراث ہوں گے جبکہ علاتی بھائی وارث نہیں ہوں گے آدمی اپنے اس بھائی کا وارث بنتا ہے جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہو صرف باپ کی طرف سے شریک بھائی وارث نہیں بن سکتا۔

(۲۰۲۱) قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ اَعْيَانَ بَنِي الْاُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ دیا تھا حقیقی بھائی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے سوتیلے بھائی نہیں ہوں گے۔

تشریح: ماں اور باپ دونوں میں شریک حقیقی بھائی ہیں اور صرف باب میں شریک علاتی بھائی ہیں اور صرف ماں میں شریک اخیافی بھائی ہیں، اول دو بھائی عصبہ ہیں اور اخیافی بھائی بہن ذوالفروض ہیں، پس وہ تو اپنا مقررہ حصہ پائیں گے مگر جب عصبہ کا نمبر آئے گا تو حقیقی بھائی وارث ہوں گے اور علاتی بھائی محروم ہوں گے، کیونکہ حقیقی بھائیوں کے میت سے دو رشتے ہیں، باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی، اور علاتی بھائیوں سے صرف ایک رشتہ ہے، باپ کی طرف سے اور میراث کا قاعدہ ہے۔

الاقرب فالاقرب: پس حقیقی اقرب ہوئے، اس لئے وہ عصبہ ہوں گے اور وارث ہوں گے، اور علاتی محروم رہیں گے، ہاں ایک حقیقی بھائی نہ ہوں تو پھر علاتی بھائی حصہ بنیں گے۔

اعتراض: یہاں ایک اشکال ہے کہ حقیقی اور علاتی تو ایک باپ کی اولاد ہیں، پس حقیقی عصبہ ہوئے اور علاتی محروم رہے ایسا کیوں ہوا؟

جواب: یہ ہے کہ حقیقی اقرب ہیں اس لئے وہ وارث ہوئے، جیسے باپ اور دادا دونوں ہوں تو باپ وارث ہوتا ہے اور بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا وارث ہوتا ہے کیونکہ وہ اقرب ہے اور حقیقی اور علاتی دونوں کے تعلق سے تو یکساں ہیں مگر یہاں میت بھائی ہے، اس کے تعلق سے حقیقی اقرب ہیں اور علاتی ابعد، اس لئے صرف حقیقی وارث ہوں گے۔

دوسرا اشکال: یہ ہے کہ اخیافی کا رشتہ صرف ماں کی طرف سے ہے، پھر وہ حقیقی اور علاتی بھائیوں کے ساتھ وارث کیسے ہوئے؟

جواب: یہ ہے کہ اخیافی ذوی الفروض ہیں اور حقیقی اور علاتی عصبہ ہیں، پس یہ دو الگ الگ جہتیں ہیں اور الاقرب فالاقرب کا ضابطہ ایک طائفہ میں چلتا ہے، یا یہ کہیں کہ یہ قاعدہ صرف عصبات میں چلتا ہے، ذوی الفروض میں نہیں چلتا۔

حدیث: ① حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو باتیں فرمائیں: پہلی بات: فرمایا آپ حضرات یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء:۱۲) یعنی وصیت نکالنے کے بعد جس کی تم وصیت کر جاؤ یا دین کے بعد۔ یعنی وصیت کا نفاذ دین سے پہلے ہوگا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض چکایا ہے، چنانچہ مسئلہ یہی ہے: میت کی تجہیز وتکفین کے بعد جو ترکہ بچے گا اس کے جمیع سے میت کے قرضے چکائے جائیں گے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ ہوگی اور جو باقی بچے وہ ورثاء میں تقسیم ہوگا اور آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم کی تاکید کے لئے ہے، یعنی وصیت کو قرض سے زیادہ اہم سمجھنا چاہئے کیونکہ قرض مانگنے والے تو دوسرے دن گھر آ کر بیٹھ جائیں گے اور موصی لہ یعنی جس کے لئے وصیت کی ہے وہ کوئی خاص تقاضہ نہیں کرسکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے بیان میں اس کو مقدم کیا۔

دوسری بات: نبی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ: اعیان بنی الام یتوارثون، دون بنی العلات: حقیقی بھائی بہن وارث ہوں گے نہ کوئی علاتی بھائی بہن۔

تشریح: اعیان کی اضافت بنی الأم کی طرف اضافہ بیانیہ ہے اور اس کا لفظی ترجمہ ہے: ''ماں کے بیٹوں کے خالص''، یعنی حقیقی

بھائی اور مراد حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں ہیں، ابن کو تغلیباً ذکر کیا ہے اسی طرح بنو العلات سے علاتی بھائی اور علاتی بہنیں مراد ہیں، ابن کو یہاں بھی تغلیباً ذکر کیا ہے، اور یتوارثون: کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور حقیقی اور علاتی میں وجہ ترجیح چونکہ ماں کا رشتہ ہے اس لئے حدیث میں اعیان کے ساتھ بنی الأم (ماں کے لڑکے) کا اضافہ فرمایا۔

پھر اسی مضمون کو دوسرے جملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح ادا کیا:

الرجل یرث اخاہ لابیہ و امہ، دون اخیہ لابیہ.

"آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے، نہ کہ اپنے علاتی بھائی کا۔"

اس جملہ کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلے جملہ کا ہے اور یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائی بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے، اس کی دوسری حدیث میں صراحت ہے اور یہ روایت اگرچہ حارث اعور کی ہے جو متکلم فیہ راوی ہے، مگر پوری امت نے اس حدیث کو قبول کیا۔ معلوم ہوا کہ روایت کی قوت اور ضعف کا دارومدار صرف راویوں کی حالت پر نہیں ہے بلکہ امت اور مجتہدین کا تعامل بھی قابل لحاظ ہے:

"قال السخاوی فی فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث، و کذا اذا تلقت الامة الضعیف بالقبول یعمل به علی الصحیح حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ المقطوع به ولهذا قال الشافعی رحمه الله فی حدیث: لاوصیة لوارث انه لایثبته اهل الحدیث ولکن العامة تلقته بالقبول و علموا به حتی جعلوه ناسخاً لآیة الوصیة" (ماتمس الیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجة ص: ۲۴)

امام سخاوی رحمہ اللہ فتح المغیث فیہ الحدیث میں فرماتے ہیں جب اُمت ضعیف حدیث کو قبول کرے اور اس پر عمل بھی صحیح طریقے سے کرے تو وہ متواتر کے درجے میں پہنچ جاتی ہے اور وہ مقطوع بہ کو منسوخ کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ایک حدیث لا وصیة لوارث والی حدیث اہل حدیث سے ثابت نہیں ہے لیکن اُمت نے اسے قبول بھی کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے یہاں تک کہ یہ وصیت والی آیت کے لئے ناسخ کے درجے میں ہے۔"

فائدہ: علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کبھی کسی چیز کو اہمیت اور مقتضائے حال کی بناء پر مقدر کیا جاتا ہے چونکہ انسان طبعاً بخیل ہوتا ہے اور وصیت میں مطالبہ کرنے والے لوگ بھی عموماً نہیں ہوتے ہیں بخلاف دین کے دائنین خود اس کو وصول کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں اور ورثہ کے لئے روکنا ممکن یا آسان نہیں ہوتا، اس لئے وصیت کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لئے اور تاکید کرنے کے لئے آیت میں اس کا ذکر دین پر مقدم کیا، غرض تقدیم ذکری سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حکماً بھی مقدم ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی قاعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صریح منقول پیش کر رہے ہیں تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

پھر اس آیت میں ﴿مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ تُوصُونَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖ﴾ (النساء: ۱۲) لفظ "او" بمعنی واؤ کے ہے کیونکہ کبھی دونوں بھی ہوتے ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ "او" مانعة الجمع کے لئے نہیں ہے۔

آپ حضرات یہ آیت تلاوت کرتے ہیں: ﴿مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ تُوصُونَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖ﴾ اس میں گو کہ لفظ وصیت مقدم ہے، لیکن عملی طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قرض کے بعد رکھا ہے۔

بَابُ مِيْرَاثِ الْبَنِيْنَ مَعَ الْبَنَاتِ

باب ٦: بیٹوں کی میراث بیٹیوں کے ساتھ

(۲۰۲۲) جَآئَنِیْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَعُوْدُنِیْ وَاَنَا مَرِيْضٌ فِیْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَقُلْتُ يَا نَبِیَّ اللهِ كَيْفَ اَقْسِمُ مَالِیْ بَيْنَ وَلَدِیْ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَیَّ شَيْئًا فَنَزَلَتْ (يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِیْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ) الْاٰيَةَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے میں بنو سلمہ کے محلے میں بیمار تھا میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی میں اپنا مال اپنی اولاد کے درمیان کیسے تقسیم کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں یہ حکم دیتا ہے ایک مذکر کو دو مؤنث جتنا حصہ ملے گا۔

تشریح: بنو سلمہ بفتح السین وکسر اللام، خزرج کی شاخ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے۔

پہلا اشکال: یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس وقت تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہ تھی بلکہ نو (۹) بہنیں تھیں جیسا کہ اگلے باب کی روایت میں ہے اور صحیحین کی روایت میں ہے:

فقلت یا رسول اللہ ﷺ! انما یرثنی کلالۃ. "میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلالہ مجھ سے وارث ہے۔"

اور بخاری کی ایک اور روایت میں بھی بہنوں کی تصریح ہے: "انما لی اخوات" تو اس طرح ان روایات میں تعارض آ گیا۔

جواب: یہ ہے کہ یا تو "ولدی" کا لفظ حدیث باب میں راوی ہے "وہم" پر مبنی ہے یا پھر چونکہ وہ بہنیں عمر میں ان سے چھوٹی تھیں اور چھوٹوں پر اولاد اور بچوں کا اطلاق ہوتا ہے گو مجازاً ہوتا ہے۔ (قالہ الکنکوھی فی الکوکب)

دوسرا اشکال: یہ ہے کہ "يُوْصِيْكُمُ اللهُ... الخ" یہ آیت تو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی کے استفسار کے جواب میں نازل ہوئی تھی اور خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی سابقہ "باب ماجاء فی میراث البنات" میں اس کی تصریح کرتی ہے جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں تو سورۂ نساء کی آخری آیت نازل ہوئی تھی تو یہ بھی تعارض ہے، ابوداؤد میں بھی اس کی تصریح ہے:

"قال فنزلت ایۃ المیراث": ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء:۱۷۶)

(باب فی الکلالۃ، اول کتاب الفرائض وایضاً باب من کان لیس لہ الخ ص: 399) اور ترمذی کے اگلے باب میں بھی ایسا ہی ہے۔

پہلا جواب: اس کا ایک جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ترمذی کی اس باب والی حدیث میں راوی سے وہم ہوگیا ہے، پس کہا جائے گا کہ اس حدیث میں دو موقعوں پر وہم پایا جاتا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس روایت میں ﴿يُوْصِيْكُمُ اللهُ... الآیۃ﴾ (النساء:۱۱) سے مراد میراث کا حکم ہے جو سب کو شامل ہے۔ فلا اشکال۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ کبھی ایک حکم کے نزول کے متعدد اسباب ہوسکتے ہیں لہٰذا کبھی راوی ایک سبب کا ذکر کرتا ہے اور کبھی دوسرا۔ (قالہ السیوطی فی الاتقان)

بَابُ مِيْرَاثِ الْاَخَوَاتِ

باب ۷: بہنوں کا حصہ

(۲۰۲۳) مَرِضْتُ فَاَتَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَعُوْدُنِيْ فَوَجَدَنِيْ قَدْ اُغْمِيَ عَلَيَّ فَاَتَانِيْ وَمَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَتَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وُضُوْءِهٖ فَاَفَقْتُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَيْفَ اَقْضِيْ فِيْ مَالِيْ اَوْ كَيْفَ اَصْنَعُ فِيْ مَالِيْ فَلَمْ يُجِبْنِيْ شَيْئًا وَكَانَ لَهٗ تِسْعُ اَخَوَاتٍ حَتّٰى نَزَلَتْ اٰيَةُ الْمِيْرَاثِ ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ الْاٰيَةَ قَالَ جَابِرٌ فِيَّ نَزَلَتْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں بیمار ہوگیا نبی اکرم میری عیادت کرنے کے لیے میرے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حالت میں پایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری تھی جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ حضرات پیدل آئے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے مال کے بارے میں کیا فیصلہ کروں راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا راوی بیان کرتے ہیں اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نو بہنیں تھیں یہاں تک کہ وراثت سے متعلق آیت نازل ہوگئی۔ لوگ تم سے دریافت کرتے ہیں تم فرمادو اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں تمہیں یہ حکم دیتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

لغات : يعوذني: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے لگے۔ **اغمي علي:** (ہمزے پر پیش کے ساتھ) باب افعال سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مجھ پر غشی ایک ایسا مرض ہے جو طویل تھکاوٹ کی وجہ سے طاری ہوتا ہے، یہ گویا اغماء سے خفیف ہے جبکہ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ غشی اور اغماء دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ اور ''اغماء'' ''جنون'' اور نوم یعنی نیند میں یہ فرق ہے کہ بے ہوشی میں عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور پاگل پنی میں عقل سلب ہو جاتی ہے اور نیند میں عقل مستور یعنی پوشیدہ کردی جاتی ہے۔ **صب علي:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اوپر (پانی ڈالا)۔ **وضوءہ:** (واؤ پر زبر کے ساتھ) وہ پانی جس سے وضو کیا جائے۔

حدیث باب میں اس سے مراد وضو کا مستعمل پانی ہے جسے غسالہ کہا جاتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہو۔

کلالہ کی تفسیر: ''کلالہ'' کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے اور چار قول مشہور ہیں:

① جمہور کے نزدیک کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، ایسی صورت میں اس کے بھائی وارث ہوں گے۔

② کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جن میں کوئی ولد اور والد نہ ہو، اس صورت میں میت کے بھائی کلالہ ہوں گے۔

③ تیسرا قول یہ ہے کہ کلالہ اسم مصدر ہے اور اس میت کی وراثت کو کہتے ہیں جس کا ولد اور والد نہ ہو۔

④ چوتھا قول یہ ہے کہ کلالہ اس میت کے مال موروث کا نام ہے جس میت کا ولد اور والد دونوں نہ ہوں۔

لیکن قرآن کریم اور حدیث میں کلالہ کا لفظ میت اور وارث دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ حدیث باب میں مذکور آیت اور ﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً﴾ (النساء:۱۲) میں کلالہ کا لفظ میت کے لئے استعمال ہوا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث: انما یرثنی کلالۃ (میرا وارث کلالہ ہوگا) میں کلالہ سے وارث مراد ہے۔ اس لئے جمہور علماء کے نزدیک کلالہ کا لفظ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے تاہم زیادہ تر اس سے وہ میت مراد ہوتا ہے جس کا باپ اور کوئی بیٹا زندہ موجود نہ ہو، البتہ کبھی اس کا اطلاق وارث اور مال موروث پر بھی کر دیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے ایک طرف عیادت کی سنیت معلوم ہوئی اور دوسری طرف پیدل چلنے کی فضیلت یعنی ہو سکے تو پیدل چلنا افضل ہے جیسا کہ جمعے کے بارے میں "ولم یرکب" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ کہ وضو کا مستعمل پانی پاک ہے گو کہ اس میں آپ ﷺ کی خصوصیت الگ ہے کہ ان کے مستعمل پانی میں اللہ نے شفاء رکھی تھی، تاہم عام لوگوں کے مستعمل پانی سے بچنا افضل ہے چنانچہ "الاشباہ والنظائر" میں ہے "الاولی ان لایصلی علی منديل الوضوء الذی یمسح به"۔ (الاشباہ ص: 166، کتاب الصلوۃ) اسی طرح داڑھی وغیرہ کا پانی بھی مسجد میں نہ جھاڑے، اس حدیث سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت معلوم ہوئی اور یہ کہ بڑے بھی چھوٹوں کی عیادت کریں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ مِيْرَاثِ الْعَصَبَةِ

باب ۸: یہ باب عصبہ کی مراث کے بارے میں ہے

(۲۰۲۴) اَلْحِقُوْا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں فرائض ان کے حق داروں کو دو جو باقی بچ جائے وہ قریبی مرد رشتے دار کا ہوگا۔

قوله "العصبة" لغت میں عصب پٹھے کو کہتے ہیں جو ایک مضبوط واصل کو کہتے ہیں، مراد وہ ورثہ ہیں جو ذوی الفروض کے بعد باقی اور ان کی عدم موجودگی میں سارا مال لیتے ہیں۔ "الحقوا" بفتح الهمزه وكسر الحاء "ای اوصلو" یعنی پہنچاؤ اور دلاؤ ادا کرو وغیرہ۔

قوله "لاولی" "ای لاقرب" یعنی میت کے سب سے قریب تر۔ قوله "ذکر" یہ تقیید اس لئے ہے کہ مرد عصوبت میں اصل ہے اور عورت مرد کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے گویا یہ رجل کی تاکید ہے تاکہ ذکورت کو اجاگر کیا جائے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب فروض جب اپنے اپنے مقررہ حصے لے لیں اور پھر بھی کچھ بچ جائے تو اگر عصبہ موجود ہوں تو وہ بچا ہوا مال دوبارہ ذوی الفروض پر تقسیم نہ ہوگا بلکہ وہ عصبہ کو دیا جائے گا پھر عصبہ سے اولاً اس کا حق بنتا ہے جو میت سے اقرب ہو ثم الاقرب فالاقرب مثلاً اگر میت کا بیٹا ہو تو وہ پوتے پر اور باقی بھائیوں اور چچا وغیرہ پر مقدم ہے، پھر پوتا ہے پھر باپ ہے۔

اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ عصبہ نسبیہ جو اصل ہے عصوبت میں، تین طرح کے ہیں: (1) عصبہ بنفسہ (2) بغیرہ (3) مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان کسی عورت کا واسطہ نہ ہو لہٰذا کہا جائے گا کہ یہ قسم اول وہ مرد ہے جس کا نسب میت سے، بغیر واسطہ عورت کے ہو جبکہ دوسری اور تیسری قسمیں دونوں عورتوں پر مشتمل ہیں، پھر عصبہ بغیرہ جیسے بہن اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے اور عصبہ مع غیرہ جیسے بہن، بیٹی کی وجہ سے عصبہ بنتی ہے، پھر عصبہ بنفسہ کی آپس میں چار قسمیں ہیں، سراجی میں ہے:

"اما العصبة بنفسه فكل ذكر لا تدخل فی نسبة الى الميت انثى وهم اربعة اصناف:

① جزء الميت ② واصله ③ وجزء ابيه وجزء جده الاقرب فالاقرب"

"بہر حال عصبہ بنفسہ ہر وہ مذکر ہے کہ جب اُس کی میت کی طرف نسبت کریں تو کوئی مؤنث داخل نہ ہو۔ اور وہ چار قسموں پر ہے۔ ① میت کا جز ② اور اس کے اصول ③ اس کے باپ کے اجزاء ④ اس کے تعداد کے اجزاء۔ الاقرب فالاقرب یعنی جو زیادہ قریب ہوں۔"

یعنی میت کی اولاد، اس کے اصول باپ دادا، میت کے باپ کے اجزاء یعنی بھائی اور اس کے دادا کے اجزاء یعنی چچا، اور اس کے ساتھ ان سب کے اصول وفروع۔

وان علاون سفلوا": قال يرجحون بقرب الدرجة اعنى اولهم بالميراث جزء الميت اى البنون ثم بنو هم وان سلفوا ثم اصله اى الاب ثم الجد اى اب الاب وان علا ثم جزء ابيه اى الاخوة ثم بنو هم وان سفلوا ثم جزء جده اى الاعمام ثم بنو هم وان سلفوا ثم يرجحون بقوة القرابة اعنى به ان ذا القرابتين اولى من ذى قرابة واحدة ذكراً كان او انثى... الخ. (سراجی ص: ١٤، باب العبات)

"اور اگر چہ اس سے اُوپر ہوں یا نیچے ہوں۔ فرماتے ہیں کہ وہ قریب کے درجے کو ترجیح دیتے ہیں میری مراد جو میراث میں ان سے پہلے ہوں میت کا جزء یعنی بیٹے پھر ان کے بیٹے اگر چہ اس سے نیچے ہوں پھر ان کے اُصول یعنی باپ پھر دادا یعنی باپ کا باپ اور اگر اس سے اُوپر ہوں پھر اپنے باپ کا جزء یعنی بھائی پھر ان کے بیٹے پھر جو ان سے نیچے ہوں۔ پھر اپنے دادا کا جزء یعنی چاچے پھر ان کے بیٹے اور اگر چہ نیچے ہوں پھر قرابت کی قوت کو ترجیح ہوگی۔ میری مراد اس سے دو قرابتوں والے اولیٰ ہیں ایک کے مقابلے میں خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔"

باب کی روایت اگر چہ مرسل ہے مگر کثرت طرق کی طرف سے اور بعض اسانید میں موصول ہونے کی بناء پر قابل عمل وقابل حجت ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ مِیْرَاثِ الْجَدِّ

باب ۹: دادے کی میراث کے (حکم کے) بارے میں

(۲۰۲۵) جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ ابْنِیْ مَاتَ فَمَا لِیْ فِیْ مِیْرَاثِهٖ قَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا وَلّٰی دَعَاهُ

فَقَالَ لَكَ سُدُسٌ اٰخَرُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ قَالَ إِنَّ السُّدُسَ الْاٰخَرَ طُعْمَةٌ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے مجھے اس کی وراثت میں سے کیا ملے گا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں چھٹا حصہ ملے گا جب وہ مڑ کر گیا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا تمہیں دوسرا چھٹا حصہ بھی ملے گا جب وہ مڑ کر جانے لگا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا دوسرا چھٹا حصہ تمہیں اضافی طور پر ملے گا۔

تشریح: عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے اس کے ترکہ میں سے مجھے کتنا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لئے چھٹا حصہ ہے، جب وہ (یہ جواب سن کر) واپس ہوا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ تمہیں چھٹا حصہ ملے گا، پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ نے بلایا اور ارشاد فرمایا: یہ دوسرا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے۔

میراث میں دادے کا حصہ:

اس پر اجماع ہے کہ دادا اصحاب فرائض میں سے ہے اور اسے بطور فرض کے چھٹا حصہ ملتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے بھی کچھ مل جاتا ہے اور دادا باپ کی عدم موجودگی میں باپ کے مثل ہوتا ہے اور اگر باپ موجود ہو تو پھر دادا محروم ہوتا ہے۔

حدیث باب میں حضور اکرم ﷺ نے میت کے ترکہ سے دو تہائی اس کی بیٹیوں کو دیا، ان کی تصریح گو کہ حدیث میں نہیں لیکن ان کو یہ معلوم تھیں اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا، باقی ایک تہائی میں سے پہلا چھٹا حصہ اس دادا کو جو سائل تھا، ذوی الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے دیا اور دوسرا چھٹا حصہ اسے عصبہ ہونے کی حیثیت سے دیا، اس طرح اس شخص کو گویا کل ترکہ سے پورا ایک تہائی مل گیا، نبی کریم ﷺ نے ایک ہی دفعہ اسے تہائی مال نہیں دیا بلکہ ابتداء اسے پہلا چھٹا حصہ دیا پھر وہ چلا گیا، دوبارہ بلا کر دوسرا چھٹا حصہ دیا، اس طرف توجہ دلانے کے لئے کہ یہ تہائی اسے ذی فرض ہونے کی حیثیت سے نہیں ملا بلکہ پہلا حصہ اسے بطور فرض کے ملا ہے اور دوسرا حصہ عصبہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے حصے کو "طعمہ" فرمایا کیونکہ پہلا حصہ تو شرعاً متعین ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا لیکن عصبہ والے حصے میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے چنانچہ اگر مذکورہ صورت میں میت کے دوسرے اصحاب الفرائض ہوتے تو پھر دادا کو دوسرا چھٹا حصہ نہ ملتا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا جس کے وارثوں میں دو تو بیٹیاں تھیں اور ایک یہ سائل یعنی دادا تھا، چنانچہ میت کے ترکہ میں سے اس کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی مال دیا گیا، باقی ایک تہائی سے آدھا یعنی کل ترکہ کا چھٹا حصہ دادا کو ذی فرض ہونے کی حیثیت سے ملا اور پھر دوسرا چھٹا حصہ بھی دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے مل گیا یوں ایک پورا تہائی مال میت کے دادا کو حاصل ہو جائے گا۔

اس مسئلہ کی تصویر یہ ہے کہ جیسا کہ حاشیہ پر ہے کہ میت کی دو بیٹیاں تھیں اور ایک دادا، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ لڑکیوں کو ثلثان سے زیادہ نہیں ملتا دوسری طرف دادا بمنزلہ باپ کے ہے اس لئے اولاد کی صورت میں اس کا حصہ سدس یعنی چھٹا بنتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ (النساء:۱۱)

"والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے ترکے میں سے اگر اولاد موجود ہو۔"

اس لئے مسئلہ تصحیح چھ سے ہوئی، بیٹیوں کو ثلثین یعنی چار حصے ملے اور سدس یعنی چھٹا دادا کو بطور فرض دیا، ایک بچ گیا وہ دادا کو بطور تعصیب دیا کیونکہ دادا ذوی الفروض اور عصبہ دونوں میں سے ہے۔

مسئلہ 6

بنتان	جد	ع
4	1	1=6

آپ ﷺ نے اس کو دونوں حصے ایک ساتھ اس لئے نہیں دیئے کہ ایسا کرنے سے سابقہ حکم کی تنسیخ کا شبہ پیدا ہوسکتا تھا، اس لئے دونوں حکموں کو اجاگر کرنے کے لئے الگ الگ کرکے دیئے تاکہ صاف طور سے معلوم ہو کہ جد کا حصہ ثلث نہیں بلکہ سدس ہے اور دوسرا سدس بطور تعصیب کے ہے، پھر اس کو طعمۃ سے تعبیر کیا تاکہ مزید تصریح ہو کہ اس سے پہلا فرض متغیر نہ ہوگا وہ بدستور سدس ہی ہے اور رہے گا۔

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ جد کا مسئلہ انتہائی مشکلات میں سے ہے اور اس سے اصول شرع میں نظر اور قیاس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ دین میں قیاس ایک زرین اصول ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ منصوص نہیں ہوتا ہے یعنی بعض مسائل مستنبط بھی ہوتے ہیں، غیر مقلدین کو یہ نکتہ نوٹ کرلینا چاہئے کہ قیاس کتنا اہم ہے، نیز اہل قرآن کے نام سے جو لوگ انتشار پھیلاتے ہیں وہ بھی بتائیں کہ قرآن میں جد کا حصہ کیا ہے؟

''العرف الشذی'' میں ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دادا باپ کی طرح بھائیوں کے لئے حاجب بنتا ہے جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دادا بھائیوں کے ساتھ شریک ہوگا یعنی ان کا حصہ ساقط نہیں کرسکتا۔ امام صاحب کی طرح قول، ابوبکر صدیق، ابن عباس، حضرت عائشہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اور ابوداؤد اور بہت سے تابعین کا قول بھی یہی ہے کہ: ''ان الجد یسقط الاخوۃ الاخوات کالاب'' جبکہ جمہور کا مذہب وہی ہے جو صاحبین رحمہما اللہ کا ہے۔ (کذافی التحفۃ) میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مسئلہ اختلافی رہا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل المنقبت صحابی بھی اس میں بحث سے بچتے تھے۔

قال و ھذا التحذیر والو عید و ماقیل فی شانہ فی ذالك الوقت انما ھو قبل تدوین المذاھب الاربعۃ و استقرار الامر علیھا عند کل مجتھد من الائمۃ الاربعۃ و مقلدیھم ولا صعوبۃ حینئذ فی الافتاء...الخ

تفصیل کے لئے دیکھئے تحفۃ الاحوذی اسی باب کی شرح میں۔ غیر مقلدین کو ائمہ مجتہدین کے کام کی اہمیت کو تسلیم کرلینا چاہئے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مِیْرَاثِ الْجَدَّةِ

باب ۱۰: دادی کا میراث میں حصہ

(۲۰۲۶) قَالَ جَائَتِ الْجَدَّةُ اُمُّ الْاُمِّ وَاُمُّ الْاَبِ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَتْ اِنَّ ابْنَ ابْنِیْ اَوِابْنَ بِنْتِیْ مَاتَ وَقَدْ اُخْبِرْتُ

اَنَّ لِیْ فِیْ کِتَابِ اللهِ حَقًّا فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ مَا اَجِدُ لَكِ فِی الْكِتَابِ مِنْ حَقٍّ وَّمَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَضٰی لَكِ بِشَیْءٍ وَّسَاَسْاَلُ النَّاسَ قَالَ فَسَاَلَ النَّاسَ فَشَهِدَ الْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَعْطَاهَا السُّدُسَ قَالَ وَمَنْ سَمِعَ ذٰلِكَ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ فَاَعْطَاهَا السُّدُسَ ثُمَّ جَائَتِ الْجَدَّةُ الْاُخْرٰی الَّتِیْ تُخَالِفُهَا اِلٰی عُمَرَ.

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ذویب بیان کرتے ہیں دادی یا شاید نانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور بولی میرے پوتا (راوی کو شک ہے شاید) نواسہ فوت ہوگیا ہے مجھے یہ پتا چلا ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق مجھے بھی اس میں کوئی حصہ ملے گا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے بارے میں حصے کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ملا میں نے اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بھی کوئی بات نہیں سنی تاہم میں اس بارے میں تمہارے حق میں کوئی فیصلہ کرتا ہوں میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کر لیتا ہوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے یہ گواہی دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی رشتہ دار خاتون کو چھٹا حصہ عطا کیا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تمہارے ہمراہ کس نے اس حدیث کو سنا ہے؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خاتون کو چھٹا حصہ دیا تھا پھر ایک اور دادی یا نانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔

(۲۰۲۷) عَنْ قَبِیْصَةَ بْنِ ذُوَیْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَسَاَلَتْهُ مِیْرَاثًا فَقَالَ لَهَا مَالَكِ فِیْ كِتَابِ اللهِ شَیْءٌ وَمَا لَكِ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ شَیْءٌ فَارْجِعِیْ حَتّٰی اَسْاَلَ النَّاسَ فَسَاَلَ النَّاسَ فَقَالَ الْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ هَلْ مَعَكَ غَیْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِیْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَاَنْفَذَهٗ لَهَا اَبُوْ بَکْرٍ قَالَ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْاُخْرٰی اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَسَاَلَتْهُ مِیْرَاثَهَا فَقَالَ مَا لَكِ فِیْ كِتَابِ اللهِ شَیْءٌ وَلٰكِنْ هُوَ ذٰلِكَ السُّدُسُ فَاِنِ اجْتَمَعْتُمَا فِیْهِ فَهُوَ بَیْنَكُمَا وَاَیَّتُكُمَا خَلَتْ بِهٖ فَهُوَ لَهَا.

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ذویب بیان کرتے ہیں ایک دادی یا نانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے وراثت کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی تمہارے لیے کچھ نہیں ہے تم واپس جاؤ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کروں گا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا میں اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا جب آپ نے ایسی رشتہ دار خاتون کو چھٹا حصہ عطا کیا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا تمہارے علاوہ اور بھی تمہارے ساتھ کوئی اس کی گواہی دے گا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسی کی مانند ذکر کیا جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون رشتہ دار کے بارے میں اس حکم کو نافذ کر دیا۔

پھر ایک اور دادی یا نانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے اپنی وراثت کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لیے کوئی حصہ نہیں ہے لیکن یہ چھٹا حصہ ہے اگر تم دونوں اس میں اکٹھی ہو

جاتی ہو تو یہ تم دونوں کو ملے گا اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک بھی ہو تو یہ اسے مل جائے گا۔

جاءت الجدۃ ام الام او ام الاب. "نانی آئی تھی یا دادی حاضر خدمت ہوئی تھی۔"

راوی کو شک ہے قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی دادی یا نانی تھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی دادی یعنی ام الاب تھی۔

تدل علیه روایة ابن ماجه کذا فی لتلخیص. لفظه ثم جاءت التی تخالفها فی نسخه الجدۃ الاخری و فی روایة ابن ماجة ثم جاءت الجدۃ الاخریٰ من قبل الاب الی عمر رضی اللہ عنہ تسال میراثهما۔

"اس پر ابن ماجہ کی روایت دلالت کرتی ہے تلخیص میں یہ الفاظ ہیں پھر وہ دادی آئی جو اس کے مقابل ہے اور ایک نسخے میں الجدۃ الأخریٰ (یعنی دوسری دادی ہے) ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ ہے پھر دوسری دادی ہے جو باپ کی طرف سے ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے میراث پوچھنے لگی۔"

وایتکما انفردت به ای باعتبار الوجود بان لم تکن الاواحدۃ یا اس کے معنی ہیں انفردت باعتبار دنو القرابة بان تکونا اثنتین احدهما اقرب الی المیت تاخذ و تحرم الابعد۔

میراث جدات کا مسئلہ طویل ہے یہاں صرف چند امور بیان کئے جاتے ہیں جن سے ان کی میراث کا مسئلہ واضح ہو سکتا ہے۔

(1) عربی زبان میں دادی نانی کو جدہ کہا جاتا ہے۔

(2) دادی صرف باپ کی ماں مراد نہیں بلکہ دادی کی ماں کو بھی جدہ کہا جاتا ہے اسی طرح نانی سے صرف ماں کی ماں مراد نہیں بلکہ ماں کی نانی، نانی کی نانی بھی جدہ ہے۔

(3) دادیاں اور نانیاں دو قسم کی ہوتی ہیں جدہ صحیحہ اور جدہ فاسدہ، دوسری قسم ذوی الارحام میں سے ہے۔

جدۂ صحیحہ: وہ عورتیں ہیں جو میت کے سلسلۂ نسب میں داخل ہوں اور جب میت کی طرف ان کی نسبت کی جائے تو نانا درمیان میں نہ واقع ہو جیسے باپ کی ماں، باپ کی دادی، باپ کی پردادی، باپ کی نانی، باپ کی پرنانی۔

جدۂ فاسدہ: اگر نانا درمیان میں واقع ہو تو جدہ فاسدہ ہے جیسے نانا کی ماں، نانا کی دادی، نانا کی نانی وغیرہ، یہ سب ذوی الارحام میں سے ہیں۔

(4) جدہ کی مراث سدس ہے مگر اس کے وارث ہونے کی شرائط ہیں: (۱) جدہ اس وقت وارث ہوگی جب کہ وہ صحیحہ ہو۔ (۲) اگر جدہ متعدد ہوں تو ان کے وارث ہونے کے لئے متحاذیہ اور متقابلہ ہونا ضروری ہے اگر ایک جدہ دوسری جدہ کے ساتھ ہو اور ایک اوپر کے درجہ کی ہو اور دوسری نیچے کے درجہ کی تو نیچے والی محروم ہو جائے گی کیونکہ قرب درجہ باعث ترجیح ہے۔

(5) چند اصول مزید محفوظ رکھیں تاکہ میراث جدات میں تشحیذ ذہن ہو۔

اوّل: واسطہ کے ہوتے ہوئے ذو واسطہ محروم ہو جاتا ہے جیسے پوتا بیٹے کے ہوتے ہوئے محروم ہے اور دادا باپ کے ہوتے ہوئے محروم ہے ایسے ہی ماں کے سامنے نانی اور باپ کے سامنے دادی محروم ہو جائے گی اولاد ام اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے وہ ماں کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہیں۔

دوم: درجات کے مختلف ہونے کے وقت سبب کا اتحاد بھی حرمان کا سبب ہے جیسے ''دادی'' ماں کے ہوتے ہوئے محروم ہوگی اگر چہ ماں یہاں واسطہ نہیں ہے مگر اتحاد سبب کی وجہ سے دادی محروم ہوگی یعنی ان کے وارث ہونے کا سبب ماں ہونا ہے اور وہاں ماں کے اندر دادی سے زیادہ موجود ہے اسی کو اتحاد سبب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سوم: دادیاں مختلف ہوسکتی ہیں بلکہ دادی سے اوپر چار رشتوں تک چودہ جدات صحیحہ نکل سکتی ہیں جن میں سے چار نانیاں اور دس دادیاں ہوسکتی ہیں اب یہ یاد رہے کہ قربیٰ، بعدیٰ کی محرومی کا سبب جیسے نانی پر دادی کو محروم کردے گی چونکہ یہ قربیٰ ہے نیز قریب والی خواہ خود وارث ہو یا نہ ہو بہرصورت بعدیٰ کو محروم کردے گی جیسے نانی پر باپ ہوتے ہوئے محروم نہ ہوگی لیکن دادی کے ہوتے ہوئے محروم ہوجائے گی اگر چہ باپ کے ہوتے ہوئے دادی خود محجوب ہے الحاصل حاجب بننے کے لئے خود وارث ہونا ضروری نہیں بلکہ وارث و محجوب دونوں حاجت بن سکتے ہیں۔

چہارم: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جو کہ مفتیٰ بہ ہے کہ اگر چند جدات ایک درجہ کی جمع ہو جائیں اور ایک کی میت سے ایک قسم کی قرابت اور دوسری سے زیادہ تو ایسی صورت میں اصل قرابت کا لحاظ ہوتا ہے تعدد قرابت کا لحاظ نہیں البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تعدد قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اگر دو جدات ہیں ان میں سے ایک سے ایک قرابت اور دوسری سے دو قرابت تو شیخین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر سدس دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا جائے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ سدس کے تین حصوں میں سے ایک قرابت والی کو اور ۲ / ۳ دو قرابت والی کو ملے گا۔

مسئلہ: ایک عورت نے اپنے پوتے کا نکاح اپنی نواسی سے کردیا پھر اس پوتے اور نواسی سے ایک بچہ زید پیدا ہوا تو ظاہر ہے کہ دادی زید سے دو قرابت رکھتی ہے کیونکہ یہ بچہ کی پردادی بھی ہے اور نانی بھی اور اس بچہ کی ایک جدہ جو اس کی دادی کی ماں ہے تو اس سے ایک درجہ قرابت ہے شیخین رحمۃ اللہ علیہ تو اصل قرابت کو ملحوظ رکھتے ہیں نہ کہ تعدد قرابت کو خلافاً لمحمد رحمۃ اللہ علیہ کما مر۔

پنجم: ماں جدات ابویات اور امویات دونوں کو محروم کردے گی اور باپ صرف ابویات کو ساقط کرے گا امویات کو نہیں کیونکہ یہاں نہ واسطہ کا مسئلہ ہے اور نہ اتحاد سبب کا اسی طرح دادا بھی تمام ابویات کو محروم کرے گا بشرطیکہ دادا کا واسطہ ہونا ثابت ہوجائے ورنہ دادا کی موجودگی میں دادی اور پردادا کی موجودگی میں پردادی وارث ہوگی کیونکہ یہاں واسطہ نہیں اور سبب کا اتحاد بھی نہیں کیونکہ دادا کے وارث کا سبب اور ہے اور دادی کا اور ہے (یہ مذکورہ تفصیلات سراجی کی بعض شروح سے ماخوذ ہیں)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے حدیث کا مضمون واضح ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اجتماع و انفراد سے مراد حدیث مذکور میں دونوں قرابۃ و درجہ ہے۔

حدثنا الانصاری... الخ: سے روایت کا دوسرا طریق ذکر فرمایا ہے: هذا حديث حسن صحيح: اخرجه مالك و احمد و اصحاب السنن و ابن حبان و الحاكم البته قبیصہ نے ابوبکرہ کا زمانہ پایا ہے۔ كما قال ابن عبد البر و قد اعله عبد الحق تبعًا لابن حزم بالانقطاع.

و هذا اصح من حديث ابن عيينة: کیونکہ مالک اتقن و اثبت ہیں بہ نسبت سفیان بن عیینہ کے، و في الباب عن بريدة رضی اللہ عنہ اخرجه ابوداؤد النسائي.

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا

باب ۱۱: جدہ کے بیٹے کی موجودگی میں اس کا حصہ

(۲۰۲۸) قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا اِنَّهَا اَوَّلُ جَدَّةٍ اَطْعَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سُدُسًا مَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باپ کی موجودگی میں دادی کے بارے میں فرماتے ہیں سب سے پہلی دادی جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے اس کے بیٹے کی موجودگی میں فیصلہ دیا تھا اسے چھٹا حصہ دیا گیا تھا جبکہ اس کا بیٹا زندہ تھا۔

تشریح: ماں تمام جدات کے لئے حاجب ہے خواہ پدری ہوں یا مادری...... اور باپ فقط پدری جدات کے لئے حاجب ہے...... اور جد صحیح صرف ان جدات کے لئے حاجب ہے جن کے درمیان وہ واسطہ بنتا ہے، یعنی جو دادیاں جد صحیح کے واسطہ سے دادیاں ہیں وہ جد صحیح کی وجہ سے ساقط ہوں گی مگر باب کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اس حدیث میں باپ اپنی ماں کے لئے حاجب نہیں بن رہا۔

سند کی بحث: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں محمد بن سالم ہمدانی ابو سہل کوفی ہے جو ضعیف ہے اور مسئلہ میں اختلاف ہے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم باپ کو حاجب مانتے ہیں اور اس کی وجہ سے پدری جدہ کو ساقط کرتے ہیں، یہی جمہور علماء کی یعنی چاروں ائمہ کی رائے ہے اور حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے نزدیک باپ کی ماں، باپ کی موجودگی میں وارث ہوتی ہے اور اس رائے کو قاضی شریح، حسن بصری اور ابن سرین رحمہم اللہ نے لیا ہے اور اس ضعیف حدیث کی تین توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔

پہلی توجیہ: شریفیہ شرح سراجیہ میں ہے کہ میت کا باپ غلام یا کافر ہوگا اس لئے اس کو دادی کے لئے حاجب نہیں مانا ہوگا مگر یہ توجیہ دور کی کوڑی ہے۔

دوسری توجیہ: حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کی ہے کہ جدۃ کا بیٹا میت کا باپ نہیں تھا بلکہ یہ جدہ نانی تھی اور اس کا بیٹ میت کا ماموں تھا اور ماموں اپنی ماں کے لئے حاجب نہیں بنتا، یہ بہترین توجیہ ہے مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ یعنی میت کے باپ کی موجودگی میں دادی وارث ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں صحابہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ اگر یہ حدیث نانی اور ماموں سے متعلق تھی تو مسئلہ میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا۔

تیسری توجیہ: میری ناقص رائے میں یہ دادی کا بیٹا میت کا باپ تھا اور شروع اسلام میں اس حالت میں دادی کو وارث بنایا گیا تھا مگر بعد میں یہ حکم ختم ہوگیا اور جن صحابہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا وہ سابقہ رائے پر برقرار رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْخَالِ

باب ۱۲: ماموں کی میراث کے بارے میں

(۲۰۲۹) كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلٰى اَبِي عُبَيْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَوْلٰى مَنْ لَّا مَوْلٰى لَهٗ وَالْخَالُ

وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ اور اس کے رسول اس شخص کے مولی ہیں جس کا کوئی مولی نہ ہو اور ماموں اس کا وارث ہوگا جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

(۲۰۳۰) اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ماموں اس کا وارث بنے گا جس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔

تشریح: "ذوی الارحام" فقہی اصطلاح میں ان رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے جو نہ ذوی الفروض میں سے ہوں اور نہ عصبات میں سے ہوں، میت کا ترکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ میت کے عصبات یعنی جدی رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ دیا جائے گا یعنی قریبی عصبہ کو بعید کے مقابلے میں مقدم رکھا جائے گا اور اگر عصبات میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو دیا جاتا ہے۔

اقسام ذوی الارحام: ذوی الاحارم کی چار قسمیں ہیں:

(1) فرع میت (2) اصل میت (3) فرع اب میت (4) فرع جد و جدۂ میت۔

اوّل فرع میت: جو میت کی طرف منسوب ہے بیٹی و پوتی کی اولاد خواہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے اور خواہ کتنے ہی نیچے کے طبقے کے ہوں۔

دوم اصل میت: اجداد فاسدہ و جدات فاسدہ جن کی طرف خود میت منسوب ہے یعنی میت کے نانا اور جدات فاسدہ خواہ کتنے ہی اوپر کے طبقہ کے ہوں۔

سوم فرع اب وام میت: جو میت کے باپ کی طرف منسوب ہے یعنی ہر قسم کی بہنوں اور اخیافی بھائیوں کی اولاد اور عینی وعلاتی بھائیوں کی لڑکیاں۔

چہارم فرع جدۂ وجدۂ میت: جو میت کے دادا، دادی، نانا، نانی کی طرف منسوب ہے یعنی پھوپھیاں، اخیافی چچا، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد اور عینی وعلاتی چچا کی لڑکیاں (1) اگر یہ اصناف سب موجود ہوں پہلے صنف اول پھر صنف دوم پھر صنف سوم پھر صنف چہارم کو ترکہ ملے گا۔ (2) اگر مستحق صنف کے متعدد افراد موجود تو اقرب کو ترجیح ہوگی۔ (3) اگر درجہ میں برابر ہوں تو قوت قرابت کو ترجیح ہوگی۔ (4) اگر یہ سب متحد ہوں تو سب مساوی طور پر مستحق ہوں گے البتہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (النساء:۱۱) کے مطابق تقسیم ہوگا۔

مذاہب فقہاء: ذوی الارحام کے وارث ہونے کا مسئلہ: "ذوی الارحام" کو وارث قرار دیا جائے یا نہیں؟ اس میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے اختلاف چلا آرہا ہے، اکثر صحابہ کرام، حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابوعبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ اور تابعین میں سے علقمہ، نخعی، شریح، حسن، ابن سیرین رحمہم اللہ وغیرہ اور آئمہ میں سے حنفیہ اور حنابلہ اس بات کے قائل ہیں کہ ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں۔

البتہ صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت اور تابعین میں سے سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم اور فقہاء میں سے امام مالک

اور امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہیں، ایسی صورت میں اس میت کا ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔

جمہور کا آیات اور احادیث سے استدلال: ① ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ (النساء:۷) (ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی) اس میں رجال، نساء اور اقربون کے الفاظ "ذوی الارحام" کو بھی شامل ہیں۔

② حدیث باب جس میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کو تیر سے قتل کر دیا، اس مقتول کا ماموں کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تھا، یہ مسئلہ حضرت ابوعبید سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان کی طرف بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول اس شخص کے منتظم ہیں جس کا کوئی منتظم نہ ہو اور ماموں اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔ مذکورہ آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوی الارحام کو ذوی الفروض اور عصبہ نہ ہونے کی صورت میں میراث سے حصہ دیا جاتا ہے یہی جمہور کا موقف ہے اور اسی پر امت کا تعامل چلا آرہا ہے۔

شافعیہ کے دلائل: ① اللہ تعالیٰ نے آیات میراث میں صرف ذوی الفروض اور عصبات کے حصے بیان فرمائے ہیں، ذوی الارحام کا کوئی حصہ ذکر نہیں کیا، اگر ان کا کوئی حصہ ہوتا تو اسے ضرور بیان کیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

② حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے اور انہوں نے بتایا کہ پھوپھی اور خالہ کے لیے میراث نہیں ہے۔

دلائل کا جواب: ① آیات میراث میں گوکہ ذوی الارحام کا ذکر صراحۃً نہیں ہے لیکن اس سے ان کے وارث بننے کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ اولوا الارحام والی آیت اور مذکورہ احادیث میں ان کے وارث ہونے کا واضح ثبوت ہے، نیز احکام میراث حالات کے اعتبار سے تغیر وتبدل کے ساتھ بتدریج نازل ہوئے ہیں، ایسے میں کسی حکم کا آیات میراث میں نہ ہونا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ وہ حکم ثابت نہیں ہے۔

② جمہور اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ﴾ (الانفال:۷۵) والی آیت کریمہ کے نزول سے پہلے کی ہو، یا اس کی مراد یہ ہے کہ پھوپھی اور خالہ اس وقت وارث نہیں ہوں گی جب میت کے ذوی الفروض اور عصبہ رشتہ داروں میں کوئی موجود ہو ورنہ ہوں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يَمُوتُ وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ

باب ۱۳: اس شخص (کی میراث کے حکم) کے بارے میں ہے جو مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو

(۲۰۳۱) أَنَّ مَوْلًى لِلنَّبِيِّ ﷺ وَقَعَ مِنْ عِذْقِ نَخْلَةٍ فَمَاتَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ انْظُرُوا أَهْلَ لَهُ مِنْ وَارِثٍ قَالُوا لَا قَالَ

فَادْفَعُوْهُ اِلٰى بَعْضِ اَهْلِ الْقَرْيَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ ایک غلام کھجور کے درخت سے گر کر فوت ہو گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو اس کا کوئی وارث ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کوئی نہیں ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کا مال اس کی بستی والوں کو دے دو۔

تشریح: ترکہ سے ترتیب وار چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، سب سے پہلے ترکہ سے میت کا کفن دفن کیا جاتا ہے، پھر باقی سے میت کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے، پھر باقی کے تہائی سے میت کی وصیت نافذ کی جاتی ہے، پھر باقی ماندہ ترکہ میت کے وارثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ورثاء میں پہلا نمبر ذوی الفروض کا ہے، پھر عصبہ نسبی کا، پھر عصبہ سبی کا، پھر ذوی الارحام کا، پھر مولی الموالات کا، یعنی جس سے میت نے دوستی کی ہو، احناف کے نزدیک میراث میں یہ عقد معتبر ہے اور شوافع کے نزدیک معتبر نہیں، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو وہ شخص وارث ہوگا جس کے لئے میت نے اپنے غیر سے نسب کا اقرار کیا، مثلاً یہ کہا ہے کہ وہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے اور موت تک وہ اپنے اقرار پر برقرار رہا ہے، پھر اگر مذکورہ ورثاء میں سے کوئی نہ ہو اور میت نے کسی کے لئے تہائی سے زائد کی یا سارے ترکہ کی وصیت کی ہے تو وہ زائد یا سارا ترکہ موصی کو دیا جائے گا اور اگر وہ بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال میں یعنی اسلامی حکومت کے خزانہ میں رکھ دیا جائے گا جو غریبوں پر خرچ ہوگا۔

کیا انبیاء علیہم السلام وارث ہوتے ہیں؟

اس بات میں تو جمہور کا اتفاق ہے کہ انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اگر کوئی نبی مال چھوڑ کر جائے تو وہ رشتہ داروں میں بطور میراث تقسیم نہیں ہوتا بلکہ وہ غرباء اور مساکین پر صدقہ کرنے کا حکم ہے، انبیاء کی وراثت مال میں نہیں، علم میں جاری ہوتی ہے، چنانچہ قرآن میں جہاں بھی انبیاء کے ذکر میں وراثت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے وراثت مال نہیں بلکہ وراثت علم مراد ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز و اقارب کے وارث ہوتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں دو نکتے پیش نظر ہیں:

① شافعیہ، مالکیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز و اقارب کے وارث ہو سکتے ہیں، دلیل میں دو باتیں ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) حدیث میں لانورث (ہم وارث نہیں بناتے) کے الفاظ ثابت ہیں لیکن لانرث کا لفظ (ہم وارث نہیں ہوتے) ثابت نہیں، یہ کسی راوی کا تصرف ہے، اس لئے "لانرث ولا نورث" والی حدیث سے اس بات پر استدلال کرنا انبیاء وارث نہیں ہوتے، درست نہیں۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ ترکہ میں کچھ غلام اور بکریاں چھوڑ گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں والد کی میراث سے ملی تھیں۔

ان دلائل سے استدلال کر کے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز و اقارب کے وارث ہوتے ہیں۔

② حنفیہ اور دیگر حضرات کے نزدیک حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے عزیز و اقارب کے وارث نہیں ہوتے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث (ہم یعنی انبیاء علیہم السلام کی جماعت نہ وارث ہوتے ہیں

اور نہ وارث بناتے ہیں) یہ حدیث صحیح ہے، اسی مسلک پر اکثر حضرات کا اتفاق ہے، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا عمل بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کو اپنے والد سے میراث چونکہ نبی بننے سے پہلے ملی تھی، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

لغات: مولی: آزاد کردہ غلام۔ وقع: گر گئے۔ عذق: (عین کے نیچے زیر اور ذال کے سکون کے ساتھ) شاخوں والی ٹہنی اور اگر عین پر زبر ہو تو اس کے معنی ''کھجور کے پھل دار درخت'' کے ہوتے ہیں۔ عذق نخلة: العذق بالفتح النخله و بالکسر العرجون بمافیه من الشماریخ اور اس کی جمع عذاق آتی ہے کھجور کا ایسا درست جو شاخوں والا ہو یا شاخ ہی مراد ہو۔

بَابُ فِیْ مِیْرَاثِ الْمَوْلَی الْاَسْفَلِ

باب ۱۴: آزاد شدہ کا میراث میں حصہ

(۲۰۳۲) اَنَّ رَجُلًا مَاتَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا اِلَّا عَبْدًا هُوَ اَعْتَقَهُ فَاَعْطَاهُ النَّبِيُّ ﷺ مِيْرَاثَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص فوت ہو گیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا صرف ایک غلام تھا جسے اس نے آزاد کیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی وراثت اس غلام کو دے دی۔

تشریح: جمہور فقہاء فرماتے ہیں عتیق معتق کا وارث نہیں ہوتا اور معتق عتیق کا وارث ہوتا ہے، اگر اس کا کوئی رشتہ دار زندہ نہ ہو تو اس کا ترکہ مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا تاکہ مسلم حکمران مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں اسے صرف کر سکے، قاضی شریح اور حضرت طاؤس نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر کہا کہ جس طرح آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہوتا ہے، ایسے ہی آزاد شدہ بھی اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہو سکتا ہے کمافی عکسه۔

چنانچہ حدیث باب میں بھی نبی کریم ﷺ نے مرحوم آقا کے آزاد کردہ غلام کو اس کا ترکہ تبرع اور احسان کے طور پر اسی وجہ سے دیا کہ وہ مستحق تھا، اس وجہ سے نہیں دیا کہ وہ غلام مرحوم آقا کے ترکہ کا وارث ہے۔

قال اللگنکوهی دفعه هذا لاستحقاقه من بیت المال لا توریثًا۔ وہ ممالک اور علاقے جہاں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال نہ ہو یا بیت المال کا نظام اسلامی نہ ہو وہاں اس قسم کے مال کو مساجد و مدارس کی ضروریات میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اِبْطَالِ الْمِیْرَاثِ بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْکَافِرِ

باب ۱۵: مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

(۲۰۳۳) لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا اور کوئی کافر

کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

تشریح: موانع ارث چار ہیں: غلامی، قتل، اختلاف دین اور اختلاف ملک (صرف کفار کے حق میں) غلام خواہ کسی طرح کا ہو وارث نہیں ہوتا اور قاتل بھی مقتول کا وارث نہیں ہوتا اور قتل کی پانچ قسمیں ہیں، عمد، شبہ عمد، خطا، شبہ، خطا اور قتل بالسبب، پہلی چاروں قسموں میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان میں قصاص یا کفارہ واجب ہوتا ہے، اور پانچویں قسم (قتل بالسبب) میں قاتل وارثت سے محروم نہیں ہوتا۔ (تفصیل طرازی شرح سراجی ص:19 کے حاشیہ میں ہے)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کو وارث نہیں ہوسکتا اسی طرح مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ہے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین وغیرہ اسی کے قائل ہیں البتہ بعض حضرات معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابن المسیب رضی اللہ عنہ اور مسروق رضی اللہ عنہ وغیرہ ہے۔

قائلین توریث نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ علیہ" سے استدلال کیا۔

جمہور رحمۃ اللہ علیہ جواب میں فرماتے ہیں کہ اس روایت سے مقصود فضیلت اسلام کو بیان کرنا ہے میراث مقصود نہیں جبکہ روایت الباب جمہور علماء کا صریح مستدل ہے، لعل ھذا الطائفة لم یبلغھا ھذا الحدیث.

اختلف اھل العلم فی توریث المرتد...الخ: اس پر اجماع ہے کہ مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا البتہ مرتد کے مال کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں۔

مذاہب فقہاء:۔(1) امام شافعی و ربیعہ و ابن لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مال فئی للمسلمین ہوگا۔

(2) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مال مسلمانوں کے لئے ہے البتہ اگر مرتد نے اس لئے ارتداد کو اختیار کیا ہو، تا کہ ورثہ کو محروم کردے تو پھر ورثہ محروم نہ ہوں گے بلکہ ان کو وارث بنایا جائے گا۔

(3) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتد کا مال ورثہ مسلمین کو دیا جائے گا۔ علقمہ اور بعض تابعین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس کے مال کے مستحق وہ اہل دین ہوں گے جن کے دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے قال داؤد الظاہری یختص بورثة من اھل الدین الذی انتقل الیہ۔

(4) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتد تو حکماً میت ہے تو اس کی موت کا حکم وقت ردت کی طرف منسوب ہوگا لہٰذا ردت اختیار کرنے تک تو مسلمان تھا اب مرتد ہو کر وہ میت ہوگیا تو اب تک کا جو مال اس کے پاس ہے وہ بحالت اسلام کمایا ہوا ہے تو ورثہ مسلمین اس کے وارث ہوں گے کیونکہ یہ توریث المسلم للمسلم ہوئی اور ردۃ کے بعد جو مال اس نے حاصل کیا وہ کفر کی حالت کا ہے اب مسلمان کو اس وارث نہیں بنایا جائے گا ورنہ توریث المسلم للکافر لازم آئے گا بلکہ اس کا مال بیت المال میں جمع کردیا جائے گا۔

فائدہ: یہ حکم مرتد مرد کے مال کے بارے میں ہے اور مرتدہ کے بارے میں اجماع ہے کہ اس کا مال جو بحالت اسلام ہو یا بحالت ارتداد ورثہ مسلمین کا ہے۔ لانھا لا تقتل عندنا بل تحبس حتی تسلم او تموت۔

*

بَابُ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ

باب ۱۶: دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے

(۲۰۳۴) لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں دو مذہبوں سے تعلق رکھنے والے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

مذاہب فقہاء: ① **احناف اور شوافع کے نزدیک:** اسلام کے علاوہ سارے مذاہب ایک ملت ہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں لکھا ہے: الکفر ملة واحدة یتوارثون به: یعنی اسلام کا انکار کرنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ کفر کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

② امام مالک رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ الگ الگ ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور مشرکین اور مورتیاں پوجنے والے سب ایک ملت ہیں، پس وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باب کی حدیث میں احناف کے نزدیک دو ملتوں سے کفر و اسلام مراد ہیں، پس اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو گذشتہ باب کی حدیث کا ہے اور یہاں مصری نسخہ میں باب ہے جو بڑھایا گیا ہے۔ اور ابوداؤد (حدیث 2911) میں بھی یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اعتراض: غیر مذہب والوں کی توریث سے اسلام کو کیا لینا ہے؟ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں یا نہ ہوں، یہ اسلامی مسئلہ نہیں ہے، پھر وہ حدیثوں میں کیوں زیر بحث آیا ہے؟

جواب: غیر مذہب کے لوگ بھی اسلامی مملکت کے شہری ہوتے ہیں اور وارث اور مورث میں سے ایک اسلامی ملک کا شہری ہو اور دوسرا دارالکفر کا شہری ہو ایسا بھی ہوتا ہے، پس انتظام مملکت کی حیثیت سے اسلامی حکومت کو یہ مسئلہ درپیش آسکتا ہے، اس لئے اس مسئلہ سے بحث ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمِيرَاثَ لِلْوَرَثَةِ وَالْعَقْلَ عَلَى الْعَصَبَةِ

باب ۱۷: میراث ورثاء کے لئے ہے اور دیت خاندان پر ہے

(۲۰۳۵) الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قاتل وارث نہیں بنے گا۔

---*---

باب

باب ۱۸: اسی سے متعلق باب

(۲۰۳۶) قَالَ عُمَرُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْاَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا فَاَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيُّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنْ وَرِّثِ امْرَاَةَ اَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا.

ترجمہ: سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے دیت کی ادائیگی خاندان کے ذمے ہوگی اور کوئی بھی عورت اپنے شوہر کی دیت میں سے کسی چیز کی وارث نہیں ہوگی تو ضحاک بن سفیان کلابی نے انہیں یہ بات بتائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خط میں لکھا تھا وہ اشیم ضبابی کی اہلیہ کو ان کے شوہر کی دیت میں وارث بنائیں۔

باب

باب ۱۹: اسی کے متعلق باب

(۲۰۳۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَضٰى فِيْ جَنِيْنِ امْرَاَةٍ مِّنْ بَنِيْ لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ ثُمَّ اِنَّ الْمَرْاَةَ الَّتِيْ قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنَّ مِيْرَاثَهَا لِبَنِيْهَا وَزَوْجِهَا وَاَنَّ عَقْلَهَا عَلٰى عَصَبَتِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنولحیان سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں ایک غلام یا کنیز تاوان کے طور پر ادا کرنے کا فیصلہ کیا تھا جو بچہ مردہ پیدا ہوا تھا پھر جس عورت کے خلاف تاوان کی ادائیگی کا فیصلہ دیا گیا تھا اس کا انتقال ہوگیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کی وراثت اس کے بچوں اور شوہر کو ملے گی اور اس کیطرف سے دیت کی ادائیگی اس کے خاندان والوں کے ذمے لازم ہوگی۔

تشریح: یہ مسئلہ اجماعی ہے ابواب الدیات باب 15، حدیث 1395) میں گزر چکا ہے کہ میراث کے حق دار ورثاء ہیں اور دیت خاندان پر ہوتی ہے، اگرچہ بات الغنم بالغرم کے خلاف ہے، یعنی ضابطہ یہ ہے کہ جو تاوان بھرے وہی فائدہ اٹھائے، جب خاندان نے دیت ادا کی ہے تو میراث بھی ان کو ملنی چاہئے، مگر مسئلہ یہ نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنولحیان کی ایک عورت کے پیٹ کی بچہ کے بارے میں جو مردہ گر گیا تھا غرہ کا فیصلہ فرمایا، یعنی ایک بردہ (غلام یا باندی) ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ دیت ڈنڈا مارنے والی عورت کے عاقلہ پر لازم کی پھر جب اس عورت کی وفات ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور شوہر کے لئے ہے، اور اس کی دیت اس کے خاندان پر ہے۔

اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ وراثت کی بنیاد تعاون، تناصر اور ہمدردی پر ہے اور خاندان کے لوگ ہی ایک دوسرے کو نفع وضرر کو اپنا نفع وضرر سمجھتے ہیں اور وہی ایک دوسرے کی ہر طرح مدد کرتے ہیں، اس لئے وہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور دیت کا مدار ہاتھ پکڑنے پر ہے یعنی برائی سے روکنے پر ہے، پس جو لوگ گناہ کرنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہیں وہی اگر گناہ سے نہیں روکیں گے تو

سزا بھگتیں گے اور وہ سزا یہ ہے کہ ان کو دیت ادا کرنی ہوگی اور ظاہر ہے یہ طاقت قبیلہ ہی میں ہوتی ہے اس لئے دیت ان پر لازم ہوتی ہے، غرض میراث اور دیت کی جہتیں مختلف ہیں اس لئے احکام بھی مختلف ہیں۔

مقتول شوہر کی بیوی دیت میں بھی وارث ہوگی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابتداء میں یہ نظریہ تھا کہ اگر کوئی شخص قتل ہو جائے تو اس کی بیوی کو دیت میں سے بطور میراث کے کچھ نہیں دیا جائے گا، ان کا منشا یہ تھا کہ دیت ''عاقلہ'' سے وصول کی جاتی ہے اور عاقلہ میں صرف مرد داخل ہوتے ہیں، خواتین نہیں۔ لہٰذا جب دیت دینے میں خواتین شامل نہیں تو لینے میں کیوں ہوں لیکن پھر جب حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اشیم ضبابی غلطی سے قتل ہو گئے تھے تو آپ نے حکم دیا کہ اس کی دیت میں اس کی بیوی کو بھی وارث بناؤ۔ یہ حدیث سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور بیوی کو شوہر کی دیت میں سے حصہ دار بنانے لگے، چنانچہ اب تمام فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ دیت میں مقتول کے تمام وارث حقدار ہوتے ہیں خواہ رشتہ دار مرد ہوں یا خواتین، لہٰذا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مقتول شوہر کی بیوی دیت میں دیگر رشتہ داروں کی طرح وارث ہوگی، اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ اسے ملے گا۔

اعتراض: یہ ہے کہ عاقلہ کون لوگ ہوں گے؟ خاص طور پر ہمارے زمانے میں یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے، جب قبائلی زندگی کا رواج تھا اس وقت تو عاقلہ کا تعین آسان تھا کہ قبیلے کے لوگ آپس میں قریب قریب رہتے تھے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون وتناصر اور مدد ونصرت کا سلسلہ رہتا تھا لیکن موجودہ دور میں اور خاص طور پر شہری زندگی میں عاقلہ کس کو قرار دیا جائے؟

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عاقلہ ہونے کا دارومدار آپس میں مدد ونصرت پر ہے لہٰذا جن لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کی مدد کا سلسلہ ہو، وہ اس کی عاقلہ ہے اور جہاں قبائلی نظام منظم ہو اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے تو ایسی صورت میں وہ قبیلہ ہی اس کا عاقلہ ہوگا اور اگر قبیلہ نہیں ہے لیکن منظم برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ''ٹریڈ یونین'' ہوتی ہے اور اس کے درمیان آپس میں مدد ونصرت کا سلسلہ ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہو سکتی ہے، اس کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا تھا، اس میں ''اہل دیوان'' کو عاقلہ مقرر کیا تھا، اہل دیوان کا مطلب یہ ہے کہ جن کے نام ایک رجسٹر میں درج ہوں۔ مثلاً ایک ہی محکمے کے ملازم ہیں، یا مثلاً ایک فوجی یونٹ کے سپاہی ہیں، ان سب کو آپس میں ایک دوسرے کی عاقلہ قرار دے دیا تھا، چاہے قبیلے کے اعتبار سے وہ متحد ہوں یا نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مدار مدد ونصرت پر ہے جس گروہ کے درمیان پیشے اور کاروبار وغیرہ کے اعتبار سے باہم تعاون پایا جائے گا، اس کو اس کی عاقلہ کہہ سکتے ہیں اور اگر اس طرح کا کوئی سلسلہ نہ ہو تو پھر اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی جبکہ اس میں گنجائش ہو، اس میں گنجائش نہ ہو تو پھر قاتل کے مال میں ہی دیت لازم ہوگی۔

یہ دیت عاقلہ پر اس لئے واجب ہوتی ہے تاکہ وہ اس کو اس قسم کے جرائم کے ارتکاب سے باز رکھے اور اس کی تربیت اس طرح کرے کہ وہ قتل پر آمادہ نہ ہو اور اگر کبھی وہ قتل پر آمادہ ہو جائے تو عاقلہ اسے منع کرے، یہ دیت تین سال میں وصول کی جائے گی اور ایک سال میں ایک آدمی سے تین درہم سے زیادہ وصول نہیں کئے جائیں گے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرَّجُلِ یُسْلِمُ عَلٰی یَدَیِ الرَّجُلِ

باب ۲۰: جو کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کا حکم

(۲۰۳۸) سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَىْ رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ اَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهٖ.

ترجمہ: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا وہ مشرک شخص جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیتا ہے اس کے بارے میں حکم کیا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کی زندگی اور موت میں دیگر سب لوگوں کے مقابلے میں وہ زیادہ مستحق ہوگا۔

باب

باب ۲۱: اسی سے متعلق دوسرا باب

(۲۰۳۹) اَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ اَوْ اَمَةٍ فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنَا لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر کوئی شخص کسی آزاد عورت یا کسی کنیز کے ساتھ زنا کرے تو بچہ ولد الزنا شمار ہوگا نہ وہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ کوئی اس کا وارث ہوگا۔

مولی الموالات کی میراث؟

اس باب میں مولی الموالات کی میراث کا مسئلہ ہے، موالات ایک خاص قسم کی دوستی کا نام ہے اور وہ اس طرح کی جاتی ہے کہ جس کا کوئی والی وارث نہ ہو، دوسرے سے کہے: آپ میرے مولیٰ (ذمہ دار) بن جائیں، میں آپ کو اپنا وارث بناتا ہوں، اگر مجھ سے کوئی موجب دیت امر سرزد ہو تو آپ دیت دیں، دوسرا اس کو قبول کرے۔ یہ ''عقد موالات'' ہے اور قبول کرنے والا ''مولی الموالات'' ہے (یہ عقد جانبین سے بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں دونوں ایک دوسرے کے مولی الموالات اور وارث ہوں گے) یہ عقد احناف کے نزدیک معتبر ہے، شوافع کے نزدیک معتبر نہیں اور اس عقد کے چند شرائط ہیں۔ موالات کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ موالات کرنے والا آزاد، عاقل، بالغ ہو، وہ کسی کا آزاد کیا ہوا نہ ہو، نہ پہلے کسی سے عقد موالات کرچکا ہو اور عقد میں دیت اور وراثت کی صراحت ہو اور موالات قبول کرنے کے لئے صرف عاقل ہونا شرط ہے۔

اس عقد کا ذکر سورۃ النساء آیت ۳۳ میں ہے:

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ﴾ (النساء: ۳۳)

ترجمہ: اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، ہم وارث مقرر کردیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دو۔''

یعنی اگر ورثاء موجود ہوں تو عقد موالات غیر معتبر ہے، رشتہ دار ہی وارث ہوں گے، اور اگر کوئی وارث نہ ہو اور میت نے کسی سے عقد موالات کر رکھا ہو تو میراث کا وہی حقدار ہوگا، حدیث میں ضابطہ ہے: الغنم بالغرم: نفع بعوض تاوان ہے۔

مسئلہ: اور جب کوئی شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ خاندان سے جدا ہو جاتا ہے اور بے آسرا رہ جاتا ہے، چنانچہ وہ اس مسلمان سے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے یہ عقد کر لیتا ہے، پس اگر اس نومسلم نے ایسا عقد کیا ہو تو وہ اصلی مسلمان جبکہ اس نومسلم کا کوئی بھی وارث نہ ہو وارث ہوگا، یہ احناف کا مسلک ہے۔

تشریح: اس حدیث سے مولی الموالات کی توریث ثابت ہوتی ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے اور جو حضرات توریث کے قائل نہیں وہ ایک دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: انما الولاء لمن اعتق: ولاء (میراث) صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے حصر کر دیا ہے، پس مولی الموالات وارث نہیں ہوگا یعنی جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس شخص کو اس نومسلم کی میراث ملے گی، کیونکہ ولاء آزاد کرنے والے ہی کے لئے ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اس حدیث میں جس ولاء (میراث) کا حصر کیا گیا ہے وہ ولاء عتاقہ ہے، یعنی آزاد کرنے کی وجہ سے جو میراث ملتی ہے وہ صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے اور مولی الموالات کو جو میراث ملتی ہے اس کی بنیاد دوسری ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کرنے والے نے اس نومسلم کو کفر سے نکالا ہے اور اسلام میں داخل کیا ہے، پس گویا اس نے مردہ کو زندہ کیا ہے پھر اس نومسلم نے اس مسلمان کرنے والے کے ساتھ عقد موالات کیا ہے اور وہ اس نومسلم کی زندگی بھر مدد کرتا رہا اور قاعدہ ہے: الغرم بالغنم: اس لئے وہ مسلمان اس نومسلم کی زندگی اور موت میں اس سے سب سے زیادہ قریب ہے اس لئے جب اس نومسلم کا کوئی بھی وارث نہیں ہوگا تو میراث بیت المال میں نہیں رکھی جائے گی بلکہ اس مسلمان کرنے والے کو ملے گی کیونکہ اس کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں: مولی الموالات وارث نہیں ہوگا، پس ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ ان کے نزدیک قرآن کا مذکورہ حکم آیت پاک ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (الانفال:۷۵) سے منسوخ ہو گیا ہے (سورۃ الانفال آخری آیت) اور باب کی حدیث کے بارے میں وہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

سند: ① یہ روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن موہب روایت کرتے ہیں، یہی نام صحیح ہے اور بعض رواۃ عبداللہ بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ صحیح نہیں۔

② یہ روایت عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن موہب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس کی ایک دوسری سند ابوداؤد (حدیث 2918) میں ہے، عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن موہب سے سنا، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث روایت کر رہے تھے، قبیصۃ بن ذویب سے روایت کرتے ہوئے، پھر امام ابوداؤد کے استاذ ہشام بن عمار کہتے ہیں: عن تمیم الداری۔ اور دوسرے استاذ یزید بن خالد کہتے ہیں: ان تمیماً: یعنی پہلے استاذ کی روایت میں قبیصہ حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے استاذ کی روایت میں قبیصہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں، تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت نہیں کرتے، یہی یحیی بن حمزہ کی روایت ہے جس کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے حوالہ دیا ہے، پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ حدیث متصل نہیں، کیونکہ قبیصہ اور عبداللہ بن موہب کی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کتاب الفرائض

باب 22 میں فرمایا ہے: یذکر عن تمیم الداری، رفعه، قال: هو اولی الناس بمحیاه و مماته واختلفوا فی صحة الخبر: یعنی تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ مسلمان جس کے ہاتھ پر کسی نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس نومسلم کی زندگی اور موت میں لوگوں میں سب سے زیادہ قریب ہی،، اور محدثین میں اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے (اکثر محدثین جیسے امام ترمذی اور امام بخاری حدیث کو صحیح نہیں مانتے، چنانچہ امام بخاری نے یذکر فعل مجہول استعمال کیا اور ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں: هذا حدیث حسن متصل، لم ار احداً من اهل العلم یدفعه (بذل مجھود 10:931 طبع جدید) چنانچہ بعض حضرات اس کو وارث قرار نہیں دیتے اور اس کا ترکہ بیت المال میں داخل کرتے ہیں اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

ملحوظہ: شریفیہ شرح سراجی کے حواشی میں ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ: الرجل یسلم علی یدی و یوالینی۔ یعنی ایک آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے اور میرے ساتھ موالات کرتا ہے۔ الخ، یہ قید ملحوظ رہنی چاہئے، صرف مسلمان کرنے سے احناف کے نزدیک وارث نہیں ہوگا، بلکہ جب عقد موالات کرے گا تب قرآن کریم کی رو سے وارث ہوگا اور قرآن کریم کے اس حکم کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور سورۃ الانفال کی آخری آیت اس نومسلم کے بارے میں ہے جس کے مسلمان ورثاء ہیں اور زیر بحث مسئلہ اس نومسلم کا ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے اور اس نے جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا موالات کر رکھی ہے اور یہ حدیث جیسی بھی ہے اس بات کی تائید کرتی ہے کہ وہ حکم باقی ہے۔

ولد الزنا کا حکم:

زنا کی وجہ سے جو بچہ پیدا ہو وہ نہ تو زنا کرنے والے کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے کسی رشتہ دار کی میراث اسے ملتی ہے کیونکہ وراثت نسب کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے جبکہ ولد الزنا اور زنا کرنے والے کے درمیان نسب کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اسی طرح زانی اور اس کے رشتہ دار اس بچے کی میراث نہیں پاسکتے، البتہ ولد الزنا کی ماں اس کی وارث ہوتی ہے اور ایسے ہی وہ اپنی ماں کی میراث کا مستحق ہوتا ہے۔

لغات: ما السنة: کیا سنت ہے، کیا حکم ہے۔ یسلم: اسلام قبول کرتا ہے۔ علی یدی الرجل: مسلمان کے ہاتھ پر۔ هو اولی: وہ زیادہ حقدار اور لائق ہے۔ بمحیاه: اس کی زندگی میں۔ عاهر: زنا کرے۔ لا یورث (راء پر زبر کے ساتھ): اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا۔

بَابُ مَنْ يَرِثُ الْوَلَاءَ

باب ۲۲: اس شخص کے بارے میں ہے جو ولاء کا وارث ہوتا ہے

(۲۰۴۰) يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَّرِثُ الْمَالَ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ولاء کا وارث وہ شخص بنے گا جو مال کا وارث ہوگا۔

باب

باب ۲۳:

(۲۰۴۱) اَلْمَرْاَةُ تَحُوْزُ ثَلَاثَةَ مَوَارِيْثَ عَتِيْقَهَا وَلَقِيْطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِیْ لَاعَنَتْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت تین (قسم کے) ترکوں کی وارث ہوتی ہے اپنے آزاد کیے ہوئے غلام کے ترکے کی جس بچے کو اس نے اٹھا کر پالا ہو اس کی (وارث بنتی ہے) اور اس کی وہ اولاد جس کے حوالے سے اس نے اپنے شوہر کے ساتھ لعان کیا ہو۔

تشریح: ولاء کی وراثت کا مسئلہ:

ولاء العتق اس سے مراد ہے کسی کا آزاد کردہ غلام مرجائے اگر اس کے ذوی الفروض اور عصبات نسبی نہ ہوں تو پھر معتق آزاد کنندہ اس کا عصبی سببی ہے وہ وارث ہوگا اور اگر معتق نہ ہو تو معتق کے ورثہ کو اس کی میراث ملے گی لیکن اس ورثہ کا عصبات نسبی ہونا ضروری ہے اور عصبات نسبی کا بھی مذکر ہونا ضروری ہے مؤنث رشتہ دار کو یہ میراث نہیں ملے گی کیونکہ عورتیں صرف اپنے آزاد کردہ یا آزاد کردہ کے آزاد کردہ سے وراثت پاسکتی ہیں یعنی جس غلام کو اس نے آزاد کیا اس کی میراث عورت حاصل کرسکتی ہے۔

لقولہ: علیہ السلام الولاء لمن اعتق:

لقیطها: یعنی عورت نے جو بچہ راستہ سے اٹھایا یا اس کی پرورش کی اب انتقال کرگیا تو اس کا مال اس ملتقطہ کو دیا جائے گا اسحاق بن راہوہ اسی کے قائل ہیں البتہ جمہور امت نے فرمایا کہ لقیط کی میراث ملتقط کو نہیں دی جائے گی بلکہ بیت المال میں جمع کردی جائے گی چونکہ لقیط بچہ آزاد ہوتا ہے اور آزاد کی کوئی ولاء نہیں ہوتی میراث کا استحقاق یا تو نسب سے ہے یا آزاد کرنے سے اور ظاہر ہے کہ لقیط و ملتقط کے درمیان نہ نسب ہے اور نہ آزاد کرنے کے معنی فلا میراث اسحاق ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث الباب سے استدلال کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں یا روایت کے معنی یہ ہیں کہ اصل تو اس میت کا مال بیت المال میں جانا چاہئے اور مصالح مسلمین میں خرچ کیا جانا چاہئے مگر یہ عورت جس نے اس کو پالا ہے اس کے زیادہ قریب ہے اس لئے اس کو دینا بہتر ہے۔

ولدها التی لاعنت عنه: یعنی جس بچہ کے بارے میں اس نے لعان کیا ہے اس کی وراثت بھی اس عورت کو ملے گی کیونکہ اس بچہ کا نسب اس عورت سے ثابت ہے۔ تحقیق لغوی: الولاء: بفتح الواؤ تحوز: عورت جمع کرسکتی ہے۔ مواریث میراث کی جمع ہے، ترکہ، متروکہ مال۔ عتیق: آزاد کردہ۔ لقیط: راستے سے اٹھایا ہوا بچہ۔ لاعنت عنه: جس بچے کی وجہ سے اس عورت نے لعان کیا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْوَصِیَّۃِ بِالثُّلُثِ

باب ۱: تہائی مال کی وصیت کا حکم

(۲۰۴۲) مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا اَشْفَیْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَاَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَعُوْدُنِیْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ مَالًا كَثِیْرًا وَلَیْسَ یَرِثُنِیْ اِلَّا ابْنَتِیْ فَاُوْصِیْ بِمَالِیْ كُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثَیْ مَالِیْ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِیْرٌ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْ وَرَثَتَكَ اَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً یَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً اِلَّا اُجِرْتَ فِیْهَا حَتّٰى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِیْ امْرَاَتِكَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُخَلَّفُ عَنْ هِجْرَتِیْ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِیْ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تُرِیْدُ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا ازْدَدْتَ بِهٖ رِفْعَةً وَدَرَجَةً وَلَعَلَّكَ اِنْ تُخَلَّفَ حَتّٰى یَنْتَفِعَ بِكَ اَقْوَامٌ وَیُضَرَّ بِكَ اٰخَرُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَمْضِ لِاَصْحَابِیْ هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ لٰكِنَّ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ یَرْثِیْ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.

ترجمہ: عامر بن سعد اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں غزوہ فتح مکہ کے سال میں بیمار ہو گیا اتنا بیمار ہوا کہ موت کے قریب پہنچ گیا نبی اکرم ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت سا مال ہے اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے کیا میں اپنے تمام مال کی (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے) کی وصیت کر دوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں نے میں نے عرض کی اپنے دو تہائی مال کے بارے میں وصیت کر دوں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی نصف مال کے بارے میں کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کی ایک تہائی کے بارے میں کر دوں آپ ﷺ نے فرمایا ایک تہائی کے بارے میں کر دو ویسے ایک تہائی بھی زیادہ ہے تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تم انہیں غریب چھوڑ کر جاؤ اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر

ملے گا یہاں تک کہ جو کچھ بھی تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے (تمہیں اس کا بھی اجر ملے گا)۔

راوی بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا میں اپنی ہجرت میں پیچھے رہ جاؤں گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم میرے بعد بھی زندہ رہو گے اور ایسا عمل کرو گے جس کے ذریعے تم اللہ کی رضا چاہو گے اس کے نتیجے میں تمہاری قدر و منزلت اور مرتبے میں اضافہ ہوگا ہوسکتا ہے تم میرے بعد بھی زندہ رہو اور بہت سے لوگ تم سے نفع حاصل کریں اور بہت سے لوگوں کو تمہارے ذریعے نقصان حاصل ہو (پھر آپ ﷺ نے دعا کی) اے اللہ میرے ساتھیوں کی ہجرت کو برقرار رکھ اور انہیں ایڑھیوں کے بل واپس نہ لوٹا۔

تشریح: وصیت کا حکم اور اس کے اقسام:

جمہور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بعض موقع پر وصیت واجب ہے جبکہ اس کے ذمہ قرض ہو یا امانات ہوں یا کوئی حق واجب ہو خواہ وہ حق اللہ یا حق العبد ہو خواہ حق وارث ہو یا حق غیر وارث ہو اور اگر کوئی واجب نہ ہو تو وصیت واجب نہیں بھی اسی کے قائل ہیں۔

داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ اقرباء جو اس کی میراث کے حق دار نہ ہوں ان کے لئے بہرصورت وصیت واجب ہے ابن جریر، مسروق، قتادہ رضی اللہ عنہ طاؤس بھی اسی کے قائل ہیں۔ داؤد ظاہری وغیرہ نے آیت شریفہ

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨ الْوَصِيَّةُ ... الآية﴾ (البقرہ:۱۸۰)

"تمہارے اُوپر وصیت کو فرض کر دیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچے اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہے اچھی وصیت ...."

سے استدلال کیا ہے نیز انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان

ما حق امرء مسلم یبیت لیلتین وله شئی یوصی منه الا وصیته مکتوبة عنده.

"کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں راتیں اس حال میں گزارے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کی وصیت کی جاسکتی ہو مگر وہ وصیت نہ کرے۔"

سے استدلال کیا ہے۔

جواب: جمہور فرماتے ہیں کہ یہ آیت حکماً منسوخ ہے میراث کا حکم نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں وصیت للوالدین کا ذکر ہے اور اب وصیت للوالدین بالاجماع منسوخ ہے نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

لا وصية لوارث.

حدیث کا جواب: یہ ہے کہ یہی روایت مسلم میں ہے جس کے الفاظ ما حق امرء مسلم له شئی یرید ان یوصی منه وارد ہے اس کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو وصیت کا ارادہ کرے اگر وصیت واجب ہوتی تو ارادہ کے ساتھ مقید نہ ہوتی۔ غیر وارث کے لئے وصیت مستحب ہے تاکہ اس کا ثواب اس کو مل جائے نیز وصیت ناجائز اور مکروہ بھی ہوتی ہے مثلاً کوئی وصیت کرے ایسے امور کی جو شرعاً ناجائز ہوں۔

مصلحت وصیت: اللہ کی راہ میں بطور وصیت مال خرچ کر کے ثواب حاصل کرنا یا دوست واحباب اور رشتہ داروں کو دے کر ان کو خوش کرنا۔

قاعدہ وصیت: کفن دفن اور ادائے قرض کے بعد جو ترکہ باقی رہا اس کے تہائی میں وصیت پوری کی جائے گی اس کے بعد باقی ماندہ مال وارثوں کا ہے اگر ایک تہائی میں وصیت پوری نہ ہو تو وارثوں پر اس کا پورا کرنا واجب نہیں اگر وارث پورا کرنا چاہیں تو دو شرطوں کے ساتھ پورا کر سکتے ہیں۔(1) سب وارث موجود ہوں اور ان کی رضا مندی ہو۔(2) سب وارث عاقل و بالغ ہوں نابالغ و مجنون کی رضامندی معتبر نہیں۔

وصیت کے شرائط: وصیت کرنے والا عاقل و بالغ اور آزاد ہونا چاہئے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے لئے وصیت کی ہے وہ بوقت وصیت زندہ ہو نیز جس کے لئے وصیت کی ہے وہ وصیت لینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ جس چیز کی وصیت کی ہو وہ چیز وصیت کے وقت موجود بھی ہو نیز قابل تملیک ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ موصیٰ، وارث نہ ہو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی نہ ہو جس کا نہ کوئی وارث ہو اور نہ قرض ہو ایسا شخص اپنے پورے مال کی وصیت کر سکتا ہے سب سے پہلے وصیت واجبہ کو پورا کیا جائے گا۔

اسلام میں سب سے پہلی وصیت:

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وصیت سب سے پہلی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی میرے مال کا تہائی حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا جائے ان کے وارثین نے تہائی مال پیش کر دیا جس کو قبول فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وارثہ کو واپس کر دیا تھا۔

لغات: وصایا: وصیت کی جمع ہے مثل ہدایا و ہدیہ وصایا: "وصیة" کی جمع ہے، وہ خاص عہد جس پر عمل درآمد وصیت کرنے والے کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ وسمیت الوصیة لانه وصل ما کان فی حیاته مما بعده بعض نے اس طرح تعبیر کیا وھو عھد خاص مضاف الی مابعد الموت۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْوَصِیَّةِ بِالثُّلُثِ

باب ۲: تہائی مال میں وصیت کے بارے میں ہے

(۲۰۴۳) اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْاَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِی الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ۔ ثُمَّ قَرَاَ عَلَیَّ اَبُوْ هُرَيْرَةَ (مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَّصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ) اِلٰی قَوْلِهٖ (ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمان نقل کرتے ہیں کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے رہتے ہیں پھر جب موت ان کے قریب آتی ہے تو وہ وصیت میں وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی۔ وصیت کے بعد جو کی گئی ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ آیت یہاں تک ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں، بلکہ تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کو "بہت" قرار دیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ دو وجہ سے تو وصیت جائز ہی نہیں ہونی چاہئے۔

پہلی وجہ: ایک: عرب وعجم کی قوموں میں میت کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ ان کے نزدیک فطری بات اور لازمی امر جیسا ہے اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، پس جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے اور موت اس کو نظر آنے لگتی ہے تو ورثاء کی ملکیت کی راہ کھل جاتی ہے، یعنی مرض الموت میں میت کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، پس غیروں کے لئے وصیت کرکے ورثاء کو اس چیز سے مایوس کرنا جس کی وہ امید باندھے بیٹھے ہیں: ان کے حق کا انکار اور ان کے حق میں کوتاہی ہے۔

دوسری وجہ: حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ میت کا مال اس کے بعد اس کے ان قریب ترین لوگوں کو ملے جو اس کے سب سے زیادہ حقدار، سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ غم خوار رہے ہوں، اور ایسا ماں باپ اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہیں، اس وجہ سے دور اول کے ہنگامی حالات میں جو موالات (آپس کی دوستی) اور مواخات (بھائی چارگی) کی وجہ سے میراث ملتی تھی اس کو ختم کردیا گیا اور رشتہ داری کی بنیاد پر توریث کا حکم نازل ہوا، سورۃ انفال آیت 75 میں ارشاد پاک ہے۔

ترجمہ: ''اور جو لوگ رشتہ دار ہیں: کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں''۔

مگر باایں ہمہ بارہا ایسی باتیں پیش آتی ہیں کہ رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں کی غم خواری ضروری ہو جاتی ہے، اور بہت سی مرتبہ مخصوص حالات مقتضی ہوتے ہیں کہ ان کے علاوہ کو ترجیح دی جائے، اس لئے وصیت کی اجازت دی گئی، مگر دوسروں کے لئے وصیت کی کوئی حد مقرر کرنی ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے تجاوز نہ کریں، شریعت نے وہ حد ایک تہائی مقرر کی ہے کیونکہ ورثاء کو ترجیح دینا ضروری ہے، اور اس کی یہی صورت ہے کہ ان کو آدھے سے زیادہ دیا جائے، اس لئے ورثاء کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا۔

تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا بالاتفاق ناجائز ہے، ہاں اگر کوئی تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا چاہے اور وارث اس کی اجازت بھی دیں تو پھر یہ وصیت نافذ ہوگی بشرطیکہ وارثوں میں کوئی پاگل اور نابالغ نہ ہو لیکن اگر وصیت کرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو نہ ذوی الفروض اور عصبات میں سے اور نہ ذوی الارحام میں سے، تو پھر اس کی وصیت علی الاطلاق جائز ہے اگرچہ وہ تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی تہائی سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوگی بلکہ تہائی مال تک وصیت نافذ کرنے کے بعد بقیہ مال بیت المال میں جمع کرادیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات منقول ہیں جن میں وارث نہ ہونے کی صورت میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب وارث نہ ہوں تو تہائی سے زیادہ کی بھی وصیت کی جاسکتی ہے اور حدیث باب میں گو کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وصیت کرنے والے کے وارث موجود ہوں اور جس کا کوئی وارث نہ ہو، آیا اس کی وصیت تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی؟ اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں ہے لہٰذا حدیث باب سے یہ استدلال کرنا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت علی الاطلاق ناجائز اور باطل ہے، درست نہیں ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ کب پیش آیا:

حجۃ الوداع میں یا فتح مکہ کے موقع پر، جمہور کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا، صرف ابن عیینہ کی روایت میں فتح مکہ کا ذکر ہے جسے محدثین نے ان کا ''وہم'' قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی

بیماری کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو، ایک مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر اور دوسری بار حجۃ الوداع کے زمانے میں، پہلی مرتبہ حضرت سعد کا کوئی وارث نہیں تھا اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان کی لڑکی وارث تھی، اس طرح دونوں کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

والثلث کثیر : (تہائی بہت ہے) اس کے تین معنی بیان کئے گئے ہیں:

(1) وصیت کا انتہائی درجہ تہائی ہے، اس سے زائد درست نہیں، اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ تہائی سے بھی کم میں وصیت کی جائے۔

(2) یا معنی یہ ہیں کہ تہائی مال کی وصیت یا اسے صدقہ کرنا کامل ترین درجہ ہے جس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

(3) تہائی بھی کثیر ہے قلیل نہیں ہے،

شافعیہ نے تیسرے معنی کو ترجیح دی ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک پہلا معنی راجح ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ اخلف عن ھجرتی. (اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں ہجرت کے ثواب کا کامل) سے پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ اس سوال کا منشا یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ ہجرت کے بعد کسی اور جگہ رہائش اور وفات کو پسند نہیں کرتے تھے، اسے ہجرت کے ثواب میں نقص اور کمی شمار کرتے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سفر حج میں چونکہ مکہ مکرمہ میں شدید بیمار ہو گئے تھے، اس لئے پوچھنے لگے کہ کیا میں آپ کی معیت میں مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ نہیں جاؤں گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری یہیں وفات ہو جائے، یوں میری ہجرت میں نقص واقع ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے انہیں تسلی دی کہ اگر تم مرض کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جا سکو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم اس کے بعد جو بھی نیک عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو گے اس سے تمہارے درجات بلند ہوں گے اور آپ کے زعم کے مطابق ہجرت کے ثواب میں جو کمی واقع ہوگی وہ یوں پوری ہو جائے گی۔

حتی ینتفع بك اقوام و یضرك الاخرون: نبی کریم ﷺ نے انہیں پیشین گوئی دی کہ تم میرے بعد زندہ رہو گے، کچھ لوگوں کو تم سے فائدہ جبکہ بعض دوسروں کو نقصان ہوگا، نفع مسلمانوں کو ہوگا کہ تمہارے ذریعہ کفار و مشرکین کے علاقے عراق وغیرہ فتح ہوں گے، غنیمتیں حاصل ہوں گی اور کافروں کو تمہاری وجہ سے ضرر پہنچے گا، وہ مسلمانوں کے سرنگوں اور ماتحت ہو جائیں گے اور ان کی سرزمین پر اہل اسلام کا تسلط ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کے ذریعہ عراق وغیرہ فتح ہوئے، بہت سے لوگوں کو اس طرح بھی فائدہ ہوا کہ وہ پہلے مرتد ہو گئے تھے انہوں نے اپنے ارتداد سے توبہ کی اور راہ راست پر آ گئے اور جو ارتداد سے باز نہ آئے، انہیں قتل کر دیا، انہیں گویا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ضرر پہنچا، حاصل یہ کہ ''نفع'' میں وہ تمام فوائد داخل ہیں جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مسلمانوں کو پہنچے اور ''ضرر'' میں وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن کی وجہ سے کافر مشرکین اور مرتد لوگوں کو ضرر لاحق ہوا۔

ولکن البائس سعد بن خولة: خستہ حال اور ضرر والا تو سعد بن خولہ ہے، کیونکہ ان کی وفات مدینہ کے بجائے مکہ مکرمہ میں ہوئی، انہوں نے ہجرت کی تھی یا نہیں؟

اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی، غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے، مگر پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے تھے اور پھر وہیں پر فوت ہوئے، اس اعتبار سے یہ جملہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے بطور رحم کے ہوگا کہ آپ ﷺ ان پر ترس کھا رہے ہیں کہ ان کی وفات مدینہ کے بجائے مکہ میں ہوئی ہے اور ان کے خیال کے مطابق ان کی وفات مدینہ میں نہ ہو سکی۔

لغات: اشفیت منه: میں مرض کی وجہ سے (موت) کے قریب ہوگیا، کنارے پہنچ گیا، ولیس یرثنی: میرا (اصحاب فروض میں سے) کوئی وارث نہیں، فأوصی: کیا میں (سارا مال صدقہ کرنے کی) وصیت کردوں۔ شطر: نصف، قال الثلث، آپ نے فرمایا: ہاں تہائی مال کی وصیت کرسکتے ہو، تذر: تو چھوڑ دے۔ انك ان تذر: اس میں "ان" حرف شرط اور حرف ناصب دونوں ہوسکتا ہے، اگر اسے حرف شرط قرار دیا جائے تو تذر شرط ہونے کی وجہ سے حالت جزم میں ہوگا، اور اس کی جزاء تقدیر عبارت کے بعد یوں ہوگی فهو خير من ان تذرهم، اور اگر ان مصدریہ ہو تو پھر "تذر" منصوب ہوگا یہ صورت بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں محذوف عبارت نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اور تقدیر عبارت سے احتراز بہرحال بہتر ہے۔ عالته: عائل کی جمع ہے، محتاج وفقیر، کثیر العیال۔ یتکففون: مانگنے کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اخلف عن هجرتی: کیا مجھے ہجرت کے ثواب سے پیچھے چھوڑ دیا جائے گا (یعنی اگر میری وفات ہجرت کے بعد مدینہ کے بجائے مکہ میں مرض کی وجہ سے ہوگئی تو کیا میری ہجرت قبول نہیں ہوگی؟)
أجرت: ماضی مجہول کا صیغہ ہے: تجھے اجر وثواب دیا جائے گا۔ أمض: باب افعال کا صیغہ امر ہے: تو مکمل کردے، پایہ تکمیل تک پہنچادے۔
ولا تردهم علی اعقابهم: اور تو ان کو ایڑیوں کے بل نہ لوٹا، یعنی ان کی ہجرت کے ثواب میں کوئی کمی نہ کر۔
لعلك: شاید کہ آپ، ایسا لگتا ہے کہ آپ، "لعل" اگرچہ عموماً امید کے معنی میں ہوتا ہے لیکن جب اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو یا رسول کریم ﷺ تو پھر یہ "یقین" اور امر واقع کے معنی میں ہوتا ہے، یہاں یہی مراد ہے۔ بائس: قابل رحم، خستہ حال، ضرر والا۔ یرثی له: آپ ﷺ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ پر رحم اور ترس کھاتے تھے۔ یضاران: وہ دونوں ضرر اور نقصان پہنچاتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الضِّرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ

باب: وصیت میں ورثاء کو نقصان پہنچانا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمُ الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَأَ عَلَيَّ أَبُو هُرَيْرَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللهِ إِلَى قَوْلِهِ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتنے ہی مرد اور عورتیں ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عمل کرتے رہتے ہیں پھر ان کو موت آتی ہے۔ تو وصیت میں وارثوں کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر جہنم واجب ہوجاتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ... الآية﴾ (النساء)

"وصیت پوری کرنے کے بعد جو وصیت کی جائے یا ادائیگی قرض کے بعد لیکن وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ الخ"

تشریح: یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے اور وصیت میں نقصان پہنچانا یہ ہے کہ تہائی سے زائد کی وصیت کرے یا وارث کے لئے

وصیت کرے، یہ دونوں صورتیں شرعاً باطل ہیں، اس لئے ان پر عمل نہیں ہوگا یا مرض موت میں وارث کو غیر وارث کو مال بخش دے یا اپنی حیات میں بعض ورثاء کو زیادہ دے دے اور بعض کو کم دے یا بالکل محروم کردے، یہ سب صورتیں نقصان پہنچانے کی ہیں۔

وارثوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں:

باب کی دوسری حدیث سے حقوق العباد کی اہمیت ثابت ہوتی ہے جو لوگ ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے ہیں لیکن بندوں اور رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ نہیں کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو جاتے ہیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ خواہ مرد ہوں یا خواتین، ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر زندگی کے آخری لحات میں غیر شرعی طریقے سے ایسی کوئی وصیت کر جاتے ہیں جس سے ان کے وارثوں کو ضرر و نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس طرح طویل عرصہ عبادت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب اور جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں کیونکہ اس حق تلفی میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی اور اس کی مقرر کردہ ہدایات سے تجاوز لازم آتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بطور تائید کے مذکورہ بالا آیت پڑھی کیونکہ اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر کے اپنے وارثوں کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے۔

وصیت میں ضرر پہنچانے کے معنی:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وصیت کے بارے میں ''غیر مضار'' کا لفظ استعمال فرمایا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی وصیت کی جائے جس سے وارثوں کا نقصان نہ ہو، اس نقصان کی مختلف صورتیں ہیں، تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی جائے، کسی ایک وارث کے لئے سارے مال کی وصیت کر جائے، تمام مال ایک ہی وارث کو ہبہ کردے اور دیگر وارثوں کو محروم کر دیا جائے، وصیت کر کے پھر اس سے انکاری ہو جائے اور ایسے لوگوں کے لئے وصیت کی جائے جو اس کے اہل نہ ہوں، یہ تمام صورتیں ایسی ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرلیا جائے تو آدمی جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی ساری زندگی کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اس لئے اس طرح کی وصیت سے احتراز کرنا شرعاً انتہائی ضروری ہے تاکہ اس وعید سے بچا جا سکے۔

اور مشکوٰۃ (حدیث 3078 باب الوصایا) میں حدیث ہے: من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة: جس نے اپنے وارث کی میراث کاٹ دی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دیں گے، وارث کے حصۂ میراث کو کاٹنے کی شکل یہی ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں بعض ورثاء کو یا غیر ورثاء کو مال جائیداد ہبہ کردے جس سے بعض وارث یا سارے ورثاء محروم رہ جائیں، اس کی آخرت میں سزا بہت سخت ہے، اللہ تعالیٰ جنت سے اس کا حصہ کاٹ دیں گے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْحَثِّ عَلَی الْوَصِیَّةِ

باب ۳: وصیت پر ابھارنے کے بارے میں ہے

(۲۰۴۴) مَا حَقُّ امْرِیٍٔ مُّسْلِمٍ یَّبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ وَلَهٗ مَا یُوْصِیْ فِیْهِ اِلَّا وَوَصِیَّتُهٗ مَکْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس مسلمان کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کے

بارے میں وہ وصیت کرسکتا ہو تو اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دو راتیں گزر جائیں (اور اس نے وصیت نہ لکھی ہو) اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے۔

تشریح: چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب سے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا میری کوئی رات نہیں گزری کہ وصیت میرے پاس نہ لکھی ہوئی ہو۔ مطلق وصیت کے وجوب وعدم وجوب کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ واجبات کے حق میں وصیت واجب اور غیر واجبات کے بارے میں غیر واجب ومستحب ہے مذکورہ روایت کا تعلق یا تو واجبات سے ہے یا یہ کہا جائے روایت کے الفاظ استحباب پر دال ہیں کیونکہ روایت میں للمسلم فرمایا جو صیغہ ندب ہے علی المسلم نہیں فرمایا ہے جو صیغہ وجوب ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا روایت کے معنی یہ کہ حزم واحتیاط مسلمان کے حق میں یہ ہے کہ وصیت مکتوب ہونی چاہیے اور اس بارے میں اس کو جلدی کرنی چاہیے۔

وصیت لکھنے کا طریقہ: احکام المیت میں مذکور ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

شھادۃ علی الوصیۃ: جمہور علماء کے نزدیک وصیت کا مکتوب ہونا کافی نہیں ہے بلکہ شرعی گواہی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حق غیر اس سے متعلق ہے جس کے ازالہ کے لئے حجۃ شرعیہ ضروری ہے البتہ محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کتاب وصیت بھی کافی ہے بظاہر الحدیث۔

جبکہ جمہور کے نزدیک قضاء وصیت کے ثبوت کے لئے شرعی شہادت ضروری ہے، ان کا استدلال قرآن مجید کی آیت ﴿شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ﴾ (المائدہ:۱۰۶) سے ہے۔

حدیث باب سے اس بات پر استدلال کرنا کہ شہادت شرط نہیں، درست نہیں کیونکہ اس میں شہادت کے شرط ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وصیت اپنی معروف شرائط کے مطابق لکھی ہوئی ہونی چاہیے اور وصیت پر گواہ بنانا بھی ان معروف شرائط میں سے ہے، اس لئے حدیث باب سے جمہور کی تائید ہی ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُوصِ

باب ۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت نہیں کی

(۲۰۴۵) قَالَ قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى أَوْصَى رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ لَا قُلْتُ كَيْفَ كُتِبَتِ الْوَصِيَّةُ وَكَيْفَ أَمَرَ النَّاسَ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ.

ترجمہ: طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت کی تھی انہوں نے جواب دیا نہیں میں نے کہا لوگوں پر وصیت کیوں لازم کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کا حکم کیوں دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب (پر عمل پیرا رہنے کی) وصیت کی تھی۔

تشریح: عن طلحة بن مصرف قال قلت لابن ابی اوفی اوصی رسول الله ﷺ؟ قال: لا. قلت و كيف كتبت الوصية و كيف امر الناس؟ قال بكتاب الله تعالى۔ طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی؟ انہوں نے کہا: نہیں، میں نے عرض کیا: پھر وصیت کیسے فرض کی گئی اور آپ نے لوگوں کو وصیت

کرنے کا حکم کیسے دیا؟ (جبکہ آپ نے خود وصیت نہیں کی) انہوں نے کہا کہ: نبی کریم ﷺ نے کتاب اللہ (پر عمل کرنے اور اسے مضبوطی سے تھامنے) کی وصیت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے مال ومتاع کی وصیت نہیں کی۔ طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ کے سوال کا منشا، مقصد اور سبب کیا تھا، دو قول ہیں:

(1) ممکن ہے ان کا مقصد یہ ہو کہ آپ ﷺ نے مال ومتاع اور ساز وسامان کی کسی کے لئے وصیت کی ہے؟ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے ایسی کوئی وصیت نہیں کی، آپ کے پاس جو مال ہوتا وہ صدقہ کر دیا کرتے تھے۔

(2) یا سوال کا منشا یہ ہے کہ شیعہ نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ حضور ﷺ نے خلافت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت فرمائی تھی لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ظلماً انہیں خلافت نہیں دی، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے خلاف علی کی کوئی وصیت نہیں فرمائی، اس کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ انہیں کب وصیت کی گئی ہے، گویا انہوں نے اس طرح کی وصیت کی نفی فرمائی ہے۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے سوال کے منشا اور اس موقع کی مناسبت سے مال ومتاع اور خلافت علی کی وصیت کی نفی کی ہے، مطلق وصیت جو امور دین سے متعلق ہے، مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی وصیت، جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکالنے، نماز اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت وتاکید، آنے والے وفود کو انعام واکرام کے ساتھ رخصت کرنے کی وصیت اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو بھیجنے کی وصیت جن کا ذکر دیگر احادیث میں ہے، اس طرح کی کسی بھی وصیت کی نفی کرنا مقصود نہیں۔

کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت وتاکید:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو اس بات کی تاکید اور وصیت فرمائی کہ وہ کتاب اللہ پر عمل کریں، اس سے درحقیقت اس حدیث کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت فرمائی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے تم راہ راست پر رہو گے اور گمراہی کا شکار نہ ہوسکو گے اور کتاب اللہ پر عمل چونکہ رسول ﷺ کی سنت کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت میں سنت پر عمل کرنا بھی داخل ہے، لہٰذا دینی امور سے متعلق آپ کی وہ تمام جزوی وصیتیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، کتاب اللہ میں داخل ہیں، اگرچہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حدیث میں الگ سے ذکر نہیں کیا۔ (تحفۃ الاحوذی 6/258)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی ہے، 87ھ میں کوفہ میں آپ کا انتقال ہوا ہے اور کوفہ میں آخری صحابی جن کا انتقال ہوا وہ آپ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

باب ۵: وارث کے لئے وصیت جائز نہیں

(۲۰۴۶) سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللهَ قَدْ اَعْطٰى لِكُلِّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا

وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَمَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوِ انْتَمٰى اِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ التَّابِعَةُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُنْفِقُ امْرَاَةٌ مِّنْ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذٰلِكَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا ثُمَّ قَالَ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَّالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَّالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَّالزَّعِيْمُ غَارِمٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبے کے دوران یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے تو وارث کے لیے وصیت نہیں ہوگی بچہ شوہر کا ہوگا اور زنا کرنے والا محروم ہوگا اور ان لوگوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا اور جو شخص خود کو اپنے باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرے یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی جو قیامت تک چلتی رہے گی۔ کوئی بھی عورت اپنے گھر سے اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے عرض کی گئی یارسول اللہ کھانے کی چیز بھی نہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ ہمارے اموال میں سے سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا مانگی ہوئی چیز دوہنے کے لیے ادھار لیے ہوئے جانور کو واپس کیا جائے قرض واپس کیا جائے اور ضامن اس چیز کا ذمہ دار ہوگا جس چیز کی اس نے ضمانت دی ہو۔

(۲۰۴۷) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ عَلٰى نَاقَتِهٖ وَاَنَا تَحْتَ جِرَانِهَا وَهِيَ تَقْصَعُ بِجِرَّتِهَا وَاِنَّ لُعَابَهَا يَسِيْلُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَمَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ انْتَمٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ رَغْبَةً عَنْهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنی اونٹنی پر خطبہ دیا میں اس کی گردن کے نیچے کھڑا تھا اور وہ جگالی کر رہی تھی اس کا لعاب میرے کندھوں کے گر رہا تھا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے اس لیے وارث کے لیے وصیت نہیں ہوگی اور بچہ شوہر کا ہوگا اور زنا کرنے والے کو محرومی ملے گی اور جو شخص خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے ان سے منہ پھیرتے ہوئے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کرے گا۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں میراث کا کوئی قاعدہ نہیں تھا، میت کی وصیت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا اور لوگ وصیت میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے تھے، وہ اس میں حکمت کے تقاضوں کا پورا لحاظ نہیں رکھتے تھے، کبھی زیادہ حقدار کو چھوڑ دیتے تھے حالانکہ اس کی ہمدردی زیادہ ضروری تھی اور اپنی کج فہمی سے دور کے رشتہ داروں کو ترجیح دیتے تھے، اس لئے ضروری ہوا کہ میراث کے احکام نازل کر کے فساد کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے اور توریث کے سلسلہ میں رشتہ داری کی کلی احتمالی جگہوں کا اعتبار کیا جائے، اشخاص کے لحاظ سے عارضی خصوصیات کا لحاظ نہ کیا جائے یعنی صرف رشتہ داری کو میراث کی بنیاد بنایا جائے، کس وارث کا میت سے کتنا تعلق ہے، یہ بات نہ دیکھی جائے کیونکہ انسان پورے طور پر نہیں جان سکتا کہ اصول وفروع میں سے زیادہ نفع پہنچانے والا کون ہے؟ (سورۃ النساء:۱۱)

غرض جب اس بنیاد پر میراث کا معاملہ طے کردیا گیا تاکہ لوگوں کے نزاعات ختم ہوں اور ان کے باہمی کینوں کا سلسلہ رک جائے تو اس کا تقاضہ ہوا کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہ ہو، ورنہ توریث کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں چند احکام ذکر فرمائے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① **ان الله تبارك و تعالیٰ قد اعطی کل ذی حق حقه، فلا وصیة لوارث**: اللہ تعالیٰ نے (احکام میراث نازل کرکے) ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، پس کسی بھی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

② **والولد للفراش، وللعاهر الحجر، وحسابهم علی الله تعالیٰ**: اور اولاد بستر کے لئے ہے، بستر سے مراد بیوی ہے اور لفظ صاحب محذوف ہے یعنی بستر والے کے لئے (شوہر کے لئے) ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، یعنی حقیقت میں بچہ کس کا ہے؟ اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے یہاں ہوگا، دنیا میں نسب شوہر سے ثابت ہوگا، مگر یہ کہ شوہر بچہ کی نفی کرے تو لعان ہوگا، پھر بچہ کا نسب ماں سے ثابت ہوگا، زانی سے ثابت نہیں ہوگا اور یہ مسئلہ پہلے باب 44 کتاب النکاح) میں گزر چکا ہے۔

③ **ومن ادعی الی غیر ابیه، او انتمی الی غیر موالیه، فعلیه لعنة الله التابعة الی یوم القیامة**: اور جس نے اپنے باپ کے علاوہ سے نسب کا دعویٰ کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی کی طرف منسوب ہوا تو اس پر اللہ کی پھٹکار ہے جو قیامت تک مسلسل رہے گی اور باپ کے علاوہ سے نسب کا دعویٰ کرنے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی قومیت بدل لے، مثلاً سید نہیں ہے اور اپنے کو سید ظاہر کرے، اس کے لئے بھی یہی وعید ہے۔

④ **ولا تنفق امراة من بیت زوجها الا باذن زوجها**: اور کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ نہ کرے مگر اپنے شوہر کی اجازت سے، پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا کھانا بھی خرچ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو ہمارا بہترین مال ہے، یعنی ہمارے گھروں کا اصل سرمایہ کھانا ہی ہے پس شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا خرچ کرنا بھی جائز نہیں، یہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔

⑤ **والعارية مؤداة**: اور برتنے کے لئے لی ہوئی چیز ادا کی ہوئی ہے، یعنی جب استعمال کرکے فارغ ہوجائے تو عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کرکے آئے، اپنے پاس رکھ نہ چھوڑے۔

⑥ **والمنحة مردودة**: اور انتفاع کے لئے دیا ہوا جانور لوٹایا ہوا ہے یعنی کسی نے دودھ والی بھینس بکری کسی کو دی کہ اس کی خدمت کرو، اور اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاؤ تو جب اس کا دودھ ختم ہوجائے: اس کو واپس کرنا چاہئے دبا بیٹھنا جائز نہیں۔

⑦ **والدین مقضی**: اور قرض چکایا ہوا ہے، یعنی کسی سے قرض لیا تو بروقت قرضہ ادا کرنا چاہئے۔

⑧ **والزعیم غارم**: اور ضامن تاوان دینے والا ہے یعنی اگر کسی معامہ میں ضامن بنا ہو پھر اصیل قرضہ ادا نہ کرے تو اس ضامن کو اپنی جیب سے قرضہ بھرنا ہوگا، لوگ عام طور پر ضامن بن جاتے ہیں مگر اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ ابواب البیوع (باب 39) میں گزر چکے ہیں۔

اسماعیل بن عیاش کا حال:

اس روایت کی سند میں اسماعیل بن عیاش آئے ہیں، ان کا استاذ اگر عراقی یا حجازی ہو تو روایت قابل اعتبار نہیں جبکہ اسماعیل اس

روایت کے ساتھ متفرد ہوں کیونکہ اسماعیل بن عیاش چونکہ شرحبیل سے روایت کرتے ہیں جو شامی ہیں اس لئے یہ روایت صحیح ہے اور یہ بات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے احمد بن الحسن کے واسطہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول سنا ہے کہ اسماعیل کی حدیثیں بقیۃ بن الولید کی حدیثوں سے اچھی ہوتی ہیں کیونکہ بقیۃ بن الولید ثقہ اساتذہ سے نہایت ضعیف حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ابو اسحاق فزاری کا قول نقل کیا ہے کہ بقیۃ بن الولید کی وہ حدیثیں لو جو وہ ثقہ راویوں سے نقل کرتا ہے اور اسماعیل بن عیاش کی کوئی حدیث نہ لو، خواہ وہ ثقہ راویوں سے نقل کرے یا غیر ثقہ راویوں سے (غرض اسماعیل مختلف فیہ راوی ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الرَّجُلِ يَتَصَدَّقُ اَوْيُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ

باب ۶: اس شخص کے حکم کے بارے میں ہے جو موت کے وقت صدقہ کرے یا غلام آزاد کرے

(۲۰۴۸) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَضٰی بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَاَنْتُمْ تَقْرَءُوْنَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے وصیت (پوری کرنے) سے پہلے قرض ادا کرنے کا فیصلہ دیا ہے جب کہ تم لوگ جو آیت تلاوت کرتے ہو اس میں وصیت کا حکم قرض سے پہلے ہے۔

تشریح: ابوحبیبہ طائی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق کچھ مال صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ مجھے اس کا صحیح مصرف بتائیں کہ میں اسے کہاں خرچ کروں فقراء پر، مساکین پر یا مجاہدین پر، ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں تو مجاہدین کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا یعنی اگر میں وصیت کرتا تو صرف مجاہدین کے لئے ہی کرتا کیونکہ ان کا مقام اونچا ہے، سوال کا جواب دینے کے بعد حضرت ابوالدرداء نے حدیث سنائی جس سے ابوحبیبہ طائی کو یہ بتانا مقصود ہے کہ تمہارے بھائی نے چونکہ موت کے وقت صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے اس لئے اس کا اجر وثواب بھی کم ہوگا یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کا پیٹ جب بھر جائے تو اس وقت کہے کہ یہ فلاں کو دے دو، کیونکہ کامل ثواب اس وقت ملتا ہے جب انسان صحت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے اور اس وقت جبکہ خود اسے اس چیز کی ضرورت ہو پھر بھی صدقہ کر دے، اس لئے موت کے وقت صدقہ کرنا کوئی زیادہ فضیلت کی بات نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ يُبْدَأُ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

باب ۷: قرضہ وصیت سے پہلے چکایا جائے گا

(۲۰۴۹) اَوْصٰی اِلَیَّ اَخِیْ بِطَائِفَةٍ مِّنْ مَالِهٖ فَلَقِيْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَقُلْتُ اِنَّ اَخِیْ اَوْصٰی اِلَیَّ بِطَائِفَةٍ مِّنْ مَالِهٖ فَاَيْنَ تَرٰی لِیْ وَضْعَهٗ فِی الْفُقَرَاءِ اَوِ الْمَسَاكِيْنِ اَوِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ فَقَالَ اَمَّا اَنَا فَلَوْ كُنْتُ لَمْ اَعْدِلْ بِالْمُجَاهِدِيْنَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَثَلُ الَّذِیْ يَعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ كَمَثَلِ الَّذِیْ يُهْدِیْ اِذَا شَبِعَ.

ترجمہ: حضرت ابوحبیبہ طائی بیان کرتے ہیں میرے بھائی نے مجھے اپنے مال کے ایک حصے کے بارے میں وصیت کی میری ملاقات

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے یہ کہا میرے بھائی نے مجھے اپنے مال کے ایک حصے کے بارے میں وصیت کی تو انہوں نے فرمایا جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں کسی بھی شخص کو مجاہدین کے برابر نہیں سمجھتا لیکن میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص مرتے ہوئے غلام کو آزاد کرے تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کسی شخص نے بھرے ہوئے پیٹ والے شخص کو کوئی (کھانے کی) چیز تحفے کے طور پر دی ہو۔

(۲۰۴۵) اَنَّ بَرِيرَةَ جَائَتْ تَسْتَعِينُ عَائِشَةَ فِيْ كِتَابَتِهَا وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ ارْجِعِي اِلٰى اَهْلِكِ فَاِنْ اَحَبُّوْا اَنْ اَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُوْنَ لِيْ وَلَاؤُكِ فَعَلْتُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيرَةُ لِاَهْلِهَا فَاَبَوْا وَقَالُوْا اِنْ شَائَتْ اَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ وَيَكُوْنَ لَنَا وَلَاؤُكِ فَلْتَفْعَلْ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ابْتَاعِيْ فَاَعْتِقِيْ فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ وَاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس مدد مانگنے کے لیے آئی تاکہ وہ اس کی کتابت کا معاوضہ ادا کریں کیونکہ وہ اپنی کتابت کا کچھ معاوضہ ادا نہیں کر سکتی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا تم اپنے مالک کے پاس جاؤ اگر وہ پسند کرے تو میں تمہاری کتابت کا معاوضہ تمہاری طرف سے ادا کر دیتی ہوں اور تمہاری ولاء کا حق میرے پاس رہے گا بریرہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ اپنے مالک سے کیا تو انہوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا انہوں نے یہ کہا اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاہیں تو وہ تمہاری طرف سے ادائیگی کر سکتی ہیں لیکن تمہاری ولاء کا حق ہمیں حاصل رہے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گر تم چاہو تو اسے خرید کر آزاد کر دو کیونکہ ولاء کا حق آزاد کرنے والے کو ملتا ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ اس طرح کی شرطیں عائد کرتے ہیں جس کی اجازت اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہے جو شخص کوئی ایسی شرط عائد کرے جس کی اجازت اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو تو اسے اس کا کوئی حق حاصل نہ ہو گا اگرچہ اس نے سو مرتبہ شرط عائد کی ہو۔

ابھی ابواب الفرائض (باب ۵) میں یہ حدیث اور یہ مسئلہ آچکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرضہ کا فیصلہ فرمایا (یعنی یہ ارشاد فرمایا کہ پہلے سارے ترکہ سے قرضہ چکایا جائے، پھر باقی ماندہ کے تہائی سے وصیت نافذ کی جائے) جبکہ آپ لوگ وصیت کو قرضہ سے پہلے پڑھتے ہو، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آیت کریمہ میں وصیت کی تقدیم محض تاکید کے لئے ہے۔

اَبْوَابُ الْوَلَاءِ وَالْهِبَةِ

ہبہ اور ولاء کے بیان میں

الولاء بفتح الواؤ ولمدحق میراث، کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کردے خواہ علی مال اور یا بلا مال اگر وہ غلام مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہوتو ترکہ آزاد کنندہ کو ملتا ہے اسی کو ولاء التعق کہا جاتا ہے پہلے باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ روایت کو ذکر کیا گیا ہے۔

جب کوئی آقا اپنے غلام یا باندی کو آزاد کرتا ہے تو ان کی میراث آزاد کرنے والے کو ملتی ہے جبکہ ان کے ورثاء میں ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں کیونکہ آزاد شدہ آزاد کرنے والے کے خاندان کا ایک فرد بن جاتا ہے، وہی اس کی نصرت وحمایت کرتے ہیں اس لئے جب نزدیک کے ورثاء نہ رہیں تو یہ آزاد کرنے والا پھر اس کا خاندان میراث کا حقدار ہوتا ہے، اسی کا نام ولاء ہے۔

اور ہبہ کے معنی ہیں: بخشش، یعنی بلاعوض کسی کو کوئی چیز دینا، ہبہ میں بھی ثواب ملتا ہے مگر وہ مقصود نہیں ہوتا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو ایک ساتھ اس لئے بیان کیا کہ ولاء بھی ایک طرح کا ہبہ ہے۔

*

بَابُ مَاجَاءَ الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ

باب ۱: ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے

(۲۰۵۱) اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيْرَةَ فَاشْتَرَطُوْا الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْطَى الثَّمَنَ اَوْلِمَنْ وَّلِيَ النِّعْمَةَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انہوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا اس کے مالکان نے ولاء کی شرط رکھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء کا حق اس کو ہوتا ہے جو قیمت ادا کرتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) جو نعمت کا مالک ہوتا ہے۔

تشریح: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا واقعہ:

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے مولیٰ نے انہیں مکاتبہ بنا دیا تھا، لیکن وہ بدل کتابت کا بندوبست نہ کرسکیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ اس بارے میں تعاون کریں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اپنے موالی سے گفتگو کرو کہ میں بدل کتابت ادا کرتی ہوں لیکن اس کی ولاء پھر میری ہوگی، اگر وہ اس پر رضامند

ہوں تو میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن ان کے موالی نے ولاء چھوڑنے سے انکار کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ قصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ نے فرمایا: تم اسے خرید کر آزاد کر دو، کیونکہ شرعاً ولاء اسی کو ملتی ہے جو آزاد کرے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو معاملات میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں، مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی شرط لگانا جائز نہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اگرچہ سو مرتبہ وہ شرط لگائی جائے، پھر بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا کے بدل کتابت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو نو اوقیہ کے بدلے آزاد کرنے پر معاملہ کیا تھا کہ ہر سال ایک اوقیہ (چالیس درہم) دینے ہوں گے دوسری روایت میں ہے کہ ان پر پانچ اوقیہ باقی رہ گئے تھے قسط وار پانچ سال طے ہوئے تھے عمرہ کی روایت میں ہے کہ مالکان بریرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ان شئت اعطیت مابقی۔ علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ نے پانچ اوقیہ والی روایت کو غلط قرار دیا ہے بعض حضرات نے روایات کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ نو تو اصل بدل کتابت تھا۔ چار تو انہوں نے ادا کر دیئے تھے پانچ باقی رہ گئے تھے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ اور محب طبری نے اس پر جزم کیا ہے لیکن روایت الباب اس کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابھی کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یوں کہاں جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استعانت سے قبل چار اوقیہ ان کو دوسرے لوگوں سے حاصل ہو گئے تھے ان کو ادا کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے استعانت کی جو پانچ اوقیہ کے ذمے تھے ان کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد مانگ رہی تھیں اور لم تکن قضت من کتابتها شئیا کے معنی مابقی یعنی پانچ میں سے جو باقی ان کے ذمے تھے کچھ ادا نہ کر پائی تھیں البتہ ابو اسامہ عن ہشام اسی طرح وہیب عن ہشام جو روایات مروی ہیں ان کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بریرہ رضی اللہ عنہا کو فسخ کتابت کے بعد مکمل طور پر خرید کر آزاد کرنا چاہتی تھیں۔ لفظہ ان اعدها لهم عدة واحدة اعتقك ويكون ولاءك لی فعلت۔ اور اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الفاظ ابتاعی فاعتقی سے بھی ہوتی ہے۔

ان شاءت ان تحتسب: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا چاہیں تو خرید کر آزاد کر دیں اور ولاء پھر بھی ہمارے لئے ہوگی چونکہ ان کی یہ بات شرع کے قاعدہ الولاء لمن اعتق کے خلاف تھی اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر رد فرمایا کہ اس جملہ کا مطلب یہ نہیں اگر عائشہ رضی اللہ عنہا چاہیں تو تم کو بدل کتابت بطور صدقہ دے دیں اور اجر حاصل کر لیں اور ولاء ہمارے لئے ہوگی کیونکہ اس صورت میں ولاء کے مستحق وہ لوگ ہی ہوں گے پھر اشتراط اور اس پر رد کی کیا حاجت ہے۔

وان اشترط مأة مرة ذکر الماة للمبالغة: مراد یہ ہے کہ شرع کے خلاف کوئی ہزار ہا شرط لگائے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اعتراض: اس حدیث کا ایک طریق ہشام بن عروہ بھی ہے اس میں لفظ اشترطی لهم الولاء واقع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع کے لئے حق ولاء کی شرط کی اجازت دی ہے اب اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں اول شرط فاسد کی تعلیم۔ دوم شرط قبول کے لئے بیع ہو جانے کے بعد اس شرط کو باطل قرار دینا اس میں دھوکہ لازم آتا ہے اور اس کی اجازت دینا شان نبوت کے خلاف ہے، اس کے متعدد جوابات دیئے گئے۔

جواب ①: روایت متعدد طرق سے منقول ہے مسلم شریف میں لفظ لا یمنعك ذلك عن الاشتراء روایت الباب میں ابتاعی واعتقی اس میں اشتراط کا ذکر نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن بن قاسم کی روایت میں شرط کا ذکر تو ہے مگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے شرط لگانے

کا ذکر نہیں ہے نہ ان کے قبول کرنے کا ذکر ہے، صرف بائعین ہی کی طرف سے شرط لگانے کا ذکر ہے صرف ہشام بن عروہ کی روایت میں یہ لفظ ہے۔

جواب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ ہشام بن عروۃ سے لفظ اشترطی روایت کرنے یا سننے میں غلطی واقع ہوئی ہے کیونکہ دیگر رواۃ اس لفظ کو نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تغلیط فرمائی ہے۔

جواب ②: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اشترطی لھم میں لام علیٰ کے معنی میں ہے جس کے معنی تم ان کے خلاف یعنی نفی کی شرط لگاؤ کما فی قوله تعالیٰ: ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ (الرعد:۲۵)...ای علیهم اللعنة﴾۔

جواب ③: اشترطی میں امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے مقصود اس سے تنبیہ کرنی ہے کہ شرط لگا لو مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کما فی قوله تعالیٰ: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (التوبہ:۸۰)

جواب ④: یا یہ امر برائے زجر وسرزنش ہے کما فی قوله تعالیٰ: ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف:۲۹) کو۔

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص مصلحت سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرط نفس عقد میں لگانے کی اجازت دی اور وہ مصلحت یہ تھی جو لوگ ایسی شروط لگاتے تھے جو باطل ہوتی تھیں ان کے ازالہ کی دو صورتیں ہوسکتی تھیں ایک یہ کہ وقوع سے پہلے ہی تنبیہ کردی جائے دوسرے یہ کہ جب عمل کر رہے ہیں تو اس وقت تنبیہ ہو یہ دوسری صورت زیادہ مؤثر ہوتی ہے اس لئے یہاں یہ صورت اختیار کی گئی ہے، نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ زیادہ قوی جواب ہے۔

فائدہ: روایۃ الباب سے اہل علم نے بے شمار فوائد ومسائل کا استنباط فرمایا ہے۔ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بعض نے سو فوائد شمار کئے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ وابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر بڑی بڑی تصانیف فرمائی ہیں اور ان میں فوائد مستنبطہ کو بیان فرمایا حافظ نے فرمایا ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف تو معلوم نہیں ہوسکی البتہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تہذیب الآثار میں طویل کلام فرمایا ہے جس کو میں نے مختصر کردیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں مختلف مقامات پر فوائد مستنبطہ من ہذا الحدیث کو بیان فرمایا ہے۔

روایۃ الباب سے استدلال کرتے ہیں بعض حضرات نے مکاتب کی بیع کے جواز کا قول فرمایا ہے۔

① چنانچہ امام مالک، احمد بن حنبل، نخعی رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ:

② امام ابوحنیفہ وشافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے جب تک کہ معاملہ کتابت فسخ نہ کردیا جائے۔ روایۃ الباب کا جواب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہاں معاملہ کتابت فسخ ہوا ہے جس میں بریرہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی پائی گئی ہے یا یہ کہا جائے کہ دراصل بریرہ رضی اللہ عنہا بدل کتابت عاجز ہوگئی تھیں اور ان کے مالکان نے اس کو عاجز مان کر معاملہ ختم کرکے ان کو بیچا تھا کذا قال له القاری۔ الولاء لمن اعتق: سے استدلال کرتے ہوئے شوافع وغیرہ نے فرمایا کہ حق ولاء صرف عتق میں ہوتا ہے نہ کہ موالات میں کیونکہ الولاء لمن اعتق میں الف لام استغراقی ہے احناف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولاء جس طرح بصورت اعتاق ہے اسی طرح بصورت موالات بھی ہے (جس کی تفصیل گزر چکی)۔

———✻———

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهٖ

باب ۲: ولاء بیچنا اور بخشش کرنا ممنوع ہے

(۲۰۵۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهٖ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ولاء کو فروخت کرنے یا ہبہ کرنے سے منع کیا ہے۔

حق ولاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے کا حکم:

اس حدیث سے استدلال کر کے جمہور فرماتے ہیں کہ شریعت میں بعض ایسے حقوق ہیں، جن کی خرید وفروخت اور ہبہ ناجائز اور حرام ہے، ان میں انسان اس طرح کا کوئی تصرف نہیں کرسکتا، جیسے حق شفعہ، حق ولاء، حق نسب اور حق قصاص وغیرہ ہیں جبکہ بعض حضرات کے نزدیک حق ولاء کی بیع اور ہبہ جائز ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ان تک حدیث باب نہ پہنچی ہو۔

فائدہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے اور پھر ان سے روایت کرنے والے سفیان بن عینیہ، شعبہ، سفیان ثوری اور مالک بن انس رضی اللہ عنہم ہیں، شعبہ فرماتے ہیں کہ جس وقت عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کرتے تو اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کا سر چوم لوں، کیونکہ یہ روایت صرف ابن دینار ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں، ان کے علاوہ کسی اور نے یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل نہیں کی، اس وجہ سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الناس کلهم عیال علی عبد الله بن دینار فی هذا الحدیث، تمام لوگ اس حدیث کی روایت میں عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ کے عیال ہیں مقصد یہ ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں عبداللہ دینار اگرچہ متفرد ہیں لیکن پھر بھی یہ روایت صحیح ہے، کیونکہ یہ ثقہ ہیں، لہٰذا ان کا تفرد حدیث کے حجت ہونے پر اثر انداز نہیں ہوگا، پھر یہ روایت عبداللہ بن دینار سے 35 طرق سے منقول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ اَوِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ

باب ۳: غیر آقاؤں سے تعلق قائم کرنا اور غیر باپ کی طرف منسوب ہونا

(۲۰۵۳) مَنْ زَعَمَ اَنْ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرَؤُهٗ اِلَّا كِتَابَ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةَ صَحِيْفَةٌ فِيْهَا اَسْنَانُ الْاِبِلِ وَاَشْيَاءٌ مِّنَ الْجِرَاحَاتِ فَقَدْ كَذَبَ وَقَالَ فِيْهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَابَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا وَّمَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَّذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَّسْعٰى بِهَا اَدْنَاهُمْ.

ترجمہ: ابراہیم تیمی اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص یہ سمجھتا

ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کو ہم پڑھ کر (لوگوں کو باتیں سناتے ہیں) تو ایسا نہیں ہے ہمارے پاس صرف اللہ کی کتاب ہے اور یہ صحیفہ ہے جس میں اونٹوں کی دیت اور کچھ زخموں سے متعلق احکام ہیں جو شخص ایسا سمجھتا ہے وہ غلط سمجھتا ہے اور اس میں یہ بات بھی موجود ہے نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے جو شخص یہاں پہ کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہوگی۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کرے گا اور اس میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ جو شخص اپنے باپ یا اپنے آزاد کرنے والے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف خود کو منسوب کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہوگی اور اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں ہوگی اور مسلمانوں کی دی ہوئی پناہ یکساں حیثیت رکھتی ہے ان کا عام فرد بھی اسے پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔

تشریح: دور اول میں جو شخص کسی کو آزاد کرتا تھا وہ آزاد کرنے والے کی طرف اور اس کے خاندان کی طرف منسوب ہوتا تھا، مگر کچھ آزاد شدہ غیر آقا سے تعلق قائم کر لیتے تھے، ان کو دوست بنا لیتے تھے، اور ان کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح کچھ لوگ اپنا غلط نسب بیان کرتے ہیں، باپ کی جگہ کسی اور کا نام لکھتے ہیں یا اپنا خاندان بدل لیتے ہیں، مثلاً سید نہیں ہیں مگر اپنے کو سید ظاہر کرتے ہیں، یہ حرام ہے۔

حدیث: ابراہیم تیمی اور سلیمان تیمی کے والد یزید بن شریک بن طارق تیمی کوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز (تحریر) ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ...... وہ صحیفہ جس میں دیت کے اونٹوں کی عمریں اور زخموں کی کچھ باتیں یعنی ان کی دیتیں ہیں...... تو وہ یقیناً جھوٹ بولتا ہے۔ (پہلے یہ بات گزری ہے کہ شیعوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی تردید کی ہے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی تحریر نہیں صرف قرآن کریم ہمارے پاس ہے جو سبھی مسلمانوں کے پاس ہے، البتہ میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں کچھ احکام ہیں مگر وہ بھی عام ہیں، دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان باتوں کو جانتے تھے)۔

وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةَ صَحِيْفَةٌ فِيْهَا اَسْنَانُ الْاِبِلِ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس صحیفہ میں یہ تین باتیں ہیں:

① نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ محترم ہے عیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک، پس جو شخص اس حرم میں کوئی نئی بات (بدعت وغیرہ) پیدا کرے یا کسی نئی بات کو ٹھکانہ دے، اس پر اللہ، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نہ کوئی نفل عبادت قبول کرتے ہیں اور نہ کوئی فرض عبادت۔

② اور جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کسی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کے ساتھ تعلق قائم کیا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اس کی طرف سے نہ کوئی فرض عبادت قبول کی جائے گی اور نہ کوئی نفل عبادت۔

③ اور مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، اس کی کوشش کرتا ہے ان کا معمولی آدمی۔

تشریح: ① ثور پہاڑ مکہ میں بھی ہے اور وہی مشہور ہے، اس لئے کچھ لوگوں کو اشکال ہوا کہ اس حدیث میں راویوں کو وہم ہوا ہے،

مگر محققین کہتے ہیں: ثور نامی پہاڑی مدینہ منورہ میں بھی ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کے حرم کی طرح مدینہ کا بھی حرم ہے، ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ محترم ہے وہاں شکار کرنا، ہری گھاس کاٹنا حرام ہے، پھر فقہاء میں اختلاف ہے کہ حرم مدینہ: حرم مکہ ہی کی طرح محترم ہے یا اس کا مرتبہ کچھ کم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک دونوں کا درجہ مختلف ہے، مدینہ منورہ کے حرم کا حال حمی (سرکاری چراگاہ) جیسا ہے، اور ائمہ ثلاثہ حرم مدینہ کو بالکل حرم مکہ کی طرح مانتے ہیں، مگر امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ شکار کی جزاء واجب نہیں کرتے، پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی حرم مدینہ کا درجہ کم ہے۔

② اور حدیث کے معنی ہیں: نئی بات، یعنی بدعت، اور محدث اگر دال کے زبر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بھی بدعت کے ہیں اور اگر دال کے زیر کے ساتھ ہے تو اس کے معنی بدعتی کے ہیں جاننا چاہئے کہ ہر گناہ اور غلط بات ہر جگہ ناجائز ہے اور محترم اور پاک جگہ میں اس کی قباحت وشناعت اور بھی بڑھ جاتی ہے، جیسے کوئی سڑک پر بیڑی پیئے اور مسجد میں پیئے تو دونوں میں فرق ہے، مسجد میں پینا بہت برا ہے، اسی طرح حرم مدینہ میں بدعت ایجاد کرنا بہت برا ہے اور کسی بدعتی کو حرم میں ٹھکانہ دینا یعنی اپنا مہمان بنانا بھی بہت برا ہے کیونکہ جب بدعتی حرم میں آئے گا تو وہاں اپنی بدعت پھیلائے گا۔

③ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا اور صرف وعدل سے ایک کے معنی ہیں: نفل عبادت اور دوسرے کے معنی ہیں: فرض عبادت۔ پھر اختلاف ہے کہ کس لفظ کے معنی فرض عبادت کے ہیں اور کس لفظ کے معنی نفل عبادت کے؟ درحقیقت صرف کے معنی خرچ کرنے کے ہیں، یعنی وہ عبادت جو بندہ اپنی طرف سے پیش کرتا ہے یعنی نفل عبادت اور عدل کے معنی برابر کے ہیں یعنی بندہ ہونے کی وجہ سے اس کے ذمہ جو بندگی ہے وہ بجالانا عدل ہے، پس اس سے مراد فرض عبادت ہے۔

④ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْهِ کے معنی ہیں: کسی سے تعلق قائم کرنا، دوست بنانا اور ادعی کے معنی ہیں: نسب بیان کرنا اور آزاد شدہ کا تعلق آزاد کرنے والے کے ساتھ ہی اس لئے ضروری ہے کہ ولاء: نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے، پس غیر معتق سے تعلق قائم کرنا، غیر باپ کو باپ ظاہر کرنے کی طرح ہے، اس لئے یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔

⑤ اور یہ حدیث پہلے حدیث 1573 گزر چکی ہے کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے، ان کا معمولی آدمی اس کی کوشش کرتا ہے، یعنی معمولی آدمی بھی امان دے سکتا ہے اور سب مسلمانوں پر اس کا پاس ولحاظ واجب ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرَّجُلِ یَنْتَفِی مِنْ وَلَدِهٖ

باب ۴: اولاد کے نسب کا انکار کرنا

(۲۰۵۴) جَآءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ فَزَارَةَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ امْرَاَتِیْ وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ هَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا اَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِیْهَا اَوْرَقُ قَالَ نَعَمْ اِنَّ فِیْهَا لَوُرْقًا قَالَ اَنّٰی اَتَاهَا ذٰلِكَ قَالَ لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهَا قَالَ فَهٰذَا لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بنو فزارہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس

نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری بیوی نے ایک سیاہ فام لڑکے کو جنم دیا ہے نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا کیا تمہارے پاس اُونٹ ہیں اس نے عرض کی جی ہاں نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا ان کے رنگ کیا ہیں اس نے جواب دیا سرخ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے اس نے عرض کی جی ہاں ان میں خاکستری بھی ہے نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا وہ کہاں سے آ گیا اس نے عرض کی ہوسکتا ہے کسی رگ نے اسے کھینچ لیا ہو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہوسکتا ہے اسے بھی (یعنی تمہارے بچے کو بھی) کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔

تشریح: جاء رجل: بخاری میں جاء اعرابي وارد ہوا ہے حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ضمضم ابن قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان امراتی ولدت غلاما اسود، مسلم شریف میں انی انکرته یعنی دل سے اس کو برا سمجھتا ہوں یہ مطلب نہیں کہ زبان سے میں اس کے بیٹے ہونے کا انکار کروں گا گویا یہ شخص تعریض بالقذف کر رہا تھا اور جمہور کے نزدیک تعریض بالقذف، قذف صحیح کے حکم میں نہیں ہے استدل به الشافعي لذالك۔ البتہ مالکیہ رحمہ اللہ نے تعریض کو تصریح کے قائم مقام کرتے ہوئے حد کو واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ قذف سمجھی جارہی ہو مگر روایۃ الباب میں سائل تو مستفتی عن الحکم ہے کہ اس کو شک ہو رہا ہے قاذف نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی تمثیل کے بعد اس کا شک دور ہو گیا اور اس کو اپنے بچہ ہونے کا یقین ہو گیا۔

حمرا: جمع ہے احمر، اورق جس کے معنی مٹیالا اور قا بضم الواؤ وسکون الراء جمع اورق۔ انی اتاھا ذلك یعنی جب تیرے اونٹ سرخ رنگ والے ہیں اور ان میں بعض بچے وہ ہوتے ہیں جو مٹیالے رنگ کے ہیں تو پھر یہ مٹیالے رنگ والے کہاں سے آ گئے۔ لعل عرقا نزعھا، اس اعرابی نے جواب دیا کہ شاید ان اونٹوں کی اوپر کی نسلوں میں خاکی رنگ رہا ہوگا تو اس اصل کی وجہ سے ان کے بعد والے اونٹوں میں یہ رنگ آ گیا تو آپ نے جواباً فرمایا پھر انسانی نسلوں میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ تیرے یا تیری بیوی کے آباء میں سے کوئی کالے رنگ والا ہوگا تو اس اصل نے یہ رنگ جذب کیا ہے اور تیرا بیٹا کالے رنگ والا پیدا ہو گیا ہے اب اس تمثیل کے بعد اپنے بیٹے ہونے کا یقین آ گیا چنانچہ مسلم شریف میں ہے: فلم یرخص له في الانتفاء منه علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ محض رنگ کے فرق کی بناء پر بچہ کے نسب کے ثبوت میں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَافَةِ

باب ۵: قیافہ شناسوں کا بیان

(۲۰۵۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُوْرًا تَبْرُقُ اَسَارِيْرُ وَجْهِهٖ فَقَالَ اَلَمْ تَرَيْ اَنَّ مُجَزِّزًا نَظَرَ اٰنِفًا اِلٰى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَاُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ هٰذِهِ الْاَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ بہت خوش تھے خوشی آپ ﷺ کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں پتہ ہے؟ قیافہ شناس شخص نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کیا کہا؟ اس نے کہا ہے یہ دونوں باپ بیٹا ہیں۔

تشریح: قیافہ شناس کے قول سے ثبوتِ نسب کا حکم:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہت گورے اور خوبصورت آدمی تھے جبکہ ان کے صاحبزادے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کالے اور سیاہ تھے اور اپنی ماں کے ہم شکل تھے، ان کی ماں ایک حبشی عورت تھی، جن کا نام برکہ اور کنیت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہے یہ ایک لونڈی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد حضرت عبداللہ کی طرف سے ملی تھیں، آپ نے انہیں آزاد کر دیا تھا یہ وہی ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں جن کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور بچپن میں پرورش میں اہم کردار ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ سے قبل ان کی شادی عبید حبشی سے ہوئی، ان سے ان کا ''ایمن'' نامی بچہ پیدا ہوا، اسی سے ان کی کنیت ام ایمن مشہور ہوگئی پھر ان کی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، باپ بیٹے کی رنگت میں فرق کی وجہ سے منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور دلیل یہ دیتے کہ ایسے حسین اور خوبصورت باپ کا بیٹا اس قدر کالا کیسے ہوسکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس طعنہ زنی پر بہت رنجیدہ اور افسردہ تھے کہ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ مجزز مدلجی جو عرب کا مشہور قیافہ شناس تھا جس کی بات کو اہل عرب سند کے طور پر لیتے تھے، یہ اپنے اس فن میں بہت ماہر تھا، آدمی کی شکل وصورت اور ہاتھ پاؤں دیکھ کر حالات واوصاف اور خصوصیات کا اندازہ کرلیا کرتا تھا، ایک دن مسجد نبوی میں آیا اور دیکھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور اسامہ لیٹے ہوئے ہیں ان کے پاؤں دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ پاؤں جن دو آدمیوں کے ہیں ان کو آپس میں باپ بیٹا ہونا چاہئے، اس بات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے کہ اس کی اس بات سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب پر طعنہ زنی اور عیب جوئی بند ہوجائے گی کیونکہ اس وقت اہل عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوا کرتا تھا اور اس کے فیصلے کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا۔ (تحفۃ الاحوذی ۶/ ۲۸۳)

لغات: قافہ: قائف کی جمع ہے، قیافہ شناس، وہ شخص جو ہاتھ پاؤں کے خطوط اور نشانیات دیکھ کر یہ بتادے کہ یہ فلاں کا بیٹا یا بھائی یا فلاں خاندان کا ہے۔ تبرق: بجلی کی طرح چمک رہے تھے، جگمگا رہے تھے۔ أسارير: یہ اسرار اور اسرۃ کی جمع ہے، پیشانی اور چہرے کے خطوط۔ بعضها من بعض: بعض قدم بعض سے ہیں یعنی ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔ غطيا: ان دونوں نے ڈھانپا ہوا تھا۔ بدت: ان کے پاؤں ظاہر اور کھلے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَثِّ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى التَّهَادِيَةِ

باب ۶: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ کرنے پر برانگیختہ کیا ہے

(۲۰۵۶) تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقُّ فِرْسِنِ شَاةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ایک دوسرے کو تحفے دیا کرو کیونکہ تحفے دل کی ناراضگی کو دور کردیتے ہیں اور کوئی بھی عورت اپنی پڑوسن کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا پایہ (پاؤں) ہو۔

تشریح: ایک دوسرے کو ہدیہ دینے کی ترغیب کا ذکر:

حدیث باب میں ہدیہ دینے کی ترغیب اور اس کے چند فوائد کو بیان کیا گیا ہے، ہدیہ دینے کا سب سے بڑا اور اہم فائدہ یہ حاصل

ہوتا ہے کہ اس سے دل کی کدورتیں، بغض وعداوت کے جراثیم ختم ہوجاتے ہیں، دلوں میں نفرت کے بجائے محبت والفت قائم ہوجاتی ہیں، اس لئے اس سنت پر بڑے اہتمام سے عمل کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ آج کل تقریباً ہر خاندان اور سوسائٹی میں محبتوں کے بجائے دشمنیاں اور نفرتیں بہت زیادہ ہیں، اس سنت پر عمل کیا جائے تاکہ نفرت اور بے رخی کی یہ آگ ٹھنڈی پڑ جائے۔

لا تحتقرن: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی پڑوسن محبت وجذبے سے دوسری پڑوسن کو کوئی معمولی سی چیز تحفہ دے تو اس کو کمتر اور حقیر سمجھ کر رد نہ کیا جائے، خواہ وہ معمولی چیز بکری کے کھر کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، کھر کا ذکر بطور مبالغہ کے کیا گیا ہے کہ بھلے وہ چیز کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو تو بھی اسے دل وجان سے قبول کیا جائے، واپس نہ کیا جائے کیونکہ اس نے انس وپیار اور محبت سے وہ چیز دی ہے اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی کے پاس ہدیہ دینے کی کوئی بڑی چیز نہ ہو، قلیل یا معمولی قسم کی کوئی چیز ہو تو اسے بھی وہ ہدیہ میں دے دیا کرے، یہ سمجھ کر کہ یہ تو حقیر چیز ہے اس کو ہدیہ کرنے کا کیا فائدہ اور پھر اس وجہ سے اسے ہدیہ میں نہ دینا سنت کے خلاف ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۶/۲۷۵)

لغات: تھادوا: (دال پر زبر کے ساتھ) تم آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو۔ تذھب: ختم کرتا ہے، دور کرتا ہے۔ وحر: (واؤ پر زبر اور حاء پر زبر اور سکون کے ساتھ): جلن، کدورت، کینہ، غیظ وغضب۔ لا تحقرن: ہرگز وہ حقیر نہ سمجھے۔ جارۃ: پڑوس۔ شق: (شین کے نیچے زیر اور قاف کی تشدید کے ساتھ) ٹکڑا، حصہ، جزء۔ فرسن: (فاء اور سین کے نیچے زیر اور راء کے سکون کے ساتھ) بکری یا اونٹ کا کھر، ج فراسن۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں ابو معشر نجیح مولیٰ بنی ہاشم ہے جس کو حدیثیں ٹھیک یاد نہیں تھیں، وہ سعید مقبری سے روایت کرتا ہے، پھر سعید براہ راست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ صحیح سند یہ ہے کہ سعید مقبری اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، بخاری کی سند میں عن ابیہ کا اضافہ ہے۔ (بخاری حدیث 2566) اس لئے یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّجُوْعِ فِي الْهِبَةِ

باب ۷: ہبہ کر کے واپس لینا مکروہ ہے

(۲۰۵۷) مَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَالْكَلْبِ أَكَلَ حَتّٰى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فَرَجَعَ فِيْ قَيْئِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کوئی عطیہ دے اور پھر اسے واپس لے اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے جب وہ کچھ کھائے اور سیر ہوجائے تو قے کردے پھر اسے دوبارہ چاٹ لے۔

(۲۰۵۸) لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتّٰى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوع حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ کوئی عطیہ دینے کے بعد اسے واپس لے سوائے والد کے جو وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے اور جو شخص کوئی عطیہ دے کر واپس لے لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو کچھ کھاتا ہے اور جب وہ سیر ہو جاتا ہے تو قے کر دیتا ہے اور پھر دوبارہ اس قے کو چاٹ لیتا ہے۔

مذاہب فقہاء: ہبہ میں رجوع کرنے کا حکم: اگر کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کر دے اور پھر اسے واپس کرنا چاہے تو کیا ہبہ میں رجوع جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

① ائمہ ثلثہ یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی نزدیک ''رجوع فی الھبہ'' ناجائز اور حرام ہے، ہبہ کرنے والا کسی طرح رجوع نہیں کر سکتا، نہ قضاء اور نہ دیانۃً البتہ اگر والد نے کوئی چیز بیٹے کو ہبہ کی ہو اور اب وہ واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے، ان حضرات کا استدلال باب کی احادیث سے ہے۔ جن میں ''لا یحل'' اور ''العائد فی ھبتہ کالکلب''...... کے الفاظ سے ہے اور والد کا استثناء ابوداؤد شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، اس لئے باپ بیٹے کو ہبہ کرے اس میں رجوع جائز ہے، باقی کسی اور کے لئے جائز نہیں۔

② حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر واہب نے اپنے محرم رشتہ دار کے علاوہ کسی کو ہبہ کیا ہو تو اسے واپس لینا نامناسب اور مروت کے خلاف ہے، تاہم اگر وہ لینا چاہے تو قضاء لے سکتا ہے لیکن جو ہبہ کسی محرم رشتہ دار مثلاً بھائی، بہن، بیٹا، ماں اور خالہ وغیرہ کو کیا ہو تو اسے شرعاً واپس کرنے کی گنجائش نہیں۔

حنفیہ کا استدلال: اس حدیث سے ہے: الواھب احق بھبتہ مالم یثب منھا، واہب اپنے ہبہ کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اسے اس کا معاوضہ نہ دیا جائے۔

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث باب میں ''لا یحل'' لاینبغی کے معنی میں ہے کہ ''مناسب نہیں'' اس سے عدم جواز مراد نہیں۔

اور العائد فی ھبتہ حنفیہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع فی الھبہ کو قے چاٹنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، عرف میں اس سے اس عمل کی قباحت و شناعت اور برائی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، معنی یہ ہیں کہ کسی کو کوئی چیز دیکر واپس کرنا بے مروتی اور ناپسندیدہ بات ہے، مکروہ ہے، یہ مطلب نہیں کہ رجوع کرنا حرام ہے، اس لئے اگر واہب کو ضرورت ہو تو وہ واپس کر سکتا ہے۔

② اس حدیث میں دیانت کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ واہب کے لئے دیانۃً جائز نہیں کہ وہ اپنے ہبہ کو واپس لے، اس حدیث میں قضاء کا حکم نہیں بیان کیا گیا، قضا کا حکم اس حدیث میں ہے الواھب احق بھبتہ مالم یثب منھا، اس طرح ان دونوں روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ واہب کے لئے واپس لینا جائز نہیں لیکن اگر قاضی واپسی کا فیصلہ کر دے تو پھر رجوع فی الھبہ جائز ہے۔

الا الوالد من ولدہ: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ باپ بیٹے کو ہبہ کرے تو وہ واپس لے سکتا ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ واپس نہیں لے سکتا اس لئے کہ وہ محرم رشتہ داروں میں سے ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جس میں یہ استثناء ہے، اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ انت و مالک لابیک (تم اور تمہارا مال والد کے لئے ہے) کے قبیل سے ہے کہ اس چیز کی واپسی اس وجہ سے

نہیں کہ ہبہ میں رجوع جائز ہے، بلکہ باپ ہونے کی وجہ سے والد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا مال ضرورت کے وقت لے سکتا ہے، ہبہ نہ کیا ہوتو بھی لے سکتا ہے اور جب ہبہ کیا ہوتو وہ بطریق اولیٰ لے سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقت میں رجوع فی الھبہ نہیں ہے اور اس استثناء کی ضرورت اس لئے پیش آئی کی ذی محرم رشتہ دار کو ہدیہ دیکر واپس نہیں کیا جاسکتا، اس سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ والد اگر کوئی چیز بیٹے کو ہدیہ کرے تو پھر اس کا واپس لینا ممنوع اور مکروہ ہوگا، اس استثناء سے اس شبہ کو ختم کیا گیا کہ یہ رجوع فی الھبہ کے قبیل سے نہیں بلکہ انت و مالك لابيك کی وجہ سے والد کے لئے وہ شے واپس کرنا جائز ہے۔

(اعلاء السنن، باب کراھیة الرجوع فی الھبة 16/100) (تحفة 6/277)

قدر (ض، ن) قدرًا و قدرًا (بفتح الدال و سکونہا) اور قدر تقدیرًا کے معنی ہیں: فیصلہ کرنا، حکم لگانا، کہا جاتا ہے، قدر اللہ علیہ الامر: اور قدر لہ الامر: اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کسی امر کا فیصلہ فرمایا، کوئی چیز اس کے لئے تجویز کی اور شریعت کی اصطلاح میں تقدیر نام ہے قضاء (فیصلہ) کا یعنی کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازل سے جو پلاننگ کی ہے اس کا نام ''تقدیر الٰہی'' ہے عربی میں عام طور پر لفظ قدر مستعمل ہے اور اردو میں تقدیر، مطلب دونوں کا ایک ہے۔

قضاء وقدر کے لغوی معنی:

قضاء کے معنی ہیں حکم اللہ تعالیٰ کی قضاء یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم اور قدر کے معنی ہیں اندازہ اللہ تعالیٰ کی قدر یعنی کسی چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا پیشگی اندازہ جو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی سے عبارت ہے اور اس کے اندازے میں غلطی اور اس کے علم میں تغیر اور تبدل محال ہے۔

تقدیر کی تعریف:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تقدیر کا شرعی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تقدیرہ وھو تحدید کل مخلوق بحدہ الذی یوجد من حسن وقبح ونفع وضرر وما یحویہ من زمان اومکان وما یترتب علیہ من ثواب وعقاب.

''ہر مخلوق کی اس کے حسن قبیح نفع اور ضرر اس کے زمانہ (مدت حیات) اس کے رہنے کی جگہ اور اس کے ثواب اور عذاب کی مقرر کردہ حد کا نام اس کی تقدیر ہے۔''

شرح عقائد:

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بہت لوگوں کا گمان یہ ہے کہ قضا اور قدر کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے علم اور اپنے حکم کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کر دیا ہے حالانکہ اس طرح معاملہ نہیں ہے تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے پہلے ہی یہ خبر دے دی ہے کہ بندہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کام کرے گا اور کیا کام نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خیر اور شر میں سے کیا کیا پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝﴾ (القمر: ۵۲، ۵۳)

”اورانہوں نے جوکچھ کیا وہ سب نوشتوں میں موجود ہے اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔“

اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ نوشتوں میں موجود تھا انہوں نے وہی کیا بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ پہلے سے موجود تھا اور ہر چھوٹا اور بڑا کام لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے یعنی علم معلوم کے تابع ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا یعنی چیزوں کو پیدا کرنے سے پہلے وہ ان کی مقادیر ان کے احوال اور ان کے زمانوں کو جانتا تھا پھر اس نے ان چیزوں کو اپنے علم سابق کے مطابق پیدا کیا لہٰذا عالم سفلی ہو یا علوی اس میں جو چیز بھی صادر ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے صادر ہوتی ہے اس میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہوتا البتہ مخلوق کا ایک قسم کا کسب ہوتا ہے اور ان کی طرف افعال کی نسبت اور اضافت ہوتی ہے اور یہ کسب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اس کی تیسیر اس کی توفیق اور اس کے الہام سے ہوتا ہے اور خالق صرف اللہ سبحانہ ہے۔

قضاء وقدر میں فرق:

قضاء وقدر درحقیقت ایک ہیں مگر کبھی دونوں میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حکم ازلی قضا ہے اور اس کا وقوع قدر ہے، پس قضاء قدر سے سابق ہے مگر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے، تقدیر پلاننگ کا نام ہے اور قضاء اس کے وقوع کا نام ہے، مثلاً جب کوئی مکان بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اجمالی نقشہ ذہن میں قائم کر لیتے ہیں یہ قدر ہے، پھر اس اجمالی نقشہ کے مطابق مکان تیار کرتے ہیں یہ موجود فی الخارج مکان بمنزلہ قضا ہے، آگے رضا بہ قضا کا باب آرہا ہے، اس سے بھی یہی فرق سمجھ میں آتا ہے کہ جو کچھ واقع ہو یعنی جب تقدیر کا ظہور ہو تو بندے کو اس پر راضی رہنا چاہئے، یہ بات دونوں میں فرق کی طرف اور تقدیر کے سابق اور قضا کے لاحق ہونے کی طرف مشیر ہے مگر یہ کوئی اہم فرق نہیں، برائے نام فرق ہے اس لئے دونوں کو ایک کہنا بھی درست ہے۔

بھلی بری تقدیر کا مطلب:

حدیث: جبرئیل میں ایمانیات میں **تومن بالقدر خیرہ و شرہ** آیا ہے یعنی مومن ہونے کے لئے تقدیر پر ایمان ضروری ہے اور اس کے بھلے برے ہونے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور ابن ماجہ کے مقدمہ میں **بالاقدار کلھا: خیرھا و شرھا، حلوھا و مرھا** ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام طے کردہ باتوں پر، خواہ وہ بھلی ہوں یا بری، میٹھی ہوں یا کڑوی، ایمان لانا ضروری ہے، ان حدیثوں میں ضمیروں کا مرجع قدر اور اقدار ہیں، اور تقدیر الٰہی کا بھلا برا اور میٹھا کڑوا ہونا انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کی پلاننگ کے اعتبار سے ہر چیز بھلی ہے پس بھلی تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ طے کردہ باتیں انسانوں کے لئے مفید ہوں یا مضر، میٹھی ہوں یا کڑوی یعنی اچھی لگیں یا بری سب پر ایمان لانا ضروری ہے جیسے گھی کے بارے میں تجویز الٰہی یہ ہے کہ وہ صحت بخش ہے اور زہر کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ مہلک ہے، اسی طرح ایمان اور اعمال صالحہ کے بارے میں طے ہے کہ وہ جنت میں لے جانے والے اعمال ہیں اور کفر و معاصی جہنم میں لے جانے والے ہیں یعنی اول انسان کے لئے مفید اور ثانی مضر اعمال ہیں، اسی طرح بچہ کا زندہ رہنا انسان کو پسند ہے اور مرجانا پسند نہیں ہے، بہرحال یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

اور کائناتی چیزوں کی حد تک ہر شخص تقدیر الٰہی کا قائل بھی ہے اور اس کا پابند بھی ہے، لوگ بڑی قیمت دے کر گھی خریدتے ہیں

اور استعمال کرتے ہیں اور زہر کے پاس کوئی نہیں پھٹکتا، اور کسی کو اس معاملہ میں تقدیر الٰہی پر اعتراض نہیں مگر جب ایمان و اعمال صالحہ کا معاملہ آتا ہے تو انسان باتیں چھانٹتا ہے اور جب اس کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو جزع فزع کی حد کر دیتا ہے، یہ تقدیر پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ لوگ ''بھلی بُری تقدیر'' کا مطلب: نفس الامر کے اعتبار سے بھلی بری تقدیر یعنی فی نفسہ بھلی بری تقدیر سمجھتے ہیں حالانکہ اس اعتبار سے تو ہر چیز خیر محض ہے، کوئی برا نہیں کارخانہ خداوندی میں۔ بلکہ مراد انسان کے تعلق سے بھلا برا ہونا ہے یعنی انسان کے لئے مفید اور غیر مفید ہونا ہے اور اس کو کائناتی چیزوں کی حد تک ہر چیز تسلیم کرتا ہے اور مفید باتیں حاصل کرنے کی اور مضر باتوں سے بچنے کی سعی کرتا ہے۔ پس اعمال و واقعات میں بھی یہ بات مان لینی چاہئے اور یہی بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے۔

تقدیر کا دائرہ:

کائنات خواہ ارضی ہو یا سماوی، اس کا کوئی ذرہ اور اس کا کوئی حال تقدیر کے دائرہ سے باہر نہیں اور تقدیر صرف اجمالی نہیں بلکہ تفصیلی ہے، یعنی تقدیر میں صرف مسببات و معلولات ہی نہیں بلکہ ان کے اسباب و علل بھی ہیں، ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ جھاڑ پھونک جس کو ہم (دکھ درد میں) کرواتے ہیں اور وہ دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ پرہیز (اور بچاؤ کی تدبیریں) جن کو ہم اپناتے ہیں کیا یہ چیزیں قضا و قدر کو ٹال سکتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سب چیزیں اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں'' یعنی ہم جن مقاصد کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جن اسباب کو اختیار کرتے ہیں وہ سب اللہ کی تقدیر کے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی اور وہ فلاں جھاڑ پھونک یا فلاں دوا کرے گا جس سے وہ اچھا ہو جائے گا۔

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ (ناقابل) ہونا اور ہوشیار ہونا۔'' (رواہ مسلم)

یعنی آدمی کی صفات، قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، اور عقل مندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں پس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ سب اللہ کی قضا و قدر کے ماتحت ہے۔

اسی طرح مکلف مخلوقات کے جملہ احوال بھی قضا و قدر کے دائرہ میں ہیں، یعنی یہ طے کر دیا گیا ہے کہ جن و انس ایک جزوی اختیار رکھنے والی مخلوقات ہوں گی اور ان میں سے فلاں فلاں اپنے کسب و اختیار سے یہ عمل کر کے جنت میں جائیں گے اور اتنے افراد یہ عمل کر کے جہنم میں جائیں گے اور دیگر مخلوقات کے لئے جزوی اختیار نہیں ہوگا، اس لئے وہ پاداش عمل کے قانون سے مستثنیٰ ہوں گی۔ غرض سب احوال اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ تقدیر الٰہی میں طے شدہ ہیں۔

تقدیر کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں، وہ جو چاہیں کائنات میں تصرف کر سکتے ہیں اور وہ اپنے چاہنے میں کسی کے پابند نہیں، وہ اپنی مشیت میں ہر طرح آزاد ہیں، مگر یہ ان کا مخلوقات پر فضل و کرم ہے اور انسان کے لئے جس کو خلافت ارضی سونپی گئی ہے ضروری بھی ہے کہ انہوں نے اپنی مشیت کو آزاد اور بے قید نہیں رکھا بلکہ ہر چیز کو تقدیر الٰہی سے وابستہ کر دیا ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات طے شدہ ہے،

اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتے تو انسان بڑی الجھنوں میں پڑ جاتا، اس کی سمجھ ہی میں نہ آتا کہ وہ کیا کھائے اور کیا نہ کھائے، کیونکہ نتیجہ معلوم نہیں، اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کے کیا آثار پیدا کریں گے کیونکہ آثار ونتائج طے شدہ نہیں، اس طرح وہ اندھیرے میں رہتا کہ وہ کونسی زندگی اپنائے، جس سے مولیٰ خوش ہو اور کیسی زندگی اپنانے سے احتراز کرے کہ مولیٰ ناخوش نہ ہو، وہ ہمیشہ شش و پنج میں مبتلا رہتا، کوئی فیصلہ نہ کر پاتا، کیونکہ کوئی بات طے شدہ نہیں اور اب جبکہ ساری باتیں طے کردی گئی ہیں انسان ہر چیز کے متعلق آسانی سے فیصلہ کرسکتا ہے، عقل کی روشنی یا معمولی راہنمائی بھی اس کے لئے کافی ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کے بارے میں عقل سے کام لینے کی اور اس میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر زندگی اور کائنات کے لئے کوئی قانون اور نظام ہی نہ ہوتا اور یہ سب کچھ بے قید مشیت ایزدی کی کرشمہ سازی ہوتی تو پھر ان میں غور وفکر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور اگر کوئی غور وفکر کرتا بھی تو اس کا حاصل کیا ہوتا؟

تقدیر کا مسئلہ آسان ہے:

اور تقدیر کا مسئلہ آسان ہے، اس میں کچھ پیچیدگی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمانیات میں شامل ہے، تقدیر پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، اور ایمان کا مکلف ہر عاقل و بالغ ہے، اور سب لوگوں کی عقلیں یکساں نہیں، پس کوئی ایسا مسئلہ ایمانیات میں کیسے شامل کیا جاسکتا ہے جو ہر ایک کے لئے قابل فہم نہ ہو ورنہ بعض لوگوں کے حق میں تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی، جو باطل ہے، پس لامحالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کی تقدیر کا مسئلہ ہر کس و ناکس کے لئے قابل فہم ہے کیونکہ یہ کوئی دقیق مسئلہ نہیں، اور حدیث شریف میں جو تقدیر کے باب میں تنازع کی ممانعت آئی ہے اور اس معاملہ میں تنازع کی وجہ سے امم سابقہ کے ہلاک ہونے کا ذکر آیا ہے اس میں تنازع سے بحث ومباحثہ مراد ہے اور قضا وقدر میں بحث ممنوع اس لئے ہے کہ یہ خدا کی صفات میں بحث ہے کیونکہ قضا وقدر اللہ کی صفات ہیں اور صفات میں بحث، ذات میں غور وفکر ہے اور خالق میں غور کرنے کی ممانعت ہے۔ اور سابقہ اُمتوں کے ہلاک ہونے سے مراد ان کی گمراہی ہے، قرآن وحدت میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے اس لئے آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت اور وئیں جب انہوں نے اس مسئلہ کو بحث کا موضوع بنایا اور تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی اور گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔ (معارف الحدیث ۱/ ۱۷۵)

تقدیر کا مسئلہ مشکل کیوں بن گیا ہے؟

اور تقدیر کا مسئلہ دو وجہ سے مشکل بن گیا ہے: **پہلی وجہ:** یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تقدیر کا مسئلہ درحقیقت صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے اور صفات الٰہیہ کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، ان کی تمام حقیقت سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں، صفات کے بارے میں ایک حد پر پہنچ کر رک جانا پڑتا ہے، اسی طرح تقدیر کے مسئلہ میں بھی ایک حد پر رکنا ضروری ہے، مگر لوگ رکتے نہیں، وہ سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ بات صفات کے تعلق سے ممکن نہیں، یہی بات درج ذیل حدیث میں سمجھائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ دوزخ کا اور جنت کا لکھا جاچکا ہے۔" (بس تقدیر کا مسئلہ اتنا ہی ہے)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: پس کیا ہم اس نوشتہ پر بھروسہ کرکے بیٹھ نہ رہیں؟ اور عمل چھوڑ نہ دیں؟! (یہ تقدیر کے مسئلہ پر اٹھنے والا

سوال ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: "عمل کئے جاؤ، ہر ایک کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، نیک بخت کو نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور بد بخت کو بد بختی کے کاموں کی، اور دلیل میں آپؐ نے سورۃ اللیل کی آیات 10-5) پڑھیں۔(مشکوۃ حدیث 85)

اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ ان کو عمل میں لگایا ہے کیونکہ قضاء وقدر کے مسئلہ کو جس حد تک آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اسی حد تک سمجھا جاسکتا ہے، اس سے آگے کی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اس حد پر رک جانا ضروری ہے، تمام صفات خداوندی کا یہی معاملہ ہے۔

رہی یہ بات کہ تقدیر کا مسئلہ صفات الٰہیہ کا مسئلہ کیسے ہے؟ یہ بات اس سے واضح ہے کہ عرف میں قضاء وقدر ایک ساتھ بولتے ہیں، یہ دو مترادف لفظوں کا عطف تفسیری کے ساتھ استعمال ہے اور "قضاء" کا صفت الٰہی ہونا قرآن کریم میں بیسیوں جگہ مصرح ہے، مثلاً: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳) اور سورۃ الاحزاب آیت ۳۸ میں ہے: ﴿وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ (اور اللہ کا حکم (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہے) ان آیات سے قضاء وقدر کا صفت الٰہی ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔

دوسری وجہ: ہماری صفات مفہوم کے اعتبار سے ہماری ذات سے زائد (مغائر) ہیں اور وجود کے اعتبار سے متحد، اسی طرح ہماری متعدد صفات اپنے مفاہیم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں مگر سب ذات کے وجود میں شامل ہیں، یعنی صفات: ذات کے ساتھ مل کر ایک اکائی بناتی ہیں، یہی حال بلاتشبیہ ذات رب اور صفات الٰہیہ کا ہے اور ہر صفت کا اپنا ایک دائرہ ہے جیسے صفت سمع کا دائرہ الگ ہے اور صفت بصر کا الگ، مگر کبھی ایک صفت کے دوسری صفت پر اثرات پڑتے ہیں، اگر ان سب باتوں کو باریک بینی سے ملحوظ نہ رکھا جائے تو حقائق فہمی میں دشواری پیش آئے گی، مثلاً خداوند قدوس کے تعلق سے اگر تقدیر معلق کا قائل ہوا جائے تو شمول علم کے مسئلہ پر اس کا اثر پڑے گا، یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کا علم عام وتام نہیں، حالانکہ شمول علم کے مسئلہ میں آج تک کسی فرقہ نے اختلاف نہیں کیا، اسی طرح بندوں کو ان کے اختیاری اعمال میں مختار کل مانا جائے تو عموم قدر کے مسئلہ پر اثر پڑے گا، ماننا پڑے گا کہ کچھ چیزیں اللہ کے اختیار میں نہیں، بندوں کے اختیار میں ہیں، تو یہ ایسی حماقت بھری بات کون مان سکتا ہے۔

اسی طرح لوگ قضاء وقدر کے مسئلہ کو شمول علم کے مسئلہ کے ساتھ رلا دیتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے کہ ایسا ہونا ہے تو ویسا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ کا علم غلط نہیں ہوسکتا پھر بندے بااختیار کیسے ہوئے؟ وہ تو مجبور محض ہو گئے! حالانکہ سوچنے کا انداز یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر ازل میں سب چیزوں کو طے شدہ نہیں مانیں گے تو شمول علم کی بات غلط ہو کر رہ جائے گی، جب کائنات کے ذرہ ذرہ پر اللہ کا علم محیط ہے تو ضروری ہے کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہو، ورنہ اللہ کو ان کا علم کیسے ہوگا؟ غرض صفات کے دائرے الگ الگ ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اور ایک صفت کے دوسری صفت پر پڑنے والے اثرات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے تقدیر کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے فائدے:

پہلا فائدہ: تقدیر پر ایمان کے ذریعہ آدمی اس ہم آہنگ نظم وانتظام کو سمجھ سکتا ہے جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے، وہ جان لے گا کہ تمام کائنات ایک منظم ومتحد قانون کی پابند ہے، کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے برتاؤ میں پوری طرح یگانگت ہے، تفاوت نہیں۔

دوسرا فائدہ: جس شخص کا تقدیر الٰہی پر ٹھیک ایمان ہوگا اور وہ جانتا ہوگا کہ ہر چیز ازل سے طے شدہ ہے، کوئی امر منتظر نہیں، ہر بات فیصل ہو چکی ہے، اس کی نگاہ اللہ کی قدرت کاملہ کی طرف اٹھی رہے گی، وہ دنیا و مافیہا کو خدا کا پرتو سمجھے گا، وہ جان لے گا کہ ہر چیز قضاء و قدر سے ہے حتیٰ کہ اختیاری اعمال میں بھی بندوں کو جو اختیار حاصل ہے وہ اللہ کی دین ہے، انہوں نے ہی ازل میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکلف مخلوقات کو ایک جزوی اختیار حاصل ہو، اسی فیصلے کی وجہ سے بندے مختار ہیں اور بندوں کا حال اس معاملہ میں ایسا ہے جیسا آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کا ہے کہ وہ ذی صورت کا پرتو اور ظل ہے، اسی طرح بندوں کو اختیار بھی خالق ارض وسماء کی طرف سے ملا ہے اور جب بندہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھے گا اور خود کو "مردہ بدست زندہ" سمجھے گا تو وہ ہر معاملہ میں مطمئن رہے گا، کسی معاملہ میں اس کو کوئی غیر معمولی پریشانی لاحق نہیں ہوگی، وہ ہر حالت کو اللہ کی طرف سے سمجھے گا۔

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (النساء:۷۸)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے۔"

تقدیر کے ساتھ تدبیر ضروری ہے: کہ تقدیر پر ایمان لانا معرفت خداوندی کے لئے ضروری ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق بنایا ہے، پس ہمیں اپنے اختیار سے اپنے لئے مفید کام کرنے چاہئیں اور اپنے اختیار سے اپنے لئے مضر کاموں سے بچنا چاہئے تاکہ آخرت میں ہمارے لئے جو مفید گھر ہے یعنی جنت وہ ہمیں ملے اور جو مضر جگہ ہے یعنی جہنم اس سے ہم بچ جائیں، آگے قضاء و قدر کی جو روایات آرہی ہیں ان کو پڑھتے وقت یہ نکتہ خاص طور پر پیش نظر رہنا چاہئے، جب نبی ﷺ نے تقدیر کا مسئلہ سمجھایا تو صحابہ کو اشکال پیش آیا یہ اشکال ان کو اللہ کی جانب سے تقدیر پر نظر کرنے کی وجہ سے پیش آیا تھا، نبی ﷺ نے ان کی نظر اس طرف پھیری کہ ہم بندوں کو اپنی جانب سے تقدیر کو دیکھنا چاہئے، یہی تدبیر ہے، فرمایا: **اعملوا فکل میسر لما خلق له:** اپنے اختیار سے اچھے عمل کرو، ہر انسان کے لئے وہی عمل آسان کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے یعنی دوسرے عمل کا وہ تصور نہیں کر سکتا۔

تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے: اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر تقدیر مبرم اور ملزم ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ لازم کرنے والا ہے، جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے یعنی اس طے شدہ امر سے حوادث کا تخلف نہیں ہو سکتا، اور تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر بڑھاتا ہے اور جھوٹ روزی گھٹاتا ہے اور دعا فیصلہ خداوندی کو پھیر دیتی ہے" یہ باتیں معلق صرف بندوں کے علم اور ظہور حوادث کے اعتبار سے ہیں، علم الٰہی کے تعلق سے ہر شے طے شدہ ہے، ازل سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہونا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ طالب علم اگر محنت کرے گا تو امتحان میں کامیاب ہوگا اور کھیلے گا تو فیل ہوگا، یہ بات صرف بندوں کے اعتبار سے ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کے ازلی کے اعتبار سے نہیں، ان کو ازل سے وہ پہلو معلوم ہے جو ظہور پذیر ہونے والا ہے، بلکہ وہ پہلو انہی کا طے کیا ہوا ہے ورنہ علم الٰہی کا ناقص ہونا لازم آئے گا کیونکہ ماننا پڑے گا کہ کچھ باتیں ان کو ازل میں متعین طور پر معلوم نہیں تھیں توبہ! توبہ!!

اور اس سے جبر اس لئے لازم نہیں آتا کہ علم معلوم سے متزع ہوتا ہے یعنی معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم کبھی علم کے تابع نہیں

ہوتا، جیسے تاج محل کا واقعی علم وہ ہے جو تاج محل سے حاصل ہو، تاج محل کبھی ہمارے تصور کے تابع نہیں ہوسکتا، بس فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے، اکتسابی نہیں، اس لئے وہ معلومات کے محتاج نہیں، وہ لایزال میں جو کچھ رونما ہونے والا ہے اس کو ازل سے بغیر معلومات کے جانتے ہیں اور چونکہ ان کا علم واقعہ کے مطابق ہے اس لئے وہ جو کچھ جانتے ہیں وہی ہوگا، ورنہ ان کا علم غلط ہو جائے گا، مگر قاعدہ وہی رہے گا کہ علم معلوم سے حاصل ہوتا ہے یعنی علم معلوم کے تابع ہوتا ہے، معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا اس لئے جبر لازم نہیں آئے گا۔

خلاصۂ کلام: قدر و تقدیر کے معنی ہیں: اندازہ کرنا، اسکیم بنانا اور پلاننگ کرنا، جس طرح آدمی حویلی بناتا ہے تو پہلے نقشہ بناتا ہے، پھر اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے علم ازلی میں اس عالم کے لئے پلاننگ کی ہے، جس میں انسان کا مکلف ہونا بھی شامل ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے جزوی اختیار دیا ہے اور وہ اپنے اختیار سے کیا کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، کائنات کا کوئی ذرہ ان سے مخفی نہیں اور یہ معرفت خداوندی کا پہلو ہے اور اس اعتبار سے تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ معرفت خداوندی ناتمام رہ جائے گی۔

اور معرفت خودی کے نقطہ نظر سے اس طرح سوچنا چاہئے کہ ہم بندے ہیں اور مجبور بندے نہیں ہیں بلکہ جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق ہیں، پس ہم بہ اختیار خود اچھا بھی کر سکتے ہیں اور برا بھی، پس ہمیں اچھے کاموں کی سعی کرنی چاہئے اور برے کاموں سے بچنا چاہئے، یہ اپنی جانب سے تقدیر الٰہی پر غور کرنے کا طریقہ ہے، نبی ﷺ نے صحابہ کو اسی کی تعلیم دی ہے، یہی تقدیر کے ساتھ تدبیر ہے اور دنیوی امور کی حد تک ہر شخص تدبیر کی ضرورت کا قائل ہے، ہر شخص ہاتھ پیر ہلاتا ہے تاکہ روزی روٹی ملے، اشکال صرف ایمان و کفر اور اعمال صالحہ وسیئہ میں پیش آتا ہے، یہ ٹھیک نہیں، اس میں بھی تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر ضروری ہے یعنی اپنے اختیار تمیزی سے ایمان لانا اور نیک کام کرنا ضروری ہے، تاکہ ہم جنت سے ہم کنار ہوں۔ واللہ الموفق

مثالوں سے مزید وضاحت:

بعض مسائل ذوجہتین ہوتے ہیں اور دونوں جہتوں کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں وہاں اگر فرق مراتب نہ کیا جائے تو مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

① حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، حتیٰ کہ نبی ﷺ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ اللہ کے فضل و کرم کی وجہ سے جائیں گے...... یہاں بھی سوال پیدا ہوگا کہ پھر عمل سے کیا فائدہ؟ نیز قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں کہ ایمان و اعمال صالحہ جنت میں لے جائیں گے اور کفر و اعمال سیئہ جہنم میں پہنچائیں گے، پس پہلی حدیث ان تصریحات کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہی ہے کہ پہلی حدیث میں جو بات ہے وہ عقیدہ ہے اور قرآن و حدیث کی تصریحات میں اسباب کا بیان ہے جو برائے عمل ہیں کیونکہ اسباب محض اسباب ہوتے ہیں، مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہیں، پس جس طرح کھانے پینے سے شکم سیری اور سیرابی حاصل نہیں ہوتی بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ شکم سیر اور سیراب کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، مگر شکم سیری اور سیرابی کے لئے اسباب اختیار کرنے ضروری ہیں کیونکہ وہ برائے عمل ہیں۔

② اللہ تعالیٰ رزاق ہیں، قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، مگر یہ عقیدہ ہے، برائے عمل یہ بات نہیں ہے، عمل کے لئے وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے روزی کے لئے پیدا کئے ہیں، چنانچہ ہر شخص روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہتا ہے وہ بے وقوف ہے، یہاں بھی مسئلہ کی دو جانبیں ہیں: ایک اللہ کی جانب ہے اور وہ صرف عقیدہ ہے۔ اور دوسری: عمل کی جانب ہے اور وہ اسباب کو اختیار کرنا ہے۔

اسی طرح تقدیر کے مسئلہ کی بھی دو جانبیں ہیں۔ ایک اللہ کی جانب ہے کہ سب کچھ ازل سے طے شدہ ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ جانتے بھی ہیں، مگر یہ صرف عقیدہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے اور دوسری بندوں کی جانب ہے، جو عمل کی جانب ہے یعنی ہم کو یہ حکم ہے کہ اپنے اختیار تمیزی سے اچھے کام کریں تا کہ اچھے انجام سے ہم کنار ہوں۔ کیونکہ یہ دنیا دار الاسباب ہے، یہاں ہر چیز کا سبب ہے جس سے مسببات وجود میں آتے ہیں اور تقدیر الٰہی میں صرف مسببات نہیں بلکہ اسباب بھی ہیں اور کائنات کو برتنے کی حد تک ہر شخص اس کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہے، پس کیوں نہ ایمان واعمال صالحہ اور کفر اور اعمال سیئہ میں بھی یہ بات تسلیم کرلی جائے؟ یعنی جو جنت میں جائے گا وہ اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ بھی اس کے اسباب کی وجہ سے جائے گا اور تقدیر الٰہی اسباب ومسببات کے مجموعہ کا نام ہے، تقدیر میں صرف مسببات ہی نہیں ہیں، اسباب بھی ہیں اور اسباب اختیار کرنا یہ عمل کی جانب ہے اور اسی اعتبار سے تقدیر معلق ہے، امید ہے کہ اس سے مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی، مزید تفصیل احادیث کی شرح میں آئے گی۔

حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اللہ عزوجل کی صفت ابداع سے عالم بغیر کسی شے آخر کے معرض وجود میں آیا، پھر صفت تخلیق سے باقی خلقت اور موالید ثلاثہ یعنی حیوانات بشمول انسان کے، نباتات اور معدنیات معرض وجود میں آئے کہ یہ ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں اور صفت تدبیر سے ان امور کا انتظام وانصرام جاری وساری ہے جو آج تک محار العقول بنا ہوا ہے۔

بہر حال کائنات اور مخلوق کی تخلیق سے قبل عالم کا جو علم یا اس کا نقشہ ہے کہ کیا چیزیں پیدا ہوں گی؟ اور کب اور کیسے پیدا ہوں گی؟ پھر ان معلوم کو لوح محفوظ میں لفظ بلفظ درج کیا گیا ہے اس کا نام ہے ازلی فیصلے اور تقدیر ہے۔ لفظ قضاء بھی اس کے ہم معنی ہے جبکہ بعض حضرات نے اجمالی حکم ازلی کو قضاء اور اس کی تفاصیل وجزئیات کو تقدیر سے تعبیر کیا ہے، بعض نے اس کے برعکس تعبیر کو اختیار کیا ہے۔

علم بالمعدوم تو جائز ہے مگر اس کے باوجود اس مسئلہ میں عقول حیران ہیں اور صحیح صورت حال سمجھنے سے قاصر ہیں اس لئے بڑے بڑے ارباب عقل کے قدم یہاں آکر پھسل جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الْخَوْضِ فِي الْقَدَرِ

باب ۱: تقدیر کے بارے میں بحث ومباحثہ اور گفتگو کرنے کی (ممانعت کی) شدت کے بارے میں ہے

(۲۰۵۹) خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَاَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِيْ

هٰذَا الْأَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَتَنَازَعُوا فِيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہم اس وقت تقدیر کے موضوع پر بحث کر رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں آ گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا یوں جیسے انار کے دانوں کا عرق نچوڑ دیا گیا ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ یا اس لیے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے؟ تم سے پہلے کے لوگ اس وقت ہلاکت کا شکار ہوئے جب انہوں نے اس معاملے میں اختلاف کیا میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں آئندہ اس بارے میں بحث نہ کرنا۔

تشریح: تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ سے اجتناب کیا جائے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں تقدیر کے مسئلے پر بحث کر رہے تھے، بعض صحابہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ جب سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو پھر ثواب و عذاب کا ترتب کیوں ہوتا ہے اور کچھ حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ اس میں اللہ کی کیا مصلحت و حکمت ہے کہ بعض انسانوں کو جنت کے لئے پیدا کیا اور بعض انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے، کچھ صحابہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسانوں کو ہر قسم کا عمل کرنے کا اختیار دے دیا ہے، کچھ نے کہا کہ یہ اختیار کس نے دیا، اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، صحابہ کو ان باتوں میں مشغول پانے کی وجہ سے آپ کا چہرہ انور غیظ و غضب کی وجہ سے سرخ ہو گیا، یوں گویا کہ آپ کے رخساروں پر انار نچوڑا گیا ہے، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا دیا گیا کہ مسئلہ تقدیر اللہ کا ایک راز ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا، اس میں عقل کی بنیاد پر بحث و مباحثہ کرنا درحقیقت گمراہی کا راستہ اختیار کرنا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا کہ تمہیں تقدیر کے بارے میں بتاؤں اور تم اس میں اُلجھتے رہو۔ میری بعثت کا صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچاؤں اور دین و شریعت کے فرائض و اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں، تم لوگ تقدیر کے مسئلے میں مت پڑو، اس کے بارے میں تمہارا اتنا ہی اعتقاد کافی ہے کہ یہ خدا کا ایک راز ہے جس کی حقیقت و مصلحت وہی جانتا ہے لہٰذا اس کو اس کی مرضی پر ہی چھوڑ دو۔

قاضی محمد مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے علم ازلی کے بارے میں تمام مذاہب نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "تفكر في هذا المقام فانه من مزلة الاقدام"۔ اس لئے اس مسئلے میں از روئے عقل بحث کرنا ممنوع بھی ہے اور خطرناک بھی، تجربہ شاہد ہے کہ جس نے اس کی تہہ تک جانے کی کوشش کی ہے وہ غرق و ہلاک ہوا ہے، کوئی قدری بن گیا یعنی منکر تقدیر اور کوئی جبری بن گیا ہے جو انسان کو پتھر کی طرح ماننے لگا ہے حالانکہ تحقیق ان دونوں کے درمیان ہے کہ انسان کاسب ہے مگر خالق نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شرح عقائد اور نبراس وغیرہ۔ (کذا فی مرقات المفاتیح ص: 256، ج: 1)

حاشیہ کوکب الدری پر مرقات کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا "طريق مظلم الاتسلكه" یعنی تاریک راستہ ہے تم اس پر نہیں جا سکتے، اس نے پھر سوال کیا تو فرمایا: "بحر عميق لاتلجه" یعنی گہرا سمندر ہے تم اس میں غوطہ زن نہیں ہو سکتے ہو، اس نے پھر سوال کیا تو فرمایا:

"سر الله خفي عليك فلا تفتشه" (ایضاً راجع للروایات مجمع الزوائد: ص 292)

یعنی اللہ کا پوشیدہ راز ہے اس کی تفتیش حال مت کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ جو اللہ کے راز کو افشاء کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ

رسوا کردیا جاتا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت والجماعت کی تعریف یہ کی ہے جو ظاہر کتاب وسنت کو تھامے رکھے اگرچہ وہ عقل کے دائرہ کار سے باہر ہو یعنی ایسی نصوص جن میں عقل حیران رہ جاتی ہو ان پر کسی تاویل کے بغیر ایمان لاتے ہوں۔

اختار قوم ظاهر الكتاب والسنة وعضوا بنوا جذهم على عقائد السلف ولم يبالوا بموا فقها للاصول العقلية ولا لمخالفتها لها... وهم اهل السنة. (مقدمه حجة الله البالغه)

یعنی اگرچہ شریعت کی کوئی چیز عقل کے منافی نہیں لیکن ایسا ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ کسی کی عقل سے بالاتر ہو ایسے میں صحیح اور صریح نص کے اندر کسی قسم کی تاویل جائز نہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ محال عقل تو نہیں لیکن محار العقل ہے اور میرا اس پر ایمان ہے۔ تقریب الی الفہم کی غرض سے ایک نظیر پیش کی جاتی ہے، اس سے تقدیر کے مسئلہ کو سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملے گی۔ جس طرح کوئی فاعل مختار اپنے اختیار سے اور ارادے سے، اور پوری بصیرت اور مہارت کے ساتھ کوئی کام کرتا ہے تو اس سے پہلے اس کے ذہن میں یعنی علم میں اس کام کا نقشہ ہوتا ہے اور اس کا کام کا فائدہ اور وجہ بھی ملحوظ ہوتی ہے جس کو علت غائی کہتے ہیں، پھر اگر وہ کام بہت بڑا ہو تو اس کا نقشہ بھی تیار کرلیا جاتا ہے جیسے بہت بڑی بلڈنگ بن رہی ہو یا کوئی کارخانہ تعمیر ہو رہا ہو تو انجینئر اس کا ماڈل تیار کرتا ہے اور جب کام شروع ہو جاتا ہے تو اس کی تمام کارروائی اور تفصیلات اس نقشے اور ماڈل کے مطابق نظر آتی ہے، ایسا ہی (بلا تشبیہ) ازل میں جو فیصلے ہوئے ہیں اور مستقبل کی تمام تفصیلات جو ازل میں لکھی گئی ہیں ان کا نام تقدیر ہے جس سے ذرا بھی آگے پیچھے ہونے کا کوئی امکان نہیں اگرچہ اللہ کو انجینئر کی طرح ماڈل تیار کرنے کی ضرورت نہیں مگر چونکہ اللہ کا ہر کام ضابطے سے ہوتا ہے اس لئے یہ تفصیلات لوح محفوظ پر اتاری گئی ہیں تاکہ اللہ کے لامتناہی علم اور بے انتہا قدرت کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کیا جائے کہ لامتناہی اوقات کا علم ازل میں رکھتا ہے اور ازل ہی سے ایک نظام مقرر کیا اب اس میں کبھی بھی سرِ مو گڑبڑ نہیں ہوتی۔ ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ کچھ مزید وضاحت ابواب کے ضمن میں آئے گی۔

هلك من كان قبلكم: اس ہلاکت سے غالباً گمراہی مراد ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے، اس بناء پر آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت آیں جب انہوں نے مسئلہ تقدیر کو بحث ومباحثہ کا موضوع بنایا۔

لغات: الخوض في القدر: تقدیر کے بارے میں بحث ومباحثہ اور گفتگو میں مشغول ہونا۔ نتنازع في القدر هم تقدیر کے بارے میں لڑائی جھگڑا یعنی بحث مباحثہ کر رہے ہیں۔ فقي: نچوڑا گیا۔ وجنتيه: آپ کے رخسار۔ الرمان: انار۔ عزمت عليكم: میں تم کو قسم دیتا ہوں۔

"حتى احمر" غضب کا غایہ ہے اور "حتى كانما...الخ" احمر کا غایہ ہے۔ قوله: "ابهذا...الخ" دو استفہام ہیں، دونوں انکاری ہیں اور انکار بعد الانکار ترقی اور مبالغے کے لئے ہے۔ قوله: "عزمت" اى اقسمت و اوجبت، یعنی میں تمہیں قسم دیتا ہوں اور تم پر لازم کردیتا ہوں۔

باب فی حجاج آدم وموسیٰ علیهما السلام

باب ۲: آدم وموسیٰ علیہما السلام میں ایک مناظرہ

(۲۰۶۰) اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰی فَقَالَ مُوْسٰی یَا اٰدَمُ اَنْتَ الَّذِیْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِیَدِهٖ وَنَفَخَ فِیْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ اَغْوَیْتَ النَّاسَ وَاَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ فَقَالَ اٰدَمُ وَاَنْتَ مُوْسَى الَّذِیْ اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهٖ اَتَلُوْمُنِیْ عَلٰی عَمَلٍ عَمِلْتُهٗ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ قَالَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰی.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان بحث ہوگئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے حضرت آدم علیہ السلام آپ وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت کے ذریعے پیدا کیا آپ میں اپنی روح کو پھونکا اور آپ نے لوگوں کو گمراہ کروادیا اور انہیں جنت سے نکلوادیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا آپ وہی موسیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے لیے منتخب کیا کیا آپ ایک ایسے عمل کے بارے میں مجھے ملامت کررہے ہیں؟ جو میں نے کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہی میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس طرح حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

تشریح: اوّل: یہ مناظرہ محاجہ کیوں واقع ہوا؟

جواب: ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی میں آدم علیہ السلام کی زیارت چاہتا ہوں جنہوں نے ہم سب کو جنت سے نکالا ہے موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست منظور ہوگئی اور آدم علیہ السلام سے ان کی ملاقات کرادی گئی۔

اوّل: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں آدم علیہ السلام کو زندہ کیا گیا، اس وقت یہ محاجہ ہوا۔

دوم: یہ محاجہ کہاں واقع ہوا؟ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

سوم: حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو کھول دیا گیا، قبر پر یہ محاجہ ہوا۔

چہارم: حضرت آدم علیہ السلام کی روح سے موسیٰ کی ملاقات کرائی گئی اس وقت یہ محاجہ ومناظرہ ہوا۔

پنجم: یہ محاجہ خواب میں ہوا۔

ششم: عالم برزخ میں ملاقات ہوئی۔ **ہفتم:** ابھی محاجہ نہیں ہوا بلکہ آخرت میں ہوگا تحقق وقوع کی وجہ سے صیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔

ہشتم: ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ضرب المثل ہے یعنی نہ ایسا ہوا اور نہ ہوگا بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ایسی گفتگو ان کے درمیان ہوتی۔

نہم: بعض روایات میں عنداللہ واقع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آخرت میں یہ محاجہ ہوگا مگر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہاں عندیت تشریعی ہے مراد یہ ہے کہ یہ ہوچکا ہے یعنی اللہ کی عنایات وعطوفت میں یہ مناظرہ ہوچکا ہے۔

دہم: عالم ارواح میں ہوا۔

یازدھم: شب معراج میں جب جملہ انبیاء علیہم السلام موجود تھے اس وقت محاجہ ہوا۔

① فحج آدم علیہ السلام موسیٰ لانہ ابوہ ② یا اس وجہ سے کہ دونوں کی شریعتیں الگ الگ تھیں ③ لانہ اقدم و اکبر ④ یا ملاقات ایسے وقت ہوئی کہ اب تو تکلیف نہیں رہی ⑤ یا ملاقات ایسے وقت میں ہے جب تکلیف مرتفع ہوگئی یا ملامت ایسے گناہ پر کی جس سے وہ توبہ کر چکے اس وہ سے کہ تقدیر الٰہی میں پہلے سے مکتوب تھا وہ غالب آ کر رہا۔

وفی الباب عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اخرجہ ابوداؤد و ابو عوانہ و عن جندب رضی اللہ عنہ اخرجہ النسائی.

هذا حديث حسن غريب اخرجه الشيخان وغيرهما

یہ روایت مختصر اور مطول کتب احادیث میں موجود ہے وقد رواہ بعض اصحاب عمش ... الخ اس کا حاصل یہ کہ اعمش کے شاگردوں نے اس روایت کو جس طرح مسانید ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے اسی طرح بعض نے مسانید ابی سعید رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے مگر اکثر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش میں دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: جس کا تعلق خاص حضرت آدم علیہ السلام کی ذات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک آپ نے شجرۂ ممنوعہ نہیں کھایا تھا جنت کی سب نعمتیں حاصل تھیں، اس وقت آپ کی حالت فرشتوں جیسی تھی، کوئی کلفت پیش نہیں آتی تھی، پھر جب آپ نے درخت کھالیا تو صورت حال بدل گئی، اس پہلو سے درخت کا کھانا ایک ایسا گناہ تھا جس سے استغفار ضروری تھا، چنانچہ آپ نے استغفار کیا جو بارگاہ خداوندی میں قبول ہوا۔

دوسرا پہلو: وہ ہے جس کا تعلق نظام عالم سے ہے جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے کردیا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق آدم کی غرض نوع انسانی کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا ہے اور ایک ایسی مخلوق وجود میں لانا ہے جس میں خیر و شر کی صلاحیتیں جمع ہوں، جن کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا جائے، اس پہلو سے حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ کھانا اللہ کی مراد کے مطابق اور اس کی حکمت کے موافق تھا۔

اور جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو یہ دوسرا پہلو ان سے مخفی تھا، پہلا ہی پہلو پیش نظر تھا اس لئے آپ پر عتاب نازل ہوا اور آپ نے استغفار کیا، جس کا مداوا کیا گیا، پھر جب وفات کے بعد آپ بارگاہ خداوندی میں منتقل ہوئے تو واقعہ کا یہ دوسرا پہلو واضح ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واقعہ کے پہلے پہلو سے اعتراض کیا تھا مگر جب ان کے سامنے معاملہ کا یہ دوسرا پہلو آیا تو وہ خاموش ہوگئے اور بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ حتیٰ کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر مستقل کتاب ''مفتاح دار السعادۃ'' لکھ کر موقف اختیار کیا ہے کہ انسان کو جنت کے عوض نعم البدل ''علم و ارادہ'' یعنی کسب و عمل دیا گیا ہے۔

والمقصود ان الله سبحانه و تعالىٰ لما اقتضت حكمته و رحمة اخراج آدم و ذريته من الجنة اعاضهم افضل منها ... الخ. (ص۴۸، دار الكتب العلميه). والله اعلم وعلمه اتم.

فائدہ: ابواب القدر کی تمہید میں میں نے یہ بات عرض کی ہے کہ بندوں کو تقدیر کا معاملہ اپنی جانب سے دیکھنا چاہئے یعنی اپنے اختیار

اور اسباب اور مسببات کے دائرہ میں سوچنا چاہئے، تقدیر الٰہی کی جانب سے نہیں دیکھنا چاہئے، ہاں جب معاملات کھل جائیں تو جس طرح چاہیں سوچیں، حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جب ان سے لغزش ہوئی تھی تو معاملہ کو اسی طرح سوچا تھا اور توبہ کی تھی کیونکہ بندے کی بندگی کے لائق یہی طریقہ ہے، پھر جب معاملہ کلیئر ہوگیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے دوسرے انداز سے گفتگو کی۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ تقدیر پر تکیہ نہیں کرنا چاہئے، معاملات کو اسباب کے دائرہ میں لانا چاہئے اور اچھائی کے اسباب اختیار کرنے چاہئیں اور برائی کے اسباب سے بچنا چاہئے، پھر جب معاملہ ایک طرف ہو جائے تو تقدیر پر اعتماد کرنا چاہئے، مثلاً کسی کا لاڈلا بچہ بیمار پڑے تو وہ ہر طرح سے علاج معالجہ کرائے، تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے، مگر جب بچہ فوت ہو جائے تو رضا بہ قضاء کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے، اب آدمی کو یہ سوچنا چاہئے کہ جو مقدر تھا وہ ہوا اور اسی میں میرے لئے خیر تھی، یہ تقدیر پر ایمان کا بہت بڑا فائدہ ہے۔

لغات: قوله "احتجاج" احتجاج کے معنی حجت کرنے والا اور استدلال کے ہیں۔ قوله "بیدہ" متشابہات میں سے ہے جس پر پہلے بحث گزری ہے، متاخرین اس کا ترجمہ قدرت سے کرتے ہیں۔ قوله "من روحه" "من" ابتدائیہ ہے اور روح کی اضافت برائے تشریف وتعظیم ہے جیسے بیت اللہ، یعنی اللہ نے اپنی طرف سے ایک پاک روح آپ کے اندر ڈالی۔ قوله "اغویت" اغواء سخت گمراہ کرنے کو کہتے ہیں یعنی مراد سے بہت دور لے جانا ہے یعنی جنت سے دنیا تک۔ قوله "اصطفاك" ای اختارك، تجھے منتخب کیا ہے اور چن لیا ہے۔

نوٹ: اور مصری نسخہ میں ترجمہ بھی ہے جو بڑھایا گیا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الشَّقَاءِ وَالسَّعَادَةِ

باب ۳: بدبختی اور خوش بختی کے بارے میں

(۲۰۶۱) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَرَاَيْتَ مَا يَعْمَلُ فِيْهِ اَمْرٌ مُبْتَدَعٌ اَوْ مُبْتَدَاءٌ اَوْ فِيْمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ قَالَ فِيْمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَاِنَّهُ يَعْمَلُ لِلسَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاءِ فَاِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَحُذَيْفَةَ بْنِ اُسَيْدٍ وَاَنَسٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ.

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جو عمل کرتے ہیں کیا یہ نیا امر ہے؟ یا عرض کیا کہ نیا شروع ہوا ہے یا یہ پہلے سے تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کی جا چکی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے سے لکھا ہوا ہے اور اس سے فراغت ہو چکی ہے۔ اے خطاب کے بیٹے! ہر شخص پر وہ چیز آسان کر دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو نیک بخت لوگ ہیں وہ نیک بختی کے عمل (اعمال صالح) کرتے ہیں اور جو بد بخت ہیں وہ اسی کے لئے عمل کرتے ہیں۔ اس باب میں علی، حذیفہ بن اُسید، انس اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۶۰۶۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ إِذْ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ عُلِمَ قَالَ وَكِيعٌ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا أَفَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ زمین کرید رہے تھے (جیسے کوئی تفکر کی حالت میں کرتا ہے) اچانک آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس کے متعلق متعین نہ ہو چکا ہو کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ وکیع کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے لئے جنت یا دوزخ میں اس کی جگہ لکھی نہ جا چکی ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم (تقدیر کے لکھے پہ) بھروسہ کرلیں آپ ﷺ نے فرمایا عمل کرو ہر ایک جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر وہ (کام) آسان کردیا گیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ازل میں انسان نہیں تھا مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو انسان کی رگ رگ اور اول تا مرگ تمام بیرونی واندرونی کیفیات، اعمال اور ارادوں کا علم تھا۔ اسی بناء پر انسان اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے وہ پہلے سے اللہ کو معلوم اور لوح محفوظ میں مکتوب وموجود ہوتا ہے اور چونکہ تقدیر انسانی مزاج اور چاہتوں کے مطابق ہے اور ہر شخص اپنے مزاج کا کام شوق سے اور آسانی سے کرتا ہے اس لئے یہ اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے انسان کے لئے آسان ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی ازلاً علم الٰہی میں چور تھا تو اس کے لئے چوری لکھی گئی ہے اور آج اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ کام بڑی خوشی سے کرتا ہے اور پھر اس سے کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کیونکہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے اور پھر پانی چھوڑ دے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پانی اس لئے نیچے کی طرف جارہا ہے کہ فلاں آدمی نے پہلے معلوم کیا تھا یا پیش گوئی کی تھی۔

"ینکت" وہ کرید رہے تھے، ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنت البقیع میں جنازہ کے وقت پیش آیا تھا، قبر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی تو آپ ﷺ کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے، آپ ﷺ ایک لکڑی سے زمین کو کرید رہے تھے چونکہ یہ عمل عموماً سوچ وبچار کے دوران ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا تعلق اس وقت عالم بالا کے ساتھ تھا اس لئے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر مذکورہ ارشاد فرمایا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال واستیذان کا منشا یہ تھا کہ کیوں نہ ہم تقدیر پر بھروسہ کردیں کیونکہ ہوگا تو وہی جو تقدیر میں ہے ہم خواہ کچھ بھی کریں لیکن تقدیر کو تبدیل نہیں کرسکتے ہیں اور جواب کا مطلب یہ ہوگا کہ تم قانون شریعت میں دخل اندازی مت کرو تمہیں عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا لہٰذا تم عمل کرو۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مطلب یہ تھا کہ جنت یا دوزخ میں جانے کے لئے دو موثر ہیں ایک عمل، یہ ظاہری موثر ہے اور دوم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارادہ یہ اصل اور حقیقی موثر ہے تو ہم بجائے ظاہری موثر کے حقیقی پر کیوں بھروسہ اور تکیہ نہ کریں؟ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ دنیا دار اسباب ہے اور ظاہری اسباب حقیقی موثر کے ساتھ مربوط ہیں لہٰذا عمل کرتے رہنا کیونکہ اچھے اعمال نیک بختی کی علامات ہیں اور برے اعمال بدبختی کی نشانیاں ہیں اس لئے برے اعمال سے بچنا چاہئے اور نیک اعمال چھوڑنا چاہئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کی مشقت کا سہارا لیتے ہوئے عرض کیا کہ ہم تقدیر پر بھروسہ کرلیں

گے تو آسانی ہو جائے گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیک بختوں کے لئے کیا مشکل ہے ان کے لئے تو اعمال آسان بنا دیئے جاتے ہیں جیسا کہ بزرگوں کے احوال سے نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرة عيني في الصلوٰة'' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی کے دو ٹھکانے ہوتے ہیں اگر وہ جنت میں جائے تو دوزخ والی رہائش خالی رہتی ہے اور دوزخ میں جانے سے جنت والی خالی رہتی ہے۔ حاصل حدیث یہ ہے کہ اگرچہ سب کچھ تقدیر میں تو ہے مگر توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ تم تقدیر پر تکیہ یوں کرو کہ خلوص نیت کے ساتھ عمل کر کے تقدیر اور قضاء پر راضی رہو۔

لغات: ''مبتدع او مبتدًا'' لفظ ''او'' راوی کے شک کے لئے ہے کہ اصل لفظ مبتدع ہے یا مبتدء مطلب دونوں کا ایک ہی ہے یعنی جو کام ہم کرتے ہیں وہ اسی وقت وجود پذیر ہوتا ہے؟ **قوله** ''قد فرغ منه'' یعنی اس کا ریکارڈ اور قبل العمل کوئی دوسرا وجود بھی ہوتا ہے۔ **قوله** ''ميسر'' اسم مفعول کا صیغہ ہے، آسانی وسہولت دیا ہوا شخص یعنی ہر آدمی کو تقدیر کے مطابق عمل کی آسانی دی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ اَنَّ الْاَعْمَالَ بِالْخَوَاتِيْمِ

باب ۴: اُخروی انجام آخری اعمال کے مطابق ہوگا

(۲۰۶۳) اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ فِيْ اَرْبَعِيْنَ يَوْماً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ اِلَيْهِ الْمَلَكَ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ وَيُؤْمَرُ بِاَرْبَعٍ يَكْتُبُ رِزْقَهٗ وَاَجَلَهٗ وَعَمَلَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْسَعِيْدٌ فَوَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ حدیث سنائی ہے آپ سچے ہیں اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے ہر شخص کا مادہ تخلیق اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک رہتا ہے (نطفے کی شکل میں) ہوتا ہے پھر اتنے ہی عرصے تک جمے ہوئے خون کی شکل میں ہوتا ہے پر اتنے ہی عرصے گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اسے چار چیزوں کا حکم دیا جاتا ہے وہ فرشتہ اس شخص کا رزق اس کی موت اس کا عمل اور اس کا بد بخت ہونا خوش بخت ہونا لکھتا ہے اس ذات کی قسم جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور اس کا خاتمہ اہل جہنم کے سے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا لکھا اس پر غالب آتا ہے اور اس کا خاتمہ اہل جنت کے سے عمل پر ہوتا ہے اور وہ اس (جنت) میں داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح: "وھو الصادق المصدوق" جملہ معترضہ ہے، صادق کے معنی تو ظاہر ہیں آپ ﷺ کی صداقت ان صفات میں سے ایک ہے جن کے حوالے سے آپ ﷺ قبل النبوت بھی مشہور ہو چکے تھے۔ "مصدق" کا ایک مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سچائی تسلیم کی گئی ہے حتیٰ کہ ابوسفیان نے ہرقل کے دربار میں اس کا برملا اقرار کیا حالانکہ اس وقت ان کی حضور ﷺ سے عداوت و مخالفت چل رہی تھی اور خود ابوسفیان فرماتے ہیں کہ اگر ساتھیوں کا ڈر نہ ہوتا کہ یہ بعد میں میری طرف غلط نسبت مشہور کردیں گے تو میں آپ ﷺ کے خلاف بولتا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے سچ ہی کہا گیا ہے کیونکہ وہ نبی ہیں اور نبی تو وحی سے بات کرتا ہے جو سراسر درست اور سو فیصد صحیح اور سچ ہی سچ پر مبنی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے بیان کے وقت ایک منفرد انداز کلام اختیار کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی تخلیق تین اندھیروں میں ہوتی ہے، جس کا مشاہدہ خالی آنکھ سے ممکن نہیں مگر آپ ﷺ چونکہ نبی ہیں اس لئے وہ ہی ایسے معاملات کی خبر دے سکتے ہیں، لہٰذا اس کے ماننے میں تردد کی گنجائش نہیں۔

احادیث میں اربعینیات کے الفاظ اور تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر اس کو تعارض نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ اختلاف نطفے کی استعداد کے اختلاف پر مبنی ہے جیسا کہ اوپر لغات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ تبدیلی اکثر و اغلبی ہے اور شریعت کے احکام چونکہ اغلب حالات پر وارد ہوتے ہیں اس لئے حدیث میں اربعینات ثلاثہ کا ذکر بکثرت آیا ہے اگرچہ اس مدت میں کمی بیشی متوقع ہے چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الخمسین میں یہ عمل دوسرے اربعین کے اول میں ہونے کے بارے میں بھی روایت نقل کی ہے: "ففی صحیح مسلم... بھرحال ضابطے کے تحت فقہاء نے چار مہینے جو کہ تین اربعینات ہیں، سانس لینے کی حد مقرر کی ہیں۔

اگرچہ کچھ نہ کچھ حیات تو نطفے میں بھی ہوتی ہے مگر یہاں بنے ہوئے انسان کی بات ہو رہی ہے اس حوالے سے ایک سو بیس دنوں میں پورا ڈھانچہ تیار ہو کر سانس لیتا ہے، اسی دوران ایک فرشتہ جوار حام پر مقرر ہے اور اللہ کی جانب سے مامور ہوتا ہے آکر اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کی زندگی کا ریکارڈ بنا کر فائل میں درج کرتا ہے، ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے عارضہ میں یہ موقف اختیار فرمایا کہ "ویومر باربع" میں حکمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے اوامر پر تنسیخ کا پردہ آسکتا ہے جبکہ اخبار میں نسخ ممکن نہیں گویا رحم مادر میں جو تقدیر ہوتی ہے اس میں تبدیلی ممکن ہے البتہ لوح محفوظ میں تغیر کا امکان نہیں، یہ مسئلہ تقدیر معلق و مبرم کی طرف راجع ہو جاتا ہے۔

الرابعة قوله: "ویؤمر" هذه الفائدة العظمى.........واما فى الخبر فلايكون ذالك ابدًا...... و هو تاويل قوله "يمحوالله مايشاء ويثبت" ① (عارضة الاحوذى) اس عبارت سے بہت ساری روایات میں تطبیق آسان ہو جاتی ہے۔

فائدہ: وہ لکھتے ہیں کہ لوگوں کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ جو عمر بھر مومن رہے۔ دوم اس کے برعکس جو زندگی بھر کافر رہے۔ سوم جو پہلے مومن ہو اور موت کے قریب کافر ہو جائے اور چہارم اس کے برعکس جو پہلے کافر ہو اور موت کے قریب مومن بن جائے۔ اس حدیث میں آخری دونوں قسموں کا بیان ہے۔

محشی نے ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات ② سے ایک جامع عبارت نقل کی ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے عجب اور کبر وغیرہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور گناہوں کی بناء پر مایوس نہیں ہونا چاہئے، نہ کسی بظاہر نیک آدمی پر جنتی کا حکم

لگایا جائے اور نہ ہی کسی گناہگار کو دوزخی قرار دینا چاہئے کہ اعتبار تو خاتمہ کو ہے نہ معلوم کون آخر میں کیسے رہتا ہے؟ غرض بین الخوف والرجاء رہنے کی پابندی کرے۔

اشکال: یہ تو بڑا مشکل معاملہ ہے کہ انسان کی ساری زندگی عبادت اور اللہ کی اطاعت میں گزر جائے اور جب موت قریب ہو جائے تو سب نیکیاں نیست و نابود ہو جائیں اور آدمی بد (کفر) کی وجہ سے دوزخ میں چلا جائے؟

حل: یہ بد انجامی صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اپنے اعمال میں مخلص نہیں ہوتے ہیں ان کے اعمال اگرچہ ظاہری شکل میں بہت اچھے اور زیادہ محسوس ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ جان سے خالی ہوتے ہیں وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود دھوکے میں ہوتے ہیں۔ ﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ... الخ﴾ (البقرہ:۹، ۱۰) گویا موت کے وقت ان کی دو موت آجاتی ہیں ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔

اس کے برعکس جو لوگ مخلص اور قضاء پر راضی ہو کر عمل میں مگن رہتے ہیں وہ اللہ کے فضل و کرم سے سوء خاتمہ سے محفوظ ہوتے ہیں تاہم یہاں یہ سوال بھی باقی رہتا ہے کہ خلوص کی حد کیا ہے؟ اس کے جواب میں ابن قیم رحمہ اللہ مفتاح دار السعادۃ میں لکھتے ہیں:

ان خواص الامة ولبابها ... فلو خير بين ان يلقى فى النار و بين ان يختار دينا غيره لاختار ان يقذف فى النار ... وهم ابعد الناس عن الارتداد عنه و احقهم بالثبات عليه الى يوم القاء الله ... الخ (ص:۳۳۱)

یعنی اگر کسی کا ایمان اس حد تک پختہ ہے کہ وہ ایمان کو جان و مال اور اعضاء و ابکار ہر چیز سے عزیز ولذیذ سمجھتا ہے تو وہ خاتمہ بالسوء سے محفوظ ہے اب ہر آدمی خود ہی فیصلہ کرے کہ اس کا ایمان اس کے نزدیک کتنا قیمتی ہے؟

سند کی بحث: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اس کی دوسری سند میں ایک راوی ہیں: یحییٰ بن سعید قطان، ان کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھوں نے یحییٰ جیسا آدمی نہیں دیکھا...... صادق کے معنی ہیں: سچ کہنے والا اور مصدوق کے دو معنی ہیں: ایک تصدیق کیا ہوا، یعنی لوگوں نے جن کی تصدیق کی ہو دوسرے جن کو سچی باتیں بتائی گئیں، صدق کے یہ معنی بھی آتے ہیں یعنی آپ ﷺ کے پاس جو وحی آتی ہے وہ سچی ہوتی ہے، شیطانی نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَآءَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ عَلَى الْفِطْرَةِ

باب ۵: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے

(۲۰۶۴) كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْمِلَّةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُشَرِّكَانِهٖ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَمَنْ هَلَكَ قَبْلَ ذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ہر پیدا ہونے والا بچہ ملت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی یا مشرک بنا دیتے ہیں عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ جو اس سے پہلے فوت ہو جائے

آپ ﷺ نے فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے انہوں نے کیا عمل کرنا تھا۔

لغات: ''ملت''، صحیحین (صحیح مسلم ص: 336، ج: 2 کتاب القدر) کی روایت میں لفظ ''فطرت'' آیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کی روایت بالمعنی ہے۔

قولہ "یہودانہ'' الخ یہ تینوں صیغے مضارع کے ہیں اور باب تفعیل سے ہیں یعنی وہ بچے ماں باپ کی تعلیم اور اثر ماحول کی وجہ سے بے دین کر دیئے جاتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں تین باتیں ہیں:

① جیسا کہ فطرت کے لغوی معنی معلوم ہوا کہ یہ انسانی تخلیق کی ابتداء کی طرف اشارہ ہے تو وہ کون سی ابتداء ہے۔

② یہ کہ انسانی بچے کی یہ حالت کس نوعیت کی مراد ہے؟ آیا اس سے مراد اسلام ہے یا استعداد وغیرہ۔

③ یہ ہے کہ کافروں کے نابالغ بچے کہاں ہوں گے؟

① **پہلی بات:** قول اول متعلق ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اس کتابت کی طرف اشارہ ہے جب اللہ عزوجل نے قلم پیدا فرمایا تھا، یا پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو ذرکی شکل میں فطرت سے کیا مراد ہے: الفطرۃ اس سے مراد اسلام ہے بہ قال احمد وابن عبدالبر ولزہری وابن القیم وابن کثیر والطیبی والقاری، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ دلائل پیش کئے ہیں۔

اوّل: آیت شریفہ ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ﴾ (الروم: ۳۰) میں بالاتفاق فطرۃ سے اسلام مراد ہے کیونکہ آیت یہ آیت استشہاد بن سکتی ہے۔

دوم: ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ اللہ نے فرمایا میں نے تمام بندوں کو حنفاء پیدا کیا شیطان نے ان کو گمرہ کر دیا۔

سوم: ایک روایت میں حنفاء کے ساتھ مسلمین کا لفظ بھی وارد ہوتا ہے۔

چہارم: امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حماد بن سلمہ سے نقل کیا ہے کہ فطرۃ سے مراد عہد الست ہے اور وہاں سب نے الوہیت کا اقرار کیا تھا معلوم ہوا کہ سب مسلمان تھے۔

دوسرا قول: قبولیت اسلام کی صلاحیت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی استعداد بہ قال المظہری والتورپشتی رحمہما اللہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے اسلام مراد نہیں ہوسکتا اس کی چند وجوہ ہیں۔ اول: جو بچہ بڑا ہو کر یا یہود ہو گیا تو لازم آئے گا کہ وہ پہلے مسلمان تھا اب وہ بدل گیا اور یہ آیت ﴿لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الروم: ۳۰) کے خلاف ہے۔

دوم: بخاری میں ہے کہ جس بچہ کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ کافر تھا پھر وہ اسلام پر پیدا نہ ہوا۔

سوم: جو لوگ بچپن میں ایمان لائے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ ان کو اسلام کی کیا ضرورت وہ تو مسلمان ہی پیدا ہوئے تھے۔

چہارم: اگر یہودی وغیرہ کا بچہ مرجائے تو اس کے والدین اس کے وارث نہ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ بچہ مسلمان ہے اور مسلمان کا وارث غیر مسلم نہیں ہوتا۔

تیسرا قول: مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فطرۃ مقدمات اسلام میں سے ہے نہ عین اسلام بلکہ فطرۃ انسان میں اسلامی مادہ کا نام ہے جو کفر پر برانگیختگی سے خالی ہوجاتا ہے۔ ھی عبارۃ عن خلو مادتہ اللتی تحثہ علی الکفر۔ معلوم ہوا کہ ہر بچہ کی اصل خلقت و مادہ میں کفر کو کوئی جز نہیں اگر موانع پیش نہ آئیں تو وہ اقرب الی الایمان ہے۔

چوتھا قول: بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد عقل سلیم اور فہم مستقیم ہے۔

پانچواں قول: اس سے مراد قول ہے جو عہد الست میں ہر انسان نے کہا تھا۔

چھٹا قول: شاہ اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خاص ادراک وعلم مراد ہے جس سے حق تعالیٰ اور اس کی اطاعت کی شناخت ہو جس طرح حیوانات کی ہر نوع کو خاص خاص قسم کا علم و ادراک دیا گیا ہے مثلاً کبوتر کو یہ علم خاص دیا گیا ہے کہ کس طرح وہ اپنا آشیانہ بنائے اور کس طرح بچہ کو دانہ کھلائے کس طرح اڑائے وغیرہ وغیرہ۔

ساتواں قول: ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ہر بچہ سادہ پیدا ہوتا ہے مگر یہ قول صحیح نہیں۔

آٹھواں قول: عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد انجام سعادت وشقاوت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر مولود کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ سعید ہے یا بدبخت ہے۔

اعتراض: یہاں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ فطرت سے خواہ کوئی بھی معنی لئے جائیں لیکن مذکورہ بالا آیت میں تصریح ہے کہ ﴿لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ﴾ (الروم:۳۰) جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے بھی بگڑ جاتے ہیں بلکہ ان کی غالب اکثریت اسلام سے دور بھاگتی ہے۔

جواب: اس کا حل یہ ہے اور یہ حل ان لوگوں کی طرف سے زیادہ آسان اور بے غبار ہے جو فطرت بمعنی استعداد لیتے ہیں کہ وہ صلاحیت تبدیل نہیں ہوتی ہے بلکہ ماں باپ اور ماحول اس کو دبالیتے ہیں، یا یوں کہنا چاہیے کہ اس کو دوسری جانب موڑ لیتے ہیں جیسے کسی پودے کو انتہائی ٹھنڈے یا انتہائی گرم کمرے میں رکھ دیا جائے تو وہ بڑھ نہیں سکے گا اور جو شخص اس کو بجائے بلندی کے دائیں بائیں موڑ گا تو وہ اپنا راستہ تبدیل کردے گا اسی طرح ایک ذہین بچے کو مہمل چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑا آدمی نہیں بن سکتا حالانکہ ان تمام صورتوں میں اصل صلاحیت موجود ہوتی ہے مگر بے اثر ہوجاتی ہے آج بھی اگر سب کفار خواہ صغار ہوں یا کبار اگر تعصب کی عینک اتار دیں تو چند دنوں میں ساری دنیا میں ایک خدا اور دین اسلام کے ماننے والوں کے سوا کوئی بھی نہیں بچے گا۔

دوسری بات: غیر مسلموں کے نابالغ بچوں کے بارے میں کوئی واضح حکم ثابت نہیں بلکہ مختلف موقعوں میں ایک دوسرے سے جداگانہ ارشادات وارد ہوئے ہیں، اس لئے بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ بعض نے ان کو ماں باپ کی وجہ سے جہنمی قرار دیا ہے بعض نے کہا ہوں گے تو جنت میں مگر بعض نے کہا کہ اللہ کے علم میں جو بڑا ہوکر ایمان لاتا اور اسی پر مرتا تو وہ جنت میں جائے گا اس کے برعکس اگر وہ کافر بن کر مرتا تو وہ دوزخ میں ہوگا۔

وقال ابن الحجر رحمہ اللہ هذا قبل ان ینزل فیهم شئی فلا ینافی ان الاصح انهم من اهل الجنة.

(حاشیہ مشکوۃ ص:۲۱،مرقاۃ)

یعنی اخیراً حکم یہی ٹھہرا ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: "الاصح انه من اهل الجنة والجواب عن حدیث: الله اعلم بما کانوا عاملین انه لیس فیه تصریح بانهم فی النار ...الخ"۔ (ص:۳۳۷،ج:۲)

بَابُ مَاجَآءَ لَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَآءُ

باب ۶: تقدیر کو دعا ہی پھیر سکتی ہے

(۲۰۶۵) لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ.

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تقدیر کو صرف دعا بدل سکتی ہے اور صرف نیکی ہی عمر میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

تشریح: سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بدل سکتی تقدیر کو مگر دعا اور نہیں زیادتی کرتی ہے عمر میں مگر نیکی۔

کیا دعا وغیرہ سے تقدیر بدلتی ہے؟

لا یرد القضاء الا الدعا: قضاء سے مراد امر مقدر ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے وقوع کے بارے میں بندہ خوف رکھتا ہے کہ شاید فلاں مصیبت آئے گی جب اس کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بدل دیتے ہیں گویا متوقع امر کو قضاء مجازاً کہا گیا ہے جو داعی کے اعتقاد کے اعتبار سے قضاء ہے جس کی وضاحت بایں طور پر کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے حق میں کوئی شے اسی طرح مقدر کی ہے کہ اگر یہ شخص اس کے لئے دعا کرلے گا تو وہ مصیبت واقع نہ ہوگی اب بندہ اس مصیبت کے وقوع کا خوف کررہا ہے اور اس سے بچنا چاہتا ہے تو اس کے دفع کی دعا کرلیتا ہے اسی طرح گویا اسکی دعا کے ذریعہ وہ قضاء بدل دی گئی ہے درحقیقت بدلی نہیں بلکہ اس طرح مقدر میں لکھی ہوئی تھی کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو من قدر اللہ وقد امر بالتداوی والدعا مع ان المقدور کائن لخفاء عن الناس وجوداً وعدماً۔ یا مراد یہ ہے کہ دعا ایسی اہم شئی ہے کہ جب کوئی شخص دائمی طور پر دعائے خیر کرتا رہے گا تو اس کے حق میں اللہ کی قضاء خیر و بہتر واقع ہوگی گویا اس کی دعا سبب ہوگی اس کے حق میں اچھے فیصلے کے لئے اس طرح گویا قضائے شر سے قضاء خیر کا سبب دعا ہوگئی ہے۔

ولا یزید العمر الا البر: بکسر الباء یعنی نیکیوں کے ذریعہ عمر میں برکت ہوتی ہے کہ عمر بڑھ جاتی ہے۔ قال تعالیٰ:

﴿وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ﴾ (فاطر:۱۱)

﴿یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ﴾ (الرعد:۳۹)

یہاں بھی اسی طرح تقریر ہے کہ تقدیر کے اندر لکھا ہوا ہے کہ یہ شخص اگر حج کرے گا اور غزوہ تو عمر ساٹھ سال ہے اور اگر نہیں کرے گا تو عمر چالیس سال ہے اب اس نے دونوں کام کرلئے تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگئی اور اگر ایک کیا تو چالیس سال تو اس طرح اس کی عمر کم ہوگئی۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ نیک اعمال کرنے والے شخص کی عمر ضائع نہیں ہوتی گویا یہ بھی ایک قسم کی زیادتی ہے۔

تیسرا قول: زیادتی عمر سے مراد یہ ہے کہ قلیل مدت عمر میں ایسا نیک شخص بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے کہ دوسرے لوگ طویل میں انجام نہیں دے پاتے۔

فائدہ: دراصل قضا و قدر دو ہیں قدر مبرم و قدر معلق تغیر و تبدل کا تعلق قضائے معلق سے ہے نہ کہ مبرم سے۔

مقررہ ہی پر مرے گا چنانچہ عقائد النسفیہ میں ہے: "والمقتول میت باجلہ والموت قائم بالمیت مخلوق اللہ

تعالیٰ والاجل واحد" معتزلہ کو علامی تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے: "والجواب عن الاول...... لکنه علم انه یفعلها ویکون عمره سبعین سنة فنسب هذه الزیادات الی تلك الطاعة بناءً علی علم الله تعالیٰ انه لولاها لما کانت تلك الزیادة"۔ (شرح عقائد ص: ۷۳)

جیسے نقد اور ادھار کی دو مختلف قیمتوں میں سے ایک ہی طے ہو جائے تو ثانی برائے نام رہتی ہے۔

تعارف راوی: یحییٰ بن ضریس (مصغر) بجلی رازی قاضی صدوق راوی ہیں...... اور ابو مودود کو فضہ کہا جاتا تھا بصری ہے اور معمولی درجہ کا راوی ہے، یہی یہ حدیث روایت کرتا ہے اور اس کی روایت صرف ترمذی میں ہے، اور اس زمانہ کا ایک دوسرا راوی عبدالعزیز بن ابی سلیمان ہذلی رحمۃ اللہ علیہ ہے اس کی کنیت بھی ابو مودود ہے وہ مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا وہ مقبول راوی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ اَنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اُصْبُعَيِ الرَّحْمٰنِ

باب ۷: دل رحمان کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں

(۲۰۶۶) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اُصْبُعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ پڑھا کرتے تھے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ میں نے عرض کی اے اللہ! کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو (تعلیمات) لے کر آئے اس پر بھی ایمان لائے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے کوئی اندیشہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بے شک (لوگوں کے) دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں وہ انہیں جیسے چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔

تشریح: ① اس حدیث میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال میں امت کی تعلیم کا پہلو بھی ملحوظ ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ دعا بکثرت کرنے سے صحابہ یہی سمجھتے تھے کہ یہ ہمیں دعا کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہم بھی یہ دعا بکثرت کریں، اور یہ دعا بکثرت وہ بندہ کرتا ہے جو اپنے انجام سے غافل نہیں ہوتا جس کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں آگے کیا احوال پیش آئیں اور یہی بات بندگی کے لائق ہے۔

② اس حدیث میں اللہ پاک کی قدرت کاملہ کا بیان ہے جس طرح اللہ پاک کا علم ہر چیز کو شامل ہے ان کی قدرت بھی کامل ہے، کائنات کا کوئی ذرہ نہ ان کے علم سے باہر ہے نہ ان کی قدرت سے خارج، اور جزوی اختیار رکھنے والی مخلوق کے اختیاری افعال، حتیٰ کہ اس کا چاہنا بھی اللہ کی قدرت و اختیار میں ہے۔ اور جزاء و سزا کے لئے کامل اختیار ضروری نہیں، ایک حد تک اختیار کافی ہے ایک حد تک اختیار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھایا ہے۔ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہی سوال لے کر آیا کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے یا مجبور؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مختار بھی اور مجبور بھی، اس نے کہا: یہ کیسے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ، وہ کھڑا ہو گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایک پیر اٹھا لو اس نے اٹھا لیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دوسرا بھی اٹھا لو، کہنے لگا دوسرا کیسے اٹھاؤں

گر پڑوں گا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلا پیر اٹھانے تک تم بااختیار تھے اب مجبور ہو گئے، اسی طرح بندوں کی مشیت واختیار کا ابتدائی حصہ ان کے اختیار میں ہے مگر آخری سرا ان کے اختیار میں نہیں، یعنی انسان کو جزوی اختیار حاصل ہے، کلی اختیار حاصل نہیں اور مجازات کے لئے جزوی اختیار بھی کافی ہے۔

صفات متشابہ کا حکم:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے "اصابع" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ درحقیقت صفات متشابہ میں سے ہے، متشابہات دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جن کے لغوی ہی معلوم نہیں جیسے بعض سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں، جیسے الٓمٓ، حٰمٓ ...... اس قسم کے حروف کے متعلق صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور جمہور سلف کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خاص رموز ہیں۔

دوسرے متشابہات وہ ہیں جن کے لغوی معنی تو معلوم ہیں لیکن اس کیفیت کا علم نہیں جیسے قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے ید، ساق، وجہ، استعاء اور قدیم وغیرہ کا ذکر ہے، جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کلمات اپنی جگہ برحق ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے وہ صحیح ہے اگرچہ اس کی کیفیت اور حقیقت کا ہمیں علم نہیں، اور جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے کوئی معنی بیان فرمائے ہیں کہ "ید" سے قدرت "وجہ" سے ذات اور اصبعین سے قدرت کی طرف اشارہ ہے، (تفصیل گزر چکی ہے)

سند کی بحث: امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر شاگرد اس حدیث کی سند حضرت انس رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے ہیں اور بعض شاگرد حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک اور اصح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ اَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا لِاَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِ النَّارِ

باب ۸: اللہ تعالیٰ نے جنتیوں اور جہنمیوں کے نام رجسٹروں میں لکھ لئے ہیں

(۲۰۶۷) خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْ يَدِهٖ كِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهٖ هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُهٗ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْ كَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دو تحریریں تھیں آپ نے دریافت کیا کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ یہ دو تحریریں کس چیز سے متعلق ہیں؟ ہم نے عرض کی نہیں

یارسول اللہ ﷺ آپ ہی ہمیں بتائیں تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے دائیں دست مبارک میں موجود تحریر کے بارے میں فرمایا یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تحریر ہے جس میں اہل جنت کے نام ہیں ان کے آباؤ اجداد اور قبائل کے نام ہیں پھر اس کے آخر میں مہر لگادی گئی ہے ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا اور کوئی کمی نہیں ہوسکتی پھر آپ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ میں موجود تحریر کے بارے میں فرمایا یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے تحریر ہے اس میں جہنمیوں کے نام ہیں ان کے آباؤ اجداد اور قبائل کے نام ہیں اور ان کے آخر میں بھی مہر لگادی گئی ہے ان میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا اور کوئی کمی نہیں ہوسکتی۔

نبی اکرم ﷺ کے اصحاب نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ پھر عمل کیوں کیا جائے اگر معاملہ طے ہو چکا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سیدھے راستے پر چلو اور میانہ روی اختیار کرو کیونکہ جنتی شخص کے نصیب میں اہل جنت کا عمل لکھ دیا گیا ہے اگر چہ وہ کوئی بھی عمل کرے اور جہنمی کے نصیب میں اہل جہنم کا عمل لکھ دیا گیا ہے اگر چہ وہ کیسا ہی عمل کرے پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا اور ان دونوں تحریروں کو رکھ دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے حوالے سے فارغ ہو چکا ہے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا۔

(۲۰۶۸) إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ فَقِيْلَ كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے وہ عمل لیتا ہے عرض کی یارسول اللہ وہ اس سے کیا عمل لیتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسے مرنے سے پہلے نیکی کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

تشریح: ماهذان الكتابان کے معنی آپ علیہ السلام کے ہاتھوں میں جو کتابیں تھیں ان کے بارے میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ بطور تمثیل فرمارہے ہوں کہ یوں سمجھو جیسے میرے ہاتھوں میں دو کتابیں ہیں۔ چونکہ آپ علیہ السلام پر ان کتابوں کے بارے میں اور تفصیلات کے متعلق کشف تام حاصل تھا اس لئے اشارہ صحیح ہوا جیسے ایک ماہر مصنف کتاب کے شروع میں کہتا ہے "هذا كتاب یا هذه رسالة" وغیرہ بلکہ اس سے زیادہ ظاہر مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ان کتابوں کا تعلق عالم مثال سے ہو جس کا مشاہدہ آپ علیہ السلام فرمارہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر نہیں آرہی تھی عالم مثال کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں مستقل باب قائم کیا ہے

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ یہ کتابیں حسی ہوں اورج کے دور میں یہ کوئی نا قابل فہم بات نہیں کہ ایک عام کمپیوٹر میں بھی سارے انسانوں کے اعداد وشمار جمع ہوسکتے ہیں تو ان کتابوں کا کیا حال ہوگا، تاہم آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ نام نہیں بتلائے کیونکہ پھر عالم تکوین کے بہت سے امور سے پردہ ہٹ جاتا حالانکہ یہ اللہ کی حکمت کے منافی ہے۔ اس حدیث شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال اور آپ ﷺ کے جواب سے متعلق تشریح "باب ماجاء فی الشقاء والسعادة" میں عنقریب گزری ہے۔

قوله "فنبذهما" اگر یہ حسی کتابیں تھیں تو نبذ کے معنی یہاں پھینکنے کے نہیں بلکہ عالم بالا کے حوالے کرنا ہے جس کے لئے ہاتھوں کو کھولنا پڑتا ہے اور دیکھنے والے کو نبذ محسوس ہوتا ہے اور اگر غیر محسوس تھیں تو مطلب ہاتھوں کو جھاڑنا ہے جو عموماً حتمی فیصلہ سناتے

وقت خاص اشارہ ہوتا ہے۔

قول اوّل: پر یہ اعتراض ہے کہ جب آپ کے ہاتھ میں محسوس دو رجسٹر نہ تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کیوں نہیں کیا آپ کے پاس کتابیں کہاں ہیں؟

جواب: صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان اس قدر کامل تھا وہ یقین رکھتے تھے کہ جب آپ ﷺ فرما رہے ہیں تو حقیقتاً وہ موجود ہیں البتہ ہم نہیں دیکھ پا رہے ہیں

الا ان تخبرنا: یہ استثناء مفرغ ہے ای لانعلم شیئًا من الاسباب الا باخبارك ایانا۔

دوسرا قول: یہ استثناء منقطع ہے ای لکن ان اخبرتنا فقال للذی یہ جار مجرور یشیر مرحذوف کے متعلق ہے اور حال ہے قال کی ضمیر ھو سے۔ ثم اجمل علی آخرھم۔ یہ ماخوذ ہے اجمل الحساب سے جس طرح محاسبین کی عادت ہے کہ پہلے وہ تفصیلاً لکھتے ہیں پھر آخر میں اجمال کر دیا کرتے ہیں اس طرح اہل جنت و اہل جہنم کو اولاً تفصیلاً ان کے آباء واجداد و قبائل کے ناموں کے ساتھ لکھ دیا پھر میزان کر دیا ہے اور جس طرح میزان میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی اسی طرح ان میں بھی کمی و زیادتی نہیں ہوگی۔ اگر حسی کتابیں نہیں ہے تو پھر ہٰذین یدین مراد ہے اور اگر حسی کتابیں تھیں تو پھر ان دونوں کتابوں کو ملأ اعلیٰ کی طرف پھینک دیا اور فرشتوں نے ان کو پکڑ لیا فلا اشکال۔

اعتراض: کہ اتنے سارے نام ایک ایک رجسٹر میں کیسے آ گئے؟ اور اتنے بڑے بڑے رجسٹر ہاتھوں میں لے کر آپ ﷺ کیسے تشریف لائے؟

جواب: یہ ہے کہ اب کمپیوٹر اور ڈی جیٹل کا زمانہ ہے، بڑے سے بڑا کتب خانہ ایک چھوٹی سی چٹ میں آ جاتا ہے، پس یہ سارے نام قابل تحمل رجسٹروں میں کیوں نہیں آ سکتے؟

اس حدیث میں تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تعارف ہے یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے اور ابد تک کے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم واقعی ہے، اس میں کسی غلطی کا احتمال نہیں، اس لئے ناموں کے آخر میں جو ٹوٹل ہے وہ قطعی ہے، اس میں کمی بیشی کا سوال نہیں۔

قدفرغ: مجہول معنی یہ کہ جب کتابۃ ازل پر مدار ہے تو پھر عمل سے کیا فائدہ ہے؟ پھر تقدیر کے مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اعتراض کیا کہ جب معاملہ نمٹ چکا ہے، جنتی اور جہنمی طے ہو چکے ہیں تو اب عمل سے کیا فائدہ؟

جواب: آپ ﷺ نے فرمایا:

سددوا من السداد ای اطلبوا باعمالکم السداد و الاستقامة والقصد فی الامر و العدل فیه.
قاربوا، اقتصدوا فی الامور کلها واتر کوا الغلو فیها والتقصیر.

نبی کریم ﷺ نے ان کا ذہن دوسری طرف پھیرا کہ بندوں کو یہ معاملہ اپنی طرف سے دیکھنا چاہئے، بندوں کے حق میں تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس بندوں کو چاہئے کہ وہ ٹھیک ٹھیک صراط مستقیم پر چلیں اور اگر ہٹیں تو دور نہ جائیں، قریب قریب ہی رہیں، ایسے بندوں کی واپسی کا امکان رہتا ہے اور جو بندے صراط مستقیم سے بہت دور چلے جاتے ہیں ان کا

واپسی کا امکان ختم ہو جاتا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ بات واضح کی کہ اعتبار آخری عمل ہے، جنتی کی زندگی جنت والے کاموں پر ختم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھیں اور ہر گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

ان اللہ اذا ارادہ بعبد خیرًا استعملہ: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر چاہتے ہیں تو اس کو استعمال کرتے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! کس طرح استعمال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یوفقہ لعمل صالح قبل الموت.

اس کو موت سے پہلے نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

تشریح: امام محمد رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے۔ وفات کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: کیا معاملہ رہا؟ بتایا: اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، پوچھا: کس طرح؟ فرمایا: مجھے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا:

"محمد! اگر مجھے تیرے ساتھ خیر منظور نہ ہوتی تو میں تجھے اپنا علم نہ دیتا، جا تیری بخشش کر دی۔"

یہ عالم کو استعمال کرنے کی مثال ہے۔ دوسری مثال ابن ماجہ (حدیث 8) میں ہے:

لا یزال اللہ یغرس فی ھذا الدین غرسا یستعملھم فی طاعتہ:

اللہ تعالیٰ برابر اس دین کے لئے پودے لگاتے رہتے ہیں جن کو اپنی اطاعت میں استعمال کرتے ہیں، اس حدیث میں عام مسلمانوں کو استعمال کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ان کو نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ لَاعَدْوٰى وَلَاهَامَةَ وَلَاصَفَرَ

باب ۹: چھوت کی بیماری، مقتول کے سر کا پرندہ اور صفر کی نحوست بے اصل باتیں ہیں

(۲۰۶۹) قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَا يُعْدِيْ شَيْءٌ شَيْئًا فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَلْبَعِيْرُ الْجَرِبُ الْحَشَفَةُ بِذَنَبِهٖ فَتَجْرَبُ الْاِبِلُ كُلُّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَمَنْ اَجْرَبَ الْاَوَّلَ لَا عَدْوٰى وَلَا صَفَرَ خَلَقَ اللهُ كُلَّ نَفْسٍ وَّكَتَبَ حَيَاتَهَا وَرِزْقَهَا وَمَصَائِبَهَا.

ترجمہ: ابوزرعہ بن عمرو کہتے ہیں ہمارے ایک ساتھی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات بتائی ہے وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی ایک دیہاتی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ایک خارش زدہ اُونٹ جب دوسرے اونٹوں کے درمیان آتا ہے تو انہیں بھی خارش میں مبتلا کر دیتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پہلے اونٹ کو کس نے خارش میں مبتلا کیا تھا؟ عدوی اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو پیدا کیا ہے اور اس کی زندگی اس کا رزق اور اس کے مصائب مقرر کر دیئے ہیں

عدوی کے بارے میں جاہلانہ تصور:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے کچھ توہمات اور جاہلانہ نظریات کی نفی فرمائی ہے، چنانچہ ان کا نظریہ یہ تھا

کہ ایک کی بیماری دوسرے کی طرف متعدی ہو جاتی ہے، دوسرے کی بیماری کا سبب قطعی طور پر پہلی بیماری ہے، گویا بیماری کو وہ مؤثر حقیقی سمجھتے تھے، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی، اس پر اعرابی نے پوچھا کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک خارشی اونٹ جب دوسرے اونٹوں کے ساتھ ملتا ہے، تو سب کو خارشی بنا دیتا ہے، اس سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیماری ایک سے دوسرے کی طرف متجاوز ہو جاتی ہے، دوسرے کو لگ جاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیماری اپنی ذات میں ایسی کوئی تاثیر نہیں رکھتی کہ وہ از خود دوسرے کو لگ جائے، اگر بیماری ہی سبب اصلی ہوتی تو سوال یہ ہے کہ پھر پہلے اونٹ کو کس نے خارش میں مبتلا کیا، اس لئے بیماری سبب نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے صحت و مرض کے فیصلے ہوتے ہیں،، اس کی مزید تفصیل ابواب الاطعمة، باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم میں گزر چکی ہے، ہامہ کے معنی "ھامة" کی تین تفسیریں بیان کی گئی ہیں جس کی تفصیل "ابواب الطب، باب ماجاء ان العین حق والغسل لھا" میں گزر چکی ہے۔

قولہ "ولا صفر" صفر کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک ماہ صفر اور دوم سانپ یا پھنسی۔ اگر مہینہ مراد ہو تو اس نفی کا پیش منظر کچھ اس طرح ہے کہ عرب ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے جیسے آج کل بہت سے عوام کا عقیدہ ہے کہ اس میں شادی بیاہ کو منحوس سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم

مغالطہ: آخری بدھ کو خوشی اور سیر و تفریح کی تقریبات بھی بے بنیاد ہیں لوگوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ آخری بدھ کو آپ علیہ السلام نے غسل صحت فرمایا تھا یہ درست نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آخری بدھ کو آپ ﷺ جنت البقیع سے رات کو جب تشریف لا کر گھر پہنچے تو سر سرد اور بخار شروع ہوا اور مسلسل تیرہ (۱۳) ایام بیماری میں گزرے تا آنکہ بارہ ربیع الاول پیر کے دن اختتام پر منگل کی رات وصال ہوا۔ (انا اللہ وانا الیہ راجعون)

چونکہ یہود نے اس دن (بدھ) کو خوشی منائی تھی اسی طرح ایران کے مجوس نے بھی جشن سا منایا تھا پھر وہ روایت ہندوستان آگئی اور سادہ لوح مسلمان نیکی کے نام پر بدی اور خوشی کے نام پر غم کے موقع پر خرافات میں دھنس گئے لہٰذا اس کی حیثیت بھی باقی رسومات کی طرح ایک بے بنیاد روایت پر مبنی ہے اس سے بچنا چاہئے۔

لغات: "لایعدی" اعداد اور عدوی سے ہے، بیماری کی سرایت اور دوسرے کو لگنے کو کہتے ہیں۔ جرب بروزن قمر خارش اور کھجلی کے مرض کو کہتے ہیں قولہ "ندبنہ" یہ لفظ مختلف حروف کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے، مذکورہ لفظ "دبن" بفتح الدال وسکون الباء سے بمعنی باڑ کے آتا ہے اگرچہ اصل لغت میں یہ لفظ بکریوں کے باڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں بمعنی معطن ہے یعنی اونٹوں کا باڑا مراد ہے، پس "ندبنہ" بصیغہ جمع متکلم ادبان سے ہے، ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر لکھا ہے یعنی ہم اسے باڑے میں داخل کرتے ہیں تو وہ سب کو خارشی بنا دیتا ہے لہٰذا "فیجرب" بضم الیاء باب افعال سے معروف کا صیغہ ہوگا اور "ابل" مفعول بہ ہے "کلھا" منصوب برائے تاکید ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْاِیْمَانِ بِالْقَدَرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ

باب ۱۰: بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے

(۲۰۷۰) لَایُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَهٗ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَهٗ

لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اچھی یا بری تقدیر (یعنی وہ جیسی بھی ہو) پر ایمان نہ لے آئے اور وہ یہ بات نہ جان لے کہ اسے جو مصیبت لاحق ہونی ہے وہ اسے ضرور لاحق ہوگی اور جو لاحق نہیں ہونی وہ اسے کبھی لاحق نہیں ہوگی۔

(۲۰۷۱) لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنِّيْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَبِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول (ﷺ) ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے اور وہ موت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔

تشریح: پہلے ابواب القدر کی تمہید میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ تقدیر کے تعلق سے دو باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے:

ایک: نفس تقدیر پر، یعنی جو کچھ ہو چکا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ابد تک ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں طے شدہ ہے، کوئی معاملہ اچھوتا نہیں اور نہ کوئی امر منتظر ہے۔

یعنی ایمان کے حصول کے لئے یہ بھی ضروری ماننا پڑتا ہے کہ جو کچھ نعمت و راحت یا زحمت و مصیبت خواہ جسمانی ہو یا روحانی ہو، انفسی ہو یا آفاقی جو چیز ان میں سے جس بندے کے لئے مقدر ہو تو وہ ضرور اس کا سامنا کرے گا اور اگر کوئی چیز مقدر نہیں تو کوئی امکان نہیں کہ اسے ممکن بنایا جائے چہ جائے کہ اسے حاصل کیا جائے۔

① حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے: (۱) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس نے مجھے سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ (۲) موت پر ایمان لائے۔ (۳) موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے۔ (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔

تشریح: باب کی دونوں روایتوں میں "لا یومن" الخ' ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مظہری سے نقل کیا کہ یہاں اصل ایمان کی نفی ہے نہ کہ کمال ایمان کی لہٰذا اگر کوئی شخص امور اربع میں سے ایک کو بھی نہ مانے گا ہرگز مومن نہ ہوگا۔ ایمان الموت سے مراد قیامت کا یقین اور تصدیق کرنا ہے۔

② بندوں کے تعلق سے عالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت اس طرح ہے کہ کچھ اعمال و اخلاق اور کچھ چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں، مگر بندوں کے تعلق سے بعض چیزیں بھلی ہیں اور بعض چیزیں بری یعنی بعض چیزیں بندوں کے لئے مفید ہیں اور بعض چیزیں مضر، اور کائناتی چیزوں کی حد تک انسان اس کو مانتا بھی ہے اور برتتا بھی ہے، اپنے لئے مفید چیزیں اختیار کرتا ہے اور مضر چیزوں سے بچتا ہے، مگر جب اعمال و اخلاق کا معاملہ آتا ہے تو وہ طرح طرح کی باتیں چھانٹتا ہے، حالانکہ کچھ اعمال اور کچھ

اخلاق انسان کے لئے مفید ہیں جو اس کو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور کچھ اعمال و اخلاق مضر ہیں جو اس کو جہنم میں پہنچائیں گے، پس جو بندہ بھلی بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہے وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اپناتا ہے اور جو اس کو نہیں مانتا وہ زہر کھا کر مرتا ہے اور جہنم میں جاتا ہے۔

③ پھر نبی ﷺ نے پہلی حدیث کے آخر میں یہ مضمون سمجھایا ہے کہ تقدیر اٹل ہے جو کچھ انسان کو پہنچنا طے ہے وہ پہنچ کر رہتا ہے اور جس کا نہ پہنچنا طے ہے وہ ہرگز نہیں پہنچ سکتا، مگر یہ تقدیر کی تعریف اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے اعتبار سے ہے اور بندے کے اعتبار سے تقدیر معلق ہے یعنی مسببات: اسباب سے پیدا ہوتے ہیں، پس انسان کو وہ اسباب اختیار کرنے چاہئیں جن سے خیر پیدا ہو اور ان اسباب سے بچنا چاہئے جن سے نقصان پہنچے مگر بہرحال ہوگا وہی جو تقدیر میں ہے۔

④ اور دوسری حدیث میں موت پر ایمان کا تذکرہ آیا ہے، موت پر سرسری ایمان ہے یہ کافی نہیں، موت پر حقیقی ایمان ضروری ہے اور یہ مومن کا نصیب ہے، وہ موت سے ڈر کر اگلی زندگی کی تیاری کرتا ہے، حدیث میں یہی ایمان لانا مراد ہے۔

الا انه قال ربعي رحمه الله عن رجل عن علي رضي الله عنه: یعنی اس روایت کا دوسرا طریق بھی ہے جو نظر بن شمیل کا طریق ہے مگر انہوں نے ربعی اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان رجل کا اضافہ کیا ہے جو ابوداؤد کے طریق میں نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طریق ابوداؤد جس میں رجل کی زیادتی نہیں وہ اصح ہے کیونکہ منصور کے دوسرے کثیر شاگردوں نے بغیر زیادتی رجل ہی روایت نقل کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ النَّفْسَ تَمُوْتُ حَيْثُ مَا كُتِبَ لَهَا

باب ۱۱: آدمی وہاں ضرور پہنچتا ہے جہاں موت مقدر ہوتی ہے

(۲۰۷۲) اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَيْهَا حَاجَةً.

ترجمہ: حضرت مطر بن عکامس بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کی موت کسی جگہ پر لکھی ہو تو اس جگہ پر اس بندے کے لیے کوئی کام پیدا کر دیتا ہے (جس کی وجہ سے بندہ وہاں پہنچ جاتا ہے)۔

(۲۰۷۳) اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَيْهَا حَاجَةً اَوْ قَالَ بِهَا حَاجَةً.

ترجمہ: حضرت ابوعزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے بارے میں فیصلہ کر دے کہ اس نے فلاں جگہ پر مرنا ہے تو اللہ اس بندے کے لیے اس جگہ کوئی کام پیدا کر دیتا ہے۔

(۲۰۷۴) اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰى بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِيْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَيْئًا فَقَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ.

ترجمہ: ابن ابوخزامہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ ﷺ کا کیا خیال ہے اگر ہم جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور اگر کوئی دوائی استعمال کرتے یا بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرتے ہیں تو کیا یہ چیز اللہ تعالیٰ

کی تقدیر میں سے کوئی چیز ٹال سکتی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

تشریح: عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں موت مقدر ہوتی ہے آدمی وہاں جابستا ہے، اس کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ اس جگہ میں قیام اور بودو باش خوشگوار ہے، یا کوئی تقریب (کسی کی ملاقات، ملازمت وغیرہ) باعث ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے لیکن اگر ایسی کوئی صورت پیش نہیں آتی اور وہاں موت مقدر ہوتی ہے تو پھر وہ صورت پیش آتی ہے جس کا اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ ناگاہ کوئی ایسی حاجت پیش آتی ہے کہ آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے کیونکہ اسباب کے نظام میں خلل ڈالنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، کیونکہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، اس لئے کوئی نہ کوئی سبب بن جاتا ہے اور آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے۔

یہی مضمون حضرت ابوعزۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے مگر ان کی حدیث میں الیھا حاجۃ اور بھا حاجۃ راوی کو شک ہے اور مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ﴾ (لقمان: ۳۴) یعنی کسی آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی موت کہاں آنی ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو کسی دوسری جگہ موت دینا چاہتے ہیں تو اس زمین کی طرف اس شخص کا رخ ہوجاتا ہے اور وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں اس کی موت طاری ہوجاتی ہے چنانچہ ہم رات دن اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ لَا تَرُدُّ الرُّقٰی وَلَا الدَّوَاءُ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا

باب ۱۳: جھاڑ پھونک اور دوادارو تقدیر کو ٹال نہیں سکتے

(۲۰۷۵) صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِیْ لَیْسَ لَهُمَا فِی الْاِسْلَامِ نَصِیْبٌ الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِیَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری امت کے دو گروہوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا ایک مرجیہ اور دوسرا قدریہ۔

تشریح: یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے، اس کی پہلی سند میں امام زہری رحمہ اللہ: ابوخزامہ کے بیٹے سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ سفیان بن عینیہ کے متعدد تلامذہ عن ابی خزامۃ عن ابیہ کہتے ہیں، ابن نہیں بڑھاتے، یعنی زہری یہ حدیث ابوخزامہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے، پس صحابی ابوخزامہ نہیں بلکہ ان کے والد ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک یہی صحیح ہے کیونکہ زہری رحمہ اللہ کے متعدد تلامذہ بھی اسی طرح سند بیان کرتے ہیں (الاصابہ میں ابوخزامہ کے سلسلہ یں اختلاف لکھا ہے کہ وہ صحابی ہیں یا ان کے والد صحابی ہیں؟)۔

تقدیر کے مسئلہ میں یہ حدیث بنیادی اہمیت کی حامل ہے:

تقدیر کا اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہے کہ ہر چیز ازل سے طے ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، مگر بندوں کے اعتبار سے تقدیر میں اسباب و مسببات کا پورا سلسلہ شامل ہے، جھاڑ پھونک، علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر یہ سب صحت کے اسباب ہیں اور یہ بھی تقدیر میں شامل ہیں، اسی کو میں بار بار کہتا ہوں کہ بندوں کی طرف سے تقدیر معلق ہوتی ہے اور اسی جہت سے

بندوں کو امور کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے اور اللہ کی صفت ہونے کے اعتبار سے تقدیر کے جو معنی ہیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ صرف ایمانی بات ہے اور عملی مرحلہ یہ ہے کہ اچھائی کے اسباب اختیار کرے تا کہ بھلائی سے ہمکنار ہو، اس کی نظیر یہ حدیث ہے کہ جنت میں کوئی اپنے عمل سے نہیں جائے گا جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا جبکہ قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں کہ جنت میں بندے ایمان وعمل صالح کی وجہ سے جائیں گے، یہ دونوں باتیں صحیح ہیں، اعتقاد پہلی بات کا رکھنا ہے کہ جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، مگر عمل دوسری بات پر کرنا ہے کیونکہ ایمان اور عمل صالح دخول جنت کے اسباب ہیں اور یہ دنیا دارالاسباب ہے اس لئے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْقَدَرِيَّةِ

باب: منکرین تقدیر کا حکم

(۲۰۷۶) أَنَّ ابْنَ عُمَرَ جَائَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ لَهُ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ فَإِنْ كَانَ قَدْ أَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ يَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوْ فِي أُمَّتِي الشَّكُّ مِنْهُ خَسْفٌ أَوْ مَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدَرِ.

ترجمہ: نافع بیان کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور بولا فلاں شخص نے آپ کو سلام بھیجا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا ہے مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ نئے عقائد قائم کرنے چلا ہے اگر تو اس نے نیا عقیدہ قائم کرلیا ہے تو تم اسے میری طرف سے سلام کا جواب نہ دینا میں نے نبی اکرم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری اس آیت (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) میری اس امت میں زمین میں دھنسنا ہوگا چہروں کا مسخ ہوجانا ہوگا اور قذف ہوگا جو تقدیر کے منکرین کے لیے ہوگا۔

(۲۰۷۷) يَكُونُ فِي أُمَّتِي خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَّذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میری امت میں (کچھ لوگوں کو) زمین میں دھنسائے جانے اور چہرے مسخ کردیئے جانے کا عذاب ہوگا اور یہ (عذاب) تقدیر کو جھٹلانے والوں کو ہوگا۔

(۲۰۷۸) سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ كَانَ الزَّائِدُ فِي كِتَابِ اللهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ بِذٰلِكَ مَنْ اَذَلَّ اللهُ وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّ اللهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرُمِ اللهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِي مَا حَرَّمَ اللهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے چھ طرح کے لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اور ہر نبی نے ان پر لعنت کی ہے وہ یہ ہیں اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا اللہ کی (مقرر کردہ) تقدیر کو جھٹلانے والا زبردستی حکومت پر قبضہ کرنے والا تا کہ وہ اسے عزت دے جسے اللہ نے ذلیل کیا ہو اور اسے ذلیل کردے جسے اللہ نے عزت عطا کی اللہ تعالیٰ کی حرام

کردہ چیزوں کو حلال قرار دینے والا میری عترت سے متعلق ان امور کو حلال کرنے والا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو اور میری سنت کا تارک۔

(۲۰۷۹) قَدِمْتُ مَكَّةَ فَلَقِيْتُ عَطَاءَ بْنَ اَبِي رَبَاحٍ فَقُلْتُ لَهٗ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ اَهْلَ الْبَصْرَةِ يَقُوْلُوْنَ فِي الْقَدَرِ قَالَ يَا بُنَيَّ اَتَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاقْرَءِ الزُّخْرُفَ قَالَ فَقَرَاْتُ ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَ اِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝﴾(الزخرف) قَالَ اَتَدْرِيْ مَا اُمُّ الْكِتَابِ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ كِتَابٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمَآءَ وَقَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ الْاَرْضَ فِيْهِ اِنَّ فِرْعَوْنَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَفِيْهِ ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝﴾(لهب) قَالَ عَطَاءٌ فَلَقِيْتُ الْوَلِيْدَ بْنَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلْتُهٗ مَا كَانَتْ وَصِيَّةُ اَبِيْكَ عِنْدَ الْمَوْتِ قَالَ دَعَانِيْ فَقَالَ يَا بُنَيَّ اِتَّقِ اللّٰهَ وَاعْلَمْ اَنَّكَ اَنْ تَتَّقِيَ اللّٰهَ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ كُلِّهٖ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ فَاِنْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا دَخَلْتَ النَّارَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ اُكْتُبْ قَالَ مَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ.

ترجمہ: عبدالواحد بن سلیم بیان کرتے ہیں میں مکہ مکرمہ آیا میری ملاقات عطا بن ابی رباح سے ہوئی میں نے ان سے کہا اے ابو محمد اہل بصرہ تقدیر کے بارے میں کچھ اعتراضات کرتے ہیں عطاء نے فرمایا اے بیٹے کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں تو انہوں نے فرمایا تم سورۂ زخرف پڑھو راوی کہتے ہیں میں نے پڑھنا شروع کیا۔ حٰمٓ اس واضح کتاب کی قسم ہم نے اس کو عربی میں قرآن بنایا ہے تا کہ تم سمجھ لو اور بے شک یہ لوح محفوظ میں ہے جو ہمارے پاس ہے یہ بلند مرتبہ اور حکمت آمیز ہے۔

عطاء نے دریافت کیا کیا تم جانتے ہو یہاں ام الکتاب سے کیا مراد ہے؟ میں نے جواب دیا خدا اور اس کے رسول ﷺ زیادہ بہتر جانتے ہیں انہوں نے یہ فرمایا یہ وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے زمین کو پیدا کرنے سے پہلے لکھا تھا اور اس میں یہ بات بھی موجود ہے ابولہب تباہ و برباد ہو جائے۔

عطاء نے یہ بات بیان کی ہے میں حضرت ولید بن عبادہ سے ملا میں نے ان سے دریافت کیا آپ کے والد (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ) جو نبی اکرم ﷺ کے صحابی ہیں انہوں نے مرتے وقت کیا نصیحت کی تھی تو انہوں نے مجھے بتایا انہوں نے مجھے بلایا اور بولے اے میرے بیٹے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور یہ بات یاد رکھنا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہو گے اور تم کو تقدیر پر مکمل طور پر ایمان رکھنا چاہیے وہ اچھی ہو یا بری ہو اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرے تو تم جہنمی ہو جاؤ گے کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور فرمایا لکھو اس نے عرض کی اس سند کے حوالے سے میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وہ سب) لکھ دو جو پہلے ہو چکا ہے اور جو ابد تک ہوگا۔

(۲۰۸۰) قَدَّرَ اللّٰهُ الْمَقَادِيْرَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے سات

آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تقدیر مقرر کر دی تھی۔

(۲۰۸۱) جَآءَ مُشْرِکُوْ قُرَیْشٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یُخَاصِمُوْنَ فِی الْقَدَرِ فَنَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ (یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قریش سے تعلق رکھنے والے کچھ مشرکین نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ تقدیر کے بارے میں بحث کر رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جس دن انہیں چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا اور (کہا جائے گا) آگ کا مزہ چکھو اور بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔

تقدیر کا انکار گمراہی ہے:

منکرین تقدیر کے بارے میں عذاب کی وعید: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت ایسی احادیث ذکر فرمائی ہیں، جن میں ان لوگوں کے بارے میں مختلف قسم کے عذاب کی وعیدیں منقول ہیں جو تقدیر الٰہی کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک ایسے شخص کا سلام پہنچایا گیا جو تقدیر سے انکاری تھا، آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے چونکہ دین میں ایک نئی بات یعنی بدعت کا اضافہ کیا ہے یہاں بدعت سے مراد تقدیر کا انکار ہے، اس لئے میری طرف سے اسے سلام کا جواب نہ دیا جائے، کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے سلام کلام نہ کریں اور تعلقات قائم نہ کریں جو دین میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ فاسق و فاجر اور بدعتی آدمی کے سلام کا جواب دینا نہ واجب ہے اور نہ سنت ہے بلکہ اصلاح کی غرض سے ان سے بائیکاٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔ فی ھذہ الامۃ او فی امتی۔ الشك منه۔ خسف او مسخ...... اس میں "الشك منه" سے مراد یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں شک شیخ محمد بن بشار کی طرف سے ہے کہ انہوں نے یوں ہی اسے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ تقدیر کی تکذیب اور اس کا انکار کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ شدید عذاب آسکتے ہیں زمین میں دھنس جانے کا، شکل وصورت تبدیل ہو جانے اور سنگباری کا، اس حدیث میں لفظ "او" کے ساتھ یہ عذاب ذکر کئے گئے ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ راوی کی طرف سے شک ہے کہ یہ عذاب ہو گا یا یہ...... علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ لفظ او سے مختلف عذابوں کی طرف اشارہ ہو، کہ منکرین تقدیر پر مختلف قسم کے یہ عذاب آسکتے ہیں۔

① بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بطور شرط یہ سزائیں ذکر کی گئی ہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر خسف ومسخ جیسے دردناک عذاب اس امت پر ہوتے تو وہ منکرین تقدیر پر ہوتے، لیکن چونکہ آپ کی دعا سے یہ عذاب اس امت سے ختم کر دیئے گئے، اس لئے ان پر یہ عذاب نہیں آتے۔

② مذکورہ عذاب پوری امت پر عمومی طور پر نہیں آئیں گے لیکن بعض لوگوں پر ان کی سرکشی وغیرہ کی وجہ سے یہ عذاب آسکتے ہیں۔

③ علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے زجر و توبیخ اور ڈرانا مقصود ہے تا کہ لوگ تقدیر کے بارے میں افراط وتفریط سے دوچار نہ ہوں۔

④ قرب قیامت میں جب اس امت میں سرکشی و بغاوت حد سے بڑھ جائے گی اور لوگ تقدیر کی تکذیب کرنا شروع کر دیں گے تو اس وقت ان پر یہ عذاب نازل ہوں گے اور یہ علامات قیامت میں سے ہے۔

باب کی دوسری روایت میں ان اہل بصرہ کا ذکر ہے جو تقدیر کا انکار اور اس کی تکذیب کرتے تھے، حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ زخرف کی آیات سے اس پر رد فرمایا کہ تقدیر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں آسمان و زمین کی تخلیق سے بھی پہلے لکھی جاچکی ہے، حضرت ولید بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کی وصیت ذکر فرمائی جس میں ہے کہ اگر آدمی کا تقدیر پر ایمان نہ ہو اور اسی میں وہ مرجائے تو اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا گیا؟ ان اول ما خلق الله القلم. "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ قلم ہے۔" بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ما کان سے مراد قلم سے پہلے کی مخلوقات ہیں جیسے عرش و کرسی وغیرہ علی هذا "اوّل ما خلق الله القلم" سے مراد قبلیت اضافی ہوگی یعنی اس محسوس عالم سے قبل۔ چونکہ اس بارے میں بہت سی روایات میں اول کا لفظ وارد ہوا ہے اس لئے کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہی حتماً مقدم ہے۔ باب کی روایت سے قلم کی اولیت ثابت ہوتی ہے جبکہ مسلم کی روایت سے عرش اور پانی کی تقدیم ثابت ہوتی ہے (رواہ البخاری ص:453 ج1) تاہم پانی میں تو یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ اس سے مراد خلاء ہے کیونکہ خلاء کو دیکھتے وقت پانی محسوس ہوتا ہے۔ بعض روایات سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی اولیت معلوم ہوتی ہے۔ (الفوائد ص:47، جلد:2)

کتابتِ تقدیر کے معنی:

کتابتِ تقدیر کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوح محفوظ پر جاری کر کے تمام پیش آنے والے حالات و واقعات ثبت فرما دیئے جیسے کوئی کاتب اپنے ذہن کے خاکے اور نقش کو کاغذ پر لکھ دیتا ہے، تاہم اس کتابت کی حقیقت، نوعیت اور کیفیت کیا تھی، یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں اور جو کچھ ہونا ہے اس کو مقرر فرمایا۔ (تحفۃ الاحوذی 6/309)

اکتب القدر ما کان وما هو کائن الی الابد.

"اللہ تعالیٰ نے تقدیر کو لکھا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ہمیشہ لا انتہا تک۔"

بعض نے کہا کہ "ما کان" کے معنی ہیں عرش، پانی، ہوا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یا تو اس سے قلم پیدا کرنے سے پہلے کی مخلوقات یا امر کتابت سے پہلے کی مخلوق مراد ہے۔

"الی الابد" اس سے "طویل زمانہ" مراد ہے، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں الی ان تقوم الساعة (یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے) کی تصریح ہے۔ (الکوکب الدری 3/121)

قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنة.

"زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل تقدیر چونکہ ازلی ہے، اس کی کوئی ابتداء نہیں، لہٰذا وقت کی تحدید اصلی تقدیر کے اعتبار سے نہیں بلکہ لوح محفوظ میں لکھنے کے اعتبار سے ہے۔

اشکال: کرتے ہیں کہ جب آسمان وزمین اس وقت موجود نہیں تھے تو گویا زمانہ کا وجود بھی نہیں تھا، کیونکہ زمانہ نام ہے حرکت فلک کا، جب حرکت ہی نہیں تو زمانہ بھی نہ ہوا پھر روایت میں خمسین الف سنۃ کیسے درست ہے؟

اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں: ① اس سے تحدید مقصود نہیں بلکہ طویل مدت مراد ہے اس لئے کہ عربی زبان میں پچاس ہزار سال سے طویل زمانہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔

② وقت کی تحدید عرش کی حرکت کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے نہ کہ آسمان کی حرکت کے اعتبار سے اور عرش اس وقت موجود تھا۔ (مرقاۃ: ١/١٤٦)

③ "خمسین الف سنة" کا عدد تخمینی ہے یعنی اگر اس وقت آسمان موجود ہوتا تو اس کی حرکت کی مقدار پچاس ہزار سال کے بقدر ہوتی۔ (شرح الطیبی: ١/٢١٥)

(٢٣٨/٨) ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کے سلام کا جواب علی الاصح واجب ہے جبکہ مبتدع کا ممنوع ہے:

واختلف فی الرد علیھم (ای علی الیھود والنصاریٰ) والصواب وجوبه والفرق بینھم وبین اھل البدع انا مامورون بھجرھم. (ای المبتدعة)

(مختصر زاد المعادص: ١٠٩، فصل فی ہدیۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی السلام علی اہل الکتاب)

"یہود ونصاریٰ کو سلام کا جواب دینے کے بارے میں اختلاف ہے درست یہ ہے کہ ان کے سلام کا جواب واجب ہے، اہل کتاب اور اہل بدعت میں فرق یہ ہے کہ ہمیں بدعتیوں کو چھوڑنے کا حکم ہے۔"

اعتراض: اس حدیث میں اہل قدر یعنی تقدیر میں بے جا بحث کرنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان پر خسف وغیرہ کا عذاب آئے گا جبکہ دوسری روایات سے ثابت ہے کہ آنحضور علیہ السلام کی امت پر اس قسم کا عذاب نہیں آئے گا، پس یہ تو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب: اس کے متعدد جوابات ہیں: ایک یہ کہ ممنوع عام عذاب ہے جبکہ یہاں خاص فرقے کی بات کی گئی ہے۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ جب تک امت مرحومہ کے لوگ بحالت اتباع شریعت رہیں گے تو وہ بحفاظت ہوں گے مگر جب وہ بگڑ جائیں گے تو پھر ان کے چہرے بھی بگڑ سکتے ہیں کہ باطن کا اثر ظاہر پر رونما ہوتا ہے۔

ملحوظہ: ترمذی کے بعض نسخوں میں یہاں اس حدیث سے پہلے ایک اور حدیث کا اضافہ ہے جیسے متن عارضہ اور متن تحفہ دونوں پر موجود ہے، وہ حدیث یہ ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ: ستة لعنتھم ولعنھم اللہ و کل نبی یجاب، الزائد فی کتاب اللہ، والمکذب بقدر اللہ والمتسلط بالجبروت لیعز بذالك من اذله اللہ ویذل من اعزه اللہ والمستحل لحرم اللہ والمستحل من عترتی ما حرم اللہ والتارك لسنتی. (مجمع الزوائد ص: ٢٩٩ ج ٧)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ آدمیوں پر میں بھی لعنت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور نبی کی لعنت قبول کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا اور تقدیر کو جھٹلانے والا، ظالموں کے ساتھ مسلط دینے والا تا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو عزت دی ہے اُسے ذلیل کرے اور جسے ذلت دی ہے اُسے عزت دے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھنے والا میری عترت کے خون کو حلال سمجھنے والا اور میری سنت کو چھوڑنے والا۔"

تاہم مشکوٰۃ میں اس روایت کے بعد لکھا ہے: "رواہ البیہقی فی المدخل و رزین فی کتابہ" اس میں ترمذی کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

متعدد روایات میں تطبیق: یہاں بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض روایات سے مذکورہ عدد کے علاوہ بھی تقدیر کا لکھنا ثابت ہے مثلاً حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے جس مناظرے کا ذکر ترمذی میں گزرا ہے اس کے مسلم شریف والے طریق میں ہے:

"فبکم وجدت اللہ کتب التوراۃ قبل ان اخلق قال موسی باربعین عامًا" (مشکوٰۃ ص۱۹، صحیح مسلم ص۳۳۵، جلد ۲)

حل: اس کا حل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کو اگرچہ کسی چیز کے لکھنے کی ہرگز ضرورت نہیں مگر اللہ عزوجل کا ہر کام ضابطے کے مطابق ہوتا ہے، ایسے امور میں کیا کیا حکمتیں ہوسکتی ہیں ہماری عقل ان تک رسائی سے قاصر ہے، تاہم اپنی قدرت قاہرہ اور حکمت باہرہ کے اظہار کے لئے اور فرشتوں کو نظام چلانے میں سہولت دینے کے لئے تقدیر کا نظام مرتب فرمایا جیسے قیامت کے دن وزن اعمال میں لوگوں کے سامنے ان کے اچھے برے عمل میں تمیز کی خاطر اور یہ کہ اللہ عادل بادشاہ ہے اظہار کے لئے میزان قائم کردی ہے۔ علی ھذا کہا جائے گا کہ تقدیر ایک ازلی ہے، پھر آسمانوں اور زمینوں سے پہلے زمینوں اور آسمانوں و مافیھا کے احوال دوبارہ الگ سے لکھ دیئے ہیں، پھر جب بچہ ماں کے پیٹ میں سانس لینے کے قابل ہوجاتا ہے تو اس کی زندگی سے متعلق تقدیر مرتب کی جاتی ہے اور ہر سال کے لئے جو فیصلے ہوتے ہیں وہ بھی تحریر کئے جاتے ہیں، اور انسان کی روزانہ کی کارروائی بھی لکھی جاتی ہے، گویا ایک کلی نظام تقدیر کے بعد مختلف فائلیں تیار کی جاتی ہیں جو خاص در عام کے زمرے میں آتی ہیں، جیسے جنس کے اندر انواع اور انواع کے ضمن میں افراد ہوتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال جاء مشرکو قریش الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخاصمون فی القدر فنزلت ھذہ الآیۃ.

﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝﴾ (القمر) (حسن صحیح)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قریش کے مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر تقدیر کے بارے میں بحث کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا کہ) دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں "بقدر" سے یہی مراد ہے جس کے لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اتنی ساری احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ اگرچہ علامہ باجی مالکی رحمہ اللہ نے اس تفسیر میں کچھ اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے مگر وہ قابل التفات نہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ قرآن وسنت دونوں اثبات تقدیر پر صریح ہیں، اس لئے عقیدۂ تقدیر ایمان کا حصہ ہے تاہم جو لوگ اس میں بحث کرتے ہیں ان کو احتیاطاً کافر نہیں کہنا چاہئے جیسا کہ سابقہ اوراق میں گزرا ہے۔

لغات: احدث: نئی چیز کا ایجاد کیا، بدعت نکال لی۔ خسف: (خا پر زبر اور سین پر جزم) زمین میں دھنس جانا۔

مسخ: صورت کا تبدیل ہوجانا، بگڑ جانا۔ قذف: سنگ باری، پتھر برسانا۔ قدر: (قاف اور دال پر زبر) تقدیر الٰہی، اللہ کا فیصلہ جو

بندوں کے لئے کر دیا گیا ہو۔ المقادیر: مقدار کی جمع ہے: تقدیر الٰہی، وہ شے جس سے کسی چیز کا اندازہ لگایا جائے۔ یخاصمون: بحث و مباحثہ اور جھگڑنے لگے۔ یسحبون: انہیں کھینچا اور گھسیٹا جائے گا۔ ذوقوا: تم مزہ چکھو۔ مس سقر: عذاب جہنم کا لگنا، اس کا اثر۔

بیان مذاہب: انسان کہاں تک با اختیار ہے اور کہاں تک بے بس، اس بارے میں کافی اختلاف ہے:

(1) فرق اسلامیہ میں سے معتزلہ کہتے ہیں انسان اپنے تمام افعال کا خالق ہے، شرح عقائد میں ہے کہ ان کے اوائل انسان پر خالق کے بجائے موجد اور مخترع کا اطلاق کرتے تھے مگر جبائی اور اس کے اتباع کے بعد والوں نے سوچا کہ یہ سب الفاظ ہم معنی ہیں اس لئے انہوں نے صاف طور سے عبد یعنی انسان کو خالق سے تعبیر کیا۔

(2) قدریہ جن کا نظریہ مختصراً اوپر لکھا جا چکا ہے ان کے بارے میں دو رائے ہیں: ایک یہ کہ قدریہ معتزلہ کی قسم اور ذیلی شاخ ہے۔ دوسری رائے ان کے بارے میں ہے کہ یہ خوارج کی ایک جماعت و گروہ کا نام ہے بہرحال ان کا زعم یہ ہے کہ انسانی افعال دو طرح کے ہیں: ایک اچھے اور دوم برے، پس اچھے اعمال کا خالق اللہ ہے اور قبیح کا بندہ خود ہے، تاہم ابوداؤد کی روایت میں ہے: ''القدرية مجوس هذه الامة'' (سنن ابی داؤد ص: 296)

تاہم قدریہ اوپر کی استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام مخلوقات خواہ وہ شر ہی کیوں نہ ہو سب کا خالق اللہ کا مانتے ہیں، بذل الجہود میں ہے:

والقدرية كذالك فانهم يقولون ان خالق الخير هو الله تعالىٰ و خالق الشر ... و جميع المخلوقات ميں الخير و الشر و القبائح مخلوق لله سبحانه و تعالىٰ لا شريك له غير. (ص: ۲۱۰ ج ٦، كتاب السنة)

"اور قدریہ کہتے ہیں کہ خیر کا خالق وہ اللہ تعالیٰ ہیں اور شر کا خالق اور وہ تمام مخلوقات جن میں خیر اور شر کا پہلو ہے اور بُری چیزیں وہ خود اپنی خالق ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں اس کا غیر اس کے ساتھ شریک نہیں۔"

(3) جبریہ جو جہمیہ کے نام سے مشہور ہیں انسان کو مجبور مانتے ہیں ان کا موقف کہ انہوں نے انسان کو تقدیر کے آگے بالکل جماد کی مانند مجبور محض اور بے اختیار قرار دیا ہے لہٰذا وہ احکام باری تعالیٰ کی تاخیر کے قائل ہیں کہ بقول ان کے انسان کی نہ کوئی مرضی چلتی ہے اور نہ ہی اپنا اختیار چلتا ہے بس وہ تقدیر میں زیادہ بحث کی وجہ سے گویا انکار کے قریب ہو گئے اگر چہ انہوں نے صریح انکار تو نہیں کیا ہے جسے التزام کفر قرار دے کر ان پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے مگر اس کے قریب جانے کی وجہ سے مجازاً ان کو منکرین قدر کہا جاتا ہے، گویا لزوم انکار کو مبالغۃً التزام قرار دیا۔

(4) اہل السنۃ والجماعت یہ نہ تو انسان کو خالق مانتے ہیں اور نہ ہی مجبور اور جماد کی طرح تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ حضرات افراط و تفریط کے درمیان درجۂ اعتدال کے قائل ہیں کہ بندہ کاسب تو ہے مگر خالق نہیں ہے۔

دلائل: جو لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان کے نظریات کی تشریح، ان کے استدلالات اور پھر ان کے جوابات طویل سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اس لئے ان کو یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں جہاں تک باقی فرقوں کا تعلق ہے تو ان کے آپس میں اختلاف کا دارومدار دو طرح کے دلائل پر ہے: ایک نقلیہ اور دوم عقلیہ۔

دلائل نقلیہ میں دو قسم کی آیات ہیں بعض میں افعال کی نسبت اللہ عزوجل کی جانب کی گئی ہے: جیسے ﴿یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (فاطر:۸) جبکہ بعض عبد کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ مثلاً: ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۴۱) پس ایک فریق نے اول کو حقیقت اور دوسری کو مجاز پر محمول کیا ہے یہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، جبکہ معتزلہ وقدریہ نے اس کے برعکس موقف اپنایا ہے۔ یہ مسئلہ شرح عقائد میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

معتزلہ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ اگر سب افعال اللہ عزوجل کی تخلیق ہیں تو پھر انسان مجبور ہوگیا کہ وہ اللہ کی تکوین وتخلیق کے آگے اپنا اختیار تو استعمال نہیں کرسکتا ہے، پھر تکلیف کا فائدہ نہ رہا اور ثواب وعقاب کا استحقاق ختم ہوا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا استدلال جبریہ کے خلاف تو چل سکتا ہے مگر ہمارے خلاف نہیں کہ ہم باوجود عدم خالقیت عبد کے اس کے اختیار کے قائل ہیں جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

دوسری دلیل: وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ افعال عباد کا خالق ہوتو پھر وہ قائم وقاعد، آکل وشارب وغیرہ بھی ہوگا، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تو بڑی جہالت کی بات انہوں نے کی ہے کیونکہ ان افعال سے وہی متصف ہوتا ہے جس کے ساتھ یہ صفات قائم نہ ہوں یہ کہ وہ خالق ہو۔ "اولا یرون ان اللّٰہ تعالیٰ ھو الخالق للسوداء والبیاض وسائر الصفات فی الاجسام ولا یتصف بذالك" یعنی اگر آپ کی بات صحیح ہوئی تو پھر عبد کے افعال غیر اختیاریہ کے بارے میں کیا کہو گے کیا اللہ کو ان سے موصوف مانو گے؟ والعیاذ باللہ

تیسری دلیل: "وربما یتمسك بقوله تعالیٰ: فتبارك اللّٰه احسن الخالقین، والجواب ان الخلق ھھنا بمعنی التقدیر" یعنی اس قسم کی آیات میں خلق کی نسبت مجازی بمعنی تقدیر واندازے کے ہے۔

قدریہ کہتے ہیں: کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کے بُرے افعال کا خالق مان لیا جائے تو ان قبائح کی نسبت اللہ کی جانب ہوگی، اور اس سے ملتا جلتا استدلال مجوس کا بھی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ کسی قبیح فعل کی نسبت کاسِب کی طرف ہوتی ہے، خالق کی جانب نہیں کیونکہ خلق تو فیضان الوجود کا نام ہے جو بذات خود حسن ہی حسن ہے۔

جبریہ کہتے ہیں: کہ اگر اللہ نے کوئی چیز تقدیر میں لکھی ہو اور عبد اس کے خلاف پر قادر ہو جائے تو اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے نیز یہ اللہ کے علم ازلی کے بھی منافی ہے اور ارادے کے بھی خلاف ہے وغیرہ وغیرہ، بہت سارے استحالے لازم آئیں گے، چونکہ یہ سب تو الی محال ہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ عبد، اللہ کے حکم کے آگے اور تقدیر کے سامنے مجبور ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو آپ کا موقف مشاہدے اور حس کے خلاف ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رعشہ کی حرکت اور پکڑنے کی حرکت میں فرق ہے

اوّل غیر اختیاری ہے جبکہ دوم بداہۃً ارادی واختیاری ہے، ثانیاً پھر تو عبد کی تکلیف بمالا یطاق ہوئی جس پر نہ ثواب ملتا ہے اور نہ گناہ۔

نیز: یہ موقف لغوی استعمالات اور اصطلاحی محاورات کے بھی خلاف ہے کہ لوگ نماز وغیرہ کی نسبت عبد کی طرف کرتے ہیں اور

اسے حقیقی نسبت گردانتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ صریح نصوص کے بھی خلاف ہے۔

رہی یہ بات کہ عبد، اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا تو یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس سے جبر لازم نہیں آتا کیونکہ اللہ نے اپنا ارادہ اور علم بندے کے ارادے کے ساتھ متعلق کیا ہے جب ازل میں اللہ نے دیکھا کہ فلاں فلاں کام بندہ فلاں فلاں وقت پر کرے گا تو اللہ کو واقعہ کے مطابق معلوم ہونا جبر کو مستلزم نہیں ہوا بلکہ اس سے تو انسانی ارادہ اور بھی پختہ ہوا۔

اہل السنۃ والجماعۃ یا اشاعرہ و ماتریدیہ کے استدلالات درج ذیل ہیں۔

(1) **پہلا استدلال:** یہ ہے کہ اگر بندہ کو خالق مانا جائے جیسا کہ معتزلہ وقدریہ مانتے ہیں پھر تو یہ عقیدہ مجوس سے بھی زیادہ جاہلانہ ہوگا کہ وہ دو خداؤں کے قائل ہیں اور اہل اسلام زیادہ کے معتقد ہوں گے۔

(2) **دوسرا استدلال:** یہ ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کی تفصیل سے آگاہی لازمی ہے جبکہ مثلاً کراچی سے لاہور تک پیدل چلنے والے کو اپنے قدموں کی تعداد اور عضلات کی حرکات تک کا پتہ نہیں ہوتا پھر یہ کیسی خلقت ہوئی؟

(3) **تیسرا استدلال:** اس بارے میں نصوص صاف بتارہی ہیں کہ بندہ کے افعال خالق بھی خدائے ذوالجلال ہے۔ مثلاً:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الصافات:۹۶) وغیرہ۔

اس کے برعکس اگر بندے کو مجبور اور بالکل بے اختیار مانا جائے تو **تکلیف بمالا یطاق** لازم آتی ہے، اس لئے بیچ کا درجہ ماننا پڑے گا کہ عبد کاسب تو ہے مگر خالق نہیں یعنی جب وہ اپنا ارادہ کسی فعل سے متعلق کرتا ہے تو اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے فیضان وجود ہوتا ہے اور چونکہ ایسے میں عبد اپنے آپ کو قادر سمجھتا ہے اور تکلیف کے لئے اتنی سی قدرت بھی کافی ہے اس لئے کوئی استحالہ خالقیت کا یا جبر کا لازم نہیں آتا، غرض تعلق ارادہ کسب ہے جبکہ وجود دینا خلق۔

خلق اور کسب کے درمیان مزید وجوہ فرق کے لئے شرح عقائد دیکھئے۔

فائدہ: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بوادر النوادر میں فرماتے ہیں کہ افعال اختیاریہ میں انسان کا یہ اعتقاد کہ اگر چاہوں تو کرلوں گا اور نہ چاہوں تو نہیں ہوگا، ایسا اختیار ہے جو دلیل کا محتاج نہیں بلکہ بدیہی ہے اور یہی فعل کے صدور کی علت قریبہ ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس اختیار کی صفت بھی اور اس صفت کا فعل کے ساتھ تعلق بھی دونوں مخلوق ہیں حق تعالیٰ کے، اس طرح سے کہ تخلیق حق کے بعد ان کا عدم وقوع، قدرت عبد سے خارج ہے اور یہ تخلیق علت بعیدہ ہے صدور افعال اختیاریہ کی، جس شخص نے افعال مذکورہ کی صرف علت قریبہ پر نظر کی وہ قدری ہوگیا اور جس نے صرف علت بعیدہ پر نظر کی وہ جبری ہوگیا اور جس نے دونوں پر نظر کی وہ کہہ کر کہ "لاجبرای محضًا ولا قدرای محضًا ولکن الامر بین بین" سنی ہوگیا۔ (ص:۹۲، ادارۂ اسلامیات لاہور)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارادے کا سبب خیالات ہیں اور خیالات کے کم از کم پانچ اسباب ہیں۔ (راجع للتفصیل حجۃ اللہ البالغۃ، باب فی اسباب الخواطر الباعثۃ علی الاعمال)

اشکال: اگر معتزلہ وقدریہ خالقیت عبد کے قائل ہیں تو پھر تو وہ مشرک ہوئے حالانکہ ان پر اسلاف نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے ایسا کیوں ہوا؟

جواب: اس کا جواب شرح عقائد میں دیا ہے کہ شرک یہ ہے کہ کسی کو اللہ کے ساتھ الوہیت بمعنی وجوب الوجود یا استحقاق العبادت

میں شریک مانا جائے جبکہ معتزلہ وغیرہ اس کے قائل نہیں بلکہ وہ بندے کی خالقیت کو بھی اللہ کی خالقیت کی طرح ہی مانتے ہیں کیونکہ وہ بندے کو اسباب وآلات کا محتاج تسلیم کرتے ہیں۔ (ص:۶۱)

علیٰ ہذا حدیث الباب میں "لیس لھما فی الاسلام نصیب" تغلیظ پر محمول ہے، یہی جمہور اور محققین کا مذہب ہے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی تین سندیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں: پہلی سند میں علی بن نزار اسدی کوفی اپنے والد نزار بن حیان اسدی سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں اور دوسری سند میں محمد بن بشر: سلام بن ابی عمرۃ سے روایت کرتا ہے، یہ سلام: ابوعلی خراسانی ہے اور یہ بھی ضعیف راوی ہے، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، تہذیب التہذیب میں ہے کہ وہ ثقہ رواۃ سے الٹ پلٹ روایتیں بیان کرتا ہے چنانچہ اس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں اور تیسری سند میں محمد بن بشر، علی بن نزار سے روایت کرتا ہے اور وہ عکرمہ سے، اس سند میں علی کے باپ نزار بن حیان کا واسطہ نہیں، مگر یہ علی خود ضعیف ہے، اس لئے اس کی تمام سندیں صحیح نہیں، پس اس حدیث کی بنیاد پر ان فرقوں کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لغات: "صنفان" صنف بکسر الصاد کا تثنیہ ہے، نوع اور قسم کو کہتے ہیں۔ "مرجئہ" ارجاء سے ہے بمعنی تاخیر کے اور کبھی ہمزہ کو یا سے بھی تبدیل کیا جاتا ہے جیسے مرجیہ، یہ لوگ کسی چیز کی تاخیر کے قائل ہیں؟ تو اس بارے میں متعدد اقوال ہیں، کسی نے کہا کہ یہ عمل کو ایمان سے الگ کرتے ہیں کہ نفس تصدیق کی صورت میں جتنے بھی گناہ کیوں نہ ہوں مگر اس سے عذاب مؤخر یعنی نفی ہوگا، مگر یہاں جو معنی مناسب ہے وہ یہ ہے۔

اس حدیث پر محشی ترمذی نے تفصیل سے بحث فرمائی اور مختلف اقوال وضع، تضعیف اور مخدوش توثیق کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ولا شك ان تحسين "ت" (ترمذی) له مقدم على هذه الاشياء مع ما اشار اليه من شواهد عمن ذكر من الصحابة انتهى۔ غرض اس بارے میں علی بن نزار باپ بیٹا دونوں، اسی طرح سلام بن ابی عمرہ کے ضعف کے باوجود روایت درجہ حسن پر فائز ہے۔ کما قاله الترمذی۔

باب

باب

(۲۰۸۲) مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَاِلٰى جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً اِنْ اَخْطَاَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ حَتّٰى يَمُوْتَ.

ترجمہ: مطرف بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں ابن آدم کی تخلیق یوں کی گئی ہے کہ اس کے پہلو میں ننانوے ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اسے موت تک پہنچا دیں اور اگر وہ اسے موت تک نہیں پہنچا پاتیں تو بھی آدمی بوڑھا ہوکر مرجاتا ہے۔

انسان ننانوے اسباب موت میں گھرا ہوا ہے

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس پر آنے والی مصائب ومشکلات کو بھی پیدا کیا جاتا ہے، حدیث میں ننانوے مصیبتوں کا ذکر کثرت کے لئے ہے ننانوے کا عدد تکثیر کے لئے ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی صورت میں موت سے بچ نہیں سکتا کیونکہ پیدا ہوتے ہی وہ امراض وآفات کی لپیٹ میں آجاتا ہے خواہ وہ بچنے کی جتنی بھی سعی کرے

مگر وہ بچ نہیں سکتا اس لئے عام لوٹ بڑھاپے سے پہلے ہی بیماریوں یا حادثوں کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں مگر بالفرض اور شاذ و نادر جو بچ جاتے ہیں تو اسی (80) سو (100) سال کے بعد وہ شدید بڑھاپے کی آغوش میں خود بخود خواہی و ناخواہی چلے جاتے ہیں اور یہی ان کا آخری مرحلہ ہوتا ہے اس کے بعد کوئی امکان بچنے کا نہیں رہتا کما هو المشاهد، کسی نے خوب کہا ہے "لدوا للموت" دنیا میں آنا ہی جانے کا پیغام و پیش خیمہ بلکہ مستلزم للذهاب ہے۔ اعربی میں محاورہ ہے: البرایا اهداف البلایا لوگوں پر مصائب لازم ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں عموماً ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں ضرور مبتلا رہتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارتا رہے اور اس کے فیصلوں پر راضی رہے۔ (تحفۃ الاحوذی 304/6)

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرِّضَآءِ بِالْقَضَآءِ

باب: فیصلہ خداوندی پر راضی رہنا

(۲۰۸۳) مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ قَضَى اللّٰهُ لَهُ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ابن آدم کی سعادت مندی میں یہ بات بھی شامل ہے اس فیصلے پر راضی رہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کیا ہے اور ابن آدم کی بدبختی میں یہ بات بھی شامل ہے وہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے کو ترک کر دے اور ابن آدم کی بدبختی میں یہ بات بھی شامل ہے وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ناپسند کرے۔

تشریح: رضاء بالقضا کا حکم: اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بندے کے حق میں چونکہ سراسر اس کی بھلائی اور فائدے کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے اس پر خوش رہنا چاہئے خواہ اس کی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، زبان پر گلے شکوے اور ناشائستہ گفتگو سے اجتناب کرنا چاہئے، اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے رضا بالقضاء کو سعادت کی علامت قرار دیا ہے، علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سعادت مندی دو وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ آدمی جب اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر پر راضی ہوگا تو پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنے معمولات ادا کر سکے گا، اس کے برعکس اگر رضا بالقضاء نہ ہو تو ایسا آدمی ہر وقت متفکر اور پریشان رہتا ہے، ایسے میں وہ کوئی کام یکسوئی سے نہیں کر سکتا، دوسرا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں، یوں وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو جائے گا، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ خیر و شر، نفع اور نقصان سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، طبیعت کے خلاف بات پیش آ جائے تو اس پر صبر کرے اور جو بات منشاء کے مطابق ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر لیا کرے۔

ومن شقاوة ابن آدم تركه استخارة الله: یہ جملہ درمیان میں ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جو شخص اپنے تمام امور کو اللہ کے سپرد کر دے تو اسے بھی اللہ سے مشورہ اور خیر کو ضرور طلب کرتے رہنا چاہئے۔

استخارہ مباح امور میں ہوتا ہے، بہتر یہ ہے کہ کم از کم تین دن تک اسے کیا جائے اگر خواب میں کوئی اشارہ ہو جاتا ہے تو بہت

اچھا ورنہ استخارے کے بعد جس پر دل مطمئن ہو جائے اس کام کو کرلیا جائے، اس میں انشاء اللہ خیر ہوگی۔ استخارے میں خواب دیکھنا لازمی نہیں ہے۔(تحفۃ الاحوذی 6/305)

اعتراض: یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ایک طرف رضاء بالقضاء واجب ہے جیسا کہ عقائد کی کتب میں ہے، دوسری طرف کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ کفر مقضی ہے جبکہ رضا قضاء پر واجب ہے مقضی پر نہیں۔ تاہم اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی ملحوظ ہو کہ اگرچہ قضا اللہ کی صفت ہے اور کفر بندے کا وصف اور فعل ہے مگر رضاء بالکفر کی صورت میں اللہ کی صفت پر رضا تو مراد نہیں ہوسکتی اس لئے بعض محققین نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ رضاء بالکفر من حیث انه کفر یعنی من حیث ذات الکفر، کفر ہے اور من حیث انه مقضی به کفر نہیں بلکہ رضا بالقضاء ہے۔

سند کی بحث: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی محمد بن ابی حمید جس کو حماد بن ابی حمید بھی کہا جاتا ہے اور وہی ابو ابراہیم مدینی بھی ہے، یہ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

لغات: مثل: (میم پر پیش اور ثاء پر تشدید اور زیر، مجہول کا صیغہ ہے) پیدا کیا گیا، صورت دیا گیا، جنبه: اس کے پہلو، اس کے قریب۔ منية: مہلک آفت و مصیبت یعنی موت کے اسباب، اس کی جمع منایا ہے۔ اخطاته: وہ اسباب اس سے متجاوز ہو جائیں یعنی بیماری، بھوک، جلنا، ڈوب جانا۔ ان میں سے کوئی سبب بھی اسے نہ پہنچے۔ الهرم: بڑھاپا۔ مطرف بضم المیم وتشدید الراء المکسورة بصیغۂ اسم فاعل۔ قوله "الشخیر" بکسر الشین وکسر الخاء المشددة وسکون الیاء، حضرت عبداللہ بن الشخیر عامری "یعد فی البصریین وفد الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فی بنی عامر."

فتنوں کی قسمیں:

فتنے چھ قسم کے ہیں:

پہلی قسم آدمی کے اندر کا فتنہ: اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں، اس کا دل سخت ہو جائے، اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کے جسم میں فہم کے اعتبار سے تین باریک (خفی) چیزیں ہیں، قلب، عقل اور نفس، دل سے غصہ، بہادری، حیاء، محبت، خوف، انقباض و انبساط جیسے احوال کا تعلق ہے..... اور عقل کا دائرہ کار وہاں سے شروع ہو جاتا ہے جہاں پہنچ کر حواس خمسہ ظاہرہ کا کام ختم ہو جاتا ہے اور عقل بدیہی اور نظری دونوں قسم کے علوم کا ادراک کرتی ہے، جیسے تجربہ اور حدس وغیرہ کے ذریعہ جو بدیہی باتیں جانی جاتی ہیں وہ عقل کا کام ہے، اسی طرح برہان وخطابیات وغیرہ کے ذریعہ جو نظری علوم حاصل کئے جاتے ہیں: وہ بھی عقل کا فعل ہے اور نفس خواہش کرتا ہے یعنی انسان کی بقاء کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں جیسے کھانا، پینا، سونا اور صحبت کرنا، ان کی نفس خواہش کرتا ہے۔

قلب کے بُرے احوال:

① جب قلب پر بہیمی خصلتیں قبضہ جما لیتی ہیں اور اس کی دلچسپیاں جانوروں جیسی ہو جاتی ہیں تو وہ قلب بہیمی کہلاتا ہے (یہ ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور جب خواب یا بیداری میں قلب شیطان کے وسوسے قبول کرتا ہے تو وہ قلب: قلب شیطانی ہو جاتا ہے، سورۃ الانعام آیت میں ایسے لوگوں کو شیاطین الانس (انسان نما شیطان) کہا گیا ہے۔ (یہ فساد قلب کا اعلیٰ درجہ ہے)۔

قلب کے اچھے احوال:

① جب قلب پر ملکی خصلتیں قبضہ جما لیتی ہیں تو وہ قلب: قلب انسانی کہلاتا ہے اور اس وقت خوف اور محبت وغیرہ جذبات ان برحق اعتقادات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں جن کو آدمی نے محنت سے حاصل کیا ہے (یہ صلاح کا ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور جب دل کی صفائی اور نور قوی ہو جاتا ہے تو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو ''روح'' کہتے ہیں، اب اس دل میں انبساط ہی

انبساط ہوتا ہے، انقباض کا نام ونشان نہیں رہتا، اور الفت ومحبت ہی رہ جاتی ہے، قلق وبے چینی کا نام ونشان مٹ جاتا ہے، اس دل کے احوال کو صوفیاء ''انفاس'' کہتے ہیں، جب قلب اس حال میں پہنچ جاتا ہے تو ملکی خصوصیات عادتِ ثانیہ بن جاتی ہیں اور وہ اکتسابی نہیں رہتیں (یہ صلاح کا اعلیٰ درجہ ہے)۔

عقل کے بُرے احوال:

① جب عقل پر بہیمی خصلتیں غالب آجاتی ہیں تو عقل مکار ہوجاتی ہے اور آدمی کو ایسے خیالات آنے لگتے ہیں جو فطری تقاضوں کی طرف مائل ہوتے ہیں، جیسے جماع کے خیالات آتے ہیں، اگر شہوت کی فراوانی ہوتی ہے اور کھانوں کے خیالات آتے ہیں اگر وہ بھوکا ہوتا ہے (یہ فسادِ عقل کا ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور اگر عقل پر شیطان کی وحی قبضہ جمالیتی ہے تو آدمی کو بہترین نظام کی شکست وریخت کے خیالات آتے ہیں، معتقدات حقہ میں شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں اور ایسی مکروہ ومنکر ہیئتوں کی طرف اس کا میلان ہوجاتا ہے جن سے نفوس سلیمہ نفرت کرتے ہیں (یہ فسادِ عقل کا اعلیٰ درجہ ہے)۔

عقل کے اچھے احوال:

① جب عقل پر کسی درجہ میں ملکی خصلتیں قبضہ جمالیتی ہیں تو وہ بدیہی یا نظری، ارتفاقی اور احسانی علوم کی تصدیق کرنے لگتی ہے، جن کی تصدیق ضروری ہے (یہ ادنیٰ درجہ ہے)۔

② اور جب عقل کی صفائی اور نور قوی ہوجاتا ہے تو اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں اس کو ''عقل خفی'' کہتے ہیں (اور یہ عقل کی ترقی کا اعلیٰ درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں)۔

نفس کے تین احوال: ① جب نفس بہیمی خصلتوں کی طرف اترتا ہے تو وہ نفس امارہ کہلاتا ہے (یہ برا نفس ہے)۔

② **اور جب نفس:** ملکیت وبہیمیت کے درمیان متردد ہوتا ہے، کبھی ملکیت کی طرف جھکتا ہے، کبھی بہیمیت کی طرف، تو وہ نفس لوامہ کہلاتا ہے (یہ بین بین حالت ہے اور غنیمت ہے)۔

③ **اور جب نفس:** شریعت کے احکام کا پابند ہوجاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف اقدام نہیں کرتا، ہمیشہ اس کے موافق ہی عمل کرتا ہے تو وہ نفس مطمئنہ کہلاتا ہے (یہ عمدہ نفس ہے)

غرض: قلب، عقل اور نفس کے خارجی اثرات کی وجہ سے جو برے احوال ہیں وہ آدمی کے اندرونی فتنے ہیں، جن سے اپنی حفاظت ضروری ہے، اور قرآن وحدیث میں عام طور پر اسی فتنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، سورۃ الانبیاء آیت 35 میں ہے:

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ''اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو۔''

یعنی سختی، نرمی، تندرستی، بیماری، تنگی، فراخی، عیش، مصیبت وغیرہ احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے، تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہوجائے اور علانیہ ظاہر ہوجائے کہ کندن کون ہے اور خزف کون؟

دوسری قسم: گھر میں فتنہ: ... اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے، حدیث میں ہے: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، یعنی دربار لگاتا ہے، پھر وہ لشکر کی ٹکڑیاں بھیجتا ہے، ان میں سے اس کے نزدیک مرتبہ میں قریب تر وہ ہوتا ہے جو ان میں سے سب سے بڑا فتنہ

بپا کرے ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے: میں نے یہ کیا وہ کیا، شیطان کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا! پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے: میں ایک شخص کے پیچھے لگا رہا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرادی! شیطان اس کو قریب کرتا ہے اور کہتا ہے: پٹھے! تو نے بڑا اچھا کام کیا! (مسلم 17:107 مصری)

تیسری قسم: وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے اور وہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے اور لوگوں کا ناحق حکومت کی آزا کرنا ہے، حدیث میں ہے: ''شیطان اس سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی بندے اس کی پرستش کریں، البتہ وہ ان کو آپس میں لڑانے میں لگا ہوا ہے۔ (مسلم 17:156 مصری)

چوتھی قسم: ملی فتنہ..... اور وہ یہ ہے کہ مخصوص صحابہ وفات پاجائیں اور دین کا معاملہ نااہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے، پس اولیاء اور علماء: دین میں غلو کریں اور بادشاہ اور عوام: دین میں سستی برتیں، نہ اچھے کاموں کا حکم دیں، نہ برے کاموں سے روکیں، پس زمانہ: زمانہ جاہلیت ہو کر رہ جائے، حدیث میں ہے ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی بھی امت میں جو نبی مبعوث کیا ہے اس کے لئے اس کی امت میں سے مخصوص حضرات اور ساتھی ہوتے گئے جو اس کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تھے اور اس کے دین کی پیروی کرتے تھے، پھر ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوگئے جو وہ باتیں کہتے تھے جو کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا وہ حکم نہیں دیتے گئے تھے۔ پس جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ، حدیث 157 باب الاعتصام)

پانچویں قسم: عالمگیر فتنہ...... یہ بد دینی کا فتنہ ہے، جب یہ فتنہ رونما ہوتا ہے تو لوگ انسانیت اور اس کے تقاضوں سے نکل جاتے ہیں اور لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔

① جو سب سے زیادہ ستھرے اور سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہوتے ہیں: وہ دو کام کرتے ہیں: ایک طبیعت کے تقاضوں سے بالکلیہ برطرف ہوجاتے ہیں ان کی اصلاح نہیں کرتے، یعنی تارک الدنیا ہوجاتے ہیں اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہو کر سنیاسی بن جاتے ہیں حالانکہ شریعت کی یہ تعلیم نہیں، شریعت نے طبیعت کی اصلاح کا حکم دیا ہے اور اس کی صورتیں تجویز کی ہیں۔ دوسرے مجردات یعنی ملائکہ کی مشابہت اور ان کا اشتیاق پیدا کرتے ہیں اور اس کی وہ کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرتے ہیں، مثلاً شب بیداری کرنا یا کثرت سے روزے رکھنا وغیرہ۔

② عام لوگ ہوتے ہیں جو بہیمیت خالصہ کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اور حیوانیت کو شرما دینے والے کام کرنے لگتے ہیں۔

③ بیچ کے لوگ ہوتے ہیں جو نہ پوری طرح ان کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ ان کی طرف۔

چھٹی قسم: فضائی حادثات کا فتنہ...... بڑے بڑے طوفانات اٹھتے ہیں، وبائیں پھیلتی ہیں، زمین دھنستی ہے، اور بڑے علاقہ میں آگ لگتی ہے، اور عام تباہی مچتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حادثات کے ذریعہ مخلوق کو ڈراتے ہیں تا کہ وہ اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔

فتن: ملاحم اور علامات قیامت کی روایتوں کا انداز: فتن: ملاحم اور علامات قیامت کی روایات اہم ہیں۔ ان کا خاص مقصد ملت کو زندگی کے نشیب و فراز سے واقف کرنا ہے تا کہ وہ اپنی زندگی میں فتنوں کا شکار ہو کر متاع زندگی لٹا نہ دیں اور چونکہ یہ تینوں باتیں آئندہ پیش آنے والی ہیں اس لئے ان کی روایات میں مجازی تعبیرات ہیں یعنی آگے جو کچھ پیش آئے گا اس کو نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کی تعبیرات

میں اداء فرمایا ہے، مثلاً یا جوج ماجوج جب لوگوں سے نمٹ جائیں گے تو کہیں گے: آؤ! اب آسمان والوں کو قتل کریں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے جو خون آلود ہو کر واپس لوٹیں گے، وہ خوش ہوں گے کہ ہم نے ایک فرشتہ مارا اب اس کی کیا صورت ہوگی، اور ان کے تیروں کی کیا نوعیت ہوگی وہ وقت بتلائے گا، اسی طرح ان روایات میں وقت کی تحدید بھی نہیں کی جاتی، اس لئے آئندہ جو واقعات پیش آئیں گے ان میں سے متعدد واقعات پیش خبری کا مصداق ہو سکتے ہیں، پس قطعیت کے ساتھ کسی ایک واقعہ کو ان روایات کا مصداق قرار دینا درست نہیں، یہ روایات ایک اجمالی راہنمائی ہیں جس سے مومنین آنے والے فتنوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

فتنوں پر تفصیلی کلام کی حکمتیں:

نبی ﷺ نے فتنوں پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور اس میں چند حکمتیں ہیں:

① بعض فتنوں کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے حفاظت کا سامان کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ فتنے اختیاری ہیں اور اختیاری کام کی دونوں جہتیں اختیاری ہوتی ہیں، جیسے کذب بیانی اور جھوٹی گواہی کا فتنہ اختیاری ہے۔

② بعض فتنے اگرچہ غیر اختیاری ہیں، جیسے دجال کا فتنہ، ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان کے شر سے واقف ہو جائے تو ان سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

③ بعض فتنوں کے بیان کے ساتھ ہی ان سے بچنے کی راہ بھی بتا دی ہے، جیسے دریائے فرات کا پانی سوکھ جائے گا اور سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا تو فرمایا ''پس اس میں سے کچھ نہ لینا''۔

④ سبھی فتنے قیامت کی نشانیاں ہیں، ان کے بیان کرنے کا یہ مقصد بھی ہے کہ لوگوں کو قیامت کا نزدیک آنا معلوم ہو جائے اور وہ آخرت کی تیاری میں مشغول ہوں۔

⑤ **اور سب سے اہم فائدہ:** مخلص اور غیر مخلص کو جدا کرنا ہے، جیسے امتحان اسی مقصد سے لیا جاتا ہے کہ کس نے پڑھا ہوا یاد کیا ہے اور کس نے یاد نہیں کیا، اسی طرح مومن کا بھی وقتاً فوقتاً امتحان ہوتا ہے کہ کون دعوئ ایمان میں کھرا ہے اور کون کھوٹا، چنانچہ صرف مدنی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کم از کم دس مرتبہ امتحان لیا گیا۔ اب یہ نبی ﷺ کی غایت درجہ شفقت ہے کہ امت کو وہ کمزور پوائنٹ بتا دیئے جہاں ایک مومن فیل ہو سکتا ہے۔

ایک واقعہ:

نصر الدین طوسی نے اپنے زمانہ کے بادشاہ سے کہا کہ وہ رصدگاہ قائم کرنا چاہتا ہے، بادشاہ نے پوچھا: اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ طوسی نے کہا: ہم ستاروں کی چالوں پر نظر رکھیں گے اور جو واقعات رونما ہونے والے ہیں ان سے پہلے سے واقف ہو جائیں گے، بادشاہ نے پوچھا: کیا ہم ان واقعات کو ہونے سے روک سکیں گے؟ طوسی نے کہا نہیں، وہ واقعات پیش آ کر رہیں گے، بادشاہ نے پوچھا: رصد گاہ کا خرچ کیا ہے؟ طوسی نے کہا: پچاس ہزار روپے۔ بادشاہ نے کہا: جب ہم ان واقعات کو روک نہیں سکتے تو ان کو جاننے سے کیا فائدہ؟ اور اتنا بڑا خرچ کیوں کیا جائے؟ طوسی نے کہا: اس کا فائدہ بتاؤں گا۔

پھر طوسی نے ایسے بہت سارے برتن بنوائے جو وزن میں ہلکے ہوں، مگر بجیں بہت! جب برتن تیار ہوئے تو طوسی نے بادشاہ سے دربار کرنے کی درخواست کی۔ دربار شروع ہوگیا، جب دربار شباب پر تھا تو حسب پروگرام وہ برتن چھت کے سوراخ سے دربا

میں ڈالے گئے اور لوگوں میں وہ بھگدڑ مچی کہ الامان والحفیظ! مگر بادشاہ اور طوسی بہ اطمینان بیٹھے رہے کیونکہ ان کو پہلے سے اس ڈرامہ کا علم تھا۔ جب ہنگامہ ختم ہوا تو طوسی نے کہا: ہمیں چونکہ اس حادثہ کا پہلے سے علم تھا اس لئے ہم مطمئن رہے اور لوگوں کو علم نہیں تھا اس لئے ان کے ازار بند ٹوٹ گئے، یہ حوادث کو پہلے سے جاننے کا فائدہ ہے، چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور اسلام میں سب سے پہلی رصد گاہ طوسی نے بنائی۔ اسی طرح فتن کی واقفیت بھی ظہور فتن کے زمانے میں ایمان کی حفاظت کا سامان ہے، نیز جو فتن سے واقف نہیں وہ نادانستہ طور پر بھی فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، غرض مختلف حکمتوں سے نبی ﷺ نے فتن پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

اس اُمت میں فتنوں کی زیادتی:

فیض الباری (4:495) میں ہے کہ فتنہ وہ چیز ہے جس سے مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہوتا ہے اور حدیث میں ہے کہ امت محمدیہ میں فتنے زیادہ آئیں گے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علامہ کشمیری قدس سرہ اس کی وجہ سوچتے رہے تو آپ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ گزشتہ امتوں پر عذاب آتا تھا اور وہ نیست و نابود کر دی جاتی تھیں اور اس امت کے لئے بقاء مقدر ہے اس لئے بدکار اور نیکوکار میں امتیاز ضروری ہے، اس لئے اس امت کے لئے فتنے مقدر کئے گئے ہیں تاکہ ان سے امتیاز حاصل ہو (شاہ صاحب رحمہ اللہ کی بات پوری ہوئی) پس فتنہ ہر شخص کے لئے مضر نہیں آگ میل کو بھسم کرتی ہے اور سونے کو نکھارتی ہے، اسی طرح فتنے مومنین کی پرواز بڑھاتے ہیں ان کے لئے فتنوں میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنی میں مستعمل ہوا ہے، عذاب کے معنی میں (۱) کما قال تعالیٰ: ﴿ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ﴾ (الذاریات:۱۴)

(۲) ما یحصل من العذاب کے معنی کما قال تعالیٰ ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ (التوبہ:۴۹)

(۳) اختیار و آزمائش کے معنی میں وفتنك فتونا آزمائش جس میں انسان کو مبتلا کر دیا جائے خواہ وہ شئی شر ہو یا خیر۔

قال تعالیٰ: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ (الانبیاء:۳۵) مگر اکثر شر کے معنی میں مستعمل ہے۔

فتنة: ان افعال میں سے ہے جو بندہ کی جانب سے صادر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی مثلاً بلیہ، مصیبت، قتل، عذاب، معصیت، مکروہات وغیرہ اب اگر اللہ کی جانب سے ہے تو کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی اور اگر فتنہ بندہ کی جانب سے ہے تو مذموم و برا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (البقرہ:۱۹۱)

لغات: فتنه: کا مادہ فتن ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: سونے کو آگ میں تپا کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا۔ (راغب) پھر فتنہ کے معنی آزمائش کے ہو گئے اور آزمائش میں چونکہ تکلیف دی جاتی ہے اس لئے ایذاء رسانی اور اس کی مختلف شکلوں کے لئے اور آزمائشوں میں جو کھوٹا ثابت ہو اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے ان سب کے لئے قرآن و حدیث میں لفظ فتنہ اور اس کے مشتقات استعمال کئے گئے ہیں، پس فتنہ کے معنی ہیں: آزمائش، آفت، دنگا فساد، ہنگامہ، دکھ دینا اور تختۂ مشق بنانا وغیرہ۔

تشریح: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں انسان ہر گھڑی میدان امتحان میں کھڑا ہے، ایمان و کفر تو بڑے امتحانات ہیں مگر مؤمن کا بھی مختلف شکلوں میں امتحان ہوتا ہے، حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر امت کی آزمائش کرتے ہیں اور میری امت کی آزمائش مال سے کریں گے'' (مشکوٰۃ حدیث 5194) پس اگر مومن اس آزمائش میں کامیاب ہو جائے تو زہے نصیب! ورنہ اس کا خمیازہ دنیا و آخرت میں بھگتنا پڑے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلٰثٍ

باب ۱: کسی مسلمان کا قتل بجز تین وجوہ کے جائز نہیں

(۲۰۸۴) اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ اَنْشُدُكُمُ اللهَ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ زِنًا بَعْدَ اِحْصَانٍ اَوِ ارْتِدَادٍ بَعْدَ اِسْلَامٍ اَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهٖ فَوَاللهِ مَا زَنَيْتُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَّلَا فِيْ اِسْلَامٍ وَّلَا ارْتَدَدْتُّ مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ فَبِمَ تَقْتُلُوْنَنِيْ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے گھر سے جھانک کر ارشاد فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ نبی اکرم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کسی بھی مسلمان کا خون تین میں سے کسی ایک وجہ سے حلال ہوتا ہے محصن ہونے کے باوجود زنا کرنا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جانا یا کسی شخص کو ناحق قتل کر دینا تو اس شخص کو قتل کر دیا جاتا ہے اللہ کی قسم میں نے زمانہ جاہلیت میں اور زمانہ اسلام میں کبھی زنا نہیں کیا اور جب سے میں نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس سے اسلام قبول کیا ہے میں مرتد نہیں ہوا اور میں نے ایسے کسی شخص کا قتل نہیں کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو تو تم کس وجہ سے مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟

تشریح: ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ (بالتصغیر) صحابی ہیں مگر آپ ﷺ سے سماع ثابت نہیں۔ اس واقعے کا مختصر پس منظر جو ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ (جلد اوّل کے باب اٹھارہ) میں تفصیل سے لکھا ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن (سودا) سبا یہودی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بطمع مال وزر (بلکہ بنیت فساد) ایمان ظاہر کر کے اہل بیت کی محبت کی آڑ میں لوگوں کو امیر المومنین حضرت عثمان اور شیخین رضی اللہ عنہم کے خلاف اکساتا اور ان کے خلاف بہتان تراشا، اس نے بصرہ، کوفہ اور بالآخر مصر میں ان خیالات کا بھرپور انداز اور شاطرانہ طریقے سے پرچار کیا، بہت سے لوگ اس کے خیالات کی جانب مائل ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خیالات جنم لینے لگے، ان کے الزامات میں منیٰ میں چار رکعات نماز پڑھنا، مصاحف کو جلانا، اپنے امراء اور عاملوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا وغیرہ شامل تھے مگر سب سے زیادہ پروپیگنڈہ اقربہ پروری کا کامیاب ہوا اور بصرہ و کوفہ اور مصر سے ایک ایک ہزار لشکر آ کر مدینہ کا گھیراؤ اور خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر بیٹھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ نے ان بلوائیوں مصر وغیرہ کو نشیب وفراز سمجھا کر واپس لوٹایا مگر راستہ میں مروان کا ایک جعلی خط ان کے ہاتھ لگا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور بلوائیان مصر واپس مدینہ آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذریعہ بنے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص: ۱۲۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے المسک الزکی میں بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے کہ مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی مہر وغیرہ ان کے پاس رہتی تھی، اس نے حکم مصر کو ایک خط لکھا اور اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر لگا دی اور یہ خط غلام کو دے کر مصر روانہ کر دیا، وہ غلام راستہ میں گرفتار ہوا اور خط برآمد ہوا، چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ جب بلوائیان مصر

دوبارہ مدینہ کی طرف لوٹے تو محمد بن مسلمہ نے اس کا سبب پوچھا، فتنہ پردازوں نے وہ خط دکھایا (جو مروان نے جعلی طریقے سے از طرف امیر المومنین لکھا تھا) اس خط میں بعض لوگوں کے نام متعین کر کے لکھا تھا کہ ان کو قید اور سر اور داڑھیاں مونڈنے کی سزا دی جائے اور بعض کو سولی دینے کو لکھا تھا۔ جب خط کا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا تو انہوں نے قسم کھا کر اس سے لاعلمی کا اظہار کیا، محمد بن مسلمہ نے تصدیق کرتے ہوئے فرمایا بے شک یہ کام مروان کا ہے، بہر حال اس واقعے پر بلوائیان مصر مشتعل ہو کر واپس مدینہ آئے تھے اور ان کے ساتھ بلوائیان بصرہ وکوفہ بھی آئے تھے۔ باب کی حدیث میں اسی محاصرۂ ثانیہ کا بیان ہے، ان لوگوں کا مطالبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی کا تھا اور دلیل یہ پیش کی کہ آپ کا غلام آپ کی مہر شدہ خط لے کر جائے اور آپ کو اس کا پتہ بھی نہیں اس لئے آپ خلافت کے حقدار نہیں، آپ معزول ہو جائیں، ان کو تو بہانہ درکار تھا۔

المسک الذکی میں ہے کہ جس روز حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں اس روز آپ کا روزہ تھا اور اس دن کی رات میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے عثمان! تمہارا کیا حال ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ آپ کی امت میری خون ریزی کے درپے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے پاس آکر روزہ افطار کرو گے یا دنیا میں؟ عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روزہ افطار کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم آج میرے پاس آجاؤ گے، پھر آپ رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور فرمایا کہ آج میں شہید ہوں گا، چنانچہ اسی روز آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے جب آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ تلاوت فرما رہے تھے اور خون کا قطرہ اس آیت پر آٹپکا: ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرۃ: ۱۳۷) اور یہی آیت آپ رضی اللہ عنہ کی زبان پر بھی تھی (بحوالہ تاریخ الخلفاء للسیوطی رحمہ اللہ وحاشیہ ابن خلدون مترجم) کہتے ہیں کہ زمانہ جنگ عظیم میں یہ مصحف جسے امام ــــــ میں پہنچ گیا ہے۔

لغوی تحقیق: قولہ: "اشرف" شین، راء اور فاء میں بلندی کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی وہ گھر کے اوپر دریچہ یا دیوار سے جھانک کر بولے۔ قولہ "یوم الدار" گھر کے محاصرے کے دوران جس کا پس منظر تشریح میں آرہا ہے۔ قولہ "انشد کم" ای قسمکم، میں تمہیں قسم دیتا ہوں۔ قولہ "اتعلمون" ہمزہ استفہام برائے تقریر ہے یعنی قد تعلمون، تم جانتے ہی ہو۔ قولہ "احصان" حفاظت کی تدبیر اور مضبوط و مستحکم بنانے کو کہتے ہیں، اصطلاح میں محصن کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے، آزاد یعنی حر پر، پاک دامن اور شادی شدہ پر، یہاں یہی آخری معنی مراد ہے۔ قولہ "فبم تقتلونی" بتشدید النون کیونکہ بعض طرق میں دونونین کے ساتھ آیا ہے "فبم تقتلوننی" جبکہ امراء کی راء کی حرکت ہمیشہ مابعد حرف یعنی ہمزہ کی تابع رہتی ہے۔ واللہ اعلم

اعتراض: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل ان تین امور کے علاوہ جائز نہیں حالانکہ روایات میں جواز قتل کی اور بھی وجوہ ذکر کی گئی ہیں مثلاً قتل صائل اسی طرح آیت محاربہ میں فرمایا: ﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ...الآية﴾ (المائدہ: ۳۳) اس میں فساد فی الارض پر قتل کا حکم فرمایا گیا ہے اسی طرح آیت ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي...الخ﴾ (الحجرات: ۹) نیز حدیث من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوہ. نیز فرمایا من اتی بھیمۃ فاقتلوہ وغیرہ آیات وروایات سے قتل مومن کے جواز کے دیگر اسباب معلوم ہوتے ہیں حالانکہ روایات مذکور فی الباب میں حصر کے ساتھ تین ہی کا ذکر ہے۔

جواب: بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے حکاہ ابن التین عن الداودی، حافظ ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض

مشائخ نے اسباب قتل دس بیان فرمائے ہیں مگر سب ان تین میں ہی داخل ہیں بالخصوص التارک لدینہ کا لفظ بعض روایات میں واقع ہے جس کا مفہوم عام ہے جو بغاۃ وغیرہ کو شامل ہے۔

تنبیہ: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے پہلے ابواب الدیات میں گزر چکی ہے، اور یہاں اس حدیث کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ امت میں ناحق قتل جاری رہے گا اور یہی امت کے لئے فتنے اور آزمائشیں ہیں، سب سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے ہیں مگر وہ غیر مسلم غلام کے ہاتھ سے شہید کئے گئے تھے، مسلمانوں کے ہاتھ سے پہلا ناحق قتل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، پھر فتنوں کا وہ سلسلہ چلا کہ الامان والحفیظ!

وفی الباب عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اخرجہ الائمۃ الستۃ الا ابن ماجہ و عن عائشہ رضی اللہ عنہا اخرجہ مسلم و ابوداؤد و عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اخرجہ النسائی۔ ھذا حدیث حسن: اخرجہ الشافعی و احمد والنسائی و ابن ماجہ والدارمی۔

وروی حماد بن سلمہ عن یحییٰ ....الخ حاصل کلام یہ ہے کہ

سند کی بحث: حدیث کی سند میں جو یحییٰ بن سعید ہیں وہ انصاری ہیں، وہ جلیل القدر تابعی ہیں، حماد بن زید ان سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں اور انصاری کے دوسرے تلامذہ یحییٰ قطان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور اس کی سند حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر موقوف کرتے ہیں مگر یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مرفوع منقول ہے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی مرفوع منقول ہے، اس لئے اس کا مرفوع ہونا اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ

باب ۲: تمہاری جانیں تمہارا مال آپس قابل احترام ہیں

(۲۰۸۵) فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلنَّاسِ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلٰى نَفْسِهِ أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلٰى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهِ أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هٰذِهِ أَبَدًا وَّلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهُ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهِ.

ترجمہ: سلمان بن عمرو اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے آج کون سا دن ہے لوگوں نے عرض کی حج اکبر کا دن ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری جانیں تمہارا مال اور تمہاری عزتیں آپس میں اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح یہ دن اس شہر میں قابل احترام ہے خبردار ہر شخص صرف اپنا کیا ہوا بھگتے گا کوئی شخص اپنی اولاد کی طرف سے سزا نہیں بھگتے گا کوئی شخص اپنے والد کی طرف سے سزا نہیں بھگتے گا خبردار شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا کہ تمہارے ان شہروں میں اس کی پوجا کی جائے تاہم تم لوگ اس کی فرمانبرداری کرو گے ان چیزوں کے بارے میں جنہیں تم

حقیر سمجھتے ہو گے اور وہ اس پر بھی راضی ہو جائے گا۔

تشریح: حدیث: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریر میں لوگوں سے سوال کیا: یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: بڑے حج کا دن ہے، یعنی منیٰ کا پہلا دن ہے، پس آپ ﷺ نے اس موقع پر چار باتیں ارشاد فرمائیں:

① **فان دماء کم و اموالکم و اعراضکم بینکم حرام کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا:** تمہارے خون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان حرام ہیں، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں، یعنی جس طرح حج کے دنوں میں حرم شریف میں ان چیزوں میں دست درازی جائز نہیں، اسی طرح مسلمانوں کی مذکورہ تین چیزوں میں کبھی بھی دست درازی جائز نہیں (باب سے متعلق یہی بات ہے)۔

② **الا! لا یجنی جان الا علی نفسه:** سنو! کوئی جنایت کرنے والا جنایت نہیں کرتا مگر اپنی ذات پر، یعنی اس کا ضرر اسی کو پہنچتا ہے، جو کرتا ہے وہی بھرتا ہے۔ دوسرا اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، زمانۂ جاہلیت میں لوگ قاتل کے باپ کو یا اس کے بیٹے کو یا خاندان کے دوسرے شخص کو مقتول کے قصاص میں قتل کیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا: آدمی کی جنایت اس کی ذات ہی پر ہوتی ہے، پھر اگلے نمبر پر اس کلی کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جو شائع ذائع تھی۔

③ **الا! لا یجنی جان علی ولده، ولا مولود علی والده:** جنایت کے معنی ایسا جرم و ذنب جس کی وجہ سے دنیا میں قصاص یا آخرت میں عذاب ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں جنایت کا بدلہ اقارب و رشتہ داروں سے لیا جاتا تھا اور جنگ طویل ہو جاتی تھی جنایت کوئی کرتا تھا مگر دوسرے لوگوں کو اس کا بدلہ چکانا پڑتا تھا بیٹے نے جرم کیا باپ سے بدلہ لیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ یہ ظلم ہے باپ بیٹے کا ذکر فرما کر مزید تاکید فرمادی حاصل یہ ہے کہ صاحب جنایت ہی سے قصاص یا بدلہ لیا جائے اس نے خود اپنے اوپر جنایت کی ہے اس کے بدلے دوسرے لوگوں سے مواخذہ درست نہیں ہے آپ نے اس رسم جاہلیت کی نفی فرمادی اور اس کو ناجائز فرمادیا۔

④ **الا! وان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلادکم هذا ابدا، ولکن ستکون له طاعة فیما تحتقرون من اعمالکم، فسیرضی به:**

اوّل: شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ مومنین جزیرۂ عرب میں بتوں کی عبادت کریں گے کیونکہ بتوں کی عبادت کرنا شیطان ہی کی عبادت کرنا ہے مسلیمہ کذاب اور مرتدین نے بتوں کی عبادت نہیں کی فلا اعتراض۔

دوم: میری امت کے نمازی حضرات نماز اور عبادت اصنام کے درمیان جمع نہیں کریں گے کما فعله الیهود کیونکہ یہ بھی شیطان کی اطاعت میں داخل ہے۔

سوم: اب اسلام کو شوکت حاصل ہو گئی ہے اب ایسا نہ ہوگا کہ جزیرۂ عرب میں مشرکین ظاہر ہو کر قائم و دائم رہ جائیں اور ان کو غلبہ حاصل ہو جائے جیسا کہ پہلے مشرکین کو غلبہ تھا لہٰذا معدودے چند مرتدین کے عبادت اصنام اور شرک کو اختیار کرنے سے اعتراض نہ ہوگا۔

چہارم: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے مایوس ہونے سے عدم وقوع لازم نہیں آتا اور الکوکب الدری میں ہے کہ یہ قاعدہ

کلیہ نہیں ہے کہ کوئی عرب کبھی مشرک نہ ہو اور شیطان کی عبادت نہ کرے، حدیث کا مقصد صرف اتنا بتانا ہے کہ شیطان فی الحال اسلام کی شوکت، شہرت اور قوت دیکھ کر اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ لوگ واپس پلٹ جائیں اور کفر اختیار کر لیں، مگر اس سے یہ لازم آتا کہ کوئی شیطان کی پوجا نہ کرے۔

حجۃ الوداع 10ھ میں آپ ﷺ نے آخری حج فرمایا ہے اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں یہاں مراد یوم نحر ہے الوداع: بفتح الواؤ مصدر ہے جیسے سلام مصدر ہے سلم سلاماً کا اسی طرح کلم کلاماً، ودع تو دیعاً وداعاً وقیل بکسر الواؤ اس صورت میں یہ موادعۃ کا مصدر ہوگا قاتل یقاتل، مقاتلۃ وقتاً وقتالاً کی طرح اس حج میں آپ نے لوگوں کو وداع کیا یا حرم سے وداع ہوئے اس لئے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

حج اصغر اور حج اکبر: البتہ اگر دونوں کے لئے حج ہی کا لفظ استعمال کریں گے تو پھر حج کے ساتھ اکبر اور عمرہ کے ساتھ اصغر کی قید لگائیں گے۔ سورہ توبہ آیت تین میں الحج الاکبر سے حج اصغر یعنی عمرہ سے احتراز مقصود ہے کہ براءت کا اعلان حج کے موقع پر منیٰ میں کیا جائے۔

یوم الحج الاکبر کے بارے میں بھی علماء کے کئی اقوال ہیں، ایک یہ کہ اس کا مصداق یوم النحر ہے۔ حدیث باب سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس کا مصداق یوم عرفہ ہے، ''الحج عرفۃ یا الحج یوم عرفۃ''، والی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج کے پانچوں دن یوم الحج الاکبر، کا مصداق ہیں جن میں عرفہ اور یوم النحر دونوں داخل ہیں۔

تیسرا قول: پچھلے دونوں قولوں کو جامع ہے بہر حال عامۃ الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ جس سال عرفہ کے دن جمعہ ہو صرف وہی حج اکبر ہے قران وسنت کی اصطلاح میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ ہر سال کا حج حج اکبر ہی ہے، یہ اور بات ہے کہ حسن اتفاق سے جس سال نبی ﷺ نے حج فرمایا اس میں یوم عرفہ کو جمعہ تھا، یہ اپنی جگہ ایک فضیلت ضرور ہے۔ مگر یوم الحج الاکبر کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔،، گو کہ نفس فضیلت اس کی ثابت ہے۔ روی رزین عن طلحۃ بن عبید اللہ بن کرز ارسلہ: افضل الایام یوم عرفۃ واذا وافق یوم جمعۃ فھو افضل من سبعین حجۃ فی غیر یوم جمعۃ. معارف میں ہے:

وطلحۃ بن عبید اللہ بن کریز تابعی،، وقال احمد والنسائی ثقہ: فالحدیث مرسل والمرسل مقبول.

"افضل دن عرصہ کا دن ہے۔ اگر جمعہ کا دن عرفہ کے دن کے موافق آجائے تو ستر حج سے زیادہ افضل ہے غیر جمعہ کے حج کے مقابلے میں۔"

مغالطہ: لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اگر نو ذی الحجہ جمعہ کا دن ہو تو وہ حج اکبر ہے یہ نئی اصطلاح ہے۔ نصوص میں اس کی کچھ اصل نہیں اور عمرہ علیحدہ کرنا بھی درست ہے اور حج کے ساتھ ملا کر کرنا بھی جائز ہے۔ حج کے ساتھ ملا کر کریں گے تو اس کا نام ''قران'' ہے اور حج سے علیحدہ کریں گے اور حج کے سفر میں کریں گے تو اس کا نام ''تمتع'' ہے اور عمرہ پورے سال ہو سکتا ہے صرف پانچ دنوں میں یعنی نو ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ممنوع ہے۔

ولکن ستکون لہ طاعۃ الخ: یعنی اب وہ کفر سے نیچے چھوٹے اعمال پر ہی راضی ہو جائے گا کہ کبائر وصغائر کا ارتکاب کرائے گا جن کو تم زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہو چنانچہ دوسری روایت میں ولکن التحریش بینھم واقع ہوا ہے کہ تم میں پھوٹ ڈالتا رہے گا

جس کی وجہ سے دوسرے گناہ صادر ہوں گے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی شبیب سے آخر تک یہی سند ہے، پھر نیچے روایتیں کرنے والے متعدد ہیں ابوالاحوص بھی ہیں اور زائد بھی۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا

باب ۳: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو گھبرائے

(۲۰۸۶) لَا يَأْخُذُ اَحَدُكُمْ عَصَا اَخِيْهِ لَاعِبًا اَوْ جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن سائب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی شخص مذاق کے طور پر اپنے بھائی کی لاٹھی نہ پکڑے یا پریشان کرنے کے لیے ایسا نہ کرے جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی اٹھالی ہو وہ اسے واپس کردے۔

(۲۰۸۷) حَجَّ يَزِيْدُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حَجَّةَ الْوَدَاعِ وَاَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (میرے والد) حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع میں شرکت کی تھی میری عمر اس وقت سات برس تھی۔

مفہوم حدیث: ایک مطلب یہ ہے "جادًا" کا کہ کسی چیز بغیر بتلائے لے لے اگرچہ واپس کرنے کا ارادہ ہو مگر اپنا کام کر کے، یا مطلب یہ ہے کہ کسی کی اطلاع اور اجازت کے بغیر کوئی چیز نہیں لینا چاہئے نہ بطور مذاق اور نہ اس نیت سے کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو میں کہوں گا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا اور نہیں دیکھا تو ہضم کرلوں گا، اگر بالفرض ارادہ مذاق ہی کا ہو پھر بھی ایسا کرنا ممنوع ہے کہ کسی کی چیز لے کر مذاق میں اسے چھپا کر کہیں رکھ دیا اور وہ بے چارہ پریشان حال پھر رہا ہو چونکہ اس میں ایذائے مسلم ہے اس لئے یہ جائز نہیں اور اگر بقصد چوری کے ہو تو پھر تو حرام ہے اور لاٹھی کا ذکر حکم کی تخصیص کے لئے نہیں بلکہ یہ واقعہ چونکہ بعض روایات کے مطابق سفر میں ایک ساتھی کے ساتھ مذاق میں لاٹھی ہی کے متعلق پیش آیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی چونکہ علت ترویع یعنی پریشان اور خوف زدہ کرنا ہے اس لئے یہ حکم ہر شے کو شامل ہے اور جب لوٹانے کی نیت کے باوجود منع ہے تو چوری کی نیت سے بطریق اولیٰ منع ہے۔

قابل غور ہے کہ جب اپنے مسلمان بھائی کو اتنی دیر کے لئے پریشان کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے تو مذاق سے زیادہ اور طویل مدت کے لئے لاٹھی سے بڑھ کر دوسری اشیاء میں کتنا گناہ ہوگا؟

سند کی بحث: یہ حدیث ابن ابی ذئب: السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، یہ بھی صحابی ہیں، انہوں نے نبی ﷺ سے بچپن میں حدیثیں سنی ہیں، وفات نبوی کے وقت یہ سات سال کے تھے اور ان کے ابا یزید بن السائب رضی اللہ عنہ بڑے صحابی ہیں، انہوں نے نبی ﷺ سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

لغوی تحقیق "یروع" باب تفعیل سے معروف کا صیغہ ہے ڈرانے کو کہتے ہیں۔ قولہ "لاعبًا" بصیغۂ اسم فاعل لعب سے بمعنی

مذاق (مزاح)۔ قولہ "جادا" یہ بھی اسم فاعل کا صیغہ ہے جد بکسر الجیم وتشدید الدال مقابل مذاق کو کہتے ہیں یعنی سنجیدگی اور واقعیت سے کوئی کام کرنا اس کا اسم فاعل مجدّ بھی آتا ہے۔ ابوداؤد (داؤد ص 335 ج 2) کی روایت میں "لعبًا ولا جدًا" کے الفاظ ہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ ترمذی کی روایت میں تقدیر ہے یعنی "لاعبًا ولاجادًا" پھر یہ دونوں لایاخذ کے فاعل سے حالین ہیں متداخلہ یا مترادفہ دونوں قول ہیں۔ اگر عطف کو مقدر نہ مانا جائے تو پھر متداخلہ ہیں جبکہ ابوداؤد کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے حالین مترادفین ہوں گے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی اِشَارَةِ الْمُسْلِمِ اِلٰی اَخِیْهِ بِالسِّلَاحِ

باب ۴: کسی بھی مسلمان کو ہتھیار دکھانا

(۲۰۸۸) مَنْ اَشَارَ عَلٰی اَخِیْهِ بِحَدِیْدَةٍ لَّعَنَتْهُ الْمَلَآئِکَةُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص کسی ہتھیار کے ذریعے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

تشریح: اگر کھلی ہوئی اور ننگی تلوار کسی کو دے تو ممکن ہے کہ دوسرا آدمی تھامنے نہ پایا ہو اور دینے والا چھوڑ دے تو وہ گر کر پاؤں پر لگ جائے گی، اسی طرح دونوں کو یا ایک کو زخم لگ جائے گا اس لئے آداب بتلائے، یہی آداب بندوق دینے کے بھی ہیں کہ دیتے ہوئے اس کا رخ آسمان یا زمین کی جانب ہونی چاہئے کہیں خدانخواستہ اگر گولی چل جائے تو کسی کو لگ نہ جائے بے احتیاطی سے بہت سے لوگ لقمہ اجل بنے ہیں۔

چاقو، چھری وغیرہ اشیاء میں بھی یہی ضابطہ ہے کہ چاقو وغیرہ یا تو بند کر کے دیا جائے یا زمین وغیرہ پر رکھ کر رکھ کر دوسرا اٹھالے، اسی طرح کسی کے اوپر چائے، پانی، شربت وغیرہ بھی نہیں دینا چاہئے ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ کتاب وغیرہ اہم اشیاء کے اوپر پانی یا چائے وغیرہ مائع چیزیں ہرگز نہیں دینا چاہئے ممکن ہے کہ ایک قطرہ بھی گر جائے کپڑے خراب ہو جائیں گے اور اگر کوئی مصنف ہو تو اس کی محنت بھی ضائع ہو جائے گی کہ لکھا ہوا مضمون دوبارہ لکھنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے۔

غرض تکلیف اور ضرر کے جملہ امور سے بچنا چاہئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور میں لکھتے ہیں: "چاقو یا قینچی یا سوئی یا کسی اور چیز سے مت کھیلو شاید غفلت سے کہیں لگ جائے، جہاں اور آدمی بھی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر مت تھوکو، ناک مت صاف کرو، اگر ضرورت ہو تو ایک کنارے پر جا کر فراغت کر آؤ۔ جب کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز دینا ہو تاوقتیکہ وہ دوسرا آدمی اس کو اچھی طرح سنبھال نہ لے اپنے ہاتھ سے مت چھوڑو، بعض دفعہ یوں ہی بیچ میں گر کر نقصان ہو جاتا ہے"۔ (حصہ 10 بعض باتیں سلیقہ اور آرام کی)

سند کی بحث: یہ حدیث محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے خالد حذاء روایت کرتے ہیں اور مرفوع کرتے ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو غریب قرار دیا ہے کیونکہ رفع میں خالد کا کوئی متابع نہیں، مگر مسلم شریف (حدیث 2616) میں ایوب سختیانی سے ابن عیینہ کی روایت ہے، وہ بھی اس حدیث کو مرفوع کرتے ہیں اور وان کان اخاہ لابیہ وامہ کا اضافہ اسی حدیث میں ہے، ہاں ایوب کے شاگرد حماد بن زید

اس کو مرفوع نہیں کرتے، مگر جب خالد حذاء کے متابع ہیں اور ان کی روایت مسلم میں ہے تو حدیث کا مرفوع ہونا اصح ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُوْلًا

باب ۵: سونتی ہوئی تلوار دینے کی ممانعت

(٢٠٨٩) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلًا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے بے نیام تلوار کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے آیا جائے۔

تشریح: اگر کسی کو چھری، چاقو، تیر، پیکان یا تلوار وغیرہ دینی پڑے تو یہ چیزیں کھلی اور ونتی ہوئی نہیں دینی چاہئیں بلکہ چاقو بند کر کے، تلوار میان میں رکھ کر کے یا پھل اپنی طرف اور دستہ دوسرے کی طرف کر کے دینا چاہئے تاکہ غلطی سے لگ نہ جائے اور فتنہ نہ بن جائے۔

سند: یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، حماد بن سلمہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن لہیعہ: ابوالزبیر سے اور وہ حضرت جابر سے او وہ حضرت بنہ جہنی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی سند کو اصح قرار دیا کیونکہ ابن لہیعہ راوی ہیں۔

بَابُ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

باب ٦: جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی گارنٹی میں ہے

(٢٠٩٠) مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا (يُتْبِعَنَّكُمُ) اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذِمَّتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص صبح کی نماز ادا کرے وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تم سے اپنی پناہ کے بارے میں کوئی حساب نہ لے (یعنی تم اس کا خیال رکھو)۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح مسلمان کو کلمہ توحید پڑھنے سے امان حاصل ہوتی ہے اسی طرح جزوی اعمال سے بھی خصوصی حفاظت ملتی ہے از اں جملہ ایک صبح کی نماز ہے جس سے آدمی کو اللہ کی حفاظت و امان ملتی ہے پس جو شخص اس آدمی سے تعرض کرے گا خواہ اس کی جان و مال کے اعتبار سے ہو یا عزت و آبرو کے حوالے سے، تو اس سے قیامت کے دن انتقام لیا جائے گا، یہاں ایک خفیہ تشبیہ ہے وہ یہ کہ جس طرح ایک شخص کسی سردار کی پناہ حاصل کرتا ہے یا جیسے آج کل لوگ کسی ملک سے سیاسی پناہ لیتے ہیں تو وہ شخص اس سردار اور اس سیاسی پناہ دینے والے ملک کی حفاظت میں ہوتا ہے، وہ اس کے جان و مال وغیرہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں، پھر اگر کوئی دوسرا شخص اسے نقصان پہنچاتا ہے تو اس کی گرفت ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نمازی کو پناہ دیتا ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اس کو نقصان پہنچانے کی صورت میں اللہ ضرر پہنچانے والے کے درپے آزار ہو جاتا ہے لہٰذا تم اللہ کی امان اور عہد کو مت توڑو۔

تنبیه : بعض شارحین نے "یتبعنکم" کو مزید سے بتاتے ہوئے تا کو مشدد لکھا ہے مگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے الکوکب الدری میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ مجرد سے ہے لہٰذا تاء کو ساکن پڑھا جائے گا اور تابع ہونے کا مطلب مطالبہ کرنا ہے چنانچہ مسلم (صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث:261) کی روایت میں "فلا یطلبنکم" کے الفاظ ہیں۔آیت کریمہ میں ہے:

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا﴾ (بنی اسرائیل:٦٩)

لغوی تحقیق: لا یتبعنکم کو مجرد سے بھی پڑھ سکتے ہیں اور مزید سے بھی، تبع الشئی، واتبعه کے معنی ہیں: پیچھے چلنا، پیچھے پڑنا، یعنی اللہ تعالیٰ انتقام لینے کے لئے ہرگز تمہارا پیچھا نہ کریں۔

بَابُ فِی لُزُوْمِ الْجَمَاعَةِ

باب ۷: جماعت کے ساتھ لگا رہنا

(۲۰۹۱) خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ قُمْتُ فِيْكُمْ كَمَقَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِاَصْحَابِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوْا الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ اَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ مَنْ اَرَادَ بُحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهٗ وَسَائَتْهُ سَيِّئَتُهٗ فَذٰلِكُمُ الْمُؤْمِنُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ارشاد فرمایا: اے لوگو میں تمہارے درمیان کھڑا ہوا ہوں اس طرح جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ نے ارشاد فرمایا تمہیں ساتھیوں کے بارے میں تلقین کرتا ہوں پھر ان کے بعد میں آنے والوں کے بارے میں پھر ان کے بعد آنے والوں کے لیے اس کے بعد جھوٹ رواج پکڑ جائے گا یہاں تک کہ ایک آدمی قسم اٹھالے گا حالانکہ اس سے قسم نہیں لی گئی ہوگی ایک گواہ گواہی دے گا لیکن اس سے گواہی طلب نہیں کی گئی ہوگی خبردار کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہا نہ رہے ورنہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوگا تم جماعت کے ساتھ رہنا اور علیحدگی سے بچنا کیونکہ شیطان ایک شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو آدمیوں سے وہ زیادہ دور ہوتا ہے جو شخص جنت کے وسط میں رہنا چاہتا ہو وہ جماعت کے ساتھ رہے جس شخص کو نیکی اچھی لگتی ہو اور برائی بری لگتی ہو وہ مؤمن ہے۔

(۲۰۹۲) يَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہوتا ہے۔

(۲۰۹۳) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ اَوْ قَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَّيَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شَذَّ اِلَى النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت کو اکٹھا نہیں کرے گا (راوی کو شک ہے یا

شاید یہ الفاظ ہیں) حضرت محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی رحمت جماعت پر ہے جو شخص اس سے الگ ہوا وہ الگ ہو کر جہنم کی طرف چلا گیا۔

تشریح: فتنوں سے حفاظت کا ایک ذریعہ اجتماعیت اور اجتماعیت کے ساتھ لگا رہنا ہے، اتحاد و اتفاق میں جو قوت ہے وہ تشتت و افتراق میں نہیں، چند کمزور باہم مل کر قوی ہو جاتے ہیں اور مضبوط پہلوان تنہا پچھاڑ دیا جاتا ہے، بچپن میں یہ واقعہ آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ جب ایک شخص کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے دس بیٹوں کو بلایا اور ان کو ایک ایک چھڑی دی اور کہا: اسے توڑ دو، سب نے توڑ دی، پھر اس نے ویسی ہی دس چھریاں منگوائیں اور ان کو جمع کر کے باندھ دیا، پھر ہر ایک سے توڑنے کے لئے کہا تو کوئی نہ توڑ سکا، اب باپ نے نصیحت کی کہ آزمائشوں اور فتنوں سے بچنا ہو تو اجتماعیت کے ساتھ رہنا، تمہیں دشمن نہیں توڑ سکے گا، ورنہ تم بے حیثیت ہو جاؤ گے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳) اور مضبوط تھامو اللہ تعالیٰ کی رسی کو، یعنی اللہ کے دین کو سب اکٹھے ہو کر۔

لغوی تحقیق: "بالجابية" جابیہ شام میں دمشق کی ایک بستی کا نام ہے۔ قوله "باصحابي" اي باطاعتهم والمراد الولاة والامر۔ قوله "اي يظهر وينتشر" یعنی پھیل جائے گا اور عام ہو جائے گا۔ قوله "يحلف ولا يستحلف ويشهد ولا يستشهد" ہر دو جملوں میں اولین صیغے معروف کے ہیں اور آخرین مجہول کے۔ قوله "بحبوحة" بضم البائين، درمیان کو کہتے ہیں، جنت کے درمیان سے مراد وسعت اور کشادگی ہے یعنی جو جنت میں اچھے اور کشادہ مقام کو پسند کرتا ہو۔

تشریح: اس ارشاد پاک میں متعدد احکام بیان ہوئے ہیں تاہم امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب صرف ایک حکم یعنی لزوم الجماعت کے لئے باندھا ہے، لہٰذا یہاں پہلے ضمنی احکام کو قلم بند کیا جاتا ہے، پھر اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں:

① اس حدیث سے پہلا حکم یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے جو امراء اور ولاۃ مقرر فرمائے تھے ان کی اطاعت باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر لازمی تھی کیونکہ آپ ﷺ کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے تو جب ان سے کہا گیا کہ "اوصیکم باصحابی" تو لامحالہ مراد امراء ہیں، اسی طرح تابعین اور پھر تبع تابعین میں سے جو ولاۃ ہوئے ان کی اطاعت بھی لازمی ہوئی۔ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخاطب ہوں مگر یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ آئندہ امت کے لئے ایک ضابطہ بیان کرنا مراد ہو کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرو جو حکم ان سے نہ ملے تو پھر تابعین اور تبع تابعین کی پیروی کرو، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کی پیروی و اطاعت بھی اس حدیث کی مراد میں شامل ہوگی۔

فائدہ: تین زمانے خیر القرون (بہترین زمانے) ہیں، صحابہ کا زمانہ پھر تابعین کا زمانہ، پھر تبع تابعین کا زمانہ، اس کے بعد کوئی خیر نہیں، اور یہ زمانے طول وعرض میں ایک ساتھ چلتے ہیں، نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں جن مسلمانوں نے بحالت ایمان نبی ﷺ کی زیارت کی تھی وہ صحابہ تھے، مگر سب مسلمانوں نے نبی ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی، مدینہ منورہ سے جو دور رہتے تھے ان میں سے اکثر کو آپ ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی، پھر ان کے قبیلہ میں کوئی صحابی کسی ضرورت سے گیا اور اس بستی والوں نے صحابی کی زیارت کی تو وہ تابعی ہو گئے، پھر جن مسلمانوں نے ان تابعین کو دیکھا وہ تبع تابعی ہوئے اور جنہوں نے تابعی کو بھی نہیں دیکھا وہ چوتھے قرن کے لوگ ہوئے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔

اسی طرح نبی ﷺ کی وفات کے بعد سن 110 ہجری تک صحابہ حیات رہے، اس زمانہ میں ان کے ساتھ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے لوگ بھی تھے، پھر سن 110 ہجری کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے لوگ تھے، پس ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ تینوں قرن آگے پیچھے ہیں، بلکہ زمین کی پہنائی میں اور زمانہ کی درازی میں یہ چاروں قرن طرح تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ بھی۔

② دوسرا حکم یہ معلوم ہوا کہ تین زمانے مشہود لھا بالخیریت ہیں ان کے بعد جھوٹ اور فراڈ شائع ہوجائے گا، پھر حدیث جبریل کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ سچ عیب بن جائے گا اور جھوٹ خوبی کیونکہ حدیث جبریل کے متعلق ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے یہی لکھا کہ آپ ﷺ نے جو علامات قیامت کی بتلائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ قلب الامور والحقائق ہوجائے گا چنانچہ آج ایسا ہی ہوا ہے کہ جو آدمی سچ بولتا ہے لوگ اس سے سادہ یعنی بے وقوف سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ ہوشیار وہ سمجھا جاتا ہے جو زیادہ مکار ہو قسم نہیں کھلائے گا تب بھی قسم کھائیں گے اور گواہی دینے کا جذبہ اتنا بڑھ جائے گا کہ گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا تب بھی وہ آگے بڑھ کر گواہیاں دیں گے۔ اس مسئلہ کے لئے آگے ابواب الفتن میں مستقل "باب ماجاء فی القرن الثالث" آرہا ہے۔

③ الا! لایخلون رجل بامراۃ الا کان ثالثھما الشیطان:

تَرْجَمَہ: "سنو! ہرگز تنہا نہ ہو کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ مگر ان دونوں کا تیسرا شیطان ہے۔"

یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم دو ہیں، وہاں تیسرا شیطان ضرور موجود ہوتا ہے اور وہ آگ لگانے میں دیر نہیں کرتا، اس لئے سد باب کے لئے فرمایا کہ بس ایسے مواقع میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی خود کو بچا لیا جائے یعنی خلوت سے بچے، اس لئے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ (الاسراء: ۳۲) قریب جانا اسباب زنا سے گزرنا ہے۔ یہ مسئلہ رضاع میں "کراھیۃ الدخول علی المغیبات" میں گزرا ہے۔

④ چوتھا حکم: من سرته حسنته وساءته سیئته فذلکم المؤمن.

تَرْجَمَہ: "جس کو اپنی نیکی سے خوشی ہو اور اپنی برائی سے تکلیف ہو، وہ مومن ہے۔"

یہ ایک کسوٹی ہے، جس سے آدمی اپنے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس مین ایمان ہے یا نہیں؟ یوں ہر شخص خود کو مؤمن کہتا ہے مگر ایمان کی حقیقت ہمارے اندر ہے یا نہیں؟ وہ اس کسوٹی سے معلوم ہوگی۔ کیونکہ جب ایمان ہوگا تو نیکی کی قدر ہوگی اور قابل قدر چیز کے حصول سے خوشی ہوتی ہے اور بدی و گناہ سے ڈر ہوگا کیونکہ اس کا انجام برا ہوتا ہے مگر ایمان نہ ہونے یا ناقص ہونے کی صورت میں اسے نیکی کا خاطر خواہ فائدہ اور گناہ کا نقصان ملحوظ خاطر نہ ہوگا اس لئے کوئی فرق نہیں پڑے گا چنانچہ آگے ترمذی میں آجائے گا کہ مومن اپنا گناہ ایسا دیکھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے دامن میں گزر رہا ہو اور وہ اس پر گرنے والا ہو جبکہ منافق وغیرہ کے لئے گناہ کی حیثیت اتنی سی ہے جیسے مکھی ناک پر بیٹھ گئی اور اسے ہاتھ کے اشارے سے اڑا دیا۔

⑤ علیکم بالجماعة، وایاکم والفرقة فان الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین أبعد.

تَرْجَمَہ: "اجتماعیت کو لازم پکڑو، اور افتراق سے بچو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دُور ہوتا ہے۔"

یعنی شیطان تنہا کو جتنا ضرر پہنچا سکتا ہے دو کو اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتا، اور جتنا دو کو پہنچا سکتا ہے تین کو اتنا نہیں پہنچا سکتا، پس زیادہ

سے زیادہ اجتماعیت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

من اراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة.

ترجمہ: "جو شخص جنت کے وسط میں جگہ چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ اجتماعیت کو لازم پکڑے۔"

اجتماعیت کے ساتھ جو دینی کام انجام پاتے ہیں وہ انفرادیت کے ساتھ انجام نہیں پاسکتے، اسی لئے باجماعت نماز پڑھنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

اس باب کا مقصودی مسئلہ لزوم الجماعت ہے، اگر کوئی جماعت سے الگ ہو جاتا ہے تو وہ شیطان کا اس طرح شکار ہو جاتا ہے جیسے ریوڑ سے علیحدہ بکری بھیڑیا کا۔

جماعت سے مراد کون ہیں؟ اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے جماعت کے لزوم کے حوالے سے تین احادیث کی تخریج کی ہے جس سے لزوم الجماعت کی اہمیت تو معلوم ہوئی مگر سوال یہ ہے کہ جماعت سے کن لوگوں کی جماعت مراد ہے؟؟

جواب: اقوال قابل ذکر ہیں، وہ یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔

پہلا قول: یہ ہے کہ مراد اجماع امت ہے، باب کی اگلی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی جب امت اجابت کی غالب اکثریت کسی قول یا عمل پر متفق ہو تو اسے چھوڑ کر الگ راستہ اختیار کرنا جائز نہ ہوگا،

دوسرا مطلب: یہ ہے کہ مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں یعنی اس کا راستہ اختیار کیا جائے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ مراد ہر زمانے کے اہل علم وصلحاء ہیں اور قرآن میں ﴿وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ﴾ (التوبہ:۱۱۹) کے رمز سے بھی اس کی تائید معلوم ہوتی ہے، عارضہ میں ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما، سائل نے کہا کہ وہ تو انتقال کر چکے ہیں آپ نے فرمایا فلاں وفلاں (یعنی صلحاء کے نام لئے) پھر سوال ہوا کہ وہ بھی زندہ نہیں رہے: "فقال ابو حمزة السكري جماعة وهو محمد بن ميمون و كانا شيخاً صالحا" یعنی اب ابوحمزہ جماعت ہے اسی کے ساتھ رہنا چاہئے۔

فائدہ: ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں اور جس میں ارکان دین جمع ہوں گے بس وہی جماعت ہے اور یہ امام عادل ہے یا پھر عالم شخص ہے گو وہ تنہا ہو کیونکہ

بدا الاسلام غريبًا وسيعود غريبًا وجماعته العلم والعدالة. (مسند احمد ص:657، ج:1 حدیث 3775)

"اسلام کی ابتداء کمزور لوگوں سے ہوئی اور عنقریب یہ ان کی طرف لوٹے گا اور اس کی جماعت اہل علم ہیں اور عادل امام۔"

چوتھا قول: اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مراد خلفاء وامراء ہیں چنانچہ ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں 'علیکم بالجماعة'' کے بعد لکھتے ہیں:

الثاني اذا اجتمعوا على امام فلا تحل منازعته ولا خلعه وهذا ليس على العموم بل لو عقده بعضهم لجاز ولم يحل لاحد ان يعارض.

"دوسری بات یہ ہے کہ جب لوگ کسی امام پر جمع ہو جائیں تو کسی کے لئے اس سے جھگڑا کرنا اور خلعت کا اُتارنا جائز نہیں اور یہ عموم نہیں ہے بلکہ اگر کچھ لوگ بھی بیعت کرلیں تو کسی کے لئے اس سے معارضہ وجدال کرنا درست نہیں ہے۔"

لیکن یہ حکم اس وقت تو اتفاقی ہے جب امام حکم شرعی کے مطابق اور نیک وصالح شخص ہو لیکن اگر وہ فاسق یا جائز ہو تو اس میں

اختلاف ہے کہ آیا پھر بھی اس کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کے خلاف خروج بھی ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ "باب ما جاء فی بیعة النبی صلی الله علیه وسلم" من ابواب السیر کے تحت گزرا ہے۔ جمہور کے نزدیک پھر بھی خروج جائز نہیں یا کم از کم واجب نہیں، ہاں خلاف شرع حکم کی تعمیل نہیں کی جائے گی۔

اگر طوائف الملوکی کا دور آجائے جیسے وَ ج کل اس کے آثار نمودار ہورہے ہیں اور ہر آدمی یا ہر گروپ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا لے تو پھر کیا ہونا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے واللہ اعلم، کہ حتیٰ الامکان جماعت کے ساتھ رہنے کی کوشش جاری رکھے مگر تمام راستے مسدود ہونے کی صورت میں پھر علیحدگی اختیار کرکے یکسو ہوجائے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں ہے:

قلت فان لم یکن لهم جماعة ولا امام قال فاعتزل تلك الفرق کلها ولو ان تعض باصل الشجرة حتیٰ یدرك الموت وانت علی ذالك. (بخاری ص: ۵۰۹، ج۱، باب علامات النبوه فی الاسلام)

"میں نے کہا اگر جماعت اور امام نہ ہو فرمایا تو ان فرقوں سے جدا رہ اگرچہ درخت کی جڑ میں بھی گھسنا پڑے تو اسی پر قائم رہ یہاں تک کہ موت آجائے۔"

عزلت اور تنہائی اختیار کرنے کے حکم کے لئے دیکھئے تشریحات ص 421، ج 4 "باب ما جاء فی النهی عن التبتل" مگر پھر بھی صحبت صالح تلاش کرتا رہے۔

ملحوظہ: یہ حدیث فی نفسہ حسن صحیح ہے مگر اس کی یہاں جو سند ہے اس میں النضر بن اسماعیل ابوالمغیرہ مضبوط راوی نہیں، اس لئے اس سند سے یہ حدیث ضعیف ہے اور یہ حدیث مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے۔

لغات: قوله "ومن شذ شذ الی النار" (جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں داخل ہوگیا) پہلا معروف اور دوسرا مجہول کا صیغہ ہے جبکہ دال دونوں میں مشدد ہے، شذوذ کے معنی الگ تھلگ ہونے کے ہیں۔ قوله "ید الله" متشابہات میں سے ہے، مراد نصرت و مدد ہے یعنی جماعت پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور شیطان ان سے دور رہتا ہے، تاہم ثانی یعنی شُذ بعض طرق میں معروف بھی آیا ہے۔

وان لم یکن لفظه صحیحًا فان معناه صحیح جدا. "اگرچہ اس کے الفاظ صحیح نہیں اس کے معنی بہت اچھے ہیں۔"

اجماع کی اقسام اور ان کے الگ الگ احکام مطولات میں دیکھے جاسکتے ہیں، بہرحال اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جماعت کو ترک کرنے والا شخص قیامت کے روز اہل جنت کی جماعت سے الگ کرکے جہنم میں پھینکا جائے گا، بنابریں ہر آدمی پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ امت کے سواد اعظم کے

تشریح: اس حدیث میں تین مضمون ہیں: **پہلا مضمون:** اُمت کسی گمراہی پر متفق ہوجائے یہ بات ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی امت کی اس سے حفاظت فرماتے ہیں، اسی لئے اجماع امت حجت ہے، اجماع کی حجیت سورۃ النساء کی آیت 115 سے بھی ثابت ہے، اور بہت سی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے اس حدیث سے اجماع کی معصومیت عن الضلالت بھی معلوم ہوئی۔

والمراد اجماع العلماء منهم ولا عبرة باجماع العوام وفی اضافة الامة الی اسمه الشریف اشارة

ان هذه الامة هی التی امتاز بهذه الفضیلة من بین سائر الامم.

"ان کے علماء کا اجماع مراد ہے عوام کا کوئی اعتبار نہیں امت کی شرافت کی طرف نسبت کرنے سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس امت کو تمام اُمتوں کے درمیان فضیلت حاصل ہے۔"

اور اس مسئلہ میں غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک امت کا اجماع حجت نہیں، مگر وہ عام طور پر صاف انکار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں: قطعی اجماع حجت ہے، ظنی اجماع حجت نہیں یعنی جو اجماع اخبار آحاد سے منقول ہو وہ حجت نہیں، اسی کو کہتے ہیں: "ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا" آخر اجماع قطعی کیسے بنے گا؟ کیا اس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوگا اور جب اخبار آحاد حجت ہیں جو مفید ظن ہیں تو پھر وہ اجماع جو حدیثوں ہی کی طرح منقول ہو، کیوں حجت نہیں! (اجماع کی حجیت پر مزید کلام مقدمہ میں گزر چکا ہے)

دوسرا مضمون: اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور باب کے آخری حدیث میں علی کے بجائے مع ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے کہ اللہ کی نصرت، حمایت اور مدد جماعت کے شامل حال رہتی ہے، پس جو بندہ جماعت کے ساتھ رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مستفید ہوگا۔

تیسرا مضمون: اور جو جماعت سے علیحدہ ہوا یعنی اہل السنہ والجماعہ سے جدا پڑا اور کسی گمراہ فرقے کے ساتھ ہو گیا وہ دوزخ کی طرف علیحدہ ہوا یعنی وہی تنہا جہنم میں جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جنتیوں سے علیحدہ کئے جانے کے ساتھ وہ جہنم میں بھی تنہا رکھا جائے جیسا کہ حدیث مبارک کے الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے، اس طرح مصیبت ڈبل ہو جائے گی دوزخی ہونا اور تنہائی کی زندگی بسر کرنا۔ والعیاذ باللہ

سند: اس حدیث کی سند کا ایک راوی سلیمان المدنی ضعیف ہے لیکن باب کی آخری حدیث کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور مصری نسخہ میں حسن غریب ہے، علاوہ ازیں اس روایت کے متعدد شواہد ہیں، اس لئے یہ روایت صحیح ہے۔ غیر مقلدین چونکہ اجماع کو حجت نہیں مانتے اس لئے وہ اس روایت میں طرح طرح سے کیڑے نکالتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی نُزُوْلِ الْعَذَابِ إِذَا لَمْ یُغَیِّرِ الْمُنْکَرُ

باب ۸: منکر کو مٹایا نہ جائے تو عذاب آئے گا

(۲۰۹۴) اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّکُمْ تَقْرَؤُوْنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ﴾ (المائدہ:۱۰۵) وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ یَاْخُذُوْا عَلٰی یَدَیْهِ اَوْشَكَ اَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْهُ.

ترجمہ: قیس بن ابو حازم بیان کرتے ہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو تم نے یہ آیت پڑھی ہے اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو جو شخص گمراہ ہو گیا ہو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب لوگ ظالم شخص کو دیکھیں گے اور اس کے ہاتھ نہیں روکیں گے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

تشریح: دعوت یعنی لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانا فرض ہے، پھر دعوت کی دو قسمیں ہیں: غیروں کو دعوت دینا اور اپنوں کو دعوت دینا یعنی غیروں کو دین کی طرف بلانا، اور اپنوں کو دین پر جمانا، یہ دونوں دعوتیں ضروری ہیں، سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰ میں ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: "تم لوگ اچھی جماعت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہو، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت میں دونوں دعوتوں کا ذکر ہے ﴿اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ میں غیروں کو دعوت دینے کا ذکر ہے، قرآن کریم النَّاسِ سے غیروں کا ذکر کرتا ہے اور تامرون سے آخر تک اپنوں کو دعوت دینے کا اور خود کو ایمان کے تقاضوں پر جمانے کا ذکر ہے۔

پھر جاننا چاہئے کہ پہلی قسم کی دعوت سے اگر امت تغافل برتے تو اس پر عذاب کی دھمکی نہیں دی گئی مگر دوسری دعوت میں غفلت برتنے پر احادیث شریفہ میں عذاب کی خبر دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسروں کو دعوت خود بخود پہنچے گی اور اگر اپنوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور وہ نام کے مسلمان رہ جائیں تو وہ دوسروں کی دین بیزاری کا سبب بن جائیں گے، ان کو اگر دعوت دی بھی جائے گی تو وہ اثر انداز نہیں ہوگی، اس لئے پہلے محنت اسلامی معاشرہ پر ہونی چاہئے، اگلے باب میں اس سلسلہ کی روایات آرہی ہیں۔

اعتراض: اس طرح تو بظاہر اس حدیث اور آیت میں تعارض سا ہو گیا کہ آیت سے چھوٹ معلوم ہوتی ہے جبکہ حدیث سے لزوم معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہر صورت لازمی ہے ورنہ عذاب یقینی ہے۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۰۵ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔"

اس آیت کے ظاہر سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، اس کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں، اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں، مگر یہ بات قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطابِ عام میں فرمایا: لوگو! تم یہ آیت کریمہ پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو، تم یہ سمجھتے ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، سنو! میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرم کے ساتھ ان کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے الگ الگ محامل ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں۔

① علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں اس طرح کی تطبیق دی ہے کہ اس آیت کا تعلق ابتدائے اسلام سے ہے جبکہ حدیث کا تعلق قوت اسلامی کے حصول کے زمانے سے ہے، گویا یہ منسوخ یا از قبیل منسا ہے، منسا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک حکم پر عمل ہو جب حالات اس کے مطابق ہوں اور کبھی دوسرے پر عمل ہو جب حالات سازگار نہ ہوں جیسے جہاد کی آیات اور صبر کی تلقین میں

② "من ضل" سے مراد ذمی لوگ ہیں یعنی جب مسلمان اپنے دین قائم ہوں تو ذمیوں کی لادینیت ان کے لئے نقصان دہ نہیں۔

③ "من ضل" سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ شرکیہ میں اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں اور نصیحت و فہمائش سے بھی باز نہیں

آتے تو تم ان کے غم میں نہ پڑو، ان کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اور سیدھی راہ یہی ہے کہ آدمی ایمان وتقویٰ کی زندگی اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرے، پھر بھی لوگ برائی سے نہ رکیں تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔

④ اور اگر یہ آیت مسلمان کو بھی عام ہے تو اذا اھتدیتم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی داخل ہے، مسلمانوں کی اصلاح کی فکر اولاً ہر شخص پر ضروری ہے، پھر امکان بھر کوشش کرنے کے بعد اگر لوگ نہ سنیں تو وہ ذمہ دار نہیں۔ (ابوداؤد حدیث 4341) میں ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے علیکم انفسکم کا مطلب پوچھا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس کا مطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بل ائتمروا بالمعروف، وتناهوا عن المنكر حتى اذا ريت شحًا مطاعًا وهووى متبعا ودنيا موثرة واعجاب كل ذي رأى برأيه فعليك بخاصة نفسك، ودع عنك العوام:

ترجمہ: بلکہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو، اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو یہاں تک کہ جب تم دیکھو ایسی بخیلی کو جس کی پیروی کی جارہی ہے، اور ایسی خواہش کو جس کے پیچھے چلا جارہا ہے، اور ایسی دنیا کو جسے ترجیح دی جارہی ہے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو اپنے آپ کو لازم پکڑو اور عوام کا خیال چھوڑ دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محنت کے بعد علیکم انفسکم کا نمبر ہے۔

ایسے میں سابقہ باب میں بخاری شریف کی حدیث پر عمل کا وقت ہوگا کہ "فاعتزل تلك الفرق كلها" الخ (صحیح بخاری ص: 1049، ج:2) اس حدیث کی تشریح ان شاء اللہ متعلقہ باب میں آئے گی۔

لغوی تحقیق "اوشك" بفتح الهمزة وسكون الواو وفتح الشين بمعنى قارب واسرع: یعنی قریب ہے اور ایسا بہت جلد ہوگا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِى الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

باب ۹: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

(۲۰۹۵) وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا پھر تم اس سے دعا مانگو گے اور وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔

(۲۰۹۶) وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتُلُوْا اِمَامَكُمْ وَتَجْتَلِدُوْا بِاَسْيَافِكُمْ وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ

شِرَارُكُمْ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جس وقت تک تم اپنے امام کو قتل نہیں کرو گے اور اپنی تلواروں سے لڑو گے نہیں تمہاری دنیاوی معاملات کے نگران تمہارے بدترین لوگ ہو جائیں گے۔

(۲۰۹۷) اَنَّهُ ذَكَرَ الْجَيْشَ الَّذِي يُخْسَفُ بِهِمْ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ لَعَلَّ فِيهِمُ الْمُكْرَهُ قَالَ اِنَّهُمْ يُبْعَثُونَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا تذکرہ کیا جسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ہو سکتا ہے ان میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو مجبوری کے عالم میں آئے ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں ان کی نیتوں کے مطابق زندہ کیا جائے گا۔

تشریح: کہ دعوت کے دو دائرے ہیں: ایک غیروں کو دین کی طرف بلانا، دوسرا: مسلمانوں کے احوال کو سنوارنا اور ان کو بھلی باتوں کا حکم دینا، اور برائیوں سے روکنا، کیونکہ امت اگر دین کا صحیح نمونہ بن جائے تو دوسرے خود ہی اس سے متاثر ہوں گے اور اگر امت کا حال بگڑ جائے تو ان کو دیکھ کر دوسرے بھی دین سے بدک جائیں گے، اس لئے اصل محنت امر بالمعروف اور نہی عن دالمنکر پر ہونی چاہئے۔ آج بلا مبالغہ اسی فیصد مسلمان بس نام کے مسلمان ہیں اور کسی کو فکر نہیں: پھر عذاب نہیں آئے گا تو کیا رحمت کے جھونکیں چلیں گے!

آج ہمارا دور وہ زمانہ ہے جس میں قیامت کی آمد بہت ہی قریب ہے کہ علامت صغریٰ سب ظاہر ہو چکی ہیں صرف علامات کبریٰ کا آنا باقی ہے، ان منکرات میں سب سے خطرناک چیزیں تین ہیں اور یہی تین امریکہ و یورپ کے اصل اہداف ہیں: ① موسیقی عام کرنا۔ ② بے پردگی و فحاشی کو فروغ دینا اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا بلکہ عزت افزائی کرنا جو اس کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ ③ سود کو ضرورت بنانا، ان تینوں میں سے ایک پر بھی قابو پانا بظاہر ناممکن لگتا ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ عرف شذی میں فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنک رواجب ہے مگر اس کے اثر نہ ہونے کے یقین ہو جانے سے ترک جائز ہو جاتا ہے مگر ایسے میں بھی عزیمت یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے الا یہ کہ اذیت یا مضرت کا اندیشہ ہو تو پھر چھوڑ دے۔ اس کے ساتھ باب سابق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔

بہر حال اس حدیث میں بطور قضیہ شرطیہ منفصلہ حقیقتہ کے احد الامرین پر حکم لگایا گیا ہے کہ یا تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرو گے یا پھر تم پر عذاب آئے گا نہ تو یہ دونوں چیزیں بیک وقت جمع ہوں گی اور نہ ہی رفع ہوں گی بلکہ اگر ایک نہ ہوگی تو دوسری ہوگی۔

حدیث کو بعض شارحین نے سابقہ حدیث کے ساتھ جوڑا ہے کہ دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ راوی علیٰ ہذا امام سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں مگر حدیث میں چونکہ دو امرین کا ذکر ہے قتل امام اور تسلط اشرار تو پہلا امر اس زمانے میں آچکا تھا جبکہ اب دوسرے کی آمد آمد ہے۔

بہر حال اس حدیث کو باب ہذا لانے کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معطل ہوگا تو انجام یہ نکلے گا کہ اشرار غالب آجائیں گے، یا مطلب یہ ہے کہ آمرون والناہون اچھے لوگ ہیں مگر جو لوگ آخری زمانے میں تخت وسلطنت کے مالک ہوں گے وہ اچھائی وبھلائی سے محروم ہوں گے کہ وہ تو گناہوں کو فروغ دینے والے ہوں گے نہ کہ منع کرنے والے۔

مسئلہ: اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت ہو اور ظن غالب ہو کہ امر و نہی کا فائدہ ہوگا تو امور واجبہ میں امر و نہی واجب ہیں اور امور مستحبہ میں مستحب اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو امور واجبہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں، البتہ اگر آدمی ہمت کر کے اصلاح حال کی کوشش کرے تو بڑے ثواب کا حقدار ہوگا۔

لعل فیھم المنکرہ؟ قال: یبعثون علی نیاتھم (حسن غریب): حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا ذکر فرمایا جس کو زمین میں دھنسایا جائے گا پس ام سلمہ رضی اللہ عنہا پوچھا شاید ان میں سے کوئی ایسا بھی ہو جسے زبردستی شامل کیا گیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو اپنی اپنی نیتوں کے مطابق (قبروں) سے اٹھایا جائے گا۔

تشریح: یعنی ایسے لوگ جو شر پسندوں اور مفسدین کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کئے جاتے ہیں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تخلف نہیں کر سکتے مثلاً نہ جانے کی صورت میں ان کو ناقابل برداشت تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو ایسے میں اگر چہ قیامت کے دن ان کی نیت معتبر ہوگی یعنی اگر وہ واقعی مجبور تھے اور کسی مسلمان یا مجاہد پر گولی چلانا نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی اپنی بندوق کا رخ عمداً مسلمانوں کی طرف رکھتے بلکہ حتی الامکان ہوا میں گولیاں چلاتے رہے تو وہ نفس شرکت جبری پر ماخوذ نہ ہوں گے تاہم جہاں تک دنیوی عذاب کا تعلق ہے تو وہ سب کو شامل ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ ... الآیۃ﴾ (الانفال:۲۵)

(رواہ ایضاً مسلم ص: 388 کتاب الفتن، سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب 30)

یعنی جب مجرموں کی وجہ سے دنیا میں عذاب آتا ہے تو اس میں بچوں سمیت غیر مجرم بھی لپیٹ دیئے جاتے ہیں مگر آخرت میں ہر ایک کا حساب کتاب الگ ہوگا۔

حتیٰ تقتلوا امامکم: سلطان مراد ہے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین کو قتل کیا مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل اور اس کے بعد کے واقعات اس حدیث کا مصداق نہیں، کیونکہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وارث ہوئے تھے اور وہ نیکوں کے سردار تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت مہدی سے کچھ پہلے امام المسلمین کو امت قتل کرے گی۔

یرث دنیا کم شرار کم: ملک و مال دونوں پر ظالموں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس روایت کو اس باب کے تحت اس لئے ذکر کی اگیا کہ اشارہ کرنا مقصود ہے اس بات کی طرف کہ فتنہ اس وقت واقع ہوگا جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دیا جائے گا۔

نیز تنبیہ: ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے خیر اُمت ہیں: کما قال تعالیٰ:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۱۰) هذا حديث حسن اخرجه ابن ماجه.

روایت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاص اہمیت معلوم ہوئی کہ اگر اس امر عظیم کو ترک کیا گیا تو لوگوں کا دین اور دنیا

دونوں برباد ہوجائیں گے جب ملک و مال پر اہل فساد کا قبضہ ہوگا پھر عالم میں فساد ہی پھیلے گا اہل دنیا کو اطمینان وسکون تو درکنار اضطراب لاحق رہے گا چنانچہ فی زماننا اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

لغات: "المعروف" امام راغب رحمہ اللہ المفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

"والمعروف اسم لكل فعل يعرف بالعقل او الشرع حسنه والمنكر ماينكر بهما"

قوله "المنكر، مفردات القرآن میں ہے:

"والمنكر كل فعل تحكم العقول الصحيحة بقبحه اوتتوقف فی استقباحه و استحسانه العقول فتحكم بقبحه الشريعة"

یعنی عقل سلیم جس چیز کو غور وخوض سے مستحسن قرار دے اور شریعت اس کا حکم کرے یا کم از کم اجازت دے دے تو وہ معروف ہے اور جو چیز ان دونوں کے نزدیک بالکل نئی اور قبیح ہو وہ منکر ہے یعنی عقل ونقل سے ناشناس۔ یہاں یہ نکتہ بھی قارئین کے فائدے کے لئے لکھا جاتا ہے کہ معروف معرفت سے ہے جو علم سے اخص ہے:

كما قال الراغب والعرفان ادراك الشئی بتفكر و تدبر وهو اخص من العلم و يضاده الانكار و يقال: فلان يعرف الله ولا يقال يعلم الله... ويقال: الله يعلم ولا يقال يعرف كذا.

بَابُ مَاجَاءَ فِی تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ اَوْ بِاللِّسَانِ اَوْ بِالْقَلْبِ

باب ۱۰: منکر کو ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے روکنا

(۲۰۹۸) اَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ مَرْوَانُ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ خَالَفْتَ السُّنَّةَ فَقَالَ يَا فُلَانُ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ فَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ اَمَّا هٰذَا فَقَضٰى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ رَاٰى مُنْكَرًا فَلْيُنْكِرْهُ بِيَدِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ.

ترجمہ: طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں سب سے پہلے (عید کے دن) مروان نے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اس نے مروان سے کہا تم نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے تو اس نے جواب دیا اے فلاں جس سنت کی تم تلاش میں ہو اسے ترک کردیا گیا ہے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تک کہ پہلے شخص کا تعلق ہے تو اس نے اپنے فرض کو ادا کردیا ہے میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص کسی منکر کو دیکھے وہ اپنے ہاتھ کے ذریعے اسے ختم کرے جو اس کی استطاعت نہیں رکھتا وہ اسے منہ کے ذریعے کہے جو اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل میں (اسے برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے۔

تشریح: پہلے چند فوائد جان لیں: ① امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہیں اور یہ دینی خیر خواہی ہے، اور جن لوگوں نے ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ سے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے، اسی طرح ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانفال:۱۶۴) ترجمہ: "کوئی آدمی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔" سے استدلال کیا اس کا جواب آچکا کہ آیت کا حکم اصلاح حال کی کوشش کے بعد ہے اور یہ

دوسرے کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، بلکہ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کی سزا ہے۔

② پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں اگر کچھ لوگ اس کو انجام دیں تو باقی سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا، ورنہ تمام قادرین گنہگار ہوں گے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو، اپنی اولاد کو یا اپنے غلام کو معروف میں کوتاہ اور منکر میں دلیر پائے تو اس کی اصلاح فرض ہے اور عام مسلمانوں میں کوتاہی دیکھے اور وہ اس کا خیال ہو کہ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا بھی کہنا ضروری ہے، ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الداریات:۵۵) ترجمہ: "آپ نصیحت کریں بیشک نصیحت مؤمنین کو فائدہ دے گی۔" یعنی نصیحت کرنے سے مؤمنین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

③ اور علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو بھی یہ فریضہ انجام دینا چاہئے بلکہ صدر اول میں تو عام مسلمان حکام پر بھی نکیر کرتے ہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا مسائل سے واقف ہو، پھر اگر مسئلہ واجبات ظاہرہ کا اور محرمات مشہورہ کا ہے جیسے نماز، روزہ اور زنا اور شراب نوشی وغیرہ جن کو سب مسلمان جانتے ہیں، پس ان سے روکنے کی ذمہ داری بھی سب کی ہے اور اگر مسئلہ مجتہد فیہ ہو تو جو اہل علم مسئلہ میں بصیرت رکھتے ہیں انہی کا یہ مقام ہے۔

④ اور اس فریضہ کے آداب میں سے یہ ہے کہ حکمت کا لحاظ کر کے بات کہی جائے، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جس نے اپنے بھائی کو چپکے سے نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ خیر خواہی کی اور اس کو سنوار دیا اور جس نے اس کو علانیہ نصیحت کی اس نے اس کو رسوا کیا اور اس کو عیب دار کر دیا، ہاں اگر کوئی منکر عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہو تو کسی کا نام لئے بغیر عام لوگوں کے سامنے نکیر کر سکتے ہیں۔

اس حدیث پر ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے شرح الخمسین (جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیث من جوامع الکلم) میں تفصیل سے بحث کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عدم قدرت کی صورت میں وجوب بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے تاہم پھر بھی جو شخص اس پر عمل کرے تو وہ عزیمت اور باعث فضیلت ہے کیونکہ معذورین اگرچہ ترک عمل سے گنہگار تو نہیں ہوتے ہیں مگر ان کے مقابلے میں عاملین افضل ہوتے ہیں، اصحاب السبت کو ایک جماعت نے روکا اور دوسری نے وعظ میں تاثیر نہ سمجھ کر سکوت اختیار کیا مگر افضل واعظین تھے، عورتیں اگرچہ ماہواری کے ایام میں نماز پڑھنے سے معذور ہوتی ہیں مگر مردوں کے مقابلے میں ان کو بنابریں ناقصات الدین قرار دیا گیا ہے، پھر عدم استطاعت سے مراد کیا ہے تو وہ لکھتے ہیں کہ جسے قتل کئے جانے یا کوڑے لگنے یا قید کئے جانے یا مال وغیرہ کا خطرہ لاحق ہو جیسے حکام کے متعلق کوئی منکر ہو تو وہ معذور سمجھا جائے گا جبکہ برا بھلا سننے کی پرواہ نہیں کرے گا ہاں البتہ حکام سے قتال نہیں کرے گا (یعنی کفر بواح سے کم درجے میں) البتہ اگر ہو سکے تو ان کے اقدامات غیر شرعیہ کو ہاتھ سے ختم کر دے جیسے شراب کے برتن توڑنا یا آلات موسیقی وغیرہ توڑنا۔

آج کل اگرچہ بعض منکرات پر بعض مقامات پر تنقید تو ہو سکتی ہے مگر سب کے سب منکرات اور تمام مقامات میں روکنا یا ان پر ٹوکنا ناممکن ہے کیونکہ عام منکرات اب مقامی نہ رہے بلکہ عالمی بن گئے ہیں۔ شرح الخمسین میں ہے:

وكذالك روى عن طائفة من الصحابة فى قوله تعالىٰ: ﴿عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا

اهْتَدَيْتُمْ﴾(المائدہ:۱۰۵) قالوا: لم یات تاویلها، انما تاویلها فی آخر الزمان....الخ

فائدہ: کہ نہی عن المنکر میں نرمی اور شفقت کا عنصر غالب ہونا چاہئے:

وكان اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ اذا مروا بقوم یرون منهم مایکرهون، یقولون: مهلا رحمكم الله مهلا رحمكم الله.

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی جب لوگوں کے پاس سے گزرتے تو جب انہیں ناپسندیدہ بات کرتے ہوئے دیکھتے تو کہتے چھوڑ دو اللہ تمہارے اُوپر رحم کرے چھوڑ دو اللہ تمہارے اوپر رحم کرے۔"

پھر اجماعی یعنی متفقہ منکرات سے روکنا بقدر طاقت واجب ہے جبکہ اختلافی مسائل میں غلو سے بچنا چاہئے۔

دل سے برا سمجھنے کا مطلب: اس حدیث پاک میں منکر کو فقط دل سے نفرت کرنے اور برا سمجھنے کو اضعف الایمان کہا ہے اور مسلم وغیرہ کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے:

وفيه: من جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذالك من الايمان حبة خردل.

"اس حدیث میں ہے: جس نے اُن لوگوں سے دل سے جہاد کیا وہ بھی مومن ہے، لیکن اس سے کم ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔"

① اور بخاری و مسلم میں یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان پر نکیر کی، وہ دونوں عیدگاہ ساتھ ساتھ آئے تھے، مروان سیدھا منبر کی طرف چلا تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا مگر وہ نہیں مانا اور جواب دیا: **قد ترك ما تعلم**: آپ جو جانتے ہیں وہ زمانہ گیا! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: **كلا: والذى نفسى بيده! لا تاتون بخير مما اعلم**: ہرگز نہیں، قسم اس ہستی کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم لوگ نہیں لاؤ گے کوئی کام بہتر ان کاموں سے جو میں جانتا ہوں، یہ بات تین مرتبہ کہہ کر حضرت ابوسعید صف میں جا بیٹھے۔ (مسلم شریف حدیث 889)

پھر اس شخص نے جس کا اس روایت میں ذکر ہے کھڑے ہو کر نکیر کی، اس لئے اس کے عمل کا درجہ بڑھ گیا، اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بندے نے جو اس پر حق تھا چکا دیا۔

② کسی منکر کو ہاتھ سے بدلنا یہ ہے کہ منکر میں مشغول لوگوں کو کسی بھی طرح اس سے روک دے، مثلاً آلات لہو ولعب توڑ دے، ان کی سرزنش اور پٹائی کرے، مگر یہ کام حاکم کا ہے، قوت نافذہ کے بغیر یہ کام کرنے سے فتنہ ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ زبان سے تبدیلی کرنے کا ہے، یعنی برائی میں مشغول لوگوں کو سمجھایا جائے، ان پر اعتراض کیا جائے، یہ کام عام احوال میں ہر شخص کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص بے ہمت ہو اور اس کی بھی ہمت نہ کر سکے تو آخری درجہ دل سے منکر کو برا سمجھنے کا ہے، اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں، بلکہ اس سے نیچے مداہنت فی الدین ہے جو پورے معاشرے کو لے ڈوبتی ہے، اور اس کا تذکرہ آئندہ باب میں آرہا ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ دل سے روکنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: کہ مومن کو اچھے برے کی تمیز کرنا لازمی ہے، برائی بظاہر کتنی ہی اچھی لگے اور طبیعت کو کتنی ہی پسند ہو لیکن بنظر عقل و شرع اس کو برا جاننا ضروری ہے اس کے بعد اس سے خود بچنا چاہئے اور دوسروں کو بچانا چاہئے لیکن اگر وہ دوسروں کو نہیں بچا سکتا تو کم از کم خود تو

بچے اور اگر کوئی مجبوری ایسی ہے کہ وہ عملی طور پر خود بھی نہیں بن سکتا، مثلاً کسی کا پڑوسی اونچی آواز میں گانے سننے کا شوقین ہے اور اس کی آواز دوسرے گھروں تک بھی پہنچ جاتی ہے اور روکنے کی قدرت نہیں اور ہجرت کی استطاعت نہیں تو کم از کم اس عمل کو برا ماننا ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے، اور اس آخری درجہ کو ایمان کا ضعیف ترین درجہ قرار دیا ہے یہ مسبب سے سبب پر استدلال ہے، اس استدلال کا نام استدلال انی ہے، جیسے دھویں سے آگ پر استدلال کیونکہ ایمان ایک قلبی حالت ہے اور امر مخفی ہے، پس اس کی قوت وضعف کا اندازہ مومن کے اعمال سے لگایا جائے گا جو قوی الایمان ہوگا، وہ برملا نکیر کریگا اور جو کم ہمت ہوگا وہ ہچکچائے گا، یہ اس کے ایمان کے ضعف کی دلیل ہے مگر یہ خیال رہے کہ ایمان اس کا بھی ناقص نہیں، البتہ وہ کمزور ہے، چنانچہ اس کے آثار ظاہر نہیں ہوئے اور وہ منکر کو صرف دل سے برا سمجھ کر رہ گیا لیکن بہرحال یہ بھی ایک ایمانی درجہ ہے جیسے قوی اور ضعیف دونوں کامل انسان ہیں، مگر دونوں میں فرق ہے، پھر اس کے بعد ایمان ہی ناقص ہے۔ یہ مداہنت کرنے والے اور موافقت کرنے والے لوگ ہیں۔

باب منه

باب ۱۱: منکرات میں مداہنت کرنے والے کی مثال

(۲۰۹۹) مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰی حُدُوْدِ اللهِ وَالْمُدْهِنِ فِیْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا عَلٰی سَفِیْنَةٍ فِی الْبَحْرِ فَاَصَابَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَاَصَابَ بَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِیْنَ فِی الْبَحْرِ اَسْفَلَهَا یَصْعَدُوْنَ فَیَسْتَقُوْنَ الْمَآءَ فَیَصُبُّوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ فِیْ اَعْلَاهَا فَقَالَ الَّذِیْنَ فِیْ اَعْلَاهَا لَا نَدَعُكُمْ تَصْعَدُوْنَ فَتُؤْذُوْنَنَا فَقَالَ الَّذِیْنَ فِیْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّا نَنْقُبُهَا فِیْ اَسْفَلِهَا فَنَسْتَقِیْ فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰی اَیْدِیْهِمْ فَمَنَعُوْهُمْ نَجَوْا جَمِیْعًا وَاِنْ تَرَكُوْهُمْ غَرِقُوْا جَمِیْعًا.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والا اور اس معاملے میں سستی کرنے والا ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ایک کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں سفر کرتے ہیں کچھ لوگ کشتی کے اوپر والے حصے میں چلے جاتے ہیں اور کچھ لوگ نیچے والے حصے میں چلے جاتے ہیں نیچے والے لوگ پانی لانے کے لیے اوپر جاتے ہیں تو وہ کچھ پانی اوپر والے لوگوں پر گرا دیتے ہیں تو اوپر والے یہ کہتے ہیں اب ہم تمہیں اوپر نہیں آنے دیں گے کیونکہ تم ہمیں تکلیف پہنچاتے ہو تو نیچے والے یہ کہیں ہم کشتی کے زیریں حصے میں سوراخ کر دیتے ہیں تاکہ (سمندر سے) پانی حاصل کرلیں اب اگر وہ (اوپر والے) لوگ ان کا ہاتھ پکڑ لیں گے اور انہیں روک دیں گے تو وہ سب لوگ نجات پالیں گے لیکن اگر وہ (اوپر والے) لوگ ان (نیچے والے لوگوں) کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے تو وہ سب لوگ غرق ہو جائیں گے۔

تشریح: مثال کی وضاحت: مثل القائم علی حدود الله اور المدهن فی حدود الله کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جس کی وضاحت یہ کہ جس طرح کشتی کے دو حصے اوپر نیچے والے پانی لانے اوپر جاتے ہوں اور اوپر والے ان سے پریشان ہو کر پانی اوپر سے لانے کو منع کر دیں تو نیچے والوں نے اپنی سہولت اس میں سمجھی کہ ہم کشتی میں نیچے کی جانب سوراخ کرلیں ظاہر ہے کہ اس کی

وجہ سے پانی کشتی کے اندر بھر جائے گا اور کشتی جس طرح نیچے والوں کو لے ڈوبے گی اوپر والوں کو بھی لے ڈوبے گی اب اگر اوپر والے ان کو سوراخ کرنے سے نہ روکیں بلکہ یہ سوچ لیں کہ یہ سوراخ اپنے حصہ میں کریں گے تو یہ ہی ڈوبیں گے حالانکہ ایسا نہیں اوپر والے بھی ان کے ساتھ ڈوب جائیں گے اس طرح قائم علی حدود اللہ یعنی شرع کے مطابق عمل کرنے والے مداہن یعنی خلاف شرع کام کرنے والوں کو نہ روکیں گے تو ظاہر ہے کہ عذاب سب پر آئے گا جس کو اوپر روایت میں بیان کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ جو لوگ شریعت کے عامل ہوں ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں ورنہ اللہ کا عذاب ان پر بھی آئے گا روایات مذکورہ فی الباب کے علاوہ اس مضمون کو آیات شریفہ میں بھی بیان کیا گیا ہے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (الانفال:۲۵) وغیرہ۔ هذا حديث حسن صحيح اخرجه البخاري

غرض دینِ اسلام کی مثال ایک کشتی کی طرح ہے اس میں سب لوگ بیٹھے ہوتے ہیں مگر اس کی حفاظت مشروط ہے کہ کشتی میں نقب وسوراخ نہ کیا جائے ورنہ سب غرق ہوں گے لہٰذا منکرات سے اہل اسلام کی اکائیوں کو خطرہ ہے عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اگر قدرت ہو تو انہیں روکا جائے۔

وضاحت: حدود الله: داخلی سرکل ہیں جس کا تذکرہ پہلے (کتاب الحج باب ۲ میں) آیا ہے اور جس سے باہر نکلنے والا آدمی فاسق ہے...... المدهن (اسم فاعل) ادان فی الامر: کسی معاملہ میں نرمی برتنا، اور المداهن (اسم فاعل) داهنه مداهنة: مداہنت کرنا، حق پوشی کرنا...... سهم: حصه استهم: قرعہ اندازی کرکے اپنا حصہ معلوم کرنا...... نقب الجلد او الجدار: کھال یا دیوار میں سوراخ کرنا)۔

لغات: قوله "القائم على حدود الله" حد کی جمع ہے یہاں حد شرعی مراد ہے یعنی وہ احکام جن کو اللہ نے اوامر ونواہی کے ذریعہ مقرر کیا ہے ان پر قائم کے معنی پابندی کرنے اور تحفظ کرنے کے ہیں۔ قوله "المدهن" اس کو مداهن بالالف بھی کہتے ہیں، دونوں اس فاعل کے صیغے ہیں، یہ لفظ گویا دہن بمعنی تیل سے مشتق ہے، مداہنت حق پوشی اور چاپلوسی کو کہتے ہیں یعنی منکر کو دیکھ کر باوجود قدرت کے نہ روکنے والا، گویا اس نے باطل پر خاموشی اختیار کرکے اس پر جواز کا تیل لگا کر اس کو چمکیلا بنانے کی کوشش کی ہے۔ قوله "استهموا" یعنی قرعہ اندازی کے ذریعے اس میں بیٹھنے کی نشستیں اور منزلیں تقسیم کیں۔ قوله "يصعدون" بفتح الياء صعود سے بمعنی چڑھنے کے ہے جبکہ اصعاد باب افعال سے ہموار زمین میں چلنے کو کہتے ہیں: ففي الاية الكريمة "اذ تصعدون" الخ بضم التاء ہے، تدبر۔ قوله "فيستقون" استقى فلانًا کسی سے پانی یا سیرابی چاہنا۔ قوله "فيصبون" (سورۃ آل عمران آیت ۱۵۳) علی کا صلہ میں آنے کی وجہ سے متعدی کا ترجمہ کیا ہے۔

بَابُ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

باب ۱۲: ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے

(۲۱۰۰) اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے عظیم جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف

کی بات کہنا ہے۔

تشریح: ① کلمۃ حق عند سلطان جائر: افضل الجہاد کیوں ہے؟ کلمہ حق عند الجائر کو افضل جہاد اس لئے قرار دیا کہ جہاد میں مجاہد کافر کے مقابلہ پر غالب بھی ہوسکتا ہے اور مغلوب بھی مگر بادشاہ ظالم کے روبرو کوئی حق بات اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کر رہا ہے جبکہ وہ مقہور ہے غالب ہونے کا احتمال نہیں ہے تو ظاہر کہ اس نے اس حق کو کہنے کے وقت اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور اپنے کونشانہ ہلاکت کے لئے بنا دیا ہے تو اس کی بہت بڑی جرأت کی بات ہے اس وجہ سے افضل جہاد سے

② علامہ مظہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں افضل ہوجانے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص بادشاہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا تو بادشاہ ظلم سے رک جائے گا اس کا فائدہ عام مخلوق کو پہنچے گا بخلاف کفار سے قتال کے وہاں س نے کافر کو قتل کیا جس کا افادہ عام مخلوق کو نہیں ہے بہر حال سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق کا اظہار بڑی جرأت کے ساتھ فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے اس وجہ سے اس کو افضل اور اعظم الجہاد فرمایا گیا ہے۔

لغات: قولہ "من اعظم" ایک روایت میں "افضل" کا لفظ ہے (کذا فی روایۃ ابن ماجہ حوالہ بالا) قولہ "کلمۃ عدل" ایک روایت (مسند احمد ص: 334 ج: 6) میں لفظ "کلمۃ حق" آیا ہے لہٰذا عدل سے مراد حق ہے۔ قولہ "جائر" جور سے بمعنی ظلم کے ہے۔

ان من اعظم الجہاد دوسری روایت میں افضل الجہاد کا لفظ واقع ہے کلمۃ عدل ای کلمۃ حق کما فی الروایۃ الاخریٰ یہاں کلمہ سے مراد ایسی بات کہہ دینا یا لکھ دینا وغیرہ ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہو۔

سند کی بحث: اس حدیث میں اگرچہ عطیہ عوفی ہیں جو ضعیف شمار کئے گئے ہیں مگر چونکہ اس حدیث کے شواہد ہیں، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے، اور حضرت طارق بن شہاب کی حدیث نسائی میں ہے اس لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی تحسین کی ہے، یا اس لئے تحسین کی ہے کہ عطیہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف نہیں ہیں، ان کا حال صدوق یخطی کثیرًا ہے اور ایسے راوی کی حدیث ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

بَابُ سُؤَالِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا فِي أُمَّتِهِ

باب ۱۳: نبی ﷺ نے امت کے لئے تین دعائیں مانگیں

(۲۰۹۱) صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةً فَاَطَالَهَا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّيْتَ صَلَاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيْهَا قَالَ اَجَلْ اِنَّهَا صَلَاةُ رَغْبَةٍ وَّرَهْبَةٍ اِنِّيْ سَاَلْتُ اللّٰهَ فِيْهَا ثَلَاثًا فَاَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِيْ وَاحِدَةً سَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يُهْلِكَ اُمَّتِيْ بِسَنَةٍ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَاَعْطَانِيْهَا وَسَاَلْتُهٗ اَنْ لَّا يُذِيْقَ بَعْضَهُمْ بَاْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيْهَا.

ترجمہ: عبداللہ بن خباب اپنے والد یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا کی آپ ﷺ نے طویل نماز ادا کی لوگوں

نے عرض کیا یارسول اللہ آج آپ نے جس طرح نماز ادا کی تھی آج سے پہلے اس طرح پہلے ادا نہیں کی تھی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایسا ہی ہے یہ وہ نماز تھی جس میں کچھ امید بھی تھی اور کچھ خوف بھی تھا میں نے اللہ تعالیٰ سے اس میں تین سوال کیے اس نے دو مجھے عطا کردی اور ایک کے بارے میں منع کردیا میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو قحط سالی کی وجہ سے ہلاک نہ کرے اس نے یہ بات مجھے عطا کردی میں نے عرض کی وہ ان پر ان کے دشمن کو پوری طرح مسلط نہ کرے تو اس نے مجھے یہ بھی عطا کردیا میں نے اس سے سوال کیا کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں نہ لڑیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات قبول نہیں کی۔

(۲۰۹۲) اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُهَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْهَا وَاُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ وَاِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ اَنْ لَّا یُهْلِکَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَّاَنْ لَّا یُسَلِّطَ عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰی اَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَاِنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا یُرَدُّ وَاِنِّیْ اَعْطَیْتُكَ لِاُمَّتِكَ اَنْ لَّا اُهْلِکَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَّاَنْ لَّا اُسَلِّطَ عَلَیْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰی اَنْفُسِهِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَیْهِمْ مَنْ بِاَقْطَارِهَا اَوْ قَالَ مَنْ بَیْنَ اَقْطَارِهَا حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُهُمْ یُهْلِكُ بَعْضًا وَّیَسْبِیْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے زمین کردی تو میں نے اس میں مشرق اور مغرب میں دیکھ لیا میری امت کی حکومت عنقریب اس حد تک پہنچ جائے گی جتنے حصے کو میرے سامنے کیا گیا تھا اور مجھے دو طرح کے خزانے عطا کئے گئے سرخ اور سفید پھر میں نے اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لیے سوال کیا کہ وہ قحط سالی کے ذریعے انہیں ہلاک نہ کرے اور ان کے دشمن کو ان پر مکمل طور پر مسلط نہ کرے جو انہیں سرے سے ختم کردے تو میرے پروردگار نے فرمایا اے محمد ﷺ میں نے فیصلہ کردیا ہے ایسا فیصلہ جو واپس نہیں لیا جاتا اور میں نے تمہاری امت کے حوالے سے یہ تمہیں عطا کردیا کہ میں تمہاری امت کو قحط سالی کے ذریعے ہلاک نہیں کروں گا اور میں ان کے دشمن کو ان پر مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا سرے سے خاتمہ کردے اگرچہ دشمن تمام روئے زمین سے اکٹھا ہو کر ان کے مقابلے میں آجائے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) زمین کے تمام حصوں سے نہ آجائیں البتہ یہ لوگ خود ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور قیدی بنالیں گے۔

تشریح: ① ایک دن نبی ﷺ عالیہ (بلندی کی طرف کے گاؤں) سے تشریف لارہے تھے، جب مسجد بنو معاویہ سے گزرے تو مسجد میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ نے دو نفلیں پڑھیں، صحابہ نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھیں پھر نبی ﷺ نے لمبی دعا فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج آپ ﷺ نے ایک ایسی نماز پڑھی ہے جو آپ نہیں پڑھا کرتے تھے، یعنی اس وقت نماز پڑھنے کا آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، یہ خلاف معمول نماز ہے، یہ رغبت ورہبت والی نماز ہے یعنی اور نمازیں تو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہیں جن سے مقصود بندگی کا اظہار اور اللہ کی معبودیت کا اقرار ہوتا ہے مگر میں نے یہ نماز رغبت ورہبت والی پڑھی ہے، میں نے اس نماز میں کچھ دعائیں مانگی ہیں یہ امید باندھ کر کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں۔ اور اس ڈر کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول نہ فرمائیں (اس طرح اس نماز میں رغبت ورہبت دونوں جمع ہوگئے)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اس نماز میں تین دعائیں مانگیں، پس اللہ نے مجھے دو عنایت فرمائیں اور ایک سے منع کردیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا کہ وہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے دیدی اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان پر کوئی دشمن ان کے علاوہ سے مسلط نہ کریں جو ان کو جڑ مر سے اکھاڑ دے، پس اللہ نے یہ بات بھی مجھے عنایت فرمائی اور میں نے اللہ سے مانگا کہ وہ ان کے بعض کو بعض کی سختی نہ چکھائیں یعنی وہ آپس میں نہ لڑیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات مجھے عنایت نہ فرمائی (پس مسلمان باہم لڑیں گے اور یہی فتنے ہوں گے)۔

فائدہ: اس حدیث کے شروع میں جو مضمون بڑھایا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں مسلم شریف (حدیث ۲۸۹۰) میں آیا ہے، البتہ اس روایت میں دوسری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو غرق نہ کردیں تو اللہ نے وہ دعا قبول فرمائی۔ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قطعی طور پر طے کردی ہے کہ ایسے اسباب پیدا نہیں ہوں گے کہ امت عام قحط سالی سے ہلاک ہو جائے اور غیر ان کے سر پر مسلط ہو کر ان کی مرکزیت کو نیست و نابود کردیں، البتہ آپس میں خلفشار اور جنگ و جدال کے اسباب رونما ہوتے رہیں گے اور جب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کریں گے تو اس فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

① اس حدیث میں **یستبیح بیضتھم** ایک محاورہ ہے، استباحہ کے دو معنی ہیں: جائز و مباح سمجھنا اور جڑ سے اکھاڑنا اور **البیضۃ** کے بھی دو معنی ہیں: لوہے کا خود جو جنگ میں پہنا جاتا ہے اور انڈا، اور اس لفظ سے کسی شے کی اصل بھی مراد لی جاتی ہے، **بیضۃ القوم**: احاطہ یا محفوظ جگہ کو کہتے ہیں اور **بیضۃ الدار**: مکان کے بیچ کو کہتے ہیں، پس اس محاورہ کے معنی ہیں: جو ان کی مرکزیت اور ان کی اصل جگہ کو پامال کردے اور اس کو اجاڑ دے اور اس پر قبضہ کرلے ایسا نہیں ہوگا۔

② ابواب القدر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مبرم ہے لیکن بندوں کی جانب سے معلق ہے، یعنی اسباب سے مسببات پیدا ہوتے ہیں اور اس میں محو و اثبات بھی ہوتا ہے۔

لغات: "زوی" زویت کے معنی سمیٹنے اور لپیٹنے کے ہیں بظاہر یہاں سکیڑنا مراد نہیں بلکہ دکھانا مراد ہے، اس کی ایک صورت اگرچہ یہ ہوسکتی ہے کہ جو یہاں بظاہر مراد ہے کہ نظر میں حدت و قوت پیدا کردی گئی یہاں تک کہ وہ پوری زمین یا مفتوحہ علاقوں تک پہنچ گئی یا اس زمین کی شبیہ دکھادی گئی ہو جیسے آج کل کے آلات سے نظر آتی ہے۔ **قولہ** "مازوی لی منھا" اگر "من" کو تبعیض کے لئے مانا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ زمین میں سے جتنے حصے اور ممالک مجھے دکھادیئے گئے تھے ان سب پر میری امت کا قبضہ ہو جائے گا جیسے مشاہدہ ہے اور اگر "من" کو تفصیل کے لئے لیا جائے تو پھر ترجمہ یوں ہوگا کہ زمین کے جتنے حصے جو کہ پوری زمین پر مشتمل ہیں مجھے دکھائے گئے ان سب پر میری امت کی حکومت قائم ہوگی تو پھر یہ حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا۔

قولہ "الکنزین الاحمر و الابیض" دونوں کنزین سے بدلین ہیں اس لئے منصوب پڑھے جائیں گے، یہ ذکر خاص بعد العام ہے کیونکہ جب مفتوحہ علاقوں پر قبضہ ہوگیا تو کنزین پر بھی ہوگیا مگر اہمیت کے پیش نظر اور اظہار معجزہ کے لئے ارشاد فرمایا کہ روم اور فارس اور ان کے خزانوں پر بھی ہمارا جھنڈا لہرائے گا، احمر سے مراد سونا ہے جو سرخ رنگ والے رومیوں کا سکہ تھا جبکہ ابیض سے مراد چاندی ہے جو فارسی النسل سفید رنگ کے حامل لوگوں کی کرنسی تھی۔ **قولہ** "فیستبیح بیضتھم" بیضہ سے لغوی معنی انڈا مراد نہیں بلکہ اجتماعیت ہے کیونکہ جب انڈا ٹوٹ جاتا ہے تو اس کے اندر سب کچھ بے معنی سا ہو جاتا ہے اسی طرح جب کسی قوم و ملت کی

مرکزیت واجتماعیت منتشر کردی جاتی ہے تو اس کے بعد ان کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ واقعہ کس موقع کا ہے: یہ حدیث مسلم (حدیث ۲۸۸۹) میں بھی ہے مگر اس میں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ کس موقع کا ہے، ممکن ہے غزوۂ خندق میں جب آپ ﷺ نے دو تین مرتبہ کدال چلایا تھا اور پتھر ٹوٹا تھا اور اس میں روشنی چمکتی تھی اور اس میں زمین سمٹ کر آپ ﷺ کو دکھائی گئی تھی اور قیصر و کسریٰ کے محلات بھی دکھائے گئے تھے: یہ ارشاد شاید اس موقع کا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَكُوْنُ فِي الْفِتْنَةِ

باب ۱۴: فتنوں کے زمانہ میں آدمی کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟

(۲۱۰۳) ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَنْ خَيْرُ النَّاسِ فِيْهَا قَالَ رَجُلٌ فِيْ مَاشِيَتِهِ يُؤَدِّي حَقَّهَا وَيَعْبُدُ رَبَّهُ وَرَجُلٌ اٰخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ يُخِيْفُ الْعَدُوَّ وَيُخِيْفُوْنَهُ.

ترجمہ: حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فتنے کا تذکرہ کیا اور اسے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا یہ خاتون بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس وقت کون شخص بہتر ہوگا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ آدمی جو اپنے جانوروں میں ہو اور ان کے حق کو ادا کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو یا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کے سر کو تھامے اور دشمن پر حملہ کردے اور دشمن اس پر حملہ کردے۔

(۲۱۰۴) تَكُوْنُ فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ اللِّسَانُ فِيْهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ایسا فتنہ آئے گا جو عربوں کو گھیر لے گا اس میں مرنے والے لوگ جہنم میں جائیں گے اس فتنے کے دوران زبان تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔

تشریح: اس فتنے سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ باہمی جھگڑے مراد ہوں۔ دوم یہ منکرات کا ہنگامہ مراد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں بیک وقت مراد ہوں کیونکہ جیسے عہد پاک سے دوری آتی رہتی ہے تو ان برکات میں کمی آتی رہتی ہے جو آنحضور ﷺ کے وجود میمون اور بعد کے صلحاء کی وجہ سے تھیں حتیٰ کہ ان اثرات کی کمی کے تناسب سے باہمی لڑائیوں اور منکرات کی رفتار میں اضافہ آتا رہتا ہے جو بالآخر رات کی تاریکی کی طرح چھا جائیں گے یا ایسی صورت حال میں لوگوں کو چھوڑ کر اپنا دین بچانا اہم عمل ہوگا خواہ جنگل میں پناہ گزین بن کر یا محاذ جنگ میں مجاہدین بن کر ہو، کیونکہ اس میں لوگوں کی ہمنشینی ایمان کے لئے خطرناک ہوگی اور عزلت نشینی وعلیحدگی دین کی حفاظت کی واحد راہ ہوگی چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان اور بدأ الخلق میں اس کے لئے مستقل باب قائم کئے ہیں:

باب من الدين الفرار من الفتن" وفيه... يوشك ان يكون خير مال المسلم غنم يتبع بها شعف الجبال ومواضع القطر يفر بدينه من الفتن. (ايضا صحيح بخاری ص ٤٦٦، ج١)

"ہم سے عبداللہ بن یوسف تینسی نے بیان کیا، کہا ہم سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی، انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن

ابی صعصعہ سے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کے لئے بہتر مال یہ ہوگا کہ چند بکریاں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر چلا جائے اپنا دین فتنوں سے بچانے کو بھاگتا پھرے۔"

رہبانیت اور عزلت نشینی میں فرق:

بظاہر یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تنہائی کی ترغیب معلوم ہوتی ہے حالانکہ تنہائی جس کا دوسرا نام رہبانیت ہے نصوص کی روح سے مذموم ہے: قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحدید:۲۷)

"رہبانیت کو انہوں نے خود اختیار کیا ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے اس کی جس طرح رعایت رکھنے کا حق تھا رعایت نہیں رکھی۔"

جواب: یہ ہے کہ بلاشبہ رہبانیت مذموم ہے لیکن اس تنہائی کو اختیار کرنے اور نصاریٰ کی رہبانیت میں فرق ہے، نصاریٰ نے جو رہبانیت اختیار کر لی تھی وہ مقصد اعلیٰ کو چھوڑ کر بلا کسی مجبوری کے اپنائی گئی تھی جو خلاف فطرت اور خلافِ شریعت ہے، فطرت کے خلاف تو اس لئے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقی جانداروں کی طرح انسان میں تناسل وتوالد کی نہ صرف صلاحیت ودیعت فرمائی ہے بلکہ اس کے شدید جذبات بھی اس کے اندر رکھے ہیں پس ایسی رہبانیت بالآخر پلٹ کر فساد معاشرے کا سبب بنتی ہے اور خلاف شریعت اس لئے ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو لے کر لوگوں میں پھیلانا اور خود بھی ان پر عمل کرنا اور دوسروں سے بھی ان پر عمل کرانا انسانی زندگی کا بنیادی مقصد کو ہے جو معاشرے میں رہ کر ہی ممکن ہے لیکن اگر یہ مقاصد فوت ہو جائیں اور معاشرہ اتنا بگڑ جائے کہ انسانیت کا نصب العین ہی تباہ ہو جائے تو اس حدیث کے مطابق لوگوں سے بقدر ضرورت علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے یعنی یا محدود وقت کے لئے جیسے آپ علیہ السلام کا غار حراء میں قیام کرنا تھا یا مستقل طور پر جیسے اصحاب کہف نے کیا تھا اور آیت کریمہ میں نصاریٰ کی رہبانیت کی جو مذمت کی گئی ہے کہ یہ لوگ نارمل حالات میں اللہ کی رضا جنگلوں اور رہبانیت میں تلاش کرتے تھے جو سراسر غلط فہمی تھی اور پھر جو طریقہ انہوں نے خود ایجاد کیا تھا اس کا حق بھی ادا نہیں کیا۔

اعتراض: مسئلہ کہ عزلت نشینی فطرت اور حکمت الٰہی کے منافی ہے تو یہ کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

جواب: یہ ہے کہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ معاشرہ اپنی برائی کے آخری کنارے کو چھو رہا ہو تو اس میں اگر بچے پیدا بھی ہوں تو وہ بھی ماحول کے رنگ میں رنگے جائیں گے اس لئے جہنم کا ایندھن بڑھانے کے بجائے بچوں کی پیداوار کے اقدامات سے دور رہنا ہی منشا الٰہی کے مطابق ہونا چاہئے اور جہاں تک جذبات کو قابو کرنے کا تعلق ہے تو یہ بھی کوئی ناقابل عمل مسئلہ نہیں ہے کیونکہ جو لوگ شادی کرنے پر قادر نہ ہوں ان کے لئے ریاضتیں اور روزے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

تستنظف: ای تستوعب کہا جاتا ہے استنظفت الشی اذا اخذته کله ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض حضرات نے اس کے معنی تطہر کے بھی کئے ہیں ای تطهر هم من الارذال و اهل الفتن:

قتلاها فی النار: جمع قتیل بمعنی مقتول مبتداء ہے اور فی النار خبر ہے اس فتنہ سے غیر معلوم فتنہ مراد ہے چونکہ اس میں قتل ہونے والوں کی نیت اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت نہیں تھی بلکہ بغاوت اور مال و دولت کا اکٹھا کرنا مقصود تھا اس وجہ سے وہ مقتول جہنم میں

جائیں گے۔ قاله عیاض: اللسان فیها اشد من السیف: یعنی غیبت و دشنام کے ذریعہ فتنہ میں زبان درازی کرنا تلوار سے بھی زیادہ ہے کیونکہ زبان دراز کے ذریعہ فتنہ زیادہ بڑھے گا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ ہے اب قتلاها في النار کا کیا مطلب ہے کیونکہ ان میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بطور زجر و توبیخ کے ہے ورنہ اہل سنت والجماعہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور اس محاربہ کے متعلق ترک کلام واجب ہے، محشی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے:

تلك دماء طهر الله منها ايدينا فلا نلوث السنتنا بها.

"وہ خون تھے جن کو اللہ نے ہمارے ہاتھوں سے پاک کیا ہم اپنی زبانیں ملوث نہیں کرنا چاہتے۔"

غرض اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات و منازعات میں گفت و شنید جائز نہیں۔ اور اگر یہ حدیث کسی اور لڑائی کی طرف مشیر ہو تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں اور اس میں زبان کی تاثیر کو اثر شمشیر سے زیادہ سخت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے جنگ کو ہوا دینا مسلمان کے قتل عام کا موجب بنے گا جبکہ تلوار سے آدمی زیادہ لوگوں کو قتل نہیں کر سکتا ہے۔

بہر حال معاملہ مشتبہ تھا اسی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ کہا گیا ہے یہ اجتہادی خطا تھی والمخطئ من المجتهد معذور، اصل اختلافی مسئلہ خلافت نہیں تھا بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا تھا تاریخ میں اس کی تفصیل مل جائے گی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللسان سے مراد کلمۃ بمعنی بات ہے اور اس سے یا تو حق مراد ہے یا باطل اگر حق مراد ہے تو مقصود جماعت حقہ کی تعریف ہے یعنی ایسے فتنہ کے موقع پر حق بات کہنا اور حق والوں کے ساتھ رہنا تلوار سے بھی زیادہ شدید ہے اگر باطل مراد ہے تو معنی یہ ہیں کہ ایسے فتنہ کے موقع پر غلط بات اور باطل بات کہہ دینا تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے کہ تلوار سے ایک زخم ہوگا اور باطل بات سے فتنہ پھیل کر نہ معلوم کس قدر قتل ہوں گے۔

شرح عقائد میں ہے:

ويكف عن ذكر الصحابة رضي الله عنهم الا بخير لما ورد من الاحاديث الصحيحة في مناقبهم ووجوب الكف عن الطعن فيهم كقوله ﷺ: لا تسبوا اصحابي فلو ان احدكم ان انفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه... الى ان قال ... وما وقع بينهم من المنازعات و المحاربات فله محامل و تاويلات فسبهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشه رضي الله عنها والا فبدعة و فسق. (ص:۱۱۶)

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کے وقت آدمی اپنی زبان کو خیر کے علاوہ بند رکھے جیسا کہ صحیح احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب وارد ہوئے ہیں اور ان پر طعن کرنے سے بچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے تم میرے صحابہ کو گالیاں مت دو اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو اُن کے ایک مُد تک بھی نہیں پہنچتا.....

یہاں تک فرمایا..... جو ان کے درمیان جھگڑے اور لڑائی ہوئی پس ان کی تاویلات میں اگر ادلہ قطعیہ کے مخالف کوئی آدمی اُن پر طعن کرتا ہے تو کافر ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا۔"

لغات: قولہ "فقربھا" باب تفعیل سے بتشدید الراء ہے قریب لانے کو کہتے ہیں یعنی آپ ﷺ نے اس کا ذکر ایسے بلیغانہ انداز سے فرمایا کہ سامعین کو وہ بہت قریب آنے والا محسوس ہوا جیسا کہ قوت واہمہ وخیالی کا تقاضا ہے۔ **قولہ "فی ماشیتہ"** اگرچہ اس کا اطلاق مطلق مویشیوں پر ہوتا ہے مگر بخاری شریف وغیرہ کی روایات میں غنم کی تصریح ہے لہٰذا یہاں بھی بھیڑ، بکریاں مراد ہیں کیونکہ ان کے پالنے میں مؤنت کم اور منفعت زیادہ ہے ان میں لباس بھی ہے اور طعام بھی اور آدمی جہاں جانا چاہے اپنے ہمراہ لے جاسکتا ہے۔ **قولہ "یخیف العدو... الخ"** یعنی وہ جہاد میں مصروف عمل رہے جو کبھی دشمن پر غالب رہتا ہے اور کبھی دشمن اس پر غالب آجاتا ہے، یا نفس سرحدات کی پہرا داری مراد ہے۔

ھذا حدیث غریب: اخرجہ ابوداؤد.... علامہ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ میں فرمایا کہ اس روایت کو حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے لیث رحمہ اللہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور حماد بن زید رحمہ اللہ وغیرہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور فرمایا یہی اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی رَفْعِ الْاَمَانَةِ

باب ۱۵: امانت داری کا فقدان

(۲۱۰۵) حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَدِيْثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنَا اَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْاَمَانَةِ فَقَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ مِثْلَ اَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفَطَتْ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ ثُمَّ اَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلٰى رِجْلِهٖ قَالَ فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ لَا يَكَادُ اَحَدٌ يُؤَدِّي الْاَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلًا اَمِيْنًا وَحَتّٰى يُقَالَ لِرَجُلٍ مَا اَجْلَدَهٗ وَاَظْرَفَهٗ وَاَعْقَلَهٗ وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ قَالَ وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا اُبَالِيْ اَيُّكُمْ بَايَعْتُ فِيْهِ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلٰى دِيْنِهٖ وَلَئِنْ كَانَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلَيَّ سَاعِيْهِ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ اُبَايِعُ مِنْكُمْ اِلَّا فُلَانًا وَّفُلَانًا.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں ان میں سے ایک ہم دیکھ چکے ہیں اور دوسری کا انتظار کر رہے ہیں آپ نے ہمیں یہ بتایا تھا امانت لوگوں کے دلوں کے اندر نازل ہوئی پھر قرآن نازل ہوا تو انہوں نے قرآن کے ذریعے علم حاصل کیا اور سنت کے ذریعے علم حاصل کیا پھر آپ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا کہ امانت کو اٹھالیا جائے گا ایک آدمی سویا ہوا ہوگا تو اس کے دل سے امانت کو اٹھالیا جائے گا اس کا اثر ایک داغ کی صورت میں رہ جائے گا پھر وہ سوئے گا تو اس کے دل

سے امانت کو اٹھالیا جائے گا اور اس کا اثر آبلے کے نشان کی طرح رہ جائے گا جیسے تم اگر انگارے اپنے پاؤں پر لڑھکا دو تو چھالا بن جاتا ہے لیکن اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا پھر نبی اکرم ﷺ نے ایک کنکری اٹھا کر اپنے پاؤں پر لڑھکا دی پھر آپ ﷺ نے فرمایا لوگ صبح ایک دوسرے کے ساتھ خرید وفروخت کریں گے لیکن ان میں سے کوئی ایک ایسا نہیں ہوگا جو امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ کسی آدمی کے بارے میں یہ کہا جائے گا وہ کتنا ذہین اور تیز طرار اور کتنا عقل مند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے جتنا ایمان موجود نہیں ہوگا۔

راوی بیان کرتے ہیں مجھ پر وہ زمانہ بھی آیا جب مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کی تھی کہ میں کس کے ساتھ سودا کررہا ہوں؟ کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کا دین اس کو (دھوکہ دینے سے) باز رکھتا اور اگر وہ کوئی یہودی یا عیسائی ہوتا تو سرکاری اہلکار اسے باز رکھتے لیکن آج کے دور کا جہاں تک تعلق ہے تو میں تم لوگوں میں سے صرف فلاں فلاں شخص کے ساتھ خرید وفروخت کرتا ہوں۔

تشریح: امانت کے لغوی معنی ہیں: ذمہ داری، فرض منصبی، دیانت داری، راست بازی۔ امن (س) فلاناً علی کذا: کسی پر اعتماد کرنا، ذمہ داری دینا، امن (ك) امانة: امین ہونا، دیانت دار ہونا۔ اور امانت: اصطلاح میں اس ذمہ داری کا نام ہے جو انسان پر اللہ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے عائد کی جاتی ہے، سورۃ الاحزاب میں ہے:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ (الاحزاب:۷۲)

ہم نے امانت یعنی احکام خداوندی جو بمنزلہ امانت ہیں آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کئے، پس انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کردیا، یعنی ان مخلوقات میں اس ذمہ داری کو سر لینے کی صلاحیت نہیں تھی اور وہ مخلوقات اس سے سہم گئیں، یعنی ان میں مطلق صلاحیت نہیں تھی اور انسان نے اس ذمہ داری کو اٹھالیا، یعنی اس میں اس امانت کو اٹھانے کی پوری صلاحیت تھی، یہ امانت (ذمہ داری) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد کی گئی ہے، جس کا نام شریعت ہے۔ اور حدیث میں ہے:

لا ایمان لمن لا امانة له، ولا دین لمن لا عهد له. (رواہ احمد ۳/۱۳۵، مشکوۃ حدیث ۳۵)

"اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت نہیں اور اس شخص میں دین نہیں جس میں عہد و پیمان کا لحاظ نہیں۔"

اس حدیث میں امانت کا تذکرہ ہے جو لوگوں کے تعلق سے عائد ہوتی ہے مثلاً کوئی ملازم ہے، مدرس ہے، حاکم ہے، لوگوں کے ساتھ معاملات کرتا ہے تو ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ امانت کہلاتی ہیں اور ان کو پورا کرنا بھی دین کا تقاضا ہے، پس لوگوں میں امانت داری کا فقدان ایک بڑا فتنہ ہے جس کا درج ذیل حدیث میں تذکرہ ہے۔

مفہوم حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ انسانی خوبیاں جو انسان کا اصل سرمایہ ہیں ناپید ہونا شروع ہوئی ہیں جو کسی وقت میں اپنے عروج پر تھیں چنانچہ انہیں خوبیوں کی وجہ سے جن میں سے ایک امانت ہے انسان قرآن وسنت کو سمجھنے کے قابل ہو اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا رہا کیونکہ اسلامی تعلیمات وہاں جذب ہوتی اور کارگر ثابت ہوتی ہیں جہاں ان کے لئے ماحول سازگار ہو جیسے بارش سے صرف زرخیز زمین فائدہ اٹھاتی اور نفع پہنچاتی ہے اب حال یہ ہوا ہے کہ لوگ ان خوبیوں سے اور خصوصاً امانت داری سے دنیا داری کی طرف بڑھ رہے ہیں ان کا مطمح النظر دنیا ہے خواہ اس کے لئے دھوکا دینا پڑے یا خیانت کرنا پڑے، ان کی نظروں

میں دنیا ہی کی قدر ہے دین کی قدر کم ہونا شروع ہوئی ہے حتیٰ کہ حالت یہ ہو جائے گی کہ جو آدمی دنیاوی مال و متاع جمع کرنے میں ماہر ہو تو اندر سے خواہ انسانی خوبیوں سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو لوگ اس کی تعریف کریں گے کہ وہ اتنا نڈر ہے، ہوشیار ہے اور عقلمند ہے جیسے آج کل کاروباری لوگوں اور سیاسی لیڈروں اور کارکنوں میں اس کا مشاہدہ عام کیا جا سکتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات سن 36 کے اوائل میں بعد شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہوئی ہے مگر وہ اپنے وقت میں اس تبدیلی کے آثار دیکھ کر فرماتے ہیں کہ پہلے میں کسی سے معاملہ کوئی اندیشہ محسوس نہیں کرتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا اگر مسلمان ہوتا تو اس کا ایمان میرا حق دلانے پر اس کو مجبور کرتا اور اگر ذمی ہوتا تو اس کا بڑا میرا حق بحفاظت مجھے دلاتا مگر اب وہ بھروسہ متزلزل ہو گیا اور میں معاملات میں بڑی احتیاط کرتا ہوں۔

اعتراض: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں نے دوسری بات نہیں دیکھی اور اب فرما رہے ہیں کہ وہ بدلا ہوا زمانہ بھی میں نے دیکھ لیا، پس یہ دو باتیں متعارض ہیں؟

جواب: یہ ہے کہ زمانہ میں تبدیلی ابھی پوری طرح نہیں آئی، کچھ کچھ آثار شروع ہوئے ہیں، مگر چونکہ حدیث میں ہے: الحزم سوء الظن: چوکنا پن بدظنی میں ہے، اس لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھونک پھونک کر قدم رکھنا شروع کر دیا ہے، مگر جیسا پہلی بات کا مشاہدہ کر لیا ہے، ایسا کامل مشاہدہ ابھی اسی دوسری بات کا نہیں ہوا۔

لغات: قولہ "جذر" بفتح الجیم وسکون الذال، بعض نے جیم کو مکسور بھی جائز کہا ہے، کسی بھی چیز کی جڑ کو کہتے ہیں، عارضہ میں ہے: "جذر، اصل کل شئ من خشب اوحساب اونبات"۔ قولہ "الوکت" یہ لفظ بفتح الواؤ وسکون الکاف بروزن شمس ہے، معمولی اثر و نشان کو کہتے ہیں جیسے خال جس کا رنگ سابقہ رنگ سے مختلف ہو۔ قولہ "المجل" یہ بھی شمس کے وزن پر ہے، ہاتھوں پر محنت طلب کام سے یا پاؤں پر بوٹ کے تنگ ہونے سے جو چھالے پڑتے ہیں جسے آبلہ بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال غرض یہ ہے کہ یہ دوسرا اثر پہلے اثر سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ آبلہ خال سے زیادہ نمایاں اور بڑا ہوتا ہے۔ قولہ "دحرجتہ" دحرج کے معنی لڑھکانا۔ قولہ "فنفطت" ضرب وسمع دونوں سے آتا ہے مگر بکسر الفاء بعد النون زیادہ راجح ہے۔ نفطت القدر نطفاً: اس وقت بولا جاتا ہے جب ہانڈی سے تیز بھاپ کی دھاریں نکلیں، یہاں مطلب پھول جانا ہے۔

قولہ "منتبرًا" بصیغۂ اسم فاعل بمعنی ابھرا ہوا چنانچہ منبر کو بھی اس لئے منبر کہتے ہیں کہ وہ بلند و نمایاں ہوتا ہے۔

قولہ "ما اجلدہ و اظرفہ و اعقلہ" تینوں فعل تعجب کے صیغے ہیں جلد بضم اللام فی الماضی وجلداً بفتح اللام فی المصدر صابر، باہمت اور جرأت مند کو کہتے ہیں یعنی بہادر، جبکہ ظریف ہوشیار کو کہتے ہیں، ظرافۃ کے معنی ذہانت و تیزی طبع کے ہیں۔

قولہ "ساعیہ" ملک اور سردار کو کہتے ہیں جیسا کہ قبائلی نظام میں ہوتا ہے کہ ہر قبیلے کا ایک بڑا ہوتا ہے سب قبیلے والے اس کی بات کے پابند ہوتے ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس پر مقرر مسلمان والی و نگراں ہو۔

ملحوظہ: یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث ۶۴۹۷، مسلم حدیث ۱۷۳)

بَابُ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

باب ۱۶: لوگ اگلوں کی روش پر ضرور چلیں گے

(۲۱۰۶) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ اِلٰى حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ يُعَلِّقُوْنَ عَلَيْهَا اَسْلِحَتَهُمْ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سُبْحَانَ اللهِ هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ وَّالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب حنین کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ ایک درخت کے پاس سے گزرے جو مشرکین کا تھا جس کا نام ذات انواط تھا لوگ اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ جس طرح ان لوگوں نے اپنے لیے ذات انواط کو مقرر کر لیا تھا اس طرح ہمارے لیے بھی آپ ذات انواط مقرر کر دیجئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو اسی طرح ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا وہ ان کے لیے ایک معبود مقرر فرما دیں جس طرح ان لوگوں کا معبود ہے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر ضرور عمل کرو گے۔

تشریح: یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ علیہ السلام فتح مکہ کے بعد طائف تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں حنین کے مقام پر یہ درخت دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عرض پیش کیا، بظاہر عرض کرنے والے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو ابھی ابھی فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جن کی تعداد دو ہزار تھی جبکہ مدینہ منورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دس ہزار تھی، ابن خلدون وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ کل بارہ ہزار تھے چونکہ ایک ہفتہ میں تمام تصفیہ طلب امور کا صفایا نہیں ہوسکتا اس لئے یہ اعتراض نومسلموں کی طرف سے اٹھنا کوئی غیر معمولی بات نہیں کیونکہ ان کا مقصد شرک کرنے کی اجازت طلب کرنا نہ تھا بلکہ ایک قوی روایت سمجھ کر اس کی اجازت چاہی تھی، تاہم اس قسم کی تعظیمات چونکہ مفضی الی الشرک یعنی شرک کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرما دیا کہ اس قسم کی خواہشات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، مگر تمام انسانوں اور آنے والی پوری امت کے دلوں کو اس عنصر سے خالی رکھنے کی کوشش سو فیصد کہاں کامیاب ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی حکمت ہے اس لئے فرمایا کہ تم لوگ گزرے ہوئے لوگوں کے راستوں پر ضرور چلو گے۔

بعض روایات جیسے صحیحین وغیرہما (صحیح بخاری ص: 491، ج: 1) میں اس پر یہ اضافہ ہے: "شبرًا بشبر وذراعًا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب لدخلتموہ" یعنی تمہاری پیروی واتباع کا عالم یہ ہوگا کہ تمہارے اور یہود ونصاریٰ کے درمیان ایک بالشت کا اور ایک ذراع کا فرق بھی نہیں رہے گا حتیٰ کہ اگر وہ لوگ گوہ کے بل وسوراخ میں داخل ہوں تو تم لوگ بھی اس میں داخل ہوں گے اس سے بڑھ کر کمال اتباع کیا ہوسکتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ امت سابقہ امم کے نقش قدم پر چلے گی، اس کے تاجران کے تاجروں کی راہ لیں گے، اس کی عورتیں ان عورتوں کا طور وطریقہ اپنائیں گی اور اس کے علماء ان کے علماء اور اس کے حکمران ان کے حکمرانوں کے پیچھے ہوں گے، یہ

پیش گوئی بھی جوں کی توں صحیح نکلی ہے جو آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

ہاں البتہ اس میں کفر کی پیروی کی بات نہیں کی گئی ہے باقی تمام معاصی و نافرمانیاں مراد ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں نے اپنے انبیاء السلام کو قتل کیا اور جب انبیاء نہ ہوتے تو ان کے خلفاء کو قتل کر دیتے اس امت میں بھی ایسا ہی ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے ورثہ خلفاء و علماء کو نہیں بخشا گیا۔

فائدہ: کسی دلیل شرعی کے بغیر کسی چیز سے کوئی فضیلت وابستہ کر لینا جہالت ہے، حدیبیہ میں جس کیکر کے درخت کے نیچے نبی ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، لوگ وہاں نمازیں پڑھنے لگے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا، اسی طرح دار العلوم دیوبند جس انار کے درخت کے نیچے سے شروع ہوا تھا وہ درخت مسجد چھتہ میں تھا، اس کے ساتھ بھی طرح طرح کے خرافات شروع ہو گئے تھے، تبرکاً لوگ اس کے پتے لے جاتے تھے اور کھاتے تھے، اللہ کے کسی بندے نے وہ درخت کاٹ دیا، اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اس نے بہت اچھا کام کیا۔

اعتراض: اس روایت میں لترکبن کے لام تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ اتباع ناگزیر ہے تو امر لازم سے نہی تو تکلیف بمالا یطاق سی لگتی ہے۔

حل: اس کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ اگرچہ امت کی غالب اکثریت تو پیروی کرے گی مگر اس کے ساتھ ایک طائفہ منصورہ کی بھی پیش گوئی کی گئی ہے علی ہذا اتباع کی پیش گوئی اکثریت کے حوالے سے ہے جبکہ نہی کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی ہونی چاہئے اور یقیناً ہو گی بھی جو ان یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے گریزاں ہو گی:

"ففی النھی عن ذالك (التشبه) تكثير لهذه الطائفة المنصورة و تثبيتها و زيادة ايمانها" (اقتضاء الصراط المستقيم، مخالفة اصحاب الجحيم" ص: 44)

یعنی نہی میں ترغیب ہے کہ طائفہ منصورہ کے ساتھ رہو چنانچہ آج عام مسلمانوں کے لباس اور اطوار کو دیکھیں گے تو حدیث باب کا مصداق نظر آئے گا مگر جب کسی مدرسہ میں جائیں گے تو آپ کو پاکیزہ ماحول ملے گا۔

لغات: السنن (بفتح السین) طریقہ، نمونہ، طرز، کہا جاتا ہے: بنوا بیوتھم علی سنن واحد: انہوں نے ایک ہی انداز کے گھر بنائے، دوسرا لفظ ہے السنۃ: خاص طریقہ، سیرت خواہ اچھی ہو یا بری، اس کی جمع سنن ہے، یہ لفظ باب میں نہیں ہے۔

"حنین" بروزن زبیر، مکہ و طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے: "و یوم حنین" قولہ "ذات انواط" ای ذات تعلیق، نوط کے معنی تعلیق اور لٹکانے کے ہیں چونکہ جاہلیت میں لوگ اس سے اپنے ہتھیار لٹکاتے اس لئے یہ ذات انواط سے معروف ہو گیا یعنی وہ درخت جس پر اسلحہ لٹکایا جاتا ہے، حاشیہ کوکب میں بروایۃ درمنثور وغیرہ کے ہے کہ یہ درخت بیر کا تھا۔ الکوکب الدری میں ہے کہ خوشی اور تہوار کے موقع پر لوگ اس کے پاس جمع ہوتے، اسلحہ اس پر لٹکا کر آس پاس کھاتے پیتے اور کھیلتے رہتے۔ قولہ "لترکبن" ای لتتبعن اس میں لام تاکید کے لئے ہے رکوب بمعنی چلنے کے ہے از قبیل ذکر ملزوم والمراد منہ اللازم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ السِّبَاعِ

باب ۱۷: درندوں کا لوگوں سے باتیں کرنا

(۲۱۰۷) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُكَلِّمَ السِّبَاعُ الْإِنْسَ وَحَتّٰى تُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهِ وَشِرَاكُ نَعْلِهِ وَتُخْبِرَهُ فَخِذُهُ بِمَا أَحْدَثَ أَهْلُهُ مِنْ بَعْدِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ درندے انسانوں کے ساتھ کلام نہیں کرنے لگیں گے یہاں تک کہ آدمی کے چابک کی رسی اور اس کے جوتے کا تسمہ بھی اس کے ساتھ کلام کریں گے اور اسے اس کا زانو یہ بتا دے گا کہ اس کے بعد اس کی بیوی نے کیا حرکت کی تھی۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بول چال کا فن ترقی میں اپنے عروج پر پہنچ جائے گا حتیٰ کہ وہ اشیاء بھی ناطق و گویا ہو جائیں گی جن میں بظاہر بولنے کی صلاحیت نہیں ہے، آج کے دور میں ثابت ہو گیا کہ لوہا بھی بولتا ہے اور پلاسٹک بھی، اگر اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ بطور خرق عادت ایسا ہوگا تو پھر تو کوئی اعتراض نہیں کہ عالم میں ایسی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں تو جس طرح ماضی کے صحیح واقعات و روایات سے غیر ناطق کا بولنا ثابت ہے جیسے گائے اور بچے کا گہوارے میں بولنا تو مستقبل میں بھی ایسا ہو سکتا ہے جیسے بھیڑیا کا چرواہے سے بات کرنا وغیرہ علی ہذا پھر حدیث باب حقیقی کلام پر محمول ہوگی۔

یا تو روایت حقیقت پر محمول ہے جو اس زمانہ کی ترقی کے دور میں ناممکن نہیں ہے کہ اس طرح کے آلات ہو جائیں گے اور درندے بھی بات کرنے لگیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جانور بھی بات کریں گے اور آدمی کہیں بھی ہوگا اپنے بچوں کی خبر و خیریت معلوم کر لے گا چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں ریڈیو، ٹیلی فون، وائرلیس اور ان کے علاوہ آلات ایجاد ہو گئے پورے عالم ایک برتن میں رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے لہٰذا یہ علامت قیامت متحقق ہوتی نظر آتی ہے۔

لغات: "السباع" بکسر السین، سبع بفتح السین وضم الباء کی جمع ہے درندے کو کہتے ہیں۔ قولہ "عذبة" یہ "شراک اور فخذ" تینوں سباع کی طرح مرفوع ہیں کہ سب فواعل ہیں علی ہذا انس اور رجل دونوں مفعولیت کی بناء پر منصوب ہیں، عذبة بفتح العین وسکون الذال بروزن رحمة، بعض نے ذال کا فتحہ وسکرہ بھی جائز کہا ہے، کسی چیز کے کنارے کو کہتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے، اس کے معنی اس ڈوری کے بھی آتے ہیں جس کے ذریعہ ترازو اٹھائی جاتی ہے وہ یہاں مراد نہیں۔ قولہ "شراک" بکسر الشین، تسمہ۔

سند کی بحث: یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور صحیح ہے، البتہ قاسم بن الفضل سے آخر تک یہی سند ہے مگر یہ راوی محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اِنْشِقَاقِ الْقَمَرِ

باب ۱۸: معجزۂ شق القمر کا بیان

(۲۱۰۸) اِنْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِشْهَدُوْا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم گواہ ہو جاؤ۔

تشریح: معجزات بھی چونکہ از قبیل عجائبات ہوتے ہیں اس لئے جہاں وہ کچھ لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان بنتے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب بھی بنتے ہیں، شق القمر کا معجزہ جس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ہے باوجود مطالبہ کے کفار مکہ کے لئے ایمان کا سبب نہ بنا بلکہ فتنہ بن گیا، ان لوگوں نے کہہ دیا: ہم پر جادو کر دیا!

معجزۂ شق القمر:

ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک مرتبہ مشرکین مکہ حضور اقدس ﷺ کے پاس جمع ہو کر آئے، جن میں ولید بن مغیرۃ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب، زمعۃ بن الاسود اور نضر بن حارث وغیرہ تھے، اور انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایئے، رات کا وقت تھا اور چودہویں کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں یہ معجزہ دکھلا دوں تو ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ نے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، پس چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا جبل قیقعان پر، دیر تک لوگ حیرت سے دیکھتے رہے اور حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرماتے رہے: اشھدوا، اشھدوا: لوگو! گواہ رہو، لوگو! گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گیا، مشرکین مکہ نے کہا: محمد! تم نے ہم پر جادو کر دیا، ہم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرتے ہیں ہم ان سے دریافت کریں گے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد (ﷺ) تمام لوگوں پر جادو کر دیں، اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں تو سچ ہے، اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا تو سمجھا کہ محمد (ﷺ) نے تم پر سحر کیا ہے، چنانچہ مسافروں سے دریافت کیا گیا، ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے شق قمر دیکھا ہے، مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر ہے، عنقریب اس کا اثر زائل ہو جائے گا، اس وقت سورۂ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

معجزۂ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور اس پر تمام سلف و خلف کا اجماع ہے اور کسی شاذ و نادر (مودودی صاحب) نے جو انشق القمر ماضی کو بمعنی سینشق القمر لیا ہے (یہ ترجمہ مودودی صاحب رحمہ اللہ نے تفہیم القرآن میں کیا ہے) وہ سراسر ظاہر قرآن اور احادیث صریحہ اور صحیحہ اور تصریحات سلف و خلف کے خلاف ہے جو قابل اعتبار نہیں۔

اعتراض: مخالفین اسلام اس معجزہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال ہے کہ چاند کے دوٹکڑے ہوجائیں دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں،

جواب: یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں، اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون وفساد محال نہیں، خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان وزمین، شمس وقمر، شجر وحجر سب برابر ہیں، جس قادر مطلق نے شمس وقمر کو بنایا ہے وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے، بہر حال اس قسم کے خوارق کا ظہور قطعاً محال نہیں، ہاں مستبعد ضرور ہے اور ہر معجزہ کے لئے مستبعد ہونا ضروری ہے جولوگ محض استبعاد کی بنا پر محال قرار دیتے ہیں ان کو محال اور مستبعد کا فرق معلوم نہیں۔

اور رہی یہ بات کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صدہا اور ہزار ہا ایسے عجیب واقعات ہیں جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام و نشان نہیں، نیز شق القمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے اور شق القمر صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا تو تعجب نہیں، بسا اوقات چاند اور سورج گہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم ہی نہیں ہتا، نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی، عموماً لوگ سوئے ہوں گے، نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ پر حجت تمام کرنا تھا وہ مقصود حاصل ہوگیا، تمام عالم کو دکھانا مقصود نہیں تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ 1:236)

لغات: انشق: پھٹنا، چیرنا، شگاف پڑنا، کریک ہونا۔ انفلق الشي: پھٹنا اور یہ حدیث نبی ﷺ کے زمانہ میں جب چاند پھٹا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! گواہ رہو، یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے مسلم (حدیث 2801 کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر) میں بھی ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث 4864، مسلم حدیث 2800)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَسْفِ

باب ۱۹: زمین دھنسنے کا ذکر

(۲۱۰۹) اَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ غُرْفَةٍ وَّنَحْنُ نَتَذَاكَرُ السَّاعَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَرَوْا عَشْرَ اٰيَاتٍ طُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَيَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ وَالدَّابَّةَ وَثَلَاثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوْقُ النَّاسَ اَوْ تَحْشُرُ النَّاسَ فَتَبِيْتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوْا وَتَقِيْلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوْا۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے بالا خانہ میں سے دیکھا ہم اس وقت قیامت کا تذکرہ کررہے تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جس وقت تک تم دس نشانیاں نہیں دیکھ لوگے سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا یاجوج ماجوج دابۃ الارض زمین کا تین جگہ سے دھنس جانا ایک مرتبہ دھنسنا مشرق میں ہوگا ایک مرتبہ دھنسنا مغرب میں ہوگا اور ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں ہوگا اور وہ آگ جو عدن کے ایک گڑھے سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کرلے جائے

گی (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) لوگوں کو اکٹھا کر دے گی تو وہ ان کے ساتھ رات رہے گی جہاں وہ رات بسر کریں گے اور ان کے ساتھ دو پہر کرے گی جہاں وہ دو پہر کریں گے۔

(۲۱۱۰) لَا يَنْتَهِي النَّاسُ عَنْ غَزْوِ هٰذَا الْبَيْتِ حَتّٰى يَغْزُوَ جَيْشٌ حَتّٰى إِذَا كَانُوْا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ خُسِفَ بِأَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ وَلَمْ يَنْجُ أَوْسَطُهُمْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَمَنْ كَرِهَ مِنْهُمْ قَالَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ عَلٰى مَا فِيْ أَنْفُسِهِمْ.

ترجمہ: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہ بات بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے لوگ اس گھر پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ ایک لشکر اس پر حملہ کرنے کے لیے آئے گا اور جب وہ بیداء کے مقام پر پہنچے گا (یہاں پر راوی کو الفاظ میں شک ہے) تو ان کے ابتدائی اور آخری حصے کو دھنسا دیا جائے گا اور درمیان والے بھی نجات نہیں پائیں گے (یعنی وہ سب دھنس جائیں گے) میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ان میں سے جو شخص اس بات کو ناپسند کرتا ہوں (یعنی زبردستی آیا ہو) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے حساب سے (یعنی ان کی نیتوں کے حساب سے) انہیں زندہ کرے گا۔

(۲۱۱۱) يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَّقَذْفٌ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ قَالَ نَعَمْ إِذَا ظَهَرَ الْخُبْثُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسا چہروں کا مسخ ہو جانا آسمان سے پتھروں کی بارش (کی طرح سے عذاب) ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا ہم لوگ ہلاکت کا شکار کر دیئے جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی ہوں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں جب فسق عام ہو جائے گا (تو ایسا ہی ہوگا)۔

تشریح: حضرت حذیفہ بن اُسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بالا خانے سے ہماری طرف جھانکا دراں حالیکہ ہم آپس میں قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (2) اور یاجوج و ماجوج (3) اور دابہ (کا خروج) اور تین خسوف (4) ایک خسف مشرق میں (5) ایک خسف مغرب میں (6) اور ایک یعنی تیسرا جزیرۃ العرب میں (7) اور ایسی آگ جو عدن کی گہرائی (والی جگہ) سے نکلے گی ہانکے گی لوگوں کو یا فرمایا کہ (اوللشک من الراوی) جمع کرے گی لوگوں کو تو جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی ان کے ساتھ وہیں رات گزارے گی اور وہیں قیلولہ کرے گی جہاں لوگ قیلولہ کریں گے۔

اس روایت میں سات علامات کا تذکرہ مکمل ہو چکا، دوسری سند میں دھواں مذکور ہے اور تیسری سند میں دخان کے ساتھ دجال کا ذکر ہے، گویا نو ہو گئیں جبکہ دسویں نشانی یا تو ہوا ہے جو لوگوں کو اڑا کر سمندر میں پھینک دے گی یا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یعنی آسمان سے اترنا ہے جیسا کہ ابو موسیٰ محمد بن المثنیٰ کی روایت ہے۔

تشریح: ان علامات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک قسم کی علامات صغریٰ ہیں اور دوسری قسم کی کبریٰ ہیں، علامات صغریٰ کی تعداد ڈیڑھ

سو کے لگ بھگ ہے، جبکہ اس حدیث میں علامات کبریٰ کا ذکر ہے جن کی تعداد کم از کم دس ہے، علامات کبریٰ اس وقت رونما ہوں گی جب قیامت بہت زیادہ قریب ہوجائے گی جبکہ صغریٰ کافی پہلے سے وجود پذیر ہیں۔ پھر باب کی حدیث میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔

اس حدیث میں سات علامات قیامت کا ذکر ہے: ان میں سے اوّلین یعنی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور یاجوج و ماجوج کے لئے اس باب کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بالترتیب دو باب قائم کئے ہیں، اس پر بحث ہوگی۔

تیسری نشانی دابہ کا خروج: ہے، لغوی اعتبار سے تو زمین پر چلنے والے ہر جانور کو دابہ کہا جاتا ہے مگر عرف عام میں وہ چوپایا جو سواری یا مال برداری کے لئے استعمال ہوتا ہے دابہ کہلاتا ہے۔ اس حدیث میں مراد وہی دابہ ہے جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے:

﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (النمل:۸۲)

بہر حال کبریٰ میں سے ایک خروج دابہ ہے جس کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں مندرجہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں:

جب آخری زمانہ میں لوگ بگڑ جائیں گے اور احکام خداوندی کو چھوڑ جائیں گے اور دین حق کو تبدیل کر جائیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے لئے زمین میں سے ایک دابہ نکال دیں گے پھر اس بارے میں متعدد احادیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ سب علامات لگاتار رونما ہوں گی: ایتھا کانت قبل صاحبتھا فالاخریٰ علی اثرھا قریبًا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد طیالسی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاتم (انگوٹھی) ہوگا، عصا سے کافر کی ناک توڑے گا اور خاتم (کی مہر) سے مومن کا چہرہ روشن ہوگا یعنی چمکے گا یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر مومن و کافر کی تمیز کر سکیں گے تاہم ترمذی کے حاشیہ میں عصا و خاتم کا عمل و اثر اس کے برعکس بتلایا ہے۔ (کذافی روایۃ احمد وابن ماجہ۔ سنن ابن ماجہ۔ ص: ۲۹۵)

اور اس میں بھی اضافہ ہے کہ مومن کے چہرہ پر ''مومن'' لکھا جائے گا اور کافر پر مہر لگانے سے کافر لکھے گا، پھر ظاہر یہ ہے کہ یہ دابہ کوہ صفا سے برآمد ہوگا، اس کی لمبائی ساٹھ گز کے برابر بتائی گئی ہے، یہ چوپایوں کی طرح چار ٹانگوں پر چلے گا بدن پر پشم یعنی اون ہوگی اور مختلف متعدد جانوروں کے نمونوں پر مشتمل ہوگا کوئی آدمی اس کو پکڑ نہیں سکے گا اور نہ ہی کوئی اس سے بھاگنے میں کامیاب ہوگا۔

تین خسوف: حدیث الباب میں تین خسوف کا ذکر ہے حضرت گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے الکوکب الدری میں فرمایا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی نشانی ہیں علی ہذا حدیث الباب میں راوی نے دس کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ خسوف واقع ہو چکے ہیں یا نہیں مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اپنے رسالہ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ تینوں خسوف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد واقع ہوں گے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تینوں خسوف واقع ہو چکے ہیں اور ان کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔ مغرب میں 308ھ میں تیرہ گاؤں کا خسف ہوا دوسرا خسف غرناطہ میں متعدد مکانات خسف کر دیئے گئے تیسرا خسف مقام ری میں قریباً 150 دیہات کا خسف ہوا 346ھ میں ان کے علاوہ اور بھی خسوف بیان کئے گئے ہیں دیگر مذکورہ کا بیان آگے ابواب کے تحت آرہا ہے۔

لغات: خسف: خسف بدل ہے ماقبل سے مجرور ہے یا مرفوع مبتداء محذوف الخبر یا خبر محذوف المبتداء ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ ان کا واقع ہونا ابھی باقی ہے کیونکہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث میں علامات کبریٰ کا ذکر ہے اور یہ کہ علامات لگاتار اور قریب بقیامت رونما ہوں گی، حاشیہ کوکب پر ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے مسماۃ بہ ''اشراط الساعۃ'' میں میلان ظاہر کیا ہے کہ یہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوں گے۔

قولہ "ونار تخرج من قعر عدن" الخ ظاہر یہ ہے کہ یہ آخری نشانی ہے کیونکہ لوگوں کو محشر کی طرف یعنی شام کی جانب جہاں محشر ہوگا لے جانے سے مراد ان کو میدان محشر کی طرف ہانکنا ہے۔

اعتراض: بعض روایات میں وارد ہے کہ آگ ارض حجاز سے نکلے گی "تخرج من الارض الحجاز" (صحیح مسلم ص393، ج2)

جواب: ① قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاید آگ دو ہوں ایک ارض حجاز سے دوسری قعر عدن سے ② بعض فرماتے ہیں کہ ابتداء یمن سے ہوگی اور ظہور حجاز سے ہوگا ذکرہ القرطبی۔ تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حجاز راستہ میں پڑتا ہے۔ آج کل جزیرہ نما عرب تیل کی سیال دولت اور زیر زمین بلکہ زیر سمندر ذخائر سے لبالب ولبریز ہے ممکن ہے کہ اس میں مزید اضافہ ہونے کی وجہ سے یہ خطہ کسی وقت آگ پکڑ لے۔

تحشر الناس: مسلم کی روایت میں تسوق الناس الی المحشر (آگ لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی) ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ محشر سے مراد ارض شام ہے چونکہ بعض روایات میں ہے کہ حشر ارض شام میں ہوگا۔۔ واللہ اعلم

قولہ "وزادفیہ الدخان" ظاہر ہے کہ وہی دخان ہے جو سورۂ دخان میں مذکور ہے:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (الدخان: ۱۰، ۱۱)

"آپ انتظار کریں جب واضح دھواں آئے گا وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک عذاب ہے۔"

دھواں گزرا ہے اب یہ آنے والا نہیں ہے۔ اور باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامات قیامت میں سے ہے جس کا آنا باقی ہے، بہت سے محققین نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے، علاوہ ازیں اس میں کچھ قرائن کا بھی سہارا لیا گیا ہے، مثلاً آیت میں لفظ "مبین" سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دخان کو ہر ایک دیکھے گا جبکہ، اسی طرح لفظ "یغشی الناس" سے بھی اس کا عام اور کثیف ہونا معلوم ہوتا ہے یہ صرف اہل مکہ کے لئے نہیں ہے نیز "ھذا عذاب الیم" سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ ترمذی کے محشی نے لمعات کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ دھواں مشرق تا مغرب ہوگا یعنی بہت زیادہ ہوگا، چالیس دن تک رہے گا، مومن اس سے صرف اتنا سا متاثر ہوگا جیسے زکام میں ہوتا ہے یعنی چھینکیں آتی ہیں جبکہ کافر از خود رفتہ بن جائیں گے، بظاہر یہ دھواں ایٹمی جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی آلودگی وتابکاری سے مختلف ہے کیونکہ ایٹمی اثرات سب کے لئے یکساں ہوتے ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے اس آیت کے متعلق یہ ہے کہ اس سے مراد وہ خیالی دھواں ہے جو بھوک کی وجہ سے ضعف بصارت کی بناء پر اور فضاء میں خشک سالی کی وجہ سے آلودگی کی بناء پر نظر آتا ہے جو قریش کے بائیکاٹ کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء کی بدولت قریش مکہ کو فضاء میں نظر آتا تھا غرض ی

قولہ "والعاشرۃ امار یح تطرحھم فی البحر و امانزول عیسیٰ بن مریم" اس سے سابقہ روایت میں دجال کا بھی ذکر ہے جس کے لئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے لئے آگے مستقل الگ الگ ابواب آرہے ہیں۔ جہاں تک اس طوفانی ہوا کا ذکر ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینکے گی تو شارحین حدیث سے اس بارے میں تفصیل مروی نہیں ہے البتہ آگے ترمذی میں "باب ماجاء فی فتنۃ الدجال" کے تحت ایک طویل حدیث کے آخر میں اس ریح کا ذکر آیا ہے جو یاجوج وماجوج کے بعد بچنے والے مسلمانوں

کی جانوں کے قبض کا سبب بنے گی، اسی طرح مسلم جلد اول میں کتاب الایمان کے باب فی الریح التی فی قرب القیمۃ...الخ اور جلد ثانی ص 394 پر بھی یہ حدیث ہے:

ثم يبعث الله ريحًا طيبةً فتوفى كل من فى قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فيبقى من لاخير فيه فيرجعون الى دين ابائهم.

"پھر اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجیں گے اس سے ہر وہ شخص مرجائے گا جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہے وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ پس وہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔"

جبکہ کتاب الایمان میں ہے کہ یہ ہوا ریشم سے زیادہ نرم ہوگی، ایک روایت میں ہے کہ یہ یمن سے آئے گی جبکہ دوسری روایت میں شام کی تصریح ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ حدیث الباب میں مذکورہ ہوا اس ریح طیبہ سے بھی مؤخر ہو کر کفار کو اڑا کر اِدھر سے اُدھر اور خشکی سے بحر و صحرا میں پٹک دے گی کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝﴾ (القارعۃ: ۴،۵)

"جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے، پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوجائیں گے۔"

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ اس گھر (کعبہ) پر حملے سے نہیں رکیں گے یہاں تک کہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا جب یہ لشکر بیداء مقام یا فرمایا کہ کسی اونچے میدان تک پہنچ جائے گا تو اس کا اگلا حصہ اور پچھلا دھنسا دیا جائے گا اور درمیانہ بھی نہیں بچے گا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ان میں جو اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوگا؟ (یعنی اس کا کیا بنے گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ان کو اپنی اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے گا۔

اَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ: میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خسف، مسخ اور قذف کا تذکرہ فرمایا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت بھی ہلاک ہوں گے جب ہمارے درمیان نیک لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نعم اذاظهر الخبث" ہاں جب گناہ عام ہوجائیں گے، خبث بفتحتین فجور یا زنا کو کہتے ہیں اور اگر ہم بضم الخاء وسکون الباء ہو تو خباثت بھی گندگی اور شرارت کو کہتے ہیں یعنی جب بد باطنی کے ساتھ گندے کام عام ہوں تو پھر سب پر عذاب آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ برے لوگوں کی معیت و دوستی بھی بدانجامی کا سبب ہے اس لئے حتی الامکان برائی کی جگہ اور برے لوگوں سے دور رہنا چاہئے۔

اس مسئلہ کی کچھ وضاحت: "باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر" میں گزری ہے۔

سند کی بحث: یہ آخری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے ضعیف ہے، اس میں عبداللہ عمری ضعیف راوی ہے، مگر یہی حدیث حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی سند سے متفق علیہ ہے، جو آگے باب 21 میں آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

باب ۲۰: سورج کا مغرب سے نکلنا

(۲۱۱۲) قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَالنَّبِيُّ ﷺ جَالِسٌ فَقَالَ يَا اَبَاذَرٍّ اَتَدْرِيْ اَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهٖ

قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ تَسْتَاْذِنُ فِي السُّجُوْدِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَاَنَّهَا قَدْ قِيْلَ لَهَا اطْلُعِيْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا قَالَ ثُمَّ قَرَاَ وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَّهَا قَالَ وَذٰلِكَ قِرَاءَةُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا جب سورج غروب ہوچکا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جاتا ہے تاکہ اسے سجدہ کرنے کی اجازت مل جائے تو (ایک دن اسے) اجازت مل جائے گی یعنی گویا اسے یہ کہا جائے گا کہ تم جہاں سے آئے ہو تو وہاں سے طلوع ہوجاؤ تو یہ مغرب سے طلوع ہوجائے گا۔

راوی بیان کرتے ہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی بیان کی۔اور اس کا مخصوص راستہ ہے۔راوی بیان کرتے ہیں یہ قرأت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

تشریح: کیفیت طلوع شمس:

علامات قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ سورج اپنی رفتار پر چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی، پس وہ غروب ہونے کے بعد مغرب سے نکلے گا اور ایسا ایک ہی دن ہوگا یا پھر ایسا ہی ہوتا رہے گا؟ طلوع کی کیفیت ایک روایت میں یوں آئی ہے اس روز غروب کے بعد شمس کو بحکم خداوندی رجعت قہقری ہوگی یعنی الٹا جانا ہوگا اس لئے مغرب سے طلوع ہوگا۔(1) کما فی الدر المنثور (2) روح المعانی میں بروایۃ تاریخ البخاری وابن عساکر حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس کی کیفیت یہ منقول ہے کہ شمس قطب کی طرف گھوم کر نقطۂ مغرب پر آجائے گا ممکن ہے کہ رجعت قہقری سے یہی مراد ہو۔

(3) درمنثور ہی میں بتخریج عبد بن حمید وابن مردویہ عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ اوفی سے مرفوع روایت میں ہے کہ مغرب سے طلوع ہوکر وسط آسمان تک پہنچے گا پھر مغرب ہی کی طرف لوٹ جائے کر غروب ہوگا اس کے بعد بدستور سابق مشرق سے طلوع ہونے لگے گا احادیث میں اس وقت توبہ اور ایمان کا قبول نہ ہونا صراحۃً مذکور ہے۔

اس سلسلہ کی تفصیلات صحیح روایات میں مروی نہیں بظاہر ایسا ایک ہی دن ہوگا، پھر حسب معمول طلوع وغروب ہوگا بہرحال یہ کرشمۂ خداوندی بھی لوگوں کے لئے آزمائش بن جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس آگ میں ڈالے گئے تھے تو وہ اس تاثیر سے خالی تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچے کو قتل کردیا تھا وہ ماہیت انسانی یعنی فطرت سے معرا تھا، لاٹھی غیر جاندار چیز ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا راژدھا بن کر ساحروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو ہڑپ کرگیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے، بعض دفعہ آدمی بغیر اسباب ظاہریہ کے ہوا میں معلق ہوتا ہے جس کو ٹیلی پیتھی کا اصول بھی تسلیم کرتا ہے جو برطانیہ و جاپان میں جاسوسی کے حوالے سے خاصا مقبول ہے۔غرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسباب تو پیدا کئے ہیں مگر اپنا وجود منوانے کے لئے بعض دفعہ ان کی تاثیرات کو سلب کرتا ہے اور بعض دفعہ افراد ماہیت کے حکم وتقاضا سے الگ کرتا ہے، اس لئے شہد کی مکھیوں میں پھولوں کا رس چوسنے کا مزاج ڈالا مگر بعض پیشاب پر بیٹھتی ہیں، بعض کھیرا کڑوا ہوتا ہے

اسی طرح ہسپتال کے ڈاکٹر جمع ہوجاتے ہیں اور ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہیں مگر ان کے درمیان سے مریض کی جان پرواز کرتی ہے ان کا سارا نظام فیل ہوجاتا ہے۔

اسی طرح ایک روز ایسا آئے گا جب دنیا کے معاملات وحقائق الٹ جائیں گے کمینے اشراف بن جائیں گے اور اشراف بے قدر کردیئے جائیں گے تو اللہ عزوجل اس نظام زمان کو پلٹ دے گا تاکہ لوگوں کے لئے درس عبرت ہو مگر اس وقت صرف بصارت ہوگی بصیرت نام کی کوئی چیز باقی نہ ہوگی، اگر طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس موضوع کو تھوڑا سا اور اجاگر کرتا مگر "العاقل تكفيه الاشارة، وللجاهل لاتكفى المنارة" یہ روایت متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث 7424، مسلم حدیث 159)

اعتراض: قدیم سائنس یہ کہتی ہے کہ سورج زمین کے گرد چکر لگاتا ہے، جس سے وہ طلوع غروہ ہوتا ہے اور شب وروز بنتے ہیں اور اب فلکیات یہ کہتی ہے کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے اور اس کی چال سے شب وروز بنتے ہیں، دونوں صورتوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے غروب کے بعد عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حدیث میں پیرایۂ بیان ہے اور مقصد یہ مضمون سمجھانا ہے کہ سورج حکم الٰہی کے تابع ہے، وہ ہروقت زبان حال سے انقیاد ظاہر کرتا ہے کیونکہ ہر لمحہ اس کا طلوع وغروب جاری ہے اور جو حکم ملتا ہے اس کی تابعداری کرتا ہے، وہ اسی طرح چلتا رہے گا تا آنکہ اس کو دوسرا حکم ملے، غرض عرش کے نیچے سجدہ کرنا انقیاد کی تعبیر ہے، ہماری طرح سجدہ کرنا مراد نہیں، سورۃ الحج آیت 18 میں ارشاد پاک ہے: "کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہیں تمام وہ مخلوق جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی" مخلوقات کا یہ سجدہ ان کی حالت کے مناسب ہے یعنی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی ظاہر کرتی ہے اور وہ حکم کے تابع ہے۔ غرض سورج کے سجدہ کرنے کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت میں بھی آیات ہے، وہی سجدہ اس حدیث میں بھی مراد ہے، پس اگر ذہنوں سے انسانوں کا معروف سجدہ نکال دیں تو بات ان کی سمجھ میں آجائے گی۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے:

فالمراد بذالك ان كل قوم تغرب عليهم او تطلع فان ذالك استقرار لها بالاضافة الينا وان كانت هى فى حركتها الدائمة الغائبة عنا وهوا استقرار فى المشاهدة عنا فعبر عن زوال الحركة المشاهدة بالاستقرار بالاضافة الينا.... الخ

یعنی سورج جن لوگوں کے حس ومشاہدہ سے غائب ہوجاتا ہے ان کی بنسبت وہی مغرب سورج کا مستقر ہے اگرچہ سورج اس وقت بھی جاری وساری رہتا ہے، علی ہذا سورج کے سجدہ سے مراد ہروقت اللہ کے حکم سے چلنا ہے کہ جب طلوع وغروب ہر آن میں لازمی ہیں تو اجازت بھی وَناً فاناً ضروری اور تعمیل بھی لازمی ہے جس کو سجدہ سے تعبیر کیا اور یہی مطلب عرش کے نیچے جانے کا ہے کیونکہ وہ ہروقت عرش کے نیچے ہی ہوتا ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورج ہروقت اللہ کے حکم کے ماتحت چلتا ہے، اسی کے ملک وسلطنت میں رواں دواں ہوتا ہے اور اسی کے حکم کا ہروقت منقاد ہوتا ہے اور جب اسے واپسی کا حکم ہوگا تو وہ آگے نہیں بڑھ سکے گا بلکہ واپس پلٹ کر مغرب سے غروب ہوگا جو جمعہ کی رات ہوگی لوگوں پر بہت طویل ہوگی اور جب نصف النہار کے دائرے تک مثلاً بارہ گھنٹے واپس چلے گا تب اس کو معمول کے مطابق چلنے کا حکم ہوگا۔

اعتراض: سورج زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہے یا زمین گھوم رہی ہے، جو بھی ہو اس کا طلوع وغروب ہمارے سامنے نمودار ہونے اور چھپنے کے اعتبار سے ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ کس نقطہ سے واپس لوٹے گا؟ اور کون سے ملک میں مغرب سے طلوع ہوگا؟ اور دوسرے ممالک کا کیا حال ہوگا؟

جواب: ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ آئندہ پیش آنے والے یہ واقعات عصر حاضر کی تعبیر میں سمجھائے گئے ہیں، پھر جب وہ واقعات پیش آئیں گے ان کی صحیح صورت حال سامنے آئے گی، فی الوقت ہم کما حقہ نہیں سمجھ سکتے، وقت ہی بتائے گا کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی، جیسے اوقات نماز کے ابواب میں یہ حدیث (نمبر 157) گزری ہے کہ گرمی کی زیادتی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے مگر چونکہ دوسری دنیا کی بات ہے اس لئے ہم اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح یہ بات بھی چونکہ آئندہ پیش آنے والی ہے اس لئے ابھی ہم اس کی تفصیلات نہیں جانتے، مخبر صادق ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عدم قبول توبہ کا حکم دائمی اور مستمر طور پر رہے گا یا نہیں؟ اس کے متعلق صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ یہ حکم دائمی نہیں بلکہ اس کے بعد جو لوگ مخاطب بالشرع ہیں ان کی توبہ قبول ہوگی نیز مدت گزرنے کے بعد ذہول ہو کر خیال سے اتر جائے گا تو توبہ قبول ہوگی۔

لغات: قولہ "وکانها قد قيل لها" علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی مستقبل کی چیز یقینی ہو تو اس کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرتے ہیں قرآن شریف میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں جیسے: ﴿أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ﴾ (النحل:1) چونکہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا طے شدہ امر ہے اس لئے "قيل" ماضی کا صیغہ ذکر کیا ہے جبکہ "کانها" میں قُرب کی طرف اشارہ ہے قولہ "مستقرلها" قرار سے ہے جائے سکون یعنی ٹھکانا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستقر سے مراد یومیہ حرکت کا منتہیٰ ہے جبکہ بعض حضرات نے سالانہ حرکت میں انقلاب صیفی وشتوی کو لیا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے نظام شمسی کا منتہیٰ ہے کیونکہ یہ کہکشاں رواں دواں ہے، علاوہ ازیں بھی بہت سارے اقوال ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي خُرُوجِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ

باب ۲۱: یاجوج وماجوج کا خروج

(۲۱۱۳) عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نَوْمٍ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ وَهُوَ يَقُولُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ يُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهٖ وَعَقَدَ عَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ ﷺ أَفَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ اِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ

ترجمہ: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ لا الٰہ الا اللہ پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے تین مرتبہ اسے پڑھا پھر فرمایا عربوں کے لیے اس شر کی وجہ سے بربادی ہے جو قریب آچکی ہے آج یاجوج اور ماجوج کی دیوار میں سوراخ ہو گیا ہے پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے گول دائرے کا نشان بنا کر دکھایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا ہم لوگ ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے؟ جبکہ ہمارے درمیان نیک لوگ موجود ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب برائی زیادہ ہو جائے گی تو (سب ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے)۔

تشریح: یاجوج ماجوج کے بارے میں: کہ یاجوج ماجوج کے متعلق بعض اسرائیلی اور تاریخی کہانیاں ایسی ہیں جو بالکل بے سروپا ہیں اور جن پر مفسرین اور محدثین نے اعتماد بھی نہیں کیا، ہاں بعض نے انہیں نقل کر دیا ہے، قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسول کریم ﷺ نے بقدر ضرورت ان کی تفصیلات سے آگاہ فرمادیا ہے، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے، اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی، اس لئے ان پر ایمان لانا ضروری نہیں۔

صحیح احادیث میں جو تفصیل یاجوج ماجوج کے بارے میں منقول ہے، اس میں سے کچھ یہ ہے: قرآن وسنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج ماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں، عام انسانوں کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، قیامت کے قریب مخصوص حالات میں ان کا خروج ہوگا، یہ وہ وقت ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو چکے ہوں گے، وہ جب دجال کو مقام "لد" پر قتل کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں، لہٰذا آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) پھر اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالیں گے، تو وہ تیز رفتاری کے سبب ہر بلندی سے پھلتے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرۂ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گزریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائے گا، اس اذیت کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمائیں گے اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یاجوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں، سخت تعفن پھیلا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائیں اور اور بہت بھاری بھرکم پرندے بھیجیں گے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کی مانند ہوں گی وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈال دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہیں ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائے گی اور شیشہ کی طرح صاف ہو جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگا دے اور از سر نو اپنی برکات کو ظاہر کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کرے گا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور غیر معمولی برکات اور امن وامان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہوگی اور سب کے سب وفات پا جائیں گے اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگی ہے، مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کریں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی مضبوط اور درست کر دیتے ہیں اور اگلے روز پھر نئی محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں، یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک یاجوج ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے اس دن آخر میں یوں کہیں گے اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اس کو پار کرلیں گے تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور اس کو توڑ کر پار کرلیں گے۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیت وارادے کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے ہی ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کردے اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے۔

مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہئے، ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (الاسراء:۱۵) معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو بھی پہنچی ہے مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے، ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور اس کے ارادے ومشیت کے قائل ہوں گے اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو، بہر حال ان شاء اللہ کا کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں۔

ذوالقرنین کے نام اور نسب میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ سکندر نام کی دو شخصیتیں گزری ہیں، بعض مفسرین ومورخین نے ان کو خلط ملط کر کے پیش کیا ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اصل صورت حال اس طرح پیش کی ہے کہ ذوالقرنین کا نام سکندر تھا اور یہ سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے تھا، دوسرا شخص اسکندر بن فیلپس (مقدونی) تھا لوگ اس دوسرے مقدونی کو بھی ذوالقرنین کہنے لگے حالانکہ دونوں کے درمیان دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ حائل ہے، مقدونی حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گزرا ہے اور اس کا وزیر ارسطاطالیس (ارسطو) فلسفی تھا، یہ ایک بت پرست، مشرک، ظالم بادشاہ تھا، یہ شخص رومی ویونانی تھا جبکہ ذوالقرنین جن کا تذکرہ قرآن میں ہے، عربی سامی مؤحد عادل بادشاہ تھا ان کا وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے، کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز سے بھی اس کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ واللہ اعلم

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کے معاملہ میں ظاہر یہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو اہل مشرق میں سے تھا جیسا کہ بعض کا خیال جغفور چین کی جانب ہے اور نہ اہل مغرب میں سے تھا اور نہ ہی یمن والوں میں سے تھا بلکہ مشرق اور مغرب کے درمیان علاقہ کا باشندہ تھا بلکہ وہ سب سے جدا ایک نیک بادشاہوں میں سے تھا جن کا نسب قدیم سامی عرب تک پہنچتا ہے۔

اعتراض: رہا یہ سوال کہ باب کی روایت کے مطابق یاجوج ماجوج اس سد یعنی دیوار میں سوراخ کر چکے ہیں اور یہ بات تو سابق الذکر پس منظر سے مطابق نہیں رکھتی؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خواب کا ذکر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا خواب بلاشک وشبہ اگرچہ وحی ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ خواب عالم مثال میں دیکھا جاتا ہے اور عالم مثال میں اشیاء دنیا میں وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی مجسم ہو کر دکھائی

دینے لگتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ خواب میں جو بات دیکھی جائے اسی وقت عالم مشاہدہ میں واقع ہو چکی ہو یا جلد واقع ہو جائے بلکہ اس میں سالہا سال بھی لگ سکتے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب ہے اور آپ ﷺ کے عمرے کا خواب ہے، علیٰ ہذا آنحضرت ﷺ قرب قیامت کے مناظر، اشراط وفتن عالم مثال میں دیکھتے تھے اور قیامت تک پورا منظر ان کے استیقظ رسول اللہ ﷺ من نوم محمرا وجهه: بخاری شریف میں ہے دخل علیها یومًا فزعًا ممکن ہے کہ بیدار ہونے کے بعد ان کے یہاں آئے ہوں چنانچہ ابوعوانہ کی روایت میں سراحتًاویل للعرب من شر قد اقترب واقع ہے ویل کے معنی خرابی کے ہیں روایت میں اہل عرب کی تخصیص یا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ رأس القوم المسلم ہیں یا شفقۃً فرمایا نیز وہ معظم المسلمین ہیں اشارہ فرمایا کہ ان کے لئے ویل ہے تو دوسروں کے لئے یہ طریق اولیٰ ہوگی۔

الشر: اس سے مراد یا توقتل عثمان رضی اللہ عنہ ہے کہ اس کے بعد فتن کا وقوع اس قدر ہوا کہ عرب لوگوں کے درمیان اس طرح ہو گئے جس طرح کوئی پلیٹ ہو کھانے والوں کے درمیان کما وقع فی الحدیث الآخر یوشك ان تداعی علیکم الامم کما تداعی الاکلة علی قصعتها: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ شر سے مراد وہ فتن ہوں جن کا ذکر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے فرمایا: ماذا انزل اللیلة من الفتن وما انزل من الخزائن. اس سے اشارہ ان فتوحات کی طرف ہے جو آپ کے بعد ہوئی ہیں کہ اموال کثیرہ لوگوں کو حاصل ہوئے تو لوگوں میں تنافس ہوا پھر فتنے رونما ہوئے اسی طرح امارت کے بارے میں بھی اختلافات ہوئے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کا الزام لگایا جس کی انتہاء قتل پر ہوئی اور پھر مسلمانوں کے درمیان یہی جنگ ہوتی چلی آرہی ہے۔قد اقترب: غایت قرب کو بیان کرنا مقصود ہے۔

ردم: اس سے مراد وہ سد (دیوار) ہے جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا اس بارے میں تفصیلات کتب تفسیر میں موجود ہیں۔

مثل هذه: مرفوع، نائب فاعل ہے فتح کا اور اشارہ حلقہ کی طرف ہے۔

عقد عشر: بعض روایتوں میں تسعین واقع ہے مقصود تقریب ہے۔

وفینا الصالحون: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی افنعذب فنهلك نحن معشر الامة والحال ان بعضنا مومنون وفینا الطیبون الطاهرون. دوسرا قول یہ ہے کہ یہ باب اکتفاء سے ہے اور تقدیر عبارت ہے: وفینا الصالحون ومنا القاسطون.

اذا کثر الخبث: بفتح الخاء والموحدة ثم مثلثة خبث کی تفسیر بعض نے زنا سے کی ہے اور بعض نے فسق وفجور سے یہی آخری تفسیر معتبر ہے کیونکہ صلاح کے بالمقابل ہے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ شر وخبث کثیر جائے گا تو صالح وظالم سب کو ہلاک کر دیا جائے گا البتہ بعث نیات پر ہوگا کما مر جس طرح جب آگ بھڑکتی ہے تو خشک وتر دونوں طرح کی لکڑی جلا دی دیتی ہے۔

لغوی تحقیق: قوله "محمر" بروزن مضطر یعنی بتشدید الراء احمار الشئی اس وقت کہتے ہیں جب وہ بتدریج سرخ ہو جائے۔

قوله "ردم" بروزن شمس، سد سکندری مراد ہے یعنی وہ دیوار جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا۔ قوله "یاجوج وماجوج" یہ الفین اور ہمزتین دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے، دونوں عجمی نام ہیں، بعض نے عربی کہا ہے اگر ان کو عربی مانا جائے تو پھر یہ دونوں کس سے مشتق ہیں، اس میں اختلاف ہے کسی نے کہا کہ اجیج النار سے ماخوذ ہے۔ اجت النار اجاوا جیجًا اس وقت کہتے ہیں جب

آگ بھڑک جائے، بعض نے کہا کہ اجۃ بمعنی اختلاط کے ہے، وفیہ اقوال آخر۔ قولہ "وعقد عشرًا" دس کا عقد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی کے ناخن کا سرا ابہام کے جوڑ سے اندر کی جانب ملا کر حلقہ بنایا جائے۔

هذا حديث حسن صحيح اخرجه البخاري و مسلم و النسائيؒ و ابن ماجه.

جود سفیان... الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے تو سند کے اندر چار مبارک عورتوں کا ذکر فرمایا زینت بنت ابی سلمہ عن حبیبہ عن اُم حبیبہ عن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن۔ اوّل دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں اور آخر الذکر دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہیں البتہ معمر نے زہری سے یہ روایت نقل کی تو انہوں نے حبیبہ کا ذکر نہیں کیا تو سفیان کی روایت اجود ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس پر طویل کلام کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْمَارِقَةِ

باب ۲۲: خوارج کا حال

(۲۱۱۴) يَخْرُجُ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاِسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کی عمریں کم ہوں گی اور عقل نہیں ہوگی وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ لفظ ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا وہ سب سے بہترین (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال بیان کریں گے لیکن وہ دین سے یوں باہر نکل جائیں گے جیسے تیر شکار (کے پار) ہو جاتا ہے۔

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ کے آخر میں کچھ لوگ نکلیں گے جو: ① نوعمر ہوں گے احداث الاسنان: حقیقت میں مرکب توصیفی ہے یعنی نئی عمر کے لوگ ہوں گے۔ ② عقل کے اچھے ہوں گے، سفہاء: سفیہ کی جمع ہے: بیوقوف اور احلام: حلم کی جمع ہے: عقل۔ ③ یقرؤن القرآن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ بظاہر بڑے اچھے لب ولہجہ اور تجوید سے قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن اس پر نہ تو ان کا عمل ہوگا اور نہ ہی قرآن ان کے حلق سے نیچے اترے گا بلکہ قرآنی آیات پیش کر کے اپنے غلط عقائد ونظریات کو درست ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

لایجاوز تراقیھم: قرآن پڑھتے ہوں گے جو ان کی ہنسلیوں سے آگے نہیں بڑھے گا، یعنی ان کے دل قرآن کی تعلیمات سے متاثر نہیں ہوں گے۔ الترقوۃ: ہنسلی کی ہڈی، یہ دو ہڈیاں ہوتی ہیں، مجازاً گلا، جمع تراق، بلغت الروح التراقی: دم بلب ہو گیا، قربِ موت سے کنایہ۔

④ **یقولون من قول خیر البریۃ:** وہ مسلمانوں کی بعض باتوں کے قائل ہوں گے، اس میں من تبعیضیہ ہے اور خیر البریۃ سے مسلمان مراد ہیں، سورۃ البینہ آیت 7 میں ایمان والوں کی یہ صفت آئی ہے، یعنی وہ تمام اسلامی عقائد کے قائل نہیں ہوں گے، کچھ باتوں کے قائل ہوں گے، اس جملہ کا یہی مطلب ہے، مگر چونکہ ان کا مشہور قول ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام: ۵۷) تھا

اس لئے شارحین نے ان کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر اس جملہ کی شرح کی ہے چنانچہ وہ اس کی شرح میں مختلف نظر آتے ہیں، حالانکہ اس کا مطلب واضح تھا۔

⑤ یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیة : وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، المارق: (اسم فاعل) دائرۂ مذہب سے نکل جانے والا، تیر کی طرح کسی چیز سے پار ہوجانے والا۔ الرمیة: تیر پھینک کر جو شکار کیا جائے۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے، جمع: رمایا۔

فائدہ: اس حدیث میں تو اس فرقے کے اتنے ہی اوصاف آئے ہیں اور اس فرقہ کی تعیین بھی نہیں کی گئی مگر دیگر احادیث میں اور بھی اوصاف آئے ہیں، بخاری شریف کتاب استتابة المرتدین باب 7 میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں جن میں اس فرقہ کی تعیین ہے کہ یہ فرقہ خوارج کا ہے، جس کا دوسرا نام حروریہ ہے اور یہی مارقة ہے، فی اخر الزمان اس سے خلافت راشدہ کا آخری دور مراد ہے، چنانچہ یہ لوگ 28ھ میں پیدا ہوگئے تھے، پہلے یہ شیعان علی تھے، بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے نکل گئے اور مقام "حروراء" میں پناہ لے لی، اسی وجہ سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔

37 ہجری میں نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا صفایا کیا مگر چونکہ ان کا بقایا موجود ہے اس لئے قیامت تک ان کے اذناب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

خوارج نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی مصالحت پر اعتراض کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ جملہ کہا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام:۵۷) جس کے متعلق مشہور ہے: "کلمة حق وارید بها الباطل" اس کے ساتھ انہوں نے الگ ہوکر مستقل مذہب کی تاسیس کی اور مرتکب کبیرہ کو کافر کہنے لگے، بعد میں مزید غلو کرتے ہوئے بعض مرتکب صغیرہ کو بھی کافر ٹھہرانے لگے اس طرح ان کے بیس فرقے بن گئے۔

جو حضرات ان کی تکفیر کرتے ہیں وہ "یمرقون من الدین" میں دین سے مراد ایمان واسلام لیتے ہیں، ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ "اختلف العلماء قدیماً" (یعنی ان کی تکفیر میں)...... والصحیح انھم کفار، لقومه صلی الله علیه وسلم : یمرقون من الدین، الخ مگر جو حضرات ان کو کافر نہیں کہتے ہیں یعنی احتیاطاً جو کہ جمہور سلف کا مذہب ہے وہ یہاں دین سے مراد اطاعت لیتے ہیں یعنی یہ لوگ خلیفۂ وقت کی طاعت سے ایسے خارج ہوں گے جیسے تیر نشانہ میں داخل ہونے کے بعد فوراً نکل جاتا ہے، یہ تشبیہ ہے کہ یہ لوگ پہلے داخل ہوں گے مگر پھر جلدی ہی نکل جائیں گے اور قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے تجاوز نہیں کرے گا یعنی دل میں داخل نہ ہوگا تاکہ اس کو سمجھیں یا اس پر عمل کریں یا اوپر کی طرف نہیں جائے گا یعنی قبولیت کے لئے نہیں جائے گا کہ مقبول کلمات وعبادات صعود کرتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ (الفاطر:۱۰) خوارج بحیثیت آج موجود نہیں ہیں۔

سند کی بحث: وقد روی فی غیر ھذا الحدیث الی آخرہ میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات بیان کی ہے وہ اوپر فائدہ میں ذکر کی ہے۔ وغیرھم: ای غیر الحروریة یعنی خوارج مراد ہیں، خواہ وہ کسی جگہ کے ہوں کیونکہ مدار عقائد پر ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْاَثَرَةِ

باب ۲۳: ترجیح دینے کا بیان

(۲۱۱۵) اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا وَّلَمْ تَسْتَعْمِلْنِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَی الْحَوْضِ.

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ جس طرح آپ نے فلاں شخص کو سرکاری اہلکار مقرر کیا ہے اور آپ مجھے کیوں نہیں مقرر کرتے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ میرے بعد اپنے ساتھ ترجیحی سلوک دیکھو گے تو صبر سے کام لینا یہاں تک کہ تمہاری ملاقات حوض پر مجھ سے ہو۔

(۲۱۱۶) اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً وَّ اُمُوْرًا تُنْکِرُوْنَهَا قَالَ فَمَا تَاْمُرُنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَدُّوْا اِلَیْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ الَّذِیْ لَکُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں تم لوگ میرے بعد اپنے ساتھ ترجیحی سلوک دیکھو گے اور کچھ ایسے امور دیکھو گے جو تمہیں ناپسند ہوں گے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم ان لوگوں کے حق ادا کرنا اور جو تمہارا حق ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔

تشریح: الاثرة: (مصدر) ترجیح دینا، کسی کو کسی سے مقدم کرنا، یہ بات بھی فتنہ کا سبب بن جاتی ہے، اگر نااہل کو ترجیح دی جائے تب تو بہت بڑا فتنہ ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے: اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة: جب حکومت کا کام کسی نااہل کو سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو، یعنی پھر اتنے فتنے رونما ہوں گے کہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا، اور اگر اہل کو ترجیح دی جائے تب بھی بعض مرتبہ ترجیح واضح نہیں ہوتی، اس لئے کچھ لوگوں کے لئے باعث شکایت ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ سربراہ مملکت کسی طرح اس شخص کی ترجیح لوگوں کے سامنے واضح کرے، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو نوجوان تھے قریب کرتے تھے، مجلس کے اکابر کو اعتراض ہوا تو حضرت نے لوگوں سے پوچھا: بتاؤ سورۃ النصر کے نزول کا کیا مقصد ہے؟ سب نے کہا: اس میں غلبۂ اسلام کی خبر دی گئی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: تم بھی یہی کہتے ہو؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نہیں، اس سورت کے ذریعہ نبی ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی یہی جانتا ہوں، اس واقعہ کے بعد اہل مجلس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی برتری تسلیم کر لی۔

یعنی ولاۃ اور حکمرانوں کے خلاف کارروائی سے اجتناب کرتے رہو اور ان کی اطاعت میں لگے رہو اور اللہ سے سوال کرتے رہو کہ ان کی اصلاح فرمائے یا کوئی متبادل قیادت نیک فرمائیں، یہ بھی ممکن ہے کہ: "واسالوا الله الذی لکم" سے مراد صبر ہو یعنی اللہ سے صبر و استقامت مانگو۔

یہ مسئلہ پیچھے مکرر گزرا ہے کہ حکومت وقت سے باقاعدہ لڑائی اور جنگ سے اجتناب کرنا چاہئے خصوصاً جب کامیابی کا امکان کم ہو

ہاں البتہ اگر خطرہ نہ ہو تو ان کے منکرات کو بزور زبان روکنا چاہئے پھر خطرے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ صرف اپنی حد تک ہو، دوسرا یہ کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہو، پہلی صورت جائز بلکہ عزیمت ہے جبکہ دوم جائز نہیں چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ شرح الخمسین میں لکھتے ہیں:

واما الخروج عليهم بالسيف فيخشى منه الفت...... حينئذ لما فيه من تعدى الاذى الى غيره....الخ. (ص۳۹۲، دار ابن حزم حديث ۳٤)

ہاں البتہ اگر حکمرانوں کے منکرات ایسے ہیں جو رعایا پر لاگو کرنا چاہتے ہیں تو اس میں نہ ان کی اطاعت جائز ہے اور نہ ان کو قبول کیا جاسکتا ہے، غرض لڑائی سے گریز کرتے ہوئے اپنا دامن بچانا لازمی ہے، خواہ اس کے لئے عہدہ چھوڑنا پڑے یا ہجرت کرنا پڑے۔ مگر یہ شرائط آج کل ناممکن نظر آتی ہیں کہ اتنے اسباب جمع کرنا بعید از تصور ہے اور تقویٰ والی جنگ بھی آج نہیں ہو سکتی اور پھر جنگ کے بعد ثمرات ومفادات کی لڑائی بھی تقریباً یقینی ہے۔

فاصبروا حتىٰ تلقونى على الحوض: یعنی تم صبر کرو فتنہ نہ کرو حتیٰ کہ مرنے کے بعد تمہاری مجھ سے ملاقات ہوگی تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے قیامت کے دن میں تم کو انصاف کا ظالمین کے مقابلہ میں اور جب دنیا میں صبر کرو گے اس پر ثواب الگ سے ملے گا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد صحابی کے مطالبہ کا جواب نہیں ہے ممکن ہے کہ اصل جواب کو راوی نے ذکر نہ کیا ہو ای انا لا نستعمل من يسأل الامارة او العمالة بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تلقین وترغیب دی ہو کہ آئندہ ایسا ہوگا کہ امراء تمہارے حقوق ادا نہ کریں تو اس موقع پر صبر کی ضرورت ہے البتہ اب جو میں نے دوسرے عامل بنایا ہے اور تم کو نہیں بنایا یہ اثرۃ میں داخل نہیں ہے کیونکہ شرعی اصول یہ ہے کہ طالب ولایت کو ہم ذمہ دار نہیں بناتے۔

بَابُ مَا اَخْبَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ اَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

باب ۲۴: قیامت تک پیش آنے والی باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتا دیں

(۲۱۱۷) صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمًا صَلَاةَ الْعَصْرِ بِنَهَارٍ ثُمَّ قَامَ خَطِيْبًا فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا اَخْبَرَنَا بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ فَكَانَ فِيْمَا قَالَ اِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ وَاِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ اَلَا وَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ وَكَانَ فِيْمَا قَالَ اَلَا لَا تَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ اَنْ يَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَهٗ قَالَ فَبَكٰى اَبُوْ سَعِيْدٍ فَقَالَ قَدْ وَاللهِ رَاَيْنَا اَشْيَاءَ فَهِبْنَا وَكَانَ فِيْمَا قَالَ اَلَا اِنَّهٗ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهٖ وَلَا غَدْرَةَ اَعْظَمُ مِنْ غَدْرَةِ اِمَامِ عَامَّةٍ يُرْكَزُ لِوَاءُهٗ عِنْدَ اِسْتِهٖ وَكَانَ فِيْمَا حَفِظْنَا يَوْمَئِذٍ اِلَّا اِنَّ بَنِىْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰى طَبَقَاتٍ شَتّٰى فَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيٰى مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ كَافِرًا وَيَحْيٰى كَافِرًا وَيَمُوْتُ كَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيٰى مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ كَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ كَافِرًا وَيَحْيٰى كَافِرًا وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا اَلَا وَاِنَّ مِنْهُمُ الْبَطِيْءُ الْغَضَبِ سَرِيْعُ الْفَيْءِ

وَمِنْهُمْ سَرِيْعُ الْغَضَبِ سَرِيْعُ الْفَيْءِ فَتِلْكَ بِتِلْكَ اَلَا وَاِنَّ مِنْهُمْ سَرِيْعَ الْغَضَبِ بَطِيْءُ الْفَيْءِ اَلَا وَخَيْرُهُمْ بَطِيْءُ الْغَضَبِ سَرِيْعُ الْفَيْءِ اَلَا وَشَرُّهُمْ سَرِيْعُ الْغَضَبِ بَطِيْءُ الْفَيْءِ اَلَا وَاِنَّ مِنْهُمْ حَسَنَ الْقَضَآءِ حَسَنَ الطَّلَبِ وَمِنْهُمْ سَيِّئُ الْقَضَآءِ حَسَنُ الطَّلَبِ وَمِنْهُمْ حَسَنَ الْقَضَآءِ سَيِّئُ الطَّلَبِ فَتِلْكَ بِتِلْكَ اَلَا وَاِنَّ مِنْهُمُ السَّيِّئَ الْقَضَآءِ السَّيِّئَ الطَّلَبِ اَلَا وَخَيْرُهُمُ الْحَسَنَ الْقَضَاءِ الْحَسَنَ الطَّلَبِ اَلَا وَشَرُّهُمْ سَيِّئُ الْقَضَاءِ سَيِّئُ الطَّلَبِ اَلَا وَاِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِي قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ مَا رَاَيْتُمْ اِلٰى حَمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاخِ اَوْدَاجِهِ فَمَنْ اَحَسَّ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ فَلْيَلْصَقْ بِالْاَرْضِ قَالَ وَجَعَلْنَا نَلْتَفِتُ اِلَى الشَّمْسِ هَلْ بَقِيَ مِنْهَا شَيْءٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اِنَّهٗ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهَا اِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَّوْمِكُمْ هٰذَا فِيْمَا مَضٰى مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز کی ابتدائی وقت میں پڑھا دی پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا پھر آپ ﷺ نے قیامت تک واقع ہونے والی کسی چیز کو ترک نہیں کیا آپ نے ہمیں اس کے بارے میں بتا دیا جس نے جو یاد رکھنا تھا وہ رکھا اور جو بھولنا تھا وہ بھول گیا آپ نے اس میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ دنیا سرسبز وشاداب اور میٹھی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں خلیفہ بنایا ہے تاکہ اس بات کو ظاہر کرے کہ تم کیا عمل کرتے ہو خبردار دنیا سے بچے رہنا اور خواتین سے بچتے رہنا اور جو باتیں ارشاد فرمائی اس میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی خبردار کوئی بھی شخص لوگوں کے ڈر کی وجہ سے کوئی حق بات بیان کرنے سے باز نہ آئے۔

راوی بیان کرتے ہیں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے پھر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم ہم نے کچھ چیزیں دیکھی تھیں اور ہم ان سے خوفزدہ ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہر غداری کرنے والے شخص کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا جو اس غداری کے حساب سے ہوگا اور مسلمانوں کے حکمران سے غداری کرنے سے زیادہ اور کوئی غداری نہیں ہے ایسے شخص کا جھنڈا اس کی سرین پر لگا دیا جائے گا۔

اس دن کی جو بات ہم نے یاد رکھی اس میں یہ بھی تھا اولاد آدم کو مختلف طبقات میں پیدا کیا گیا ہے ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو مؤمن پیدا ہوتے ہیں اور مؤمن کے طور پر زندہ رہتے ہیں اور مومن ہونے کی حالت میں مرجاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو کافر پیدا ہوتے ہیں اور کفر کی حالت میں زندہ رہتے ہیں اور کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو مومن پیدا ہوتے ہیں مومن کے طور پر زندہ رہتے ہیں لیکن مرتے وقت کافر ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو کافر پیدا ہوتے ہیں کفر کی حالت میں زندہ رہتے ہیں لیکن مرتے وقت وہ مومن ہوتے ہیں۔

یاد رکھنا ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے اور ٹھنڈا جلدی ہو جاتا ہے اور ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے اور ٹھنڈا بھی جلدی ہو جاتا ہے یہ دونوں برابر ہیں۔

یاد رکھنا ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے اور ٹھنڈا دیر سے ہوتا ہے یاد رکھنا ان میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہو اور ٹھنڈا جلدی ہو جاتا ہو اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ان میں سب سے بُرے لوگ وہ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے اور ٹھنڈا دیر سے ہوتا ہے۔

یاد رکھنا ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اچھے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں اور اچھے طریقے سے طلب کرتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو برے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں لیکن اچھے طریقے سے طلب کرتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اچھے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں لیکن برے طریقے سے مطالبہ کرتے ہیں اور یہ سب برابر ہیں اور یاد رکھنا کہ ان کچھ لوگ ایسے ہیں جو برے طریقے سے ادائیگی کرتے ہیں اور برے طریقے سے طلب کرتے ہیں اور یاد رکھنا ان میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو سب سے بہتر طریقے سے ادائیگی کرتے ہوں اور اچھے طریقے سے طلب کرتے ہوں اور ان میں سب سے برے وہ ہیں جو برے طریقے سے ادائیگی کرتے ہوں اور برے طریقے سے طلب کرتے ہوں۔

یاد رکھنا غصہ ابن آدم کے دل میں موجود ایک انگارہ ہے کیا تم نے اس کے آنکھوں کی سرخی اور رگوں کے پھولنے کو نہیں دیکھا تو جو شخص غصہ محسوس کرے وہ زمین پر لیٹ جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں لوگوں نے سورج کی طرف دیکھنا شروع کر دیا کہ کچھ باقی تو نہیں رہ گیا۔ (یعنی پورا غروب ہو چکا ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گزرے ہوئے زمانے کے مقابلے میں دنیا صرف اتنی باقی رہ گئی ہے جتنے دن گزرے ہوئے دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔

تشریح: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے جس میں آپ نے قیامت تک واقع ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی، (تمام کو بیان فرمایا) اسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور اسے بھول گیا جو بھول گیا، آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: بے شک دنیا بڑی سرسبز و شادادات اور میٹھی ہے۔

ان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعلمون: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے بڑوں کے قائم مقام اور ذمہ دار بنایا ہے اب اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو آیا اس دنیا میں شادابی میں منہمک ہو جاتے ہیں ہو یا اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو مانتے ہو۔

الا فاتقوا الدنیا: عورتوں کے کید و مکر سے بچو کیونکہ قرآن میں ہے ﴿إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ (یوسف:۲۸)

نیز خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے النساء حبالۃ الشیطان نیز ممکن ہے تقدیر عبارت فاتقوا اللہ فی حق النساء یعنی عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ کا خوف کرو ان کے ساتھ زیادتی نہ کرو ان کے حقوق پورے طور پر ادا کئے جائیں مگر ظاہر اول معنی ہیں۔

الا لا تمنعن رجلا ھیبۃ الناس...الخ: یعنی حق بات کہنے اور کرنے سے کسی شخص کو کسی کی عظمت دنیا اور اس کا دبدبہ مانع نہ بنے بلکہ فتنہ سے بچتے ہوئے حق بات کہہ دی جائے تا کہ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے برأت ہو جائے نیز الکلمۃ حق عند السلطان الجائر کو افضل الجہاد بھی قرار دیا گیا ہے جو باعث ثواب ہے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس پر افسوس بھی کر رہے ہیں کہ ہم نے بہت سے امور منکرہ دیکھے ہیں اور ہم ان پر نکیر کرنے سے قاصر رہے غالباً انہوں نے ادنیٰ درجہ یعنی فلیغیرہ بقلبہ پر عمل کیا ہے جو کہ اضعف الایمان ہے تو ان کا افسوس ترک پر نہیں بلکہ ادنیٰ درجہ اختیار کرنے پر ہے۔

الا انہ ینصب لکل غادر لواء یوم القیمۃ بقدر غدرتہ ولا غدرۃ اعظم من غدرۃ امام عامۃ: اس سے

امام المؤمنین کی اطاعت کی ترغیب فرمائی اور اس سے غداری اور بے وفائی پر تنبیہ مقصود ہے کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کی جائے امام سے غداری کا نقصان پورے ملک اورس کے رہنے والوں کو پہنچتا ہے جس سے شوکت اسلام ختم ہوجاتی ہے کفار اس سے فائدہ اٹھائیں گے اس لئے غدر سے منع کردیا گیا ہے البتہ معصیت میں اطاعت واجب نہیں لقوم ﷺ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق: ہاں اتنی بات یادرکھنی چاہئے کہ مباحات کے بارے میں اولوالامر کی جانب سے حکم ہوجائے تو واجب العمل ہوجاتے ہیں۔

یر کزلواء عند استه ...الخ: مجہول پڑھا جائے یعنی جو شخص بغاوت کرے گا قیامت کے دن اس کے سرینوں پر یا مراد حلقہ دبر پر بقدر بغاوت جھنڈا گاڑا جائے گا تحقیراً لہ، تا کہ دور سے لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ شخص امام العامہ کی بغاوت کرنے والا ہے۔

الابنی آدم خلقوا علی طبقات شتئی ...الخ: یعنی انسانوں کو مختلف مراب پر پیدا کیا گیا ہے ان کی تفصیل میں مذکور ہے اور ظاہر ہے ایمان کے اعتبار سے جو درجات بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار اخیر کا ہے انما العبرة بالخواتیم لہٰذا کوئی شخص مؤمن پیدا ہوا اور مؤمن ہی رہا کہ پوری عمر طاعت میں گزاری مگر اخیر کفر پر ہوا تو اس کی پوری زندگی بے کار گئی لہٰذا اپنے اعمال صالحہ پر غرہ وتکبر بھی نہ کرنا چاہئے کیونکہ انجام معلوم نہیں یہ بھی یادرہے جو اقسام روایت میں مذکور ہیں وہاں حصر عقلی نہیں ہے بلکہ تقسیم غالبی ہے دو قسمیں اور بھی محتمل ہیں۔ من یولد مومنا ویحیی کافر او یموت مومنا من یولد کافر او یحیی مومنًا ویموت کافرًا۔

منھم البطیء الغضب سریع الفیء: ان چاروں قسموں میں بطئ الغضب سریع الفئ سب سے بہتر ہے کہ فتنہ سے دوری نقصان سے بچاؤ ہے اور سریع الغضب بطئ الفئ سب سے بری قسم ہے کہ نقصانات اس میں زیادہ ہیں غصہ کی حقیقت اور اس کے اقسام نیز اس کے علاج کا بیان جزء ثانی میں گزر چکا ہے۔

مراد یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اخلاق حمیدہ وذمیمہ دونوں پر ہوتی ہے یعنی مدح وذم کا مدار غلبہ پر ہے اگر صفات حمیدہ کا غلبہ ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم ہے۔ اس طرح لین دین کے اعتبار سے بھی اقسام ہیں کہ ادائیگی وطلب میں اگر اچھا طریق اختیار کیا گیا تو بہتر ہے ورنہ مذموم ہے۔

الا وان الغضب جمراة فی قلب اس حدیث: میں غصے کو انگارے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ غصہ حرارت غریزہ کا اثر ہے جب آدمی خلاف طبع بات سنتا ہے یا خلاف مرضی کوئی چیز دیکھتا ہے تو اس حرارت میں ارتعاش پیدا ہوجاتا ہے اس لئے اس کا علاج پانی سے کیا جاتا ہے خواہ وہ پیئے یا وضوء کرے اور چونکہ کبھی غصہ تکبر کی وجہ سے بھی آتا ہے اس لئے زمین پر لیٹنے سے بھی وہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ زمین میں تواضع وخاکساری ہے اور صحبت کا اثر تو ہوتا ہی ہے اس لئے ان ہر دو طریقوں سے غصہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔

لم یبق من الدنیا فیما مضی منھا الا کما بقی من یومکم ...الخ: یہ یبق کے فاعل سے استثناء ہے سورج چھپنے کے قریب ہوگیا تھا تو لوگوں نے دیکھنا شروع کیا آپ ﷺ نے اس پر بھی مزید یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت بالکل قریب اور جس قدر حصہ دن کا باقی رہ گیا یعنی تھوڑا اور زیادہ گزر چکا ہے پس اس قدر دنیا کا زمانہ ختم ہونے والا ہے لہٰذا قیامت آنے والی ہے اس لئے آخرت کی تیاری کرنا چاہئے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے جو ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ضعیف ہے، مگر امام ترمذی رحمہ اللہ

کے نزدیک صدوق ہے، یہ مسلم شریف اور سنن اربعی کا راوی ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے، پھر باب میں چند صحابہ کا حوالہ ہے وہ سب بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے سامنے وہ تمام باتیں بیان کیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں اور مراد بڑے بڑے واقعات ہیں کیونکہ تمام واقعات کا احاطہ اس مختصر وقت میں ممکن نہیں۔

لغات: فلم یدع: (ودع سے ہے) نہیں چھوڑا۔ مستخلفکم: تمہیں خلیفہ بنانے والا ہے یعنی خلیفہ بنایا ہے۔ هیبة الناس: لوگوں کا خوف اور دہشت۔ غادر، غدار، بے وفا، دھوکہ دینے والا۔ یرکز: (مجہول) گاڑا جائے گا۔ عند استه: اس کی سرین کے پاس۔ فتلك بتلك: یہ اس کے بدلے میں ہے یعنی دونوں برابر ہیں۔ جمرة: (جیم پر زبر) چنگاری۔ انتفاخ: پھول جانا، سوجن۔ اوداج: "ودج" کی جمع ہے، گردن، وہ رگ جسے ذبح کے وقت کاٹا جاتا ہے، اور اس سے دم نکل جاتا ہے۔ فلیلصق: اسے چمٹ جانا چاہئے، مراد لیٹ جانا چاہئے۔ نلتفت: ہم اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی اَهْلِ الشَّامِ

باب ۲۵: اہل شام کی فضیلت

(۲۱۱۸) اِذَا فَسَدَ اَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِي مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ.

ترجمہ: معاویہ بن قرہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب اہل شام میں خرابی آئے گی تو تب تمہارے درمیان کوئی بھلائی نہیں رہے گی میری امت کے ایک گروہ کو ہمیشہ مدد حاصل ہوتی رہے گی اور جو شخص انہیں رسوا کرنے کی کوشش کرے گا وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

تشریح: "منصورین" جن کی من جانب اللہ غیبی مدد کی جاتی رہے گی جس سے ان کے حوصلے بلند رہیں گے اور مکارہ آزمائشوں پر صبر کرتے رہیں گے اس طرح ان کا کام جاری رہے گا اگرچہ حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں۔ قوله "من خذلهم" جو ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں گے اور مدد کرنا بند کر دیں گے جیسا کہ موجودہ حالات میں مشاہدہ عام ہے۔

طائفہ منصورین کا مصداق:

اس سے مراد وہ افراد ہیں جن کو دجال گھیرے ہوئے ہوگا پس عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے ان لوگوں کے پاس اور دجال کو قتل کریں گے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مخصوص افراد بوقت بوقت خروج دجال ہوں گے یا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوں گے اس وقت ایک ہوا چلے گی جو ہر مؤمن کی روح کو قبض کرے گی اور دنیا میں شرار الناس رہ جائیں گے پھر قیامت قائم ہوگی اس وقت دنیا میں کوئی مسلم نہ رہے گا۔

قال محمد بن اسماعیل قال علی بن المدینی هم اصحاب الحدیث: مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علی ابن المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا اس جماعت خاصہ سے مراد اصحاب حدیث ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے جامع میں فرمایا اس سے مراد اہل علم ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل سنت والجماعۃ ہیں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے یہ طائفے متفرق ہوں کہ

بعض ان میں مجاہدین ہوں بعض فقہاء ہوں اور بعض محدثین ہوں اور بعض زہاد ہوں اسی طرح بعض آمرون بالمعروف والناہون عن المنکر ہوں نیز اس طرح دوسرے اہل خیر ہوں یہ ضروری نہیں کہ مجتمع ہوں بلکہ اطراف ارض میں پھیلے ہوئے ہوں۔

اعتراض: حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک ایک جماعت اہل حق کی رہے گی، جو منصور ہوگی جن کی مدد کی جاتی رہے گی، جب کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت اس وقت واقع ہوگی جب روئے زمین پر صرف شریر اور فسادی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض سا ہے؟

جواب ①: ان احادیث میں دو الگ الگ مقامات کا ذکر ہے، ایک علاقے میں شریر قسم کے لوگ ہوں گے، جن کے اعتبار سے قیامت آئے گی، جبکہ دوسرے علاقے یعنی بیت المقدس میں سربکف مجاہد ہوں گے، جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال کریں گے اس لحاظ سے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

② یہ خروج دجال یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تک ہے کہ طائفہ منصورین رہے گا پھر جب حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد ایک مخصوص ہوا چلے گی جس سے اہل ایمان سب کے سب مرجائیں گے، تو اس وقت زمین اہل اسلام سے یکسر خالی ہوجائے گی، صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے، انہی پر بالآخر قیامت قائم ہوگی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو اولیٰ اور بہتر قرار دیا ہے۔

فائدہ: اس قسم کی احادیث میں قیامت تک کے الفاظ کا مطلب تا قیامت نہیں لینا چاہئے بلکہ قیامت کا قرب لینا چاہئے یعنی وہ وقت جس کے بعد دوبارہ اصلاح نہ ہوگی بلکہ یہ ارضی کشتی ڈوب ہی جائے گی۔ یہ حدیث مجمل ہے اور ابوداؤد (حدیث 2483) میں ابن حوالہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کا معاملہ یہاں تک پہنچے گا کہ لوگ مختلف لشکر بن جائیں گے، ایک لشکر شام میں ہوگا، دوسرا یمن میں، تیسرا عراق میں، ابن حوالہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے انتخاب فرمائیں، اگر میں وہ وقت پاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیك بالشام: تم شام چلے جانا کیونکہ شام اللہ کی بہترین زمین ہوگی اور اس کی طرف اللہ کے بہترین بندے سمٹ جائیں گے...... پہلی حدیث میں شام والوں کے بگاڑ کا تذکرہ ہے اور اس حدیث میں اس کی خوبی کا ذکر اور دونوں باتیں احوال کے تابع ہیں، احوال اچھے ہوں تو وہ بہترین جگہ اور فتنے سر ابھاریں تو وہاں جانا مناسب نہیں۔

بَابُ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

باب ۲۶: میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں

(۲۱۱۹) لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد زمانہ کفر کی طرح ایک دوسرے کو قتل کرنا نہ شروع کردینا۔

تشریح: حجۃ الوداع کا ایک حکم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ میری وفات کے بعد یا میدان عرفات سے جانے کے

بعد دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔

"کفارًا" سے کیا مراد ہے؟

اس میں دو قول ہیں: ① اگر اس سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہوں کہ آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو پھر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کے قتل کو حلال اور جائز نہ سمجھنا کہ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

② یا مراد یہ کہ کافروں والے کام نہ کرو اور قتل وقتال میں ان سے مشابہت اختیار نہ کرو۔

لغات: "لاترجعوا" بمعنی لاتصیروا کے ہے اور بعدی یعنی میری وفات کے بعد۔ کفارًا یعنی کالکفار یا ایک دوسرے کی تکفیر مت کرو کیونکہ اس سے تم ایک دوسرے سے قتال میں پڑ جاؤ گے "وقیل المراد کفران النعمة" (کذا فی حاشیۃ البخاری جلد اوّل ص: 234) یضرب کو مجزوم پڑھنا بھی جائز ہے کہ جواب نہی ہے یا باء اوّل ثانی میں مدغم ہے اور رفع بھی جائز ہے کہ جملہ محل صفت میں واقع ہے یا جملہ بدن عن الجملہ ہے۔ (کذا فی العارضۃ) غرض یضرب یا حال وغیرہ بن کر ماقبل سے متعلق ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّهُ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ

باب ۲۷: جب فتنے سر ابھاریں تو جوان میں کم سے کم حصہ لے وہ بہتر ہے

(۲۱۲۰) اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَشْهَدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِىْ وَالْمَاشِىْ خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِىْ قَالَ اَفَرَاَيْتَ اِنْ دَخَلَ عَلَىَّ بَيْتِىْ وَبَسَطَ يَدَهُ اِلَىَّ لِيَقْتُلَنِىْ قَالَ كُنْ كَابْنِ اٰدَمَ.

تَرجَمہ: حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فتنے کے زمانے میں یہ بات ارشاد فرمائی میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات گواہی دے کر کہتا ہوں آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے عنقریب ایسا فتنہ آئے گا کہ بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا شخص دوڑنے سے بہتر ہوگا۔ انہوں نے عرض کی آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ شخص میرے گھر آ جائے اور اپنا وہ ہاتھ مجھے قتل کرنے کے لیے بڑھائے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم آدم کے بیٹے کی مانند ہو جانا جو (اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا)۔

تشریح: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتنہ رونما ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "عنقریب فتنہ رونما ہوگا، اس میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر فتنہ پرداز میرے گھر میں آئے اور میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ مجھے قتل کرے (تو میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: کن کابن آدم: تم حضرت آدم علیہ السلام کے بہترین لڑکے (ہابیل) کی طرح ہو جانا۔

روایت کا مطلب: آپ ﷺ نے ہونے والے فتنہ کے بارے میں خبر دی جو شخص اس فتنہ کے وقت اپنی جگہ بیٹھا رہا اور فتنہ میں شریک نہ ہو وہ بہتر ہوگا اس سے جو کھڑا ہوتا کہ فتنہ کرے مگر متردد ہو گیا ڈر کی وجہ سے اور ایسا شخص اس سے بہتر ہے جو فتنہ کی طرف چل پڑا اور یہ شخص اس سے بہتر ہے جو فتنہ کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ علامہ داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بیٹھ کر فتنہ کر رہا ہے وہ قائم سے بہتر ہے اور کھڑے ہو کر فتنہ کرنے والا اس سے بہتر ہے جو چل کر فتنہ کرے اور چلنے والا بہتر ہے دوڑ کر فتنہ کرنے والے سے مراد یہ ہے کہ ایسا فتنہ عام ہوگا کہ اس وقت ہر شخص فتنہ میں مبتلا ہوگا جس کا فساد جس قدر کم ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں بہتر ہوگا۔ ان دخل علی بیتی: علی بتشدید الیاء یہ دخل یدخل بفتح الخاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی فساد برپا کرنے کے لئے داخل ہونا کابن آدم مراد ہابیل ہے: لانہ قال لئن بسطت الی یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك.

حدیث کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ شر و فساد میں جس کا حصہ جتنا کم ہوگا وہ اس شخص کی بنسبت افضل ہوگا جو اس میں زیادہ سرگرم ہو کیونکہ ثواب وعقاب بقدر اعمال ہوتے ہیں علی ہذا ان سب لوگوں کو شریک تصور کیا جائے گا مگر قاعد کا حصہ قائم سے کم اور قائم کا ماشی سے کم اور ساعی سب سے زیادہ ہے۔

دوسرا مطلب: جو کہ اظہر ہے، یہ ہے کہ فتنے سے جو شخص جتنا دور ہوگا وہ اتنا ہی محفوظ ہوگا پس قاعد تو اس لئے بہتر ہے کہ وہ بالکل لاتعلق ہے جبکہ قائم سے مراد تماشا دیکھنے والا ہے اور یہ بھی ایک گونہ شرکت ہے تو جس طرح گناہ کرنا جرم ہے اسی طرح گناہ کرنے والوں کا تماشا دیکھنا بھی حسب گناہ جرم وقبیح ہے جبکہ گناہ و فتنے کی طرف آہستہ و پیدل چلنے والا دوڑ کر شامل ہونے والے سے افضل ہے کہ دوڑنے والا زیادہ سرگرم ہے۔

اعتراض: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر فتنہ گھر کے اندر داخل ہو جائے تب بھی آدمی کو اپنا دفاع نہیں کرنا چاہئے بلکہ حضرت ہابیل کی طرح عزیمت پر عمل کرتا ہوا جام شہادت خاموشی سے نوش کر لینا چاہئے جبکہ بعض روایات (مسند احمد ص ۷۷ ج ، حدیث ۱۶۵۲۶) اور فقہاء کی عبارات سے اپنے دفاع کا حق ثابت ہے بظاہر یہ تعارض ہے۔

جواب: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب الدری میں یوں دیا ہے کہ اگر اپنے دفاع میں کسی بڑے فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر دفاع کرے اور اگر خطرہ ہو تو پھر دفاع کئے بغیر خوشی سے یا ناخوشی سے موت کو گلے لگا لے، لہٰذا دفاع کے جواز کی روایات عدم فتنے کی صورت پر محمول ہیں جبکہ باب کی روایت فتنے کے برپا ہونے کے اندیشے پر، مثلاً اگر آدمی سمجھتا ہے کہ اگر میں اپنے دفاع میں گولی چلاؤں تو حملہ آور میرے گھر کو بارود سے اڑا دیں گے جس سے میرے علاوہ اہل خانہ بھی نشانہ بن جائیں گے یا مجھے قتل کر کے گھر والوں کو قیدی بنا لیں گے اس طرح ان کی ایذاء و آبروریزی کا سبب میں بن جاؤں گا تو پھر کوئی مزاحمت نہ کرے، غرض اھون البلیتین کو اختیار کر لینا چاہئے۔ واللہ اعلم اتم

فتنہ کے وقت قتال کا حکم:

اس میں اختلاف ہے کہ فتنہ کے زمانے میں اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں قتل وقتال شروع کر دیں تو ان کا ساتھ دیا جائے یا کنارہ کشی اختیار کی جائے؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

① حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے فتنہ میں کسی کا ساتھ نہ دیا جائے، اگر وہ فتنہ اس کے گھر میں داخل ہو

جائے اس وقت بھی بطور دفاع کے قتل وقتال درست نہیں۔

② عبداللہ بن عمر اور عمران بن حصین رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک قتال میں ابتداء شرکت تو جائز نہیں لیکن دفاع کے طور پر قتل وقتال درست ہے، گویا ان دونوں حضرات کے نزدیک فتنہ میں داخل ہونا جائز نہیں البتہ اپنے دفاع میں قتال کیا جاسکتا ہے۔

③ جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک فتنہ کے زمانے میں بھی حق کا ساتھ دینا چاہئے اور باغیوں کے خلاف برسر پیکار ہونا چاہئے کیونکہ اگر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جاء تو فتنہ مزید پھیل جائے گا، اس کی سرکوبی کرنا ضروری ہے، قرآن کہتا ہے: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الحجرات:۹) یہ صحیح قول ہے۔

جمہور کے نزدیک حدیث باب اس صورت پر محمول ہے جس میں حق کسی جانب واضح نہ ہو یا یہ کہ دونوں جماعتیں شرعی اعتبار سے ظالم ہوں، حق پر نہ ہوں، ایسی صورت میں کسی جماعت کا ساتھ دینا جائز نہیں بلکہ کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

(فتح الباری ۳۸/ ۱۳ کتاب الفتن باب تکون فتنۃ القاعد......)

سند کی بحث: یہ حدیث ابوداؤد (حدیث 4257) میں بھی اس بُسر بن سعید اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے درمیان حسین بن عبدالرحمن اشجعی کا واسطہ ہے، اور مسند احمد (1:185) میں ترمذی ہی کی سند ہے، پس صحیح یہی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

باب ۲۸: عنقریب شب تار کے ٹکڑوں جیسے فتنہ ہوں گے!

(۲۱۲۱) بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا وَّيُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَّيُصْبِحُ كَافِرًا يَّبِيْعُ اَحَدُهُمْ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نیک اعمال میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنہ آجائے جس میں آدمی صبح کے وقت مؤمن ہوگا اور شام کے وقت کافر ہوگا اور جو شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا کوئی شخص دنیا کے تھوڑے سے سامان کے عوض میں اپنے ایمان کو فروخت کر دے گا۔

(۲۱۲۲) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَيْقَظَ لَيْلَةً فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ مَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ مَنْ يُّوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا يَارُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے نازل ہوئے ہیں اور آج رات کتنے خزانے نازل ہوئے ہیں کون ہے جو حجروں میں رہنے والیوں کو بیدار کرے دنیا میں لباس پہننے والی کتنی ہی عورتیں آخر میں برہنہ ہوں گی۔

(۲۱۲۳) تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا وَّيُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَّيُصْبِحُ كَافِرًا يَّبِيعُ أَقْوَامٌ دِينَهُمْ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت سے پہلے کچھ ایسے فتنے ہوں گے جو تاریک رات کے ٹکڑے کی طرح ہوں گے ان میں آدمی صبح کے وقت مومن ہوگا تو شام کے وقت کافر ہو چکا ہوگا اور جو شام کے وقت مومن ہوگا تو صبح کے وقت کافر ہو چکا ہوگا لوگ دنیا ساز و سامان کے عوض میں اپنا دین فروخت کر دیں گے۔

(۱۲۵۲) قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَرَجُلٌ سَأَلَهُ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَمْنَعُونَا حَقَّنَا وَيَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ.

ترجمہ: علقمہ بن وائل اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ایک شخص نے آپ سے سوال کیا وہ بولا آپ کا کیا خیال ہے اگر ہم پر ایسے حکمران مقرر ہو جائیں جو ہمارا حق ادا نہ کریں اور ہم سے اپنے حق کا تقاضا کریں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا کیونکہ ان کا فرض ان کے ذمے اور تمہارا فرض تمہارے ذمے ہے۔

تشریح: کقطع اللیل المظلم: بکسر القاف و فتح الطاء جمع قطعۃ بمعنی ٹکڑا اس کا مطلب یہ ہے کہ اندھیری رات میں جس طرح کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ایسے فتنے ہوں گے کہ ان میں اصلاح و فساد واضح نہ ہو سکے گا اور سبب بھی مخفی ہوگا اور خلاصی کی صورت بھی نہ ہوگی۔ لہٰذا تم ان فتنوں کے آنے سے پہلے پہلے اعمال صالحہ کرو کیونکہ فتنوں کے زمانہ میں اعمال کا موقع نہیں ملے گا۔

مومنًا: یا تو اصل ایمان مراد ہے یا کمال ایمان۔ کافرًا علی الحقیقۃ یا کافر نعمت یا مشابہ بالکفار مراد ہے حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ فتنوں کا ایسا زمانہ ہوگا کہ صبح کو کسی شے کو حلال سمجھے گا اور شام کو حرام و بالعکس کما قالہ الترمذی فی ہذا الباب۔

یبیع احدھم دینه بعرض من الدنیا: مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اوّل: مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان محض عصبیت اور غضب کے نام پر قتال ہوگا اور وہ جان ایک دوسرے سے چھین لینے کا جائز سمجھیں گے۔

دوم: اس کا مطلب یہ ہے کہ امراء ظالم ہوں گے مسلمانوں کا خون بہائیں گے اور ان کے اموال کا ظلماً حاصل کریں گے شراب پئیں گے زنا کریں گے اور ان کے معتقدین ان کو حق پر سمجھیں گے نیز علماء سوء بھی جواز کے فتاوی صادر کریں گے۔

سوم: لوگ خلاف شرع معاملات کریں گے اور اس کو حلال سمجھیں گے جیسا کہ عموماً آج کل ایسا ہوتا ہے۔

لغات: اسیقظ لیلة: بخاری میں فزعاً کا اضافہ بھی ہے۔ سبحان اللہ! قال تعجبًا و استعظامًا۔ ماذا انزل: ما استفہامیہ تعجب اور تعظیم کے معنی کو متضمن ہے۔ انزل: مجہول یا تو اس سے مراد اللہ کا ملائکہ کو حکم دینا ہے یا مراد اللہ تعالیٰ کا وحی کرنا ہے بحالت نوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وحی کی گئی کہ آئندہ عالم میں فتنے ہوں گے۔ خزائن: سے مراد اللہ کی رحمتیں اور فتن سے مراد اللہ کے عذاب ہیں۔ من یوقظ: استفہام ای ہل احد یوقظ۔ صواحب الحجرات: اس سے مراد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں چونکہ

ازواج حاضر تھیں اس لئے ان کی تخصیص فرمائی یا ابداء بنفسك ثم بمن تعول پر عمل فرمایا ہے۔ یارب کاسیة: رب برائے تکثیر ہے اور منادی محذوف ہے یا سامعین۔ عارية: یا تو یہ مجرور ہے عطفًا علی کاسیة قال عیاض الاکثر علیه یا خبر مبتداء محذوف کی ای هی عارية۔

يَارُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْاٰخِرَةِ۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کاسیہ اور عاریہ کے مطالب میں متعدد اقوال ہیں:

الاوّل: رب كاسية فی الدنيا بالثياب لوجود الغنى عارية فی الاخرة من الثواب لعدم العمل فی الدنيا.

"بہت ساری دنیا میں کپڑا پہننے والی عورتیں آخرت میں ثواب سے ننگی (خالی) ہوں گی کیوں کہ دنیا میں اعمال نہیں کئے۔"

الثانی: كاسية بالثياب لكنها شفافة لاتستر عورتها فتعاقب فی الآخرة بالعری جزاءً علی ذالك.

"کپڑے پہننے والیں لیکن اتنے باریک ہوں گے جس سے بدن نہیں چھپے گا آخرت میں ننگا ہونے کا عذاب اس کے بدلے میں ہوگا۔"

الثالث: كاسية من نعم الله عارية من الشكر الذی تظهر ثمرته فی الآخرة بالثواب.

"اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال لیکن شکر سے خالی ہوں گی جس کا ثمرہ آخرت میں ظاہر ہوگا۔"

الرابع: كاسية جسدها لكنها تشد خمارها من ورائها فيبدو صدرها فتصير عارية فتعاقب فی الآخرة.

"اپنے جسم کو تو ڈھانپتی ہیں لیکن دوپٹے کو پیچھے سے باندھ لیتی ہیں جس کی وجہ سے اُن کا سینہ ظاہر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ننگی ہو جاتی ہیں آخرت میں عذاب ملے گا۔"

الخامس: كاسية من خلعة الزوج بالرجل الصالح عارية فی لآخرة من العمل فلا ينفعها صلاح زوجها كما قال تعالىٰ فلا انساب بينهم ذكر هذا الاخير الطيبی ورجحه.

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں اشارہ ہے کہ خزائن واموال کی کثرت موجب فتنہ ہے کہ اولاً تنافس پھر تحاسد

يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَّيُمْسِي كَافِرًا: اس سے کیا مراد ہے، کیا واقعتاً وہ کافر ہو جاتا ہے، اس میں کئی احتمال ہیں:

① بعض کے نزدیک وہ حقیقتاً کافر ہو جائے گا اور وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

② بعض کے کہتے ہیں اس میں کفران نعمت یعنی ناشکری مراد ہے۔

③ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کافروں کے مشابہ ہو جائے گا یا اس کا یہ عمل کفارہ کی طرح ہوگا۔

④ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی صبح کو اپنے بھائی کی جان و مال اور عزت و آبرو کو حرام سمجھے گا مگر شام کو حلال اور اس ک برعکس، غرض یہ کہ انسان کے قائد ونظریات بہت جلدی جلدی تبدیل ہوں گے۔

صواحب الحجرات سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں، ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اس وقت وہی حاضر تھیں یا اس وجہ سے کہ اپنے بعد اپنے اہل ع عیال کی دینی زندگی کی فکر کرنے کا حکم ہے۔ نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے زمانے میں دعاؤں کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔

فانما عليهم ما حملوا...... علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں جار مجرور یعنی علیهم کو مقدم کر کے کلام میں حصر اور تاکید

کرنا مقصود ہے کہ حکمرانوں پر وہی کچھ لازم ہے جس کے وہ مکلف ہیں اگر وہ اس مین کوتاہی کریں گے گنہگار ہوں گے، ایسے ہی رعایا پر جائز امور میں ان کی اطاعت واجب ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ماخوذ ہوں گے۔

(تحفۃ الاحوذی 6/442 قدیمی کراچی)

مذاہب فقہاء: یہ ہے کہ اگر حکمران فاسق ہو جائے ① حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ معزول یعنی برطرف ہو جاتا ہے۔

② احناف کے نزدیک وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسے معزول کر دیا جائے، ایسے حالات میں اگر کوئی شخص امام کی اطاعت سے روگردانی کر دے تو بظاہر اسے بغاوت نہیں کہنا چاہئے بلکہ اسے اس اقدام پر اجر وثواب ملنا چاہئے؟ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی صورتحال میں بھی اسمعوا کا حکم دیا ہے کہ جائز امور میں حاکم کی اطاعت کی جائے، علم بغاوت نہ بلند کیا جائے کیونکہ چھوٹی جماعت اگر حکومت کے خلاف آواز اٹھائے گی تو وہ حکومت کے ساتھ مقابلہ کرنے سے تو رہی، لیکن اس کی وجہ سے طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جائیں گے اور نہ جانے کتنے ہی لوگ مارے جائیں گے جیسا کہ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے افسوسناک واقعات اس پر شاہد ہیں ہمارے اس دور میں بھی کئی سارے واقعات اسی قسم کے پیش آئے ہیں جن میں بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوا ہے اس لئے فتنوں کے دور میں کنارہ کش ہو کر زندگی گزارنا چاہئے تاکہ کسی اقدام سے اسلام اور اہل اسلام کی شان وشوکت کو نقصان نہ پہنچے۔ (الکوکب الدری 3/140)

تجربہ سب نے دیکھا کہ حکومت پاکستان کے ہاتھوں بے شمار لوگ لقمہ اجل بن گئے یا غائب ہو گئے یا فروخت کئے گئے، بنا بریں جب تک کفر بواح نہ ہو تو صبر کا دامن تھامنا ہی عقلمندی ہے تاکہ یہ مقولہ صادق نہ آئے "کمن بنا قصرا و هدم مصرا" مزید تفصیل پہلے گزری ہے۔

عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ: اس دنیا میں ہر شخص کے حقوق وفرائض ہیں: فرائض ادا کرنے ہیں اور حقوق مانگنے ہیں لیکن لوگ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں اور حقوق طلبی میں چست ہوتے ہیں، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے، اول فرائض ادا کرنے چاہئیں، پھر حقوق کی خواہش کرنی چاہئے، جیسے ماں باپ پر، استاذ پر، حاکم پر، شوہر پر، اولاد کے، طلبہ کے، پبلک کے اور بیوی کے حقوق ہیں ان کے پہلے ادا کرنا چاہئے کیونکہ یہ فرض منصبی ہے، پھر اپنے حقوق کی خواہش کرنی چاہئے مگر لوگ فرائض تو ادا کرتے نہیں اور حقوق کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات سمجھائی ہے کہ اگر حکام اپنی ذمہ داری پوری نہ کریں اور حقوق کا مطالبہ کریں تو تمہیں اپنی ذمہ داری پہلے پوری کرنی چاہئے، ان کی بات سننی چاہئے اور ان کا حکم ماننا چاہئے، پھر اگر وہ تمہارے حقوق ادا نہیں کریں گے تو وہ خود ماخوذ ہوں گے اور تم سبک دوش رہو گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهَرَجِ

باب ۲۹: قتل کی گرم بازاری

(۲۱۲۶) إِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ اَيَّامًا يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا الْهَرْجُ قَالَ الْقَتْلُ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بعد ایسا زمانہ آئے گا جس میں علم کو اٹھالیا جائے گا اور اس میں ہرج بکثرت ہوگا لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ہرج کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل (وغارت گری)۔

تشریح: علم اٹھالئے جانے کا مطلب: یہ ہے کہ علم کی گرم بازاری ختم ہوجائے گی، لوگ فتنوں میں پڑ جائیں گے اور فتنے بڑھ کر بلوہ کی شکل اختیار کرلیں گے، پس جو شخص آنے والے ان حالات سے واقف ہوگا وہ ان میں کم حصہ لے گا، وہ اپنے کام میں مشغول رہے گا، آج کل فتنوں کا دور ہے، اخبار اور ریڈیو وغیرہ اس کثرت سے سیاسی باتیں پھیلاتے ہیں کہ ہمارے طلبہ بھی ان میں دلچسپی لینے لگتے ہیں اور ان کی علمی محنت ماند پڑ جاتی ہے، طلبۂ عزیز کو چاہئے کہ ان امور کی طرف قطعاً التفات نہ کریں، تاکہ ان کی علمی زندگی برباد نہ ہو۔

اور علم کو اٹھالیا جائے گا: یرفع العلم کے معنی یہ ہیں کہ اہل علم سے اس علم پر عمل اٹھالیا جائے گا یعنی وہ علم ان کے لئے نافع نہیں رہے گا۔

(۲۱۲۷) اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَالْهِجْرَةِ إِلَيَّ.

ترجمہ: معلیٰ بن زیاد نے اس روایت کو معاویہ بن قرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اسے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں ہرج کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف سے ہجرت کرنے کی مانند ہوگا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے وہاں سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آنے والے کو جو اجر وثواب ملتا تھا اسی طرح فتنہ وفساد اور قتل وخونریزی کے زمانے میں عبادت کرنے پر بھی اجر وثواب ملتا ہے، کیونکہ عموماً ایسے حالات میں بہت سے لوگ عبادت سے غافل اور طرح طرح کی الجھنوں میں پھنس جاتے ہیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمانہ میں عبادت کرنا فضیلت کا باعث ہے۔

العبادۃ فی الھرج کھجرۃ الی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اس تشبیہ کی وجہ بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ پہلے لوگ دین کی حفاظت کی خاطر ہجرت کرکے دارالکفر سے دارالایمان کی طرف جاتے تھے مگر جب فتنے ہوں (یعنی کوئی جگہ محفوظ نہ رہے) تو اس وقت تحفظ دین کی خاطر لوگوں سے الگ ہوکر عبادت کرنا متعین ہوجاتی ہے جو ہجرت کی ایک قسم ہے، سند میں ''ردہ'' بمعنی نسبہ ہے یعنی اسس کو منسوب کیا۔ کیونکہ ہر گناہ کا یہ ضابطہ ہے کہ آدمی جب تک اس سے دور رہتا ہے تو اس کی شناعت، برائی اور ہولناکی وبدانجامی کا تصور ذہن پر غالب رہتا ہے، مگر ایک دو دفعہ اس کے ارتکاب سے اس کا خوف ختم ہوجاتا ہے اور وہ عام معمولات زندگی کی طرف زندگی کا ایک حصہ بن جاتا ہے علی ہذا جب قتل کا اقدام کیا جاتا ہے تو اس کے بعد اس علاقے یا قوم میں قتل فروغ پاتا ہے۔ والعیاذ باللہ

(۲۱۲۸) إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو وہ تلوار قیامت تک ان سے اٹھائی نہیں جائے گی (یعنی قیامت تک ان میں قتل وغارت گری ہوتی رہے گی)۔

تشریح: ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ یہ امت قتل عام غارت گیری سے معصوم ومامون تھی مگر جب اس کے امام حضرت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کوشہید کردیا گیا تو فتنوں کا بند دروازہ کھول دیا گیا: "وقد قال لهم عبدالله بن سلام: لا تسلوا سيف الفتنة المغمود عنكم."

ایسی صورت حال میں جب اصلاح ممکن نہ ہو کیا کرنا چاہئے اس کو اگلی حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

"العبادة في الهرج كهجرة الى" (رواہ مسلم ص:406، ج2) (حسن صحیح)

"فتنوں میں عبادت ایسی ہی ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔"

جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی یعنی تلوار نکل آئے گی تو پھر قیامت تک امت سے اٹھائی نہیں جائے گی، یعنی پھر فتنے آتے ہی رہیں گے، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا شروع ہوجائے گا اور یہی ہرج مرج ہے۔

سند کی بحث: ردی الی: رفع حدیث کا نیا انداز ہے یعنی معلّی نے حدیث کو لوٹایا معاویہ کی طرف ای روی عنہ۔ جب تلوار میان سے نکل آتی ہے تو واپس نہیں جاتی۔

لغات: قولہ "الهرج" اس کی تفسیر و مراد وہی ہے جو خود ہی حدیث میں آئی ہے یعنی باہمی قتل و قتال، تاہم بعض روایات میں ہرج کا اطلاق فسق و فجور پر بھی ہوا ہے جیسا کہ ترمذی "باب ماجاء فی فتنة الدجال" کی ایک لمبی حدیث کے ضمن میں آرہا ہے:

"ويبقى سائر الناس يتهارجون كما يتهارج الحمر فعليهم تقوم الساعة" (ص:49)

غرض لغت میں اضطراب کو کہتے ہیں قتل اس کا کامل فرد ہے، حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ اگر بارہ ائمہ سے مراد قوت اسلام کا زمانہ لیا جائے تو پھر مطلب یہ ہے کہ اسلام کی قوت و شوکت کی کمزوری کی صورت میں باہمی قتل و قتال عام ہوجائے گا:

فعلى هذا التاويل يكون المراد بقوله ... ثم يكون الهرج يعني القتل الناشي عن الفتن وقوعًا ناشيًا ويستمر ويزداد وكذا كان.

اور اگر بارہ ائمہ سے مراد نفس اسلام کے پھیلے ہوئے زمانے پر منقسم دور لیا جائے تو "على هذا فالمراد بقوله "ثم يكون الهرج" اى الفتن المؤذنة بقيام الساعة من الخروج الدجال وما بعده" انتهى اى كلام ابن حجر۔ (تاریخ الخلفاء ص:9، ص:10)۔... لفظ وراء: اضداد میں سے ہے، پیچھے اور آگے دونوں معنی ہوتے ہیں، یہاں آگے کے معنی ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی اِتِّخَاذِ السَّیْفِ مِنْ خَشَبٍ

باب ۳۰: لکڑی کی تلوار بنانے کے بارے میں

(۲۱۲۹) قَالَتْ جَآءَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِلٰی اَبِیْ فَدَعَاهُ اِلَی الْخُرُوْجِ مَعَهٗ فَقَالَ لَهٗ اَبِیْ اِنَّ خَلِیْلِیْ وَابْنَ عَمِّكَ عَهِدَ اِلَیَّ اِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ اَنْ اَتَّخِذَ سَیْفًا مِّنْ خَشَبٍ فَقَدِ اتَّخَذْتُهٗ فَاِنْ شِئْتَ خَرَجْتُ بِهٖ مَعَكَ قَالَتْ فَتَرَكَهٗ.

ترجمہ: عدیسہ بیان کرتی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب میرے والد کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ نکلنے کی دعوت دی تو میرے والد نے ان سے کہا میرے دوست اور آپ کے چچازاد (یعنی نبی اکرم ﷺ) نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا جب لوگوں کے درمیان

اختلاف ہوگا تو میں لکڑی سے تلوار بنالوں گا وہ میں نے بنالی ہے اگر آپ چاہیں تو میں وہ لے کر آپ کے ساتھ نکل پڑتا ہوں۔
عدیسہ نامی خاتون بیان کرتی ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ترک کر دیا۔

(۲۱۳۰) اَنَّهُ قَالَ فِي الْفِتْنَةِ كَسِّرُوْا فِيْهَا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوْا فِيْهَا اَوْتَارَكُمْ وَالْزَمُوْا فِيْهَا اَجْوَافَ بُيُوْتِكُمْ وَكُوْنُوْا كَابْنِ اٰدَمَ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فتنے کے زمانے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں تم کمانوں کو توڑ دینا اپنی تانتوں کو کاٹ دینا اور اپنے گھروں کے اندر بند ہو کر رہنا اور آدم (علیہ السلام) کے بیٹے کی مانند ہو جانا (جس نے اپنے بھائی پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا)۔

تشریح: لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم:

باب کی پہلی روایت میں ہے کہ صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے لکڑی کی تلوار بنوائی تھی تا کہ کسی کے ساتھ قتال نہ کرنا پڑے کیونکہ لکڑی کی تلوار بنانے سے مراد ترک قتال ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بلانے کے وقت انہوں نے یہ حدیث سنادی اور بتایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں لکڑی کی تلوار بنوالی ہے، آپ چاہیں تو آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں مگر میرا جانا بے فائدہ ہوگا اس لئے کہ لکڑی کی تلوار سے قتال نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ حضرت علی انہیں پھر نہیں لے گئے۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ فتنے سے گریزاں رہو بایں صورت کہ اپنے گھروں کے اندر ہی رہو کہ وہی نسبتاً سب سے محفوظ جگہ ہے اور اگر کوئی شخص آپ پر ہاتھ اٹھائے تو تم بجائے دفاع و مزاحمت کے ہابیل کی مانند عزیمت پر عمل پیرا رہو، کیونکہ مظلوم بننا آسان اور محفوظ ترین راستہ ہے، عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ بعض شامی لوگ یوم الحرہ میں ایک غار میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں گھس گئے اور ان سے کہا کہ نکلو تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنی تلوار ان کی طرف پھینکتے ہوئے نکلے، پھر اس شخص نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم ابوسعید ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" تو وہ شخص ان کے قتل سے رک گیا۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن فتنوں کی پیش گوئی فرمائی تھی وہ آج اسی رنگ میں سامنے آ گئے اور اسلامی دنیا میں وقفے وقفے سے یا باری باری مسلسل گردش کرتے رہتے ہیں، سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول یا قومیت و عصبیت کی خاطر قتل و قتال کو تو عبادت سمجھا جاتا ہے، ایسے میں اپنا دفاع کیسے ممکن ہے نہ دشمن کا تعین ہوسکتا ہے جس سے بچا جائے اور نہ ہی وضاحت کرنے کا موقع ملتا ہے، اس لئے چاہئے کہ ہم ہر وقت توبہ تائب میں رہیں، عبادت میں سرگرم رہیں اور موت کے لئے تیار رہیں تا کہ ناگہانی موت، گناہ میں نہ آئے۔

دوسری روایت میں جنگ و جدل اور فتنوں کے موقع پر یکسو رہنے کی ترغیب دی گئی ہے تا کہ فتنوں سے محفوظ رہا جاسکے۔ (تحفۃ الاحوذی 6/446)

لغات: "فی الفتنة" ای فی ایامها وزمنها، یہ اگلے افعال کے لئے ظرف ہے۔ "کسروا" تکسیر سے ہے یعنی توڑ دو۔ قوله "قسیکم" قسی بکسر القاف والسین وتشدید الیاء، قوس کی جمع ہے بمعنی کمان کے۔ قوله "وقطعوا" یہ بھی تفعیل سے ہے، دونوں صیغے مبالغے کے لئے ہیں یعنی ضرور توڑو اور ضرور کاٹو یا مطلب یہ ہے کہ ریزہ ریزہ۔ "اوتارکم" وتر کی جمع ہے، کمان کے تانت کو کہتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی اَشْرَاطِ السَّاعَةِ

باب ۳۱: علامات قیامت کا بیان (پہلا باب)

(۲۱۳۱) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَفْشُوَا الزِّنَا وَتُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَاَةٍ قَيِّمٌ وَّاحِدٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں تمہیں ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی سنی ہے میرے بعد کوئی بھی تمہیں یہ حدیث نہیں سنا سکے گا جس نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ حدیث سنی ہو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے قیامت کی علامات میں یہ بات شامل ہے علم کو اٹھا لیا جائے گا جہالت ظاہر ہو جائے گی زنا عام ہو جائے گا شراب پی جائے گی خواتین زیادہ ہو جائیں گی مرد کم رہ جائیں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک مرد ہوگا۔

(۲۱۳۲) قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَالَّذِيْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: زبیر بن عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے ان کی خدمت میں حجاج کی طرف سے کی جانے والے زیادتیوں کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا ہر سال کے بعد آنے والا سال اس سے زیادہ برا ہوگا یہاں تک کہ تم لوگ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ گے میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ کی زبانی سنی ہے۔

(۲۱۳۳) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اللهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔

(۲۱۳۴) تَقِيْءُ الْاَرْضُ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا اَمْثَالَ الْاُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ قَالَ فَيَجِيْءُ السَّارِقُ فَيَقُوْلُ فِيْ مِثْلِ هٰذَا قُطِعَتْ يَدِيْ وَيَجِيْءُ الْقَاتِلُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَتَلْتُ وَيَجِيْءُ الْقَاطِعُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قُطِعَتْ رَحِمِيْ ثُمَّ يَدْعُوْنَهٗ فَلَا يَاْخُذُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا زمین اپنے خزانوں کو سونے اور چاندی کے ستونوں کی طرح اگل دے گی تو چور آئے گا اور کہے گا کہ اسی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا قاتل آئے گا تو کہے گا اسی وجہ سے میں نے قتل کیا تھا رشتے داری کے حقوق کو پامال کرنے والا آئے گا تو کہے گا کہ اسی وجہ سے میں نے رشتہ داری کے حقوق کو پامال کیا تھا پھر وہ اسے چھوڑ دیں گے اور میں سے کچھ نہیں لیں گے۔

باب

باب ۳۲:

(۲۱۳۵) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَکُوْنَ اَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْیَا لُکَعُ بْنُ لُکَعٍ.

تَرْجَمَہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیا کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک خاندانی احمق دنیا میں سب سے زیادہ سعادت مند نہیں سمجھے جائیں گے۔

تشریح: علاماتِ قیامت:

اس باب کی احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی بعض علامتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی حدیث میں پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں کیونکہ دنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح میں ان سے خلل پڑتا ہے۔ ان پانچ امور کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں شمار کیا ہے چنانچہ رفع علم وظہور جہل سے دین تباہ ہوگا اور شرب خمر سے عقل اور زنا سے نسب اور کثرت فتن جو عورتوں کی کثرت کا نتیجہ ہے اس میں نفس و مال کی تباہی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ عالم کی تباہی میں ان امور مذکورہ کو زیادہ تر دخل ہے ظاہر ہے کہ جب یہ امور پائے جائیں گے تو عالم میں فساد ہوگا پھر تو قیامت آہی جائے گی اس وجہ سے ان پانچ امور کو علامت قیامت میں سے شمار کیا گیا ہے قالہ الکرمانی وغیرہ۔

لایحدثکم احد بعدی: ممکن ہے کہ ان کا یہ فرمان بصرہ میں ہو کہ وہاں دوسرا کوئی شخص صحابی نہ ہوگا، لانہ آخر من مات بالبصرۃ من الصحابۃ قالہ الحافظ۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ ان کا یہ فرمان عام ہے کیونکہ ان کو بعض حضرات نے آخر من مات من الصحابۃ بھی شمار کیا ہے یا ممکن ہے ان کا یہ فرمان اس روایت کے راوی ہونے کے اعتبار سے ہو۔

ان یرفع العلم: محلاً منصوب ہے کہ ان کی خبر ہے رفع سے مراد موت العلماء ہے بخاری شریف میں ان یقل العلم واقع ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان یقل العلم اول علامت ہے اور ان یرفع العلم آخری علامت ہے یا قلت فرما کر عدم فراد ہے۔ کما یطلق العدم ویراد بہ القلۃ وھذا الیق لاتحاد المخرج.

یفشوا الزنا: بالقصر علی لغت اھل الحجاز قد ورد فی التنزیل و المد لاھل نجد.

ویشرب الخمر: بضم الیاء اس سے مراد کثرت ہے یعنی لوگ بکثرت شراب پینے لگیں گے۔

یکثر النساء: عورتوں کی کثرت کی وجہ کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں بعض فرماتے ہیں کہ عورتوں کی کثرت اس وجہ سے ہوگی کہ فتنے بہت ہوں گے قتال ہوگا لوگ قتال میں مرجائیں گے عورتیں جہاد نہیں کرتی ہیں وہ باقی رہ جائیں گی۔

ابو عبد الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے کثرت فتوح کی طرف کہ مسلمانوں کو خوب فتوحات ہوں گی عورتیں قید کر کے لائی جائیں گی ایک ایک آدمی کے پاس کثیر موطوآت جمع ہوں گی۔ مگر حافظ رحمہ اللہ نے اس قول کو رد فرمادیا بلکہ مراد یہ کہ آخر زمانہ میں مردوں

کی پیدائش کم ہوگی اور عورتوں کی پیدائش زیادہ ہوگی۔

خمسین امرأة: یا تو یہ حقیقت پر محمول ہے یا محض کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے چونکہ دوسری روایت ہے: الرجل الواحد یتبعه اربعون امرأة۔

پچاس عورتوں کا ذمہ دار ایک شخص رہ جائے گا کہ کل کا کل خاندان فتنوں کی نذر ہو جائے گا صرف ایک شخص پر سب کا بوجھ ہوگا یا یہ مراد ہے کہ زنا اتنی کثرت سے ہوگا کہ ایک ایک شخص کے پاس پچاس پچاس مزنیہ ہوں گی۔

مامن عام الا والذی بعده شر: بخاری شریف میں ہے: فقال اصبروا فانه لایاتی علیکم زمان الا والذی بعده شر منه... حتی تلقوا ربکم: ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اعلام نبوۃ میں سے ہے کہ آپ ﷺ نے فساد احوال کی خبر پہلے ہی دے دی تھی جو بالکل صادق اور سچی ہے جس کا مشاہدہ آج سب ہی کو ہو رہا ہے جو صلاح وخیر کچھ زمانہ پہلے تھی اب نہیں رہی لوگ گزشتہ زمانہ یاد کرتے ہیں۔

اعتراض: ① بعض زمانے ایسے گزرے ہیں کہ وہ شر کے اعتبار سے پہلے زمانہ سے کم ہیں چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ حجاج کے تھوڑا بعد کا ہے بلکہ علماء نے فرمایا کہ حجاج کے زمانہ میں جو شر وفتنہ تھا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں آکر مضمحل ہو گیا تھا حسن بصری رحمہ اللہ نے اکثر وبیشتر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ کی تعریف ہی کی ہے چنانچہ ان سے پوچھا گیا حجاج کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے وجود کے بارے میں تو فرمایا: لابد للناس من تنفیس۔

جواب ①: زمانہ کا خیر ہونا من حیث المجموع ہے ظاہر ہے کہ حجاج کے زمانہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں ختم ہو گئے تھے اور جو زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے وہ بہتر ہے بعد والے سے لانه قال ﷺ خیر القرون قرنی۔

جواب ②: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد والے زمانہ کو پہلے کے مقابلہ میں شر کہنا علم کے اعتبار سے ہے کہ اول زمانہ علم والا اس سے کے بعد علم کم ہوتا چلا جائے گا لہٰذا جب علم ختم ہوگا تو علماء نہ ہوں گے تو فساد ہی فساد ہوتا رہے گا کہ جہال فتاویٰ دیں گے لوگ ان پر عمل پیرا ہو کر فتنوں میں مبتلا ہوں گے۔

اعتراض ①: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کو لے کر بھی کہا گیا کہ ان کا زمانہ تو کل کا کل خیر ہوگا جو دجال کے نکلنے کے بعد ہوگا؟

جواب ①: علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے

جواب ②: یا وہ زمانہ مراد ہے جو امراء کا زمانہ گزرا ہے جس میں شر غالب رہا ہے۔

جواب ③: اس سے مراد علامات قیامت کے ظاہر ہونے سے پہلا زمانہ ہے تو اب زمانہ حجاج سے عیسیٰ علیہ السلام تک کے زمانہ میں یہ شراً تفاضل ہوگا۔

تَقِيءُ الْاَرْضُ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا اَمْثَالَ الْاُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ روایت کا حاصل: یہ ہے کہ قیامت کے قریب زمین اپنے اندر کے وہ خزانے اگل دے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ودیعت رکھے ہیں مراد سونے اور چاندی کے خزانے ہیں جو ستونوں کی طرح ہوں گے اب زیادہ سونا وچاندی ہونے کی بناء پر ان کی زیادہ قدر نہ ہوگی چور دیکھ کر کہے گا افسوس اس کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا اسی طرح قاتل وقاطع بھی اس پر افسوس کریں گے دنیا کی زیادہ قدر نہ ہوگی۔ ثم یدعونه: بفتح الدال بمعنی یترکونه فلایا

خذون منه شيئا اس کی وجہ یا توفتنوں کی کثرت کہ اموال کو لینے کا موقع نہ ملے گا یا مال کی کثرت کہ ہرایک کے پاس مال ہوگا چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ لاتقوم الساعة حتی یکثر المال فیکم الحدیث رواہ الشیخان.

اسعد الناس: بالنصف والرفع مالک نے فرمایا اسعد الناس منصوب ہے کہ یکون کی خبر ہے بعض نے رفع ضبط کیا ہے کہ ضمیر شان یکون کا اسم ہے اور اس کے بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے اور اسعد الناس کو اسم اور لکع بن لکع کو خبر بنانا درست نہیں ہے کہ اس صورت میں معنی فاسد ہو جاتے ہیں کما لا یخفی یعنی جو شخص کثیر مال والا دنیا میں خوش عیش بڑے منصب والا زیادہ حکم چلانے والا ہوگا وہ کمینہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب دنیا میں فساد اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ جو شخص جس قدر کمینہ ہوگا اتنا ہی اس کو بلند مرتبہ شمار کیا جائے گا چنانچہ آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے کہ وہ اقوام جو انتہائی کمینہ شمار ہوتی تھیں آج وہ اعلیٰ منصب پر فائز نظر آتی ہیں اور ان کو اسعد الناس شمار کیا جاتا ہے۔

لغوی تحقیق: اشراط: شرط (شین اور را پر زبر) کی جمع ہے، علامت، نشانی۔ قیم: (قاف پر زبر اور یا مشدد کے نیچے زیر) نگران، منتظم۔ لکع: لام پر پیش اور کاف پر زبر) کمینہ، بیوقوف، جھوٹا، جس کی اصل معلوم نہ ہو، یہاں پر کمینہ کے معنی میں ہے۔ تقی: یہ تی سے ہے، اگل دے گی، نکال دے گی۔ افلاذ: فلذۃ (فا کے نیچے زیر) کی جمع ہے، کسی چیز کا وہ ٹکڑا جو لمبائی میں کاٹا گیا ہو، اور فلذ کے معنی ہیں اونٹ کا جگر، جبکہ تلذۃ (ۃ کے ساتھ) کے معنی ہیں جگر کا ٹکڑا، سونے یا چاندی کا ٹکڑا اور گوشت کا ٹکڑا، افلا ذ کبد الارض سے زمین کی معدنیات مراد ہیں، انہیں "جگر کے ٹکڑوں" کے ساتھ اس لئے تعبیر کی گیا ہے کہ یہ زمین کا خلاصہ اور جوہر ہوتی ہیں جس طرح کہ اونٹ کی سب سے اصل چیز اس کا جگر ہوتا ہے، یہ زمین ان تمام معدنیات کو باہر نکال دے گی۔ کبد: (کاف پر زبر اور با کے نیچے زیر) جگر، کلیجہ۔ اسطوان: ستون، کھمبا۔ ثم یدعونه: (یا اور دال پر زبر کے ساتھ) یہ سب اس مال وخزانے کو چھوڑ دیں گے، کچھ نہیں لیں گے۔

لکع بن لکع: بضم اللام وفتح الکاف غیر منصرف ای لئیم بن لئیم یعنی ردی النسب والحسب بعض نے فرمایا: لا یعرفه له اصل ولا یحمدله خلق قاله القاری وفی النهایه لکع عند العرب للعبد ثم استعمل فی الحمق والذم. اسی طرح اس کا اطلاق صغیر پر بھی ہوتا ہے: کما جاء فی روایة انه علیه السلام یطلب الحسن بن علی رضی اللہ عنہ قال اَثَمَّ لکع۔

باب

باب ۳۳: علامت قیامت کا بیان (دوسرا باب)

(۲۱۳۶) اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ عَشَرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ قِیْلَ وَمَا هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَبَرَّ صَدِیْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَكَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ

وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ اَوْخَسْفًا اَوْمَسْخًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہوجائیں گی تو ان پر بلائیں ٹوٹ پڑیں گی عرض ہے یارسول اللہ وہ کون سی ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مال غنیمت ذاتی دولت بن جائے گی امانت کو غنیمت سمجھا جائے گا زکوۃ کو ٹیکس سمجھا جائے گا آدمی اپنی بیوی کی پیروی کرے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا آدمی اپنے دوست کے ساتھ بہتری کرے گا اور باپ کے ساتھ زیادتی کرے گا مساجد میں اُونچی آواز میں باتیں کی جائیں گی ذلیل لوگ حکمران بن جائیں گے کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے گی شراب پی جائے گی ریشمی کپڑا پہنا جائے گا گانا بجانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کا سامان حاصل کیا جائے گا اور اس امت کے آخر میں آنے والے لوگ پہلے والوں پر لعنت کریں گے تو اس وقت وہ انتظار کریں یا تو سرخ آندھی آئے گی یا زمین میں دھنسنے کا عذاب ہوگا یا چہرے مسخ ہوجائیں گے۔

(۲۱۳۷) اِذَا اتُّخِذَ الْفَيْئُ دُوَلًا وَّالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَّالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَّتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَاَقْصٰى اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِى الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَّخَسْفًا وَّمَسْخًا وَّقَذْفًا وَّاٰيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب مال غنیمت کو ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگے گا اور امانت کو غنیمت سمجھا جانے لگے گا زکوۃ کو تاوان سمجھا جائے اور دین کے علاوہ دیگر علوم حاصل کیے جائیں اور آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے وہ اپنے دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور باپ کے ساتھ زیادتی کرے اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں اور قبیلے کا سب سے گنہگار شخص ان کا سردار اور سب سے بدترین شخص قوم کا رہنما ہو اور اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے اور گانے بجانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کا سامان عام ہوجائے شراب پی جائے امت کے آخری زمانے میں لوگ پہلے کے لوگوں کو برا کہنا شروع کردیں تو ان لوگوں کو اس وقت سرخ آندھی زلزلے زمین میں دھنسنے چہرے مسخ ہوجانے یا آسمان سے پتھر نازل ہونے کا انتظار کرنا چاہیے یہ نشانیاں اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے کسی ہار کا دھاگہ ٹوٹ جائے (تو دانے بکھر جاتے ہیں)۔

(۲۱۳۸) فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ وَّقَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَتٰى ذَاكَ قَالَ اِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت میں زمین میں دھنسنے چہرے مسخ ہوجانے اور آسمان سے پتھر برسائے جانے کا (عذاب ہوگا) مسلمانوں میں سے ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ یہ کب ہوگا تو نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا جب گانے والی عورتوں اور گانے کے آلات کا رواج ہوجائے گا اور شراب (عام) پی جائے گی۔

تشریح: حدیث: ① نبی ﷺ نے فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر بلا اترے گی، پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ پندرہ کام کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) **اذا کان المغنم دولاً:** جب غنیمت کا مال دولت سمجھا جائے، یعنی بادشاہ اور رئیس اس کو اپنے باپ کا مال سمجھیں اور غریب مسلمانوں پر شرع کے موافق تقسیم نہ کریں۔ **المغنم: الغنیمة: جمع مغانم**، جنگ میں بزور حاصل کیا ہوا مال، مجازاً مال مفت، بلا مشقت حاصل شدہ چیز، اور **دولاً: دولة یا دولة** کی جمع: دست گرداں چیز یعنی ادل بدل ہونے والی چیز۔ جو کبھی کسی کے پاس ہو اور کبھی کسی کے پاس۔

(۲) **والامانة مغنماً:** اور امانت کا مال لوٹ کا مال سمجھا جائے، لوگ امانتوں کو کھا جائیں اور صاحب کو مال واپس نہ کریں۔

(۳) **والزکوٰة مغرماً:** اور زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جائے، جب زکوٰۃ کے بارے میں یہ تصور ہوجائے گا تو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو بس برائے نام ادا کریں گے، رضاء و رغبت سے ادا نہیں کریں گے۔

(۴) **وأطاع الرجل زوجته:** آدمی اپنی بیوی کا کہنا مانے، یعنی اس کا ہر جائز ناجائز مطالبہ پورا کرے اور اس کی غلط سلط باتیں سن کر خاندان سے بگاڑ لے۔

(۵) **وعق امه:** اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، یعنی ماں کے مقابلہ میں بیوی کو ترجیح دے، اس کی باتیں سنے اور ماں کے ساتھ بدسلوکی کرے۔

(۶) **وبر صدیقه:** اور اپنے دوست کے ساتھ حسن سلوک کرے، اس کے ساتھ نرم مزاجی سے پیش آئے۔

(۷) **وجفا اباه:** اور اپنے باپ کے ساتھ ظلم روا رکھے، اس پر ظلم ستم ڈھائے۔

(۸) **وارتفعت الاصوات فی المساجد:** اور مساجد میں آوازیں بلند کی جائیں یعنی ان پاک جگہوں کا احترام دل سے نکل جائے، وہاں لوگ باتیں اور شور و شغب کرنے لگیں۔

(۹) **وکان زعیم القوم ارذلهم:** اور قوم کا ذلیل ان کا سردار بن جائے، یعنی کمینوں کا راج ہوجائے (زعیم القوم خبر مقدم ہے)۔

(۱۰) **وأکرم الرجل مخافة شره:** اور آدمی کی عزت کی جائے اس کی برائی کے ڈر سے، یعنی اس کی شرافت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی شرارت کی وجہ سے لوگ اس کا اکرام کریں۔

(۱۱) **وشربت الخمور:** اور شرابیں پی جائیں، یعنی شراب نوشی عام ہوجائے۔

(۱۲) **ولبس الحریر:** اور ریشم پہنا جائے، یعنی مردوں میں ریشم پہننے کا رواج چل پڑے۔

(۱۳) **واتخذت القیان:** اور گانے والی باندیاں رکھی جائیں، یعنی گانے کے اسباب فراہم کئے جائیں، قیان: القینة کی جمع ہے: باندی، زیادہ تر اس کا استعمال مغنیہ کے لئے ہوتا ہے۔

(۱۴) **والمعازف:** اور آلات لہو اختیار کئے جائیں، المعازف: المعزف کی جمع ہے، باجہ، ساز، آلۂ موسیقی، سارنگی وغیرہ۔

(۱۵) **ولعن آخر هذه الامة اولها:** اور اس امت کے پچھلے، پہلوں پر لعنت بھیجیں، یعنی لوگ سلف صالحین: محدثین و مجتہدین کی

برائی کرنے لگیں۔

تو چاہئے کہ لوگ اس وقت انتظار کریں سرخ آندھی کا یا زمین میں دھنسنے کا، یا شکلوں کے بگڑنے کا، یعنی جب یہ پندرہ باتیں عام ہوں گی تو قیامت قریب آجائے گی یہی پندرہ باتیں آخری زمانے کے فتنے ہیں۔

دوسری حدیث: میں بھی یہی پندرہ باتیں ہیں، پہلی بات میں المغنم کے بجائے الفئ ہے، فئ: وہ مال ہے جو لڑے بھڑے بغیر حاصل ہوتا ہے، اور مراد مال مفت ہے، جیسے اداروں کو ملنے والے چندے: اداروں کے زمہ داران کو باپ کا مال سمجھنے لگیں اور چوتھی بات: تعلم لغیر الدین ہے، یعنی علم دین خدا کی رضا مندی کے لئے نہیں، بلکہ مال وجاہ، فخر وریاء اور نزاع وجدال کے لئے حاصل کیا جائے...... اور اس حدیث میں چونکہ پندرہ کا عدد مذکور نہیں، اس لئے اس ایک بات کے بڑھنے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر پندرہ کا عدد ملحوظ رکھنا ہے تو ظهرت القينات والمعازف کو ایک شمار کیا جائے...... القصئ: دور کرنا...... اس حدیث میں ساد القبيلة فاسقهم، یعنی بدکار آدمی قبیلہ کا سردار بن جائے، یہ جملہ كان زعيم القوم ارذلهم کے ہم معنی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے: پس چاہئے کہ لوگ انتظار کریں ان برائیوں کے پائے جانے کے وقت سرخ آندھی کا، اور زمین میں بھونچال کا، اور زمین میں دھنسنے کا اور شکلیں بگڑنے کا اور پتھر برسنے کا، اور ایسی قدرتی نشانیوں کا جو پے بہ پے واقع ہوں، جیسے پرانا ہار جس کا دھاگا کاٹ دیا گیا ہو پس مہرے مسلسل کرنے لگیں، اسی طرح علامات قیامت کا ظہور پے بہ پے ہوگا۔

لعن آخر هذه الامت اولها: یعنی بعد کے لوگ سلف صالحین پر لعن طعن کرنے لگیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلف کا طعنہ سلف کو اور اس کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرنا اور اعمال صالحہ میں ان کی اقتداء نہ کرنا یہ لعنت ہی کے درجہ میں ہے۔

مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حقیقت مراد لینا ممکن بلکہ واقع ہے تو مجازی معنی کی کیا ضرورت ہے چنانچہ بہت سے لوگوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہہ دیا ہے جیسا کہ فرقہ رافضیہ کا کہنا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کو غصب کیا ہے جبکہ وہ علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔ اس کے بالمقابل علی رضی اللہ عنہ کو بھی خوارج نے کافر کہا ہے۔

فليرتقبوا عند ذالك: یہ اذا کا جواب ہے۔ **ريحًا حمراء:** سرخ رنگ کی آندھی آئے گی صاحب اشاعت نے مختلف ایسی آندھیوں کا تذکرہ کیا ہے جو خوفناک آئی ہیں فرمایا 826ھ میں ایک آندھی مصر میں آئی تھی جس سے بہت نقصانات ہوئے۔

روایت مذکورہ میں علامات قیامت کا بیان ہے جب یہ علامات پائی جائیں گی جو قیامت کے قریب ہوں گی پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب دنیا میں مختلف طرح شروع ہوگا سرخ آندھیاں آئیں گی کہیں لوگ زمین میں دھنس جائیں گے کہیں صورتوں یا قلوب کا مسخ ہوگا کہیں قذف یعنی پتھر گریں گے اور زلزلے آئیں گے اور دیگر علامات پے در پے موتی کی لڑی کی طرح جلدی جلدی واقع ہوں گی اور قیامت برپا ہوجائے گی چنانچہ اگر غور کیا جائے تو ان علامات کا بکثرت تحقق ہونے لگا ہے اور مقصود روایت بھی یہی ہے کہ ان اشیاء کا وقوع بکثرت ہونے لگے تو یہ علامات قیامت میں سے ہے۔

سند کی بحث: حاصل کلام یہ ہے کہ فرج بن فضالہ کے علاوہ کسی نے اس روایت کو یحییٰ بن سعید الانصاری سے نقل نہیں کیا اور فرج بن فضالہ کو حافظہ کے اعتبار سے محدثین نے ضعیف کہا ہے اور وکیع وغیرہ ائمہ نے ان سے روایات نقل کی ہیں گویا فی الجملہ ان کی

روایات معتبر ہیں۔

چنانچہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا جب یہ شامیین سے روایت نقل کریں تو لا بأس به ہیں البتہ یحیٰ بن سعید نے کہا ان کی روایات منکر ہیں اس روایت کی سند میں انقطاع بھی ہے محمد بن عمرو بن علی کی ملاقات اپنے دادا علی سے ثابت نہیں لہٰذا روایت مرسل ہے۔

روی هذا الحدیث عن الاعمش عن عبدالرحمٰن بن سابط عن النبی ﷺ مرسلاً یعنی اعمش عن ہلال بن یساف تو روایت مسند ہے مگر اعمش عن عبدالرحمٰن بن سابط عن النبی ﷺ مرسلا بھی مروی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ

باب ۳۴: میں اور قیامت ایک ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں

(۲۱۳۹) بُعِثْتُ فِیْ نَفَسِ السَّاعَةِ فَسَبَقْتُهَا کَمَا سَبَقَتْ هٰذِهٖ هٰذِهٖ لِاُصْبُعَیْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی.

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد فہری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میں اور قیامت ایک ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں لیکن میں اس سے اس طرح پہلے ہوں جیسے یہ انگلی اس سے پہلے ہے آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

(۲۱۴۰) بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ وَاَشَارَ اَبُوْ دَاوٗدَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی فَمَا فَضَّلَ اِحْدَاهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور قیامت ان دو (انگلیوں) کی طرح (متصل) بھیجے گئے ہیں۔ پھر ابوداؤد (راوی) نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا کہ ان میں سے ایک کی دوسری پر کیا فضیلت ہے۔

تشریح: نبی ﷺ نے فرمایا: بعثت انا والساعة کهاتین: میں قیامت کے ساتھ ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہوں، پھر ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ نے (جو حدیث کے راوی ہیں) انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا کہ جیسے ان دو انگلیوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی، یعنی بڑی انگلی بڑھی ہوئی ہے، اسی قدر نبی ﷺ قیامت سے پہلے تشریف لائے ہیں ار مسلم شریف میں ہے: امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے ان کے وعظ میں سنا: کفضل احدا هما علی الاخری: پھر شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ قتادہ نے یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے یا اپنی طرف سے کہی ہے (مسلم حدیث 2951 کتاب الفتن باب 27) اور مسلم ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے آخر میں ہے: قال: وضم السبابة والوسطی: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور نبی ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا۔ ارشاد نبوی: ''میں قیامت کے ساتھ اس طرح بھیجا گیا ہوں'' مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا۔

''کهاتین'' کے کیا معنی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے: (۱) بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان لمبائی کے اعتبار سے فرق ہے، بس اتنا ہی فرق ہے نبی کریم ﷺ اور قیامت کے وقوع کے درمیان۔

(۲) بعض نے یہ کہا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی خلل نہیں، اسی طرح میرے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔

(۳) علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے قیامت کے قرب کو بتانا مقصود ہے۔

ان روایات میں قیامت کے قرب کو بیان کیا گیا ہے، وقت کی تعیین نہیں کی گئی، کیوں کہ وقت کی تعیین کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی اور کو نہیں، اسی چیز کو دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ماالمسؤل عنھا باعلم من السائل اس میں عین وقت کی نفی کی گئی ہے، اس لئے ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ فتح الباری 11/425 کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

سند کی بحث: آخری جملہ: کفضل ہمارے نسخوں میں فما فضل ہے، تصحیح مسلم شریف سے کی ہے۔

بعثت انا والساعۃ میں اعراب کے لحاظ سے دو احتمال: ''بعثت'' ماضی مجہول واحد متکلم کا صیغہ ہے اور الساعۃ کے اعراب کے بارے میں دو احتمال ہیں: (1) یہ مرفوع ہے اور اس کا عطف بعثت کی ضمیر متکلم پر ہے اور درمیان میں "انا" ضمیر موجود ہے اس لئے اس کا عطف درست ہے۔

بعض حضرات نے اس ترکیب پر اعتراض کیا ہے کہ ضمیر متکلم پر عطف درست نہیں کیونکہ عربی میں ''بعثتِ الساعۃ'' (قیامت مبعوث کی گئی) نہیں کہا جاتا، کیونکہ یہ اس وقت کہا جاسکتا ہے جب پ ہلے سے کوئی چیز موجود ہو اور پھر اسے بھیجا جائے اور اٹھایا جائے جبکہ قیامت تو آئندہ آئے گی، پہلے سے موجود نہیں؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قیامت کا آنا چونکہ یقینی ہے اس لئے اسے موجودہ قرار دے کر اس پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(2) ابو البقاء عکبر ی کے نزدیک ''والساعۃ'' میں واؤ معیت ہے کے معنی ہے اور الساعۃ مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، لیکن قاضی عیاض نے رفع والی صورت کو ''احسن'' قرار دیا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی قِتَالِ التُّرْکِ

باب ۳۵: ترکوں کے ساتھ جنگ کا تذکرہ

(۱۴۱۲) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی۔ جب تک لوگ تم ایک ایسی قوم سے جنگ نہیں کرو گے۔ جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے پھر مزید فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایسے لوگوں سے تمہاری جنگ نہ ہوگی جن کے چہرے ڈھالوں کی طرح چپٹے ہوں گے۔

تشریح: ''ترکوں'' سے مراد: وہ لوگ ہیں جن کا سلسلہ نسب یافث بن نوح تک پہنچتا ہے ان کے مورث اعلیٰ کا نام ''ترک'' تھا اس لئے پوری قوم کو ترک کہا جانے لگا۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترک قنطورا کی اولاد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے تھے، اکیس قبیلے دیوار ذوالقرنین کے پیچھے بند کر دیئے گئے، ایک باقی بچ گیا، اسی کو ''ترک'' کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں باہر چھوڑ دیا گیا ہے، اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ: میں اس قوم کے لوگوں کے منہ ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے گول اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوں گے گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو مطرقۃ یعنی اس ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو تہ دار چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح 9/299، باب الملاحم)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو قوموں کا ذکر فرمایا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس سے دو الگ الگ قومیں مراد ہیں، چنانچہ پہلی قوم سے ترک اور دوسری سے اصحاب بابک خرمی مراد ہیں ''اصحاب بابک'' یہ وہ مرتدین کی جماعت ہے جنہوں نے بہت سی محرمات کو جائز قرار دیا ہوا تھا۔ مامون الرشید کے زمانے میں ان کا بڑا دبدبہ اور شان وشوکت تھی، اکثر بلاد عجم طبرستان اور ری وغیرہ میں ان کا تسلط قائم ہو گیا تھا، پھر معتصم کے زمانے میں یہ بابک قتل ہو گیا تھا، اس فتنہ کا آغاز 201 ہجری میں ہوا اور 222 ہجری میں بابک قتل ہو گیا۔

ملحوظہ: ترکوں میں سے جو مسلمان ہو گئے وہ امت مسلمہ ہیں، اب وہ اس حدیث کا مصداق نہیں، صرف ان کے کفار اس حدیث کا مصداق ہیں، ان کے ساتھ امت مسلمہ کو جنگ لڑنی ہوگی اور وہ اس امت کے لئے بڑا فتنہ بنیں گے۔

لغات: نعالهم الشعر: یا تو ان کے جوتے غیر مدبوغ چمڑے سے بنائے گئے ہوں گے یا یہ مراد کہ ان کے جوتے بالوں کے ہوں گے یا بالوں کی درازی بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کے بال پیروں تک ہوں گے۔ كان وجوههم المجان المطرقة: المجان بفتح الميم و تشديد النون جمع مجن بمعنی ڈھال۔ المطرقة: بضم الميم و فتح الراء بمعنی توبر گویا ان کے منہ ڈھال کی طرح گول ہیں غلظۃ اور کثرۃ لحم کی بناء پر مطرقۃ کہا گیا ہے جس میں کوئی نرمی ملائمۃ نہیں یہ چہروں کی گولائی اور ناک کے چپٹا ہونے کے اعتبار سے تشبیہ ہے حاصل روایت یہ ہے کہ قیامت کے قریب مسلمانوں کی جنگ ترک قوم سے ہوگی جس کی صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کے چہرے گول ناک چپٹی ہوگی ان کی علامت یہ ہے کہ ان کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ اِذَا ذَهَبَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ

باب ۳۶: جب شہنشاہ ایران ختم ہوگا اور کوئی شہنشاہ نہیں ہوگا

(۱۴۲۲) اِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ بَعْدَهٗ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا کسریٰ نہیں ہوگا جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی دوسرا قیصر نہیں ہوگا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ان دونوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے جائیں گے۔

تشریح: کسریٰ: کی جمع اکاسرۃ: ایران کے بادشاہ کا لقب ہے اور قیصر: روم کے بادشاہوں کا لقب ہے، عرب سے ملے ہوئے یہ دو سپر پاور تھے اور جزیرۃ العرب پر کسریٰ کی جزوی عملداری بھی تھی اور قیصر بھی عربوں کو کھانے کے لئے منہ کھولے ہوئے تھا اور قریش

کی معیشت شام وعراق کی تجارت سے وابستہ تھی، اس لئے جب قریش مسلمان ہوئے تو ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ پڑوسی طاقتیں ان کی معیشت تنگ کردیں گی اور ان کے اسفار بند ہو جائیں گے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کو خوشخبری سنائی کہ جب کسریٰ ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ختم ہوگا تو اس کے بعد اور کوئی قیصر نہیں ہوگا اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! ضرور دونوں کے خزانے راہ خدا میں خرچ کئے جائیں گے۔

آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام 7 ھ میں خطوط جاری فرمائے تھے تو کسریٰ اور قیصر کے نام بھی آپ ﷺ نے خط لکھا جس میں ان کو دعوت اسلام دی تھی کسریٰ کے نام آپ کا خط عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے کسریٰ آپ ﷺ کا خط دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا انتہائی خفگی میں خط کو چاک چاک کردیا اور کہا کیا یہ شخص ہم کو ایمان لانے کا خط لکھتا ہے حالانکہ یہ شخص میرا غلام ہے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا کسریٰ نے گورنر یمن باذان کو خط لکھا کہ دو قوی آدمی بھیج کر حضور ﷺ کو گرفتار کر کے لاوے وہ دونوں آدمی جب حضور ﷺ کے سامنے پہنچے تو خداداد عظمت کی بناء پر تھر تھر کانپنے لگے آپ ﷺ نے ان دونوں کو اسلام کی دعوت دے کر فرمایا کہ آئندہ کل آنا اگلے دن جب یہ دونوں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا آج کی شب فلاں وقت میں اللہ نے کسریٰ کے بیٹے کو اس پر مسلط کردیا چنانچہ اسی رات کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کردیا یہ شب منگل کی تھی دس جمادی الاولیٰ 7 ھ تھی اور ان دونوں سے کہا تم باذان سے یہ حال بیان کرو اور باذان سے کہہ دو کہ میری سلطنت وہاں تک پہنچے گی باذان نے کہا یہ بات بادشاہوں کی طرح نہیں ہے اگر قتل کسریٰ کی خبر صحیح ہے تو وہ بلاشبہ نبی ہیں اس خبر کی تصدیق ہوجانے پر باذان مع خاندان ورفقاء مسلمان ہو گئے سیرۃ المصطفیٰ (2/374) جس کسریٰ نے خط کو چاک کیا تھا اس کا نام ابرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا اس کے چھ ماہ بعد ہی اس کا بیٹا بھی مر گیا پھر آپ کی بددعا کا اثر یہ ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ملک فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بذریعہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح ہو گیا اس وقت فارس کا بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ تھا۔

اذا هلك قيصر فلا قيصر بعده: جب قیصر ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد قیصر لقب کا کوئی بادشاہ نہ ہوگا۔

اعتراض: اس مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسریٰ وقیصر کے بعد کوئی کسریٰ وقیصر نہ ہوگا حالانکہ اس زمانے کے قیصر و کسریٰ کے بعد بھی ان کی مملکت باقی رہی ہے؟

جواب: حدیث سے مراد یہ ہے کہ فلا کسریٰ بالعراق وقیصر بالشام قالہ الشافعی رحمہ اللہ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تجار تھے اور یہ شام و عراق تجارت کے لئے جاتے تھے تو اسلام لانے کے بعد ان کو وہاں کے بادشاہوں سے خوف معلوم ہوتا تھا اس لئے آپ نے تبشیرًا تطییبًا للقلوب فرمایا کہ اب کوئی قیصر وکسریٰ نہ رہے گا تم خوف مت کرو بلکہ عنقریب وہاں تک تمہاری حکومت ہوگی یہ بھی یاد رہے کہ فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فنا ہو گیا کیونکہ اس نے آپ ﷺ کے والا نامہ کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا اور ملک روم باقی رہا کیونکہ قیصر نے آپ کے والا نامہ کو چوما تھا اور سر پر رکھا تھا البتہ آپ کا یہ ارشاد بالکل صادق ہو کر رہا کہ پھر وہاں کے بادشاہوں کے یہ القاب بالکل ختم ہو گئے تھے۔ هذا حديث حسن صحيح

بَابُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَخْرُجَ نَارٌ مِّنْ قِبَلِ الْحِجَازِ

باب ۷۳: قیامت سے پہلے حجاز کی طرف سے ایک آگ نکلے گی

(۲۱۴۳) سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ اَوْ مِنْ نَّحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے حضر موت سے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) حضر موت کے سمندر کی طرف سے قیامت سے پہلے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کر دے گی لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم شام چلے جانا۔

تشریح: ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ کا ظہور ہوگا: احادیث میں قیامت سے پہلے دو مقامات یعنی ارض حجاز اور قعر عدن سے آگ نکلنے کا ذکر ہے، چنانچہ حدیث باب میں اس آگ کو ذکر جو قعر عدن سے نکلے گی، اسے بعض روایات میں تخرج من الیمن، بعض میں تخرج من قعر عدن اور حدیث باب کی روایت میں تخرج...... من حضر موت کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو قرب قیامت میں قعر عدن سے نکلے گی، لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل جائیں گے اور اس کی شدت کی وجہ سے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیں گے، مہاجرین مختلف گروپوں کی صورت میں جائیں گے، بعض سواریوں پر بڑے خوشحالی سے سفر کریں گے، بعض کے لئے سواریوں میں تنگی ہوگی اور بعض پیدل چل کر دوسری جگہ کا رخ کریں گے، یہ آگ ان لوگوں کے ساتھ ہوگی رات کو جہاں سوئیں گے وہاں وہ آگ بھی رات گزارے گی اور جس مقام پر یہ سارے لوگ جمع ہوں گے اسے حدیث میں "محشر" کہا گیا ہے، اس سے قیامت کا حسر مراد نہیں ہے۔

پھر علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ آگ جو قعر عدن سے نکلے گی حقیقی معنی پر محمول ہے یا اس سے مجازی معنی مراد ہیں؟ بعض حضرات نے اس سے حقیقی معنی مراد لئے ہیں، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس سے آگ مراد نہیں بلکہ شدید فتنے مراد ہیں۔ دوسری آگ وہ ہے جو ارض حجاز سے نکلے گی جس سے بصری شہر کے اُونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی، مؤرخین اور محدثین کے نزدیک قیامت کی یہ علامت جمادی الثانی 654ھ میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہو چکی ہے۔

اعتراض: کہ باب میں ارض حجاز کی آگ کا ذکر ہے اور اس کے تحت جو روایت ہے، اس میں حضر موت کی آگ کا ذکر ہے، بظاہر حدیث کو باب کے ساتھ مناسبت اور مطابقت نہیں ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں: (1) وفی الباب میں جو حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے اس میں نار حجاز کا ذکر ہے، اس وجہ سے باب میں نار حجاز کو بیان کیا ہے۔

(2) بعض روایات میں یمن کا ذکر ہے، یمن اور حضر موت حجاز کی جہت میں ہیں تو آگ یمن سے شروع ہو کر حضر موت سے گزر کر حجاز آئے گی، اس جواب کے لحاظ سے اس روایت کو بھی باب سے مطابقت ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَآءَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ کَذَّابُوْنَ

باب ۳۸: قیامت سے پہلے جھوٹے نبی پیدا ہوں گے

(۲۱۴۴) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَنْبَعِثَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبٌ مِّنْ ثَلَاثِیْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تیس کے قریب جھوٹے دجال نبوت کے دعوے دار بن کر ظاہر نہیں ہوں گے۔

(۲۱۴۵) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی یَعْبُدُوا الْاَوْثَانَ وَاِنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین کے ساتھ مل نہیں جائیں گے اور وہ بتوں کی پوجا نہیں کریں گے اور عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے ظاہر ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

تشریح: دونوں حدیثوں میں جھوٹی نبوت کے فتنے کا تذکرہ ہے، اور دوسری حدیث میں ارتداد کے فتنے کا بھی تزکرہ ہے، وفات نبوی کے بعد ارتداد کا فتنہ پھیلا اور کچھ قبیلے مشرکین کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے مورتیوں کی پوجا شروع کردی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ سے لوہا لیا اور اس کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

اور جھوٹی نبوت کا فتنہ مسلیمہ کذاب سے شروع ہوا، اس سے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کیا اور اس کو بھی نیست و نابود کردیا، مگر جھوٹی نبوت کا فتنہ ختم نہیں ہوا، یہ فتنہ قیامت تک جاری رہنے والا فتنہ ہے اور جس طرح سچی نبوت رحمت ہے، جھوٹی نبوت زحمت ہے اور تیس کی تعداد سنگین فتنہ پردازوں کی ہے، یعنی ایسے متنبی جن کی پارٹیاں ہوں گی، جن کا سلسلہ چلے گا وہ تقریبا تیس ہوں گے اور وہ لوگوں کے لئے فتنہ بنیں گے، رہے برساتی مینڈک تو ان کا کوئی شمار نہیں، ہر زمانہ میں ایسے متنبی پیدا ہوتے رہتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دوٹوک بتا دیا ہے کہ آخری پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی کوئی نئی نبوت نہیں، اگر مسلمان اس حقیقت کو سمجھ لیں تو جھوٹی نبوت کے فتنے سے محفوظ ہوجائیں۔

قریب من ثلاثین: یہ مرفوع ہے خبر مبتداء ہونے کی بنا پر اور مبتداء محذوف ہے ای عدوھم قریب من ثلثین۔ دوسری روایتوں میں جزم کے ساتھ انھم ثلاثون واقع ہے مسند احمد میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: سیکون فی امتی کذابون دجالون سبعة و عشرون منھم اربع نسوة وانی خاتم النبین لانبی بعدی. بعض روایات میں سبعون بھی واقع ہے تطبیقاً یہ کہا جائے مقصود تحدید نہیں کثرت کو بیان کرنا ہے یا سبعون والی روایت ضعیف ہے مدعیان نبوت تیس یا تیس کے قریب ہیں اور باقی مطلقا کذابون ہیں۔

حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ اس کی دلیل ہے کہ لوگ مشرکین

کے ساتھ لاحق ہو گئے تھے۔

حتیٰ یعبدوا الاوثان: بہت سے مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جائیں گے اور پہلے کی طرح بتوں کی عبادت کریں گے جیسا کہ اب بھی بعض علاقوں میں ہوتا رہتا ہے ہندوستان میں بھی یہ ارتداد پھیلا ہے علماء نے اس فتنہ کو اپنے زبان وقلم سے متعدد مرتبہ دبایا ہے۔ھذا حدیث صحیح اخرجہ ابوداؤد مطولاً۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر مدعیان نبوت والوہیت اور مہدویت نیز کذابین کو شمار کیا جائے تو وہ تیس کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں۔(1) اسود عنسی صاحب صنعاء قتلہ، فیروز (2) مسلیمہ کذاب قتلہ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ (3) ابن صیاد (4) طلیحہ (5) سجاح بنت سوید، کانت تحت مسیلمۃ واعطت النبوۃ لزوجھا اس عورت نے اپنے شوہر کو نبوت بخشی اور اپنی امت سے عصر کی نماز معاف کر دی تھی (6) مختار ثقفی فی زمن ابن الزبیر (7) متنبی شاعر ثم تاب (8) بھبود فی زمن معتمد باللہ (9) یحییٰ رکرویہ القرمطی فی زمن مکتفی باللہ (10) اس کا بھائی حسین (11) اس کا چچا زاد بھائی عیسیٰ بن مہرویہ (12) ابوطاہر القرمطی اس نے حجر اسود کو بیت اللہ سے نکالا تھا (13) محمد بن علی الشلمعانی (14) شاب یزعم انہ الہ اس گمان تھا کہ حضرت علی t کی روح اس میں حلول کر گئی ہے اور فاطمہ کی روح اس کی بیوی میں حلول کر گئی ہے (15) مقام نہاوند میں بہت سے لوگوں نے دعویٰ نبوت کیا (16) ایک شخص جس نے اپنا نام لا رکھا اور کہا کہ آپ کے فرمان لا نبی بعدی سے میں ہی مراد ہوں (17) غازاری ساحر (18) ایک عورت تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا آپ ﷺ کا فرمان لا نبی بعدی مردوں کے حق میں ہے اگر عورتوں سے نفی کرنا مقصود ہوتی تو لا نبیۃ بھی فرماتے (19) ایک یہودی تھا بیت المقدس میں اس نے اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ثم اسلم (20) ایک شخص اور گزرا ہے اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا (21) اکبر بادشاہ جس نے دین الٰہی ہندوستان میں جاری کیا۔(22) رتن ہندی نے چھٹی ہجری میں اس نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا جو کذابین میں سے ہے (23) اسحاق اخرس تبعہ خلق کثیر من الیمن والبصرۃ (24) فارس ابن یحییٰ ساباطی (25) ایک چرواہا جس نے عصائے موسیٰ ہاتھ میں لیا اور تصرف کے ساتھ اس کو سانپ بنا دیتا تھا (26) عبداللہ بن میمون مامون کے زمانہ میں (27) غلام احمد قادیانی پنجابی ہندوستان میں گزرا ہے اس نے بھی دعویٰ نبوت کیا جس کا رد علماء دیوبند نے کیا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِي ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَّمُبِيْرٌ

باب ۳۹: قبیلۂ ثقیف میں بڑا جھوٹا اور ہلاکو ہوگا

(۲۱۴۶) فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَّمُبِيْرٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ثقیف قبیلے میں ایک جھوٹا شخص اور ایک خون بہانے والا شخص (پیدا ہوگا)

تشریح: ثقیف عرب کا مشہور قبیلہ ہے، طائف اور حنین اس کا مقام تھا اور کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے، بڑا جھوٹا، اور مبیر: اسم فاعل ہے ابارہ سے، جس کے معنی ہیں: ہلاک کرنا، اس کا مجرد باریبور بوراً ہے، جس کے معنی ہیں: ہلاک ہونا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ''قبیلۂ ثقیف

میں ایک بڑا جھوٹا اور ایک ہلاکو ہوگا'' علماء نے کذاب کا مصداق مختار بن ابی عبید ثقفی کو اور ہلاکو کا مصداق: حجاج بن یوسف ثقفی کو قرار دیا ہے جس نے علاوہ میدان جنگ کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کا ناحق قتل کیا ہے جن میں بڑے بڑے تابعین اور اولیاء اللہ بھی شامل ہیں۔

مختار: یہ مشہور صحابی ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، اس کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی، اس کے باوجود اسے صحابی بننے کا شرف حاصل نہ ہوسکا، ابتداء میں یہ شخص علم وفضل اور نیکی وتقویٰ میں مشہور تھا لیکن بعد میں اس کا خبث باطن سامنے آیا کہ یہ سب کچھ اپنی شہرت اور منصب کے لئے تھا، پہلے اہل بیت سے بہت بغض رکھتا تھا، اچانک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی حمایت میں یزیدیوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا بلکہ بہت سے لوگوں کو اس نے خون حسین رضی اللہ عنہ کے قصاص میں موت کے گھاٹ بھی اتارا، بہت ہی فتنہ انگیز شخص تھا، آئے دن نئے سے نئے فتنے کھڑے کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف عراق میں علم بغاوت بلند کیا، پھر مزید آگے بڑھ کر پوری اسلامی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بنالیا، کوفہ پر قابض ہوگیا، ساتھ ہی نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا اور کہنے لگا کہ جبرائیل امین میرے پاس وحی لے کر آتے ہیں، آخر کار حضرت مصعب بن زبیر نے جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے اپنی فوج لے کر کوفہ پر چڑھائی کی، مختار نے بھی مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھا گیا، اور پھر 14 رمضان 67ھ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی، اموی امیر عبدالملک بن مروان کا خاص آدمی تھا، حکومت کے امور میں بڑی بصیرت اور گہری نظر کا حامل تھا، عبدالملک بن مروان نے اس کو عراق وخراسان کا گورنر بنایا تھا اور عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاز کا بھی والی بنا، اس کی ظالمانہ داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، ماہ شوال 95ھ میں 54 سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔ (مرقاۃ المفاتیح 11/140)

حجاج بن یوسف: تاریخ اسلام کا مشہور ظالم شخص ہے جس نے ہزاروں کے حساب سے اچھے اور نیک لوگوں کو جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ بھی شامل ہیں، ناحق قتل کیا، عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا، بے گناہ لوگوں کو جیل میں رکھتا تھا، اس کی ظالمانہ کارروائیوں کا اندازہ اس سے لگائیے کہ بغیر کسی وجہ کے محض ظلم وبربریت کی وجہ سے جن لوگوں کو اس نے قتل کیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے، جو لوگ جنگوں اور لڑائی جھگڑے میں مارے گئے ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، اس کا جیل خانہ دنیا کا ایک عجیب قید خانہ تھا، اس کی کوئی چھت نہ تھی چنانچہ تمام قیدی کھلے آسمان کے نیچے سردی، گرمی، دھوپ اور بارش کی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔

سند: سند کا ایک راوی عبداللہ ہے اس کے باپ کا نام عُصَم ہے یا عصمہ؟ شریک عُصَم کہتے ہیں اور اسرائیل عصمہ۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْقَرْنِ الثَّالِثِ

باب ۴۰: تبع تابعین کا بیان

(۲۱۴۷) خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ يَتَسَمَّنُوْنَ وَيُحِبُّوْنَ السِّمَنَ يُعْطُوْنَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلُوْهَا.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر اس کے بعد کا زمانہ پھر اس کے بعد میں آنے والوں کا زمانہ ہے پھر ان کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو موٹا ہونا چاہیں گے اور وہ موٹاپے کو پسند کریں گے وہ گواہی دیں گے اس سے پہلے کہ ان سے گواہی طلب کی جائے۔

(۲۱۴۸) خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثْتُ فِيهِمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ وَلَا أَعْلَمُ ذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْ لَا ثُمَّ يَنْشَأُ أَقْوَامٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَفْشُو فِيهِمُ السِّمَنُ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سب سے بہتر وہ زمانہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا پھر اس کے بعد کا زمانہ ہے (راوی کہتے ہیں) مجھے علم نہیں (یعنی یاد نہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری دفعہ یہ فرمایا تھا (یا کہا تھا) پھر وہ لوگ آئیں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی نہیں مانگی جائے گی اور وہ خیانت کریں گے اور انہیں امین نہیں بنایا جائے گا اور ان کے درمیان موٹاپا پھیل جائے گا

تشریح: القرن: ایک زمانہ کے لوگوں پر اطلاق ہوتا ہے جو متقارب ہوں اور امور مقصودہ میں سے کسی میں شریک ہوں نیز زمانہ کی مدت خاص پر بھی اطلاق ہوتا ہے البتہ اس کی تحدید میں علماء کے مختلف اقوال ہیں دس سال سے لے کر ایک سو بیس سال تک کے اس زمانہ پر قرن کا اطلاق کیا گیا ہے البتہ عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرن کا اطلاق سو سال پر ہوتا ہے وہوالمشہور، بعض نے پچاس بعض نے ستر سال بھی کہا ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سو سال یا پچاس سال یا ستر سال کی عمروں میں ایک ساتھ زندہ رہیں وہ ایک قرن والے کہلائیں گے اور کم وبیش سو سال کا ایک قرن کہلاتا ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث مذکور میں قرنی کا لفظ واقع ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے اور ظاہر ہے کہ بعثت سے آخری صحابی رضی اللہ عنہ تک کا زمانہ سو سال کے قریب ہی ہوتا ہے کیونکہ آخری صحابی ابوالطفیل ہیں جن کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے زیادہ سے زیادہ ایک سو بیس سال کا زمانہ ہوتا ہے اسی طرح اس کے بعد دوسرا قرن صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا ہے پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے اس کے بعد کذب و بدعات ظاہر ہوگئی تھیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دوسو بیس سال کے بعد اہل بدعات معتزلہ وفلاسفہ اور دیگر فرق ضالہ کا ظہور ہوگیا ہے تو لامحالہ یہ کہنا ہوگا سب سے بہتر زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے جو سو سال ہے پھر اسکے بعد دو زمانے ایک سو بیس سال کے اندر اندر ہیں تو پھر ان دونوں کو اگر تسلیم کیا جائے تو ایک زمانہ کے ساٹھ سال ہی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ قرن کے لئے سو سال کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر زمانہ والوں کی عمروں کے لحاظ سے قرن بدلتے رہتے ہیں۔ یعنی محمد بن فضیل نے تو علی بن مدرک کا ذکر کیا ہے لیکن اکثر حفاظ نے عن الاعمش عن ہلال بن یساف کہا اور علی بن مدرک کا ذکر نہیں کیا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

لااعلم اذکر الثالث ام لا : مسلم شریف میں بھی روایت اسی طرح شک کے ساتھ ہے نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات بھی مسلم شریف میں شک کے ساتھ وارد ہیں اسی طرح بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد میں شک کے ساتھ ہے مگر اکثر روایات بغیر شک کے وارد ہیں مثلاً نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد میں اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت بھی بغیر شک کے مروی ہیں۔

یخونون ولا یو تمنون: ایسے خائن لوگ اس کے بعد آئیں گے کہ ان کی خیانتیں ظاہر ہوں گی ان پر اعتماد نہیں کریں گے۔
ویفشوا فیھم السمن: بکسر السین وفتح المیم بعد ہا نون یعنی وہ لوگ کھانے، پینے میں ایسا توسع اختیار کریں گے جو موجب سمن ہوگا یعنی وہ موٹے جسم والے ہو جائیں گے۔ ھذا حدیث حسن صحیح اخرجہ الشیخان

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْخُلَفَاءِ

باب ۴۱: خلفاء کا بیان

(۲۱۴۹) يَكُونُ مِنْ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ اَمِيْرًا قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ اَفْهَمْهُ فَسَاَلْتُ الَّذِي يَلِيْنِي فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد بارہ امیر ہوں گے راوی کہتے ہیں پھر آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی جو میں سمجھ نہیں سکا میں نے ساتھ والے سے دریافت کیا تو اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے وہ سب قریش سے تعلق رکھتے ہوں گے۔

(۲۱۵۰) كُنْتُ مَعَ اَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ اَبُو بِلَالٍ اُنْظُرُوا اِلٰى اَمِيْرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: زیاد بن کسیب عدوی بیان کرتے ہیں میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے تھا وہ خطبہ دے رہا تھا اس نے باریک کپڑے پہن رکھتے تھے تو حضرت ابو بلال نے فرمایا ہمارے اس امیر کو دیکھو جو فساق کے کپڑے پہنے ہوئے ہے تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خاموش رہو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو زمین پر اللہ کے (نامزد) حکمران کی توہین کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا۔

تشریح: الخلیفة: جانشین، قائم مقام اور مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز پر حکومت کرنے والے ہیں: اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ میرے بعد بارہ امیر ہوں گے جو سارے کے سارے قریش سے ہی ہوں گے، ان بارہ خلفاء سے کون مراد ہیں، ان کی تعیین میں شارحین کا اختلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کو مشکل احادیث میں شمار کیا ہے۔

اثنا عشر امیر: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود مدح نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ امت مرحومہ زمانہ طویل تک باقی رہے گی عدد مقصود نہیں۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ مقصود روایت یہ ہے کہ خلافت علیٰ حسب السنة بارہ امیروں میں ہوگی اب بارہ امیر کا پے در پے ہونا ضروری نہیں حتی ینا قض بتخلل یزید۔

تیسرا قول: مراد یہ ہے کہ امارت علی حسب سنة الخلفاء بارہ امیروں میں رہے گی اگرچہ ان میں بعض ظالم بھی ہوں گے مگر امور

مملکت میں وہ خلفاء کا طریقہ اختیار کریں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ جمہور کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے وہ خلفاء مراد ہیں، جن پر سب لوگ متفق ہوں گے، جن کے دور میں مسلمانوں کے ظاہری حالات اور معاملات رعایا کے مفاد میں ہوں گے، نظام حکومت مستحکم اور مضبوط ہوگا، اگرچہ ان میں سے بعض ظالم اور زیادتی کرنے والے بھی ہوں گے لیکن حکومت کے مسئلے میں وہ اپنے گزشتہ بزرگوں کی ہی اقتداء کریں گے، وہ یہ ہیں: (1) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت معاویہ (۶) یزید بن معاویہ (۷) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے: (۸) ولید (۹) سلیمان (۱۰) یزید۔ سلیمان کے درمیان حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بھی گزرا ہے، (11) ہشام (12) ولید بن یزید بن عبدالملک، ہشام کے قتل کے بعد اس پر لوگوں کا اتفاق ہوا، چار سال کے بعد اسے بھی قتل کردیا گیا، پھر ایسے فتنے شروع ہوئے کہ پھر قیامت تک چلتے رہیں گے اور کسی کی حکومت پر مسلمان متفق نہیں ہوں گے۔

ان کے دور میں مسلمان آپس میں متفق تھے، سب نے ان کی خلافت پر اجماع کیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی ان کے بارے میں درست ثابت ہوئی، پھر اس کے بعد کسی پر اتفاق نہ ہوسکا، قتل وقتال اور آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہوگئے، ان خلفاء میں سے پہلے چار خلفاء خلافت، خلافت راشدہ اور نبوت کے اسلوب کے مطابق تھی، بعد میں یہ خلافت امارت میں بدل گئی۔ (فتح الباری، کتاب الاحکام، باب، 13/264)

چوتھا قول: خلافت واحدہ پر اجماع لوگوں کا بارہ امیروں تک ہوگا۔ کما ذکرہ السیوطی۔

پانچواں قول: اس سے اشارہ فرمایا حدیث خیر القرون کی طرف یعنی ان قرون میں غالب اخیار ہوں گے اور وہ بارہ ہوں گے۔

چھٹا قول: اس سے مراد مہدی اور ان کے بعد کا زمانہ ہے اس وقت بارہ امیر ہوں گے۔

ساتواں قول: اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی زمانہ میں بارہ امیر ہوں گے اور سب کے سب دعویٰ خلافت کریں گے۔

آٹھواں قول: اس سے اشارہ ہے خلفاء بنوامیہ کی طرف جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہوئے ہیں۔ (1) یزید بن معاویہ (2) اس کا بیٹا معاویہ (3) عبدالملک (4) ولید (5) سلیمان (6) عمر بن عبدالعزیز (7) یزید بن عبدالملک بن ہشام (8) ولید بن زید (9) یزید بن الولید (10) ابراہیم بن الولید (11) مروان بن الحکم (12) حکم ابن مروان ان کے بعد خلافت منتقل ہوگئی بنوعباس کی طرف پھر ان میں اور ہوتے رہے ہیں۔

فسالت الذی یلینی: مسلم کثیر روایات میں فسالت ابی واقع ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ ان بارہ امیروں سے اہل بیت مراد ہیں، امیں سے بعض خلافت کے منصب پر فائز ہوگئے تھے اور بعض نہیں، وہ بارہ یہ ہیں: (1) علی (2) حسن (3) حسین (4) زین العابدین (5) محمد باقر (6) جعفر صادق (7) موسیٰ کاظم (8) علی رضا (9) محمد تقی (10) علی تقی (11) حسین عسکری (12) اور پھر آخر میں حضرت مہدی آئیں گے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب المناقب، باب مناقب قریش 11/135)

من اھان سلطان اللہ ... الخ۔ یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی اور بادشاہت کا لباس پہنا دیا ہو یا اس طرح کا کوئی معزز عہدہ اس کو ملا ہے اب اس کو کوئی شخص رسوا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کریں گے معلوم ہوا کہ کسی معزز شخص کو برسرعام رسوا کرنا درست نہیں ہے بالخصوص بادشاہ وحاکم کو۔ ھذا حدیث حسن غریب اخرجہ النسائی

سند کی بحث: اس حدیث کی پہلی سند سماک بن حرب کی ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور دوسری سند ابوبکر بن ابی موسیٰ کی ہے وہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، پہلی سند معروف ہے اور دوسری غریب ہے، یعنی ابوبکر کا یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا انجانا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْخِلَافَةِ

باب ۴۲: خلافتِ راشدہ کا بیان

(۲۱۵۱) قِيلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ إِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ وَإِنْ لَمْ أَسْتَخْلِفْ لَمْ يَسْتَخْلِفْ رَسُولُ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: سالم بن عبداللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا اگر آپ کسی کو خلیفہ مقرر کردیں (تو یہ مناسب ہوگا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کردوں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا اگر میں کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کرتا تو نبی اکرم ﷺ نے بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔

(۲۱۵۲) الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ لِي سَفِينَةُ أَمْسِكْ خِلَافَةَ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ قَالَ وَخِلَافَةَ عُمَرَ وَخِلَافَةَ عُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ لِي أَمْسِكْ خِلَافَةَ عَلِيٍّ قَالَ فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِينَ سَنَةً قَالَ سَعِيدٌ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ يَزْعُمُونَ أَنَّ الْخِلَافَةَ فِيهِمْ قَالَ كَذَبُوا بَنُو الزَّرْقَاءِ بَلْ هُمْ مُلُوكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوكِ.

ترجمہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت میں خلافت تیس سال تک رہے گی اس کے بعد بادشاہت آجائے گی۔ راوی کہتے ہیں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک اور بار کہا تم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شمار کرو پھر انہوں نے فرمایا حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شمار کرو پھر انہوں نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شمار کرو (راوی کہتے ہیں) جب ہم نے شمار کیا تو اسے تین سال پر مشتمل پایا۔

سعید نامی راوی بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا بنو امیہ یہ کہتے ہیں خلافت ان کے درمیان ہے تو انہوں نے فرمایا بنو زرقا نے غلط کہا ہے یہ لوگ بادشاہ ہیں اور بدترین بادشاہ ہیں۔

خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدت خلافت:

مدت خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ دو سال تین ماہ دس دن۔ خلافت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ دس سال چھ ماہ اور آٹھ دن۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ گیارہ سال گیارہ مہینے نو دن خلافت علی رضی اللہ عنہ چار سال نو ماہ سات دن۔ بعض حضرات نے ایام کا ذکر کیا پھر قدرے فرق کے ساتھ بھی ذکر کیا پھر تیس سال میں جو کمی ہے اس کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت سے پورا کیا اور ان کو بھی خلفاء میں شمار کیا ہے۔

بعض نے فرمایا خلفاء اربعہ ہی کی خلافت تیس سال ہے۔

اعتراض: ارباب حل وعقد کا اتفاق ہے کہ خلفاء اربعہ کے علاوہ بھی خلفاء تھے جیسا کہ بنو امیہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح

بعض خلفاء عباسیہ ہیں تو پھر تیس سال کا قول کیسے درست ہوگا؟

جواب: مراد ایسی خلافت ہے جس میں مخالفت حق کی آمیزش بالکل نہیں تھی اس کے بعد کبھی ہوگی خلافت حق اور کبھی نہیں ہوگی۔

کذبوا بنو الزرقاء: اکلونی البراغیث سے ہے کہ فاعل مظہر کے ہوتے ہوئے فعل جمع کے ساتھ لایا گیا ہے۔ الزرقا امراۃ من امہات بنی امیۃ۔

مسلم شریف کتاب الامارۃ کے شروع میں یہ حدیث مفصل آئی ہے، اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کا تذکرہ کیا تو میں سمجھ گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، آپ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کریں گے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے کسی کو معین طور پر خلیفہ نہیں بنایا بلکہ چھ آدمیوں میں خلافت دائر کی اور حدیث میں جو لمبا مضمون ہے وہ مسلم شریف (حدیث 1823) میں ہے۔

انعقاد خلافت کے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: ارباب حل وعقد بیعت کے ذریعہ خلیفہ متعین کریں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

دوسرا طریقہ: موجودہ خلیفہ بعد والے خلیفہ کو نامزد کرے، اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

تیسرا طریقہ: خلیفہ خلافت کو ایک جماعت میں دائر کردے اور کہہ دے کہ ان میں سے ایک کو منتخب کیا جائے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی ہے۔

چوتھا طریقہ: استعلاء (تغلب) ہے یعنی ایسا شخص جو خلافت کی شرطوں کا جامع ہے لوگوں پر غلبہ پالے اور حکومت پر قبضہ جمالے، تو اس سے بھی خلافت منعقد ہوجاتی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس طرح منعقد ہوئی تھی؟ اس میں اختلاف ہے، اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان مہاجرین وانصار کے بیعت کرنے سے خلیفہ ہوئے تھے جو بروقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، یعنی پہلے طریقہ پر آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی تھی اور دوسری رائے یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد بذریعہ شوریٰ ہوا تھا مگر یہ رائے ضعیف ہے۔

وفی الحدیث قصۃ طویلۃ: اس حدیث میں ایک طویل واقعہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہمارے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنا رہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، ایسا نہیں وہ ضرور کسی کو خلیفہ بنائیں گے اور قسم کھائی کہ میں اس موضوع پر اپنے والد سے ضرور بات کروں گا، فرماتے ہیں کہ والد کے ساتھ اس طرح بات کرنا میرے لئے بہت مشکل تھا، گویا میں نے اپنے ہاتھ میں پہاڑ اٹھا رکھا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ لوگوں میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنا رہے، جب کہ خلیفہ نامزد کرنا چاہئے، یوں رعایا میں انتشار اور فتنے پھیلیں گے کچھ توقف کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ اپنے دین کی حفاظت فرمائیں گے، اور فرمایا کہ اگر میں خلیفہ نہیں بنا رہا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا اور نامزد کردوں تو یہ بھی درست ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا ہے، ابن عمر کہتے ہیں کہ میں آپ کی گفتگو سمجھ گیا کہ والد صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں گے تاہم اپنے بعد خلیفہ کی نامزدگی کے لئے عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کرام کی کمیٹی بنادی، جو باہمی صلاح ومشورے سے تیسرے خلیفہ کا

تعین کرسکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بَابُ مَاجَآءَ اَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ

باب ۴۳: قیامت تک خلفاء قریش میں سے ہوں گے

(۲۱۵۳) كَانَ نَاسٌ مِّنْ رَبِيْعَةَ عِنْدَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ لَّتَنْتَهِيَنَّ قُرَيْشٌ اَوْ لَيَجْعَلَنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرَ فِيْ جُمْهُوْرٍ مِّنَ الْعَرَبِ غَيْرِهِمْ فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ كَذَبْتَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ قُرَيْشٌ وُلَاةُ النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابوہذیل بیان کرتے ہیں ربیعہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے تو بکر بن وائل قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے کہا یا تو قریش (اپنی زیادتیوں) سے باز آجائیں گے یا پھر اللہ تعالیٰ اس حکومت کو دیگر عربوں کے سپرد کردے گا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے غلط کہا ہے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے بھلائی اور برائی (ہر طرح کی صورتحال میں) قیامت کے دن تک قریش لوگوں کے حکمران رہیں گے۔

(۲۱۵۴) لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَوَالِيْ يُقَالُ لَهٗ جَهْجَاهٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رات اور دن اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک غلاموں سے تعلق رکھنے والا ایک شخص حکمران نہیں بن جائے گا جس کا نام جہجاہ ہوگا۔

تشریح: هذا الامر: ای الریاسته والخلافة فی الخیر والشر: ای فی الاسلام و الجاهلیة۔ الی یوم القیامة: ای یستمر الی یوم القیامة.

"یہ امر یعنی خلافت کا اور ریاست کا خیر اور شر یعنی اسلام اور جہالت میں قیامت تک قریش کے پاس رہے گا۔"

ولاة الناس...الخ: یعنی حق خلافت قیامت تک قریش کو حاصل ہے یہ الگ بات ہے کوئی ان پر غالب آجائے۔

خلافت قریش: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ قریش کی خلافت و ریاست کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔

اوّل: روایۃ الباب۔ دوم: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث۔ سوم: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اخرجہ مسلم

رہا خلیفہ (سربراہِ اعظم) کا معاملہ تو عام طور پر اہل السنہ والجماعہ کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ راشد کا قریشی ہونا ضروری ہے، حدیث میں ہے: ''ائمہ قریش میں سے ہوں'' یہ حدیث چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (فتح الباری 7:32)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں: اس حدیث پر امت کا اجماع ہے۔ (ازالۃ الخفاء) تقریباً اس پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اجماع ہوگیا تھا اسی طرح تابعین و تبع تابعین کا بھی اس پر اجماع رہا ہے قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هو مذهب العلماء كافة خلافا للنظام المعتزلی و غیر هم من اهل البدع.

"یہ تمام علماء کا مسلک ہے لیکن نظام معتزلی نے اس میں اختلاف کیا ہے اور دوسرے بعض اہل بدعت بھی نظام معتزلی کے ساتھ ہیں۔"

چنانچہ آپ ﷺ کی وفات پر سلسلہ خلافت کے استحقاق کے لئے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے یہی روایت پیش کی تھی جب یوم سقیفہ میں حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے اس میں کچھ اختلاف کیا تھا اس روایت کو سن کر وہ سب خاموش ہو گئے تھے۔

اور حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے خلیفہ راشد کے قریشی ہونے کی وجوہ بیان فرمائی ہیں کہ اس کے ذریعہ دین کی تمکین خوب ہوسکتی ہے، اور وہ دین کی سب سے زیادہ حفاظت کرے گا اور قریشی میں حکومت کرنے کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

پہلی صورت: تمام اسلامی دنیا کے خلیفہ کو قریشی ہونا چاہئے، روایات کا مصداق یہی صورت ہے۔

دوسری صورت: اگر یہ بات ممکن نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ حکومتیں ہوں تو ہر ملک کے بادشاہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں۔

اور حدیث 5 وغیرہ اگرچہ عام ہیں مگر حقیقت میں خاص ہیں، وفات نبوی ﷺ کے بعد جو صورت حال پیش آنے والی تھی اس میں یہ رہنمائی تھی کہ خلیفہ قریش میں سے چنا جائے، دوسرے قبائل میں سے نہ چنا جائے اور ایسا عام طور پر ہوتا ہے حدیث بظاہر عام ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس کا مصداق خاص ہوتا ہے، اس کی نظیر کتاب الجنائز باب 52۔ اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ استیلاء وتغلب کی صورت میں کوئی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے جیسا کہ باب کی دوسری روایت میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک آزاد جہجاہ نامی بادشاہ بن جائے گا، یہ وہی تغلب والی صورت ہے اور ایسی صورت میں عورت کی سربراہی بھی درست ہے، اس کی خلافت بھی منعقد ہوجائے گی اور اس کے احکام واجب الاطاعت ہوں گے۔ تا کہ اختلاف بین المسلمین نہ ہو۔

اعتراض: آپ ﷺ کا ارشاد اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ.

"تم سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اُوپر ایک حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے کہ جس کا سر نہ ہو۔" (بخاری ومسلم)

اسی طرح دوسری روایت ام حصین کی مسلم میں ہے: ان امر علیکم عبد مجدع یقرؤ کم بکتاب اللہ فاسمعوا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش حتیٰ کہ غلام بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کی جائے بظاہر روایات میں تعارض ہے۔

جواب ①: اس طرح کی کل روایات کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص قریہ وغیرہ کی امارت کسی غلام یا غیر قریشی کے سپرد کی جائے تو اس کی اطاعت لازم ہے قریش ولاۃ الناس ہیں مراد امام اعظم ہے یعنی امام اعظم تو قریش ہوگا البتہ امارت جیش وغیرہ غیر قریش کے بھی سپرد کی جاسکتی ہے جیسا کہ متعدد واقعات آپ ﷺ کے زمانہ میں پیش آئے ہیں۔

جواب ②: یا روایت میں عبد حبشی لفظ مبالغۃً واقع ہے اس سے مقصود امام کی اطاعت کی ترغیب ہے اور امت کو اختلاف سے بچانا ہے۔

موالی: بفتح المیم جمع مولیٰ ای ممالیک حتیٰ یملك الخ ای حتیٰ یصیر حاکما علی الناس.

جهجاہ: بفتح الجیم و اسکان الھاء مراد یہ کہ قیامت اس وقت واقع ہوگی جب ایک غلام حاکم ہوگا جس کا نام جہجاہ ہوگا۔

ھذا حدیث حسن غریب اخرجہ مسلم۔

ائمۃ مضلین: سے مراد اہل بدعۃ ہیں یا ایسے ذمہ دار مراد ہیں جو فسق وفجور میں مبتلا ہیں۔

علی الحق: یہ لاتزال کی خبر ہے ای ثابتین علی الحق علماً و عملاً.

ظاھرین: غالبین علی الباطل حجۃ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاھرین لاتزال کی دوسری خبر ہے یا ثابتین کی ضمیر سے حال ہے:

ای ثابتین علی الحق فی حالۃ کونھم غالبین علی العدو.

"یعنی حق پر قائم رہنے والے لیکن وہ دشمن پر غالب آنے والے ہوں گے۔"

حتیٰ یاتی امر اللہ : اس سے مراد قیامت ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہوا ہے کہ اس کے چلتے وقت ہر مومن و مومنہ کی روح قبض کرلی جائے گی۔ هذا حديث صحيح اخرجه مسلم و ابن ماجه

شیعوں کے نزدیک خلیفہ راشد کا ہاشمی : بلکہ علوی ہونا شرط ہے،: مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ یہ اشتراط لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا کرے گا، کہنے والے کہیں گے: یہ نیا دین اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کے لئے ہے، علاوہ ازیں خلیفہ کے لئے کسی متعین خاندان میں سے ہونے کی شرط لگانا حرج اور تنگی کا باعث ہے، ممکن ہے اس خاندان میں ایسا آدمی نہ ہو اور دوسرے خاندان میں ہو۔

قریش ولاة الناس في الخير والشر : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش زمانہ اسلام اور جاہلیت دونوں میں حاکم ہوں گے، گویا یہ ان کی خصوصیت ہوگی۔ اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے: نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ، زید بن حارثہ اور اسامہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کو مختلف غزوات میں امیر بنایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش بھی امیر بن سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں خلافت عظمیٰ کا ذکر نہیں بلکہ ذیلی عہدے کا ذکر ہے، امت اس پر متفق ہے: کہ ماتحت امارتوں کے لئے کوئی شرط نہیں، جس میں بھی صلاحیت ہو اس کو حاکم بنایا جاسکتا ہے، اور حدیث نمبر 7 اس کی دلیل ہے، نبی ﷺ نے مختلف مواقع میں غیر قریشیوں کو بھی امیر بنایا ہے اور عقلاً بھی یہ بات ضروری ہے، سارے عہدے کسی ایک قوم کے لئے خاص کردیئے جائیں تو اس میں دشواری ہوگی، اور بدگمانی کا موقع بھی رہے گا۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنی موت کے قریب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کروں گا، وہ زندہ نہ ہوئے تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤں گا، حالانکہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تو قریشی نہیں، وہ تو انصاری ہیں، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریش کو بھی امیر بنایا جاسکتا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس شبہہ کے حل کے لئے دو احتمال ذکر کئے ہیں:

(1) ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر کے بعد اس بات پر اجماع منعقد ہوا ہو کہ خلافت کا استحقاق صرف قریش کا ہے۔

(2) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بدل گئی ہو۔ (فتح الباری 13/149,145)

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ

باب ۴۴: گمراہ کرنے والے سربراہوں کا تذکرہ

(۲۱۵۵) اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِي الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مجھے اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے حکمرانوں کا اندیشہ ہے۔

تشریح: اگر حکومت کا سربراہ گمراہ ہو جائے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرنے لگے تو وہ پورے ملک کو لے ڈوبے گا اور اتنا بڑا فتنہ ہوگا کہ لوگ اس کی تاب نہ لاسکیں گے اور اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں میں گہرا ربط ہے۔

گمراہ کن اماموں کا اندیشہ:

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کے بارے میں ایسے اماموں کا اندیشہ ذکر فرمایا، جو لوگوں کو فسق و فجور، نافرمانی، بے حیائی اور بدعات کی طرف دعوت دیں گے، مقصد یہ ہے کہ امت محمدیہ کو ایسے گمراہ کن رہنماؤں سے اجتناب کرنا ہوگا، لہٰذا ان کی مجلسوں میں شریک ہونا اور ان کی باتوں پر اعتماد کرنا کسی بھی طرح درست نہیں۔

طائفہ منصورہ کا ذکر:

اور فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق و صداقت پر برقرار رہے گی، ان کی کوئی مدد و نصرت کرے یا نہ کرے، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر یعنی قیامت یا مومنین کی روح قبض کرنے والی آجائے۔

اس طائفہ سے کون مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ اس سے اہل ایمان کا کوئی مخصوص طبقہ مراد نہیں کمامر۔

"امر اللہ" اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (1) امر سے "قیامت" مراد ہے۔ (2) اس سے وہ "ہوا" مراد ہو جو قریب قیامت میں چلے گی جس سے اہل ایمان کی روحیں قبض کر لی جائیں گی۔ اس حدیث میں ائمہ سے مراد حکومت کے سربراہ ہیں، دینی رہنما مراد نہیں، اگرچہ گمراہ دینی رہنما بھی بڑا فتنہ ہیں اور اس حدیث کے عموم میں ان کو لیا جا سکتا ہے مگر ماسیق لاجلہ الکلام گمراہ کرنے والے حکومت کے سربراہ ہیں۔

پہلی حدیث خطرے کی گھنٹی ہے اور دوسرے حدیث میں دین کی حفاظت کی بشارت ہے، یعنی ایسے امراء ہوں گے جو خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے جس طرح بنو عباس کے دور میں امراء: معتزلہ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا جس سے تمام خوفزدہ ہوگئے مگر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رحمہ اللہ کو کھڑا کیا جنہوں نے حکومت کی پرواہ کئے غیر دین کا بول بالا کیا اور ایک وقت آیا کہ اس فتنہ نے دم توڑ دیا، اور حق کا بول بالا ہوا۔

اسی طرح ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے جب نیا دین: دین الٰہی گھڑا تو مسلمانوں کے لئے موت و زیست کی حالت پیدا ہوگئی، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو کھڑا کیا اور ان کی محنت سے ایک دو باشاہوں کے بعد وہ فتنہ ختم ہوگیا اور عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین کو بول بالا کیا۔ غرض جب بھی ایسی صورت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت فرماتے ہیں اور اہل حق غالب رہتے ہیں اور اعدائے دین کی مخالفت ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْمَهْدِیِّ

باب ۴۵: حضرت مہدی کا تذکرہ

(۲۱۵۶) لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اسْمُهٗ اسْمِيْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک میرے اہل بیت سے تعلق رکھنے والا ایک شخص عرب کا حکمران نہیں بن جائے گا اس کا نام میرے نام کی طرح ہوگا۔

(۲۱۵۷) يَلِيْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اسْمُهٗ اسْمِيْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میرے اہل بیت میں سے ایک حکمران ہوگا جس کا نام میرے نام کی طرح ہوگا۔

(۲۱۵۸) خَشِيْنَا اَنْ يَّكُوْنَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ فَسَاَلْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ فِيْ اُمَّتِي الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ يَعِيْشُ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا اَوْ تِسْعًا زَيْدٌ الشَّاكُّ قَالَ قُلْنَا وَمَا ذَاكَ قَالَ سِنِيْنَ قَالَ فَيُجِيْئُ اِلَيْهِ رَجُلٌ فَيَقُوْلُ يَا مَهْدِيُّ اَعْطِنِيْ اَعْطِنِيْ قَالَ فَيَحْثِيْ لَهٗ فِيْ ثَوْبِهٖ مَا اسْتَطَاعَ اَنْ يَّحْمِلَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بے دینی ہوجائے گی تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مہدی آئے گا وہ پانچ یا سات یا نو سال تک رہے گا۔ یہ شک زید راوی نامی کو ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں ہم نے دریافت کیا اس سے مراد کیا ہے؟ تو فرمایا اس سے مراد سال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر ایک شخص اس کے پاس آئے گا اور کہے گا اے مہدی ہمیں آپ عطا کیجئے آپ مجھے عطا کیجئے تو مہدی اس کے کپڑے میں (ساز وسامان) بھرنے کا حکم دیں گے اتنا کہ جتنا وہ شخص اٹھا سکتا ہو۔

تشریح: مھدی: (اسم مفعول) راہ یاب، ہدایت، مآب، یعنی جس کی گھٹی میں ہدایت پڑی ہوئی ہو، یہ اسم علم نہیں ہے بلکہ اسم وصف ہے اور سب سے پہلے یہ صفت خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوئی ہے، فرمایا:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، تمسکوا بھا، وعضوا علیھا بالنواجذ.

"تمہارے اُوپر میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے تم اسے مضبوطی سے تھام لو۔"

یعنی میرا طریقہ لازم پکڑو، اور میرے ان جانشینوں کا طریقہ لازم پکڑو جو راہ یاب ہو، ہدایت مآب ہیں، ان کے طریقہ کو مضبوط تھامو، اوران کے طریقے کو ڈاڑھوں سے کاٹو۔ اس حدیث میں چاروں خلفاء کو "مہدی" کہا گیا ہے اور زمانہ کے آخر میں بھی ایک خلیفہ راشد ہوں گے، ان کا بھی یہی وصف روایات میں آیا ہے اور درمیان میں بھی بہت سے مہدی (دینی رہنما) ہوں گے، اس باب میں اسی آخری شخصیت کا تذکرہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ بہت سے اسلامی فرقوں کا خیال یہ ہے کہ یہ شخصیت پیدا ہوچکی ہے، لیکن تمام اہل السنہ والجماعہ کا خیال ہے کہ ابھی یہ شخصیت پیدا نہیں ہوئی، ظہور مہدی، خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج یاجوج وموجوج سب ایک ساتھ پیش آنے والے واقعات ہیں، جن کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا۔

اور شیعوں کا خیال یہ ہے کہ ان کے بارہویں امام: مہدی ہیں جو پیدا ہوچکے ہیں اور ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں، جب دنیا میں تین سو تیرہ مخلص شیعہ ہوں گے تب ان کا ظہور ہوگا، یہ سب سفسطہ (مغالطہ، وہ قیاس جو وہمیات سے مرکب ہو) ہے، اور خود

انہوں نے اپنے منافق ہونے کا اقرار کرلیا۔

علاوہ ازیں اور بھی فرقے بعض لوگوں کی مہدویت کے قائل ہیں مثلاً: ہندوستان کے مہدوی فرقہ کے لوگ محمد جونپوری کو مہدی مانتے ہیں اور قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی کہتے ہیں، مگر روایات کی روشنی میں، آپ اس باب کی روایات پڑھیں، ان سے صاف معلوم ہوگا کہ ابھی اس شخصیت کا ظہور نہیں ہوا۔

انتباہ: حضرت مہدی کے ساتھ ''امام'' یا ''علیہ السلام'' کا اضافہ درست نہیں، مہدی کی امامت کا عقیدہ شیعوں کا ہے، اہل السنہ اس کے قائل نہیں اور شیعوں کے نزدیک ان کے بارہ امام نبوت کی حقیقت کے حامل تھے اس لئے وہ ان کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام بڑھاتے ہیں، مگر اہل السنہ اس کے قائل نہیں، رہا ''رضی اللہ عنہ'' کا استعمال تو اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی اس شخصیت کا وجود ہی نہیں ہوا، اس لئے صرف مہدی یا حضرت مہدی کہنا چاہئے۔

خشينا ان يكون بعد نبينا حدث: الامر الحادث المنكر الذى ليس بمعتادٍ ولا معروف فى السنة۔

''ہمیں ڈر لگنے لگا یہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نئی باتیں نہ ایجاد ہوں۔ امر حادث سے مراد ایسا امر ہے جو نہ ہی معتاد اور معروف ہو یعنی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو۔''

جواب ①: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ (بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان کا جو اس سے ملے ہوئے ہیں پھر جو ان سے ملے ہوئے ہیں) فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید ان زمانوں کے بعد بدعات اور نئی باتیں پیش آئیں گی تو قیامت اچانک آجائے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقۃً علی الامۃ ارشاد فرمایا اوّلاً حضرت مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے اور بدعات وغیرہ کو ختم کریں گے، ایسا نہ ہوگا کہ اچانک قیامت آخر امت ختم ہوجائے گی۔

جواب ②: یا یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ہر زمانہ خیر سے خالی ہوتا نظر آتا ہے کہ کل کی جو حالت تھی آج نہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سوچا کہ شاید بالکل اخیر میں لوگ زائد گمراہ ہوجائیں گے چنانچہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ثم یفشو الکذب الخ: اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں شرور وفتن زائد ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تسلی فرمایا ایسا نہیں بلکہ ایک زمانہ مہدی کا بھی ہوگا کہ وہ خیر کا زمانہ ہوگا۔

يعيش خمسًا اوسبعًا اوتسعًا زيد الشاك قال قلنا وما ذاك قال سنين: زید کو شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ فرمایا یا سات یا نو، ابوداؤد شریف میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں سبع سنین جزم کے ساتھ واقع ہوا ہے اسی طرح اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی سبع سنین واقع ہے لہٰذا روایت جازمہ روایت مشکوکہ پر راجح ہوگی یا یہ کہا جائے پانچ سال تو علامات قیامت کے ہوں گے اور دو سال کفار سے جنگ رہے گی پھر دو سال امن وسکون کے ہوں گے اس طرح وہ کل نو (۹) سال ہوجائیں گے۔

اعطنی اعطنی: تکرار برائے تاکید ہے یا مقصود بار بار لینا ہے۔

فيحثى له ثوبه ما استطاع ان يحمله: یعنی مہدی سائل کو اس قدر عطاء فرمائیں گے جس کو وہ اٹھا سکے یعنی اس وقت مال کی کثرت ہوگی کہ فتوحات خوب ہوں گی مال غنیمت بہت حاصل ہوگا اور حضرت مہدی سخی بھی ہوں گے۔ هذا حديث حسن اخرجه احمد۔

حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں کہ آخر زمانہ میں وہ تشریف لائیں گے اور اسلامی حکومت قائم کریں گے ان کا قیام سات سال رہے گا وہ انتہائی فتوحات اسلامیہ کا دور ہوگا غنائم کی کثرت ہوگی وہ خود سخی ہوں گے لوگ ان سے مال وغیرہ مانگیں گے وہ حسب منشاء عنایت فرمائیں گے حضرت مہدی کے بارے میں مستقل رسائل علماء نے تحریر فرمائے ہیں جن میں ان احادیث کو جمع فرمایا ہے جو ان کے نزول کے بارے میں وارد ہیں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موضوع پر تین رسالے ہیں العرف الوردی فی اخبار المهدی البرہان فی علاماۃ مہدی آخر الزمان تلخیص البیان فی علامۃ مہدی آخر الزمان اسی طرح علی متقی کا رسالہ البرہان فی علاماۃ مہدی آخر الزمان اسی طرح دیگر علماء کے رسائل ہیں علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی فرمایا نزول المهدی کے بارے میں روایات متواترہ موجود ہیں۔

اور آپ کا مبارک نام محمد ہوگا، آپ کے والد کا نام عبداللہ، آپ کا خاندانی تعلق بنو ہاشم ہوگا، آپ والد کی طرف سے حسنی سید ہوں گے اور والدہ کی طرف سے حسینی۔ (ابوداؤد: حدیث 4290) میں اس کی صراحت ہے اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اللہ کی خوشنودی کے لئے خلافت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں ایک شخص کو سچی خلافت قائم کرنے کا موقع دیا۔ اور یہ دستور خداوندی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی چیز سے دست بردار ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یا اس کی اولاد کو اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔ (المنار المنیف ص: 151، فیض القدیر 6:279)

بَابُ مَا جَآءَ فِي نُزُوْلِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ

باب ۴۶: نزول عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

(۲۱۵۹) وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے عنقریب تمہارے درمیان حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا نزول ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کردیں جزیہ کو ختم کردیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے اس کو لینے والا کوئی نہیں بچے گا۔

تشریح: حضرت مہدی کے زمانہ میں دجال کا خروج ہوگا اور جب حالات سنگین ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتاریں گے جو دجال کو قتل کریں گے اور اس فتنہ کو فرو کریں گے۔

یضع الجزیۃ: حافظ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دین واحد ہوگا کوئی ذمی ومستامن نہ ہوگا سارے مسلمان ہوں گے حکم ہوگا۔ اما الاسلام و اما السیف۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ مال اس قدر کثیر ہوگا کہ لوگوں سے جزیہ حاجت نہ ہوگی۔

تیسرا قول: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی مال وغیرہ کو نہیں قبول فرمائیں گے

اس معنی کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے کیونکہ جزیہ کا جواز مقید ہے نزول مسیح کے ساتھ یہ حکم ہماری شریعت کا ہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات قیامت میں سے ہے یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب و مقتول ہوئے ہیں قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ ان کا رد کیا گیا فرمایا: ﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۵۴)..... ﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (النساء:۱۵۷) اسی طرح سورہ نساء میں بھی تفصیل موجود ہے نصاریٰ کا عقیدہ بھی مصلوب و مقتول ہونے کا ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کو دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھالیا گیا۔

مذکورہ بالا آیات سے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے ان دونوں کے مقابل اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان یہودیوں کے ہاتھ سے ان کو نجات دی اور ان کو آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا ہے نہ ان کو قتل کیا جاسکا اور نہ ہی سولی دی گئی ہے وہ قرب قیامت آسمان سے اتریں گے یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی طور پر وفات پائیں گے اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص الحبیر میں اس اجماع نقل کیا ہے قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث متواترہ نیز اجماع امت سے یہ ثابت ہے یہاں اس کی پوری تفصیل کا موقع نہیں اور نہ ہی ضرورت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی فرمایا:

و قد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انہ اخبر بنزول عیسٰی علیہ السلام قبل یوم القیامۃ اماما عادلًا...الخ

بہر حال اس موضوع پر رسائل اور کتابیں موجود ہیں ان کو دیکھ لیا جائے یہاں صرف مختصر سی بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ سورۃ آل عمران کے گیارہویں رکوع میں حق تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا جس کے اجمالاً ذکر کرنے پر اکتفا فرمایا اس کے بعد تقریباً رکوع اور بائیس آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ خود خاتم الانبیاء ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا ذکر، ان کی نذر کا بیان، والدہ کی پیدائش، ان کا نام، ان کی تربیت کا تفصیلی ذکر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بطن مادر میں آنا، پھر ولادت کا مفصل حال ولادت کے بعد ماں نے کیا کھایا پیا اس کا ذکر، اپنے خاندان میں بچے کو لے کر آنا، ان کے طعن و تشنیع اول ولادت میں ان کو بطور معجزہ گویائی عطا ہونا، پھر جوان ہونا اور قوم کو دعوت دینا، ان کی مخالفت حواریین کی امداد، یہودیوں کا نرغہ، ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ پھر احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات شکل و صورت ہیئت لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن و حدیث میں کسی نبی اور رسول کے حالات اس تفصیل سے بیان نہیں کئے گئے اور یہ بات ہر انسان کو دعوت دیتی ہے کہ ایسا کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔

ذرا بھی غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ چونکہ آخری نبی و رسول ہیں کوئی دوسرا نبی آپ ﷺ کے بعد آنے والا نہیں اس لئے آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام فرمایا کہ قیامت تک جو جو مراحل امت کو پیش آنے والے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیں اس لئے آپ نے ایک طرف تو اس کا اہتمام فرمایا کہ آپ کے بعد قابل اتباع لوگ کون ہوں گے ان کا تذکرہ اصولی طور پر عام اوصاف کے ساتھ بھی بیان فرمایا بہت سے حضرات کے نام متعین کر کے بھی امت کو ان کے اتباع کی تاکید فرمائی اس کے بالمقابل ان گمراہ لوگوں کا بھی پتہ دیا جن سے امت کے دین کو خطرہ تھا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الدَّجَّالِ

دجال کا تذکرہ

دجال کی وجہ تسمیہ:

دجال کا لفظ دجل سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے چھپانا اور ڈھانپ لینا کذاب کو بھی دجال اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ حق کو باطل کے سبب سے چھپا دیتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دجال کی وجہ تسمیہ میں دس اقوال ہیں: (فتح الباری ج ۱۳ ص ۹۱ مطبوعہ دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

دجال کی معرفت کے متعلق ضروری امور کا بیان:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: دجال کی بحث میں جن اُمور کا جاننا ضروری ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) **آیا صیاد دجال تھا یا نہیں؟** اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے۔

کہ ابن صیاد لغوی معنوں میں دجال تھا لیکن جس دجال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے اور جس کی مخصوص صفات بیان فرمائی ہیں اس کا ظہور قرب قیامت میں ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہی خبر دی ہے۔

(۲) **کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دجال موجود تھا یا نہیں؟** اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت تمیم داری کی جو روایت بیان کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ دجال عہد رسالت میں بھی موجود تھا اور بعض جزائر میں مقید تھا۔

(۳) **دجال کا خروج کب ہوگا؟** اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نواس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اس وقت دجال کا ظہور ہوگا (لیکن یہ واقعہ دوبارہ قرب قیامت میں ہوگا۔)

(۴) **دجال کے خروج کا سبب کیا ہوگا؟** اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ کسی چیز پر غضب میں آنے کی وجہ سے اس کا خروج ہوگا۔

(۵) **دجال کا خروج کس جگہ سے ہوگا؟** تو اس پر اتفاق ہے کہ اس کا خروج مشرق کی جانب سے ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا خروج خراسان سے ہوگا اس روایت کو امام احمد اور امام حاکم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت کیا ہے کہ اس کا خروج اصفہان سے ہوگا۔

(۶) **دجال کی صفات کیا ہیں؟** تو اس باب کی احادیث میں ہے وہ کانا ہوگا اور اس کی کانی آنکھ انگور کی طرح پھوٹی ہوئی ہوگی اس کی آنکھوں کے درمیان، ک، ف، ر، لکھا ہوا ہوگا اس کے ساتھ آگ اور پانی کے دریا ہوں گے وہ ایک آدمی کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا وغیرہ وغیرہ۔

(۷) **وہ کس چیز کا دعویٰ کرے گا؟** جب اس کا خروج ہوگا تو پہلے مرحلہ میں وہ ایمان اور صلاح کا دعویٰ کرے گا پھر نبوت کا دعویٰ کرے گا اس کے بعد الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

دجال کی الوہیت باطل کرنے کے لیے اس کے کانے پن کو بیان کرنے کی وجہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دعویٰ الوہیت کو رد کرنے کے لیے صرف اس بیان پر اکتفاء کی کہ وہ کانا ہوگا حالانکہ اس کے حادث اور مخلوق ہونے پر اور بھی دلائل موجود تھے کیونکہ آنکھ کا کانا ہونا ایک ایسا واضح عیب ہے جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل کیونکہ وہ ربوبیت کا دعویٰ کرے گا اور اس کی خلقت ناقص ہوگی امام مسلم اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بعض روایات میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھے گا اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ دجال کا ربوبیت کا دعویٰ جھوٹا ہے کیونکہ دجال الوہیت کا دعویٰ کریگا اور لوگ اس کو دیکھ رہے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الدَّجَّالِ

باب ۴۷: دجال کا بیان

(۲۱۶۰) اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهُ وَاِنِّي اُنْذِرُ كُمُوْهُ فَوَصَفَهُ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَعَلَّهُ سَيُدْرِكُهُ بَعْضُ مَنْ رَاٰنِيْ اَوْ سَمِعَ كَلَامِيْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَكَيْفَ قُلُوْبُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ اَوْ خَيْرٌ.

ترجمہ: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے اور میں بھی تم لوگوں کو اس سے ڈرا رہا ہوں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اس کا حلیہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوسکتا ہے جس نے مجھے دیکھا یا میرے کلام کو سنا ان میں سے کوئی ایک اسے پالے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ اس وقت ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح ہوں گے (راوی کہتے ہیں جیسے آج ہیں) یا اس سے بہتر ہوں گے۔

(۲۱۶۱) قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَاَثْنٰى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّي لَاُنْذِرُ كُمُوْهُ وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَ قَوْمَهُ وَلَقَدْ اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهُ وَلٰكِنْ سَاَقُوْلُ فِيْهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَاَخْبَرَنِيْ عُمَرُ بْنُ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيُّ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَئِذٍ لِلنَّاسِ وَهُوَ يُحَذِّرُهُمْ فِتْنَةً تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ لَنْ يَّرٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ رَبَّهُ حَتّٰى يَمُوْتَ وَاَنَّهُ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَاُهُ مَنْ كَرِهَ عَمَلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اس کی حمد وثناء بیان کی ہے اور دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا میں تم لوگوں کو اس سے ڈرا رہا ہوں ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ڈرایا ہے لیکن میں تم کو اس بارے میں ایک ایسی بات بتا رہا ہوں جو کسی نبی نے

اپنی قوم کونہیں بتائی تم لوگ یہ بات جان لو کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن لوگوں کو دجال کے فتنے سے ڈراتے ہوئے یہ فرمایا تم لوگ یہ بات جانتے ہو کہ کوئی بھی شخص مرنے سے پہلے اپنے رب کی زیارت نہیں کرسکتا (اور دجال کو تم دنیا میں دیکھ لوگے) اور اس (دجال) کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا اسے وہ شخص پڑھ سکے گا جو اس کے عمل کو ناپسند کرے گا۔

(۲۱۶۲) تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُوْدُ فَتُسَلَّطُوْنَ عَلَيْكُمْ حَتّٰى يَقُوْلَ الْحَجَرُ يَا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَّرَائِيْ فَاقْتُلْهُ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہودی تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور تم ان پر غالب آ جاؤ گے یہاں تک کہ پتھر یہ کہے گا اے مسلمان یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے تم اسے قتل کردو۔

تشریح: مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون؟ دجال: اسم مبالغہ ہے، اس کے معنی ہیں: انتہائی فریب کار، یہ مسیح کذاب کا لقب ہے جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ دجل (ن) دجلًا: فریب دینا، دجل الحق: حق پر باطل کا پردہ ڈالنا، حق پوشی کرنا۔ اور مسیح: فعیل کا وزن ہے، مسح الشیئ کے معنی ہیں: ہاتھ پھیرنا، عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماسح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں، آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیمار چنگے ہوجاتے ہیں، اس لئے آپ کا یہ لقب قرآن میں آیا ہے اور دجال مسیح بمعنی ممسوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے، اس کی ایک آنکھ پر پیدائشی طور پر ہاتھ پھیرا ہوا ہوگا جس سے وہ آنکھ چوپٹ ہوگئی ہوگی اس لئے اس کا لقب بھی مسیح ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت!

تورات میں دونوں مسیحوں کی خبر دی گئی تھی مگر جب مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے محفوظ رکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا، مگر یہود کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے مسیح ضلالت کو کیفر کردار تک پہنچا دیا، اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کررہے ہیں، چنانچہ آخر زمانہ میں جب مسیح ضلالت پیدا ہوگا تو یہود بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے اور اسی شتباہ کو ختم کرنے لئے اللہ تعالیٰ مسیح ہدایت کو آسمان سے اتاریں گے جو مسیح ضلالت کو قتل کریں گے، پس لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون؟

اسی طرح عیسائیوں کو بھی ایک اشتباہ ہے، نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد اس کا ازالہ بھی ہے۔ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں آپ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبھی انبیاء کے خاتم ہیں۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کے خاتم النبیین میں الف لام عہدی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین میں الف لام استغراقی ہے مگر عیسائیوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ آخر زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر دین محمدی کی پیروی کریں گے تب برملا ظاہر ہوجائے گا کہ خاتم النبیین کامل تھا اور مقید کون؟ یہ بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ایک مقصد ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ دجال کا معاملہ مخفی رکھا گیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے تمام انبیاء برابر خروج دجال کی خبر

دیتے آئے ہیں اور اپنی امتوں کو اس کے سنگین فتنہ سے ڈراتے رہے ہیں، یہاں تک کہ نبی پاک ﷺ کا دور آیا، آپ ﷺ نے گزشتہ انبیاء سے بھی واضح اور دوٹوک انداز میں اپنی امت کو اس فتنہ سے ڈرایا، مگر آپ ﷺ کو بھی اس کے زمانہ کا پورا اندازہ نہیں تھا، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

دجالی فتنے:

دجل و تلبیس کے معنی ہیں: حقیقت پر پردہ ڈالنا، پس جو بھی نظریہ باطل پر ملمع چڑھاتا ہے اور اس کو حق باور کراتا ہے وہ دجالی فتنہ ہے، جیسے جھوٹی نبوتوں کے فتنے دجالی فتنے ہیں، حدیثوں میں ان پر لفظ دجال کا اطلاق آیا ہے، ایسے دجالی فتنے ہمیشہ ظہور پذیر ہوتے رہیں گے اور آخر میں دجال اکبر کا فتنہ رونما ہوگا جس کا تذکرہ اس باب میں ہے۔

دونوں کو مسیح کہا جاتا ہے: اور لفظ مسیح، دجال و عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان مشترک ہے البتہ لفظ مسیح کو دجال کے ساتھ مقید کر کے مسیح الدجال کہا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مطلق بولا جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی مختلف وجوہات ہیں: ① اندھے اور کوڑھی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسح فرمادیتے تو وہ ٹھیک ہوجاتے تھے۔ ② حضرت مسیح علیہ السلام اپنی والدہ کے پیٹ کی تمام گندگیوں سے ممسوح یعنی پونچھے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ ③ مسیح بمعنی صدیق بھی آتا ہے۔ ④ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دونوں پاؤں کے تلوے ممسوح اور ہموار تھے خم دار و باریک نہیں تھے۔ ⑤ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر کثرت سے سیاحت فرمائیں گے اس وجہ سے ان کو مسیح کہا گیا۔

دجال کو مسیح کہنے کی بھی مختلف وجوہات ہیں:

① اس کی ایک آنکھ ممسوح و ہموار ہوگی۔ ② ممسوح الخیر ہونے کی وجہ سے مسیح کہا گیا ہے کیونکہ خیر سے وہ محروم ہے۔ ③ کثرت مساحت کی بناء پر مسیح کہلاتا ہے کہ وہ ادھر ادھر بھاگا پھرے گا۔

اعتراض: انبیاء علیہم السلام کو یہ بات معلوم تھی کہ دجال کا خروج آپ ﷺ کی بعثت کے بعد ہوگا پھر انہوں نے اپنی قوم کو کیوں ڈرایا؟

جواب ①: یہاں انذار سے مراد نہیں کہ اس وجہ سے ڈرایا کہ وہ ان کے زمانے میں نکلے گا بلکہ انذار سے مراد یہ ہے کہ ایسا فتنہ ہوگا جو اہم فتنہ ہے تاکہ لوگوں کو اوامر کی طرف زیادہ متوجہ کیا جاسکے چونکہ اہم حوادث کے بیان سے لوگوں کی توجہ الی اللہ ہوجاتی ہے۔

جواب ②: ممکن ہے کہ سابق انبیاء پر اس کا وقت خروج مخفی رکھا گیا ہو جیسا کہ خود آپ ﷺ پر بھی ابتدائی مخفی رہا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے خود فرمایا: ان یخرج وانافیکم فانا حجیجه ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان اس وقت ہوسکتا ہے کہ خود آپ ﷺ پر بھی اس کا خروج مخفی تھا۔

جواب ③: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ابہام اس وجہ سے واقع ہوا ہے کہ علامات بعض مرتبہ معلق بالشرط ہوا کرتی ہیں ممکن ہے شرط پائی جائے جو معلوم نہ ہوسکے اور اس کا وجود ہوجائے اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے زمانہ میں ڈرایا۔

جواب ④: اللہ تعالیٰ کو ہر طرح قدرت ہے اور اس کے افعال معلل بالعلل والاسباب نہیں ہیں کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت کب اس کو یعنی دجال کو پیدا فرمادیں تو اس احتمال کی بناء پر انبیاء کی جانب سے انذار پایا گیا۔

سیدرکه بعض من رانی... الخ: یہاں سماع سے مراد عام ہے بلا واسطہ یا بالواسطہ تو اب معنی ہوں گے ظہور دجال کے وقت آپ ﷺ کے اقوال کو بالواسطہ سننے والے موجود ہوں گے یعنی امت محمد ﷺ بہر حال اس وقت ہوگی۔ اوسمع کلامی: میں

اوبرائے تنویع ہے نہ کہ برائے شک یعنی اور منع الخلو کے لئے ہے ن کہ الجمع کے لئے۔ قالوا یا رسول اللہ فکیف قلوبنا یومئذ فقال مثلها یعنی الیوم او خیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے معلوم کیا کہ دجال کے آنے کے وقت ہمارے قلوب کی کیا کیفیت ہوگی تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسے ہی ہوں گے جیسے آج کل ہیں یا بہتر ہوں گے اوبرائے شک ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوبرائے تنویع ہے افراد کے اعتبار سے ہے یعنی بعض لوگوں کے قلوب آج کل کی طرح ہوں گے اور بعض کے قلوب بہتر ہوں گے۔

وفی الباب عن عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ : اخرجه ابوداؤد ابن ماجه و عبداللہ مغفل اخرجه ابن حبان کم فی الموارد ص ۴۶۷ وابی هریرة رضی اللہ عنہ اخرجه الشیخان. هذا حدیث حسن غریب اخرجه ابوداؤد وسکت عنه.

ولکن ساقول فیه قولا لم یقله نبی لقومه: یعنی میں تم کو دجال کے بارے میں ایسی بات بتلاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی ہے چونکہ دجال کا خروج اس امت کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھا اس وجہ سے دجال کی علامت دیگر انبیاء کو نہیں بتلائی گئی تھی اور آپ ﷺ کو بتلا دی گئی تھی یعنی اس کے کانے ہونے کی خبر آپ ﷺ نے بتلائی کہ وہ الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور کانا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کانا ہے اور یہ علامت بھی ایسی علامت ہے جس کو ہر آدمی دیکھ لے گا اور پہچانے گا۔

تعلمون ان لن یر ای احد منکم ربه حتیٰ یموت وانه مکتوب بین عینیه کافر یقرأه من کره عمله.
اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دجال کے فتنہ سے ڈراتے ہوئے جو بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی زیارت نہ کر سکے گا لیکن یہ دجال اپنے اللہ تعالیٰ ہونے کا دعویٰ کرے گا اور اس کو لوگ دیکھیں گے معلوم ہوا کہ یہ اللہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا۔

وانه مکتوب بین عینیه کافر یقرأه من کره عمله: نیز فرمایا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا جو شخص اس کے عمل کو ناپسند کرے گا وہ اس کو پڑھ لے گا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر لکھا ہوا ہوگا بعض سے معلوم ہوتا ہے ک، ف، ر، بطور حروف تہجی مکتوب ہوگا چنانچہ مسند احمد کی روایت جابر رضی اللہ عنہ میں حروف ہجاء کی صراحت ہے اسی طرح طبرانی میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھی حروف ہجاء کی صراحت ہے نیز مسند احمد میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ایسے ہی ہے یقرأه الامی والکاتب۔ اسی طرح معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت مسند بزار میں اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ماجہ میں یقرأه کل مومن کاتب وغیرہ کاتب کی تصریح ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو یہ ادراک عطا فرمائیں گے کہ وہ دجال کے چہرہ پر لکھا ہوا لفظ (کافر) پڑھے گا اور یہ بطور خرق عادت ہوگا کیونکہ وہ خرق عادت کے صدور کا زمانہ ہوگا اور کافر کو یہ علامت نظر نہیں آئے گی خواہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے معتقدین کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیں گے یا کفار پر اس کا رعب اس قدر غالب ہوگا کہ وہ اس ہیبت کی بناء پر اس کی طرف نظر نہ کر سکیں گے۔ حدیث عمر بن ثابت رضی اللہ عنہ اخرجه الشیخان.

حتیٰ یقول الحجر: یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے چنانچہ مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال النبی ﷺ لا تقوم الساعة حتیٰ یقاتل المسلمون الیهود فیقتلهم المسلمون حتی الیهود من

وراء الحجر والشجر فيقول الحجر او الشجر يا مسلم يا عبدالله هذا اليهودي خلفي فتعال فاقتله الا الغرقد فانه من شجر اليهود۔ حديث ابن عمر رضي الله عنهما. اخرجه مسلم

بَابُ مَاجَاءَ مِنْ اَيْنَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ؟

باب ۴۹: دجال کہاں سے نکلے گا

(۲۱۶۳) اَلدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ اَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا خُرَاسَانُ يَتْبَعُهُ اَقْوَامٌ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ.

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بات بتائی ہے دجال مشرق کی سرزمین میں سے نکلے گا اس جگہ کا نام خراسان ہوگا کچھ لوگ اس کے ساتھ ہوں گے۔ جن کے چہرے چپٹی ڈھالوں کی مانند ہوں گے۔

تشریح: الکوکب الدری میں ہے کہ خروج دجال دو معنی میں مستعمل ہے، ایک: دجال کا ہم پر نکلنا یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں آنا دوسرے: مطلق نکلنا یعنی اس کا ظہور ہونا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے وہ سرزمین مشرق سے نکلے گا جس کو خراسان کہا جاتا ہے، جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان کی گھاٹی سے ہوگا، جیسا کہ باب 49 کی حدیث میں آرہا ہے اور خراسان: ایک خطہ ہے، جس میں نیشاپور، طوس، مرو، سرخ، بلخ، طالقان، فاریاب اور انبار وغیرہ شہر واقع ہیں اور المنجد میں اس کا نقشہ ہے۔

قال الدجال: یہ جملہ مستانفہ ہے حدثنا کی تاکید مقصود ہے یا حدثنا سے بدل ہے علی مذہب الشاطبی رحمہ اللہ کیونکہ ان کے نزدیک افعال میں بھی بدل و مبدل منہ کی ترکیب ہوتی ہے یا تقدیر عبارت اس طرح ہے حدثنا اشياء من جملتها قال الدجال.... الخ۔

يتبعه: اي يلحقه ويطيعه۔ كان وجوههم المجان المطرقة: المجان

دجال خراسان سے نکلے گا:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دجال مشرقی سرزمین خراسان سے نکلے گا، خراسان سے ایران، عراق اور ماوراء النہر کا سارا علاقہ مراد ہے، دجال کے پیروکار، ایسے لوگ ہوں گے جن کے چہرے چپٹے یعنی چوڑے اور رخسار ڈھال کی طرح ابھرے ہوئے ہوں گے جیسا کہ چینی، ازبک اور ترکیوں کے چہرے ہوتے ہیں، ان کے منہ کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ ان کے چہرے چوڑے، گولائی کے ساتھ پھیلے ہوئے اور گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، گویا ان کے چہرے کی گولائی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہونے کو "مطرقہ" یعنی اس ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی، جو تہ دار چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔

خروج دجال کے سلسلہ میں روایات میں چار جگہوں کا تذکرہ آتا ہے: (1) شام و عراق کے درمیان گھاٹی (2) اصبہان کے مقام یہودیہ (3) سرزمین مشرق یعنی خراسان (4) حوز وکرمان۔

اوران روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ دجال کا خروج اولیں شام وعراق کی وسطی گھاٹی سے ہوگا، مگر اس وقت اس کی شہرت نہ ہوگی اور اس کے اعوان وانصار یہودیہ گاؤں میں اس کے منتظر ہوں گے، وہ وہاں جائے گا اور ان کو ساتھ لے کر پہلا پڑاؤ حوز وکرمان میں کرے گا، پھر مسلمان کے خلاف اس کا خروج خراسان سے ہوگا، اور یہودیہ میں جو یہودی اس کا انتظار کررہے ہوں گے وہ ترک نسل ہوں گے، ان کے چہرے چوڑے اور ناک چپٹی ہوگی، اور پہلے (باب 34) میں عربوں کی ترکوں سے جنگ کا ذکر آیا ہے، شاید وہ یہی جنگ ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ مَاجَآءَ فِي عَلَامَاتِ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ

باب ۵۰: خروجِ دجال کی نشانیاں

(۲۱۶۴) اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰى وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِيْنِيَّةِ وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ فِيْ سَبْعَةِ اَشْهُرٍ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں زبردست خونریزی قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج (یہ تینوں علامات) سات مہینوں کے اندر ظاہر ہوجائیں گی۔

(۲۱۶۵) قَالَ فَتْحُ الْقُسْطَنْطِيْنِيَّةِ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قسطنطنیہ کی فتح قیامت قائم ہونے کے قریب ہوگی۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی تین علامتوں کا ذکر فرمایا ہے:

قسطنطنیہ روم کا پایۂ تخت تھا اور قسطنطین بادشاہ کا نام تھا جس نے یہ شہر بسایا تھا۔ الملحمة العظمى: یعنی فتنہ وجنگ عظیم ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ جنگ ہے جو شام روم کے مابین ہوئی ہے یا تا تار وشام کے درمیان جنگ مراد ہے جو ہوچکی ہے اور روایت میں مدت کی تعین مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے الملحمة العظمى کے بعد فتح قسطنطیہ ہے اور اس کے بعد خروج دجال جلد ہی ہوجائے گا یعنی ہر سابق لاحق کے لیے علامت ہے)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسطنطیہ اولاً خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ۵۲ فتح ہوا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی شہر کے محاصرہ میں ہوا پھر روم نے غلبہ پالیا پھر یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور دوسری مرتبہ ترکی کے بادشاہ محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فتح کیا اور اس کا نام استنبول یا اسلام بول رکھا یہ شہر فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہے آئندہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور خروج دجال سے پہلے حضرت مہدی اس کو فتح کریں گے

سند کا حال: باب کی روایت ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابوبکر بن ابی مریم غسانی شامی ہے جس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں ہوتیں اور منذری رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر سنن ابی داؤد (۶:۱۶۴) میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: هذا حديث غريب لانعرفه الامن هذا الوجه نقل کیا ہے پس ہمارے نسخوں میں جو حسن ہے وہ صحیح نہیں اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ چھ سال میں ہوگا اور ساتویں سال میں دجال نکلے گا امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اصح کہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

باب ۵۱: دجال کے فتنے کا تذکرہ

(۱۶۶۲) ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ ذَاتَ غَدَاةٍ.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے دس چیزوں کو بیان کیا تو ہم نے یہ سمجھا کہ وہ کھجوروں کے جھرمٹ میں ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے پھر جب ہم (اگلے دن) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری پریشانی کو محسوس کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا پریشانی ہے؟ راوی بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی یارسول اللہ آپ نے کل دجال کا تذکرہ کیا تھا اس کی اُونچ نیچ کو بیان کیا تھا یہاں تک کہ ہم تو یہ سمجھے کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال کی بجائے دوسری چیز کا تمہارے بارے میں زیادہ خوف ہے اگر وہ دجال نکلا اور اس وقت تمہارے درمیان میں موجود ہوا تو میں تمہارے لیے رکاوٹ ہوں گا اور اگر وہ اس وقت نکلا جب میں تمہارے درمیان موجود نہ ہوا تو ہر شخص اپنی طرف سے مقابلہ کرے گا اور ہر مسلمان کا میری جگہ اللہ تعالیٰ نگہبان ہوگا دجال ایک جوان آدمی ہوگا اور اس کے بال گھنگھریالے ہوں گے اس کی آنکھ کانی ہوگی اس کی شکل عبدالعزی بن قطن (زمانہ جاہلیت کے شخص) سے ملتی ہوگی تم میں سے جو شخص اسے دیکھ لے وہ سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے۔

وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں خرابی پیدا کرے گا اے اللہ کے بندو تم ثابت قدم رہنا۔

راوی کہتے ہیں ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین میں کتنا عرصہ رہے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس دن ان میں سے ایک دن ایک سال جتنا ہوگا ایک دن ایک مہینے کی طرح ہوگا ایک دن ایک ہفتے کی طرح ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے راوی بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دن جو ایک سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اندازے کے ساتھ نماز پڑھ لینا ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین میں کتنی تیزی سے حرکت کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح وہ بادل حرکت کرتے ہیں جسے تیز ہوا چلاتی ہے وہ لوگوں کے پاس آئے گا انہیں دعوت دے گا لوگ اسے جھٹلائیں گے اور اس کی بات کو مسترد کر دیں گے جب وہ ان کے پاس سے واپس جائے گا ان لوگوں کے اموال بھی اس کے ساتھ چلے جائیں گے اور ان لوگوں کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا پھر وہ دوسری قوم کے پاس آئے گا انہیں دعوت دے گا وہ لوگ اس کی دعوت قبول کریں گے اس کی بات کی تصدیق کریں گے وہ آسمان کو حکم کرے گا کہ بارش نازل کر تو آسمان بارش نازل کر دے گا وہ زمین کو حکم دے گا کہ پھل اگاؤ تو وہ اگا دے گی شام کے وقت ان لوگوں کے جانور (چراگاہوں سے) جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان لمبے ہوں گے کولہے چوڑے اور پھیلے ہوئے ہوں گے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے پھر دجال ایک ویران جگہ آ کر یہ کہے گا کہ اپنے خزانے نکال دو تو جب وہ وہاں سے واپس آئے گا تو وہ خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے آئیں گے پھر دجال ایک بھرپور

جوان شخص کو بلا کر تلوار کے ذریعے اس کے دوٹکڑے کر دے گا پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کی طرف آئے گا۔

اسی دوران حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے جامع دمشق کے سفید مشرقی مینار پر اس عالم میں اتریں گے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوں گے جب وہ اپنا سر نیچے کریں گے تو ان کے بالوں میں سے پانی کے قطرات ٹپکیں گے وہ اسے اوپر اٹھائیں گے تو وہ (قطرات) یوں چمکتے ہوئے محسوس ہوں گے جیسے موتی ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشبو جس کافر تک پہنچے گی وہ مر جائے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک جائے گی جہاں تک نگاہ جاتی ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے اور کے دروازے کے پاس اس کو پا کر اسے قتل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کو جب تک منظور ہوگا وہ زمین پر قیام کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی بھیجے گا کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر اکٹھا کرو کیونکہ میں ایک ایسی مخلوق کو اتارنے والا ہوں جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھیجے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور وہ بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان کا پہلا گروہ طبرستان کے سمندر کے پاس سے گزرے گا اور اس کے پورے پانی کو پی جائے گا اور جب دوسرا گروہ وہاں سے گزرے گا تو وہ یہ سوچیں گے کہ کیا یہاں پر پانی بھی ہوا کرتا تھا؟ پھر وہ لوگ آگے آئیں گے یہاں تک کہ بیت المقدس کے ایک پہاڑ کے پاس پہنچ جائیں گے اور یہ کہیں گے ہم نے زمین میں بسنے والے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے اور اب ہم آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں گے پھر وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو جب لوٹائے گا تو وہ خون آلود ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محصور ہوں گے اس وقت ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان کے نزدیک گائے کا ایک سر سو دیناروں کی طرح قیمتی ہوگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کی گردن میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہ لوگ بیک وقت قتل ہو جائیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (پہاڑ سے نیچے اتریں گے تو) ان لوگوں کی بدبو اور خون کی وجہ سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی طرح کے پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر ویران جگہ پر پھینک دیں گے پھر مسلمان ان لوگوں کے تیروں کمانوں اور ترکشوں کو سات سال تک ایندھن کے طور پر استعمال کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش نازل کرے گا جو ہر گھر اور ہر خیمے تک پہنچے گی وہ تمام زمین کو اس طرح صاف کر دے گی جیسے شیشہ ہوتا ہے پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے اندر سے پھل باہر نکال اور اپنی برکتیں واپس لے آ۔ اس وقت ایک انار کئی لوگ کھالیں گے اور لوگ اس کے درخت کے سائے میں آرام کریں گے دودھ میں اتنی برکت ہو جائے گی کہ ایک اونٹنی کے دودھ سے ایک جماعت سیر ہو جائے گی گائے کے دودھ سے ایک قبیلہ سیر ہو جائے گا ایک بکری کے دودھ سے ایک کنبہ سیر ہو جائے گا وہ لوگ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بھیجے گا وہ ہر اس شخص کی روح کو قبض کرے گی جو ایمان والا ہوگا اور صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو راستے میں سرعام یوں صحبت کریں گے جیسے گدھے کرتے ہیں انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

اس باب میں جو حدیث ہے وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسلم شریف (حدیث ۷۳۹۲) کی روایت ہے۔

تشریح: خفض فیہ ورفع بتشدید الفاء یعنی آپ ﷺ نے دجال کو حقیر بھی بتلایا بایں طور کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اہون ہوگا اور جلد ہی اس کی ہیبت ورعب ختم ہوجائے گا لیکن ساتھ ہی اس کے فتنے کے بارے میں یہ فرمایا کہ خوارق عادات اس سے امور کا صدور ہوگا جس سے لوگوں کی نظر میں اس کا فتنہ عظیم ہوگا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال کے کل حالات بیان فرمادیئے جس کو اردو محاورہ میں کہا جاتا ہے آپ ﷺ نے اس کی اونچ نیچ سب سمجھادی۔

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض حضرات نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے دجال کے احوال کو بیان کرتے ہوئے اپنی آواز کو پست فرمایا کہ اتنے کثیر احوال بیان کئے کہ آپ ﷺ تھک گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے مزید اس کے احوال بلند آواز سے بیان فرمائے تاکہ لوگوں کو اچھی طرح اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوجائیں۔

حتی ظنناہ فی طائفۃ النخل: اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے خوفناک حالات سن کر ہم کو ایسا ڈر معلوم ہونے لگا گویا وہ قریب میں کھجوروں کے جھرمٹ میں چھپا ہوا ہے چونکہ جب کوئی خوف ناک شئی قریب ہوتی ہے تو اس سے بظاہر ڈر معلوم ہوا کرتا ہے۔

اس پر علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ دجال آخری زمانے میں امام مہدی علیہ السلام کے بعد آئے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے تو پھر آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں خروج دجال کا احتمال کیسے ذکر فرمایا؟

تین جواب دیئے ہیں؟

دجال کے فتنہ سے اس انداز سے ڈرانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں؟

بعض کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ کو خروج دجال کا وقت معلوم نہیں تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس طرح کا کلام فرمایا پھر بعد میں آپ کو اس کا وقت بتایا گیا۔

ثم رحنا الیہ...الخ: یعنی جب ہم شام کے وقت آپ ﷺ کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے دجال کا خوف ہمارے اندر محسوس کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر بالفرض والتقدیر وہ اگر آجائے تو میں خود اس کا مقابلہ تمہاری طرف سے کروں گا اور اگر بعد میں آئے گا تو ہر مسلمان ومؤمن خود اس کا مقابلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہر مومن کا مددگار ہے اور حافظ ہے کہ اس کے شر کو وہ دفع فرمائے گا۔

فمن راہ منکم فلیقراء فواتح سورۃ اصحاب کھف: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اوائل سورہ کہف کا پڑھنا دجال کے فتنہ سے امان ہے کہ اس سورت میں دقیانوس ظالم بادشاہ کے فتنہ سے اصحاب کہف کی حفاظت کا بیان ہے)۔

سوال: اس روایت سے معلوہوتا ہے کہ دجال کی مدت قیام فی الدنیا چالیس یوم ہے جبکہ اسماء بنت یزید بن السکن کی روایت میں مدت قیام چالیس سال فرمائی گئی ہے کمافی شرح السنۃ بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

جواب ①: ممکن ہے یہ مقدار کا اختلاف باعتبار کیفیت وکمیت ہو کما یشیر الیہ بقولہ السنۃ کالشھر مراد یہ ہے کہ وہ چالیس سال ایام کی طرح جلد ہی گذر جائیں گے اسی طرح ایک سال کے برابر ہوگا تو زیادہ ہولناک ہونے کے اعتبار سے وہ چالیس سال کے برابر مدت معلوم ہوگی۔

جواب②: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو وہ مدت صرف چالیس یوم کے برابر معلوم ہوگی اور بعض لوگوں کو چالیس سال کے برابر۔

جواب③: بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے تین دن اس مدت کے طویل ہوں گے اور باقی ایام علی حسب العادۃ ہوں گے تو اسطرح یہ مدت جو چالیس یوم کی ہے چالیس سال کے برابر ہوجائے گی وفیہ تامل۔

جواب④: بعض علماء نے فرمایا کہ مسلم کی روایت جس میں ایام کا ذکر ہر وہ راجح ہے بغوی کی روایت پر۔

ولکن اقدروا له: یعنی جب ایک دن ایک سال کے برابر اور ایک ماہ ایک ہفتے کے برابر ہوگا تو نمازوں کو اپنے اوقات میں کس طرح ادا کیا جائے گا نماز کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا سوال ان حضرات کے کمال توجہ الی الصلوٰۃ پر دلالت کرتا ہے۔

فیقطعه جزلتین: اس شخص کے دو ٹکڑے کردے گا جزلۃ بفتح الجیم وکسرھا بمعنی ٹکڑا۔

یہاں روایت میں اختصار ہے بخاری شریف میں ہے کہ دجال مدینہ کے قریب کسی کھائی وغیرہ میں قیام کرے گا چونکہ مدینہ میں داخل ہونا اس کے لیے ناممکن ہوگا ایک ایسا شخص جو لوگوں میں سے بہتر ہوگا اس کے پاس آئے گا اور اس کی تکذیب کرے گا کہے گا اشھد انك الدجال تو وہی ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے پھر دجال لوگوں سے کہے گا اے لوگو اگر میں اس کو قتل کردوں اور پھر زندہ کردوں تو پھر بھی تم کو میرے الٰہ ہونے میں شک رہے گا کہیں نہیں چنانچہ وہ اس کو قتل کردے گا پھر زندہ کرے گا وہ زندہ ہوکر کہے اب مجھ کو مزید بصیرت حاصل ہوگئی کہ تو واقعی دجال ہے پھر دجال اس کو قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں قتل کرسکے گا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ وہ زندہ شخص لوگوں میں اعلان کردے گا اب یہ دجال کسی کو قتل نہیں کرسکے گا پھر دجال اس سے کہے گا اب بھی تو میرے اوپر ایمان نہیں لاتا ہے وہ شخص کہے گا اب تو مجھ کو تیرے دجال ہونے کا اور بھی یقین ہوگیا ہے پھر وہ شخص لوگوں میں اعلان کرے گا:

یایها الناس هذا المسیح الدجال الکذاب من اطاعه فهو فی النار ومن عصاه فهو فی الجنة.

"اے لوگو! یہ مسیح دجال ہے جس نے اس کی اطاعت کی وہ جہنم میں داخل ہوگا اور جس نے اس کی نافرمانی کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال اس شخص کو متعدد بار ذبح کرنے کی کوشش کرے گا مگر اس کو قدرت نہ ہوگی۔

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی بو نہیں پائے گا کوئی شخص مگر وہ مرجائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانس کی بو آپ کی نگاہ کے منتہی تک پہنچے گی آپ کے سانس کی یہ خصوصیت اسی موقع پر ہوگی اور یہ عجیب بات ہے کبھی آپ کی پھونک سے مردے زندہ ہوجاتے تھے اور آج آپ کے سانس سے دجال پگھل جائے گا۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہوگا؟ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں ہوگا جب کہ ایک دوسری روایت میں بیت المقدس ایک میں اردن اور ایک روایت میں معسکر المسلمین یعنی مسلمانوں کی چھاؤنی اور اجتماع گاہ میں اترنے کا ذکر ہے۔

اس بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

(ا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مصباح الزجاجہ میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے الکواکب الدری میں ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ سنن ابن ماجہ کی روایت راجح ہے جس میں بیت المقدس میں اترنے کا ذکر ہے اور اس روایت کو باقی روایات کے ساتھ

تعارض بھی نہیں کیونکہ بیت المقدس میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی نظر میں دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے اور بیت المقدس مسلمانوں کا مرکز بھی ہے اور بیت المقدس اس وقت اگرچہ فلسطین کا حصہ ہے اردن کا نہیں لیکن یہ سارا علاقہ اردن ہی کا ہے ہاں بیت المقدس میں اس وقت اگرچہ کوئی مینار نہیں ہوسکتا ہے کہ نزول عیسیٰ سے پہلے وہاں بنا دیا جائے؟

حدیث میں ہے جو بشرقی دمشق منقول ہے اس سے کیا مراد ہے؟ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے بیت المقدس مراد ہے کہ وہ دمشق کی مشرقی جانب میں واقع ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے نزدیک شرقی سے بیت المقدس کی شرقی جانب مراد ہے۔ کہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا گویا اس لفظ نے بتادیا کہ ان کا نزول بیت المقدس کی کسی اور جانب نہیں ہوگا بلکہ مشرقی جہت میں ہی ہوگا شیخ کی تاویل کا تقاضا یہ ہے کہ بیت المقدس دمشق کی مغربی جانب میں ہو اور امام سیوطی رحمہ اللہ کی تاویل کے مطابق اس کے برعکس ہو یعنی دمشق کی مشرقی جانب میں ہو شیخ کی تاویل میں تھوڑا سا تکلف ضرور ہے کہ لفظ شرقی سے بیت المقدس کی شرقی جانب مراد ہے اور لفظ دمشق لفظ شرقی سے بدل یا اس کا عطف بیان ہے کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی لیکن دنیا کے نقشے کو دیکھا جائے تو محل وقوع کے اعتبار سے شیخ کی تاویل درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیت المقدس دمشق کی مشرقی جانب میں نہیں ہے بلکہ جنوب غربی کی جانب واقع ہے اور دمشق بیت المقدس کی شمال مشرقی جانب میں واقع ہے۔ واللہ اعلم

(۲) اکثر حضرات نے اس مشہور روایت کو راجح قرار دیا ہے کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق کی مشرقی جانب سے سفید مینار کے پاس اترنے کا ذکر ہے اور یہ مینار آج بھی موجود ہے۔

ان علاقوں میں نماز روزے کا حکم جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں:

دنیا کے وہ علاقے جہاں دن رات معمول کے مطابق نہ ہوں بلکہ دن طویل ہو جیسا کہ حدیث دجال میں ہے یا رات لمبی ہو یا عشاء کا وقت داخل نہ ہوتا ہو یا اتنا مختصر وقت ہو کہ اس میں نماز کی ادائیگی نہ ہوسکتی ہو ایسی جگہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہاں پر قریب کے اس علاقے کے شب و روز کا اعتبار کیا جائے جہاں دن رات معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں لہٰذا صبح صادق کے بعد جب اتنا وقت گزر جائے جو عام دنوں میں ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے تو اس وقت عصر کی نماز پڑھی جائے۔ غرض یہ کہ پانچوں نمازیں اسی اندازے اور حساب سے پڑھی جائیں گی اگرچہ دن کتنا ہی بڑا ہو؟

یہی حکم روزے کا ہے کہ وہ علاقے جہاں دن طویل ہو رات بالکل نہ ہو یا طویل رات ہو دن نہ ہو ایسے لوگ بھی قریبی جگہ کے ایام کا حساب کر کے رمضان کے روزے رکھیں کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکیں تو قضا کرنا ضروری ہوگا اور اگر چوبیس گھنٹے میں رات تو آئے لیکن بہت چھوٹی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر اس طویل دن میں روزہ رکھنے کی طاقت اور ہمت ہو تو روزہ رکھ لیا جائے لیکن اگر ہمت نہ ہو اس وجہ سے کہ رات میں اتنا وقت بھی نہ ملتا ہو کہ وہ کھا پی سکیں یا چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ کھانا کافی نہ ہو تو پھر ایسے لوگ بھی اس قریبی علاقے کے اعتبار سے دن اور رات کے اوقات مقرر کر سکتے ہیں جہاں شب و روز معمول کے مطابق چوبیس گھنٹے کے ہوں۔

لغات: استدبرہ: کسی کے پاس اس کے پیچھے سے آنا۔ السارحة: مویشی، سرحت الماشیة: مویشی کا چراگاہ میں چرنا۔ الذروة: (بکسر از ال وضمہا) چوٹی، بلندی، جمع ذری کہا جاتا ہے: ھو فی ذروة النسب: وہ اعلیٰ نسب کا ہے۔ امد: (اسم تفضیل زیادہ لمبا۔ الخاصرة: پہلو، سرین کی جڑ سے پسلیوں کے نیچے تک کا درمیانی حصہ، کوکھ، جمع خواصر۔ ادر: (اسم تفضیل) زیادہ

دودھ والی، در الدار: دودھ کا کثرت سے ہونا۔ یعسوب: شہد کی مکھیوں کی رانی مراد شہد کی مکھیاں۔ جزلة: ٹکڑا، اجزلة: کاٹنا، دو ٹکڑے کرنا۔ شرقی: مشرقی جانب مابعد کی طرف مضاف م۔ هرودة: زرد رنگ سے رنگا ہوا کپڑا، هرد الثوب: کپڑے کو ورس میں رنگنا۔ تحلدر: ڈھلکنا نیچے اترنا۔ الجمان: موتی اور چاندی کا ڈھلا ہوا، موتی واحد: جمانة۔ طبرية: ایک شہر ہے جس کی طرف نسبت طبرانی ہے اس سے لگی ہوئی جو جھیل ہے وہ بحیرہ طبریہ ہے النشاب: تیر مفر نشابة۔ البخت: خراسانی اُونٹ۔ المهبل: گہرا کھڈ۔ الجعبة: تیروں کا تھیلا ترکش جمع جعاب لایکن: فعل مضارع منفی مجہول کن الشئی یکن کنا چھپانا نظروں سے بچانا الوبر اون المدر مٹی کا ڈھیلا۔ قحف: (بکسر القاف) کھوپڑی کا ایک حصہ مراد چھلکا الرسل (بکسر الراء) دودھ الفئام جماعت گروہ اللقحة (بفتح اللام) بہت دودھ دینے والی اونٹنی الفخذ والفخذ قبیلہ کی ایک شاخ التهارج: التناكح والتسافد (لسان العرب) اور زمخشری نے اس کا ترجمہ یتساورون کیا ہے تساور الرجلان کے معنی ہیں ایک دوسرے پر حملہ کرنا خود کو اونچا کرنا اوپر اٹھانا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الدَّجَّالِ

باب ۵۲: دجال کی نشانی

(۲۱٦۷) اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الدَّجَّالِ فَقَالَ اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ اَلَا وَاِنَّهُ اَعْوَرُ عَيْنُهُ الْيُمْنٰى كَاَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں آپ سے دجال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یاد رکھنا تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے اور دجال کانا ہوگا اس کی دائیں آنکھ یوں ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور ہوتا ہے۔

تشریح: (۱) طافئة ہے از طفئت النار طفئا آگ کا بجھنا اور طفئت العین آنکھ کی روشنی جاتی رہنا: دجال کی آنکھیں کس طرح ہوں گی؟

(۲) دجال کی آنکھوں کے بارے میں روایات مختلف اور متعارض ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ کانی ہوگی اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں ہے کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی۔

قاضی عیاض وغیرہ نے ان روایات میں یوں تطبیق دی کہ اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی دائیں آنکھ بالکل سپاٹ اور مسخ ہوگی اور بائیں آنکھ عیب دار اوپر اٹھی ہوئی اور کانی ہوگی اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی ایک آنکھ جو معیوب ہوگی وہ کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب دکھائی دے گی گویا یہ اس کے دجال ہونے کی ایک مزید دلیل ہوگی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی بائیں آنکھ مسخ ہوگی اور دائیں آنکھ اوپر اٹھی ہوئی نمایاں اور کانی ہوگی جس سے وہ دیکھ سکے گا۔ (فتح الباری کتاب الفتن باب ذکر الدجال ۱۳/۱۲۱)

حاصل یہ ہے کہ دجال کی دائیں آنکھ ہوگی مگر اس میں روشنی نہیں ہوگی اور وہ انگور کے دانے کی طرح اُبھری ہوئی ہوگی۔

وفی الباب عن سعد ؓ اخرجه احمد وحذیفة ؓ اخرجه الشیخان وابی ہریرة ؓ اخرجه الشیخان واسما ؓ بنت یزید اخرجه البغوی وتقدم لفظه وجابر ؓ اخرجه البغوی وابی بکرة ؓ اخرجه الترمذی فی باب ذکر ابن صیاد وانس ؓ اخرجه الترمذی بعد بابین وعائشه ؓ اخرجه احمد وابن عباس رضی الله عنهما اخرجه احمد وابن خزیمة وابن ابی شیبه الفلتان بن عاصم ؓ (اخرجه ابن ابی شیبه والبزار والطبرانی هذا حدیث اخرجه الشیخان)

بَابُ مَا جَاءَ فِی اَنَّ الدَّجَّالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ

باب ۵۳: دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا

(۲۱۶۸) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یَأْتِی الدَّجَّالُ الْمَدِیْنَةَ فَیَجِدُ الْمَلَائِكَةَ یَحْرُسُوْنَهَا فَلَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنَ وَلَا الدَّجَّالُ اِنْ شَاءَ اللهُ.

ترجمہ: حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دجال مدینہ منورہ کی طرف آئے گا وہ فرشتوں کو پائے گا کہ وہ اس (مدینہ منورہ) کی حفاظت کر رہے ہیں اگر اللہ نے چاہا تو دجال اور طاعون (کبھی بھی) یہاں (مدینہ منورہ) میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

(۲۱۶۹) اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَّالْكُفْرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَالسَّكِیْنَةُ لِاَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالرِّیَاءُ فِی الْفَدَّادِیْنَ اَهْلِ الْخَیْلِ وَاَهْلِ الْوَبَرِ یَأْتِی الْمَسِیْحُ اِذَا جَاءَ دُبُرَ اُحُدٍ صَرَفَتِ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهٗ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ یَهْلِكُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایمان یمنی ہے اور کفر مشرق کی طرف سے ہوگا بکریاں چرانے والوں میں سکینت پائی جاتی ہے جب کہ گھوڑے پالنے والوں میں تکبر غرور اور کرختگی پائی جاتی ہے دجال جب احد پہاڑ کے پاس آئے گا تو فرشتے اس کا رخ موڑ کر شام کی طرف کر دیں گے اور وہیں وہ ہلاکت کا شکار ہو جائے گا۔

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دجال جب مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو پہرے دار فرشتے اسے مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے اور فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے یہ بات دجال کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایک بڑی دلیل بنے گی اور اس کے عجز و نقصان کی علامت ہوگی کہ وہ اپنی اتنی زبردست طاقت وقدرت کے دعوے کے باوجود اس مقدس شہر میں داخل ہونے پر قادر نہیں ہو سکے گا جب دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا تو مکہ مکرمہ میں بدرجہ اولی داخل نہیں ہو پائے گا۔

الایمان یمان: یمان منسوب الی الیمن اس کی اصل یمنی ہے آخر سے یاء کو حذف کر کے الفاظ کی زیادتی اس کے عوض میں کر دی گئی ہے اس روایت میں اہل یمن کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے کہ ایمان اصل تو یمن کا ہے بخاری و مسلم میں ایک روایت کے الفاظ ہے فرمایا: اتاکم اهل الیمن هم ارق افئدة والین قلوبا الایمان یمان والحکمة یمینة. اس طرح ایک اور روایت بخاری میں ہے اشار رسول اللہ ﷺ بیده نحو الیمن فقال الایمان یمان۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ اصل ایمان کی نسبت اہل یمن کی طرف فرمائی گئی جبکہ اصل مبداء ایمان مکہ اور مدینہ

ہےاس لیے اہل علم نے روایت کے ظاہری معنی میں متعدد تاویلات کی ہیں)۔

(۱) اکثر اہل علم نے فرمایا اہل یمن سے مراد حضرات انصار ہیں کیونکہ وہ اصل یمن کے رہنے والے ہیں انہوں نے خود ایمان کو اختیار کیا اور اہل ایمان کی مدد فرمائی ہے۔

(۲) شراح فرماتے ہیں کہ اگر روایت کے ظاہری معنی مراد لیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں یعنی اس سے مراد اہل یمن ہی ہیں اور ان کے کمال ایمان سے مشرف ہوئے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے چناچہ جو حضرات آپ کی حیات میں یمن سے حاضر ہوکر ایمان سے مشرف ہوئے اور آپ کے بعد ایمان لائے اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ، ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وہ ایمان کے اعتبار سے نہایت کامل ہوئے ہیں اس بیان سے اہل مکہ واہل مدینہ کے ایمان کے کمال کی نفی لازم نہیں آتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد حصر پر دال نہیں ہے: مع ان النبی ﷺ قال الایمان فی اهل الحجاز.

الکفر من قبل المشرق: شیخین کی روایت میں راس الکفر قبل المشرق ہے مراد یہ ہے کہ مدینہ سے مشرق کی جانب کفر شدید ہوگا اور اس سے مراد ملک فارس کے لوگ ہیں جن کے بادشاہ نے آپ ﷺ کے والا نامہ کو چاک کر دیا تھا نیز دجال کا خروج بھی مدینہ سے مشرق کی جانب ہوگا جو محل اکفر الکفار ہے۔

والسکینة لاهل الغنم: سکینہ کے معنی طمانیت وسکون اور وقار وتواضع کے ہیں مراد یہ ہے کہ بکری والوں میں تواضع ہوتی ہے جو برکت کا باعث ہے۔

کما قال النبی ﷺ لام هانی رضی اللہ عنہا اتخذی الغنم فان فیها برکة. (رواہ ابن ماجہ) بعض حضرات فرماتے ہیں اہل غنم سے مراد اہل یمن ہیں کیونکہ ان کے زیادہ تر مویشی بکریاں ہوتی ہیں۔

والفخر والریاء فی الفدادین: بفتح الفاء وتشدید الدال جمع فداد بتشدید الدال ماخوذ من الفدید: جس کے معنی صوت شدید مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے موشیوں (اہل بقر وخیل) کے) پیچھے آواز بلند کرتے رہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ فخر وریاء اونٹ والوں اور بڑے جانوروں رکھنے والوں میں عموماً ہوتی ہے اہل الخیل اہل الوبر: بالجر فدادین سے بدل یا بیان ہے۔

اهل الوبر: ای اہل الشعر اس سے بھی اہل ابل وخیل مراد ہیں کیونکہ وہ لوگ بالوں کے بنائے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں اور دوسروں پر فخر کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِى قَتْلِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ

باب ۵۴: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنا

(۲۱۷۰) يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ.

ترجمہ: حضرت مجمع بن جارجہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے حضرت ابن مریم علیہما السلام دجال کو باب لد کے پاس قتل کر دیں گے۔

(۲۱۷۱) مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَ اُمَّتَهُ الْاَعْوَرَ الْكَذَّابَ اَلَا اِنَّهُ اَعْوَرُ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَ ف ر.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی نے اپنی امت کو جھوٹے کانے سے ڈرایا ہے یاد رکھنا وہ کانا ہوگا تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے اس (دجال) کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا۔ (دجال کی پیشانی پر ک، ف، ر، لکھا ہوگا)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ ابْنِ صَيَّادٍ

باب ۵۵: ابن صیاد کے بارے میں

(۲۱۷۲) قَالَ صَحِبَنِي ابْنُ صَيَّادٍ اِمَّا حُجَّاجًا وَاِمَّا مُعْتَمِرِيْنَ فَانْطَلَقَ النَّاسُ وَتُرِكْتُ اَنَا وَهُوَ فَلَمَّا خَلَصْتُ بِهِ اقْشَعْرَرْتُ مِنْهُ وَاسْتَوْحَشْتُ مِنْهُ مِمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ فِيْهِ فَلَمَّا نَزَلْتُ قُلْتُ لَهُ ضَعْ مَتَاعَكَ حَيْثُ تِلْكَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَاَبْصَرَ غَنَمًا فَاَخَذَ الْقَدَحَ فَانْطَلَقَ فَاسْتَحْلَبَ ثُمَّ اَتَانِيْ بِلَبَنٍ فَقَالَ لِيْ يَا اَبَا سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ اِشْرَبْ فَكَرِهْتُ اَنْ اَشْرَبَ عَنْ يَدِهِ شَيْئًا لِمَا يَقُوْلُ النَّاسُ فِيْهِ فَقُلْتُ لَهُ هٰذَا الْيَوْمُ يَوْمٌ صَائِفٌ وَاِنِّيْ اَكْرَهُ فِيْهِ اللَّبَنَ فَقَالَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰخُذَ حَبْلًا فَاُوْثِقَهُ اِلَى الشَّجَرَةِ ثُمَّ اَخْتَنِقَ لِمَا يَقُوْلُ النَّاسُ لِيْ وَفِيَّ اَرَاَيْتَ مَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ حَدِيْثِيْ فَلَنْ يَخْفٰى عَلَيْكُمْ اَنْتُمْ اَعْلَمُ النَّاسِ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهُ كَافِرٌ وَاَنَا مُسْلِمٌ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهُ عَقِيْمٌ لَا يُوْلَدُ لَهُ وَقَدْ خَلَّفْتُ وَلَدِيْ بِالْمَدِيْنَةِ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَحِلُّ لَهُ مَكَّةُ وَالْمَدِيْنَةُ اَلَسْتُ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ ذَا اَنْطَلِقُ مَعَكَ اِلٰى مَكَّةَ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ يَجِيْءُ بِهٰذَا حَتّٰى قُلْتُ فَلَعَلَّهُ مَكْذُوْبٌ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ وَاللّٰهِ لَاُخْبِرَنَّكَ خَبَرًا حَقًّا وَاللّٰهِ لَاَعْرِفُهُ وَاَعْرِفُ وَالِدَهُ اَيْنَ هُوَ السَّاعَةَ مِنَ الْاَرْضِ فَقُلْتُ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حج یا شاید عمرے کے سفر میں ابن صائد بھی میرے ساتھ تھا لوگ آگے بڑھ گئے میں اور وہ پیچھے رہ گئے جب میں اس کے ساتھ تنہا رہ گیا تو میرا دل خوف کی وجہ سے تیزی سے دھڑکنے لگا اور مجھے اس سے وحشت محسوس ہونے لگی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں (دجال ہونے کا) کہا کرتے تھے جب میں نے پڑاؤ کیا تو میں نے اس سے کہا تم اپنا سامان اس درخت کے پاس رکھ دو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اس نے پیالہ لیا اور دودھ دوہنے کے لیے چلا گیا پھر وہ میرے پاس دودھ لے کر آیا اور بولا ابوسعید آپ اسے پی لیجئے تو مجھے اس کے ہاتھ سے لی ہوئی کوئی چیز لینا ناپسند ہوا کیونکہ لوگ اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کیا کرتے تھے میں نے اس سے کہا آج گرمی کچھ زیادہ ہے اور میں اس موسم میں دودھ پینا پسند نہیں کرتا وہ بولا ابوسعید لوگ میرے بارے میں جو باتیں کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے پختہ ارادہ کیا ہے ایک رسی لے کر اس درخت کے ساتھ باندھوں اور خودکشی کرلوں آپ کا کیا خیال ہے؟ میرا معاملہ کسی دوسرے سے پوشیدہ رہ سکتا ہے لیکن آپ

لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا کیونکہ آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر جانتے ہیں اے انصار کے گروہ کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا وہ (دجال) کافر ہوگا جبکہ میں مسلمان ہوں کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا وہ بانجھ ہوگا اور اس کی اولاد نہیں ہوگی جبکہ میرے بچے مدینہ منورہ میں موجود ہیں کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا وہ مکہ اور مدینہ میں نہیں آسکے گا تو کیا میرا تعلق مدینہ منورہ سے نہیں ہے؟ اور اب میں آپ کے ساتھ مکہ جارہا ہوں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ اس طرح کی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ لوگ اس کے بارے میں غلط کہتے ہیں پھر وہ بولا اے ابوسعید! اللہ کی قسم میں آپ کو صحیح بات بتاتا ہوں اللہ کی قسم میں دجال کو جانتا ہوں اور اس کے باپ کو بھی جانتا ہوں اور وہ اس وقت زمین میں کہاں ہے؟ (یہ بھی جانتا ہوں) میں نے کہا تمہارا ہمیشہ ستیاناس ہو (تم نے میرے دل میں خوش گمانی پیدا کردی تھی)۔

(۲۱۷۳) لَقِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ابْنَ صَائِدٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَاحْتَبَسَهٗ وَهُوَ غُلَامٌ يَّهُوْدِيٌّ وَّلَهٗ ذُؤَابَةٌ وَّمَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْتَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا تَرٰى قَالَ اَرٰى عَرْشًا فَوْقَ الْمَاءِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَرٰى عَرْشَ اِبْلِيْسَ فَوْقَ الْبَحْرِ قَالَ فَمَا تَرٰى قَالَ اَرٰى صَادِقًا وَّكَاذِبِيْنَ اَوْ صَادِقِيْنَ وَكَاذِبًا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لُبِسَ عَلَيْهِ فَدَعَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ کے ایک راستے میں ابن صائد سے ملے تو آپ نے اسے روک لیا وہ ایک یہودی لڑکا تھا اس کے سر پر لمبے بال تھے نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو وہ بولا کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے اس فرشتوں کتابوں اس کے (سچے) رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہوں نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا تم کیا دیکھتے ہو اس نے جواب دیا میں ایک تخت دیکھتا ہوں جو پانی پر موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ سمندر پر ابلیس کے تخت کو دیکھتا ہے نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم اور کیا دیکھتے ہو اس نے جواب دیا میں ایک سچے اور دو جھوٹے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) دو سچے اور ایک جھوٹے (قاصد) کو دیکھتا ہوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ معاملہ اس پر مشتبہ ہو گیا ہے پھر نبی اکرم ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔

(۲۱۷۴) يَمْكُثُ اَبُو الدَّجَّالِ وَاُمُّهٗ ثَلَاثِيْنَ عَامًا لَّا يُوْلَدُ لَهُمَا وَلَدٌ ثُمَّ يُوْلَدُ لَهُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضَرُّ شَيْءٍ وَّاَقَلُّهٗ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَوَيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ طِوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ كَاَنَّ اَنْفَهٗ مِنْقَارٌ وَّاُمُّهٗ فِرْضَاخِيَّةٌ طَوِيْلَةُ الْيَدَيْنِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِي الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ فَذَهَبْتُ اَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى اَبَوَيْهِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكَثْنَا ثَلَاثِيْنَ عَامًا لَّا يُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضَرُّ شَيْءٍ وَّاَقَلُّهٗ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَاِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِيْ قَطِيْفَةٍ لَّهٗ وَلَهٗ هَمْهَمَةٌ فَتَكَشَّفَ عَنْ رَاْسِهٖ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا

قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دجال کے ماں باپ کے ہاں تیس سال تک اولاد نہیں ہوگی پھر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو کانا ہوگا جو سب سے زیادہ نقصان دہ ہوگا اور سب سے کم نفع بخش ہوگا اس کی آنکھیں سو جائیں گی لیکن اس کا دل بیدار رہے گا راوی بیان کرتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا حلیہ ہمارے سامنے بیان کیا آپ نے فرمایا اس کے باپ کا قد لمبا اور دبلا پتلا ہوگا اس کی ناک مرغ کی چونچ کی طرح ہوگی جبکہ اس کی ماں لمبے پستانوں والی عورت ہوگی۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے سنا کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے ہاں ایک بچہ ہوا ہے تو میں اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ وہاں گئے ہم ان کے ماں باپ کے ہاں پہنچے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ حلیہ کے مطابق تھے ہم نے دریافت کیا کیا تمہاری پہلے بھی اولاد ہے انہوں نے جواب دیا نہیں تیس سال تک ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اب ہمارے ہاں ایک کانا لڑکا ہوا ہے جو سب سے زیادہ نقصان دہ ہے اور سب سے کم نفع بخش ہے اس کی آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن ذہن بیدار رہتا ہے راوی بیان کرتے ہیں ہم ان دونوں کے ہاں سے نکلے تو وہ لڑکا ایک چادر لے کر دھوپ میں لیٹا ہوا تھا اور کچھ بڑبڑا رہا تھا اس نے اپنے سر سے چادر کو ہٹایا اور دریافت کیا تم دونوں کیا کہتے ہو ہم نے دریافت کیا ہم نے جو کہا کیا وہ تم نے سن لیا؟ اس نے جواب دیا جی ہاں میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا ذہن بیدار رہتا ہے۔

(۲۱۷۵) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِابْنِ صَيَّادٍ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فِيْهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ عِنْدَ اُطُمِ بَنِيْ مَغَالَةَ وَهُوَ غُلَامٌ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتّٰى ضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ظَهْرَهٗ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَنَظَرَ اِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ الْاُمِّيِّيْنَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَتَشْهَدُ اَنْتَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اٰمَنْتُ بِاللهِ وَبِرُسُلِهٖ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا يَأْتِيْكَ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ يَأْتِيْنِيْ صَادِقٌ وَّكَاذِبٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ خُلِطَ عَلَيْكَ الْاَمْرُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنِّيْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيْئًا وَّخَبَأَ لَهٗ (يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ) فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ هُوَ الدُّخُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ ائْذَنْ لِيْ فَاَضْرِبَ عُنُقَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنْ يَّكُ حَقًّا فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَّا يَكُنْهُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهٖ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَعْنِي الدَّجَّالَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ابن صیاد کے پاس سے گزرے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بھی تھے وہ اس وقت بنو مغالہ کے گھر کے پاس کچھ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا وہ بھی ان دنوں بچہ تھا اسے پتا نہیں چلا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کی پشت پر مارا اور کہا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں ابن صیاد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور بولا میں یہ گواہی دیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں پھر ابن صیاد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں میں اللہ کا رسول ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے (سچے) رسولوں

پر ایمان رکھتا ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کیا چیز آئی ہے ابن صیاد نے کہا میرے پاس ایک سچا (خبر دینے والا آتا ہے) اور ایک جھوٹا آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ تم پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک بات سوچی ہے۔ جس دن آسمان دھواں لے کر آئے گا۔

ابن صیاد بولا یہ دخ ہے آپ ﷺ نے فرمایا دفعہ ہو جاؤ تم اپنی اوقات سے آگے نہیں بڑھ سکو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے حکم دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تو یہ حقیقی طور پر (دجال ہے) تو تم اس پر قابو نہیں پاسکو گے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اسے قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔

(۲۱۷۶) مَا عَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوسَةٌ يَعْنِي الْيَوْمَ تَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اس روئے زمین پر موجود ہر زندہ شخص (زیادہ سے زیادہ) سو سال تک زندہ رہے گا (اس وقت تک ضرور فوت ہو جائے گا۔

تشریح: ابن صیاد کا اصل نام صاف اور بعض نے عبداللہ کہا ہے وہ ایک یہودی تھا جو مدینہ منورہ کا باشندہ تھا یا کسی اور جگہ سے آ کر مدینہ کے یہودیوں میں شامل ہو گیا تھا ابن صیاد جادوگری اور کہانت میں بہت ماہر تھا اسی وجہ سے اس کی شخصیت بڑی پر اسرار بن کر رہ گئی تھی اس کی بعض صفات اور کچھ حرکتیں دجال کے مشابہ تھیں جو دنیا میں آنے کے بعد لوگوں کو گمراہ کرے گا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس پر قسم بھی کھاتے تھے۔

اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال یہ تھا کہ ابن صیاد آخر زمانہ میں آنے والا دجال نہیں ہے کیونکہ تمیم داری کی روایت میں ہے کہ وہ تو کسی جزیرۂ عرب میں مسلسل بالاغلال ہے جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا انا الدجال (رواہ ابوداؤد والترمذی) نیز ابن صیاد اگرچہ ابتدا کاہن اور ساحر تھا لیکن بعد میں وہ مسلمان ہو گیا ہے دجال تو کافر ہوگا کمافی روایۃ مکتوب بین عینیہ ک، ف، ر ابن صیاد کے تو بچے تھے اور دجال لاولاد ہوگا اسی طرح ابن صیاد تو مکہ و مدینہ میں رہتا تھا جبکہ دجال کے بارے میں گزرا کہ وہ مدینہ داخل نہ ہو سکے گا بہر حال ابن صیاد کو معروف دجال کہنا مشکل ہے۔

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ دجال معہود سے پہلے بطور تمہید کچھ دجاجلہ آئیں گے جو معہود دجال کے لیے میدان ہموار کریں گے چنانچہ احادیث میں دجالون وکذابون کا لفظ واقع ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قسم کھانے پر اسی وجہ سے آپ نے نکیر نہیں فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اصلی دجال تو یقینی طور پر وہی ہے جس کو تمیم داری کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ مسلسل بالاغلال والسلاسل ہے اور ابن صیاد جو آپ کے زمانہ میں تھا وہ شیطان تھا جو دجال کی صورت میں ظاہر ہوا آخر میں وہ اصفہان جا کر مستور ہو گیا پھر اصلی دجال کی صورت میں خروج دجال کی مدت میں آئے گا۔

اعتراض: کہ ابن صیاد نے نبوت کا دعویٰ کیا اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اسے قتل نہیں کرایا بلکہ مدینہ میں ہی وہ رہتا تھا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب ①: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ نابالغ تھا اس لیے اسے قتل نہیں کرایا۔

جواب ①: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا دراصل اس نے نبی اپنے کو کہا مگر اس دعویٰ پر اصرار وغلو نہیں کیا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نظر فرمایا۔

جواب ②: علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں چونکہ یہودیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا

جواب ②: دراصل یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ یہود سے آپ نے صلح فرمائی تھی کہ یہود اپنے مذہب پر رہیں گے اور کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے اور اہم اپنے مذہب پر رہیں گے اور ابن صیاد بھی انہی میں سے تھا یا ان میں شامل ہو گیا تھا اس وجہ سے ابن صیاد کو قتل نہیں کرایا گیا۔

یاتینی صادق وکاذب: میرے پاس سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں کاہنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ شیطان ان کے پاس دونوں طرح کی باتیں لاتا ہے۔

اتشهد انك رسول الأميين: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عرب وعجم سب ہی کے رسول ہیں ابن صیاد نے صرف امیین کی تخصیص کر کے یہودیوں کے عقیدے کی طرف اشارہ کیا جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف امیوں کے رسول ہیں اور ابن صیاد چونکہ یہودی تھا اس لیے اس نے یہ غلط بات کہی۔

فقال النبی ﷺ امنت بالله ورسله.

سوال: یہ ہے کہ ابن صیاد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کہا اتشهد انی رسول اللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کو رد کیوں نہیں فرمایا حالانکہ وہ اپنے رسول ہونے کی شہادت طلب کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امنت بالله ورسوله......؟

جواب ①: آپ نے اس جملہ میں اس پر ضمناً رد فرمایا معنی یہ ہیں کہ میں تو اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لاتا ہوں اور تو چونکہ ان میں سے نہیں ہے اس لیے میں تم پر ایمان نہیں لاتا۔

جواب ②: بعض محققین فرماتے ہیں کہ ابن صیاد نے اپنی اس بات میں نبوت کے دعویٰ کی تصریح نہیں کی بلکہ سوالیہ انداز میں آپ سے پوچھا ہے کہ کیا آپ میری رسالت کی شہادت دیتے ہیں لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس نے از راہ مذاق پورے سوال کو لوٹا دیا ہو رسالت کا دعویٰ مقصود نہ ہو اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے احتیاط سے جواب دیا اور صراحتاً اس کی بات کو رد نہیں فرمایا۔

انی خبأت خبیئا: یعنی میں تیرے دل میں ایک بات سوچتا ہوں وہ بتا کیا ہے اور آپ نے آیت شریفہ ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ (الدخان:۱۰) چھپائی تو اس نے کہا: ھو الدخ بضم الدال وتشدید الخاء ھی لغة الدخان جس کے معنی دھواں۔

اعتراض: ابن صیاد کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ چھپائی ہے؟

جواب ①: ممکن ہے آپ نے صحابہ سے یہ آیت بیان کی ہوت اور شیطان نے سن کر اس کو القاء کر دیا ہو۔

جواب ②: آپ نے دل کے اندر اندر تکلم کیا اور شیطان اس سے مطلع ہوا پھر اس نے ناقص جواب اس کو القاء کر دیا۔

جواب ③: آسمان میں اس آیت کا تذکرہ چلا ہو شہاب ثاقب کے پہنچنے سے پہلے بہت عجلت میں شیطان نے صرف دخ کے لفظ کو چوری کر لیا ہو پھر وہی ناقص جواب ابن صیاد کے دل میں القاء کر دیا اور اس نے آپ سے کہہ دیا ھو الدخ۔

فائدہ: بعض باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی بتائی جاتی تھیں ان کا تفصیلی علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں دیا گیا تھا اور ایسا کرنے میں حکمت

مصلحت ہوتی تھی مثلاً جمعہ کے دن ساعت مرجوۃ کا علم تعین کے ساتھ آپ ﷺ کو نہیں دیا گیا تھا اسی طرح شب قدر کا علم بھی تعین کے ساتھ نہیں دیا گیا تھا بلکہ ایک رمضان کی شب قدر کا علم دیا گیا تو علامت ایسی مقرر کی جو شب گذرنے کے بعد بھی پائی گئی ایسی صورت میں نبی ﷺ اندازے سے احوال بیان کرتے تھے چنانچہ شب قدر اور ساعت مرجوۃ کے بارے میں احتمالی مواقع کا آپ ﷺ نے تذکرہ فرمایا بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کے ذہن کے مطابق جواب دیتے تھے۔ یہی معاملہ دجال کے علم کا تھا ابن صیاد میں احتمال تھا کہ شاید وہ دجال اکبر ہو اس لیے آپ ﷺ نے اس کو جانچا مگر کوئی قطعی بات سامنے نہ آئی۔

وضاحت: یہ حدیث ضعیف ہے علی بن زید بن جدعان: محدثین کے نزدیک ضعیف ہے مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے اس لیے اس کی حدیث کی تحسین کی ہے

لغات: طوال: (طا پر پیش) مبالغہ کا صیغہ ہے خوب لمبا تڑنگا۔ ضرب اللحم: وہ ہلکے گوشت والا یعنی دبلا اور پتلا۔ منقار: چونچ۔ فرضاحیه: (فا کے نیچے زیر) بہت زیادہ موٹی۔ طویله الثديين: لمبے لمبے پستانوں والی۔ فاذا نعت رسول الله ﷺ فیهما: اس کے والدین انہی صفات کے مطابق تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ذکر فرمائے تھے۔ منجدل فی الشمس: دھوپ میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ قطیفه: چادر۔ همهمه: بڑبڑاہٹ منہ ہی منہ میں کچھ کہنا جو سمجھا نہ جاسکے گلے میں پھنس کر نکلنے والی آواز گنگناہٹ۔ و فی الباب عن ابن عمر رضی الله عنهما: اخرجه الترمذی والشیخان وابی سعید اخرجه مسلم وبریدۃ فلینظر من اخرجه هذا حدیث حسن اخرجه مسلم.

باب

باب

(۲۱۷۷) اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِيْ اٰخِرِ حَيَاتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ اَرَاَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهٖ عَلٰى رَاْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَوَهِلَ النَّاسُ فِيْ مَقَالَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ فِيْمَا يَتَحَدَّثُوْنَهٗ مِنْ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ عَنْ مِّائَةِ سَنَةٍ وَّاِنَّمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ يُّرِيْدُ بِذٰلِكَ اَنْ يَّنْخَرِمَ ذٰلِكَ الْقَرْنُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اپنی ظاہری حیات کے آخری زمانے میں عشاء کی نماز پڑھائی جب آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا تو آپ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو آج کی اس رات کے ٹھیک ایک سو سال بعد کوئی ایسا شخص باقی (یعنی زندہ) نہیں بچے گا جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو نقل کرنے میں غلطی کی ہے اور اسے مفہوم میں نقل کیا ہے ایسا تقریباً ایک سو سال تک ہوگا آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا آج روئے زمین پر جو شخص موجود ہے اس سے مراد یہ تھی کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا ٹھیک ایک صدی گزرنے کے بعد (موجودہ زندہ لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا)۔

وہ حدیث: جس سے غلط فہمی ہوئی کہ صدی کے ختم پر قیامت آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّهْیِ عَنْ سَبِّ الرِّیَاحِ

باب ۵۶: ہوا کو بُرا کہنے کی ممانعت

(۲۱۷۸) لَا تَسُبُّوا الرِّیْحَ فَإِذَا رَأَیْتُمْ مَا تَکْرَهُوْنَ فَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَخَیْرِ مَا فِیْهَا وَخَیْرِ مَا أُمِرَتْ بِهٖ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَشَرِّ مَا فِیْهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہوا کو برا نہ کہو جب تم ایسی صورت حال دیکھو جو ناپسند یدہ ہو تو تم یہ کہو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں موجود بھلائی کا اور اس کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور ہم تجھ سے اس ہوا کے شر اور اس میں موجود شر اور جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بروایت ابواب البر والصلة میں باب اللعنة میں گزر چکی ہے کہ ہوا پر لعنت مت بھیجو کیونکہ وہ مامور (حکم دی ہوئی)۔

لاتسبو الریح: ہوا تو مامور من اللہ یہ قابل لعنت نہیں ہے کیونکہ مامور تو معذور ہوا کرتا ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: لاتلعنوا الریح فانها مامورة وانه من لعن شیئا لیس باهل لها رجعت اللعنة الیه. یہ حدیث گزر چکی ہے۔ اور کبھی دل کی بھڑاس نکالنی ضروری ہوتی ہے۔ تو مذکورہ دعا کرو اس سے دل ہلکا ہو جائے گا اور کبھی اچھی بری ہوا چلنے سے اچھے بُرے احوال مراد لیے جاتے ہیں پس یہ زمانے کو برا کہنا ہوا اور اس کی بھی ممانعت آئی ہے کیونکہ زمانہ اللہ تعالیٰ ہیں یعنی وہ جس طرح چاہتے ہیں زمانے کو پھیرتے ہیں پس زمانہ کو برا کہنا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے اسی طرح ہوا کو برا کہنا بھی اللہ تعالیٰ کی برا تک مفضی ہوتا ہے پس جب فتنوں کی بری ہوا چلے تو اس کی برائی مت کرو بلکہ اصلاح کی فکر کرو۔

وفی الباب عن عائشة رضی اللہ عنہا اخرجه الترمذی وابی هریرة رضی اللہ عنہ اخرجه الشافعی وابو دائود ابن ماجه وجابر رضی اللہ عنہ اخرجه الطبرانی واما حدیث عثمان بن ابی العاص وانس وابن عباس رضی اللہ عنهم فلینظر من اخرجها هذا حدیث حسن صحیح اخرجه النسائی فی الیوم واللیة.

باب

باب: کسی جزیرۃ میں مقید دجال اور جساسہ کی روایت

(۲۱۷۹) اَنَّ نَبِیَّ اللهِ ﷺ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَضَحِكَ فَقَالَ اِنَّ تَمِیْمَ الدَّارِیَّ حَدَّثَنِیْ بِحَدِیْثٍ فَفَرِحْتُ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُحَدِّثَکُمْ اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ فِلَسْطِیْنَ رَکِبُوْا سَفِیْنَةً فِی الْبَحْرِ فَجَالَتْ بِهِمْ حَتّٰی قَذَفَتْهُمْ فِیْ جَزِیْرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ فَاِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ لَبَّاسَةٍ نَاشِرَةٌ شَعْرُهَا فَقَالُوْا مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ قَالُوْا فَاَخْبِرِیْنَا قَالَتْ لَا اُخْبِرُ

كُمْ وَلَا اَسْتَخْبِرُ كُمْ وَلٰكِنِ اِئْتُوْا اَقْصٰى الْقَرْيَةِ فَاِنَّ ثَمَّ مَنْ يُّخْبِرُكُمْ وَيَسْتَخْبِرُ كُمْ فَاَتَيْنَا اَقْصَى الْقَرْيَةِ فَاِذَا رَجُلٌ مُوْثَقٌ بِسِلْسِلَةٍ فَقَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ عَيْنِ زُغَرَ قُلْنَا مَلَاٰى تَدْفِقُ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنِ الْبُحَيْرَةِ قُلْنَا مَلَاٰى تَدْفُقُ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ الَّذِيْ بَيْنَ الْاُرْدُنِّ وَفِلَسْطِيْنَ هَلْ اَطْعَمَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ عَنِ النَّبِيِّ هَلْ بُعِثَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَخْبِرُوْنِيْ فِيْ كَيْفَ النَّاسُ اِلَيْهِ قُلْنَا سِرَاعٌ قَالَ فَنَزٰى نَزْوَةً حَتّٰى كَادَ قُلْنَا فَمَا اَنْتَ قَالَ اَنَا الدَّجَّالُ وَاِنَّهٗ يَدْخُلُ الْاَمْصَارَ كُلَّهَا اِلَّا طَيْبَةَ وَطَيْبَةُ الْمَدِيْنَةُ.

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے منبر پر چڑھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا تمیم داری نے مجھے ایک واقعہ سنایا ہے جو مجھے اچھا لگا میں یہ چاہتا ہوں وہ تمہیں بھی سنادوں فلسطین سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی موجوں میں گھر گئی اور اس نے انہیں سمندر میں موجود ایک جزیرے تک پہنچا دیا وہاں ایک عورت تھی جس کے بال اتنے لمبے تھے کہ وہ بال ہی لباس کا کام دے رہے تھے لوگوں نے دریافت کیا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں جساسہ ہوں لوگوں نے کہا تم ہمیں کچھ بتاؤ وہ بولی میں کچھ نہیں بولوں گی اور نہ ہی تم سے کچھ پوچھوں گی تم اس بستی کے دوسرے کنارے کے پاس چلے جاؤ وہاں وہ شخص موجود ہوگا جو تمہیں بتائے گا بھی اور تم سے دریافت بھی کرے گا۔

راوی کہتے ہیں ہم اس بستی کے انتہائی کنارے تک گئے تو وہاں زنجیروں میں بندھا ہوا ایک شخص موجود تھا وہ بولا تم لوگ مجھے بتاؤ کہ زغر کے چشمے کا کیا حال ہے؟ ہم نے کہا وہ بھرا ہوا ہے اور چھلک رہا ہے وہ بولا مجھے بحیرہ کے بارے میں بتاؤ ہم نے کہ وہ بھی بھرا ہوا ہے اور جوش مار رہا ہے وہ بولا اردن اور فلسطین کے درمیان بیسان کے نخلستان کے بارے میں بتاؤ کیا وہ ابھی بھی پھل دیتا ہے ہم نے جواب دیا جی ہاں وہ بولا مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاؤ کیا وہ مبعوث ہو گئے ہیں؟ ہم نے جواب دیا جی ہاں وہ بولا تم لوگ مجھے بتاؤ کہ تم لوگوں کا ان کی طرف رجحان کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا بڑی (تیزی کے ساتھ جارہے ہیں) راوی کہتے ہیں وہ تیزی سے اچھلا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ زنجیروں سے آزاد ہو جاتا) ہم نے کہا تم کون ہو وہ بولا میں دجال ہوں۔

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) دجال طیبہ کے علاوہ ہر ایک شہر میں داخل ہو جائے گا۔

(راوی کہتے ہیں) طیبہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔

تشریح: اعتراض: اس روایت میں جساسہ کو دابۃ سے تعبیر کیا ہے جبکہ ابوداؤد میں امراۃ کا لفظ واقع ہے؟

جواب ①: ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر شراح نے دونوں روایتوں کے درمیان متعدد طرق سے جمع فرمایا ہے۔

جواب ②: یہ جساسہ شیطانہ تھی جو کبھی بصورت دابۃ ظاہر ہوتی اور کبھی بصورت امراۃ اور شیطان کو تشکل پر قدرت ہے۔

جواب ③: اصل جساسہ عورت ہے اور دابۃ سے باعتبار لغت تعبیر کر دیا ہے کما قال تعالٰی وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔

جواب ④: اصل جساسہ عورت ہی ہے مگر کثرت شعر کی وجہ بناء پر دابۃ سے تعبیر کر دیا ہے قالہ الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

لغات: جالت السفینۃ بہ واجالت: ادارہ وحولہ عن قصدہ وفی مسلم: فلعب بھم الموج شھرا: وہ ایک ماہ تک

موجوں کے رحم وکرم پر رہے لباس کثیر اللباس و کنی بکثرۃ لباسھا عن کثرۃ شعرھا ناشرۃ شعرھا کالبیان لما قبلہ ناشرۃ بالجر: صفة ثانیة لدایة وشعرھا بالنصب علی المفعولیة ای جاعلة شعرھا منتشرۃ.

باب

باب : خودکو رسوانہ کرو

(۲۱۸۰) لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوْا وَ كَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کسی بھی مومن کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کرنا مناسب نہیں ہے لوگوں نے دریافت کیا کوئی شخص اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اپنے آپ کو اس آزمائش میں پیش کردے جس کا سامنا کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

تشریح: من البلاء: مالایطیق کا بیان مقدم ہے اصل جملہ اس طرح تھا: یتعرض لما لایطیق من البلاء اور فقہاء نے اس حدیث سے ضابطہ بنایا ہے کہ خودکو رسوا کرنا جائز نہیں یعنی ایسا کام کرنا (اگرچہ وہ جائز ہو) جس کے نتیجہ میں رسوائی ہو: مناسب نہیں۔

باب

باب : ظالم کی بھی مدد کرو اور مظلوم کی بھی

(۲۱۸۱) اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَصَرْتُهُ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ اَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَكُفُّهُ عَنِ الظُّلْمِ فَذَاكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کرلوں گا اگر وہ ظالم ہو تو میں اس کی کیسے مدد کروں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو ظلم سے روکو یہ تمہارا اس کی مدد کرنا ہوگا۔

باب

باب : بادشاہ کی نزدیکی باعث فتنہ ہے

(۲۱۸۲) مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ اَتَى اَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتَتَنَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جس شخص نے جنگل میں سکوت اختیار کی وہ سخت مزاج اور بداخلاق ہوگیا اور جس شخص نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہوگیا جو شخص حکمران کے دروازے پر آیا وہ آزمائش میں مبتلا کردیا گیا۔

نوٹ: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ماروا الاساطین فی عدم المجئی الی السلاطین جس میں انہوں نے وہ احادیث وآثار جمع فرمائے ہیں جن میں اہل علم کو امراء کی خدمات میں حاضری سے منع فرمایا گیا ہے: قال فضیل بن عیاض کنا نتعلم اجتناب السلطان کما نتعلم السورۃ من القرآن (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔
ملحوظہ: یہ حدیث ضعیف ہے ابوموسیٰ جو وہب بن منبہ سے روایت کرتا ہے مجہول راوی ہے۔

باب

باب: خوش حالی بھی کبھی فتنوں کا سبب بنتی ہے

(۲۱۸۳) اِنَّکُمْ مَنْصُوْرُوْنَ وَمُصِیْبُوْنَ وَمَفْتُوْحٌ لَکُمْ فَمَنْ اَدْرَکَ ذٰلِكَ مِنْکُمْ فَلْیَتَّقِ اللّٰهَ وَلْیَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلْیَنْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم لوگوں کی مدد کی جائے گی تم لوگوں کو مال ودولت ملے گا تم لوگوں کے لیے کشادگی ہوگی تو تم میں سے جو شخص ایسی صورت حال کو پائے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے نیکی کا حکم دے برائی سے منع کرے اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

تشریح: جب کسی قوم میں خوش حالی آتی ہے تو اللہ کا ڈر اٹھ جاتا ہے لوگوں کے احوال دگرگوں ہوجاتے ہیں اور لوگ اپنی بدعملی کی تائید میں حدیثیں گھڑتے ہیں یہی خوش حالی کے زمانہ کے فتنے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو خوش حالی کی خوش خبری دی تو ساتھ ہی خرابیوں کی طرف بھی متوجہ کیا (یہ حدیث مسند احمد میں تین بار آئی ہے ۱:۳۸۹، ۴۰۱، ۴۳۶) اور مصری نسخہ میں اس دوسری حدیث پر باب بلا ترجمہ ہے۔

باب

باب: وہ فتنہ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے

(۲۱۸۴) قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ اَیُّکُمْ یَحْفَظُ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْفِتْنَةِ فَقَالَ حُذَیْفَةُ رضی اللہ عنہ اَنَا قَالَ حُذَیْفَةُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِیْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ وَجَارِهٖ تُکَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ قَالَ عُمَرُ لَسْتُ عَنْ هٰذَا اَسْاَلُكَ وَلٰکِنْ عَنِ الْفِتْنَةِ الَّتِیْ تَمُوْجُ کَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ بَیْنَكَ وَبَیْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ اَیُفْتَحُ اَمْ یُکْسَرُ قَالَ بَلْ یُکْسَرُ قَالَ اِذًا لَا یُغْلَقُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ فِیْ حَدِیْثِ حَمَّادٍ فَقُلْتُ لِمَسْرُوْقٍ سَلْ حُذَیْفَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ الْبَابِ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ عُمَرُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے کے بارے میں جو ارشاد فرمایا تھا

وہ کس شخص کو یاد ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے یاد ہے پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی آدمی کی بیوی اس کا مال اس کی اولاد اور اس کا پڑوسی آزمائش ہوتے ہیں اور نماز روزہ صدقہ کرنا نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا اس کا کفارہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تم سے اس بارے میں دریافت نہیں کیا میں نے تم سے اس فتنے کے بارے میں دریافت کیا ہے جو سمندر کی موجوں کی طرح ہوگا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے امیر المؤمنین آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا اسے کھولا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا اسے توڑ دیا جائے گا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تو وہ اس لائق ہے کہ قیامت تک بند نہ ہو۔

ابو وائل نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے میں نے مسروق سے کہا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیجئے ؟ اس دروازے کے بارے میں انہوں نے دریافت کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

تشریح: ابواب الفتن کے شروع میں حجۃ اللہ کے حوالہ سے یہ مضمون آیا ہے کہ فتنے چند قسم کے ہیں ایک آدمی کے اندر کا فتنہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے احوال بگڑ جائیں اس کا دل سخت ہو جائے اور اس کو عبادت میں حلاوت اور مناجات میں لذت محسوس نہ ہو دوسرا فیملی میں فتنہ ہے اور وہ نظام خانہ داری کا بگاڑ ہے اسی طرح اولاد میں فتنہ مال میں فتنہ اور پڑوسی میں فتنہ رونما ہوتا ہے جس کی تلافی عبادات سے ہوتی رہتی ہے اور ایک فتنہ وہ ہے جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے یہ نظام مملکت کا بگاڑ ہے یہ فتنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد شروع ہوگا حضرت کے زمانے تک نظام حکومت صحیح چلتا رہا اور فتنہ کا دروازہ کھولا نہیں جائے گا بلکہ توڑا جائے گا اور دروازہ کھولا جائے وہ بند کیا جاسکتا ہے مگر جو کواڑ توڑ دیئے جائیں ان کے بند کرنے کا سوال ہی نہیں پس نظام مملکت کے بگاڑ کا فتنہ جب شروع ہوگا تو قیامت تک رکے گا نہیں۔

فتنة الرجل فی اهله وماله وولده وجاره: یہاں فتنہ سے مراد وہ کوتاہیاں ہیں جو ان مذکورہ افراد کے حقوق ادا کرنے میں ہو جاتی ہیں بشرطیکہ کبائر کے قبیل سے نہ ہوں بلکہ صغائر ہوں کیونکہ طاعت کا مکفر سیئات ہونا بکثرت آیات و روایات سے ثابت ہے اور بالاجماع سیئات سے مراد صغائر ہیں کیونکہ کبائر بغیر توبہ یا ابراء معاف نہیں ہوتے ہیں شراح نے ان مذکورہ افراد کے بارے میں کوتاہیاں بیان فرمائی ہیں جو طاعات کے ذریعہ معاف ہو جاتی ہیں۔

فتنة الرجل فی اهله: کہ طبعاً چند بیویوں میں سے کسی ایک کی طرف رجحان زائد ہو جائے یا نوبت وغیرہ میں کوتاہی ہو جائے اسی طرح بعض بیویوں کی اولاد کی طرف رجحان زائد ہو بعض کی طرف کم ہو اس طرح فتنۃ الرجل فی ولدہ مثلاً بعض اولاد کو بعض پر محبت یا غیر واجب انفاق کے اعتبار سے ترجیح دیدے وغیرہ وغیرہ فتنۃ الرجل فی جارہ مثلاً پڑوسی کی نعمتوں کو دیکھ کر حسد پیدا ہو جائے یا اس کے حقوق غیر واجبہ میں کوتاہی یا حقوق واجب کی ادائیگی میں ٹال مٹول وغیرہ وغیرہ یہ ایسی کوتاہیاں ہیں کہ نماز روزہ صدقہ وغیرہ کے ذریعہ ان کی تلافی ہو جاتی ہے۔

ان بينك وبينها باب مغلقا: یعنی آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان دروازہ ہے۔

اعتراض: پہلے باب میں مغلق کی تفسیر عمر سے کی گئی ہے اور مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر اور فتنہ کے درمیان دروازہ مغلق ہے جو عمر کے علاوہ شی ہے نہ کہ عمر الفاروق؟

جواب①: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ اور فتنہ کے زمانہ کے درمیان باب مغلق ہے اور وہ آپ کا وجود ہے؟

جواب②: کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد بین نفسك وبین الفتنة بدنك اذا الروح غیر البدن۔ "تیرے نفس اور فتنے کے درمیان تیرا بدن ہے جبکہ روح بدن سے الگ ہے۔"

قال عمر رضی اللہ عنہ ایفتح ام یکسر: قال بل یکسر عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کا حاصل یہ کہ وہ دروازہ کھولا جائے گا یعنی طبعی موت اس دروازہ پر واقع ہوگی یا وہ دروازہ توڑا جائے گا یعنی قتل کیا جائے گا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا توڑا جائے گا اور پھر بند نہ ہوگا علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دروازہ توڑا جائے تو پھر باقاعدہ بند نہیں ہوا کرتا جب تک اس کو ٹھیک نہ کرالیا جائے یہ اشارہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی طرف۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تعبیر میں کنایات پر اکتفاء فرمایا ہے تاکہ راز راز رہے اور اس قدر تعبیر کرنے کی ان کو اجازت ہوگی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بالکل صادق ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد فتنوں کا دور شروع ہوا اور آج تک امت اس میں مبتلا ہے اور قیامت تک ابتلاء رہے گا۔ ھذا حدیث صحیح اخرجہ الشیخان۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت کیوں فرمایا؟ **سکتوا:** صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت اس وجہ سے تھا کہ وہ متردد ہوئے ایسے موقع پر سوال بہتر ہے یا سکوت کہیں ایسا نہ ہو کہ سوال کرنے کی وجہ سے کوئی ناگوار بات جواباً فرمادی جائے کما قال تعالیٰ: ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدہ:۱۰۱)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت اس وجہ سے تھا کہ آپ خود ہی خیر وشر کو متعین فرمادیں تو بہتر ہے نہ معلوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے بارے میں تعیین شر نہ فرمادیں اور پھر وہ متعین ہوجائے جس سے دینا وآخرت اس کی برباد ہوجائے چونکہ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کردیا۔

کما فی الروایة قال لرجل یاکل بشماله کل بیمینك فقال لا استطیع فقال لا استطعت فلم یرفعها الی فیه.

"جیسا کہ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے جو بائیں ہاتھ سے کھارہا تھا کہا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کی طاقت رکھے گا بھی نہیں اس کے بعد وہ اپنے منہ تک ہاتھ نہیں لے جاسکا۔"

مگر جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ محسوس کیا کہ آپ سوال پر اصرار فرمارہے ہیں تو ایک شخص نے بلی کہہ کر عرض کرہی دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیر واہل شر کی تعیین فرمادی

تنبیہ: عقلی طور پر افراد کی چار قسمیں نکلتی ہیں: ① من یرجی خیرہ ویومن شرہ ② من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ③ من یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ④ من لا یرجی خیرہ ویومن شرہ۔

اوّل دونوں قسموں کا تعلق ترغیب وترہیب سے ہے اس لیے ان دونوں کو بیان فرمایا اور آخر الذکر دونوں قسموں سے ترغیب وترہیب متعلق نہیں اس وجہ سے ان کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ آپ کا مقصد کلام ترغیب وترہیب ہے۔ ھذا حدیث صحیح اخرجہ احمد

والبیھقی وابن حبان۔

سلط شرارھا علی خیارھا: یعنی برے لوگ اچھے لوگوں پر غالب آجائیں گے اور دنیا میں خرابیاں اور برائیاں زیادہ ہوں گی آپ ﷺ کا یہ ارشاد معجزات میں سے ہے اہل اسلام نے جب ملک فارس وروم کو فتح کرلیا اور ان کے اموال مسلمانوں کے حق میں مال غنیمت ہوگئے اور ان کی اولادیں قید کرلی گئیں جو اس وقت خدام ہوگئے تو فتنہ برپا ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کی نوبت آئی پھر مزید سلسلہ دراز ہوا بنوامیہ ہاشم پر مسلط ہوئے اور دنیا میں کس قدر اہل اسلام کے مابین جنگیں ہوئیں تاریخ کے اوراق واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: تسلیط الشرار علی الخیار فی الفور لازم نہیں نیز فتنہ کا عموم بھی ضروری نہیں لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں تھے بلکہ فتنہ پرور منافقین کی چال تھی۔

باب

باب: امراء کی ہاں میں ہاں ملانا حوض کوثر سے محرومی کا سبب ہے

(۲۱۸۵) خَرَجَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ تِسْعَةٌ خَمْسَةٌ وَّاَرْبَعَةٌ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْاٰخَرُ مِنَ الْعَجَمِ فَقَالَ اسْمَعُوْا هَلْ سَمِعْتُمْ اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ اُمَرَاءُ فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَاَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ فَهُوَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ.

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے ہم اس وقت نو آدمی تھے جن میں سے پانچ عرب تھے اور چار عجمی تھے یا شاید پانچ عجمی تھے اور چار عرب تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا غور سے سنو کیا تم نے یہ بات سنی ہے میرے بعد امراء ہوں گے جو شخص ان کے پاس جائے ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے ان کے جھوٹ میں ان کی مدد کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا حوض پر مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا جو شخص ان کے پاس نہیں جائے گا ان کے ظلم میں ان کی مدد نہیں کرے گا ان کی تصدیق نہیں کرے گا وہ مجھ سے متعلق ہے اور میں اس سے متعلق ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس آئے گا۔

سند کی بحث: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تین سندیں بیان کی ہیں اور تینوں ہارون بن اسحاق ہمدانی کی ہیں:

(۱) ہارون ہمدانی محمد بن عبدالوہاب قناد سے وہ مسعر سے الی آخرہ روایت کرتے ہیں۔ (۲) ہارون محمد قناد سے اور وہ سفیان سے اور وہ ابوحصین سے پہلی سند کی طرح روایت کرتے ہیں۔ (۳) ہارون محمد قناد سے وہ سفیان سے وہ زبید سے اور وہ ابراہیم سے (یہ ابراہیم نخعی نہیں ہیں کوئی اور راوی ہے جو مجہول ہے اور وہ حضرت کعب سے روایت کرتا ہے)۔

باب

باب : دین کو تھامنا چنگاری تھامنے کی طرح ہوگا

(۲۱۸۶) يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب دین پر قائم رہنے والا شخص اس طرح ہوگا جس طرح اس نے اپنی مٹھی میں انگارہ رکھا ہوا ہے۔

تشریح: جب فتنوں کا دور آتا ہے فسق و فجور عام ہوتا ہے اور لوگوں کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے تو دین پر جمنا دوبھر ہو جاتا ہے اس وقت دین کو مضبوط پکڑنا اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے جتنا چنگاری ہاتھ میں پکڑنا مگر اس وقت ثواب بھی بڑھ جاتا ہے حضرت ابوثعلبہ کی حدیث میں ہے: للعامل فيهن اجر خمسين رجلا يعملون مثل عمله. ان ایام میں دین پر عمل کرنے والے کے لیے پچاس آدمیوں کا اجر ہوگا جو آج اس کے عمل کے مانند عمل کرتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ان میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر۔ (یہ روایت ترمذی میں آئے گی اور رواہ ابن ماجہ مشکوۃ حدیث ۵۱۴۴)

ملحوظہ: یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں اور ترمذی میں یہی ایک حدیث ثلاثی ہے اور ضعیف ہے اس کا ایک راوی عمر بن شاکر ضعیف ہے مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے کیونکہ اس سے متعدد اہل علم نے روایت لی ہے اور یہ راوی شیخ ہے یہ لفظ صدوق کے ہم معنی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مقارب الحدیث کہا ہے علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد ہیں یہ مضمون حضرت ابوثعلبہ خشنی سے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ (مسند احمد ۵:۳۹۰)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (صحیحہ ۲:۶۸۳)

نوٹ: اس دوسری حدیث سے پہلے مصری نسخہ میں باب بلا ترجمہ ہے۔

باب

باب : بہتر اور بدتر لوگ

(۲۱۸۹) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَفَ عَلٰى اُنَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَيُؤْمَنُ شَرُّهٗ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجٰى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کے پاس ٹھہرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم لوگوں کو تمہارے اچھے اور تمہارے برے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں راوی بیان کرتے ہیں لوگ خاموش رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا تو ایک صاحب نے عرض کی یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتائیں اچھے لوگ کون سے ہیں اور ہم میں سے

بُرے لوگ کون سے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جن سے بھلائی کی امید کی جائے اور ان کے شر سے محفوظ رہا جائے اور برے لوگ وہ ہیں جن سے بھلائی کی امید نہ کی جائے اور ان کے شر سے محفوظ نہ رہا جائے۔

تشریح: تبنیہ: عقلی طور پر افراد کی چار قسمیں نکلتی ہیں: ① من یرجی خیرہ ویومن شرہ ② من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ③ من یرجی خیرہ ولا یومن شرہ ④ من لا یرجی خیرہ ویومن شرہ۔

اول دونوں قسموں کا تعلق ترغیب وترہیب سے ہے اس لیے ان دونوں کو بیان فرمایا اور آخر الذکر دونوں قسموں سے ترغیب وترہیب متعلق نہیں اس وجہ سے ان کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ آپ کا مقصد کلام ترغیب وترہیب ہے۔(ہذا حدیث صحیح اخرجہ احمد والبیہقی وابن حبان)۔

باب

باب: جب امت میں اتراہٹ آجائے تو برے لوگ مسلط ہو جائیں گے

(۲۱۸۷) إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي بِالْمُطَيْطِيَاءِ وَخَدَمَهَا أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ سُلِّطَ شِرَارُهَا عَلَى خِيَارِهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب میری امت کے لوگ اکڑ کر چلنا شروع کریں گے اور بادشاہوں کی اولاد ان کی خدمت کرے گی اور فارس اور روم کے لوگ ان کی خدمت کریں گے تو ان کے بدترین لوگ ان کے بہترین لوگوں پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔

تشریح: سلط شرارھا علی خیارھا: یعنی برے لوگ اچھے لوگوں پر غالب آجائیں گے اور دنیا میں خرابیاں اور برائیاں زیادہ ہوں گی آپ ﷺ کا یہ ارشاد معجزات میں سے ہے اہل اسلام نے جب ملک فارس وروم کو فتح کر لیا اور ان کے اموال مسلمانوں کے حق میں مال غنیمت ہو گئے اور ان کی اولادیں قید کر لی گئیں جو اس وقت خدام ہو گئے تو فتنہ بپا ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کی نوبت آئی پھر مزید سلسلہ دراز ہوا بنو امیہ ہاشم پر مسلط ہوئے اور دنیا میں کس قدر اہل اسلام کے مابین جنگیں ہوئیں تاریخ کے اوراق واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا تسلیط الشرار علی الخیار فی الفور لازم نہیں نیز فتنہ کا عموم بھی ضروری نہیں لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں تھے بلکہ فتنہ پرور منافقین کی چال تھی۔

سند کی بحث: یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہے کیونکہ اس کو موسیٰ بن عبیدۃ ربذی ابو عبدالعزیز مدنی عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہے اور یہ راوی ضعیف ہے خاص طور پر عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کی روایتوں میں مگر یحییٰ بن سعید انصاری اس کے متابع ہیں وہ بھی یہ حدیث عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں وقد رواہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہی سند پیش کی ہے پھر امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ دوسری سند (انصاری کی) بے اصل ہے یہ حدیث صرف موسیٰ کی سند سے معروف ہے (مگر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری سند کے بے اصل ہونے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی جبکہ انصاری سے روایت کرنے والے ابو معاویہ پھر ان سے روایت

کرنے والے امام ترمذی کے استاذ محمد بن اسماعیل بن واسطی دونوں ثقہ ہیں) دوسری دلیل امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پیش کی ہے کہ یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی انصاری سے روایت کرتے ہیں مگر وہ حدیث کو مرسل کرتے ہیں وہ عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں کرتے (مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایسا بکثرت کرتے تھے وہ موصول روایات کو مرسل کرتے تھے پس یہ بھی ابو معاویہ کی سند کے غلط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی اس لیے میری ناقص روائے یہ ہے کہ یہ حدیث انصاری کی سند سے صحیح ہے)۔

باب

باب: عورتوں کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں

(۲۱۸۸) عَصَمَنِی اللّٰهُ بِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا هَلَكَ كِسْرٰى قَالَ مَنِ اسْتَخْلَفُوْا قَالُوْا ابْنَتَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا اَمْرَهُمُ امْرَاَةً قَالَ فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْبَصْرَةَ ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعَصَمَنِي اللّٰهُ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی ایک بات سنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچالیا (نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں) جب کسری مرگیا تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا لوگوں نے اپنا امیر کسے بنایا ہے تو لوگوں نے بتایا کسری کی بیٹی کو تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جن کی حکمران ایک عورت ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں یعنی بصرہ آئیں تو مجھے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان مجھے یاد آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے مجھے بچالیا۔

تشریح: اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کامیابی کی راہ نہیں رہی یہ بات کہ عورت کو سربراہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی طرف حدیث میں کوئی اشارہ نہیں اور فقہاء میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک عورت نہ امیر المؤمنین بن سکتی ہے نہ قاضیہ اور طبری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جن معاملات میں عورت گواہ بن سکتی ہے امیر بھی بن سکتی ہے۔

رہی استیلاء و تغلب کی صورت: تو اس میں بالاجماع عورت کی امارت درست ہے اس کے احکام نافذ اور واجب الاطاعت ہوں گے اور الیکشن پارٹی ووٹ اور اکثریت تغلب ہی کی صورت ہے کیونکہ جمہورت میں سر گنے جاتے ہیں بھیجا نہیں دیکھا جاتا۔

قتل کسریٰ کا واقعہ:

شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا باپ نے زندگی میں یہ محسوس کرلیا تھا کہ اس کا بیٹا قتل کی سازش کر رہا ہے تو اس نے ایک ڈبیہ میں زہر بھر کر اپنے خزانہ میں رکھ دیا اور اس پر لکھا کہ قوت جماع کے لیے جو شخص اس کو کھائے گا اس کو اس قدر قوت جماع حاصل ہوگی باپ کو قتل کرنے کے بعد جب شیرویہ کو وہ تمام خزائن اور بادشاہت حاصل ہوگئی تو اس نے اس ڈبیہ کو دیکھا اور اس وک مقوی جماع سمجھ کر پی گیا اور مرگیا ادھر پہلے سے اپنے بھائیوں کو بادشاہت کے لالچ میں ختم کرچکا تھا اب خاندان میں کوئی مذکر نہیں رہا صرف اس کی

بیٹی رہ گئی تھی لوگ چاہتے تھے کہ بادشاہت اس گھر سے کسی اور کو حاصل نہ ہو تو لوگوں نے اس کی بیٹی بوران ہی کو بادشاہ بنا دیا جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ کسی ہلاک ہو گیا یعنی شیرویہ ختم ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے پوچھا اس کی جگہ کون بادشاہ بنا ہے لوگوں نے بتایا کہ اس کی بیٹی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے آپ ﷺ کی یہ بات یاد رہی کہ جس قوم کی ذمہ داری عورت کے سپرد ہو گی وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی ہے تو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ پہنچیں اور میدان میں گئیں تو میں نے ان کا ساتھ دینے سے گریز کیا کیونکہ وہ گویا امیر ہو گئیں تھی اور کامیابی بقول آپ ﷺ کے ہو ہی نہیں سکتی تھی چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے جنگ جمل کی تفصیل تاریخ اسلام میں ملاحظہ کی جائے بہر حال ابو بکرہ رضی اللہ عنہ آپ کے اس فرمان کو سننے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ (ہذا حدیث صحیح اخرجہ البخاری فی مواضع والنسائی)

باب

باب: بہترین اور بدترین امراء

(۲۱۹۰) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِ اُمَرَائِكُمْ وَشِرَارِهِمْ وَخِيَارُهُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتَدْعُوْنَ لَهُمْ وَ يَدْعُوْنَ لَكُمْ وَشِرَارُ اُمَرَائِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْكُمْ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کیا میں تمہیں تمہارے بہترین حکمرانوں اور برے حکمرانوں کے بارے میں بتاؤں؟ ان میں سے بہترین وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں اور تمہارے حکمرانوں میں سے بدترین وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں تم لوگ ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

ملحوظہ: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی: محمد بن ابی حمید جس کا لقب حماد تھا ضعیف ہے مگر یہ حدیث حضرت عوف بن مالک رحمہ اللہ کی روایت سے مسلم شریف (حدیث ۱۸۵۵) میں ہے۔

جن امراء کے کام معروف و منکر دونوں طرح کے ہوں ان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟

(۲۱۹۱) اِنَّهُ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اَئِمَّةٌ تَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں عنقریب تم پر ایسے حکمران مسلط ہوں گے جن کی کچھ باتیں تمہیں اچھی لگے گی اور کچھ بری لگے گی تو جو شخص ان کا انکار کرے وہ بری الذمہ ہو گیا اور جو ناپسند کرے وہ سلامت رہا لیکن جو اس سے راضی رہا اس نے پیروی کی (وہ برباد ہو جائے گا) عرض کی گئی یا رسول اللہ کیا ہم ان لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔

تشریح: حضرت شاہ اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہین کہ اگر کوئی ایسا شخص زبردستی حکومت پر غلبہ حاصل کر لے جو شرائط خلافت کا جامع نہ ہو (مثلاً الیکشن میں اس کی پارٹی جیت جائے) تو اس کی مخالفت میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ اس کو معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہونگی اور سخت فتنہ برپا ہوگا اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ نتیجہ کیا ہوگا ہوسکتا ہے اس سے بھی بدتر کوئی شخص غالب آجائے پس ایک موہوم مصلحت کے لیے ایسے امر کا ارتکاب نہ کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔

ہاں جب خلیفہ ضروریات دین میں سے کسی ضروری امر کے انکار کی وجہ سے کافر ہوجائے مثلاً نماز کی فرضیت کا انکار کردے یا پانچ نمازوں کی فرضیت کا قائل نہ ہو تو اس سے جنگ کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے اور یہ جواز یا وجوب اسلیے ہے کہ ایسی صورت میں خلیفہ مقرر کرنے کی جو مصلحت ہے یعنی اقامت دین وہ فوت ہوجائے گی بلکہ وہ پوری قوم کو لے ڈوبے گا اس لیے اس سے برسرپیکار ہونا راہ خدا میں جہاد کرنا ہے۔

باب

باب: جینے میں مزہ کب تک ہے؟

(۲۱۹۲) اِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارُكُمْ وَاَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَائَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰی بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا كَانَ اُمَرَائُوكُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَائَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰی نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تمہارے حکمران اچھے لوگ ہوں مالدار ہوں مہربان ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورے کے ذریعے طے ہوتے ہوں تو زمین کا ظاہری حصہ تم لوگوں کے لیے باطنی حصے سے بہتر ہوگا اور جب تمہارے حکمران بدترین لوگ ہوں خوشحال ہوں لیکن بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کا باطنی حصہ تمہارے لیے اوپر والے حصے سے زیادہ بہتر ہوگا۔

یہ حدیث ضعیف ہے صالح بن بشیر مری اب وبشر بصری ضعیف راوی ہے اگرچہ وہ نیک زاہد شخص تھا اور یہ حدیث صرف ترمذی میں ہے دیگر کتب ستہ میں نہیں ہے۔

باب

فتنوں کے زمانہ میں عمل کی اہمیت

(۲۱۹۳) اِنَّكُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ يَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں تم لوگ ایک ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے جس شخص کو حکم دیا گیا ہے اگر وہ اس کا دسواں حصہ ہی ترک کردے تو ہلاکت کا شکار ہوجائے گا پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب لوگ دیئے گئے حکم

کے دسویں حصہ پر عمل کرلیں گے تو بھی نجات پالیں گے

تشریح: مور بہ کا دسواں حصہ جو نجات کے لیے کافی ہے اس سے کیا مراد ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے مراد صرف فرائض کی ادیگی ہے اس فتنوں کے دور میں اگر کوئی شخص سنن و مستحبات کو ترک کردے گا تب بھی ناجی ہوگا۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اخلاص ہے یعنی اے صحابہ رضی اللہ عنہم آئندہ چل کر ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر لوگوں میں دسواں حصہ بھی اخلاص کا ہوگا اس پر بھی نجات ہوجائے گی اور تم سے مکمل اخلاص مطلوب ہے کہ تمہارا زمانہ خیر کا زمانہ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد امر بالمعروف نہی عن المنکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے صحابہ رضی اللہ عنہم تمہارے زمانہ میں تو امر بالمعروف نہی عن المنکر ہر موقع پر مطلوب ہے مگر آئندہ فتنوں کا زمانہ ہوگا اس وقت دسواں حصہ بھی اگر عمل پایا گیا تو نجات ہوجائے گی کیونکہ اس وقت اسلام ضعیف ہوگا ظلم و فسق کی کثرت ہوگی دین کے اعوان و انصار کم ہوجائیں گے۔

یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی نعیم بن حماد مروزی ضعیف ہے ابن عبد نے الکامل میں اس کی ضعیف حدیثوں کا تتبع کیا ہے یہ حدیث ان میں سے ایک ہے مگر باب میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد (۱۵۵:۵) میں ہے جو اس حدیث کے لیے شاہد ہے۔

فتنے مشرق سے سر اُبھاریں گے

(۲۱۹۴) قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ هَا هُنَا اَرْضُ الْفِتَنِ وَاَشَارَ اِلَى الْمَشْرِقِ يعنى حَيْثُ يَطْلُعُ جِذْلُ الشَّيْطَانِ اَوْ قَالَ قَرْنُ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا اس طرف فتنوں کی سرزمین ہے نبی اکرم ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا (اور فرمایا تھا) یہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں جہاں سے سورج کا کنارہ نکلتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اگرچہ عام ہے مگر مراد خاص ہے اس میں مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے یا دجال کے فتنہ کی طرف مسیلمہ یمامہ کا باشندہ تھا جو مدینہ سے مشرق میں نجد کے علاقہ میں واقع ہے اور دجال کا خروج بھی مشرق سے یعنی خراسان سے ہوگا جیسا کہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

مہدی دجال کا پیچھا کہاں سے کہاں تک کریں گے؟

(۲۱۹۵) تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَايَاتٌ سُوْدٌ لَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِاِيْلِيَاءَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے انہیں کوئی واپس نہیں کرسکے گا یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں نصب کردیئے جائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت مہدی کے لشکر کا تذکرہ ہے دجال کا خروج خراسان سے ہوگا حضرت مہدی وہیں سے اس کا پیچھا کریں گے اوران کا جھنڈا کالا ہوگا یعنی اس کی زمین سفید ہوگی اوراس میں کالی دھاریاں ہوں گی اس لیے وہ دور سے کالا نظر آئے گا نبی ﷺ کا جھنڈا ایسا ہی تھا اور ایلیاء یعنی بیت المقدس تک اس کا تعاقب کرتے چلے جائیں گے کوئی چیز ان کے لیے سدراہ نہیں ہوگی اور مسند احمد (۵:۲۷۷) میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اذا رائیتم الرایات السود اقد جائت من قبل خراسان فائتوها فان فیها خلیفة الله المهدی جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی طرف آ رہے ہیں تو تم اس لشکر میں شامل ہوجاؤ کیونکہ اس میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

ملحوظ: یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہین ترمذی کی روایت میں رشدین بن سعد ہیں جو ضعیف ہیں اور مسند احمد کی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں شریک بن عبداللہ نخعی ہین ان کا حافظہ بھی بگڑ گیا تھا اوراس میں غالبا علی بن زید بن جدعان بھی ہے وہ بھی ضعیف راوی ہے مگر دونوں کا ضعف ہلکا ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کی تحسین کی ہے۔

الرویا: رأی یری کا مصدر، اس کے معنی ہیں: آنکھ سے دیکھنا، اور دل سے دیکھنا، پھر وہ اسم کے طور پر مستعمل ہے اور الف مقصورۃ کی وجہ سے الدنیا کی طرح۔

اردو میں اس کا ترجمہ ''خواب'' ہے۔خواب: خوابیدن (سونا) کا حاصل مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: نیند اور وہ باتیں جو آدمی نیند میں دیکھتا ہے۔

خواب کیا ہے؟

کہ خیالات کی ریل بلاتوقف چلتی رہتی ہے، بیداری میں بھی اور نیند میں بھی مسلسل خیالات آتے رہتے ہیں۔ پھر جب وہ وافر مقدار میں جمع ہوجاتے ہیں تو ارادہ عمل جنم لیتا ہے پھر اچھا یا برا عمل وجود میں آتا ہے اور ان خیالات کے بھی اسباب ہیں۔

اور یہ اسباب جاننے اس لیے ضروری ہیں کہ انسان اچھے اسباب اختیار کرے تاکہ اچھے خیالات آئیں اور نیک عمل کا جذبہ اُبھرے اور بُرے خیالات کے اسباب سے بچے تاکہ بُرے خیالات پیدا نہ ہوں اور آدمی بُرے کام نہ کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ البالغہ (قسم اول، مبحث اول، باب دہم) میں خیالات کے پانچ اسباب بیان کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلا سبب: جو سب سے بڑا سبب ہے وہ انسان کی جبلت وفطرت ہے جبلت: وہ اصلی حالت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، ہر انسان کی الگ انداز پر تخلیق ہوئی ہے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ایک جبلت بنائی ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔ اس لیے کہ جیسی فطرت ہوگی ویسے ہی خیالات آئیں گے اچھی فطرت ہوگی تو اچھے خیالات آئیں گے اور بری فطرت ہوگی تو برے خیالات جنم لیں گے۔

دوسرا سبب: انسان کا مادی مزاج ہے جو کھانے پینے وغیرہ سے بنتا ہے یہ مزاج لوگوں میں مختلف ہوتا ہے اور اس کو مختلف کیا بھی جاسکتا ہے۔ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے ان کی وجہ سے یہ مزاج مختلف ہوتا ہے اسی لیے شریعت نے حلال وطیب غذا کھانے پر اچھی صحبت اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔

تیسرا سبب: عادت ومالوف ہے جس شخص کا جس چیز کے ساتھ بہت زیادہ تعلق ہوتا ہے اس کو اس چیز کا بار بار خیال آتا ہے مثلاً جو

چائے کا عادی ہے اس کو اس کا خیال آتا ہے۔ جو نماز کا پابند ہے اس کا دل ہمیشہ مسجد میں اٹکا رہتا ہے اور اس کو بار بار نماز کا خیال آتا ہے۔

چوتھا سبب: اچھے برے اتفاقات ہیں جیسے ایک جیب کترا کسی دینی اجتماع میں اپنے مقصد سے گیا وہاں اس نے کسی مبلغ سے کوئی بھلی بات سنی جو اس کے دل میں اتر گئی اور وہ اس کے لیے باعث انس بن گئی پس اس کی زندگی بدل گئی۔ غرض اس قسم کے اچھے بُرے اتفاقات بھی خیالات کا سبب بنتے ہیں۔

پانچواں سبب: اچھی بری تاثیر ہے بعض لوگ شیاطین سے مت اثر ہوتے ہیں خواہ وہ شیاطین الانس ہوں یا شیاطین الجن ان شیاطین کا رنگ آدمی پر چڑھ جاتا ہے، جس کی وجہ سے برے خیالات آنے لگتے ہیں اور وہ برے اعمال شروع کر دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس آدمی ملائکہ سے متاثر ہوتا ہے چاہے وہ نورانی فرشتے ہوں یا صالح انسان جب ان کا رنگ آدمی پر چڑھتا ہے تو اچھے خیالات آنے لگتے ہیں اور وہ اچھے اعمال شروع کر دیتا ہے۔

اور خوابوں کا معاملہ خیالات جیسا ہے یعنی جو خیالات کے اسباب ہیں وہی خوابوں کے بھی اسباب ہیں اچھے اسباب پیدا ہوتے ہیں تو اچھے خواب نظر آتے ہیں اور برے اسباب جمع ہوتے ہیں تو برے خواب آنے لگتے ہیں البتہ خیالات اور خوابوں میں فرق یہ ہے کہ خیالات میں چیزیں متشکل نہیں ہوتیں اور خواب میں جو خیالات دل میں گزرتے ہیں وہ دل کی انکھوں کے سامنے متشکل ہوتے ہیں۔

اور یہ تمام خوابوں کی حقیقت کا بیان نہیں بلکہ صرف ان خوابوں کا بیان ہے جو خیالات ہوتے ہیں۔

حقیقتِ خواب:

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خواب کی حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قوت خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اس کا نام خواب پھر اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کبھی خواب میں آدمی وہی صورتیں دیکھتا ہے جو بیداری کی حالت میں دیکھتا ہے اس کو حدیث النفس کہا جاتا ہے۔

(۲) کبھی شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے اس کو تسویل الشیطان کہتے ہیں یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن کی کوئی حقیقت واصلیت نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی واقعی تعبیر ہو سکتی ہے۔

(۳) اللہ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لیے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ خزانہ غیب سے بندہ کے قلب ودماغ میں ڈال دیتے ہیں یہ خواب صحیح وحق ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے۔ (طبرانی)

بہر حال جمہور اہل سنت والجماعت کے یہاں خوابات یہ تصورات ہیں جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں پیدا فرما دیتے ہیں کبھی بواسطہ فرشتے کے اور کبھی بواسطہ شیطان کے چنانچہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رؤیا کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نائم کے دل میں علوم وادراکات پیدا فرما دیتے ہیں جیسا کہ بیداری میں کبھی اللہ انسان کے دل میں علوم پیدا فرماتے ہیں اور نائم کے دل میں اس قسم کا خلق علوم دوسرے امور کی علامت ہوتا ہے جو آئندہ چل کر عارض ہوتے ہیں اور وہی اس کی تعبیر ہوتی ہے جیسے بادل بارش کی علامات ہے ایسے ہی خلق علوم فی النائم دیگر امور کی علامت ہے۔

آگے حدیثوں میں خوابوں کی دو قسمیں اور بھی آ رہی ہیں ایک : ڈراؤنا خواب دوسرا مبشرات یعنی خوشخبری دینے والے خواب ان خوابوں کی حقیقت جدا ہے ڈراؤنے خواب شیطان کا تماشہ ہوتے ہیں جیسے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنا خواب بیان کیا کہ گویا ان کا سر قلم کر دیا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا جب شیطان تم میں سے کسی کے ساتھ نیند میں کھلواڑ کرے تو اس کو لوگوں سے بیان نہ کیا کرو۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ کتاب الرؤیا حدیث ۴۶۱۶) اور مبشرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھائے جاتے ہیں۔

جو خواب شیطان کا ڈروا ہوتے ہیں ان کی بھی کوئی تعبیر نہیں ہوتی تعبیر کے محتاج صرف مبشرات ہوتے ہیں۔ اور یہ بات تعبیر بتانے والا جانتا ہے کون سا خواب کس قسم کا ہے جب مصر کے بادشاہ نے درباروالوں کے سامنے اپنا خواب بیان کر کے تعبیر چاہی تو وہ لوگ کہنے لگے یہ یوں ہی پریشان خیالات ہیں (یوسف: ۴۴) ان کی یہ بات اگرچہ صحیح نہیں تھی مگر اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ پریشان خیالات کی تعبیر نہیں ہوتی اور یہ حدیث ابھی گذری ہے کہ ایک صحابی نے خواب دیکھا کہ گویا ان کا سر کاٹ دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شیطان کا ڈراوا قرار دیا غرض تعبیر صرف مبشرات کی ہوتی ہے۔

اور خواب کی تعبیر کے لیے کوئی مقررہ ضابطہ نہیں جو شخص عالم ہوتا ہے اور خواب دیکھنے والے کی زبان اور اس کے محاورات سے واقف ہوتا ہے نیز وہ خواب دیکھنے والے کے احوال سے بھی واقف ہوتا ہے وہ مختلف قرائن سے معلوم کر لیتا ہے کہ خواب کا کون سا جز مقصود ہے اور اس کی کیا مراد ہے؟

بَابُ اَنَّ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

باب ۱: مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

(۲۱۹۶) اِذَا قْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَاَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا اَصْدَقُهُمْ حَدِيْثًا وَرُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَالرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرٰى مِنَ اللهِ وَالرُّؤْيَا مِنْ تَحْزِيْنِ الشَّيْطَانِ وَالرُّؤْيَا مِمَّا يُحَدِّثُ بِهَا الرَّجُلُ نَفْسَهٗ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ وَلْيَتْفُلْ وَلَا يُحَدِّثُ بِهِ النَّاسَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب زمانہ قریب ہو جائے گا (یعنی قیامت کے قریب ہو جائے گا) تو مؤمن کا خواب عام طور پر جھوٹا نہیں ہوگا اور لوگوں میں سب سے زیادہ سچا خواب اس شخص کا ہوگا جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہوگا مؤمن کے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں خواب تین طرح کے ہوتے ہیں اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہوتے ہیں کچھ خواب شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ خواب وہ ہیں جس میں آدمی اپنے آپ سے بات کرتا ہے تو جب کوئی شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو وہ اٹھے اور تھوک دے اور اسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔

(۲۱۹۷) رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: مؤمن کے خواب نبوت چالیسواں حصہ ہیں۔

اس بارے میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابورزین عقیلی، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عوف بن مالک، حضرت ابن عمر، اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے احادیث منقول ہیں۔

تشریح: مومن کا خواب یعنی اچھا خواب جس کو حدیث میں بشری من اللہ (اللہ کی طرف سے خوشخبری) کہا گیا ہے وہ کمالات نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

خواب کی قسمیں اوران کا درجہ:

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) **نیک خواب:** جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے بشارت ہوتے ہیں یہ ایک قسم کا الہام ہوتا ہے جو بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لیے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اپنے خزانۂ غیب سے کچھ چیزیں اس کے قلب ودماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

(۲) **شیطانی خواب:** جس میں شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے اس کو تسویل شیطانی بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) نفسانی خواب: کہ بیداری کی حالت میں جو کچھ انسان سوچتا ہے یا جو صورتیں اور چیزیں دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں نظر آجاتی ہیں اسے حدیث النفس بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) اقترب الزمان لم تکد رئویا المومن تکذب۔ اقتراب زمان کی چار تفسیریں کی گئی ہیں۔

پہلی تفسیر: صاحب الفائق فرماتے ہیں اس سے آخری زمانہ مراد ہے جو قرب قیامت ہوگا۔ کما فی روایۃ انہ علیہ السلام قال فی آخر الزمان لاتکاد رؤیا المومن تکذب اقتراب سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ شئی قلیل وقصیر ہوجاتی ہے تو اس کے اطراف و جوانب قریب قریب ہوجاتے ہیں۔ پھر آخری زمانہ کون سا مراد ہے؟ بعض نے فرمایا خروج مہدی علیہ السلام کا زمانہ کیونکہ اس وقت عدل وانصاف قائم ہوگا وہ وقت خوشی کا وقت ہوگا زمانہ قلیل معلوم ہوگا جیسا کہ اس کے بالمقابل پریشانی کا وقت قلیل بھی کثیر معلوم ہوا کرتا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر کے لوگوں کے ساتھ رہیں گے وہ وقت بھی وقت انصاف وعدل کا وقت ہوگا۔

دوسری تفسیر: صبح کی نزدیکی مراد ہے۔ آگے حدیث (نمبر ۲۲۷۲) آرہی ہے کہ سحری کے وقت کے خواب زیادہ تر سچے ہوتے ہیں۔

تیسری تفسیر: رات دن کا مساوی ہونا مراد ہے یعنی جب رات دن برابر ہوتے ہیں اس وقت کے خواب اکثر سچے ہوتے ہیں کیونکہ جب رات لمبی ہوتی ہے اور آدمی ضرورت سے زیادہ سوتا ہے تو پراگندہ خیالات آتے ہیں اور جب رات چھوٹی ہوتی ہے اور نیند پوری نہیں ہوتی تو بھی خواب یاد نہیں رہتے اور اعتدال کے زمانہ کے خواب عام طور پر سچے ہوتے ہیں نیز وہ زمانہ اور وہ وقت مراد ہے جس میں رات دن دونوں برابر ہوتے ہیں چونکہ اس وقت انسانی مزاج صحیح ومعتدل تر ہوگا اس لیے خواب میں بھی خلط ملط نہ ہوگا بلکہ خوابات سچے ہوں گے۔

چوتھی تفسیر: اصدقهم حديثا :معناه اصدقهم حديثا اصدقهم رؤيا یعنی جس شخص کے خیالات جتنے زیادہ اچھے ہوں گے اسی قدر اس کو سچے خواب نظر آئیں گے یا جس کی گفتگو میں زیادہ سچائی ہوگی اسی قدر اس کو زیادہ سچے خواب نظر آئیں گے چونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے تو صدق ظاہر صدق باطن کو مستلزم ہے۔حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صدق مقال سے قلب منور ہوتا ہے اور ادراک قوی ہوتا ہے حقائق منکشف ہوتے ہیں حتی کہ خوابات بھی اس کو سچے نظر آئیں گے۔

ورؤيا المسلم جزء من ستة واربعين جزء من النبوة: اور مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

تشریح: اس حدیث کا شان ورود اگلے باب میں آ رہا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی اب نہ کوئی نیا رسول آئے گا اور نہ نیا نبی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو تشویش ہوئی نبوت کے ذریعہ لوگوں کو خیر کی باتیں معلوم ہوتی ہیں اب لوگ اس سے محروم ہوگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر خوش کن باتیں ابھی باقی ہیں ان کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ امت کو خیر کی باتیں بتلائیں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: خوش کن باتیں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا خواب جو کمالات نبوت میں سے ایک کمال ہے پس صحابہ رضی اللہ عنہم کو اطمینان ہوگیا کہ الحمد للہ ابھی خیر کا دروازہ پوری طرح بند نہیں ہوا ایک صورت اب بھی باقی ہے۔

مختلف اعداد میں تطبیق:

اس روایت میں ۴۶ کا ذکر ہے اس کے علاوہ دیگر روایات میں مختلف اعداد مذکور ہیں: ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۷۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۷۰۔ ۷۶۔ ۲۴۔ ۲۷۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۴۰۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو ذکر فرمایا ہے۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اجزاء کے تعدد کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بناء پر ہے امانت وصدق نیات میں لوگ مختلف ہیں تو ان کے خوابات میں بھی اجزاء اختلاف ہے۔ کہ خواب دیکھنے والوں کے صلاح وتقوی کے اختلاف سے نسبتیں مختلف ہوتی ہیں جو شخص جس قدر متقی ہوگا اس کا خواب اسی قدر اہم ہوگا اور عدد چھوٹا ہوگا مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خواب نبوت کا ۲۴واں جزء ہوگا اور دوسرے صدیقوں کے خواب ۲۵ یا ۲۶ یا ۲۷واں حصہ ہوں گے اسی طرح صالحین کے بھی مختلف درجات ہیں پس قدر ان کے اخلاص میں صدق مقال واکل حلال میں اور نیتوں کی صداقت میں کمی ہوگی عدد بڑھتا جائے گا اور اوسط عدد یعنی عام صالحین کے خوابوں کی نسبت ۴۶ ہے یہ ایک بہترین توجیہ ہے۔اور اس کی نظیر جماعت کی فضیلت کی روایات ہیں۔عام روایات میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا آیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ۲۷ گنا آیا ہے اس کی ایک توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ یہ ثواب اس صورت میں جبکہ امام پرہیزگار ہو نمازیوں میں نیک لوگ شامل ہوں اور جماعت بڑی ہو تو یہ ثواب ہے یعنی خارجی چیزوں کے اثرات پڑتے ہیں اسی طرح خوابوں کا معاملہ ہے۔

قادیانیوں کے غلط استدلال کا جواب:

اس سے دراصل قادیانیوں پر رد کرنا مقصود ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جزء نبوت کے باقی رہنے سے گویا نبوت بھی باقی ہے ان کا یہ عقیدہ سراسر غلط ہے کیونکہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا دیکھئے اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے اگر کوئی ایسا کہنے لگے تو دنیا بھر کے انسان اس کو یا جھوٹا

کہیں گے یا اسے بے وقوف سمجھیں گے اس لیے سچے خواب بلاشبہ جزء نبوت ہیں مگر نبوت کیوں نہیں کیونکہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔

جزءنبوت ہونے سے کیا مراد ہے؟

(۱) علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیز دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں ہوتی مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھے جن کا حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہیں تو اس کا ذریعہ بجز امداد والہام خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا ہے جو اصل خاصہ نبوت ہے اس لیے اس کو جزء نبوت قرار دیا ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا: کہ رؤیائے کے صالحہ لواحق نبوت اور صفات انبیاء میں سے ہے اور صفات انبیاء کے ساتھ غیر نبی بھی متصف ہوسکتا ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں روایت کا مطلب یہ ہے کہ سچا خواب علم نبوت کے اجزاء میں سے ہے نہ کہ نبوت کے اجزاء میں سے چونکہ علم نبوت باقی ہے اور نبوت متجزی نہیں ہے اور یہ منصب ختم بھی ہو چکا ہے اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔

(۳) علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں نبوت کے معنی خبر بالغیب کے ہیں گو یا رؤیا صالحہ خبر بالغیب ہے اور خبر بالغیب ثمرات نبوت میں سے ہے۔

(۴) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر شراح فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ کہا جائے حدیث میں خواب کو اجزاء نبوت میں سے کہا گیا ہے اور اجزاء نبوت کو انبیاء علیہم السلام ہی جانتے ہیں ہمیں معلوم نہیں مجملاً اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ اچھا خواب بشارت ہے۔

هذا حديث صحيح اخرجه الشيخان وفى الباب عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ اخرجه البخارى فى تاريخه والطحاوى وابن حبان ابى رزين رضی اللہ عنہ اخرجه الترمذى وانس رضی اللہ عنہ اخرجه الشيخان وابى سعيد رضی اللہ عنہ اخرجه البخارى وابن عمر رضى الله عنهما اخرجه احمد والطبرى وعوف بن مالك اخرجه البخارى فى تاريخه وابن عمر رضى الله عنهما اخرجه مسلم۔

تشریح: ① رویا: صالحہ کی دو قسمیں ہیں بشری من اللہ اور رؤیا ملکی یعنی نیک آدمی کا خواب۔

اوّل: وہ خواب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھلایا جاتا ہے اور وہ مومن کے لیے خوشخبری ہوتا ہے آگے حدیث میں آرہا ہے۔ يراها المسلم اوترى له جس کو کوئی مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جاتا ہے جیسے حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد دیکھا کہ ان کے لیے ایک چشمہ جاری ہے نبی ﷺ نے فرمایا: وہ چشمہ ان کا عمل ہے جو ان کے لیے بہہ رہا ہے یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بعداز وفات بشارت ہے۔

دوم: ملکوتی خواب یعنی نیک آدمی کا خواب یہ خواب آدمی کی خوبیوں اور خرابیوں کا تمثیل (پیکر محسوس) ہوتا ہے اگر خوبی متمثل ہوتی ہے تو وہ محض بشارت ہوتی ہے اور خرابی متمثل ہوتی ہے تو وہ تنبیہ ہوتی ہے اور وہ بھی نتیجہ کے اعتبار سے بشارت ہوتی ہے۔

② شیطان کا ڈراوا یعنی خواب میں شیطان پریشان کرتا ہے کسی ملعون جانور کی شکل میں انسان کو نظر آتا ہے جس سے آدمی ڈر جاتا ہے اور دل میں وحشت اور خوف پیدا ہوتا ہے ایسے خوابوں کا علاج آگے آرہا ہے۔

③ وہ خواب جو خیالات ہوتے ہیں۔

فائدہ: اچھے خوابوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کبھی بندوں کو تعلیم بھی دیتے ہیں جیسے سورۃ صٓ کی تفسیر (ترمذی ۲:۱۵۵) میں یہ حدیث آرہی ہے کہ نبی ﷺ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا پس اللہ تعالیٰ نے پوچھا فرشتے کس امر میں بحث کررہے ہیں؟ الخ اس حدیث میں درجات اور کفارات کا بیان ہے یعنی کن اعمال سے مرتبے بلند ہوتے ہیں اور کن اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی طرح متعدد خوابوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات سے واقف کیا ہے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

بَابُ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ

باب ۲: نبوت تکمیل پذیر ہوگئی اور خوش کن باتیں باقی ہیں

(۲۱۹۸) اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ قَالَ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ لٰكِنِ الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِیَ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہیں اور اب میرے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے لئے باعث رنج ہوئی تو آپؐ نے فرمایا لیکن بشارتیں (باقی ہیں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بشارتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان کا خواب اور یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔

تشریح: فشق ذلك: صحابہ رضی اللہ عنہم کو ختم نبوت کی خبر اس لیے گراں معلوم ہوئی کہ انذار عن السیئات اور بشارت علی الحسنات بذریعہ وحی الٰہی یعنی رسالت و نبوت کے طریق سے معلوم ہوجاتی تھیں اب کس طرح معلوم ہوں گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مبشرات اب بھی باقی ہیں کہ خوابات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انذر و بشیر فرماتے رہیں گے جو اجزاء نبوت میں سے ہے۔

تنبیہ: قرآن و حدیث اور تجربات سے ثابت ہے کہ سچے خواب بعض اوقات فاسق و فاجر بلکہ کافر کو بھی آسکتے ہیں سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دو ساتھیوں کے خواب اور ان کے سچے ہونے کا ذکر ہے اسی طرح بادشاہ مصر کا خواب اور اس کا سچا ہونا قرآن میں مذکور ہے حالانکہ یہ تینوں مومن نہ تھے۔ حدیث میں کسری کا خواب مذکور ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے متعلق دیکھا تھا اور وہ خواب صحیح ہوا حالانکہ کسری مسلمان نہ تھا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ نے بحالت کفر آپ ﷺ کے بارے میں سچا خواب دیکھا نیز کافر بادشاہ بخت نصر کے خواب کی تعبیر حضرت دانیال علیہ السلام نے دی وہ خواب سچا ہوا۔

یہ بھی یاد رہے کسی خواب کی تعبیر فوراً ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے شداد بن الہاد نے فرمایا یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ تعبیر خواب کی ایک مستقل فن ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو عطاء فرمادیتے ہیں ہر شخص اس کا اہل نہیں ہے۔

کما هو مستفاد من قوله تعالیٰ: ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ (یوسف:٦)

باب قوله: لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

باب ۳: مؤمنین کے لیے دنیوی زندگی میں خوشخبری ہے

(۲۱۹۹) سَأَلْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (یونس: ٦٤) فَقَالَ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا اَحَدٌ غَيْرُكَ اِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا اَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ اُنْزِلَتْ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهٗ.

ترجمہ: عطاء بن یسار مصر سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کے حوالے سے یہ بات بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا: لھم البشری تو انہوں نے فرمایا اس وقت سے لے کر اب تک تمہارے علاوہ صرف ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا (جب میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک تمہارے علاوہ کسی نے مجھ سے یہ دریافت نہیں کیا اس سے مراد سچے خواب ہیں جو مسلمان دیکھتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اسے دکھائے جاتے ہیں۔

(۲۲۰۰) اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں (عام طور پر) زیادہ سچے خواب وہ ہوتے ہیں جو سحری کے وقت دیکھے جائیں۔

(۲۲۰۱) سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ قَوْلِهٖ (لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) قَالَ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ اَوْ تُرٰى لَهٗ.

ترجمہ: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات بتائی گئی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا۔ ان لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہوگی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ سچے خواب ہیں جو مومن دیکھتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) جو اسے دکھائے جاتے ہیں۔ مومنین جب آخرت میں پہنچیں گے تو ان کو جنت کی نعمتوں کی جو خوشخبری ملائکہ دیں گے وہ تو ظاہر ہے مگر دنیا میں خوشخبری کی کیا صورت ہوتی ہے اس کا تذکرہ درج ذیل روایات میں ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ

باب ۴: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے دیکھا

(۲۲۰۲) مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِيْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔

تشریح: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھنے کے تعلق سے وہ متفق علیہ روایتیں ہیں: یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے:

(۱) متقدمین میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری زندگی والے حلیہ میں دیکھا: اس نے بالیقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا چنانچہ وہ حضرات خواب دیکھنے والے سے حلیہ دریافت کیا کرتے تھے اگر خواب دیکھنے والا وہ حلیہ بیان کرتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری زندگی میں تھا تو وہ اس خواب کی تصدیق کرتے تھے ورنہ کہتے کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں نہیں دیکھا۔ چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے جب کسی نے اپنا خواب سنایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مخصوصہ پر نہ تھا تو فرمایا: اذھب ما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) متقدمین کی دوسری رائے یہ ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حلیہ میں دیکھا خواہ وہ آخری زندگی کا حلیہ ہو یا پہلے کا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اگر ایسی حالت میں دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ کبھی نہیں رہا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔

اور مت اُخرین کی رائے یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حلیہ میں بھی دیکھا ہو اگرچہ نامناسب حلیہ میں دیکھا ہو اور خواب میں قرائن سے جانا ہو کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا خواہ روایات میں منقول حلیہ میں دیکھا ہو یا کسی اور حلیہ میں۔

(۳) علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معروف مشہور اور مخصوص صورت پر دیکھے یا اس کے علاوہ صورت پر بہر حال وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ہوگا فرق صرف یہ ہے کہ اگر مخصوص و معہود صورت پر دیکھا تو وہ حقیقی رؤیا ہے اور اگر دوسری صورت پر دیکھا تو ت اُویل رؤیا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متفرق مبارک ہڈیوں کو جمع کرتے ہوئے خواب میں دیکھا تو ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیر دی کہ آپ کی احادیث کے معانی کے جامع ہوں گے جن احادیث کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے پھر آپ امام المسلمین ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۴) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس صورت پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ہوگا ہاں البتہ دین وایمان کے کمال ونقص کے اعتبار سے مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جس نے آپ کو اچھی صورت پر دیکھا تو یہ کمال دین وایمان کی علامت ہے اور جس نے اس کے خلاف دیکھا تو یہ دیکھنے والے کے نقص دین وایمان کی طرف اشارہ ہے تا کہ وہ اپنے دین وایمان کا علاج کر سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا ایک کسوٹی ہے جس سے آدمی اپنے باطنی حالات معلوم کرسکتا ہے کامل الایمان مزید ترقی کرسکتا ہے اور ناقص الایمان اپنی اصلاح کرسکتا ہے۔اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی رائے برحق ہے کیونکہ خواب دیکھنے والے جس شخص سے مناسبت ہوتی ہے اس کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے ہیں نیز خواب دیکھنے والے کی ایمانی حالت نیت اور امور باطنہ کے اختلاف سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مختلف صورتوں میں ہوتی ہے۔

شراح: فرماتے ہیں اس کی مثال آئینہ کی طرح ہے کہ جس رنگ کا آئینہ ہوگا ایسی ہی صورت نظر آئے گی جس قسم کے احوال دیکھنے والے کے ہوں گے ویسی ہی صفات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی۔ پھر اہل علم فرماتے ہیں بعینہٖ آپ کی ذات نظر آتی ہے یا صورت مثالیہ کی زیارت ہوتی ہے صوفیاء کے اس بارے میں دونوں قول ہیں بعض کو اللہ تعالیٰ اتنی قوت عطاء فرمادیتے ہیں کہ وہ بعینہٖ

آپ کی ذات اقدس کی زیارت کرتے ہیں اور بعض کو آئینہ کی طرح مثال کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔

اعتراض: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایک ہی وقت میں مختلف شہروں اور مختلف ملکوں میں مختلف افراد کو ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت کہاں کہاں تشریف لے جاسکتے ہیں۔

جواب: آپ کی مثال مثل آفتاب ومہتاب کے ہے آفتاب اپنی جگہ قائم مگر مختلف مقامات سے لوگ دیکھتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف نہ لے جائیں پھر بھی مختلف مقامات پر مختلف افراد بیک وقت زیارت سے مشرف ہوجائیں تو کیا اعتراض ہے۔

فان الشيطان لايتمثل بی: یعنی شیطان تمثیل نہیں کرسکتا اور اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہیں دیکھا سکتا ہے یعنی جیسا کہ شیطان کسی کے سامنے بیداری کی حالت میں آپ کی صورت بنا کر نہیں آسکتا ہے ایسے ہی نوم کی حالت میں بھی آپ کی صورت میں نہیں آسکتا ہے اور یہ معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

حضرات محققین فرماتے ہیں کہ شیطان اللہ کی مثال میں تمثیل کر کے کسی کو یہ وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمثیل کر کے وسوسہ نہیں ڈال سکتا ہے اور اس کی مختلف وجوہات اہل علم نے بیان فرمائی ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبع ہدایت اور مظہر رشد ہیں اور شیطان مظہر ضلالت اور ہدایت وضلالت میں تضاد ہے پھر تمثیل کیسے کرسکتا ہے اور اللہ کے لیے صفت ہدایت کے ساتھ صفت اضلال بھی ثابت ہے بلکہ وہ تو تمام صفات متضادہ کا جامع ہے۔لہٰذا شیطان جو مظہر ضلالت ہے وہ صفت اضلال کے مرتبہ میں اللہ کا تمثیل کرسکتا ہے۔

(۲) مخلوق کی جانب سے دعویٰ الوہیت صریح البطلان ہے محل اشتباہ نہ ہونے کی بناء پر دعویٰ الوہیت کے بعد خواہ اس سے صدور خوارق بھی ہوجائے تب بھی وہ باطل ہے لہٰذا شیطان اگر اللہ تعالیٰ کا تمثیل کر کے کسی کے پاس آئے اور صدور خوارق بھی کرے تو یہ صریح البطلان ہونے کی وجہ سے کسی کو شبہ نہ ہوگا اس لیے تمثیل باری تعالیٰ کرسکتا ہے ہاں شیطان کے دعویٰ نبوت کرنے میں اشتباہ ہوگا کیونکہ نبی انسان ہوتا ہے۔کما قال تعالیٰ: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الکہف:۱۱۰) اب شیطان بھی انسانی صورت لے کر دعویٰ نبوت کرے تو یہ محل اشتباہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ قدرت نہیں عطا فرمائی کہ وہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمثیل کرسکے تاکہ منصب نبوت محفوظ رہے اور حق وباطل میں اشتباہ نہ ہو۔چونکہ سچا خواب جزء نبوت ہے اب جھوٹ خواب بیان کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے جزء نبوت عطا فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولنے سے بڑھ کر کون سا گناہ ہوگا اس لیے اس کو دوامی عذاب دیا جائے گا۔

بَابُ مَاجَآءَ اِذَارَاٰى فِى الْمَنَامِ مَايَكْرَهُ مَايَصْنَعُ؟

باب ۵: جب ناپسندیدہ خواب نظر آئے تو کیا کرے؟

(۲۲۰۳) اَنَّهُ قَالَ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ شَيْئًا يَّكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَّسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا فَاِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کچھ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں جب کوئی شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے بائیں طرف تین دفعہ تھوک دینا چاہیے اور اس خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے تو وہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

تشریح: اور اس حدیث میں پسندیدہ خواب دیکھنے کی صورت میں دو کام کرنے کی ہدایت فرمائی ہے دیگر روایات میں جو آگے آ رہی ہے اور اعمال بھی منقول ہیں۔

اچھا خواب نظر آئے تو تین کام کرنے چاہئیں: (۱) اس خواب پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے۔ (۲) اس خواب سے خوش ہو۔ (۳) وہ خواب دوسروں سے بیان کرے مگر ایسے شخص سے بیان کرے جو خواب دیکھنے والے سے محبت رکھتا ہو جو اس کو ناپسند کرتا ہو اس سے بیان نہ کرے۔

اور ناپسندیدہ خواب دیکھنے پر چھ کام کرے: (۱) اس خواب کی برائی سے اللہ کی پناہ چاہے۔ (۲) شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہے۔ (۳) جب نیند سے بیدار ہو تو بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے۔ (۴) اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ (۵) کم از کم دو نفلیں پڑھے۔ (۶) اور پہلو بدل کر سو رہے۔

فانہ لایضرہ: یعنی ان اعمال مذکورہ کرنے کے بعد وہ خواب پراگندہ کوئی نقصان نہ دے گا کہ وساوس بھی دفع ہو جائیں گے اور امر مکروہ سے سلامتی بھی حاصل ہوگی اور یہ ایسا ہی ہے کہ صدقہ دفع بلاء کا سبب ہے اور حفاظت مال کا ذریعہ بھی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی تَعْبِیرِ الرُّؤْیَا

باب ٦: خوابوں کی تعبیر کا بیان

(۲۲۰۴) رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعِیْنَ جُزْئًا مِّنَ النُّبُوَّةِ وَهِیَ عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ یَتَحَدَّثْ بِهَا فَإِذَا تَحَدَّثَ بِهَا سَقَطَتْ قَالَ وَاَحْسَبُهٗ قَالَ وَلَا یُحَدِّثُ بِهَا اِلَّا لَبِیْبًا اَوْ حَبِیْبًا.

ترجمہ: حضرت ابوزرین عقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤمن کے خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں اور یہ آدمی کے لیے اڑنے والی چیز کی مانند ہوتے ہیں جب تک انسان اسے بیان نہ کردے جب اسے بیان کر دیا جائے تو یہ گر پڑتے ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے یہ بات بھی بیان کی ہے تم اس خواب کو صرف عقل مند شخص کو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اپنے دوست کو سناؤ۔

(۲۲۰۵) رُؤْیَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ وَهِیَ عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ یُحَدِّثْ بِهَا فَإِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ.

ترجمہ: حضرت زرین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اور یہ آدمی کے لیے پرندے کی طرح ہوتے ہیں جب تک انسان اس کو بیان نہ کرے جب وہ اس کو بیان کردے تو یہ گر جاتا ہے۔

تشریح: ان دونوں حدیثوں کی سند میں ایک راوی وکیع ہے اس کے باپ کا نام عین کے ساتھ عدس ہے یا حاء حطی کے ساتھ حدس؟ رواۃ میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے واضح عین کے ساتھ ہے۔

باب

باب ۷: جب ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کیا کرے؟

(۲۲۰۶) اَلرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَرُؤْيَا حَقٌّ وَرُؤْيَا يُحَدِّثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَرُؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ فَمَنْ رَاٰى مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ وَكَانَ يَقُوْلُ يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَاَكْرَهُ الْغُلَّ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خواب تین طرح کے ہوتے ہیں کچھ خواب سچے ہوتے ہیں کچھ خواب ایسے ہیں جن میں آدمی اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے اور کچھ خواب وہ ہیں جو شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہوتے ہیں جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اٹھے اور نماز ادا کرے۔ (محمد بن سیرین) بیان کرتے ہیں مجھے (خواب میں) زنجیر دیکھنا پسند ہے اور میں طوق دیکھنا ناپسند کرتا ہوں کیونکہ زنجیر سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے جو شخص مجھے خواب میں دیکھے تو وہ میں ہی ہوں گا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خواب صرف کسی صاحب علم یا خیر خواہ کے سامنے بیان کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يَكْذِبُ فِي حُلْمِهِ

باب ۸: جھوٹا بنانے پر وعید

(۲۲۰۷) مَنْ كَذَبَ فِي حُلْمِهِ كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَقْدَ شَعِيْرَةٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے) انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے طور پر اس بات کو نقل کیا ہے جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے اس کو قیامت کے دن جو کے دانوں کے درمیان گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا۔

(۲۲۰۸) مَنْ تَحَلَّمَ كَاذِبًا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اپنی طرف سے جھوٹا خواب بیان کرے گا قیامت کے دن اسے اس بات کا پابند کیا جائے گا کہ وہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگائے اور وہ ان کے درمیان گرہ نہیں لگا سکے گا۔

تشریح: کلفه امراء کے معنی ہیں: کسی شکل اور بامشقت کام کو لازم کرنا۔ اور تحلم کے معنی ہیں: خواب گڑھ کر بیان کرنا۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

لن یعقد بینهما: تعلیق بالمحال ہے اس کی نظیر پہلے گذری ہے کہ تصویر بنانے والے کو قیامت کے دن مکلف کیا جائے گا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈالے اور جب تک وہ اس میں روح نہیں پھونکے گا سزا جاری رہے گی۔

فائدہ: لوگ مختلف مقاصد سے جھوٹے خواب گڑھتے ہیں جس طرح پارٹی مقاصد سے حدیثیں گڑھی جاتی تھیں خواب بھی گڑھے جاتے ہیں نیز پیر کو دھوکہ دینے کے لیے اور جلدی خلافت حاصل کرنے کے لیے بھی اچھے اچھے خواب گڑھ کر پیر کو سنائے جاتے ہیں اور کسی کو بدنام کرنے کے لیے یا نیک نام کرنے کے لیے بھی یہ حرکت کی جاتی ہے جس پر یہ سخت وعید سنائی گئی ہے پس لوگوں کو اس حرکت سے باز آجانا چاہیے۔

باب فی رؤیا النبی ﷺ

باب ۹: خواب میں دودھ دیکھنا

(۲۲۰۹) بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اِذْ اُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ؓ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْعِلْمُ:

ترجمہ: حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ایک مرتبہ میں سویا ہوا تھا میرے سامنے دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس میں سے پی لیا اور پھر باقی بچا ہوا عمر کو دے دیا لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا علم۔

تشریح: دودھ کی تعبیر علم سے کیوں:

قال العلم: بالرفع والنصب لبن کی تعبیر علم کے ساتھ فرمائی ہے چونکہ کثیر النفع ہونے میں دونوں مشترک ہیں حافظ ابن عربی ؒ فرماتے ہیں لبن اللہ تعالیٰ کا ایسا عطیہ ہے جو مختلف اخباث دم فرث سے طیب نکل کر آتا ہے جس طرح علم ظلمۃ جہل سے نکل کر آتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا علم بصورۃ لبن عالم مثال میں اس مناسبت سے ہے کہ جس طرح لبن اول غذائے بدن ہے اس طرح علم بھی روح کی اول غذاء اور اس کی صلاح کا سبب ہے۔

اہل معرفۃ نے فرمایا کہ تجلی علم کا ظہور چار صورتوں میں ہوتا ہے: (۱) بصورۃ ماء (۲) بصورۃ لبن (۳) بصورۃ خمر (۴) بصورۃ عسل اور یہ چاروں جنت کی نہریں ہیں کمافی القرآن۔ جو شخص خواب میں دیکھے کہ وہ پانی پی رہا ہے اس کو علم لدنی حاصل ہوگا اور جو شخص دودھ پیتے دیکھے اس کو اسرار شریعۃ کا علم حاصل ہوگا اور جس نے شراب پیتے دیکھا اس کو علم بالکمال حاصل ہوگا اور جو شخص اپنے کو شہد پیتے دیکھے اس کو علم بطریق وحی حاصل ہوگا۔

حضرت عمر ؓ کو اللہ تعالیٰ نے علوم نبوت سے خوب نوازا تھا کہ علم سیاست سے لے کر علم شریعت تک ان کو کامل علوم حاصل تھے نیز ان کا زمانہ خلافت بھی طویل ہے فتوحات بھی اس زمانہ میں خوب ہوئیں تو اشاعت دین کا موقع بھی زیادہ میسر ہوا ہے اور ان کی اطاعت پر امت کا اتفاق رہا ہے۔

نوٹ: چونکہ علم کی کوئی خاص مقدار اس روایت میں نہیں بیان کی گئی ہے اس وجہ سے ابوبکر ؓ پر ان کو فضیلت حاصل نہ ہوگی چونکہ ابوبکر ؓ کے اعلم الصحابہ ہونے میں سبھی کا اتفاق ہے حدیث ابن عمر ؓ صحیح اخرجہ الشیخان۔

باب فی رؤیا النبی ﷺ القمص

نبی ﷺ کا خواب میں کرتے دیکھنا

(۲۲۱۰) بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِّنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَّجُرُّهُ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّيْنَ.

ترجمہ: ابوامامہ بن سہل نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہیں میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے انہوں نے قمیص پہنی ہوئی تھی کچھ کی قمیصیں سینے تک تھی اور کچھ کی اس سے نیچے تک تھی میرے سامنے عمر کو لایا گیا تو وہ اپنی قمیص کو گھسیٹ رہے تھے (یعنی وہ زیادہ لمبی تھی) لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر کی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دین۔

تشریح: دین کو لباس سے تعبیر کیوں کیا؟

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قمیص اور اس کا اتنا بڑا ہونا کہ زمین سے گھسٹ رہی ہے یہ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی بشارت ہے کہ وہ دین کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں اور ان کے آثار جمیلہ اور سنن وطرق مسلمانوں میں باقی رہیں گے کہ لوگ ان کی وفات کے بعد ان کی اتباع کریں گے اور کامیاب ہوں گے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دین کو لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (الاعراف:۲۶) نیز اہل عرب لفظ قمیص سے تعبیر کرنے میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح قمیص ساتر عورت ہے دنیا میں اسی طرح دین ساتر ہے آخرت میں اور حاجب ہے مکروہات سے۔

فائدہ: اس روایت سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے جو لوگ آپ کو خواب میں دکھائے گئے ہوں ان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ ہوں نیز ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذکر سے یہاں سکوت ہے عمر رضی اللہ عنہ کی قمیص کے طویل ہونے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قمیص کے طویل ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔ نیز مقصود عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان کرنا ہے نہ کہ تقابل جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کثیر روایات سے ثابت اور امت کے درمیان مجمع علیہ ہے۔ کرتے کی تعبیر دینداری متعین نہیں مذکورہ خواب میں لوگوں نے جس طرح چھوٹے بڑے کرتے پہن رکھتے تھے اس تناظر میں اس کی تعبیر دینداری ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے دینداری میں بڑھے ہوئے تھے جو اس منظر میں دیکھائے گئے تھے ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں تھے کیونکہ خواب کا مقصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کی وضاحت تھی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمِيْزَانِ وَالدَّلْوِ

باب: ترازو اور ڈول میں نبی ﷺ کا خواب

(۲۲۱۱) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ رُؤْيَا فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا رَاَيْتُ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

فَوُزِنْتَ أَنْتَ وَأَبُوْ بَكْرٍ فَرَجَحْتَ أَنْتَ بِأَبِي بَكْرٍ وَّوُزِنَ أَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ فَرَجَحَ أَبُوْ بَكْرٍ وَّوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيْزَانُ فَرَأَيْنَا الْكَرَاهِيَةَ فِيْ وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم میں سے کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہے ؟ایک شخص نے کہا میں نے دیکھا گویا ایک ترازو ہے جو آسمان سے نیچے نازل ہو رہا ہے اس میں آپ ﷺ کا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ ﷺ کا پلڑا بھاری تھا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری تھا پھر اس ترازو کو اٹھا لیا گیا۔ راوی بیان کرتے ہیں ہم نے نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ناپسندیدگی کے تاثرات دیکھے۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہر کتاب کے آخر میں کچھ متفرق حدیثیں ذکر کرتے ہیں جن پر یا تو باب بلا ترجمہ قائم کرتے ہیں یا بالکل ہی باب قائم نہیں کرتے ابواب الرؤیا کے آخر میں بھی ایسا ہی کیا ہے...... اور اس باب کے تحت جو پہلی اور تیسری حدیث لائے ہیں وہ تو باب سے متعلق ہیں مگر دوسری حدیث کا باب سے کچھ تعلق نہیں۔

مراتب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم:

آپ ﷺ سے لے کر عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک خلافت متفق علیہ رہی ہے تو یہ ادوار متقارب ہوئے اس لیے ترازو کے ذریعہ ان کا وزن کیا گیا کیونکہ وزن اشیاء متقاربہ کے درمیان ہوا کرتا ہے اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا کہ ایک جماعت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اور دوسری جماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی خلافت علی رضی اللہ عنہ کی مناسبت پہلی خلافتوں سے بعید ہو گئی اس وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تولا گیا۔

روایت سے حضرات خلفاء کے مابین درجات بھی معلوم ہو گئے کہ راجح کو مرجوح پر فضیلت ہے آپ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ افضل اور عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ افضل ہیں۔

وجہ کراہیت؟ فرأينا الكراهية في وجه رسول الله ﷺ: عمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ عنہما کے وزن کے بعد ترازو اٹھائی گئی جس کی وجہ سے آپ کو غم واقع ہوا پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ وجہ کراہیت کیا ہے۔

(۱) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غالباً وہ کراہیت یہ ہے کہ آپ نے رفع میزان سے یہ سمجھا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ایسا زمانہ آجائے گا جس میں ظہور فتن ہو گا اور دین میں انحطاط شروع ہو جائے گا اب اس کو ترازو کے ذریعہ دوسرے کے مقابلہ میں تولا نہیں جائے گا۔

(۲) منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اس بات پر غم ہوا کہ درجات فضائل تین افراد کے درمیان منحصر ہو گئے کاش اور مزید درجات ہوتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

(۳) علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے غمگین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رفع میزان سے آپ نے یہ جان لیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد جو شخص یعنی عثمان رضی اللہ عنہ خلافت پر متمکن ہوں گے مگر ان کا زمانہ فتن کا ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوا تو آپ ﷺ کو انحطاط دین کے ساتھ ساتھ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنوں کے ظہور پر غم ہوا۔

(۴) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو غم مطلقاً امت پر فتنوں اور مصائب کے وقوع سے ہوا کیونکہ رفع میزان سے یہی مفہوم

ہوا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد امت پر مصائب واقع ہوں گے۔ ہذا حدیث حسن صحیح اخرجہ ابوداؤد والمنذری وسکتا عنہ۔

سفید لباس جنتی ہونے کی علامت

(۲۲۱۲) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ وَرَقَةَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيْجَةُ اَنَّهُ كَانَ صَدَّقَكَ وَاَنَّهُ مَاتَ قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اُرِيْتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيَاضٌ وَلَوْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ سے ورقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی اور آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے وہ خواب میں دکھایا گیا ہے اس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اگر وہ جہنمی ہوتا تو اس کے جسم پر دوسرا لباس ہوتا۔

سفید کے علاوہ سبز رنگ بھی اہل جنت کا لباس ہے

(۲۲۱۳) قَالَ رَاَيْتُ النَّاسَ اجْتَمَعُوْا فَنَزَعَ اَبُوْ بَكْرٍ ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَيْنِ فِيْهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ قَامَ عُمَرُ فَنَزَعَ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِيْ فَرِيَّهُ حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خواب میں نظر آنے کے بارے میں بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اکٹھے ہوئے پھر ابو بکر نے ایک یا شاید دو ڈول نکالے ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ ان کی مغفرت کرے پھر عمر اٹھا اس نے اسے پکڑا تو وہ ایک بڑا ڈول بن گیا میں نے اس جیسا محنتی شخص کوئی نہیں دیکھا اس نے لوگوں کو سیراب کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنی آرام گاہوں میں چلے گئے۔

تشریح: اور یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے اس لیے میں نے اس حدیث پر نیا عنوان لگایا ہے اور سفید کے علاوہ سبز رنگ بھی اہل جنت کا لباس ہے پس اگر کسی میت کو ہرے کپڑوں میں دیکھا جائے تو یہ بھی اس کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔

ورقہ بن نوفل: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی ہیں جو نصرانی تھے عمر رسیدہ تھے اور نابینا ہو گئے تھے۔

صدقك: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ورقہ نے تو آپ کی تصدیق کی ہے یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب آپ پر اول وحی نازل ہوئی تھی اور آپ گھبرا رہے تھے تو اس وقت ورقہ نے آپ کو تسلی دی تھی اور عرض کیا تھا: ابشر ثم ابشر فانا اشهد لك الذی بشر به عیسیٰ بن مریم وانك نبی مرسل۔ (كذا فی زیادات المغازی من روایة یونس عن ابن اسحاق)

وانه مات قبل ان تظهر: اس سے مراد یہ ہے کہ ورقہ وفات پا گئے اور انہوں نے آپ کی دعوت کا زمانہ نہیں پایا البتہ وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے اور اپنے مذہب نصرانی پر عمل کرتے ہوئے مر گئے ہیں۔

حاصل جواب: یہ ہے کہ ورقہ کے بارے میں میرے اوپر کوئی وحی جلی تو نہیں آئی البتہ میں نے خواب میں ان کو سفید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے جو اہل جنت میں سے ہونے کی علامت ہے اگر وہ اہل جہنم میں سے ہوتے تو سفید کپڑے ان کو نہ پہنائے جاتے۔

اسلام ورقہ بن نوفل: ورقہ بن نوفل کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ وہ مسلمان تھے یا نہیں، نیز صحابی تھے یا نہیں؟ بظاہر

حدیث الباب اور اسی طرح بخاری شریف کی حدیث الوحی وغیرہ سے ان کے مؤمن ہونے پر دلالت ہوتی ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث الوحی سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کی نبوت کا اقرار کیا تھا ہاں البتہ دعوت الی الاسلام سے پہلے انتقال کر گئے تو بحیرا کی طرح ہوئے۔ علامہ بلقینی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ رجال میں سب سے پہلے اسلام لانیوالے ورقہ بن نوفل ہیں وبہ قال الواقدی، اور ابن مندہ نے بھی ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں ذکر کیا ہے اسی طرح حافظ نے اصابہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی قسم اول میں ذکر کیا ہے اور پھر اختلاف بھی ذکر کیا ہے۔ وبه قال العيني رحمه الله۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ بات مان لی جائے کہ دین عیسوی منسوخ ہو گیا تھا آپ پر اول وحی کے وقت تو پھر ورقہ کا تصدیق کرنا ثابت ہے تو پھر وہ مؤمن بھی تھے اور صحابی بھی ورنہ نہیں۔ وفي المستدرك الحاكم من حديث عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تسبوا ورقه فانه كان له جنة او جنتان۔ بہر حال ناجی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی عثمان ضعیف ہے۔

قوله عن رئويا النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر و عمر اى روى ابن عمر عن تلك الرؤيا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کے بارے میں خواب روایت کیا ہے۔

لغات: ذنوب: بڑا ڈول جس میں پانی ہو جمع ذنائب الغرب بیل کی کھال سے بنایا ہوا بڑا ڈول۔ **العبقری:** عبقر کی طرف نسبت پرانے عربوں کے خیال کے مطابق جنات کا مسکن عبقر کہلاتا تھا پھر قابل تعجب مہارت وصلاحیت کو اس کی طرف منسوب کیا جانے لگا سورۃ الرحمٰن میں ہے عبقری حسان عجیب خوبصورت کپڑے اسی طرح حیرت انگیز باکمال اور بے مثال آدمی یا چیز کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے رجل عبقری نادرۂ روزگار غیر معمولی اوصاف کا حامل آدمی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) جیسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیتا ہو۔ فری کو فری بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں...... حتى ضرب الناس بالعطن یہاں تک کہ لوگوں نے مارا یعنی وہ اُونٹوں کو ہانک کر لے گئے بیٹھنے کی جگہ میں عطن اور معاطن: اُونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔

پراگندہ سر والی کالی عورت وباء کا پیکر محسوس

(۲۲۱۴) رَاَيْتُ امْرَاَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ وَاَوَّلْتُهَا وَبَاءَ الْمَدِيْنَةِ يُنْقَلُ اِلَى الْجُحْفَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ جا کر کھڑی ہوگی (راوی کہتے ہیں اس سے مراد جحفہ ہے)۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے اس سے مراد مدینہ کی وبا ہے جو جحفہ کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔

تشریح: مدینہ منورہ ہجرت سے پہلے وبائی شہر تھا جب مہاجرین وہاں پہنچے تو ہر شخص بیمار ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ وباء مدینہ منورہ سے ہٹادی اور اس کا پیکر محسوس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا۔ ایک حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس خواب کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آب وہوا موافق نہ آئی بخر وغیرہ میں مبتلاء ہو

گئے تو آپ نے دعاء فرمائی: اللّٰھم حبب الینا المدینة وانقل حماھا الی الجحفة۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ خواب یہ بشارت دے دی کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ ہذا حدیث غریب اخرجہ البخاری

مؤمن کا سچا خواب

(۲۲۱۵) فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ لَا تَكَادُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَاَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا اَصْدَقُهُمْ حَدِيْثًا وَّالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ اَلْحَسَنَةُ بُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ وَالرُّؤْيَا يُحَدِّثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَالرُّؤْيَا تَحْزِيْنٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ رُؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا وَّلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَاَكْرَهُ الْغُلَّ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّيْنِ قَالَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آخری زمانے میں مؤمن کے خواب بہت کم جھوٹے ہوں گے لوگوں میں سب سے زیادہ سچے خواب وہ دیکھے گا جو بات کرنے میں سب سے زیادہ سچا ہوگا خواب تین طرح کے ہوتے ہیں اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی خوشخبری ہوتی ہے کچھ خواب وہ ہوتے ہیں جس میں آدمی اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے اور کچھ خواب وہ ہوتے ہیں جو شیطان کی طرف سے غم میں مبتلا کرنے کے لیے ہوتے ہیں تو جب کوئی شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو وہ اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے بلکہ اٹھ کر نماز ادا کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے خواب میں زنجیر دیکھنا پسند ہے اور میں طوق دیکھنا ناپسند کرتا ہوں زنجیر سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے مؤمن کے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

سونے کے کنگن جھوٹے مدعیان نبوت کا پیکر

(۲۲۱۶) رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ فِيْ يَدَيَّ فِيْ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَهَمَّنِيْ شَاْنُهُمَا فَاُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ اَنْفُخَهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَاَوَّلْتُهُمَا كَاذِبَيْنِ يَخْرُجَانِ مِنْ بَعْدِيْ يُقَالُ لِاَحَدِهِمَا مُسَيْلِمَةُ صَاحِبُ الْيَمَامَةِ وَالْعَنْسِيُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں میں ان کی وجہ سے بڑا پریشان ہوا پھر میری طرف یہ بات وحی کی گئی کہ میں انہیں پھونک ماروں میں نے انہیں پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے میرے بعد دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے ان میں سے ایک کا نام مسیلمہ کذاب ہوگا اور وہ یمامہ کا رہنے والا ہوگا اور ایک عنسی ہوگا جو صنعاء کا رہنے والا ہوگا۔

تشریح: یخرجان من بعد:

اعتراض: بخاری میں روایت کے الفاظ فاولتھما الکذابین الذین انا بینھما جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے وہ کذاب آئیں گے اور ترمذی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بعد آئیں گے لہٰذا تعارض ہوگیا۔

جواب ①: یہاں بعدی سے مراد بعد نبوتی ہے کیونکہ وہ دونوں بوقت خواب موجود تھے اور دعویٰ نبوت کر چکے تھے البتہ غلبہ ان کو نہیں

ہوا تھا اور ایک تو آپ کی حیات ہی میں مارا گیا تھا کما سیاتی۔

جواب②: بعدی سے مراد بعد رؤیتی ہذا۔

یقال لاحدهما مسلمة: بفتح الميم واللام وبينهما سين ساکنہ اور مشہور مسیلمہ مصغر ہے۔

مسیلمہ کے حالات:

مسیلمہ کا اصل نام مسلمہ ہے نبی ﷺ نے اس کے خط کے جواب میں بطور تحقیر مسیلمہ (مصغر) لکھا تھا اس لیے اس کی اسی نام سے شہرت ہوگئی یہ قبیلہ بن حنیفہ کا ایک شخص تھا جس کا مسکن یمامہ تھا فتح مکہ کے بعد جب اس قبیلہ کا وفد آیا تو مسیلمہ بھی اس کے ساتھ تھا مگر وہ خدمت نبوی میں حاضر نہیں ہوا سامان کی حفاظت کے بہانے پیچھے رہ گیا اس کی قوم حاضر ہوئی اور ایمان لائی جب وہ وفد واپس گیا تو مسیلمہ نے نبی ﷺ کو خط لکھا:

من مسلمة رسول الله الى محمد رسول الله سلام عليك اما بعد :فانی قد اشركت فی الامر معك وان لنا نصف الارض ولقريش نصفها ولكن قريشا قوم يعتدون.

یعنی آپ ﷺ کے ساتھ مجھے بھی رسول بنایا گیا ہے اور عرب کی سرزمین ہمارے قریش کی آدھی آدھی ہے مگر قریش حد سے بڑھنے والے لوگ ہیں یعنی وہ ساری زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

نبی ﷺ نے اس کے خط کا یہ جواب لکھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

من محمد رسول الله ﷺ الى مسيلمة الكذاب السلام على من اتبع الهدى اما بعد فان الارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين.

”یعنی اللہ تعالیٰ نہایت مہربان بڑے رحم والے کے نام سے شروع کرتا ہوں یہ نامہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے مہا جھوٹے مسیلمہ کے نام ہے سلام اس پر جو راہِ ہدایت کی پیروی کرے حمد وصلوٰۃ کے بعد زمین اللہ کی ہے وہ اس کا وارث بناتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“

یہ واقعہ سن ۱۰/ہجری کے آخر کا ہے اور ابھی اس کا فتنہ پوری طرح ظاہر نہیں ہوا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کا سخت معرکہ پیش آیا جس میں بارہ سو مسلمان شہید ہوگئے جس میں چار سو پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم تھے آخر میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے اور مسیلمہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مارا گیا اور اس کا فتنہ ختم ہوا۔ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ له قتلت خير الناس فی الجاهلية وشر الناس فی الاسلام. چونکہ حضرت وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کو زمانہ کفر میں قتل کیا تھا۔

اسود عنسی کے حالات:

اس شخص کا اصل نام عیهلة یا عبهلة تھا ذوالخمار اس کا لقب تھا بڑا شعبدہ باز (کرتب دکھانے والا) تھا یمن کے قبیلہ مذحج سے اس کا تعلق تھا جو مقام صنعاء کا رہنے والا تھا جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے تو اس نے بھی اسلام قبول کیا پھر نبی ﷺ کے زمانہ ہی

میں مرتد ہوگیا اسلام میں یہ پہلا مرتد ہے پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنی قوم کو کرتب دکھا کر گرویدہ بنالیا اس کا پورا قبیلہ اس کا تابع ہوگیا علاوہ ازیں: نجران اور صنعاء پر بھی اس نے قبضہ کرلیا اس کے پاس فوج اگرچہ صرف سات سو کی تعداد میں تھی مگر اس کا فتنہ جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گیا نبی ﷺ نے یمن کے مسلمانوں کو لکھا کہ اس کے فتنہ سے کسی طرح نمٹا جائے۔ چنانچہ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا آپ کے حکم سے زمانہ مرض الوفات میں فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ ایک ماہ قبل اس کو قتل کردیا اور اس کا فتنہ ختم ہوا۔ آپ نے فرمایا فاز فیروز رضی اللہ عنہ۔ ہذا حدیث صحیح غریب اخرجہ الشیخان

اور الکواکب الدری میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ دونوں کنگنوں نے نبی ﷺ کے دونوں ہاتھوں پر قبضہ جمالیا درانحالیکہ ہاتھ کمانے والے اعضاء ہیں پس ان دونوں کنگنوں نے آپ ﷺ کو اپنے دین کی اشاعت سے اور اپنی قوت کی تشہیر سے روک دیا اس لیے آپ ﷺ کو یہ کنگن ناگوار گذرے اور ان دونوں کنگنوں کا پھونکنے سے اڑ جانا ان دونوں جھوٹے نبیوں کا خاص جدوجہد کی حاجت کے بغیر ہلاک ہوجانا ہے۔

فائدہ: سونے کے کنگنوں میں اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ جھوٹی نبوت کے فتنے ہمیشہ زر(مال) کے بل بوتے پر چلتے ہیں مگر جب قوت بازو سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ دم توڑ دیتے ہیں اور قادیانی کا فتنہ اس لیے ختم نہیں ہوا کہ انگریز کی حکومت کی وجہ سے کسی نے قوت بازو سے اس کا مقابلہ نہیں کیا اور شاہ کابل نے اس کو لکھا تھا کہ ایں جابیا مگر وہ نہیں گیا ورنہ اس کا کام تمام ہوجاتا۔

ایک خواب جس کی تعبیر صدیق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دی

(۲۲۱۷) كَانَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ يُحَدِّثُ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ اللَّيْلَةَ ظُلَّةً يَنْطُفُ مِنْهَا السَّمْنُ وَ الْعَسَلُ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَسْتَقُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ وَرَاَيْتُ سَبَبًا وَاصِلًا مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ فَاَرَاكَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَخَذْتَ بِهٖ فَعَلَوْتَ ثُمَّ اَخَذَ بِهٖ رَجُلٌ بَعْدَكَ فَعَلَا ثُمَّ اَخَذَ بِهٖ رَجُلٌ بَعْدَهٗ فَعَلَا ثُمَّ اَخَذَ بِهٖ رَجُلٌ فَقُطِعَ بِهٖ ثُمَّ وَصَلَ لَهٗ فَعَلَا بِهٖ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ اَیْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ وَاللهِ لَتَدَعْنِیْ اُعْبُرْهَا فَقَالَ اعْبُرْهَا فَقَالَ اَمَّا الظُّلَّةُ فَظُلَّةُ الْاِسْلَامِ وَاَمَّا مَا يَنْطِفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَهٰذَا الْقُرْاٰنُ لِيْنُهٗ وَحَلَاوَتُهٗ وَاَمَّا الْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ فَهُوَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْمُسْتَقِلُّ مِنْهُ وَاَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ فَهُوَالْحَقُّ الَّذِیْ اَنْتَ عَلَيْهِ فَاَخَذْتَ بِهٖ فَيُعْلِيْكَ اللهُ ثُمَّ يَاْخُذُ بِهٖ بَعْدَكَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَيَعْلُوْبِهٖ ثُمَّ يَاْخُذُ بَعْدَهٗ رَجُلٌ اٰخَرُ فَيَعْلُوْبِهٖ ثُمَّ يَاْخُذُ اٰخَرُ فَيَنْقَطِعُ بِهٖ ثُمَّ يُوْصَلُ فَيَعْلُوْبِهٖ اَیْ رَسُوْلَ اللهِ لَتُحَدِّثَنِیْ اَصَبْتُ اَمْ اَخْطَاْتُ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَصَبْتَ بَعْضًا وَاَخْطَاْتَ بَعْضًا قَالَ اَقْسَمْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَتُخْبِرَنِیْ مَا الَّذِیْ اَخْطَاْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا تُقْسِمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی میں نے خواب میں ایک بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کے ذریعے اس کو پی رہے تھے کچھ لوگ زیادہ لے رہے تھے کچھ کم لے رہے تھے پھر میں نے ایک رسی دیکھی

جوآسمان سے زمین کی طرف آئی ہوئی تھی پھر میں نے آپ ﷺ کو دیکھا یارسول اللہ کہ آپ ﷺ نے اس کو پکڑا اور آپ ﷺ اوپر چڑھ گئے ایک اور شخص نے اسے پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا پھر ایک اور شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی پھر وہ مل گئی پھر وہ شخص اوپر چڑھ گیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ کی قسم آپ مجھے موقع دیجئے کہ میں اس کی تعبیر بیان کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس کی تعبیر بیان کرو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے بادل سے مراد اسلام کا بادل ہے اس سے شہد ٹپکنے سے مراد مطلب ہے یہ قرآن ہے اس کی نرمی اور اس کی حلاوت ہے اور زیادہ لینے اور تھوڑا لینے سے مراد یہ ہے کچھ لوگ قران کا علم زیادہ حاصل کریں گے اور کچھ کم حاصل کریں گے آسمان سے لے کر زمین تک آنے والی رسی سے مراد وہ حق ہے جس پر آپ ﷺ گامزن ہیں آپ ﷺ نے اسے تھاما اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ کو بلندی عطا کی اور پھر آپ کے بعد ایک اور شخص اس کو تھامے گا وہ اس کے ذریعے بلندی حاصل کرے گا پھر ایک اور شخص اس کے ذریعے بلندی حاصل کرے گا پھر ایک شخص کو پکڑے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی پھر وہ مل جائے گی اس طرح وہ بھی بلندی حاصل کریگا یارسول اللہ میں نے ٹھیک تعبیر بیان کی ہے یا غلط کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ ٹھیک ہے اور کچھ غلط کی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں یارسول اللہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں آپ ﷺ مجھے بتائیں کہ میں نے کیا غلطی کی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم قسم نہ دو۔

تشریح: موضع خطاء: **اصبت بعضًا واخطات بعضا:** اس حدیث میں یہ بات زیر بحث آئی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تعبیر میں کیا چوک ہوئی۔ موضع خطاء کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔

(۱) ابن قتیبہ وغیرہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر تو صحیح دی ہے مگر تعبیر دینے کی طلب کرنا یہ خطاء ہے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول درست نہیں اس لئے بعد الاذن اس طرح کے فعل کو خطاء سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔

(۲) خطاء یہ ہے کہ ٹپکنے والی دوشی گھی اور شہد تھی صرف عسل کی تفسیر و تعبیر تو قرآن کریم کے ساتھ کر دی مگر سمن کی تعبیر نہیں بیان کی اس سے مراد سنت ہے جو صدیق اکبر کو قرآن و سنت کہنا چاہئے فعلی ہذا القول خطاء بمعنی ترک ہے اشار الیہ الطحاوی۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں خطاء تعیین رجال کی ہے کہ افراد متعین نہیں کئے مگر ظاہر کہ یہ بھی درست نہیں چونکہ یہاں تعیین رجال مقصود نہیں ہے۔

(۴) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطا یہ ہے کہ رائی نے کہا کہ آخری فرد کے لئے رسی ٹوٹ گئی اور پھر اس کے لئے جوڑ دی گئی حالانکہ رسی اس کے بعد والے شخص یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے جوڑی گئی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے تو رسی ٹوٹ گئی تھی اس کی وضاحت تعبیر میں نہیں ہوئی ہے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو حق پر تھے ان کے لئے خلافت کی رسی توڑ دی گئی اور ان کو قتل کر دیا گیا تھا تو حق کو اختیار کرنے کی حالت میں شہید ہو کر اپنے پہلے ساتھیوں سے جا ملے تھے پھر اس رسی کو یعنی حق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جوڑ دیا گیا تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور متفق علیہ ہے۔

(بخاری حدیث ۷۰۴۶ کتاب التعبیر باب ۴۷ مسلم حدیث ۲۲۶۹ کتاب الرؤیا باب ۱۳)

مگر فیض الباری (۴۹۴:۴) میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ بات نہیں بتائی تو اب کون یہ بتا سکتا ہے؟ اس لیے اب اس کے

درپے ہونا لاحاصل ہے۔

فائدہ: ① خواب کی فی نفسہ حقیقت ہوتی ہے: اس حدیث میں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ آیا خواب کی فی نفسہ کوئی حقیقت ہوتی ہے یا وہ تعبیر کے تابع ہوتا ہے؟ حق یہ ہے کہ اس کی اپنی مستقل حقیقت ہوتی ہے، اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اصبت بعضًا واخطات بعضًا: یعنی کچھ تعبیر صحیح دی اور کچھ چوک گئے، یہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ خواب کی اپنی ایک حقیقت ہے جس میں سے بعض کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پایا اور بعض کو چوک گئے۔

فائدہ: ② اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ قسم دینے سے قسم نہیں ہوتی بلکہ قسم کھانے سے قسم ہوتی ہے مگر نبی ﷺ نے امت کو جن سات باتوں کا حکم دیا ہے ان میں ابرار القسم بھی ہے۔ (بخاری حدیث ۱۲۳۹) یعنی قسم دینے والے کی قسم حتی الامکان پوری کرنی چاہئے، پھر نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قسم پوری کیوں نہیں کی؟ اور ان کو ان کی چوک کیوں نہیں بتائی؟

جواب: یہ ہے کہ ابرار القسم کا حکم استحبابی ہے، یہ بات اس حدیث سے واضح ہوئی، اگر وہ امر وجوبی ہوتا تو نبی ﷺ ضرور ان کی قسم کو سچا بناتے اور ان کی چوک ان کو بتلاتے، مگر چونکہ مصلحت نہیں تھی کہ از پردہ بیروں افتد رازے اس لئے آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

خواب پیش بینی کا ذریعہ

(۲۲۱۸) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى بِنَا الصُّبْحَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ وَقَالَ هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِّنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب ہمیں صبح کی نماز پڑھا لیتے تھے تو آپ اپنا چہرہ مبارک لوگوں کی طرف کرتے تھے اور دریافت کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے گزشتہ رات کوئی خواب دیکھا ہے؟

تشریح: پیش بینی یعنی آگے کی باتیں جاننے کی بہت سی صورتیں ہیں، ان میں سے ایک خواب بھی ہے، اللہ تعالیٰ خوش کن خوابوں کے ذریعہ بندوں کو آگے کی باتیں بتاتے ہیں، اس لئے نبی ﷺ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی تازہ خواب دیکھا ہو تو بیان کرے، کیونکہ بعض خواب پرانے ہو کر اپنی حقیقت کھو دیتے ہیں، پس اگر کوئی تازہ خواب بیان کرتا ہے تو اس سے کبھی آگے کی باتوں کی راہنمائی مل جاتی، مثلاً خود نبی ﷺ نے جنگ احد سے پہلے خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر آپ ﷺ نے یہ دی تھی کہ ابتداء میں شکست ہوگی، پھر وہ فتح سے بدل جائے گی، اس طرح خوابوں کے ذریعہ پیش بینی کی جا سکتی ہے، اور اسی لئے اچھے خوابوں کی شریعت میں اہمیت ہے۔

گواہیوں کا تعلق قضاء سے ہے، جلد اول میں ابواب البیوع کے ضمن میں ابواب الاحکام (قضا کے ابواب) آئے ہیں، وہاں ایک گواہ اور قسم کے ذریعہ فیصلہ کرنے کی روایت بھی آئی ہے، پس مناسب تھا کہ ابواب الشہادات کی روایات بھی وہیں ذکر کی جاتیں، مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے یہاں جگہ نکالی ہے، جبکہ آگے پیچھے کے ابواب سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور ان ابواب میں چار پانچ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے دو تین پہلے گزر چکی ہیں، اور ایک حدیث کا دوسری حدیث سے تعارض ہے اس کو حکم کیا ہے، اور ایک حدیث میں مسائل کا بیان ہے۔

تحقیق لفظ شہادت:

(۱) شہادات شہادت کی جمع ہے جو شہد یشہد کا مصدر ہے جوہری کہتے ہیں شہادت کے معنی خبر قطعی کے ہیں اور مشاہدہ بمعنی معاینہ پر ماخوذ ہے معاینہ مشہود سے جس کے معنی میں حضور کے معنی ملحوظ ہے شاہد کہا جاتا ہے کہ وہ ان اشیاء کا مشاہد و معاین ہوتا ہے جو دوسروں سے غائب ہیں۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کے معنی میں اعلام کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔

(۳) امام راغب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں شہادت ایسا قول ہے جو شاہد سے صادر ہوتا ہے اس کے مشاہدہ کرنے کی بناء پر مشاہدہ خواہ بصیرۃً ہو یا بصراً ہو۔ ہدایہ کے حواشی میں ہے: شهادةً لغةً اخبار بصحة الشي بمشاهدة وعيان کا نام ہے اس وجہ سے اہل علم نے فرمایا کہ شہادت کا مدار مشاہدہ پر ہے جو مبنی بر معاینہ ہے۔ اور اصطلاح فقہاء میں شہادت اخبار صادق فی مجلس الحكم بلفظ الشهادة کا نام ہے۔

فائدہ: کہ شہادت کے لئے چند اُمور ضروری ہیں:

① العدالۃ ② البلوغ ③ الاسلام ④ العقل ⑤ الحریۃ ⑥ نفی التہمۃ من المحبۃ والعداوۃ۔

اسی طرح ضابطہ شہادت کے اصول ہیں سے یہ بھی ہے گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں صرف عورتوں کی گواہی عام معاملات میں معتبر نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الشُّهَدَاءِ: اَیُّهُمْ خَیْرٌ؟

باب ا: گواہ کون سے اچھے؟

(۲۲۱۹) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِیْ يَأْتِیْ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلَهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کیا میں تمہیں سب سے بہتر گواہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ وہ شخص ہوتا ہے جو گواہی دینے کے لیے خود ہی آجاتا ہے اس سے پہلے کہ اس سے مطالبہ کیا جائے۔

(۲۲۲۰) خَيْرُ الشُّهَدَاءِ مَنْ اَدّٰى شَهَادَتَهٗ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلَهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے سب سے بہتر گواہ وہ ہوتا ہے جو گواہی کا مطالبہ کیے جانے سے پہلے گواہی دے۔

تشریح: بہترین گواہ: وہ ہے جو گواہی کے مطالبے سے پہلے خود ہی شہادت دیدے اس سے کیا مراد ہے؟

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں متعدد اقوال ہیں: (۱) مالکیہ اور شافعیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو کسی انسان کے کسی حق کا گواہ ہے لیکن اس انسان کو معلوم نہیں کہ یہ شخص میرے حق کا گواہ ہے اب یہ شخص اسے بتاتا ہے کہ میں تمہارا گواہ ہوں تو یہ شخص بہترین گواہ ہے جو اس انسان کے حق کو زندہ کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔

(۲) یہ حدیث شہادت الحسبہ پر محمول ہے حسبہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے اجر اور ثواب کی نیت سے گواہی دینا اور شہادت الحسبہ سے وہ گواہی مراد ہوتی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی مطالبہ اور مدعی کے دعوے کے بغیر خود ہی اہل حق یا قاضی کے سامنے شہادت دیدے گویا یہ گواہ ایک ہی وقت میں مدعی بھی ہے اور شاہد بھی ہے یہ گواہی صرف حقوق اللہ میں قبول ہوتی ہے۔

(۳) حقوق اللہ کے متعلق شہادت دینا مراد ہے مثلاً رویت ہلال۔ وقف۔ وصایا۔ طلاق۔ عتاق وغیرہ میں کوئی شخص گواہ بنتا ہے کیونکہ یہ گواہی خود اس پر واجب ہے تو اس نے حق واجب کو ادا کیا ہے اس وجہ سے یہ خیر الشہداء ہوا۔

(۴) طلب شہادت کے بعد اداء شہادت میں مسارعت و مبالغہ کرنا مراد ہے۔

اعتراض: دوسری روایت سے طلب شہادت کے بغیر شہادت دینے کی مذمت فرمائی گئی ہے۔ حیث قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشهدون ولا یستشهدون فتعارضا.

جواب ①: مذمت کا تعلق شہادت زور سے ہے مراد یہ کہ بغیر طلب بے اصل چیز کی شہادت دیتا ہے اور خیر الشہداء میں شاہد صادق مراد ہے۔

جواب ②: حدیث مذمت میں ایسا شخص مراد ہے جو شہادت کا اہل نہیں مگر پھر بھی شہادت دیتا ہے۔

جواب ③: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اول روایت کا محمل وہ صورت ہے جہاں حق فوت ہوتا نظر آئے وہاں گواہی دینا خیر کا درجہ رکھتا ہے اور دوسری روایت کا محمل وہ صورت ہے جہاں حق فوت نہ ہو اور نہ ہی مطالبہ

شہادت ہے مگر خود بخود خواہ گواہ بننے کی کوشش کرے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مِنْ لَّاتَجُوْزُ شَهَادَةٌ

باب ۲: کن لوگوں کی گواہی مقبول نہیں؟

(۲۲۲۱) لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَّلَا خَائِنَةٍ وَّلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَّلَا مَجْلُوْدَةٍ وَّلَا ذِیْ غِمْرٍ لِاَخِیْهِ وَّلَا مُجَرَّبِ شَهَادَةٍ وَّلَا الْقَانِعِ اَهْلَ الْبَیْتِ لَهُمْ وَلَا ظَنِیْنٍ فِیْ وَلَاءٍ وَّلَا قَرَابَةٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیانت کرنے والے مرد خیانت کرنے والی عورت (جس مرد یا عورت کو) حد قذف میں کوڑے مارے گئے ہوں جس کی ذاتی دشمنی ہو جو جھوٹا گواہ ہو کسی گھرانے کے ملازم کی ان کے حق میں ولاء یا قرابت میں تہمت زدہ شخص (ان سب کی) گواہی قبول نہیں ہوگی۔

تشریح: سورۃ البقرہ آیت ۲۸۲ میں گواہوں کے تعلق سے ارشاد پاک ہے: ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ یعنی گواہ ایسے ہونے چاہئیں جن کو تم پسند کرتے ہو، اور گواہوں کی پسندیدگی ان کی چند خوبیوں کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً عقلمند ہونا، پوری عمر کا ہونا، معاملہ فہم ہونا، قوت گویائی کا مالک ہونا، مسلمان ہونا (جبکہ مدعیٰ علیہ مسلمان ہو) دیندار ہونا، بامروت ہونا اور متہم نہ ہونا وغیرہ۔ کمامر

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ شَهَادَةِ الزُّوْرِ

باب ۳۔ جھوٹی گواہی پر وعید (پہلا باب)

(۲۲۲۲) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَامَ خَطِیْبًا فَقَالَ یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ عَدَلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ اِشْرَاکًا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ (الحج)

ترجمہ: حضرت ایمن بن خریم بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو جھوٹی گواہی دینا کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے جتنا جرم ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔

(۲۲۲۳) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰی صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالشِّرْكِ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ ﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ.

ترجمہ: حضرت خریم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا جھوٹی گواہی دینے کو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے (کی طرح بڑا) گناہ قرار دیا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو یہ آیت آخر تک ہے۔

(۲۲۲۴) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ اَوْقَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جھوٹی بات کہنا راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ آرزو کی کاش آپ ﷺ خاموش ہو جائیں۔

پہلے ابواب البر والصلۃ، باب عقوق الوالدین میں یہ روایت گزری ہے۔ (تفصیل ابواب البر والصلۃ باب ۴ میں گزر چکی ہے)

تشریح: لاتجوز شهادة خائن ولا خائنة: یہاں خیانت سے مراد لوگوں کی امانت میں خیانت ہے قالہ القاری، دوسرا قول یہ ہے کہ عام خیانت مراد ہے خواہ حقوق العباد میں ہو یا حقوق اللہ اور اس کے احکام میں ہو، قال الله تبارك وتعالیٰ: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ فالمراد بالخائن الفاسق۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اول کو راجح قرار دیا ہے۔

اعتراض: فاسق کا ذکر تو آگے الفاظ میں ہے۔

جواب: هو من عطف الخاص على العام.

ولا مجلود حدًا ولا مجلودة: اس سے مراد اگر حد قذف ہے تو مراد یہ ہے کہ جس شخص پر حد قذف جاری کر دی گئی ہو خواہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو مگر اس کی سزا یہ بھی ہے کہ کبھی بھی اس کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

مذاہب فقہاء: اس مسئلہ کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی بعد التوبہ معتبر ہے یا نہیں؟

(۱) امام ابوحنیفہ، زفر، ابو یوسف، محمد، سفیان ثوری، حسن بن صالح رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

(۳) امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مطلقاً محدود فی الاسلام کی شہادت مردود ہے۔

منشاء اختلاف کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ آیت شریفہ ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾ (النور: ۴) سے، شافعیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے استثناء کا تعلق ولا تقبلوا لهم شهادة اور و اولئك هم الفسقون دونوں سے قرار دیا ہے مگر حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اقرب مذکور و اولئك هم الفسقون سے ہے۔

حضرات احناف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدعی کے اثبات پر نقلاً وعقلاً دونوں طرح کے دلائل قائم فرمائے ہیں بہر حال نقلاً فرماتے ہیں کہ قراء کا اتفاق ہے کہ ولا تقبلوا لهم شهادة ابدًا پر وقف ہے۔ اور و اولئك هم الفسقون علیحدہ جملہ ہے کیونکہ فاجلدوهم امر کا صیغہ ہے اور ولا تقبلوا لهم شهادة نہی کا صیغہ ہے یہ دونوں جملہ انشائیہ ہوئے اور و اولئك هم الفسقون جملہ اسمیہ خبریہ

ہے لہذا اس کا عطف ماقبل جملہ انشائیہ پر نہیں ہوسکتا ہے۔تو یہ جملہ اسمیہ مستانفہ ہوا اب الذین کا استثناء اسی سے ہوگا اور مراد یہ کہ توبہ کے ذریعہ فسق تو زائل ہوگیا اور ولا تقبلوا لھم شھادۃ کا حکم اپنی جگہ پر برقرار رہا۔اس حکمت کی وجہ سے جملہ انشائیہ کے بعد جملہ خبریہ لایا گیا ہے۔اور عقلاً قاذف جس نے محصنات کو زبان سے تہمت لگائی ہے جو بڑا جرم ہے اس کی سزا اصل تو قطع لسان ہوتی مگر شریعت نے مثلہ کو حرام قرار دیا ہے اس وجہ سے زبان تو نہ کاٹی جائے گی نیز مصالح دنیا کا فوت کردینا بھی زبان کاٹنے میں لازم آتا ہے اس وجہ سے قاذف کی زبان کو یہ سزا دی گئی کہ آئندہ اس کی شہادت ہمیشہ کے لئے رد کردی گئی جو مناسب سزا ہے۔

ولا نعرف معنی ھذا الحدیث: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث یعنی ولاظنین فی ولاء ولا قرابۃ کے معنی نہیں جانتے کیونکہ بظاہر اس جملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقا ایک رشتہ دار کی گواہی اپنے رشتہ دار کے حق میں معتبر نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ قرابت دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) عام قرابت جسے مطلق قرابت بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) خاص قرابت جس میں رشتہ ولادت پایا جاتا ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے اس جملے سے مطلق قرابت مراد لی ہے اس لیے انہوں نے فرمایا: ولا نعرف معنی ہذا الحدیث حالانکہ اس سے قرابت خاص مراد ہے معنی یہ ہیں کہ ان رشتہ داروں کی آپس میں شہادت درست نہیں جس کے درمیان ولادت کا رشتہ ہو اور جن کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں لیکن ہیں وہ رشتہ دار تو ان کی شہادت آپس میں شرعی شہادت کی شرائط کی بنیاد پر درست ہوگی۔ (تحفۃ الاحوذی ۶/۴۷۹)

لغات: خائن خیانت کرنے والا مجلود حدا جس پر حد کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے ہوں۔غمر: (غین کے نیچے زیر اور میم کے سکون کے ساتھ) حسد و بغض اور عداوت، ذی غمر کے معنی ہیں بغض وحسد اور دشمنی والا۔احنۃ: (ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ) بغض وحسد دشمنی مجرب۔شھادۃ: جسے جھوٹی گواہی میں بار بار آزمایا جاچکا ہو۔ قانع: ماتحت گھر کا خادم ظنین: متہم مشکوک۔

بَابٌ مِنْهُ

باب ۴: جھوٹی گواہی پر وعید (دوسرا باب)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

(۲۲۲۵) خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَجِيئُ قَوْمٌ مِّنْ بَعْدِهِمْ يَتَسَمَّنُوْنَ وَيُحِبُّوْنَ السِّمَنَ يُعْطُوْنَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ اَنْ يُّسْاَلُوْهَا.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے لوگوں میں سے سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان کے بعد والوں کا زمانہ ہے پھر ان کے بعد والوں کا زمانہ ہے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے (پھر ان کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو موٹے ہوں گے اور موٹاپے کو پسند کریں گے اور وہ شہادت کا مطالبہ کئے جانے سے پہلے ہی گواہی دیں گے۔

تشریح: خیر الناس قرنی: ان سے مراد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

ثم الذین یلونھم: ای یقربونھم فی الرتبة او یتبعونھم فی الایمان والایقان اور ان سے مراد حضرات تابعین رحمہ اللہ ہیں۔

ثم الذین یلونھم: اس سے مراد اتباع تابعین رحمہ اللہ ہیں۔

حدیث کا مطلب: یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ یہ تینوں فضیلت کے لحاظ سے اسی طرح مراتب رکھتے ہیں۔

قرنی: قرن کا اطلاق اہل کل زمان پر ہوتا ہے کیونکہ ہر زمانہ کے لوگ اپنی اعمار واحوال کے اعتبار سے ملے جلے ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو قرن کہا گیا۔

فائدہ: علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصح قول یہ ہے کہ اس کی تخصیص کسی مدت کے ساتھ کرنا مشکل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کو ایک قرن فرمایا حالانکہ وہ زمانہ ایک سو بیس سال کا ہے۔ پھر تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ سو سے ستر تک کا ہے اور اتباع تابعین کا دو سو بیس تک کا ہے اس وقت بہت سی باطل اشیاء کا ظہور ہو گیا تھا خلق قرآن کا مسئلہ پیدا ہو چکا تھا: ثم یجئی قوم من بعدھم: یتسمنون ماخوذ من السمن جس کے معنی لغۃً موٹا پا علامہ تورپشتی رحمہ اللہ کہتے ہیں دراصل یہ کنایہ ہے غفلت اور قلت اہتمام سے کہ دین کا اہتمام نہ ہوگا بلکہ امور دین سے غفلت ہوگی چونکہ جو لوگ ماکولات ومشروبات میں زیادہ مشغول رہتے ہیں ان کے بدن پھول جاتے ہیں اور ریاضت نفس نہیں کرتے ہیں بلکہ حظوظ نفسانیہ کو پورا کرتے رہتے ہیں۔

لغات: فشا یفشو فشوا وفشوا: ظاہر ہونا، پھیلنا، عام ہونا۔ استشھد: گواہ بنانا۔ استحلف: قسم کھلانا، حلف اٹھوانا۔

زہد: رغبت کی ضد ہے فتح، سمع، کرم سے آتا ہے مصدر زہد وزہادۃ ہے یہاں مراد ترك الرغبة في الدنيا على ما يقتضيه الكتاب والسنة دنیا سے اس طرح اعراض کرنا جو کتاب وسنتہ کا مقتضیٰ ہے۔ بالفاظ دیگر ترك الحظوظ مع اداء الحقوق بحسن النية یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی نیت کے ساتھ ادا کرتے ہوئے حظوظ نفس کو ترک کردینا زہد کہلاتا ہے۔ اگر ترک حظوظ کے ساتھ ترک حقوق بھی ہو تو خلاف شرع زہد ہے جو ہرگز مقبول نہیں آج کل لوگوں نے ترک حظوظ کے ساتھ ترک حقوق کا نام زہد رکھ لیا ہے یہ غلط ہے۔

فائدہ: زھد : کسی چیز کو حقارت سے، یا بے رغبتی سے، یا اس سے پریشانی کی بنا پر چھوڑ دینا، اس سے الگ ہو جانا۔ اور زہد فی الدنیا کے معنی ہیں: دنیا سے بے رغبت ہونا، حلال چیزوں کو محاسبہ کے خوف سے، اور حرام چیزوں کو مواخذہ کے اندیشہ سے چھوڑ دینا۔

دوسرا لفظ: الرقاق (بکسر الراء) ہے یہ الرقیق (بفتح الراء) کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں: باریک، لطیف، اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ باتیں جو دل کو نرم کریں، جن کی وجہ سے دل میں دنیا کی بے رغبتی پیدا ہو اور آخرت کی یاد تازہ ہو، پس زہد اور رقاق متقارب المعنی ہیں، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں کہیں زہد کا عنوان قائم کرتے ہیں اور کہیں رقاق کا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ابواب الزہد کا عنوان قائم کیا ہے، اور آگے ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع کا عنوان قائم کیا ہے۔

اور ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب: کتاب الزہد والرقاق میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں دونوں کو جمع کیا ہے، وہ دونوں بابوں کی حدیثیں ایک ساتھ لائے ہیں، پس زہد کی روایات وہ ہیں جن سے آدمی کا دل دنیا سے اکھڑتا ہے، اور رقاق کی روایتیں وہ ہیں جن سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، آخرت یاد آتی ہے، اور عمل کا داعیہ ابھرتا ہے۔

فائدہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) حرام یہ عام لوگوں کا زہد کہلاتا ہے اس درجے کا زہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۲) ضرورت سے زائد حلال چیزوں کو محاسبہ اور مواخذے کے خوف سے چھوڑ دینا یہ زہد کا خاص درجہ ہے جس سے چند مخصوص لوگ ہی استفادہ کرتے ہیں۔

(۳) دنیا کی ہر اس چیز کو ترک کر دینا جو اللہ سے غافل کرنے کا باعث ہو یہ وہ خاص مقام ہے جو اہل اللہ اور عارفین کو حاصل ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مدارج السالکین میں فرماتے ہیں کہ زہد اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی کے پاس نہ مال و دولت ہو نہ ساز و سامان ہو اور نہ اہل وعیال ہو کیوں کہ انبیاء کرام سب سے بڑے زاہد تھے لیکن اہل وعیال سب کے تھے بعضوں کے پاس مال و دولت اور دنیاوی سامان کی بھی فراوانی تھی یہی حال صحابہ رضی اللہ عنہم اور امت کے نیک افراد کا رہا ہے۔

اس سے چند باتیں معلوم کریں: پہلی بات: مال بری چیز نہیں، البتہ ضروری ہے کہ مال حلال ذرائع سے حاصل کیا جائے۔ قرآن کریم نے صرف دو چیزوں کو لوگوں کا سہارا قرار دیا ہے: ایک بیت اللہ کو، دوسرے: مال کو۔ سورۃ المائدہ آیت ۹۷ میں کعبہ شریف کے تعلق سے ارشاد پاک ہے: ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ (المائدہ: ۹۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کی جگہ ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے، یعنی اس کی بقاء تک عالم کا بقاء مقدر ہے، چنانچہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے تو جلد ہی قیامت آ جائے گی۔ اسی طرح قرآن وحدیث میں مال اڑانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے، مال کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے اسراف کی ممانعت کی ہے۔ سورۃ الاعراف آیت ۳۱ میں ہے: ﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾ ان آیات پاک کا حاصل بھی یہی ہے کہ مال سوچ سمجھ کر خرچ کیا جائے، بے موقع نہ اڑایا جائے، نیز مال پر سانپ بن کر نہ بیٹھا جائے، بلکہ رشتہ داروں اور غریبوں کے حقوق حسب استطاعت دیئے جائیں۔

مال صرف اس دنیا ہی میں کار آمد نہیں :، بلکہ دوسری دنیا بنانے میں اور اس کو سنوارنے میں بھی اہم رول ادا کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ غریب صحابہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا کہ مالدار صحابہ ہم سے آگے نکلے جا رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ انھوں نے عرض کیا: ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور وہ ہماری طرح روزہ بھی رکھتے ہیں اور اللہ نے ان کو مال دیا ہے جس میں سے وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں، اس طرح وہ ہم سے آگے نکلے جا رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ لوگوں کو اس سے واقف کیا جائے اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کی جائے کہ وہ لوجہ اللہ مال خرچ کریں، تاکہ ان کی آخرت آباد ہو، ابواب الزہد والرقاق کی حدیثوں میں یہ پہلو خاص طور پر ملحوظ ہے۔

فقر اختیاری: ناداری کی دو صورتیں ہیں: اختیاری اور اضطراری۔ اختیاری ناداری پسندیدہ چیز ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: **الفقر فخری**. غریبی میرے سر کا تاج ہے، مگر یہ مقام ہر کسی کا حصہ نہیں، ایک لاکھ نیک بندوں میں سے کسی ایک ہی کو یہ مقام میسر آتا ہے، اور اضطراری (نہ چاہتے ہوئے) غریبی بہت بری چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے: **كاد الفقر ان يكون كفرًا**: محتاجگی کی سرحدیں کفر سے ملی ہوئی ہیں، یعنی غریبی کی وجہ سے آدمی مرتد بھی ہو سکتا ہے، آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اس لئے اسلام نے کمانے کو فرض کیا ہے، حدیث میں: **كسب الحلال فريضة بعد الفريضة**: یعنی جب آدمی اول نمبر کے فرائض سے فارغ ہو جائے تو حلال روزی کمانا فرض ہے، اس کے علاوہ کمانے کی ترغیب کے سلسلہ میں بہت روایات ہیں، کیونکہ جب آدمی کے پاس اندوختہ ہوگا تو وہ کسی کا دست نگر نہیں ہوگا، اور نہ شیطان اس کی متاع ایمانی پر ڈاکہ ڈالے گا، زہد کے سلسلہ میں جو روایات آ رہی ہیں ان کو پڑھتے ہوئے اس نکتہ کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔

*

بَابُ: اَلصِّحَةِ وَالْفَرَاغِ: نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ

باب ا: تندرستی اور فارغ بالی دوایسی نعمتیں ہیں: جن میں اکثر لوگ دھوکہ خوردہ ہیں

(۲۲۲۶) نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دوطرح کی نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ نقصان کا شکار ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔

تشریح: نعمتان: موصوف مبغون فیہما کثیر من الناس صفت موصوف سے مل کر مبتدا ہوا اور الصحۃ والفراغ خبر۔ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے دونعتیں صحت بدن اور امور دنیا سے بے فکری کہ ان دونوں کے نعمتوں کے حصول کے زمانہ میں اپنی کوششیں دین کے لئے نہیں کرتے تو ان کو دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے خسارہ ہی خسارہ رہتا ہے۔ جب یہ دونوں نعمتیں ختم ہوجاتی ہیں تو پھر احساس ہوتا ہے اوران کوندامت ہوتی ہے کاش مذکورہ زمانہ میں ایسے اعمال کرلیتا جن سے کامیابی وکامرانی حاصل ہوجاتی مگر زوال نعمت کے بعدندامت سے کوئی فائدہ نہیں قال تعالیٰ: ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ (التغابن:۹) نیز آپ کا ارشاد ہے:

لیس یتحسر اھل الجنۃ الاعلی الساعۃ مرت بھم ولم یذکروا اللہ فیھا۔

"اہل جنت کو کسی چیز کا افسوس نہیں ہوگا سوائے اس گھڑی کے جو اللہ کے ذکر کے بغیر گزری ہو۔"

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کبھی انسان صحیح البدن ہوتا ہے مگر فارغ البال نہیں اور کبھی فارغ البال تو ہے مگر صحیح البدن نہیں بلکہ بیمار ہوتا ہے اگر دونوں چیزیں جمع ہوجائیں تو طاعات میں سستی کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ مغبون (قابل رشک) ہوتا ہے۔

درحقیقت دنیا مزرعۃ الآخرۃ ہے دنیا کا زمانہ تجارت آخرت کا زمانہ ہے

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلف انسان کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ تاجر ہے جس کو صحت اور فراغت بطور راس المال دیا گیا اب وہ اس میں تجارت کرتا ہے لہٰذا اس کو چاہئے کہ اس راس المال کی قدر کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے اگر اس زمانہ میں اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی تو گویا اس نے راس المال سے فائدہ اٹھایا ورنہ وہ نقصان میں رہا۔

بَابُ مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ اَعْبَدُ النَّاسِ

باب ۲: ممنوعات سے پرہیز کرنا بڑی عبادت ہے

(۲۲۲۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْخُذُ عَنِّيْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْيُعَلِّمُ مَنْ يَّعْمَلُ بِهِنَّ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ قُلْتُ اَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کون شخص ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سیکھ کر ان پر عمل کرے اور ان لوگوں کو ان کی تعلیم دے جو اس پر عمل کریں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی میں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے پانچ چیزیں گنوائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام کاموں سے بچنا تم سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے جو تمہارا مقدر میں کیا ہے اس سے راضی رہنا سب سے بڑا بے نیاز بن جاؤ گے اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کامل مومن ہو جاؤ گے لوگوں کے لیے اسی چیز کو پسند کرنا جو اپنے لیے پسند کرتے ہو کامل مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ نہ ہنسا کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

تشریح: دین کے احکام دو قسموں پر مشتمل ہیں: مامور بہ اور منہی عن، یعنی کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ کاموں سے روکا گیا ہے، دین کے یہ دونوں ہی حصے اہم ہیں، مگر ان میں بھی اہم منہیات سے بچنا ہے، اور مامورات پر عمل کرنا اتنا دشوار نہیں جتنا منہیات سے بچنا دشوار ہے، اور مامورات کی ادائیگی سے جس قدر فائدہ پہنچتا ہے منہیات کے ارتکاب سے اس سے زیادہ ضرر پہنچتا ہے۔ اور جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کی باتیں دو مقاصد سے سیکھنی چاہئیں: ایک: یہ کہ خود ان پر عمل کرے، دوسرے: یہ کہ اوروں کو پہنچائے تا کہ وہ بھی اس پر عمل کریں اور جو بندہ ان پانچوں باتوں پر کار بند ہو جائے وہ دنیا ہی میں جنت کا مزہ چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، لوگ اس سے محبت کریں گے، دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں وہ اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتوں سے ہم کنار ہوگا۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی (آمین)

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْمُبَادَرَةِ بِالْعَمَلِ

باب ۳: عمل کرنے میں دیر مت کرو

(۲۲۲۸) بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا اَوْ غِنًى مُطْغِيًا اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا اَوْ هَرَمًا مُفَنِّدًا اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالَ فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَةَ فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا ہے سات (طرح کی صورتحال) ظاہر ہونے سے پہلے نیک اعمال میں جلدی کر لو کیا تم لوگ بھلا دینے والی غربت سرکش کر دینے والی خوشحالی فاسد کر دینے والی بیماری مخبوط الحواس کر دینے والے بڑھاپے جلد رخصت کر دینے والی موت یا دجال کا انتظار کر رہے ہو؟ جو غیر موجود چیزوں میں سب سے برا ہے جن کا انتظار کیا جاتا ہے یا پھر قیامت کا انتظار کر رہے ہو اور قیامت تو نہایت ہی سخت اور کڑوی ہے۔

تشریح: لوگ دنیا کے کاموں میں چست ہوتے ہیں، تندرستی میں خوب محنت کرتے ہیں، فرصت کے لمحات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مشغولیت کے زمانہ کا خیال کر کے پہلے ہی کاموں کو نمٹاتے ہیں، مگر دین کے تعلق سے اور آخرت کی تیاری کے معاملہ میں لوگ ان باتوں کا خیال نہیں کرتے، بلکہ معاملہ الٹا ہو جاتا ہے۔ تندرستی کے زمانہ میں سوچتے ہیں ابھی عیش کر لیں، جب بوڑھے ہو جائیں گے تو

دین کے کاموں میں لگ جائیں گے۔ اسی طرح فرصت کے لمحات بھی ضائع کر دیتے ہیں، پھر جب مشغولیت کا زمانہ آتا ہے تو کف افسوس ملتے ہیں، طلبہ کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں، اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ فرصت کے لمحات غنیمت سمجھیں، اور رضائے الٰہی اور فلاح اخروی حاصل کرنے کے لئے کمر بستہ رہیں، عام طور پر لوگ یوم وفردا کرتے ہیں، اور وقت ضائع کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ آگے کیا احوال پیش آنے والے ہیں۔

لغات: بادرو: تم سبقت کرو آگے بڑھو۔ منس: جو فقر کہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کو بھلا دینے والا ہو۔ مطغ: ایسی مالداری جو سرکشی میں ڈال دینے والی ہے مفسد خراب اور تباہ کرنے والی۔ مفند: ایسا بڑھاپا جو غور وفکر کی صلاحیت کو کمزور کر دے۔ مجھز: اچانک جلدی سے آنے والی موت جس میں توبہ اور وصیت پر بھی قدرت نہ ہو سکے۔ اَدْھٰی: حوادث وآفات کے لحاظ سے زیادہ سخت امر زیادہ کڑوی اور شدید۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی ذِکْرِ الْمَوْتِ

باب ۴: موت کو بکثرت یاد کرو

(۲۲۲۹) اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ یعنی الْمَوْتَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز کو یاد کرو راوی کہتے ہیں اس سے مراد موت ہے۔

تشریح: موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں، مگر عام طور پر لوگ اسے بھولے رہتے ہیں اور اس طرح زندگی گزارتے ہیں جیسے موت کبھی آنے والی نہیں، یہی غفلت آخرت کے کاموں سے بے فکر کر دیتی ہے، پس آدمی اگر آخرت والے کام کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے انجام سے غافل نہیں ہونا چاہئے، ہر وقت موت کو یاد کرنا چاہئے۔

موت کی یاد دل میں راسخ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہم عصر و ہم سر لوگوں کے بارے میں خیال کرے کہ وہ موت کی آغوش میں پہنچ گئے ہیں ان کی یاد دل میں تازہ رکھے اور سوچے کہ ان بیماروں کو موت نے کس طرح گرفت میں لے لیا ہے۔ پہلے وہ زندہ اشیائے موجودہ کے مالک تھے کتنے اونچے مناصب پر فائز تھے کتنے خوشحال اور فارغ البال تھے لیکن مٹی نے ان کے سارے مناصب و مراتب مٹا دیئے ان کی حسین صورتیں مسخ کر دیں ان کے اعضاء بکھر گئے اب وہ خود مٹی بن چکے ہیں ان کی بیویاں بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں بچے یتیم ہیں مال و جائیداد کا کوئی ذکر بھی نہیں کرتا گویا وہ پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں حالانکہ ان کو اس کی آمد کا گمان بھی نہ تھا اپنے اعضاء و جوارح پر نظر ڈالے اس وقت یہ کس قدر خوبصورت جاندار مضبوط ہیں لیکن عنقریب قبر کے کیڑے ان کو اپنی خوراک بنالیں گے ہڈیاں بکھر جائیں گی کیڑے پہلے دائیں پھر بائیں آنکھ کے ڈھیلے کو لقمہ بنائیں گے میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جسے کیڑے نہیں کھائیں گے اگر میرے ساتھ کچھ جائے گا تو وہ صرف علم صحیح یا عمل صالح ہوگا پھر قبر میں منکر نکیر کے سوال حشر ونشر، احوال قیامت اور بڑے دن کی پیشی کے لئے آواز یہ ایسے امور ہیں کہ اگر ان میں فکر کیا جائے تو موت کی یاد تازہ رہتی ہے اور اس کے لئے تیاری کی خواہش رہتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ: اَنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ

باب: قبر آخرت کی پہلی منزل ہے

(۲۲۳۰) كَانَ عُثْمَانُ رضی اللہ عنہ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ يَبْكِيْ حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ.

ترجمہ: ہانی بیان کرتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس ہوتے تو اتنا رویا کرتے تھے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو جایا کرتی تھی ان سے دریافت کیا گیا (آپ کے سامنے) جنت اور جہنم کا تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن آپ نہیں روتے لیکن قبر پر آ کر آپ رونے لگتے ہیں تو انہوں نے بتایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے اگر آدمی نے اس سے نجات پالی تو بعد کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہوں گی اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں نے جتنے بھی گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والے منظر دیکھے ان میں سب سے زیادہ سخت گھبراہٹ میں مبتلا کرنے والا منظر قبر ہے۔

تشریح: موت کے بعد آدمی کو قبر میں پہنچنا ہے، قبر اس کی پہلی منزل ہے، اور قبر درحقیقت عالم برزخ کا نام ہے یعنی اس عالم کا نام ہے جو اس دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے، پس جو بھی مرتا ہے: قبر میں پہنچتا ہے، چاہے اس کو جلا دیا جائے، دفن کیا جائے، یا جانور کھا جائیں بہرصورت آدمی قبر میں پہنچتا ہے۔

اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے، بیداری میں یہ دونوں ساتھ ہوتے ہیں اور سونے کی حالت میں دونوں میں فاصلہ ہو جاتا ہے مگر زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا البتہ مرنے کے بعد یہ فاصلہ زیادہ ہو جاتا ہے۔

اور عالم برزخ مجازات کا پہلا مقام ہے، قبر میں پہنچتے ہی جزاء وسزا شروع ہو جاتی ہے، اور اس عالم میں جو اچھی بری واردات پیش آتی ہیں وہ براہ راست روح پر گزرتی ہیں، مگر جسم کے اجزاء بھی اس سے تبعاً متاثر ہوتے ہیں، اس لئے قبر بہت ڈرنے کا مقام ہے، معلوم نہیں وہاں پہنچ کر کیا احوال پیش آئیں، اللہ ہم سب کو قبر کی راحتوں سے ہمکنار فرمائیں اور برزخ کے عذاب سے بچائیں۔ (آمین)

اعتراض: جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے تو وہ یقیناً عذاب قبر سے محفوظ تھے تو پھر عذاب قبر کے تذکرہ سے کیوں روتے تھے؟

جواب: بشارتِ جنت کے لئے عذاب قبر کا نہ ہونا لازم نہیں بلکہ عذاب نار کا نہ ہونا بھی لازم نہیں چونکہ ممکن ہے کہ بشارت مقید ہو کسی قید کے ساتھ یا مبہم ہو۔

بَابُ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ

باب ۵: جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے: اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں

(۲۲۳۱) مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ: اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَائَهُ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کو پسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاضری کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کو ناپسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاضری کو ناپسند کرتا ہے۔

یہ حدیث کتاب الجنائز (حدیث ۱۰۵۹) میں گزر چکی ہے، باقی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِى اِنْذَارِ النَّبِيِّ ﷺ قَوْمَهُ

باب ۶: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قوم کو ڈرانا

(۲۲۳۲) قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا سَلُوْنِيْ مِنْ مَالِيْ مَا شِئْتُمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی۔ "تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صفیہ عبدالمطلب اے فاطمہ بنت محمد اے عبدالمطلب کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہارے لیے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوں تم مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مانگ سکتے ہو۔

تشریح: **سلونی من مالی ماشئتم** (میرے مال میں سے جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو): علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مال سے مراد معروف مال نہیں ہے بلکہ وہ تصرفات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہوں اور اب مطلب یہ ہوگا کہ میں اللہ کے عذاب مقدر کا دفاع تم سے نہیں کر سکتا ہوں اس کے علاوہ جو چیزیں میرے تصرف وقدرت کے تحت ہیں ان کے بارے میں تم مجھ سے مطالبہ کرلو میں پورا کروں گا۔ اصل عبارت **اسئلونی من ماشئتم** تھی بعض رواۃ نے من وما کے درمیان لفظ ل بڑھا دیا ہے اور یہ تاویل اس لئے ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے جہاں آپ کے پاس کوئی مال نہیں تھا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل درست نہیں چونکہ قرآن کی آیت ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى﴾ (الضحیٰ:۸) ای بمال خدیجۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس مال مکہ مکرمہ میں حاصل تھا کما صرح بہ المفسرون۔

اعتراض: اس باب کو ابواب الزہد سے کیا مناسبت ہے؟

جواب: آپ ﷺ نے اپنے اعزہ کو یہ مضمون بیان فرما کر بتایا کہ آدمی کے اموال و اقرباء اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتے حتی کہ خود نبی کریم ﷺ بھی دافع عن العذاب نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر آدمی کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں منہمک رہے اور آخرت کی فکر کرے دنیا کے غموم و ہموم میں نہ پڑے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى

باب ۷: اللہ تعالیٰ کے ڈر سے رونے کی فضیلت

(۲۲۳۳) لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دُخَانُ جَهَنَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے رونے والا شخص جہنم میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک دودھ تھن میں واپس نہیں چلا جاتا (یعنی یہ عملی طور پر ناممکن ہے) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں (انسان کے جسم پر لگنے والا) غبار اور جہنم کا دھواں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث ابواب فضائل الجہاد (باب ۸ حدیث ۱۶۲۵) میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا

باب ۸: اگر لوگوں پر حقائق کھل جائیں تو وہ ہنسنا بھول جائیں!

۲۲۳۴- إِنِّيْ أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ إِلَى اللّٰهِ لَوَدِدْتُّ أَنِّيْ كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں وہ چیز دیکھ لیتا ہوں جسے تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ چیز سن لیتا ہوں جسے تم نہیں سن سکتے آسمان چر چرا رہا ہے اور اسے اس بات کا حق ہے وہ چر چراتا رہے کیونکہ اس کے اندر چار انگلیاں رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کسی فرشتے کا سر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سجدہ ریز نہ ہو اللہ کی قسم جو میں جانتا ہوں وہ اگر تم لوگ جان لو تو تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ اور تم بچھونوں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرو بلکہ تم ویرانوں کی طرح نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرو میری تو یہ خواہش ہے کاش میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ لیا جاتا۔

(۲۲۳۵) لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو میں جانتا ہوں اگر تم لوگ جان لو تو تم لوگ تھوڑا ہنسو

اور زیادہ روؤ۔

تشریح: حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: من علم ان الموت مورده والقيامة موعده والوقوف بين يدى الله وشهوده فحقه ان يطول فى الدنيا حزنه۔

لغات: اطت السماء: آسمان چرچراتا ہے آواز نکالتا ہے حق لھا: اس کا حق ہے اس کے لیے مناسب ہے ماتلذذتم لطف اندوز نہ ہوتم لذت حاصل نہ کرو فرش: فراش کی جمع ہے: بسترے بچھونے۔ صعدات: (صاد اور عین پر پیش کے ساتھ) صعدۃ کی جمع ہے اور یہ صعید کی جمع ہے گویا صعدات جمع الجمع ہے اس کے دو معنی ہیں: (۱) راستے (۲) صحراء جنگل حدیث میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں اکثر حضرات نے دوسرے معنی کو اختیار کیا ہے۔ تجأرون الى الله: تم اللہ سے خوب گڑگڑا کر تضرع وخشوع کے ساتھ دعا مانگو۔ تعضد: (مجہول کا صیغہ ہے) وہ درخت جسے کاٹ دیا جائے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی مَنْ تَکَلَّمَ بِالْکَلِمَۃِ لِیُضْحِکَ النَّاسَ

باب ۹: لوگوں کو ہنسانے والی باتیں کرنا

(۲۲۳۶) اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ لَا یَرٰی بِهَا بَأْسًا یَهْوِیْ بِهَا سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا فِی النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی ایک بات کہتا ہے جس کی وہ کچھ پرواہ نہیں کرتا حالانکہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں ستر برس کی مسافت جتنی گہرائی میں گر جاتا ہے۔

(۲۲۳۷) وَیْلٌ لِلَّذِیْ یُحَدِّثُ بِالْحَدِیْثِ لِیُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَیَکْذِبُ وَیْلٌ لَهٗ وَیْلٌ لَهٗ۔

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کے لیے بربادی جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے کوئی جھوٹی بات کہتا ہے اس شخص کے لیے بربادی ہے اس شخص کے لیے بربادی ہے۔

(۲۲۳۸) قَالَ تُوُفِّیَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ یعنی رَجُلًا اَبْشِرْ بِالْجَنَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَوَلَا تَدْرِیْ فَلَعَلَّهٗ تَکَلَّمَ فِیْمَا لَا یَعْنِیْهِ اَوْ بَخِلَ بِمَا لَا یَنْقُصُهٗ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صاحب کا انتقال ہو گیا تو ایک شخص نے (مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا تمہیں جنت مبارک ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی ایسی بات کہی ہو جس کی اس نے پرواہ نہ کی ہو یا اس نے اس حوالے سے بخل سے کام لیا ہو جس سے اس کا کوئی نقصان نہ ہوتا۔

تشریح: اگر تفریح طبع کے لئے ایسی بات کہی جائے جو جھوٹی نہ ہو اور اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو تو وہ جائز ہے، دوسری حدیث میں فیکذب کی جو قید ہے وہ پہلی حدیث میں فیکذب کی جو قید ہے وہ پہلی حدیث میں بھی ملحوظ ہے، اور دل آزادی کا معاملہ جھوٹ سے زیادہ سنگین ہے، پس اس کا بھی وہی حکم ہے جو جھوٹ کا ہے۔

فائدہ: جنت میں درجات ہیں یعنی مقامات نیچے سے اوپر چڑھتے ہیں، اور جہنم میں درکات ہیں یعنی عذاب کی سختی نیچے کے مقامات میں زیادہ ہے، اور دوزخ میں ستر سالہ مسافت میں گرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بلندی سے نیچے ڈالی جائے تو وہ ستر سال میں کہاں تک پہنچے گی؟ اتنی گہرائی میں یہ مسخرہ ڈال دیا جاتا ہے۔

لغات: بأسا: کوئی حرج مضائقہ۔ یھوی: گرجاتا ہے خریفا برس سال۔ ویل: ہلاکت جہنم کی ایک گہری وادی لیضحک باب افعال سے تا کہ وہ ہنسائے۔

بَابُ مِنْ حُسْنِ الْاِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَایَعْنِیْهِ

باب: دین کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی باتیں چھوڑ دے

(۲۲۳۹) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی اچھائیوں میں یہ بات بھی شامل ہے وہ لایعنی چیزوں کو ترک کردے۔

(۲۲۴۰) اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں یہ بات بھی شامل ہے وہ لایعنی چیزوں کو ترک کردے۔

مالایعنی کی حقیقت:

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مالا یعنی سے مراد وہ امور ہیں جن کی ضرورت نہ دین میں ہے اور نہ دنیا میں اور رضائے الٰہی بغیران کے حاصل ہوسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان المومن لایکون صمته الا فکرا ونظره الا عبرة ونطقه الا ذکرا۔ یعنی مومن کی خاموشی فکر ہے اور اس کی نظر عبرت ہے اور اس کا کلام ذکر الٰہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طوبی لمن امسك الفضل من لسانه وانفق الفضل من ماله. (بیہقی) یعنی اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو اپنا زائد کلام روکے اور زائد مال خرچ کرے۔

ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مومن بولنے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ بولنا اس کے حق میں مفید ہے یا نہیں اگر مفید ہے تو بولتا ہے ورنہ چپ رہتا ہے اور فاجر بے سوچے بولتا ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا آدمی کے لئے جس عضو کو پاک کرنا زیادہ ضروری ہے وہ زبان ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ قِلَّةِ الْکَلَامِ

باب ۱۰: کم بولنے کی فضیلت

(۲۲۴۱) اِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ مَا یَظُنُّ اَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَیَکْتُبُ اللهُ لَهٗ بِهَا رِضْوَانَهٗ

اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاہُ وَاِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ مِنْ سَخَطِ اللّٰہِ مَا یَظُنُّ اَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَیَکْتُبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا سَخَطَہٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاہُ۔

ترجمہ: حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں وہ یہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے متعلق کوئی بات کہتا ہے حالانکہ اسے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے نتیجے میں اسے کیا کچھ مل جائے گا پس اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے لیے اس دن تک کی رضامندی لکھ دیتا ہے جب وہ شخص اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اسی طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے متعلق کوئی بات کہتا ہے حالانکہ اسے یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا وبال کتنا ہوسکتا ہے؟ لیکن اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس دن تک کے لیے اس سے ناراضگی لکھ دیتا ہے جب وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔

تشریح: قلت کلام محمود ومطلوب ہے:

زبان اللہ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت ہے اس کا حجم اگر چہ چھوٹا ہے لیکن اس کی طاعت بھی زیادہ ہے اور گناہ بھی بڑا ہے چونکہ اظہار ایمان اسی سے ہوتا ہے جو ظایت طاعت ہے اور کفر بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے جو انتہائی درجہ کی معصیت ہے اس کا دائرہ اختیار تمام اعضاء سے زائد ہے اس لئے اس کو قابو میں رکھنا نہایت ضروری ہے یہ ایسا محفوظ و چالاک عضو ہے کہ اس سے کسی کو گالی دی برا بھلا کہا خود تو منہ کے اندر دانتوں کے پیچھے محفوظ ہو جاتی ہے اور جسم کی پٹائی کرا دیتی ہے اس وجہ سے حدیث میں مضمون ہے سب اعضاء اس سے صحیح رہنے کی درخواست کرتے رہتے ہیں احادیث میں بھی بکثرت زبان پر قابو پانے کا حکم فرمایا گیا ہے اس کے ضرر سے بچنے کا واحد راستہ خاموشی ہے جس کی تعریف احادیث میں وارد ہے فرمایا من صمت نجا جو رہا اس نے نجات پائی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی ھَوَانِ الدُّنْیَا عَلَی اللّٰہِ

باب ۱۱: اللہ کے نزدیک دنیا کی بے قدری

(۲۲۴۲) لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی کَافِرًا مِّنْھَا شَرْبَۃَ مَاءٍ۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دنیا کی حیثیت مچھر کے پر جتنی ہوئی تو وہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

(۲۲۴۳) کُنْتُ مَعَ الرَّکْبِ الَّذِیْنَ وَقَفُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّخْلَۃِ الْمَیِّتَۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَتَرَوْنَ ھٰذِہٖ ھَانَتْ عَلٰی اَھْلِھَا حِیْنَ اَلْقَوْھَا قَالُوْا مِنْ ھَوَانِھَا اَلْقَوْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فَالدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذِہٖ عَلٰی اَھْلِھَا۔

ترجمہ: حضرت مستور بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں کچھ سواروں کے ساتھ تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے مالک نے جب اسے پھینکا تھا اس وقت یہ اپنے مالک کے

نزدیک بے حیثیت تھی؟ لوگوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس کے بے حیثیت ہونے کی وجہ سے ہی تو لوگوں نے اسے پھینکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جتنی یہ اپنے مالک کے نزدیک بے حیثیت ہے دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بے حیثیت ہے۔

تشریح: هان الشیی علیه (ن) ھونًا: کسی چیز کا حقیر اور معمولی ہونا، جاننا چاہئے کہ جس طرح یہ دنیا ایک حقیقی عالم ہے اسی طرح آخرت بھی بالکل واقعی عالم ہے، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اور آخرت جاودانی ہے، اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی ہو جائے گا، نیز آخرت کی نعمتیں اور لذتیں اس دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی نعتیں آخرت ہی کی ہیں، دنیا کی چیزوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

دنیا اسی شئی کا نام ہے: جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔ متاع دنیا پر دنیا کا اطلاق اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ عموماً ذکر اللہ سے غفلت کا سبب ہوتا ہے۔ دنیا سب کی دشمن ہے، دنیا اللہ کی دشمن ہے، اللہ کے دوستوں کی بھی دشمن اور دشمنوں کی بھی دشمن ہے اللہ کی دشمن تو اس لئے کہ اس کے بندوں کو راہ راست پر نہیں چلنے دیتی۔

اللہ کے دوستوں کی بھی دشمن کیونکہ ان کے سامنے آرائش اور زیبائش کر کے نکلتی ہے ان کو اپنی رونق و شادابی سے للچاتی ہے تا کہ کسی طرح وہ اس کے دامن میں آ جائیں دنیا کے پھیلائے ہوئے جال سے نکلنے کے لئے انہیں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ دشمنان خدا کی بھی دشمن ہے کیونکہ اس نے ان کو اپنے فریب میں پھنسالیا اور انہیں سبز باغ دکھا کر اپنے قریب کر لیا یہاں تک وہ اس کی گرفت میں آ گئے اور اس پر اعتماد کر بیٹھے تو انہیں ذلت میں مبتلاء کر دیا اگر دنیا میں ذلت سے بچ گئے تو آخرت میں رسوائی اور ندامت سے چھٹکارا نہ پاسکیں گے اور ابد الآباد کی سعادت سے محروم ہوں گے۔

باب ۱۲

(۲۲۴۴) اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے دنیا ملعون ہے اور اس میں موجود ہر چیز ملعون ہے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کا ذکر کرنے والا اور عالم طالب (ملعون نہیں ہیں)۔

باب ۱۳

(۲۲۴۵) مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَاذَا يَرْجِعُ.

ترجمہ: قیس بن ابو حازم بیان کرتے ہیں میں نے بنو فہر سے تعلق رکھنے والے حضرت مستورد رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی صرف یہی حیثیت ہے جسطرح کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈال کر اس بات کا جائزہ لے کہ اس نے کتنا پانی نکالا ہے؟۔

---*---

بَابُ مَاجَاءَ اَنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

باب ۱۴: دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کا باغ ہے

(۲۲۴۶) اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

تشریح: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مؤمن کیلئے دنیا قید خانہ ہے کہ اس کو دنیوی شہوات محرمہ سے روک دیا گیا دنیا کے لذائذ سے اس کو منع کیا جاتا ہے اور طاعات شاقہ کا اس کو مکلف بنایا گیا ہے جب اس کو موت آجائے گی تو ان سب چیزوں سے وہ راحت محسوس کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ نعمتیں اس کو دی جائیں گی جو ہمیشہ رہنے والی ہوں گی اس کے بالمقابل کافر اس کے لئے دنیا میں جملہ لذائذ وشہوات ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں تفصیلاً بیان کیا ہے ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ .. الخ﴾ (آل عمران:۱۴) مگر مرنے کے بعد عذاب دائمی میں مبتلا ہوگا اور وہاں کی نعمتوں سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لئے بد بخت ہوگا۔

قید خانہ کی دو خصوصیتیں ہیں:

پہلی خصوصیت: قیدی قید خانہ میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر کام میں جیلر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، جو کھانے کو ملتا ہے کھاتا ہے، جو پینے کو دیا جاتا ہے پیتا ہے، جہاں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کا حکم ہوتا ہے بیٹھتا یا کھڑا ہوتا ہے۔ غرض جیل میں اپنی مرضی نہیں چلتی، چاروناچار ہر معاملہ میں دوسرے کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔

دوسری خصوصیت: قید خانہ میں قیدہ کا جی کبھی نہیں لگتا وہ اس کو اپنا گھر سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مندر ہتا ہے۔

باغ کی بھی دو خصوصیتیں ہیں:

پہلی خصوصیت: لوگ جب باغ میں تفریح کے لئے جاتے ہیں تو وہاں کوئی قانونی پابندی نہیں ہوتی، ہر شخص آزاد ہوتا ہے، باغ میں جہاں چاہے گھوم سکتا ہے، اگر کسی باغ میں گھومنے میں پابندی ہو تو اس باغ میں تفریح کا کیا مزہ؟

دوسری خصوصیت: جو لوگ باغ میں گھومنے جاتے ہیں، اگر باغ شاندار ہو تو وہاں ان کا دل لگ جاتا ہے، وہ باغ سے واپس لوٹنا نہیں چاہتے، مجبوراً ہی جب وقت تنگ ہوتا ہے تو لوٹتے ہیں۔

اب جاننا چاہئے کہ دنیا کا حال بھی مومن کے تعلق سے ایسا ہی ہے اس کو حکم خداوندی اور قانون شریعت کی پابندی کرنی پڑتی ہے، وہ اس دنیا میں آزاد نہیں ہے، اپنی مرضی کی زندگی نہیں گزار سکتا، نہ یہاں اس کی ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے، اور مومن کا جی دنیا میں کبھی نہیں لگتا، وہ ہر وقت اس دنیا سے نکل کر آخرت میں پہنچنا چاہتا ہے۔

اور کافر کے لئے اس دنیا میں کوئی قانونی پابندی نہیں، وہ جو چاہتا ہے کھاتا ہے، پیتا ہے اور اپنی مرضی کی زندگی گزارتا ہے اور اس کا دل دنیا سے ایسا لگا ہوا ہوتا ہے کہ وہ کبھی یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (البقرہ:۹۶): ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو ہزار برس کی زندگی مل جائے!

اور آخرت میں دونوں کا معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ آخرت کافر کا قید خانہ ہے اور مومن کی جنت (باغ) مومن کے لئے جنت میں کوئی قانونی پابندی نہیں ہوگی، ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گزارے گا، اور وہاں اس کی ہر آرزو پوری ہوگی، اور لاکھوں برس گزرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے اکتائے گا نہیں۔

اور کافروں کے لئے دوزخ میں ہر طرح کی پابندیاں ہوں گی، زقوم کھانے کو دیا جائے گا: وہی کھانا پڑے گا۔ اور زخموں کی پیپ پینے کو دی جائے گی وہی پینی پڑے گی، اور جتنا بھی لمبا عرصہ گزر جائے وہاں ان کا دل نہیں لگے گا، وہ جہنم کے جیلر مالک سے کہیں گے: اپنے پروردگار سے عرض کر کہ وہ ہمارا کام تمام کر دے، مالک ایک ہزار سال کے بعد جواب دیں گے: تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے۔ (الزخرف: ۷۷)

بَابُ مَا جَاءَ مِثْلُ الدُّنْيَا مِثْلُ اَرْبَعَةِ نَفَرٍ

باب ۱۵: دنیا کا حال چار شخصوں کے حال جیسا ہے

(۲۲۴۷) ثَلَاثٌ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَاُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا فَاحْفَظُوْهُ قَالَ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ اَوْ كَلِمَةٍ نَحْوَهَا وَاُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْيَا لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِيْ رَبَّهُ فِيْهِ وَيَصِلُ بِهٖ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيْهِ حَقًّا فَهٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ فَاَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا يَخْبِطُ فِيْ مَالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِيْ فِيْهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلّٰهِ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تین چیزوں کے بارے میں میں قسم دیتا ہوں اور تمہیں ایک بات بتانے لگا ہوں تم انہیں یاد رکھنا صدقہ کرنے کی وجہ سے آدمی کے مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی جس بندے کے ساتھ کوئی زیادتی ہو وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جب کوئی شخص مانگنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غربت کا دروازہ کھول دیتے ہیں یا اس کی مانند آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی (پھر فرمایا) میں تم لوگوں کو ایک بات بتانے لگا ہوں اسے یاد رکھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں چار طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم عطا کیا ہو اور وہ اس بارے میں اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو رشتہ داری کے حقوق کا خیال رکھتا ہو اور اسے اس بات کا علم ہو کہ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ یہ سب سے زیادہ فضیلت والے مقام پر ہوگا ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے لیکن اسے مال عطا نہیں کیا لیکن وہ نیت کا سچا ہے اور یہ کہتا ہے اگر مجھے مال مل جاتا تو میں بھی فلاں شخص کی طرح عمل کرتا اسے اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا لہٰذا ان دونوں کا اجر برابر ہوگا ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے لیکن اسے علم عطا نہیں کیا وہ

اپنے مال کو اس جگہ پر خرچ کرتا ہے (جو درست نہیں ہے) اور ایسا لاعلمی کی وجہ سے کرتا ہے اور اس کے بارے میں اپنے پروردگار سے ڈرتا نہیں ہے اس کے حوالے سے رشتہ داری کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہ مال عطا کیا ہے نہ علم عطا کیا ہے لیکن وہ یہ کہتا ہے اگر مجھے مال مل جاتا تو میں بھی اس فلاں کی طرح اسے (غلط راستے پر) خرچ کرتا تو اسے اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا اور ان دونوں کا گناہ برابر ہوگا۔

تشریح: اچھے برے عمل کی نیت پر اس وقت جزاء و سزا ہوتی ہے جب وہ عزم کے درجہ میں آجائے، اگر نیکی کا پختہ ارادہ ہو مگر کسی مجبوری سے نہ کر سکا، تو وہ نیکی اس کے لئے لکھ دی جاتی ہے، یہی حال گنہگار کا ہے جب اس کا پختہ ارادہ ہو جائے مگر کسی وجہ سے وہ گناہ نہ کر سکے تو اس کی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

دلیل ①: حدیث میں ہے:

من هم بحسنة ولم يعملها، كتبت له حسنة فان عملها كتبت له بعشر امثالها: (احمد ۱: ۲۷۹، ۳۶۱)

یعنی جو شخص کسی نیکی کا پختہ ارادہ کرے پھر وہ اس کو نہ کر سکے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ اس کو کر لے تو وہ نیکی اس کے لئے دس گنا لکھی جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهَمِّ الدُّنْيَا وَحُبِّهَا

باب ۱۶: دنیا کی فکر اور اس کی محبت کا بیان

(۲۲۴۸) مَنْ نَزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ نَّزَلَتْ بِهٖ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ فَيُوْشِكُ اللّٰهُ لَهٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ اَوْ اٰجِلٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کو فاقہ لاحق ہو اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کردے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوجائے گا اور جس شخص کو فاقہ لاحق ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے تو عنقریب اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے رزق عطا کردے گا۔

(۲۲۴۹) قَالَ جَآءَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى اَبِيْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ مَرِيْضٌ يَّعُوْدُهٗ فَقَالَ يَا خَالُ مَا يُبْكِيْكَ اَوَجَعٌ يُّشْئِزُكَ اَمْ حِرْصٌ عَلَى الدُّنْيَا قَالَ كُلٌّ لَّا وَلٰكِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَهِدَ اِلَيَّ عَهْدًا لَمْ اٰخُذْ بِهٖ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَّمَرْكَبٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَجِدُنِي الْيَوْمَ قَدْ جَمَعْتُ.

ترجمہ: ابووائل بیان کرتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جو مریض تھے اور وہ ان کی عیادت کرنے کے لیے آئے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ماموں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا تکلیف آپ کو تنگ کر رہی ہے یا دنیا کیا محبت پریشان کر رہی ہے انہوں نے فرمایا دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا جس پر میں عمل نہیں کر سکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا مال جمع کرنے کے حوالے سے تمہارے لیے ایک خادم اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانے

کے لیے ایک سواری کافی ہے۔لیکن آج میں یہ محسوس کر رہا ہوں میں نے مال جمع کیا۔

باب ۱۷

(۲۲۵۰) لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوْا فِي الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے باغات اور کھتیاں وغیرہ نہ بناؤ ورنہ تم دنیا ہی کے ہو کر رہ جاؤ گے۔

تشریح: حدیث میں ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ: دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔(مشکوۃ کتاب الرقاق، حدیث ۵۲۱۳)

مگر یہ بات اس وقت ہے جب دنیا سے محبت دنیا کی وجہ سے ہو، مال ومنال سے تعلق عیش کرنے کے لئے ہو، ورنہ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے دروازہ پر لکھا تھا: نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد! جو دولت اللہ کے لئے رکھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ایسے بندوں کو دنیا سے کچھ محبت نہیں ہوتی نہ وہ دنیا کی فکر میں پڑ کر آخرت برباد کرتے ہیں۔

اس روایت میں مطلق ذریعہ معاش اختیار کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ معنی یہ کہ دنیا کے کسب میں اس قدر مشغول ہونا کہ اللہ کی عبادت سے آدمی غافل ہو جائے اس سے ممانعت ہے چونکہ کسب معاش تو فرض ہے جس کی فضیلت احادیث میں بکثرت وارد ہے بلکہ معاش کے وہ اسباب جو یقینیہ ہیں ان کا اختیار کرنا فرض ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے معنی لا تتو غلوا فی اتخاذ الضيعة فتلهوا بها عن ذكر الله قال تعالى:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ ... الآية﴾ (النور: ۳۷)

لغات: فاقة: تنگدستی شدید حاجت وضرورت۔ لم تسد: اس کی حاجت کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ يشئزك: آپ کو مغموم اور پریشان کر رکھا ہے بے چین کر رکھا ہے۔ الضيعة: (ضاد پر زبر کے ساتھ) غلہ اُگانے والی زمین جاگیر کاروبار اور تجارت ترغبوا فی الدنیا تم دنیا کی طرف مائل ہو جاؤ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُوْلِ الْعُمُرِ لِمُؤْمِنٍ

باب ۱۸: حسن عمل کی توفیق مل جائے تو زندگی بڑی نعمت ہے

(۲۲۵۱) اَنَّ اَعْرَابِيًّا قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَنْ خَيْرُ النَّاسِ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دیہاتی نے عرض یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر شخص کون سا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھا ہو۔

باب ۱۹

(۲۲۵۲) اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ فَاَيُّ النَّاسِ

ثُمَّ قَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ وَسَاءَ عَمَلُه.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ نقل کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کون سا شخص سب سے بہتر ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں اس شخص نے دریافت کیا کون سا شخص سب سے برا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی عمر طویل ہو اور عمل برا ہو۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوقات وساعات بمنزلہ راس المال ہے تو تاجر اپنی تجارت کے ذریعہ راس المال کی حفاظت کے ساتھ نفع کے لئے محنت کرتا ہے اور جس قدر راس المال زیادہ ہوگا نفع بھی زیادہ ہوتا ہے اب تاجر آخرت جس کو طویل عمر دی گئی تو اس کو کثیر راس المال دیا گیا اب اس نے حسن عمل کے ذریعہ راس المال پر نفع کثیر حاصل کیا اور کامیاب ہو گیا اس کے بالمقابل جو اعمال بد میں مبتلا رہا اس نے راس المال کو ضائع کر دیا اور نفع بھی کچھ نہ ہوا تو ایسا شخص ناکام رہا اور خسران میں مبتلا ہو گیا۔ اس روایت میں طویل العمر اور حسن العمل شخص کے لئے خوشخبری ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عقلاً لوگوں کی عمر و عمل کے اعتبار سے چار قسم ہوتی ہیں: (۱) طویل العمر حسن العمل (۲) طویل العمر سیئی العمل ان دونوں کو اس روایت میں ذکر کر دیا گیا۔ (۳) قصیر العمر حسن العمل (۴) قصیر العمر سیئی العمل۔ ان دونوں قسموں میں نہ زیادہ خیر ہے اور نہ زیادہ شر بلکہ دونوں برابر ہیں اس لئے ان کو ذکر نہیں فرمایا گیا ہے۔ نیز سائل کے سوال میں بھی مذکور نہیں بہر حال روایات سے معلوم ہوا کہ طویل العمر ہونا جب ہی محمود ہے کہ عمل اچھا ہو ورنہ برے عمل کے ساتھ طویل العمر ہونا پسندیدہ نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِى فَنَاءِ اَعْمَارِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مَابَيْنَ السِّتِّيْنَ اِلٰى سَبْعِيْنَ

باب ۲۰: اس امت کی عمریں ساٹھ تا ستر سال ہیں

(۲۲۵۳) عُمُرُ اُمَّتِيْ مِنْ سِتِّيْنَ سَنَةً اِلٰى سَبْعِيْنَ سَنَةً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (عام طور پر) میری امت کی عمریں ساٹھ سے لے کر ستر سال تک ہوں گی۔

تشریح: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بہترین عمر جس کو معتدل و محمود کہا جائے وہ ساٹھ و ستر سال کے درمیان ہے کیونکہ اسی عمر میں نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ بہت سے صحابہ و اولیاء نے انتقال فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض حکماء نے فرمایا عمر کے چار درجات ہیں طفولیت، شباب، کہولت، شیخوخت۔ یہ آخری درجہ اکثر و بیشتر ساٹھ و ستر کے درمیان ہے اس وقت ضعف ہوتا ہے لہٰذا اس عمر میں پہنچ کر آدمی کو چاہئے کہ آخرت کی طرف راغب ہو جائے کہ اب زندگی کی زیادہ امید نہیں رہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی تَقَارُبِ الزَّمَانِ وَقِصَرِ الْاَمَلِ

باب ۲۱: تقارب زمان کا بیان

(۲۲۵۴) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَكُوْنُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرِ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَيَكُوْنُ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ كَالضَّرَمَةِ بِالنَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زمانہ سمٹ نہیں جائے گا سال مہینے کی طرح ہوجائے گا مہینہ ہفتے کی طرح ہوگا ہفتہ ایک دن کی طرح ہوگا اور ایک دن ایک گھڑی کی طرح ہوگا اور ایک گھڑی یوں ہوگی جیسے آگ کا انگارہ ہوتا ہے۔

تشریح: تقارب زمان کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: (۱) قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس قدر زیادہ ہوجائے گی کہ وقت میں برکت اٹھ جائے گی وقت نہایت تیزی سے گذرتا چلا جائے گا کہ اس کا فائدہ محسوس ہی نہیں ہوگا۔

(۲) یا یہ معنی کہ قرب قیامت میں لوگ اپنی پریشانیوں اور فتنوں میں اس قدر مشغول ہوں گے کہ وقت گزرنے کا انہیں احساس تک نہیں ہوگا اور نہ یہ معلوم ہوگا کہ دن کب ختم ہوا اور رات کب ختم ہوئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی قِصَرِ الْاَمَلِ

باب ۲۲: آرزو مختصر رکھنے کا بیان

(۲۲۵۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِیْ قَالَ كُنْ فِی الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ فَقَالَ لِیْ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ وَاِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ لَا تَدْرِیْ يَا عَبْدَ اللهِ مَا اِسْمُكَ غَدًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کو پکڑا اور ارشاد فرمایا تم دنیا میں یوں رہو جیسے اجنبی ہو یا مسافر ہو اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا جب تم صبح کرو تو شام کا خیال ذہن میں نہ رکھو اور جب شام ہو جائے تو تم صبح کا خیال ذہن میں نہ رکھو اور بیماری سے پہلے صحت کو اور مرنے سے پہلے زندگی کو غنیمت سمجھو اے اللہ کے بندے تم نہیں جانتے کل تمہارا کیا انجام ہوگا (یعنی زندہ ہوگے یا مرجاؤ گے)۔

(۲۲۵۶) هٰذَا ابْنُ اٰدَمَ وَهٰذَا اَجَلُهٗ وَوَضَعَ يَدَهٗ عِنْدَ قَفَاهُ ثُمَّ بَسَطَهَا فَقَالَ وَثَمَّ اَمَلُهٗ وَثَمَّ اَمَلُهٗ وَثَمَّ اَمَلُهٗ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ آدم کا بیٹا ہے اور یہ اس کی موت ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گدی کے پاس ہاتھ رکھا اور پھر اسے پھیلایا اور فرمایا یہ اس کی امیدیں ہیں یہ اس کی امیدیں ہیں اور یہ اس کی امیدیں ہیں۔

(۲۲۵۷) قَالَ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نُعَالِجُ خُصًّا لَنَا فَقَالَ مَا هٰذَا فَقُلْنَا قَدْ وَهٰى فَنَحْنُ نُصْلِحُهُ قَالَ مَا اَرَى الْاَمْرَ اِلَّا اَعْجَلَ مِنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے ہم اپنے مکان کے لیے گارا بنا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا یہ کس لیے ہے ہم نے عرض کی مکان پرانا ہوگیا ہے ہم اسے ٹھیک کر رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا خیال ہے معاملہ (یعنی قیامت) اس سے جلدی آجائے گا۔

تشریح: قصر امل سے مراد یہ ہے کہ امور دنیا کی بابت آدمی لمبی لمبی امیدیں نہ کرے کہ موت اور زاد عقبیٰ سے غافل ہو جائے ہاں البتہ تحصیل علم وعمل کیلئے آدمی اللہ سے لمبی لمبی امیدیں وابستہ رکھے تو مضائقہ نہیں بلکہ محمود ہے کقولہ تعالیٰ طوبیٰ لمن طال عمرہ... الخ۔

لغات: قصر الامل امید کو چھوٹا کرنا ضرمۃ (ضاد پر زبر اور راء کے سکون اور زبر کے ساتھ) وہ شعلہ اور چنگاری جو ماچس جلاتے وقت ایک دم چمک کر بجھ جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اِنَّ فِتْنَةَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فِي الْمَالِ

باب ۲۳: اس امت کا خاص فتنہ مال ہے

(۲۲۵۸) اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَّفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ.

ترجمہ: حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ہر امت کی مخصوص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی مخصوص آزمائش مال ہے۔

تشریح: اور گزشتہ امتوں کی آزمائش مختلف طرح سے کی گئی ہے، اور اس امت کی آزمائش مال ومنال کے زریعہ کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خوب مال عنایت فرمایا ہے، وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ امت مال کس طرح حاصل کرتی ہے، اور کس طرح خرچ کرتی ہے؟ پس مسلمانوں کو مال کی تحصیل میں اور صرف میں بہت زیادہ محتاط رہنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مال ہمارے لئے وبال جان بن جائے۔

مال فتنہ کس طرح ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ مال ارشاد فرمایا ہے درحقیقت کوئی شخص بھی مال سے بے نیاز نہیں اگر مال حاصل ہو جائے تو اس کی آفات سے محفوظ رہنا دشوار بھی ہے اور اگر مال نہ ہو تو فقر ہے جو بسا اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے لہٰذا مال کے دو پہلو ہوئے خیر وشر اور ان دونوں پہلوؤں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے اس کو فتنہ وابتلاء سے تعبیر کیا گیا ہے قال تعالیٰ: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (الانفال:۲۸)

بَابُ مَا جَاءَ لَوْكَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا

باب ۲۴: دولت کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی

(۲۲۵۹) لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَأَحَبَّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ ثَالِثٌ وَّلَا يَمْلَأُ فَاهُ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر آدمی کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس دوسری بھی ہو اس کا پیٹ مٹی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

مال و دولت کی محبت فطری ہے، مگر حد سے بڑھی ہوئی محبت پسندیدہ نہیں، انسان کا حال یہ ہے کہ اگر دولت سے گھر بھر جائے تو بھی اس کا دل قانع نہیں ہوتا، وہ اس میں اضافہ چاہتا ہے اور زندگی کے آخری سانس تک اس کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، بس قبر میں جا کر ہی اس کو ننانوے کے پھیر سے چھٹکارا ملتا ہے۔

البتہ جو بندے دولت کے بجائے اپنے دل کا رخ اللہ کی طرف پھیر دیتے ہیں اور اس سے لو لگا لیتے ہیں ان پر اللہ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو غنائے نفس کی دولت عطا فرماتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ قَلْبُ الشَّيْخِ شَابٌ عَلٰى حُبِّ اثْنَتَيْنِ

باب ۲۵: بوڑھے کا دل دو باتوں میں جوان ہوتا ہے

(۲۲۶۰) قَلْبُ الشَّيْخِ شَابٌّ عَلٰى حُبِّ اثْنَتَيْنِ طُوْلِ الْحَيَاةِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دو چیزوں کی محبت میں بوڑھے شخص کا دل بھی (ہمیشہ جوان) رہتا ہے ایک لمبی زندگی اور دوسرا مال زیادہ ہونا۔

(۲۲۶۱) يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو طرح کی حرص اس میں جوان رہتی ہے ایک (لمبی) زندگی کی اور دوسرا مال کی۔

تشریح: تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب زندگی تمام ہونے آتی ہے، اور عقل کمزور پڑ جاتی ہے، تو دو خواہشیں ابھرتی ہیں: ایک مال کی زیادتی کی خواہش، دوسری: بہت دنوں تک زندہ رہنے کی خواہش۔ لیکن یہ حال عوام کا ہے، جن بندوں نے اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، ان کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے، ان میں مال و منال کی محبت اور زندگی کی آرزو کی جگہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ، اور آخرت کی نعمتوں کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے، اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الزِّھَادَةِ فِی الدُّنْیَا

باب ۲۶: دنیا سے بے رغبتی کا بیان

(۲۲۶۲) اَلزَّهَادَةُ الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِي يَدِ اللّٰهِ وَأَنْ تَكُوْنَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں دنیا سے بے رغبتی سے مراد یہ نہیں ہے حلال چیز کو حرام قرار دے دیا جائے مال کو ضائع کر دیا جائے بلکہ دنیا سے بے رغبتی یہ ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس سے زیادہ قابل اعتماد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جب تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہو تو تم اس کے ثواب میں زیادہ رغبت رکھو اور یہ خواہش ہو کہ یہ میرے لیے باقی رہتی (یعنی مجھے مسلسل اس کا اجر ملتا رہتا)۔

(۲۲۶۳) لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ فِي سِوَى هٰذِهِ الْخِصَالِ بَيْتٌ يَسْكُنُهُ وَثَوْبٌ يُوَارِيْ عَوْرَتَهُ وَجِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ.

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ابن آدم کو صرف انہی چیزوں کا حق ہے ایک گھر جس میں وہ رہتا ہو ایک لباس جس کے ذریعے وہ اپنی شرمگاہ کو ڈھانپتا ہو صرف روٹی اور پانی۔

باب ۲۸

(۲۲۶۴) أَنَّهُ انْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَقُوْلُ (أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ) قَالَ يَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ مَالِيْ مَالِيْ وَهَلْ لَكَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ أَوْ أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ.

ترجمہ: مطرف اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ یہ پڑھ رہے تھے۔ کثرت تمہیں غافل کر دے گی۔ راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کا بیٹا میرا مال میرا مال کہتا رہتا ہے تمہارا مال تو درحقیقت صرف وہی ہے جسے تم صدقہ کر کے آگے بھیج دو یا کھا کر فنا کر دو یا پہن کر پرانا کر دو۔

باب ۲۹

(۲۲۶۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ إِنْ تَبْذُلِ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ وَإِنْ تُمْسِكْهُ شَرٌّ لَكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَّابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے آدم کے بیٹے تمہارا اضافی مال کو خرچ کر دینا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور تمہارا اسے اپنے پاس روک کر رکھنا تمہارے لیے برا ہے البتہ ضرورت کے مطابق مال اپنے پاس رکھنے پر تمہیں

ملامت نہیں کی جائے گی اور خرچ کرتے ہوئے تم اپنے زیر کفالت لوگوں سے آغاز کرو اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

باب ۳۰

(۲۲۶۶) لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَّتَرُوْحُ بِطَانًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسے اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق عطا کیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے وہ صبح کے وقت خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کے وقت بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔

(۲۲۶۷) كَانَ اَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ اَحَدُهُمَا يَاْتِي النَّبِيَّ ﷺ وَالْاٰخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ اَخَاهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں دو بھائی تھے ان میں سے ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور دوسرا محنت مزدوری کرتا تھا محنت کرنے والے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوسکتا ہے تمہیں بھی اسی کی وجہ سے رزق ملتا ہے۔

(۲۲۶۸) مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ اٰمِنًا فِيْ سِرْبِهٖ مُعَافًى فِيْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا.

ترجمہ: سلمہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے وہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ وہ خوشحال ہو جسمانی طور پر تندرست ہو اس کے پاس اس دن کی خوراک موجود ہو تو گویا اس کے لیے دنیا سمیٹ دی گئی۔

تشریح: حدیث ① : کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا کرنی چاہئے، کیونکہ دوسری حدیثوں میں ان کی ممانعت آئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہمیشہ تاکید کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت طلب کریں، اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا۔ بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف پہنچے تو پھر زہد (دنیا سے بے رغبتی) کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو اجر وثواب ملے گا وہ آخرت کی چیز ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور مصیبت نہ پہنچنا عافیت اور راحت ہے، اور وہ اس دنیا کی چیز ہے اور وہ چند روزہ ہے، پس مومن کو باقی رہنے والی چیز میں راغب ہونا چاہئے، فانی کی حرص نہیں کرنی چاہئے۔

حدیث ② : نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کے لئے ان تین باتوں کے علاوہ میں کوئی حق نہیں: (۱) ایسا گھر جس میں سکونت پذیر ہو۔ (۲) اور ایسا کپڑا جس سے ستر پوشی کرے (۳) اور روکھی (بے سالن) روٹی اور پانی۔

تشریح: یہ تین چیزیں انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں:

حدیث ③: حدیث میں چار ہدایتیں ہیں:

(۱) فضل یعنی زائد از حاجت مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا انسان کے لئے مفید ہے، اور اس کو روک رکھنا یعنی ضرورت کی جگہ میں بھی خرچ نہ کرنا مضر ہے۔

(۲) بقدر ضرورت روزی جمع رکھنے پر کوئی ملامت نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمع شدہ مال ہی میں زکوٰۃ فرض کی ہے۔

(۳) خرچ کرنے میں اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اہم مصارف میں پہلے خرچ کرے، پھر جو بچے وہ درجہ بدرجہ دوسری جگہوں میں خرچ کرے۔

(۴) اور خرچ کر کے بالکل خالی ہاتھ نہ ہو جائے ورنہ لوگوں کے سامنے پسارنا پڑے گا۔ جبکہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، پس انسان کو ہمیشہ دینے کی پوزیشن میں رہنا چاہیے، مانگنے کی حالت میں نہیں پہنچ جانا چاہئے۔

لغات: خماص: خالی پیٹ: خمیص کی جمع ہے، خمیص البطن: بھوکا۔۔۔ بطان: پیٹ بھرا، شکم سیر۔ غدا یغدو غدوا: صبح کو جانا۔ راح یروح رواحًا: شام کے وقت واپس آنا۔

حدیث ④: بخاری شریف کی حدیث میں ہے: ھل تنصرون و ترزقون الا بضعفائکم: نہیں مدد کئے جاتے تم اور نہیں روزی دیئے جاتے تم مگر تمہارے کمزوروں کی وجہ سے، اس حدیث میں بھی نبی ﷺ نے یہی بات فرمائی ہے کہ ممکن ہے تجھے تیرے خستہ حال بھائی کی برکت سے روزی مل رہی ہو، پس تجھے اس کی کفالت کرنی چاہئے، کیونکہ وہ دین کے کام میں لگا ہوا ہے، اور پڑھنے میں مشغول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْکَفَافِ وَالصَّبْرِ عَلَیْهِ

باب ۳۱: بقدر ضرورت روزی پر صبر کرنا

(۲۲۶۹) اِنَّ اَغْبَطَ اَوْلِیَائِیْ عِنْدِیْ لَمُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ ذُوْحَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوۃِ اَحْسَنَ عِبَادَۃَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهُ فِی السِّرِّ وَکَانَ غَامِضًا فِی النَّاسِ لَا یُشَارُ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ وَکَانَ رِزْقُهُ کَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰی ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَرَ بِیَدِهٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِیَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاکِیْهِ قَلَّ تُرَاثُه.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابل رشک وہ شخص ہے جس کے پاس مال کم ہو نماز میں اس کا حصہ زیادہ ہو وہ اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت کرتا ہو اور خفیہ طور پر بھی اس کی فرمانبرداری ہی کرتا ہو اس کا رزق اس کی ضروریات کے مطابق ہو اور وہ اس پر صبر سے کام لیتا ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک زمین پر مارتے ہوئے فرمایا اس کو موت جلدی آجائے اور اس پر رونے والے کم ہوں اس کے وارث کم ہوں۔

(۲۲۷۰) عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّةَ ذَهَبًا قُلْتُ لَا یَارَبِّ وَلٰکِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَّاَجُوْعُ یَوْمًا وَقَالَ ثَلَاثًا اَوْ نَحْوَ هٰذَا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْكَ وَذَکَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ شَکَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ.

ترجمہ: اسی سند کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی منقول ہے۔ میرے پروردگار نے میرے سامنے یہ پیش کش کی کہ مکہ کا میدانی علاقہ میرے لیے سونا بن جائے تو میں نے عرض کی نہیں اے میرے پروردگار بلکہ میں ایک دن پیٹ بھر کر رہوں اور ایک دن بھوکا رہوں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) تین دنوں کے بارے میں آپ نے ایسا کہا یا اسی کی مانند کوئی اور بات ارشاد فرمائی (پھر فرمایا) جب میں بھوکا ہوں تو تیری بارگاہ میں گریہ وزاری کروں اور تیرا ذکر کروں اور جب میں شکم سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد بیان کروں۔

(۲۲۷۱) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا وَّقَنَّعَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اسے ضروریات کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قناعت عطا کی۔

(۲۲۷۲) طُوْبٰى لِمَنْ هُدِيَ اِلَى الْاِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَّقَنَعَ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کے لیے بشارت ہے جسے اسلام کی طرف رہنمائی دی گئی اور اس کی زندگی اس کی ضروریات کے مطابق ہو اور وہ اس پر قناعت کرے۔

تشریح: یہ ایک جزوی فضیلت ہے: اس حدیث میں کفاف کے اعلیٰ فرد کا بیان ہے، اس سے اوپر کفاف کا کوئی درجہ نہیں۔ نبی ﷺ نے اس کو اپنے لئے پسند فرمایا ہے، اور یہی فقر اختیاری ہے، جو نہایت پسندیدہ حالت ہے۔

لغات: اغبط: اسم تفضیل: بہت زیادہ قابل رشک، غبط فلانا یغبطه (ض) غبطا: رشک کرنا، کسی کی خوشحالی دیکھ کر اس کے زوال کی تمنا کئے بغیر اپنے لئے اس حلت کی آرزو کرنا۔ الحاذ: پیٹھ، خفیف الحاذ: ہلکی پیٹھ یعنی جس کی پیٹھ اہل وعیال کی ذمہ داریوں سے بوجھل نہ ہو، کم مال اور چھوٹے کنبے والا۔ غامض: گمنام، غمض الشئی یغمض (ن) غموضًا: پوشیدہ ہونا، غیر واضح ہونا۔ لایشار الیه بالا صابع: غامضًا: کی تفسیر ہے۔ الکفاف: بقدر ضرورت روزی۔ نقر (ن) نقراً الشیی بالشیی: ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنا۔ نبی ﷺ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر اس طرح مارا جیسے ہاتھ جھاڑتے ہیں نقر کے معنی: چٹکی بجانا بھی ہیں، مگر یہاں یہ معنی نہیں، کیونکہ حدیث میں بیدیہ ہے اور چٹکی دو انگلیوں سے بجائی جاتی ہے دو ہاتھوں سے نہیں بجائی جاتی۔ عجل جلدی کرنا۔ منیة: موت، جمع: منایا۔ بواکی: رونے والیاں، باکیة کی جمع۔۔ تراث: میراث۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی فَضْلِ الْفَقْرِ

باب ۳۲: ناداری کی فضیلت

(۲۲۷۳) قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَاللهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاذَا تَقُوْلُ قَالَ وَاللهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاذَا تَقُوْلُ قَالَ وَاللهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِيْ فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا فَاِنَّ

اَلْفَقْرَ اَسْرَعُ اِلٰی مَنْ یُّحِبُّنِیْ مِنَ السَّیْلِ اِلٰی مُنْتَهَاهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مفضل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس بات کا جائزہ لو جو کہ تم کہہ رہے ہو اس نے عرض کی اللہ کی قسم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں یہ بات اس نے تین مرتبہ کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو غریب رہنے کے لیے تیار رہو کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے غربت اس کی طرف اس سے زیادہ تیزی سے آتی ہے جتنی تیزی سے سیلابی پانی اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔

تشریح: بحث فضل فقر و غنی؟

یہاں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ متعدد ابواب فضیلت فقر کے بارے میں قائم فرمارہے ہیں جن میں مختلف روایات ذکر فرما کر فقر کی فضیلت کو ثابت فرمارہے ہیں ان کے علاوہ کثیر روایات اور ہیں جن سے فقر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نیز آیات شریفہ بھی اس بارے میں کثیر نازل ہوئی ہیں بہرحال نصوص سے فقر کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے بالمقابل طاعم شاکر کی فضیلت بھی کثیر روایات میں وارد ہے ان نصوص کے اختلاف کی بناء پر اہل علم میں قدرے اختلاف ہے بعض نے غنا کو افضل کہا اور بعض نے فقر کو اور بعض نے فرمایا اختلاف اشخاص کے اعتبار سے فضیلت ہوگی بعض نے فرمایا کفاف کا درجہ افضل ہے بعض نے توقف فرمایا ہے۔

قول فیصل: اس سلسلہ میں حق بات یہ ہے کہ دنیا میں اصل مقصد یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اور اس کے ساتھ انس ہو اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب بندے کو اللہ کی معرفت سے مانع جس طرح مال ہوتا ہے اسی طرح فقر بھی مانع ہوتا ہے اصل مانع دنیا کی محبت ہے اس کا اجماع محبت الٰہی کے ساتھ ممکن نہیں جس کے دل میں جس چیز کی محبت ہوتی ہے وہ اس میں مشغول رہتا ہے خواہ اس کے فراق میں مبتلا ہو یا وصال میں پھر بعض لوگ فراق میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں اور بعض وصال میں یہ لوگوں کے رجحانات وحالات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ لہٰذا اگر فقر مانع معرفت ہے تو اس کو کس طرح فضیلت ہوگی غنی پر، اور غنی مانع ہے تو وہ یقیناً فقر سے افضل نہیں ہوسکتی لہٰذا فقیر حریص اور غنی حریص دونوں برابر ہیں، اس طرح فقیر قانع اور غنی شاکر بحیثیت تعلق مع اللہ دونوں برابر ہیں اسی وجہ سے بعض حضرات نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔

الحاصل: فقر وغنا کے باہم افضل ہونے نہ ہونے کا مدار تعلق مع اللہ پر ہے۔ البتہ اکثر وبیشتر غناء شواغل کا ذریعہ زیادہ بنتی ہے بہ نسبت فقر کے اس وجہ سے مجموعی اعتبار سے اگر فقر کو افضل قرار دیا جائے تو یہ زیادہ درست ہوگا۔

(فقال انظر ماتقول) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اے شخص ذرا سوچ کر دعویٰ کر کیونکہ تیری محبت دو حال سے خالی نہیں یا تو اضطراری ہے یا اختیاری۔ اگر اضطراری اور بلا کسی تیرے اختیار کے ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر لوازم محبت کا ترتب ضرور ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے اذا ثبت الشئی ثبت بلوازمہ اور لوازم محبت میں سے یہ ہے کہ ہماری طرح تجھ کو مسلسل فقر لاحق ہوگا تو اپنے نفس کو اس کے لئے تیار کرلے اور اگر تیرا یہ دعویٰ بتکلف ہے تو ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ محبت جو تیرے اختیار میں ہے ترقی کرتے کرتے غیر اختیاری ہوجائیگا تو پھر اس محبت پر وہی آثار مرتب ہوں گے شدائد ومصائب کا شکار ہوگا بالخصوص مسلسل فقر تیری طرف

دوڑے گا لہٰذا تو اپنے نفس کو تیار کر لے کہ فقر کو مسلسل برداشت کرے تو غور کر اور اس وجہ محبت کے لئے تکلف نہ کر گویا آپ کا یہ ارشاد اس شخص کو بطور ترحم ہے۔ فان الانبیاء اشد بلاء الامثل فالامثل۔

لغات: اعد: فعل امر، آمادہ کرنا، التجفاف: (بفتح التاء وکسرھا) پاکھر: آہنی پوشاک، جو لڑائی کے وقت ہاتھی گھوڑے وغیرہ کو پہناتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ

باب ۳۳: نادار مہاجرین: مالدار مہاجرین سے پہلے جنت میں جائیں گے

(۲۲۷۴) فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِخَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غریب مہاجرین خوشحال مہاجرین سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۲۲۷۵) اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِاَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا يَا عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا لَا تَرُدِّي الْمِسْكِيْنَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ يَا عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا اَحِبِّي الْمَسَاكِيْنَ وَقَرِّبِيْهِمْ فَاِنَّ اللّٰهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ اے اللہ مجھے (ظاہری طور پر) غریب حالت میں زندہ رکھ اور اسی حالت میں موت دینا اور مجھے قیامت کے دن غریبوں کے ساتھ زندہ کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت نے دریافت کیا وہ کس وجہ سے؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس لیے کہ یہ لوگ خوشحال لوگوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم کسی مسکین کو واپس نہ بھیجنا خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہو (تم وہ ہی اسے دے دینا) اے عائشہ رضی اللہ عنہا تم غریبوں سے محبت رکھنا انہیں اپنے قریب رکھنا اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن اپنے قریب رکھے گا۔

(۲۲۷۶) يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غریب مسلمان خوشحال مسلمانوں سے (قیامت کے) نصف دن جو پانچ سو سال کا ہوگا پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۲۲۷۸) يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِاَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غریب مسلمان جنت میں خوشحال مسلمانوں سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے۔

تشریح: ان مذکورہ روایات سے فقراء اور مساکین کی فضیلت اغنیاء کے مقابلہ میں معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب وہ دنیا

میں نعمتوں سے محروم رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا اغنیاء سے پہلے وہاں کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ ﴾ (الحاقۃ: ۲۴)

اعتراض: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے چالیس سال قبل داخل ہوں گے اور بعض سے پانچ سو سال قبل فکیف التطبیق اس کے علماء نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

جواب ①: اعداد مذکورہ فی الروایات سے تحدید مقصود نہیں ہے بلکہ تکثیر مقصود ہے یعنی یہ بیان کرنا ہے کہ اغنیاء سے کافی زمانہ پہلے فقراء جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

جواب ②: یا یہ اختلاف عدد مراتب اشخاص کے اعتبار سے ہے کہ بعض فقراء اپنے صبر و رضا اور شکر کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ہوں گے وہ پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے اور بعض کم درجہ کے ہوں گے وہ چالیس سال قبل۔ چنانچہ جامع الاصول میں ہے کہ فقیر حریص غنی سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوگا اور فقیر زاہد غنی راغب سے پانچ سو سال قبل جنت میں جائے گا۔

اعتراض: ان روایات سے فقر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے حالانکہ آپ ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے کما فی روایۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔

جواب: آپ ﷺ نے مطلق فقر سے پناہ نہیں مانگی بلکہ فقر ملہی سے پناہ مانگی ہے یعنی جو فقر اللہ کی یاد سے غافل کر دے اور کفر کا موجب ہو جائے یا ایسا فقر جو جزع وفزع پیدا کر دے اور جس سے الٰہی کی تقدیر سے عدم رضا معلوم ہو اور اللہ کی تقسیم پر اعتراض کا موجب ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعِيشَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَهْلِهِ

باب ۳۴: نبی ﷺ اور آپ کے گھر والوں کا گزارہ

(۲۲۷۹) دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَّقَالَتْ مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بَكَيْتُ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِي فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ الدُّنْيَا وَاللهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَّلَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ.

ترجمہ: مسروق بیان کرتے ہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا پھر انہوں نے فرمایا میں جب بھی سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں تو مجھے رونا آ جاتا ہے۔ مسروق بیان کرتے ہیں میں نے دریافت کیا وہ کس وجہ سے؟ انہوں نے جواب دیا مجھے وہ حالت یاد آ جاتی ہے جس حالت میں نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے اللہ کی قسم آپ ﷺ نے کبھی بھی ایک دن میں دو مرتبہ سیر ہو کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

(۲۲۸۰) مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ خُبْزِ شَعِيرٍ يَّوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی لگاتار دو دن تک جو کی بنی ہوئی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا۔

(۲۲۸۱) مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ ثَلَاثًا تِبَاعًا مِّنْ خُبْزِ الْبُرِّ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ نے کبھی بھی مسلسل تین دن تک گیہوں کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۲۲۸۲) مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ خُبْزُ الشَّعِيْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے لیے جو کی روٹی کبھی بھی ضرورت سے زیادہ نہیں ہوئی۔

(۲۲۸۳) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَّاَهْلُهٗ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَّكَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے کئی کئی راتوں تک مسلسل بھوکے رہتے تھے کیونکہ آپ کے گھر والوں کے پاس رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا ویسے بھی عام طور پر ان کی خوراک جو کی بنی ہوئی روٹی ہوتی تھی۔

(۲۲۸۴) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو ان کی خوراک جتنا رزق عطا کر۔

(۲۲۸۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز سنبھال کر نہیں رکھتے تھے۔

(۲۲۸۶) مَا اَكَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى خِوَانٍ وَّلَا اَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰى مَاتَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی میز پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی آپ نے کبھی نرم چپاتی کھائی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

(۲۲۸۷) اَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ اَكَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ النَّقِيَّ يَعْنِي الْحُوَّارٰى فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَاٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ النَّقِيَّ حَتّٰى لَقِيَ اللهَ فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ: مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ قِيْلَ فَكَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِيْرِ قَالَ كُنَّا نَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نُثَرِّيْهِ فَنَعْجِنُهٗ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے ان سے دریافت کیا گیا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میدے کی روٹی کھائی ہے تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے تک کبھی بھی چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھائی ان سے دریافت کیا گیا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں آپ کے پاس چھانی نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے جواب دیا ہمارے پاس چھانی نہیں ہوتی تھی ان سے دریافت کیا گیا پھر آپ جو کا کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس پر پھونک مارتے تھے جو چیز اڑنی ہوتی تھی وہ اڑ جاتی تھی پھر ہم اس میں پانی ڈال کر اسے گوندھ لیتے تھے۔

تشریح: حضور اکرم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کا حال:

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کو بیان کیا گیا ہے آپ ﷺ نے دو روز مسلسل جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور نہ ہی گوشت اور روٹی دن میں دو مرتبہ تناول فرمائے آپ کا یہ معمول تھا کہ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ نے خوشحالی کی زندگی پر فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دی تھی اور یہ درست ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس زندگی کے آخری حصے میں مال غنیمت سے خوب مال آیا لیکن حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ اس میں بھی آپ اپنی ذات کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے بلکہ اللہ کی رضا کے لیے اسے تقسیم کر دیتے اور ازواج مطہرات کو سال کا خرچہ عنایت فرما دیتے اور آپ ﷺ خود ہمیشہ کی طرح خالی ہاتھ ہی رہ جاتے البتہ آپ ﷺ کے دل کے غنا میں مزید اضافہ ہو جاتا لہٰذا احادیث میں جو لایدخر شیئا لغد فرمایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ذات کے لیے کچھ بھی جمع نہ فرماتے اس لیے اپنی عیال کے لیے بقدر کفایت سال کی روزی جمع کرنا اس کے منافی نہیں۔ نبی ﷺ کی ناداری تو اختیاری تھی جیسا کہ بار بار بیان کیا جا چکا ہے، اسی طرح ازواج مطہرات کی ناداری بھی اختیاری تھی، نبی ﷺ جب باغوں اور کھیتوں کی آمدنی ہوتی تھی تو ہر بیوی صاحبہ کو ان کا پورے سال کا نفقہ دے دیا کرتے تھے، مگر ازواج مطہرات اس کو مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیا کرتی تھیں، اور نادار ہو جاتی تھیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نو روایتیں ذکر کی ہیں۔

فائدہ: آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور متبعین کے لئے بھی، مگر اس حدیث میں آپ ﷺ کے گھر والے مراد ہیں، اور قوت سے مراد بس اتنی روزی ہے جس سے کام چلتا رہے، نہ تنگی ہو کہ فاقہ کی نوبت آئے اور دست سوال دراز کرنا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ آئندہ کے لئے بچ جائے، احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی اسی طرح گزرتی تھی۔

لغات: النقي: میدہ، جمع نقاء۔ الحواري: سفید کیا ہوا یعنی میدہ، حور الثوب او الدقیق: سفید کرنا۔ المنخل (بضم المیم) چھلنی، جمع مناخل نخل الشي (ن) نخلا: چھاننا، جیسے نخل الدقیق۔ ففي ثری الشيي: پانی چھڑکنا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی مَعِیْشَةِ اَصْحَابِ ﷺ

باب ۳۵: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزارہ

(۲۲۸۸) قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَهْرَاقَ دَمًا فِی سَبِيْلِ اللهِ وَاِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰی بِسَهْمٍ فِی سَبِيْلِ اللهِ وَلَقَدْ رَاَيْتُنِیْ اَغْزُوْ فِی الْعِصَابَةِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَا نَاْكُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةَ حَتّٰی اِنَّ اَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيْرُ وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ يُعَزِّرُوْنِیْ فِی الدِّيْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذَنْ وَضَلَّ عَمَلِیْ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں (دشمن کا) خون بہایا اور میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا مجھے اپنے بارے میں اچھی طرح یاد ہے نبی اکرم ﷺ کے

کچھ اصحاب کے ہمراہ میں ایک جنگ میں شریک ہوا ہم لوگ صرف درختوں کے پتے اور خار دار جھاڑیوں کے پھل کھا کر گزارا کیا کرتے تھے اور ہم میں سے ہر شخص اسی طرح پاخانہ کرتا تھا جیسے بکری یا اونٹ مینگنی کرتے ہیں اب اگر بنو اسد قبیلے سے تعلق رکھنے والے لوگ دین کے حوالے سے مجھ پر اعتراض کریں تو پھر میں تو رسوا ہو گیا اور میرا عمل ضائع ہو گیا۔

(۲۲۸۹) يَقُوْلُ اِنِّيْ اَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَقَدْ رَاَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا الْحُبْلَةَ وَهٰذَا السَّمُرَ حَتّٰى اِنَّ اَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ ثُمَّ اَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ يُعَزِّرُوْنِيْ فِي الدِّيْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَّضَلَّ عَمَلِيْ.

ترجمہ: قیس بیان کرتے ہیں میں نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے میں عربوں میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پھینکا تھا مجھے اپنے بارے میں یہ بات اچھی طرح یاد ہے ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنگ میں شریک ہوئے ہماری خوراک صرف درختوں کے پتے تھے اور خادار درختوں کے پھل تھے یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص اس طرح پاخانہ کرتا تھا جیسے بکری مینگنی کرتی ہے اب اگر بنو اسد دین کے حوالے سے مجھ پر اعتراض کریں تو پھر تو میں خسارے کا شکار ہو گیا اور میرا عمل ضائع ہو گیا۔

(۲۲۹۰) قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فِيْ اَحَدِهِمَا ثُمَّ قَالَ بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَاَخِرُّ فِيْمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مِنَ الْجُوْعِ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيْءُ الْجَائِيْ فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلٰى عُنُقِيْ يَرٰى اَنَّ بِيَ الْجُنُوْنَ وَمَا بِيْ جُنُوْنٌ وَّمَا هُوَ اِلَّا الْجُوْعُ.

ترجمہ: محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں ہم لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے انہوں نے سرخ رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے انہوں نے اس میں سے ایک کپڑے کے ذریعے ناک صاف کیا اور پھر بولے بہت اچھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت اچھے تم اس کپڑے سے ناک صاف کر رہے ہو ایک وہ زمانہ تھا جب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو کر گر گیا تھا اور گزرنے والے شخص یہ سوچ کر میری گردن پر پاؤں رکھنے لگے شاید مجھے جنون لاحق ہو گیا ہے حالانکہ بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت تھی۔

(۲۲۹۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا صَلّٰى بِالنَّاسِ يَخِرُّ رِجَالٌ مِّنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ مِنَ الْخَصَاصَةِ وَهُمْ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ حَتّٰى يَقُوْلَ الْاَعْرَابُ هٰؤُلَاءِ مَجَانِيْنُ اَوْ مَجَانُوْنَ فَاِذَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ لَاَحْبَبْتُمْ اَنْ تَزْدَادُوْا فَاقَةً وَّحَاجَةً قَالَ فَضَالَةُ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگ بھوک کی شدت کی وجہ سے گر جاتے تھے یہ اصحاب صفہ تھے یہاں تک کہ دیہاتی لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ شاید پاگل ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف رخ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں یہ پتہ چل جائے

کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری کیا حیثیت ہے تو تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تمہارے فاقے میں اور ضروریات میں مزید اضافہ ہو۔
حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ان دنوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

(۲۲۹۲) خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا اَحَدٌ فَاَتَاهُ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا اَبَابَكْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ اَلْقَى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَاَنْظُرُ فِي وَجْهِهِ وَالتَّسْلِيْمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ قَالَ الْجُوْعُ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقُوْا اِلٰى مَنْزِلِ اَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ الْاَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيْرَ النَّخْلِ وَالشَّاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ فَلَمْ يَجِدُوْهُ فَقَالُوْا لِاِمْرَأَتِهِ اَيْنَ صَاحِبُكِ فَقَالَتْ اِنْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ وَلَمْ يَلْبَثُوْا اَنْ جَاءَ اَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعَبُهَا فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ ﷺ وَيُفَدِّيْهِ بِاَبِيْهِ وَاُمِّهِ ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ اِلٰى حَدِيْقَتِهِ فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلٰى نَخْلَةٍ فَجَاءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنِّيْ اَرَدْتُ اَنْ تَخْتَارُوْا اَوْ قَالَ تَخَيَّرُوْا مِنْ رُطَبِهِ وَبُسْرِهِ فَاَكَلُوْا وَشَرِبُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هٰذَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مِنَ النَّعِيْمِ الَّذِيْ تُسْاَلُوْنَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ اَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا اَوْ جَدْيًا فَاَتَاهُمْ بِهَا فَاَكَلُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْيٌ فَاْتِنَا فَاُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَاَتَاهُ اَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِخْتَرْ مِنْهُمَا قَالَ يَانَبِيَّ اللهِ اخْتَرْ لِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هٰذَا فَاِنِّيْ رَأَيْتُهُ يُصَلِّيْ وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوْفًا فَانْطَلَقَ اَبُو الْهَيْثَمِ اِلٰى اِمْرَأَتِهِ فَاَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ اِمْرَأَتُهُ مَا اَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيْهِ النَّبِيُّ ﷺ اِلَّا اَنْ تُعْتِقَهُ قَالَ هُوَ عَتِيْقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلَا خَلِيْفَةً اِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَبِطَانَةٌ لَا تَاْلُوْهُ خَبَالًا وَمَنْ يُوْقَ بِطَانَةَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِيَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں گھر سے باہر تشریف لائے جس میں عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لاتے تھے اور ان اوقات میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بھی نہیں کرتا تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اے ابو بکر تم کس وجہ سے گھر سے باہر ہو انہوں نے عرض کی میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے اور ان کی زیارت کے لیے اور انہیں سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کچھ دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا عمر تم کس وجہ سے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ بھوک کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بھی بھوک محسوس ہو رہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں پھر یہ حضرات حضرت ابو ہیثم بن تیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے ان صاحب کے کھجوروں کے باغات تھے اور بکریاں بھی تھیں تاہم ان کا کوئی خادم نہیں تھا ان حضرات نے ان صاحب کو گھر نہیں پایا تو ان کی اہلیہ

سے دریافت کیا تمہارے میاں کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں تھوڑی دیر بعد حضرت ابوہیثم رضی اللہ عنہ آ گئے انہوں نے ایک مشکیزہ اٹھایا ہوا تھا انہوں نے اس مشکیزے کو رکھا اور آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گلے ملے اور اپنے ماں باپ کو ان پر فدا کرنے لگے پھر وہ ان حضرات کو لے کر اپنے باغ میں گئے ان کے لیے چٹائی بچھائی پھر وہ ایک کھجور کے درخت کی طرف بڑھے اور وہاں سے کھجور کا ایک خوشہ لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس میں سے چن کر تازہ کھجوریں کیوں نہیں لیں انہوں نے عرض کی میں اس وجہ سے تازہ اور نیم پختہ کھجوریں لایا ہوں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں وہ کھالیں ان حضرات نے کھجوریں کھائیں میٹھا پانی پیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یہ ان نعمتوں میں شامل ہے جن کے بارے میں قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے گا ٹھنڈا سایہ پاکیزہ کھجوریں ٹھنڈا پانی۔

راوی بیان کرتے ہیں پھر حضرت ہیثم چلے گئے تا کہ ان حضرات کے لیے کھانا تیار کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہمارے لیے دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا پھر حضرت ابوہیثم نے ان حضرات کے لیے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اسے تیار کر کے ان کے پاس لائے تو ان حضرات نے اسے کھالیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کیا تمہارے پاس کوئی خادم ہے انہوں نے عرض کی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہمارے پاس قیدی آئیں گے تو تم ہمارے پاس آنا پھر (کچھ عرصے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو قیدی پیش کئے گئے ان کے ساتھ کوئی تیسرا قیدی نہیں تھا تو حضرت ابوہیثم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کر لو انہوں نے عرض کی اے اللہ کے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے جسے چاہیں اختیار کر لیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے تم اسے لے لو کیونکہ میں نے اسے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے بارے میں بھلائی کی تلقین کو قبول کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں حضرت ابوہیثم رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے پاس گئے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بارے میں بتایا تو ان کی اہلیہ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں جو بات ارشاد فرمائی ہے آپ اس وقت تک اس پر حقیقی طور پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے جب تک اسے آزاد نہ کر دیں تو حضرت ابوہیثم نے فرمایا یہ آزاد ہے۔

(بعد میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس بھی نبی یا جس بھی شخص کو بھیجا اس کے ساتھ دو طرح کے رفقاء ہوتے ہیں ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور دوسرا اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے تو جس شخص کو برے رفیق سے بچا لیا گیا اسے (خرابی سے) بچا لیا گیا۔

(۲۲۹۳) شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْجُوْعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ حَجَرَيْنِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے (پیٹ پر موجود) پتھر سے کپڑا ہٹایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا ہٹایا تو وہ دو پتھروں پر تھا۔

(۲۲۹۴) قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ صلى الله عليه وسلم وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَاُ بِهٖ بَطْنَهٗ.

ترجمہ: سماک بن حرب بیان کرتے ہیں میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کیا اب تم لوگ جو چاہو وہ کھاپی نہیں سکتے؟ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کے لیے معمولی قسم کی کھجوریں اتنی بھی نہیں ہوتی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کو بھر لیں۔

تشریح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اسوۂ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی، ہر صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرتا تھا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں سات حدیثیں ذکر کی ہیں، جن سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو، جن کے والد کا نام مالک ہے اور جو بڑے درجہ کے صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، قبیلہ بنو اسد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایتیں کیں، اور یہ بھی کہا کہ وہ نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً ان کو کوفہ سے طلب کرلیا، اور ان کی جگہ دوسرا گورنر مقرر کیا، پھر دو شخص حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے کہ وہ ان کو لے کر کوفہ جائیں اور کوفہ کی ہر مسجد میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے لوگوں سے پوچھیں کہ ان کو کیا شکایت ہے؟ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی، صرف ایک شخص نے تین شکایتیں کیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ باتیں کہیں جو ان دو روایتوں میں ہیں کہ میں پہلے دن سے اسلام کا ساتھی ہوں، اور انتہائی تنگی کی حالت میں ہم نے دین کی خدمت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے، پھر بھی اگر میں نے دین نہیں سیکھا اور مجھے نماز پڑھنی نہیں آئی تو میں کسی کرت کا نہ رہا، اور میری ساری محنت رائگاں گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں پہلے سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا تھا، مگر جب شکایت آئی تو اس کی تحقیق کرنا میرا فرض تھا۔

فی ساعة لا یخرج فیها: یعنی گرمی کی ایک دوپہر میں فاقہ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہیں آئی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے، عرب میں دوپہر میں کوئی گھر سے نہیں نکلا کرتا، دھوپ لگ جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بھوک کی وجہ سے نکلے تھے، مگر انھوں نے اظہار نہیں کیا، وہ وضعدار تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کھرا پن تھا، اس لئے انھوں نے بے تکلف عرض کردیا۔

لغات: اهرق الماء: (باب انعال) پانی بہانا، اوپر سے ڈالنا، مجرد: هرق (ف) هرقًا کے بھی یہی معنی ہیں۔ رایتنی: میں دو ضمیریں ہیں۔ دیکھا میں نے مجھ کو جہاد کر رہا ہوں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ۔ الحبلة: لوبیے وغیرہ جیسی ترکاری۔ عزر فلاناً علی فرائض الدین و احکامه: دین کے فرائض واحکام سے واقف کرانا، اسی فعل کے معنی: مدد کرنے کے بھی ہیں: (تعزروہ وتوقروہ) یعنی تم ان کی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد کرو، اور ان کی تعظیم کرو (الفتح: ۹)۔ السمر: ببول کا درخت۔ مشق الثوب: کپڑے کو گیرو سے رنگنا، المشق: سرخ مٹی (گیرو)۔ الکتان: سن سن کا ریشہ جس سے کپڑا بنا جاتا ہے سن کا کپڑا۔ تمخط فلان: ناک صاف کرنا، بخ یا بخ بخ: واہ واہ، شاباش۔ استعذب فلان: میٹھا پانی طلب کرنا۔ القنو: کھجور کا خوشہ۔ تنقی الشیی: چھانٹنا. چننا۔ البطانة: ہم راز، حدیث میں بیوی مراد ہے، کوئی اچھی بیوی ہوتی ہے جو شوہر سے ہر اچھا کام کرواتی ہے اور کوئی بری ہوتی ہے جو شوہر کو ہر برائی میں پھنساتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ اَنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ

باب ۳۶: مالداری دل کی بے نیازی ہے

(۲۲۹۵) لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوشحالی ساز وسامان زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اصل خوشحالی دل کی خوش حالی ہے۔

تشریح: یہ متفق علیہ روایت ہے، روایت کا مطلب: یہ ہے کہ غنا جس کو اردو میں بے نیازی سے تعبیر کرنا ہوگا یہ قلب کی صفت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے دیئے ہوئے پر اکتفاء کرے اور اس کی تقسیم پر راضی ہو مزید کا متلاشی نہ ہو اور کسی سے سوال نہ کرے بلکہ اپنے نفس کو یقین دلا دے کہ ہمارے لئے جو اللہ نے عطا فرمایا ہے وہی مناسب ہے اور دوسرے کے پاس دنیا کی زیادتی کو دیکھ کر اس کا متمنی نہ ہو تو اصل غنا اسی کا نام ہے رہا اسباب کا کثیر ہونا یہ غنی نہیں کیونکہ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے جس کے پاس دنیا کے اسباب زیادہ ہیں وہ مزید کی تلاش میں رہتا ہے اور وہ قانع بھی نہیں ہوتا اور اس قدر پریشان رہتے ہیں کہ ان کو خواب آور گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔ اور غریب جن کا دل بے نیاز ہوتا ہے آرام سے سوتے ہیں، اور یہاں جاننے کی بات یہ ہے کہ اگر دونوں باتیں جمع ہو جائیں یعنی مال سامان بھی ہو اور دل بھی بے نیاز ہو تو کیا کہنے!

بَابُ مَاجَاءَ فِىْ اَخْذِ الْمَالِ بِحَقِّهٖ

باب ۳۷: برحق طور پر مال حاصل کرنا

(۲۲۹۶) اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ مَنْ اَصَابَهٗ بِحَقِّهٖ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيْمَا شَائَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَيْسَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا النَّارُ.

ترجمہ: حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں وہ بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے یہ مال سرسبز اور مزیدار ہے جو شخص اس مال کو اس کے حق کے ہمراہ حاصل کرے گا اس کے لیے اس میں برکت رکھی جائے گی کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مال سے اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن صرف آگ ہوگی۔

تشریح: روایت کا مطلب: حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا سرسبز وشاداب ہے نہایت لذیذ اور ظاہراً چمک دار اور پر رونق ہے کہ دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے اگر کسی کو یہ حاصل ہو جائے اور اس نے اس کے حقوق پورے پورے ادا کئے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتے ہیں اور اگر خواہشات نفسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دنیا کو حاصل کیا اور جس طرح چاہا تصرف کیا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

فائدہ: برحق طور پر مال حاصل کرنے سے مراد جائز ذرائع سے مال کمانا اور اشراف نفس کے بغیر ہدیہ لینا ہے۔ اور ناجائز ذرائع سے

مال کمانا یا لوگوں سے سوال کرنا یا اشراف کے ساتھ ہدیہ قبول کرنا ناحق طریقہ پر مال حاصل کرنا ہے۔

فیما شاءت به نفسه: یعنی اس مال میں من مانی کرنا، اور بے جا تصرف کرنا۔ جو لوگ قومی خزانوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں جیسے مدرسوں کے مہتمم، اداروں کے صدور اور حکومت کے سربراہ وہ قومی فنڈ میں بڑے غیر محتاط ہوتے ہیں، ان کے لئے قیامت کے دن دوزخ کے علاوہ کچھ نہیں۔

لغات: خضرة: سرسبز شاداب۔ اصابه: جو اس کو حاصل کرے متخوض یہ خوض سے ماخوذ ہے اور خوض کے معنی ہیں پانی میں چلنا اور اسے حرکت دینا اور مخوض کے معنی ہیں گھسنے والا یہاں اس سے متصرف مراد ہے یعنی مال میں تصرف کرنے والا۔

باب

مال کا پجاری ملعون ہے!

(۲۲۹۷) لُعِنَ عَبْدُ الدِّينَارِ لُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دینار کے بندے پر لعنت کی گئی ہے درہم کے بندے پر لعنت کی گئی ہے۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ عبد فرمایا نہ کہ جامع الدینار و مالک الدینار اس سے اشارہ فرمایا کہ دراہم و دنانیر کا جمع کرنا اور ان کا مالک ہونا مذموم نہیں بلکہ بقدر ضرورت ان کا حاصل کرنا ضروری ہے اور ان کو وقت ضرورت و ادائے حقوق کے لئے جمع کرنے میں بھی مضائقہ نہیں ہاں البتہ ان سے محبت کرنا اور ان کا حریص ہونا حرام ہے اور اللہ کی لعنت کا موجب ہے۔

مال و دولت کی بندگی یہ ہے کہ اس کی طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو جائے کہ اللہ کے احکام کی پابندی باقی نہ رہے، اور حلال و حرام کی تمیز اٹھ جائے، اور اس کے پیچھے ایسا لگ جائے کہ احکامات شرعیہ کو پس پشت ڈال دے۔ اور یہ حدیث بخاری شریف کتاب الرقاق وغیرہ میں ہے، اور اس میں اور بھی مضامین ہیں۔

باب

باب: مال و جاہ کی حرص تباہ کن ہے

(۲۲۹۸) مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں پر چھوڑ دیا جائے تو وہ انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا مال اور مرتبے کا لالچ آدمی کے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

تشریح: حب مال اور حب جاہ آدمی کے دین کو بے حد نقصان پہنچاتے ہیں، بکریوں کے ریوڑ میں گھسے ہوئے بھیڑیے بکریوں کو اتنا

نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا یہ دو چیزیں دین کو تباہ کرتی ہیں، مال کی محبت جب چھا جاتی ہے تو آدمی جائز نا جائز کا خیال نہیں رکھتا اسی طرح جاہ وشرف کی چاہت بھی آدمی کو تباہ کر دیتی ہے، پس ان دونوں سے دامن بچانا چاہئے۔

نحوی ترکیب: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مانافیہ مشابہ بلیس ہے ذئبان اس کا اسم اور موصوف ہے جائعان پہلی صفت اور ارسلافی غنم دوسری صفت ہے اور ب أمسد...... ما کی خبر ہے اس میں باء زائدہ ہے...... علی المال والشرف حرص سے متعلق ہے اور لدینہ افسد سے متعلق ہے اور اس میں لام برائے بیان ہے۔

باب

باب: مؤمن کو دنیا میں کس طرح رہنا چاہئے؟

(۲۲۹۹) نَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِيْ جَنْبِهٖ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً فَقَالَ مَالِيْ وَمَالِلدُّنْيَا مَا اَنَا فِي الدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ایک چٹائی پر سو گئے جب آپ ﷺ اٹھے تو اس کا نشان آپ ﷺ کے پہلو پر موجود تھا ہم نے عرض کی یا رسول اللہ اگر آپ ﷺ اپنے لیے کوئی بچھونا استعمال کر لیں (تو مناسب ہوگا) آپ ﷺ نے فرمایا میرا دنیا کے ساتھ کیا واسطہ؟ میں دنیا میں صرف ایک سوار کی طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے سائے میں آتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے اور اسے وہیں چھوڑ جاتا ہے۔

تشریح: کراکب الخ: وجہ تشبیہ سرعت رحیل وقلت مکث ہے۔ دراصل آپ ﷺ کی زندگی نہایت عسرت کے ساتھ گزری ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاس بستر بھی کوئی خاص نہ ہوتا تھا بلکہ کھجور کی چھال سے بھرا ہوا بچھونا ہوتا یا صرف چٹائی جس پر آپ ﷺ آرام فرماتے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے بدن پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر نرم بستر کی گزارش کی تو آپ ﷺ نے بے رغبتی کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ دنیا تو انسان کے لئے قرار گاہ نہیں بلکہ گزرگاہ کی طرح ہے اور گزرگاہ میں آدمی جب تھوڑی دیر ٹھہرتا ہے تو کوئی انتظام نہیں کرتا کیونکہ اس کو آگے جانا ہے۔

لغات: حصیر: چٹائی بوریا اثر: اس چٹائی نے نشان چھوڑ دیئے جنب پہلو وطاء (واؤ کے نیچے زیر) نرم بستر آرام دہ بچھونا استظل: سایہ تلاش کرنے لگے۔

باب

باب: صحبت اثر انداز ہوتی ہے

(۲۳۰۰) اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدمی اپنے دوست کے دین (یعنی اخلاقیات) پر ہوتا

ہے اس لیے ہر شخص کو یہ چاہیے کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ اس کا دوست کون ہے **تشریح:** اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ آدمی کو نیک اور پارسا دوست بنانا چاہیے اس لیے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا اثر ضرور لیتا ہے حریص آدمی سے دوستی ہوگی تو مزاج میں حرص ہی آئے گا اور زاہد و پرہیز گار انسان کے پاس بیٹھیں گے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی چنانچہ عربی زبان میں محاورہ ہے کہ جب کسی آدمی کے بارے میں تحقیق کرنی ہو کہ وہ کیسا ہے تو کہتے ہیں: لا تسئل عن المرء وسل عن قرينه کہ اس آدمی کے بارے میں لوگوں سے نہ پوچھو بلکہ یہ سوال کرو کہ اس کے دوست کیسے ہیں اگر دوست اچھے ہوئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی اچھا ہوگا اور دوست برے ہوئے تو وہ بھی بد ہی شمار ہوگا۔

باب

باب ۳۸: اعمال ہی آخر تک ساتھ دینے والے ہیں

(۲۳۰۱) يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں ان میں سے دو واپس آجاتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے اس کے اہل خانہ اس کا مال اور اس کا عمل ساتھ جاتے ہیں اہل خانہ اور مال واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل ساتھ رہ جاتا ہے۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتباع اہل سے مراد حقیقت ہے کہ وہ جنازہ کے پیچھے جاتے ہیں اور دفن کے بعد لوٹ کر آجاتے ہیں رہا اتباع مال اس سے مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد مال کا تعلق بطور تجہیز وتکفین وغیرہ میت سے رہتا ہے جب میت کو دفن کر دیتے ہیں تو اس کا تعلق بھی میت سے بالکل ختم ہو جاتا ہے تو یہ دونوں چیزیں گویا میت کو دفن کر کے واپس ہو جاتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَثْرَةِ الْاَكْلِ

باب ۳۹: پرخوری کی ناپسندیدگی

(۲۳۰۲) مَا مَلَا اٰدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ اُكُلَاتٌ يُّقِمْنَ صُلْبَهُ فَاِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَثُلُثٌ لِنَفْسِهٖ.

ترجمہ: حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے آدمی پیٹ سے زیادہ برے کسی برتن کو نہیں بھرتا آدم کے بیٹے کے لیے چند لقمے کافی ہوتے ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں اگر زیادہ ہی کھانا ہو تو (پیٹ کا) ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے ایک تہائی حصہ پانی کے لیے اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لیے رکھے۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کی اتنی مقدار تناول کرنا ضروری ہے جس سے انسان زندہ رہ سکے جس سے اس کی پشت کھڑی رہ سکے تاکہ وہ بقدر ضرورت رزق حلال کے حصول کے لیے کوشش کر سکے اور اللہ کی عبادت

بجالا سکے لیکن اگر کوئی شخص اس حد تک قناعت نہ کرے بلکہ اس سے زیادہ کھانا کھانا چاہے تو اسے بھی اعتدال کو نہیں چھوڑنا چاہیے چنانچہ پیٹ کے ایک حصے کو کھانے سے بھر لے اور ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس کے لیے خالی چھوڑ دے اس حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بہت نقصانات ہیں۔

شکم تمام شہوتوں کا سرچشمہ ہے:

اولاد آدم کے لئے سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن شہوت پیٹ کی شہوت ہے اسی کی وجہ سے آدم وحواء کو جنت سے نکالا گیا حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا پیٹ ہی تمام شہوتوں کا سرچشمہ اور تمام آفتوں کا منبع ومعدن ہے شہوت شکم سے شہوت کو تحریک ملتی ہے اور ان دونوں شہوتوں سے جاہ و مال کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کی زیادتی سے رعونت ایک دوسرے سے سبقت، حسد ومفاخرت و غرور جیسے عیوب پیدا ہوتے ہیں کینہ، عداوت وبغض کے جذبات کو تحریک ملتی ہے حتیٰ کہ آدمی نافرمانی بغاوت وتمرد پر کمر باندھتا ہے منکرات وخواہشات میں مبتلا ہوتا ہے یہ اس کو پر کرنے کے نتائج ہیں اسی وجہ سے آپ ﷺ نے معدہ کو خالی رکھنے اور کم کھانے کی بار بار ترغیب دی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتمیتوا القلب بکثرة الطعام والشراب فان القلب کالزرع یموت اذا کثر علیه الماء۔ نیز ارشاد فرمایا الفکر نصف العبادة وقلة الطعام هی العبادة.

بَابُ مَاجَاءَ فِی الرِّیَآءِ وَالسُّمْعَةِ

باب ۴۰: ریاء وسمعہ (نیک عمل دکھانے اور سنانے) کا بیان

(۲۳۰۳) مَنْ یُّرَائِیْ یُرَائِی اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ یُّسَمِّعْ یُسَمِّعِ اللّٰهُ بِهٖ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّا یَرْحَمِ النَّاسَ لَا یَرْحَمْهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص دکھاوے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دکھاوے کو ظاہر کر دے گا جو شخص شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی (مشہور ہونے کی خواہش) کو ظاہر کر دے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرے گا۔ حقیقت ریاء: رویت سے مشتق ہے اور سمعہ سماع سے ریا کے معنی اچھی عادتوں اور کاموں کا مظاہرہ کر کے لوگوں کے دلوں میں قدر ومنزلت کا طالب ہونا اگر اس کا تعلق بحاسہ بصر ہے تو ریاء اور اگر بحاسہ سماع ہے تو سمعہ ہوگا۔ پھر ریاء کاری کا ظہور بدن، ہیئت ولباس وقول وعمل اور دوست واحباب کے ذریعہ ہوتا ہے جس کی تفصیل امام غزالی نے احیاء العلوم میں بیان فرمائی ہے۔

ریاء نہایت مہلک بیماری ہے:

ریاء وسمعہ ایسے مہلکات وآفات میں سے ہے جو نہایت مخفی مکر ہے بڑے بڑے علماء بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ احادیث وقرآن میں اس کی مذمت نہایت بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ لھذا تمام اچھے اعمال کی روح اور جان اخلاص ہے، اچھے اعمال اگر

اس جذبہ سے خالی ہوں اور انکا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بلکہ نام ونمود یا کوئی اور ایسا ہی جذبہ ہو تو اللہ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قیمت نہیں، ان پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔

لغات: سمعة (سین پر پیش اور میم کے سکون کے ساتھ) شہرت۔ من یرائی: جو ریا کاری کرے گا یعنی خلافت حقیقت تقویٰ و پرہیز گاری کا اظہار کرے گا۔ من یسمع: جو اعمال سے شہرت طلب کرے گا۔ یسمع الله به: اللہ تعالیٰ اسے بری شہرت دیں گے۔ بحق وبحق: اس لفظ کا تکرار تاکید کے طور پر ہے اور باء زائدہ ہے۔ لما حدثتنی: یہاں پر لما الا کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں البتہ معنی ہیں صحیح اور حق بات نشغ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ خار اعلی وجھه: منہ کے بل گرتے ہوئے۔ فاسندته طویلا: میں نے کافی دیر انہیں سہارا دیئے رکھا۔ جاثیة: گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی امت۔ الم اوسع علیك: کیا میں نے تمہیں خوشحال اور مالدار نہیں بنایا۔ لم ادعك: میں نے تمہیں نہیں چھوڑا۔ تسعر: (صیغہ مجہول) جہنم کو دھکایا اور بھڑکایا جائے گا۔ سیاف: شمشیر زن جلاد۔ نوف: ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ لا یبخسون: کمی نہیں کی جائے گی۔

باب

باب: دکھاوا کرنے والے قراء (علماء) کا انجام

(۲۳۰۴) اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقَالُوْا اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتّٰى قَعَدْتُّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يُحَدِّثُ النَّاسَ فَلَمَّا سَكَتَ وَخَلَا قُلْتُ لَهٗ اَسْأَلُكَ بِحَقٍّ وَبِحَقٍّ لِمَا حَدَّثْتَنِيْ حَدِيْثًا سَمِعْتَهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَقَلْتَهٗ وَعَلِمْتَهٗ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَفْعَلُ لَاُحَدِّثَنَّكَ حَدِيْثًا حَدَّثَنِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَقَلْتُهٗ وَعَلِمْتُهٗ ثُمَّ نَشَغَ اَبُوْهُرَيْرَةَ نَشْغَةً فَمَكَثْنَا قَلِيْلًا ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَفْعَلُ لَاُحَدِّثَنَّكَ حَدِيْثًا حَدَّثَنِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا اَحَدٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُهٗ ثُمَّ نَشَغَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيْدَةً ثُمَّ اَفَاقَ وَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَقَالَ اَفْعَلُ لَاُحَدِّثَنَّكَ حَدِيْثًا حَدَّثَنِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا وَهُوَ فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا اَحَدٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُهٗ ثُمَّ نَشَغَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيْدَةً ثُمَّ مَالَ خَارًّا عَلٰى وَجْهِهٖ فَاَسْنَدْتُهٗ طَوِيْلًا ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ ثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَنْزِلُ اِلَى الْعِبَادِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ وَكُلُّ اُمَّةٍ جَاثِيَةٌ فَاَوَّلُ مَنْ يَّدْعُوْا بِهٖ رَجُلٌ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ وَرَجُلٌ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ كَثِيْرُ الْمَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْقَارِئِ اَلَمْ اُعَلِّمْكَ مَا اَنْزَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِيْ قَالَ بَلٰى يَارَبِّ قَالَ فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيْمَا عَلِمْتَ قَالَ كُنْتُ اَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ كَذَبْتَ وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ لَهٗ كَذَبْتَ وَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ بَلْ اَرَدْتَّ اَنْ يُّقَالَ فُلَانٌ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ذَاكَ وَيُؤْتٰى بِصَاحِبِ الْمَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ اَلَمْ اُوَسِّعْ عَلَيْكَ حَتّٰى لَمْ اَدَعْكَ اَلَمْ تَحْتَاجُ اِلٰى اَحَدٍ قَالَ بَلٰى يَارَبِّ قَالَ فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيْمَا اٰتَيْتُكَ قَالَ كُنْتُ اَصِلُ الرَّحِمَ وَاَتَصَدَّقُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ كَذَبْتَ وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ لَهٗ كَذَبْتَ وَيَقُوْلُ اللّٰهُ بَلْ اَرَدْتَّ اَنْ يُّقَالَ فُلَانٌ جَوَادٌ وَقَدْ قِيْلَ ذَاكَ وَيُؤْتٰى بِالَّذِيْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ

فِيْمَاذَا قُتِلْتَ فَيَقُوْلُ اُمِرْتَ بِالْجِهَادِ فِي سَبِيْلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتّٰى قُتِلْتُ فَيَقُوْلُ اللهُ لَهٗ كَذَبْتَ وَتَقُوْلُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ كَذَبْتَ وَ يَقُوْلُ اللهُ بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُّقَالَ فُلَانٌ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى رُكْبَتِيْ فَقَالَ يَآبَاهُرَيْرَةَ اُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ اَوَّلُ خَلْقِ اللهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ الْوَلِيْدُ اَبُوْعُثْمَانَ الْمَدَائِنِيُّ فَاَخْبَرَنِيْ عُقْبَةُ اَنَّ شُفَيًّا هُوَالَّذِيْ دَخَلَ عَلٰى مُعَاوِيَةَ فَاَخْبَرَهٗ بِهٰذَا قَالَ اَبُوْ عُثْمَانَ وَحَدَّثَنِي الْعَلَاءُ بْنُ اَبِيْ حَكِيْمٍ اَنَّهٗ كَانَ سَيَّافًا لِمُعَاوِيَةَ قَالَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ فَاَخْبَرَهٗ بِهٰذَا عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ قَدْ فُعِلَ بِهٰؤُلَاءِ هٰذَا فَكَيْفَ بِمَنْ بَقِيَ مِنَ النَّاسِ ثُمَّ بَكٰى مُعَاوِيَةُ بُكَاءً شَدِيْدًا حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ هَالِكٌ وَقُلْنَا قَدْجَاءَ نَاهٰذَا الرَّجُلُ بِشَرٍّ ثُمَّ اَفَاقَ مُعَاوِيَةُ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهٖ وَقَالَ صَدَقَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَانُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَاصَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

ترجمہ: حضرت شفی اصبحی بیان کرتے ہیں وہ مدینہ منورہ آئے تو وہاں ایک صاحب تھے جن کے پاس لوگ اکٹھے ہوتے تھے انہوں نے دریافت کیا یہ کون صاحب ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں شفی بیان کرتے ہیں میں ان کے قریب ہو گیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا وہ لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہا میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ایک سوال کرتا ہوں آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جسے آپ نے نبی اکرم ﷺ کی زبانی سنا ہو اسے سمجھا ہو اس کا علم حاصل کیا ہو تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایسا کرتا ہوں میں تمہیں ایسی حدیث سناؤں گا جو نبی اکرم ﷺ نے مجھے سنائی تھی میں نے اسے سمجھا اور اس کو جان لیا (یعنی محفوظ رکھا) پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد ان کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے فرمایا میں ایسا ہی کروں گا میں تمہارے سامنے ایسی حدیث بیان کروں گا جو نبی اکرم ﷺ نے میرے سامنے اس گھر میں بیان کی تھی اس وقت میرے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ گھر میں اور کوئی نہیں تھا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری جو زیادہ زوردار تھی اور بے ہوش ہو گئے پھر انہیں ہوش آیا تو انہوں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا میں ایسا ہی کروں گا میں تمہارے سامنے ایسی حدیث بیان کروں گا جو نبی اکرم ﷺ نے میرے سامنے بیان کی تھی اس وقت میں اور آپ ﷺ اس گھر میں موجود تھے میرے اور آپ ﷺ کے علاوہ ہمارے ساتھ اور کوئی شخص نہیں تھا پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے زوردار چیخ ماری اور منہ کے بل آگے کی طرف گرنے لگے تو میں نے انہیں سہارا دیا اور کافی دیر سہارا دیئے رکھا پھر ان کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے بتایا۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہ حدیث سنائی تھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے نزول کرے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے سب لوگ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے سب سے پہلے اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن پاک جمع کیا (یعنی اس کا علم حاصل کیا) اور اس شخص کو بلایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا گیا اور اس شخص کو بلایا جائے گا جس کے پاس مال بہت زیادہ تھا اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے عالم سے فرمائے گا کیا میں نے تمہیں اس چیز کا علم نہیں دیا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی وہ جواب دے گا جی ہاں اے میرے پروردگار اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے اپنے علم پر کیا عمل کیا؟ وہ جواب دے گا میں رات دن

اس کے ساتھ مصروف رہتا تھا (یعنی اس کی تلاوت کرتا تھا یا اس کی تعلیم دیتا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم نے غلط کہا ہے فرشتے بھی اس سے کہیں گے تم نے غلط کہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تمہارا مقصد یہ تھا یہ کہا جائے فلاں صاحب بڑے عالم ہیں تو وہ کہہ دیا گیا۔

پھر اس شخص کو لایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تمہیں کس وجہ سے قتل کیا گیا تو وہ جواب دے گا تو نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تو میں نے جنگ میں حصہ لیا یہاں تک کہ مجھے قتل کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم نے غلط کہا ہے فرشتے بھی اس سے کہیں گے تم نے غلط کہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارا مقصد یہ تھا یہ کہا جائے فلاں شخص کتنا بہادر ہے تو وہ کہہ دیا گیا

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ وہ تین لوگ ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ان کے ذریعے سب سے پہلے جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔

عقبہ نامی راوی بیان کرتے ہیں شفی نامی راوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اس حدیث کے بارے میں بتایا۔

ابوعثمان نامی راوی بیان کرتے ہیں علاء بن ابوحکیم نے یہ بات بیان کی ہے وہ صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جلاد تھے راوی بیان کرتے ہیں ان کے پاس ایک آدمی آیا اور انہیں اس حدیث کے بارے میں بتایا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اگر ان تینوں کے ساتھ یہ سلوک ہوگا تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے تو ہم نے کہا یہ شخص ہمارے پاس شر لے کر آیا ہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت سنبھلی تو انہوں نے اپنے چہرے کو پونچھا اور بولے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے)۔ جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش و زیبائش کا طلب گار ہوگا ہم دنیا میں اس کے اعمال کا پورا بدلہ اسے دیں گے اور اس بارے میں اس کے ساتھ جو زیادتی نہیں کی جائے گی یہی وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں حصہ صرف آگ ہوگی اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ ضائع ہو جائے گا اور جو کچھ انہوں نے اعمال کئے تھے وہ باطل ہوں گے۔

(۲۳۰۵) تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِيْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَنْ يَّدْخُلُهٗ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَائُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہ حب حزن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ جب الحزن کیا چیز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی روزانہ ایک سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے عرض کی گئی اے اللہ تعالیٰ کے رسول اس میں کون داخل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دکھاوے کے طور پر قرآن مجید پڑھنے والے لوگ۔

لغات: الجب : بڑا کنواں، گڑھا۔ الحزن (ح کا زبر اور ساکن) اسم ہے، جس کے معنی ہیں: رنج وغم، اور الحزن (بفتحتین) مصدر ہے جس کے معنی ہیں: رنجیدہ اور غمگین ہونا، حدیث میں دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ اور جہنم غم کے اس میدان سے سو مرتبہ اس لئے

پناہ مانگتی ہے کہ اس میدان کا عذاب بہت سخت ہے، خود جہنم بھی اس سے پریشان ہے، اس لئے پناہ مانگتی ہے۔

باب

باب ۴۱: عمل کھل جانے پر خوش ہونا ریاء نہیں

(۲۳۰۶) قَالَ رَجُلٌ يَّارَسُوْلَ اللهِ ﷺ الرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ فَيُسِرُّهُ فَإِذَا اطُّلِعَ عَلَيْهِ أَعْجَبَهُ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَهُ أَجْرَانِ أَجْرُ السِّرِّ وَأَجْرُ الْعَلَانِيَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص جب کوئی عمل کرتا ہے اور اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب وہ ظاہر ہو جائے تو اسے یہ بات اچھی لگتی ہے راوی بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ایسے شخص کو دوگنا اجر ملے گا ایک چھپانے کا اجر اور ایک اس کے ظاہر ہونے کا اجر۔

تشریح: اجر السر و اجر العلانية: جس طرح چھپ کر عمل کرنے میں اخلاص اور ریاء سے نجات ہے اسی طرح ظاہر کرنے میں بھی یہ فائدہ ہے کہ لوگ اتباع کریں گے اور ان میں خیر کی رغبت پیدا ہوگی کما قال تعالیٰ: ﴿إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ﴾ (البقرہ: ۲۷۱)

طاعات کے اظہار کا معیار:

پھر اظہار کی دو قسمیں ہیں: (۱) نفس عمل کو ظاہر کرنا۔ (۲) عمل کر کے بتلا دینا۔

نفس عمل کا اظہار: جیسے مجمع عام میں صدقہ دینا تا کہ لوگوں کو ترغیب ہو اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ صدقہ دیں اسی طرح روزہ، نماز، حج، جہاد وغیرہ اعمال ہیں لہٰذا اگر کسی کی نیت نفس عمل کے اظہار میں محض ترغیب ہو تو پھر اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ عمل کو ظاہر کرنے والے کی دو ذمہ داریاں ہیں اول ان لوگوں کے سامنے عمل کو ظاہر کرے جن کے بارے میں یقین ہو کہ وہ اس کی اقتداء کریں گے یا گمان غالب ہو۔ دوسری یہ ہے کہ اپنے دل کی نگرانی رکھے کہ دل کے کسی گوشہ میں ادنیٰ ریاء موجود نہ ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ عمل سے فارغ ہونے کے بعد بیان کر دے کہ میں نے فلاں عمل کیا ہے یہ بھی درست ہے۔

فائدہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بندے نے ایک عمل صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا، کوئی دوسرا جذبہ کار فرما نہیں تھا، مگر جب بارگاہ خداوندی میں قبول ہوا، تو وہ قبولیت زمین مین اتری اور لوگ اس کی تعریف کرنے لگے اور اس سے محبت کرنے لگے، پس یہ مؤمن کے لئے ایڈوانس خوشخبری ہے، یہ دکھانے اور سنانے کے لئے عمل کرنا نہیں ہے۔

اسی طرح باب کی حدیث اس صورت میں ہے جب خوش ہونا مغلوب ہو، صرف خوش ہونا عمل کا باعث نہ بن سکتا ہو، یعنی خواہ کوئی دیکھتا یا نہ دیکھتا وہ عمل ضرور کرتا، مگر اتفاقاً کسی نے دیکھ لیا تو اس کو اچھا لگا: یہ دکھانا سنانا نہیں، ریاء یہ ہے کہ کوئی دیکھے تو عمل کرے ورنہ نہ کرے۔

قول فیصل: جن اعمال کو خفیہ ادا کرنا ممکن نہ ہو مثلاً جہاد، حج، جمعہ وغیرہ ان میں سبقت کرنا اور دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے ظاہر

کرنا افضل ہے اور جو اعمال خفیہ ادا کئے جا سکتے ہیں جیسے نماز، صدقات وغیرہ ان میں اخفاء افضل ہے الا یہ کہ ترغیب مقصود ہو یا دفع عار وعیب وغیرہ ہو۔

نیز یہ بھی ممکن ہے یہاں اعجاب سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کوئی اچھی حالت پر دیکھے اتفاقاً یہ نماز پڑھ رہا تھا اس حالت میں کسی نے دیکھا اب اس نمازی کی طبیعت خوش ہوگئی کہ خدا کا شکر ہے مجھے اس نے اچھی حالت میں دیکھا تو یہ اعجاب مذموم نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من سرته حسنته سیئته فهو مؤمن یعنی یہ تو علامت ایمان ہے نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ (یونس:۵۸) جس سے معلوم ہوا کہ عبادات پر فرحت کا ہونا یہ اعجاب مذموم میں داخل نہیں ہے بلکہ اچھی خصلت ہے اور محمود ہے۔

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لتاتموا بی ولتعلموا صلوتی۔ طبرانی فرماتے ہیں ابن عمر وابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے اعمال کی اقتداء کریں۔ الحاصل جہاں اعمال وطاعات میں اخفاء افضل ہے بعض مرتبہ اظہار بھی بہتر ہے۔

وقد فسر بعض اهل العلم ...الخ: امام ترمذی نے روایت کا ایک محمل اور نقل کیا ہے کہ بعض اہل علم نے یہ فرمایا کہ طاعات پر اطلاع اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی تعریف کرنے کو اپنے حق میں گواہی سمجھتا ہو تو اس کے حق میں یہ بہتر ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: انتم شهداء الله فی الارض...الخ۔ ہاں البتہ اگر اس اطلاع واعجاب کو وہ اپنے مقتداء بننے کا ذریعہ بنائے تو مذموم ہے اور ریاء کاری میں داخل ہے۔

بَابُ اَنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

باب ۴۲: محبت آخرت میں معیت کا ذریعہ ہے

(۲۳۰۷) جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَتٰى قِيَامُ السَّاعَةِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا كَبِيْرَ صَلَاةٍ وَّلَا صَوْمٍ اِلَّا اِنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَاَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَمَا رَاَيْتُ فَرِحَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهٰذَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے جب آپ نے نماز مکمل کی تو آپ نے دریافت کیا قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کی میں ہوں یارسول اللہ ﷺ آپ نے دریافت کیا تم نے اس کے لیے تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نے اس کے لیے کوئی زیادہ نمازیں اور روزے تیار نہیں کئے لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھے گا اور تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اسلام قبول کرنے کی خوشی کے بعد میں نے مسلمانوں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو سب سے زیادہ اس بات پر خوش ہوتے دیکھا۔

(۲۳۰۸) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَلَهٗ مَا اكْتَسَبَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا اور اسے وہی اجر ملے گا جو اس نے عمل کیا ہوگا۔

(۲۳۰۹) جَآءَ اَعْرَابِیٌّ جَهْوَرِیُّ الصَّوْتِ قَالَ یَا مُحَمَّدُ الرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا یَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ.

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دیہاتی شخص آیا جس کی آواز بلند تھی اس نے دریافت کیا اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آدمی کسی قوم سے محبت رکھتا ہے حالانکہ وہ خود ان کا حصہ نہیں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہو۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں: اعتراض: منازل اہل جنت تو متفاوت ہوں گی پھر معیت کس طرح حاصل ہوگی؟

جواب: معیت کا حصول کسی کے ساتھ کدی امر میں مجتمع ہونے سے متحقق ہو جاتا ہے لہٰذا دخول جنت میں معیت ہوگی اگرچہ درجات مختلف ہوں گے۔

فرح المسلمون بعد الاسلام الخ: یعنی اہل اسلام کو اسلام لانے کے بعد اتنی خوشی کسی اور شئی سے نہ حاصل ہوئی جس قدر آپ کے اس فرمان سے ہوئی۔ یا اسلام کی توفیق کی خوشی کے بعد کسی اور چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ محبت پر معیت مرتب فرمائی گئی اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ محبت تھی تو ان کا حشر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہوسکتی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں قال انك مع من احببت فقلنا ونحن كذالك قال نعم ففر حنا فرحا شديدا صراحة واقع ہے۔

ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محب اور محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، بلکہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے درجہ میں اور اپنے اپنے حال میں ہوگا، مگر ان کو ملاقات کا موقع ملے گا، درجات جنت کا تفاضل ملاقات سے مانع نہیں ہوگا۔ جیسے خادم کا اپنے مخدوم کے ساتھ اور تابع کا اپنے متبوع کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے، اور یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔ اور یہ حدیث سورۃ النساء کی آیت (۶۹، ۷۰) کے انداز پر ہے۔

——✻——

بَابُ فِی حُسْنِ الظَّنِّ بِاللّٰهِ تَعَالٰی

باب ۴۳: اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنا

(۲۳۱۰) اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا دَعَانِیْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بارے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔

تشریح: انا عند ظن عبدی بی: اس جملہ کے متعدد مطالب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) بندہ میرے بارے میں جو گمان کرتا ہے خواہ خیر کا یا شر کا میں اس کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں گویا روایت میں اس بات کی ترغیب ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ مجھ سے امید غالب رکھے بہ نسبت خوف کے نیز اللہ سے حسن ظن رکھے چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ۔

(۲) ممکن ہے ظن سے یہاں مراد یقین ہو اور مطلب یہ ہے کہ بندے کو جو یقین میرے بارے میں ہوتا ہے میں اس کے یقین کے مطابق رہتا ہوں مثلاً اس کا گمان ہے کہ مرنے کو بعد وہ میرے پاس حاضر ہوگا اور جو کچھ میں نے اس کے مقدر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے جس کو وہ دینے والا ہے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس سے وہ روکنے والا ہے کوئی دینے والا نہیں ہے قالہ الطیبی۔

(۳) قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ دعا مانگتے ہوئے جیسا میرے بارے میں قبولیت کا یقین ہوگا میں اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کروں گا اگر نہایت جزم و یقین قبولیت کے ساتھ دعا مانگے گا اس کی دعا ضرور قبول کروں گا چنانچہ دوسری روایت میں ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ واقع ہے لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ دعا مانگتے ہوئے قبولیت کا یقین رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور ان اللہ لا یخلف المیعاد۔

(۴) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ظن سے یقین مراد ہے معنی یہ ہیں کہ بندے کا میرے بارے میں جو یقین ہوگا میں اس کے یقین کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ دعا کرتے وقت بندے کا میرے بارے میں جیسا گمان ہوگا میں اس طرح کرتا ہوں اگر اس یقین کے ساتھ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ میری اس دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے عبادات پر اجر و ثواب عنایت فرمائیں گے تو میں اس کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہوں بشرطیکہ اس کا کھانا پینا رزق حلال سے ہو۔

خلاصہ کلام: ایمان: خوف و رجاء کی مرکب کیفیت کا نام ہے، مگر غالب رجاء رہنی چاہئے۔ زندگی میں بھی اور موت کے وقت بھی، اگر بندے کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی معمولی کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں گے تو ایسا ہی ہوگا، اور اگر وہ گمان کرتا ہے کہ اس کی خردہ گیری کی جائے گی یعنی اس کی معمولی باتوں پر بھی پکڑ ہوگی تو ایسا ہی ہوگا، پھر وہ زندگی میں بھی پریشان رہے گا اور موت

کے وقت بھی رحمت سے مایوس ہوگا، اس لئے بندے کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا چاہیے۔

واقعہ: حجاج بن یوسف ثقفی جو بڑا ظالم حاکم گزرا ہے، جب مرض موت میں مبتلا ہوا تو اس کو سخت تکلیف سے سابقہ پڑا۔ اس کی ماں نے اس سے کہا تو نے کرتوت ہی ایسے کئے ہیں کہ تجھے سخت تکلیف ہو، ماں کی یہ بات سن کر وہ سنبھل گیا، اس نے ماں سے پوچھا: امی! بتا اگر آخرت میں میرا فیصلہ تجھے سونپ دیا جائے تو تو میرے لئے کیا فیصلہ کرے گی؟ جنت کا یا جہنم کا؟ ماں نے جواب دیا: بیٹا! میں تو جنت کا فیصلہ کروں گی، اس پر حجاج نے کہا: پس امی سن! میرا خدا مجھ پر تجھ سے زیادہ مہربان ہے! کہتے ہیں: جب اس کی یہ بات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو انھوں نے لوگوں کو منع کیا کہ حجاج کو برامت کہو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی اس بات پر اس کی بخشش فرمادیں۔

فائدہ: قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ گناہوں پر اصرار کے ساتھ مغفرت کا امیدوار رہنا محض نادانی اور دھوکا خوردگی ہے، یہ تو مرجئہ کا مذہب ہے (کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں)۔ (فتح الباری ۱۳: ۳۸۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْبِرِّ وَالْاِثْمِ

باب ۴۴: نیکی اور گناہ کا بیان

(۲۳۱۱) اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے من میں کھٹکے اور تمہیں یہ بات ناپسند ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔

تشریح: البر: مختلف استعمالات میں مختلف معانی میں آتا ہے، مگر اس کے عام معنی نیکی کے ہیں، خواہ کوئی سی نیکی ہو۔ پس یہ ایک جامع لفظ ہے اور تمام عقائد حقہ و اعمال صالحہ کے مجموعہ پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

فائدہ: مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل حسنات کی طرف مائل ہوتا ہے اور کم از کم دوسروں کو نیکیاں کرتے دیکھ کر وہ خوش ہوتا ہے اور دل سے ان کو اچھا سمجھتا ہے اور برائیوں کو ناپسند کرتا ہے اور اس کے دل میں برائی کا ارتکاب کرنے کے باوجود اس کی قباحت دل میں رہتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْحُبِّ فِی اللّٰهِ

باب ۴۵: اللہ کے لئے محبت کرنے کا بیان

(۲۳۱۲) قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَّغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری

ذات کی خاطر آپس میں محبت رکھنے والوں کے لیے (قیامت کے دن) نور کے منبر ہوں گے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔

(۲۳۱۳) سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللهِ وَرَجُلٌ كَانَ قَلْبُهُ مُعَلَّقًا بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ فَاجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا شاید حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات منقول ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا خاص سایہ نصیب کرے گا اس دن جب اس کے سایہ رحمت کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا عادل حکمران وہ نوجوان جس کی نشوونما اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے ہوئی ہو وہ شخص جس کا دل ہمیشہ مسجد میں لگا رہتا ہو جب وہ وہاں سے نکلے یہاں تک کہ دوبارہ اس میں چلا جائے دو ایسے افراد جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں اس کی وجہ سے ملتے ہوں اور جدا ہوتے ہوں ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور ایک وہ شخص جسے کوئی صاحب حیثیت اور خوبصورت عورت گناہ کی دعوت دے تو وہ یہ جواب دے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور ایک وہ شخص جو کوئی صدقہ کرے تو اسے اتنا خفیہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو یہ پتہ نہ چل سکے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

تشریح: وہ خوش نصیب بندے جن کو قیامت کے دن اللہ کا سایہ نصیب ہوگا وہ سات میں منحصر نہیں، اس حدیث میں سات کا ذکر بطور مثال ہے، دیگر روایات میں ان کے علاوہ بندوں کا بھی ذکر آیا ہے، یہ بندے بڑے خوش نصیب ہیں۔ میدان محشر میں جب سب لوگ انتہائی پریشان ہونگے: یہ بندے اللہ کے سایہ میں آرام سے ہونگے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے احادیث کا تتبع کیا اور ان مذکورہ افراد کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد کا ذکر روایات میں ہے ان سب روایات کو ایک رسالہ میں جمع فرمایا جس کا نام معرفۃ الخصال الموصلہ الی الظلال ہے۔

فائدہ: انسان مدنی الطبع ہے، باہمی تعلقات اس کی ناگزیر ضرورت ہے، اور تعلقات کا اعلیٰ معیار محبت ہے لوگوں میں انس و محبت ہو گی تو وہ ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے، اس کے بغیر نہ خود دوسروں سے مانوس ہو سکتے ہیں اور نہ دوسرے اس سے مانوس ہونگے، پھر محبت کی مختلف وجوہ ہیں، اور بہتر محبت وہ ہے جو بے غرض ہو، اس لئے ضروری ہے کہ مومن کی مومن سے محبت اللہ کے لئے ہو اور اس کے احکام کے ماتحت ہو، یعنی دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا لوجہ اللہ ہو کوئی اور دنیوی غرض اس میں شامل نہ ہو۔

اعتراض: انبیاء وشہداء کے غبطہ کا کیا مطلب کیا ہے ان حضرات کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوگا اگر نہیں تو لازم آئے گا کہ متحابین فی اللہ کا درجہ ان حضرات سے بڑھ گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

جواب: یہاں مراد مسرت ہے اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء وشہداء متحابین فی اللہ کے اس درجہ کو دیکھ کر خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اس مرتبہ سے نوازا ہے جو خود انبیاء وشہداء کو حاصل ہے۔

جواب: اگرچہ انبیاء وشہداء کو اس درجہ سے بڑھ کر درجات حاصل ہوں گے مگر متحابین فی اللہ کے اس درجہ کو دیکھ کر وہ تمنا کریں گے

کاش یہ مرتبہ بھی ان کو حاصل ہو جائے تو کیا ہی بہت ہے جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے درجات والے کسی دوسرے درجہ کو جس کی نوعیت الگ ہے دیکھ کر خواہش کیا کرتے ہیں کہ بڑے درجات کے ساتھ کاش یہ چھوٹا درجہ جو دوسری نوع کا ہے وہ بھی ان کو حاصل ہو جائے۔

جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے مقصد مدح ہے یعنی انبیاء علیہم السلام وشہداء متحابین فی اللہ کے اس درجہ کو دیکھ کر ان کی اس فعل پر تعریف کریں گے۔ قالہ القاری

بَابُ مَا جَاءَ فِی إِعْلَامِ الْحُبِّ

باب ۴۶: محبت کی اطلاع دینا

(۲۳۱۴) إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ إِيَّاهُ.

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو وہ اسے اس بارے میں بتا دے۔

(۲۳۱۵) إِذَا آخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْأَلْهُ عَنِ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَإِنَّهُ أَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ.

ترجمہ: حضرت یزید بن نعامہ ضبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ساتھ بھائی چارگی قائم کرے تو اس سے اس کا نام اور اس کے والد کا نام اور اس کے قبیلے (یا علاقے) کا نام دریافت کر لے کیونکہ اس طرح محبت زیادہ ہوتی ہے۔

تشریح: قلبی محبت تخم کی مثال ہے، اس کی آبیاری کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی طرف سے بے التفاتی برتی جائے تو بیج رائیگاں جاتا ہے۔ اور کبھی پودا نکلنے کے بعد بھی خشک ہو جاتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں ایک ہدایت یہ آئی ہے کہ اگر کسی کو کسی سے محبت ہے تو وہ اس کو آگاہ کر دے کہ مجھے آپ سے محبت ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ محبوب کی طرف سے دلداری ہوگی، اور بے التفاتی نہیں پائی جائے گی، یہی دو چیزیں نفیاً اثباتاً محبت کی آبیاری کرتی ہیں

بَابُ كَرَاهِيَةِ الْمِدْحَةِ وَالْمَدَّاحِينَ

باب ۴۷: تعریف کی اور تعریف کرنے والوں کی ناپسندیدگی

(۲۳۱۶) قَالَ رَجُلٌ فَأَثْنَى عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ يَحْثُو فِي وَجْهِهِ التُّرَابَ وَقَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ نَحْثُوَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ.

ترجمہ: ابو معمر بیان کرتے ہیں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے ایک امیر کی تعریف کرنا شروع کی تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس

کے چہرے پر مٹی پھینکنا شروع کی اور فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی پھینکیں۔

(۲۳۱۷) اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ نَّحْثُوَ فِيْ اَفْوَاهِ الْمَدَّاحِيْنَ التُّرَابَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈالیں۔

تشریح: المدحة: مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: ستائش، تعریف، وہ وصف جو خوبی کے طور پر بیان کیا جائے۔

تعریف کی تین قسمیں ہوتی ہیں: (۱) کسی کے منہ پر تعریف کی جائے یہ ممنوع ہے۔

(۲) کسی کی غائبانہ تعریف کی جائے لیکن خواہش یہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہنچ جائے یہ بھی ممنوع ہے۔

(۳) کسی کی غیر موجودگی میں تعریف کی جائے اور اس کی بالکل پرواہ نہ ہو کہ اس تک یہ تعریف پہنچے گی یا نہیں اور وہ بندہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ اس قابل بھی ہے تو اس تعریف کی شرعاً اجازت ہے اور اس انداز سے تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قول فیصل: کسی کے منہ پر تھوڑی عتریف کرنے کی گنجائش ہے، البتہ تعریف میں مبالغہ آرائی کرنا جس سے ممدوح خود فریبی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے دوسرے کی منہ پر تعریف کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: قتلت اخاك تونے اپنے بھائی کو ذبح کر دیا، یعنی اس کو خود فریبی میں مبتلا کر دیا، حثو تراب سے کیا مراد ہے: یا تو یہ حقیقت پر محمول ہے۔ (۲) یا اس سے مراد مال کا دینا ہے کہ مال حقیر شئی ہے مٹی جیسی چیز ہے لہٰذا ایسے مداحین کو کچھ مال دے دیا جائے تا کہ وہ آئندہ ہجو نہ کریں اور زبان بند رکھیں۔ (۳) یا مراد عطائے قلیل ہے۔ (۴) یا یہ کنایہ ہے عدم اعطاء سے اور مراد ان کو محروم کرنا ہے یعنی ایسے تعریف کرنے والوں کو کچھ نہ دیا جائے تا کہ آئندہ وہ اس سے باز رہیں۔ اور اگر واقعی تعریف کی یعنی کسی قول حسن یا فعل حسن پر کسی نے تعریف کی تا کہ دوسروں کو ترغیب ہو تو پھر اس کا اکرام کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صُحْبَةِ الْمُؤْمِنِ

باب ۴۸: نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا

(۲۳۱۸) لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَّلَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے تم صرف مؤمن کے ساتھ رہا کرو اور تمہارا کھانا صرف پرہیز گار آدمی کھائے۔

تشریح: صحبت رنگ لاتی ہے، جو عطر فروش کے پاس بیٹھتا ہے خوشبو سونگھتا ہے اور جو لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھتا ہے: کپڑے جلاتا ہے، اور دھواں سونگھتا ہے، اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ ایمان دار دیندار لوگوں کی صحبت اختیار کرے، تا کہ دینی جذبہ بڑھے، اور بداطوار لوگوں سے نہ ملے تا کہ ان کے ضرر سے محفوظ رہے۔

مؤمن سے دوستی کا حکم:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مومنین کو دو چیزوں کا حکم دیا ہے:

(۱) مؤمن کے ساتھ رہو اس سے تعلق اور دوستی لگاؤ اس سے درحقیقت کافر اور منافقین کی صحبت اختیار کرنے سے منع کرنا مقصود ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ زیادہ تعلق سے دینی زندگی کو نقصان پہنچتا ہے البتہ بقدرِ ضرورت ان سے رابطہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

(۲) اپنی دعوت میں صرف پرہیزگار لوگوں کو ہی بلایا کریں یہ کھانا ان کے لیے عبادات میں طاقت کا باعث ہوگا جس سے تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

ہاں وہ کھانا جو حاجت اور اضطراری حالت میں کھلایا جاتا ہے وہ کافر اور منافقین کو بھی کھلا سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:
﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا﴾ (الدھر:۸) یہ قیدی کافر تھے مسلمان نہیں تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ۷۔۶۵)

بَابُ فِي الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ

باب ۴۹: آفتوں پر صبر کرنا

(۲۳۱۹) اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهٖ حَتّٰى يُوَافِيَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرلیتا ہے تو اسے دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے اور جب کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دے گا۔

(۲۳۲۰) اِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَاِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ.

ترجمہ: اسی سند کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے عظیم آزمائش کے نتیجے میں عظیم جزاء ملتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کچھ لوگوں کو پسند کرتا ہے تو انہیں آزمائش میں مبتلا کردیتا ہے تو جو شخص اس سے راضی رہتا ہے اسے رضا نصیب ہوتی ہے اور جو اس پر ناراض ہوتا ہے تو اسے ناراضگی نصیب ہوتی ہے۔

(۲۳۲۱) مَا رَاَيْتُ الْوَجَعَ عَلٰى اَحَدٍ اَشَدَّ مِنْهُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے کسی بھی شخص کو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ شدید تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔

(۲۳۲۲) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِي دِيْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ وَاِنْ كَانَ فِي دِيْنِهٖ رِقَّةٌ اُبْتُلِيَ عَلٰى قَدْرِ دِيْنِهٖ فَمَا يَبْرَحُ

الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰی یَتْرُکَهٗ یَمْشِیْ عَلَی الْاَرْضِ وَمَا عَلَیْهِ خَطِیْئَةٌ.

ترجمہ: مصعب بن سعد اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کون سب سے زیادہ شدید آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا انبیاء پھر اس کے بعد جو لوگ درجہ بدرجہ ان کے قریب ہوں آدمی کو اپنے دین کے حساب سے آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے اگر اس کے دین میں پختگی ہوگی تو اس کو سخت آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا اور اگر اس کا دین کمزور ہوگا تو اسے اپنے دین کے حساب سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا آدمی مسلسل آزمائش میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ آزمائش اسے اس حالت میں چھوڑتی ہے جب وہ روئے زمین پر چلتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا (یعنی وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے)۔

(۲۳۲۳) مَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَوَلَدِهٖ وَمَالِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ وَمَا عَلَیْهِ خَطِیْئَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مومن مرد اور مومن عورت آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں جو ان کی جان ان کی اولاد یا مال کے بارے میں ہوتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا (ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں)۔

تشریح: صبر و ہمت سے قلعہ فتح ہوتا ہے اور جوانمردی سے منزل سر کی جاتی ہے، پس آدمی کو ہر مصیبت میں صبر و ہمت سے کام لینا چاہئے، اور کیسے بھی حالات پیش آئیں گھبرانا نہیں چاہئے، انشاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

مصائب پر صبر کیا جائے؟

باب کی احادیث سے یہ اُمور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی آزمائش اور مصیبت آجائے جزع فزع اور زبان پر گلے شکوے کے کلمات نہ لائے جائیں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص جس قدر متبع سنت پرہیزگار ہوگا اس پر اسی حساب سے آزمائشیں بھی زیادہ آسکتی ہیں کبھی اس کے نفس کے بارے میں آزمائش ہوگی کبھی اس کی اولاد کے بارے میں اور اس کے مال و دولت اور کاروبار کے بارے میں ایسے میں صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

(۳) ابتلاء و آزمائش اور مصائب سے گناہ معاف ہوتے ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ سے مشکل حالات اور مصیبتوں کا سوال نہ کیا جائے، غیر اختیاری طور پر اگر حالات سازگار نہ ہوں تو ان پر صبر کیا جائے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام پر سب سے سخت آزمائشیں آتی ہیں، کیونکہ اگر ان پر آزمائشیں نہ آتیں تو لوگ انہیں خدا سمجھنا شروع کر دیتے نیز اس سے امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ اگر کوئی آفت و مصیبت تم پر آجائے تو جزع فزع کرنے کے بجائے اس پر صبر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی جائے تاکہ آزمائش سے خلاصی حاصل ہو جائے۔

لغات: البلاء: آزمائش امتحان مصیبت۔ عجل: پیشگی یعنی دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ امسك: روک لیتے ہیں یوافی: پورا پورا دیں گے۔ سخط (سین اور خا پر زبر کے ساتھ) ناراضگی غضب الٰہی دردناک عذاب۔ وجع: درد یہاں اس سے مرض مراد ہے۔

الامثل: جوانبیاء کے زیادہ قریب ہوگا نیکی اور تقویٰ کے اعتبار سے۔ صلبا: مضبوط سخت۔ رقة: (را کے نیچے زیر اور قاف پر زبر اور تشدید کے ساتھ نرمی کمزوری۔

بَابُ مَا جَاءَ فِى ذِهَابِ الْبَصَرِ

باب ۵۰: نابینا ہو جانے پر ثواب

(۲۳۲۴) اِنَّ اللهَ يَقُوْلُ اِذَا اَخَذْتُ كَرِيْمَتَيْ عَبْدِيْ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ جَزَاءٌ عِنْدِيْ اِلَّا الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں دنیا میں اپنے بندے کی دو محبوب چیزیں (یعنی اس کی آنکھیں) سلب کر لیتا ہوں تو میری بارگاہ میں اس کی جزاء صرف جنت ہے۔

(۲۳۲۵) يَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ اَذْهَبْتُ حَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ اَرْضَ لَهُ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص کی دو محبوب (آنکھیں) میں لے جاتا ہوں اور وہ صبر سے کام لیتا ہے اور ثواب کی امید رکھتا ہے تو میں اس کے لیے جنت سے کم کسی اور ثواب پر راضی نہیں ہوں گا۔

تشریح: فصبر واحتسب: حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دونوں آنکھوں کی بینائی کے ختم ہونے پر اس استحضار کے ساتھ صبر کرے کہ صابرین سے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا وعدے فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی ہو کوئی شکوہ زبان و قلب میں نہ ہو بلکہ قول و فعل سے رضاء بر قضاء کا مظاہرہ کرے نیز ایک روایت میں یہ قید بھی مذکور ہے کہ جس وقت بینائی ختم ہونے کا حادثہ پیش آئے اسی وقت صبر و احتساب ہو نہ یہ کہ جب مایوس ہو جائے تو صبر کرے اور حادثہ کے وقت شکوہ و شکایت ہو بعض روایات ضعیفہ میں تو حمدنی علیہما بھی واقع ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ذہاب بصر کو اپنے لئے نعمت سمجھتے ہوئے اللہ کی تعریف زبان پر ہو کیونکہ اس کی جزاء جنت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ لم ارض له ثوابًا دون الجنة: دنیا میں بینائی ختم ہو کر لذات دنیا سے یہ شخص محروم ہو گیا اور اس پر اسی نے صبر کیا ہے اس لئے اللہ لذات باقیہ یعنی جنت اس کو عطا فرمائیں گے۔ بہر حال انسان پر جو مختلف بلائیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں ان میں ایک بڑی مصیبت نابینا ہو جانا بھی ہے، آنکھوں کی قدر و قیمت نابینا جانتا ہے، بینا نہیں جانتا۔ جب آدمی نابینا ہو جاتا ہے تو ہر کام میں دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے، اور عام طور پر آدمی بڑھاپے میں نابینا ہوتا ہے، اس وقت اور بھی پریشانی کھڑی ہو جاتی ہے، لیکن اگر بندہ صبر کرے، اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے تو وہ آخرت میں بہت بڑے اجر کا مستحق ہوگا۔

باب

باب: مصیبت زدوں کا اجر قابل رشک ہے

(۲۳۲۶) يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطَى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي

الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيضِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن عافیت میں رہنے والے لوگ یہ آرزو کریں گے جب (دنیا میں) آزمائش کا شکار رہنے والے لوگوں کو اجر وثواب عطا کیا جائے گا کہ کاش دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں کے ذریعے کاٹ دی جاتی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اہل عافیت فی الدنیا کو حسرت وتمنا ہوگی جب اہل مصائب کے اجر عظیم کو دیکھیں گے کہ کاش ان کو دنیا میں بجائے عافیت کے قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ دیا جاتا یعنی مصائب ان کو دیئے جاتے تاکہ اسی قدر ثواب ان کو زیادہ حاصل ہو جاتا۔

باب

باب: موت کے بعد ہر شخص پچھتائے گا

(۲۳۲۷) مَا مِنْ اَحَدٍ يَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ ازْدَادَ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ نَزَعَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مرنے والا ہر شخص ندامت کا شکار ہوگا تو لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ندامت کس بات پر ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ نیکی کرنے والا ہوگا تو اس بات پر ندامت کا شکار ہوگا کہ اس نے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور اگر وہ گنہگار ہوگا تو اس بات پر ندامت کا شکار ہوگا کہ اس نے گناہ چھوڑے کیوں نہیں۔

باب

باب: دین کے پردے میں دنیا کمانے والے آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں

(۲۳۲۸) يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَّخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّاْنِ مِنَ اللِّيْنِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُوْنَ فَبِيْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰى اُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ نکلیں گے جو دنیا کو دین کے عوض میں حاصل کریں گے۔ وہ لوگوں کے سامنے دنبوں کا لباس پہنیں گے۔ انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوگی لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے دل ہونگے۔ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تم مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کررہے ہو؟ میرے سامنے یہ جرأت کررہے ہو۔ میں اپنی ذات کی قسم اٹھاتا ہوں میں انہیں ایک ایسے فتنے میں مبتلا کروں گا جسمیں انکا سمجھدار آدمی بھی حیران رہ جائے گا۔

(۲۳۲۹) اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَقُلُوْبُهُمْ اَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ فَبِيْ حَلَفْتُ

لَأُتِيحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيمَ مِنْهُمْ حَيْرَانًا فَبِي يَغْتَرُّونَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُونَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے ایک مخلوق کو پیدا کیا ہے ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں۔ میں اپنی ذات کی قسم اٹھاتا ہوں میں ان لوگوں کو ایسی آزمائش میں مبتلا کروں گا کہ جس میں ان کا سمجھ دار شخص بھی حیران رہ جائے گا کیا یہ لوگ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں یا میرے سامنے جرات کرتے ہیں۔

تشریح: قرآن کریم میں اہل کتاب کے تعلق سے یہ مضمون آیا ہے کہ جو لوگ دین کے ذریعہ کماتے ہیں: ان کے لئے جنت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں، (سورۃ آل عمران آیت ۷۷) میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَ أَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾

بَابُ مَا جَاءَ فِي حِفْظِ اللِّسَانِ

باب ۱۵۱: زبان کی حفاظت کا بیان

(۲۳۳۰) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا النَّجَاةُ قَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجات کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی زبان قابو میں رکھو۔ اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

۲۳۳۱۔ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ اتَّقِ اللهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث کے طور پر نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے) صبح کے وقت ابن آدم کے تمام اعضاء زبان سے یہ التجا کرتے ہوئے کہتے ہیں تم ہمارے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا کیونکہ ہم تمہارے ساتھ وابستہ ہیں اگر تم ٹھیک رہوگی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اگر تم ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے۔

(۲۳۳۲) مَنْ يَتَكَفَّلْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَتَكَفَّلْ لَهُ بِالْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو دو داڑھوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۲۳۳۳) مَنْ وَقَاهُ اللهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ دو جبڑوں کے درمیان والی چیز (یعنی زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان والی چیز (یعنی شرمگاہ) کے شر سے محفوظ کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۳۳۴) قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ حَدِّثْنِیْ بِاَمْرٍ اَعْتَصِمُ بِهٖ قَالَ قُلْ رَبِّیَ اللهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَیَّ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰذَا.

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ آپ مجھے کسی ایسے معاملے کے بارے میں بتائیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ اعتراف کرو کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر استقامت اختیار کرو۔

باب

(۲۳۳۵) لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ بکثرت کلام نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ کثرت کلام کرنا دل کو سخت کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہوگا جس کا دل سخت ہو۔

(۲۳۳۶) كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْیٌ عَنْ مُّنْكَرٍ اَوْ ذِكْرُ اللهِ.

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یہ نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے ابن آدم کا ہر کلام اس پر بوجھ ہوتا ہے اس کا اسے فائدہ نہیں ہوتا سوائے اس کے جو نیکی کا حکم دے یا برائی سے منع کرے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں سات حدیثیں ذکر کی ہیں: زبان اور شرم گاہ کے گناہ خطرناک ہیں:

اعضاء زبان کے تابع ہیں:

حفظ لسان کے سلسلہ میں آپ ﷺ سے بے شمار روایات مروی ہیں جو کتب احادیث میں موجود ہیں جو قوت زبان کی حفاظت نہیں کرتے وہ بے شمار آفات میں مبتلا ہوتے ہیں، غلطی، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، ریاء، نفاق، فحش گوئی، خود نمائی خودستائی، خصومت، لغوگوئی، تعریف، بات بڑھانا گھٹانا، ایذاء دہی، پردہ دری، اسی طرح لایعنی کلام، کثرت کلام۔

اعتراض: اس روایت سے معلوم ہوا کہ تمام اعضاء زبان کے تابع ہیں اور اسی پر ان کا مدار ہے حالانکہ دوسری روایت ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعضاء قلب سے متعلق ہیں اور قلب اصل ہے۔

جواب: زبان قلب کے لئے ترجمان ہے اور ظاہر بدن کے لحاظ سے اس کا خلیفہ ہے زبان کی طرف جب کوئی حکم منسوب ہوگا تو مجازاً کہا گیا ہے۔ زہد (تصوف) میں زبان کی بہت زیادہ حفاظت کی جاتی ہے، کیونکہ یہ خرمن ایمان کو پھونک دیتی ہے، اور لوگوں کی دل آزاری کا سبب بھی بنتی ہے اور تصوف میں سب سے زیادہ اہمیت لوگوں کی دلداری کی ہے۔ نیز ذکر اللہ کے عموم میں تمام دینی باتیں داخل ہیں، جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا، پس حدیث کا مصداق فضول کلام ہے، بے کار باتوں سے دل سخت ہو جاتا ہے اور

سخت دل اللہ سے بہت دور پھینکا ہوا ہے، پس لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی زبان کی حفاظت کریں، تا کہ دل سخت نہ ہو جائے اور بندہ راندۂ درگاہ نہ بن جائے۔

شرمگاہ کی شہوت غالب؟

انسان پر تمام شہوتوں میں سب سے زیادہ شرمگاہ کی شہوت غالب ہوتی ہے اور یہ ہیجان کے وقت عقل کی سب سے زیادہ نافرمان بھی ہے اس کے نتائج شرمناک حد تک برے ہیں اگر آدمی اپنے آپ پر قابو نہ رکھے اور اس شہوت کو اعتدال میں نہ کرے تو آفتوں کا شکار ہوگا جس سے دنیا بھی کھو دے گا اور آخرت و دین بھی برباد ہو جائے گا۔ شہوت کا اعتدال یہ ہے کہ آدمی شہوت کے تابع نہ ہو بلکہ شہوت عقل و شرع کے تابع ہو ان کی ہدایات پر عمل کرے شہوت کی زیادتی بھوک و نکاح کے زریعہ ختم کی جاسکتی ہے: قال النبی ﷺ یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ الصیام فانہ لہ وجاء۔

بہر حال روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ بلاو مصیبت آدمی پر زبان وفرج کی بناء پر آتی ہیں جو شخص ان دونوں کے شر سے بچ گیا تو مصائب سے بچا رہے گا اور آخرت میں آپ ﷺ نے اس کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اعتراض: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روایۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ذکر اللہ کے علاوہ کوئی کلام مفید نہیں بلکہ مضر ہے حالانکہ بہت سے کلام مباح ہیں اور ان کی اجازت ہے؟

جواب: یہ ہے کہ روایۃ الباب مبالغہ پر دال ہے نیز تقلیل کلام کی ترغیب و تاکید کے لئے آپ نے فرمایا ہے۔

جواب (۲): یہاں مراد نفع فی العقبیٰ ہے یعنی ابن آدم کا ہر کلام نافع فی العقبیٰ نہیں ہے سوائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ذکر اللہ کے اور ظاہر ہے کہ کلام مباح بھی کلام ابن آدم کے تحت اس اعتبار سے داخل ہے کہ وہ نافع فی العقبیٰ نہیں اگر چہ دنیا میں منفعت اس سے متعلق ہے۔

فائدہ: روایۃ الباب سے معلوم ہوا کہ آدمی کو کلام سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ مومن بولنے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ بولتا ہے عالم کا فتنہ یہ ہے کہ اسے سننے سے زیادہ بولنے میں لطف آئے اگر کوئی بولنے والا مل جائے تو اس کے لئے سننا بہتر ہے اسی میں سلامتی ہے بولنے میں تخریب تلبیس وتزئین وغیرہ کے خطرات ہیں۔ ابراہیم بن ادہم رماتے ہیں آدمی مال اور کلام کی زیادتی سے تباہ ہوتا ہے قلۃ کلام کے بارے میں باب گزر چکا ہے۔

باب

باب ۵۴: حقوق کی ادائیگی بھی زہد میں شامل ہے

(۲۳۳۷) اٰخی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَیْنَ سَلْمَانَ وَاَبِی الدَّرْدَاءِ فَزَارَ سَلْمَانُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَاٰی اُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَۃً قَالَ مَاشَاْنُکِ مُتَبَذِّلَۃً قَالَتْ اِنَّ اَخَاکَ اَبَا الدَّرْدَاءِ لَیْسَ لَہٗ حَاجَۃٌ فِی الدُّنْیَا قَالَتْ فَلَمَّا جَاءَ اَبُو الدَّرْدَاءِ قَرَّبَ اِلَیْہِ طَعَامًا فَقَالَ کُلْ فَاِنِّیْ صَائِمٌ قَالَ مَا اَنَا بِاٰکِلٍ حَتّٰی تَاْکُلَ قَالَ فَاَکَلَ فَلَمَّا کَانَ اللَّیْلُ ذَھَبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ

لِيَقُوْمَ فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَقُوْمَ قَالَ لَهُ نَمْ فَنَامَ فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ الصُّبْحِ فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ قُمِ الْاٰنَ فَقَامَا فَصَلَّيَا فَقَالَ اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِاَ هْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ فَاَتَيَا النَّبِيَّ ﷺ فَذَ كَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ صَدَقَ سَلْمَانُ.

ترجمہ: عون بن ابو جحیفہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے گئے تو انہوں نے حضرت اُم درداء رضی اللہ عنہا کو میلی کچیلی حالت میں دیکھا تو دریافت کیا آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ میلی کچیلی کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا آپ کے بھائی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے سامنے کھانا رکھا گیا تو انہوں نے کہا آپ کھالیں کیونکہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ نہیں کھائیں گے راوی بیان کرتے ہیں تو حضرت درداء رضی اللہ عنہ نے بھی کھانا کھالیا جب رات کا وقت ہوا تو حضرت درداء رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھنے لگے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا ابھی سو جائیں وہ سو گئے پھر وہ اٹھنے لگے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا ابھی سوتے رہیں پھر وہ سو گئے جب صبح کے قریب کا وقت ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اب آپ اٹھ جائیں ان دونوں حضرات نے اٹھ کر نماز ادا کی پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کی ذات کا بھی آپ پر حق ہے آپ کے پروردگار کا بھی آپ پر حق ہے آپ کے مہمان کا بھی آپ پر حق ہے آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے آپ ہر حق دار کو اس کا حق دیں پھر یہ دونوں حضرات نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اس بات کا تذکرہ آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا سلمان نے ٹھیک کہا ہے۔

باب

باب ۵۵: اللہ کی خوشنودی چاہئے اگرچہ لوگ ناراض ہو جائیں

(۲۳۳۸) قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلٰى عَآئِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رضی اللہ عنہا اَنِ اكْتُبِيْ اِلَيَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِيْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِيْ عَلَيَّ فَكَتَبَتْ عَآئِشَةُ رضی اللہ عنہا اِلٰى مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ يَقُوْلُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ وَكَلَهُ اللهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ.

ترجمہ: عبدالوہاب بن ورد مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک شخص کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خط میں لکھا کہ آپ مجھے خط میں کوئی نصیحت کریں جو زیادہ لمبی نہ ہو راوی بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا۔ تم پر سلام ہو اما بعد میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی لوگوں کی ناراضگی میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کے غصے کو دور کر دے گا اور جو شخص لوگوں کی رضا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دے گا۔ تم پر سلام ہو۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ کی طرف خط میں دو باتیں لکھیں:

(۱) جو شخص ہر معاملے میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ خوش ہیں یا ناراض تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لوگوں کی تکلیف وایذاء سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ حزب اللہ یعنی اللہ والوں کی جماعت میں شامل ہو چکا ہے اور جو اللہ کا ہو جائے وہ کبھی نامراد و ناکام نہیں ہوتا ﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (المجادلہ:۲۲)

(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے ہر وقت لوگوں کی خوشنودی کے پیچھے پڑا رہے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں اور لوگوں کی تکلیف وایذاء سے اس کی حفاظت نہیں فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کامیاب مسلمان وہی ہے جو ہر وقت اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر اور کوشش میں لگا رہے یہی چیز اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں باعث عافیت اور ذریعہ نجات ہے۔

کفاہ اللہ مونۃ الناس: یعنی ایسے شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کی ایذاء سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اس نے اپنے کو حزب اللہ میں داخل کر دیا اور اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں فرماتے ہیں بلکہ دنیا وآخرت میں کامیاب فرماتے ہیں قال تعالیٰ: ﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (المجادلہ:۲۲)۔

وکلہ اللہ الی الناس: لوگوں کے حوالہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ایذاء وتکلیف سے حفاظت نہیں فرمائیں گے چونکہ نظر غیر اللہ کی طرف ہے اور اس نے اللہ کے احکام کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے۔ روایۃ الباب سے خط وکتابت کا یہ ادب بھی معلوم ہوا کہ خط کے اول وآخر میں سلام لکھا جائے۔ یہ روایت فقط والسلام جو عام طور پر خطوط میں لکھتے ہیں اس کی دلیل ہے۔

قیامت کے احوال، دل کو موم کرنے والی اور پرہیز گاری کی باتیں

نسخوں میں یہ ابواب علیحدہ نہیں ہیں، ابواب الزہد کا تتمہ ہیں اور وہ ابواب ابواب صفة الجنة تک چلے گئے ہیں، مگر مصری نسخہ میں عنوان ہے: ابواب صفة الزهادة، والرقائق، والورع: یعنی قیامت کے احوال اور دلوں کو نرم کرنے والی باتیں اور پرہیز گاری کا بیان۔ ابواب صفة الجنة تک یہ تین مضمون بیان ہوئے ہیں، پہلے قیامت کے حالات ہیں، پھر رقاق کی حدیثیں ہیں، رقاق: رقیق کی جمع ہے اور رقائق: رقیقة کی جمع ہے یعنی دلوں کو نرم کرنے والی باتیں، پھر ورع یعنی احتیاط اور پرہیز گاری کا بیان ہے، پھر جنت کے احوال شروع ہونگے۔

ابواب الایمان تک جتنی حدیثیں آرہی ہیں: سب کا تعلق زہد سے ہے، قیامت کا بیان ہو، یا دل کو موم کرنے والی حدیثیں، یا محتاط زندگی گزارنے کی ہدایات، یا جنت اور جہنم کے احوال سب کا تعلق زہد یعنی دل کو دنیا سے اکھاڑنے سے ہے، یہ سب روایات ذہن کو آخرت کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

بَابٌ فِي الْقِيَامَةِ

باب ۱: قیامت کا بیان

(۲۳۳۹) مَا مِنْكُمْ مِنْ رَجُلٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّقِيَ وَجْهَهُ حَرَّ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے عنقریب قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک شخص کے ساتھ اس کا پروردگار اس طرح کلام کرے گا کہ اس شخص اور پروردگار کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا پھر وہ شخص اپنے دائیں طرف

دیکھے گا تو اسے صرف وہ چیز نظر آئے گی جسے اس نے آگے بھیجا تھا (یعنی اس کے اعمال نظر آئیں گے) پھر وہ اپنے بائیں طرف دیکھے گے تو وہ صرف اسی چیز کو دیکھے گا جسے اس نے آگے بھیجا تھا (یعنی اپنے اعمال کو دیکھے گا) پھر وہ اپنے سامنے کی طرف دیکھے گا تو اسے جہنم اپنے سامنے نظر آئے گی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے جو بھی شخص اپنی ذات کو جہنم سے بچا سکتا ہوا سے ایسا کرنا چاہیے خواہ وہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہی ایسا کرے۔

(۲۳۴۰) لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ وَمَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت کے دن کسی بھی آدمی کے پاؤں اپنے پروردگار کی بارگاہ سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں حساب نہیں لیا جائے گا اس کی عمر کے بارے میں کہ اس شخص نے اسے کس کام میں صرف کیا؟ اس کی جوانی کے بارے میں کہ اس شخص نے اسے کس میں گزارا اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اس مال کو کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور (اس بارے میں) کہ اس نے اپنے علم پر کس حد تک عمل کیا؟۔

(۲۳۴۱) لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَ فَعَلَ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بندے کے قدم (حساب کے دوران اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے) اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے حساب نہیں لے لیا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کو کس چیز میں صرف کیا اور اس نے اپنے علم پر کس حد تک عمل کیا اور اس نے اپنے مال کو کہاں سے حاصل کیا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے جسم کو کن کاموں میں مصروف کیا؟۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تین حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

فائدہ: مخلوقات میں ملکیت کا تصور نہیں۔ کائنات کی ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، مخلوق اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ آپ دیکھیں؛ کسی جانور کی ملکیت میں کچھ نہیں۔ صرف انسانوں میں عارضی مصلحت سے مجازی ملکیت تسلیم کی گئی ہے۔ اور سورۃ الحدید (آیت ۷) میں یہ بات صاف کردی گئی ہے کہ انسان مال میں اللہ کا نائب ہے، وہ مستقل طور پر مال کا مالک نہیں۔ فرمایا: ﴿وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾ یعنی جس مال میں تم کو اللہ نے اپنا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔ جب صورت حال یہ ہے تو لامحالہ کمانے کے سلسلہ میں بھی کچھ پابندیاں ہیں اور اس کے خرچ کرنے کے لئے بھی کچھ ضابطے ہیں۔

سند: اس حدیث کی پہلی سند امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ابو معاویہ کی ہے، پھر اسی حدیث کو اعمش سے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت کرتے ہیں، ان کے شاگرد ابوالسائب کہتے ہیں: ایک دن ہم سے وکیع نے اعمش سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی جب وہ یہ حدیث بیان کر چکے تو فرمایا: یہاں جو خراسان کے لوگ ہیں وہ ثواب کی امید سے اس حدیث کو خراسان میں پھیلائیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس لئے کہ جہمیہ اس حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِىْ شَانِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ

باب: حساب اور بدلے کا بیان

(۲۳۴۲) اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ قَالُوْا اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمُفْلِسُ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّاتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَاتِىْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَ اَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيَقْعُدُ فَيَقْتَصُّ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْتَصَّ مَاعَلَيْهِ مِنَ الْخَطَايَا اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِى النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا تم لوگ یہ بات جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے درمیان وہ شخص مفلس شمار ہوتا ہے جس کے پاس درہم یا کوئی سامان نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا میری امت سے تعلق رکھنے والا مفلس شخص وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز روزے زکوۃ لے کر آئے گا اور اس عالم میں آئے گا کہ اس نے کسی شخص کو گالی دی ہوگی دوسرے پر جھوٹا الزام لگایا ہوگا اور کسی شخص کا مال کھایا ہوا ہوگا اور کسی شخص کا خون بہایا ہوا ہوگا کسی شخص کو مارا ہوگا لہٰذا اسے بٹھالیا جائے گا اور اس کی نیکیاں بدلے کے طور پر وصول کرلی جائیں گی یہ تو اس کی نیکیوں کا معاملہ ہے جب اس کی نیکیاں (ان گناہوں کا) حساب پورا ہونے سے پہلے ختم ہوجائیں گی جو اس کے ذمے تھے تو دوسرے لوگوں کے گناہ لے کر اس کے نامہ اعمال میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس شخص کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۲۳۴۴) لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰى اَهْلِهَا حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے حق داروں کو ان کے حقوق پورے پورے ادا کئے جائیں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری کی طرف سے بھی بدلہ دیا جائے گا۔

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر انسان سے بغیر کسی واسطہ کے براہ راست کلام کرے گا درمیان میں نہ تو کوئی حجاب اور مانع ہوگا اور نہ ہی کوئی ترجمان ہوگا۔

یہ جمہور اہل سنت کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دیگر صفات کی طرح صفت کلام بھی ثابت ہے صرف جہمیہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں یہ ایک گمراہ فرقہ ہے جس کا سربراہ جہم بن صفوان ہے۔

لغات: اقتص فلان: بدلہ لینا، قصاص لینا۔ مظلمة: باب ضرب کا مصدر ہے، اور بطور اسم بمعنی ظلم مستعمل ہے۔ استحل فلان الشيي: کسی سے کوئی چیز حلال کرانا اس کے لئے دوسرا لفظ الجماء ہے۔ القرناء: اقرن کا مونث: لمبے سینگوں والا جانور۔ تقاد (فعل مجہول) اقاد القاتل بالقتيل: مقتول کے بدلہ میں قاتل کو مارنا۔ تقاد: بدلہ لیا جائے گا۔

رہی یہ بات کہ جانوروں کا بدلہ چکایا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ جانوروں کا کوئی حساب نہیں، اور تیسری حدیث: صرف تمثیل یعنی پیرایہ بیان ہے، مگر عام رائے یہ ہے کہ جانور بھی دوبارہ پیدا

کئے جائیں گے اور ان کا بھی حساب ہوگا، تیسری حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حیوانات کو بھی قیامت کے دن اٹھایا جائے گا جیسا کہ قرآن میں ہے واذا الوحوش حشرت لہٰذا اس حدیث کو ظاہر پر ہی محمول کیا جائے گا۔

اعتراض: کہ حیوان جب مکلف ہی نہیں تو بکری سے قصاص لینے کے کیا معنی ہیں؟

جواب (۱): اللہ تعالیٰ افعال پر قادر اور خود مختار ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔

جواب (۲): حدیث میں بکری کے قصاص کے ذکر سے بندوں کو اس امر سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ جب بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا جو کہ احکام شرع کی مکلّف نہیں ہے تو پھر انسان جو کہ مکلف ہے اس سے کیسے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

باب

باب : قیامت کے دن لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے

(۲۳۴۵) اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اُدْنِيَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْعِبَادِ حَتّٰى تَكُوْنَ قِيْدَ مِيْلٍ اَوِ اثْنَيْنِ قَالَ سَلِيْمٌ لَّا اَدْرِيْ اَيَّ الْمِيْلَيْنِ عَنٰى اَمَسَافَةُ الْاَرْضِ اَمِ الْمِيْلُ الَّذِيْ تُكْتَحَلُ بِهِ الْعَيْنُ قَالَ فَتَصْهَرُهُمُ الشَّمْسُ فَيَكُوْنُوْنَ فِي الْعَرَقِ بِقَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّاْخُذُهٗ اِلٰى عَقِبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّاْخُذُهٗ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّاْخُذُهٗ اِلٰى حِقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهٗ اِلْجَامًا فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ اَيْ يُلْجِمُهٗ اِلْجَامًا۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے صحابی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے آپ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کا دن ہوگا تو سورج کو بندوں کے اتنا قریب کر دیا جائے گا کہ وہ ایک یا دو میل کے فاصلے پر رہ جائے گا۔سلیمان بن عامر نامی راوی بیان کرتے ہیں مجھے یہ معلوم نہیں ہے اس سے مراد وہ میل ہے جو زمین کی مسافت کے لیے استعمال ہوتا ہے یا پھر اس سے مراد ہو سلائی ہے جس کے ذریعے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا) سورج ان لوگوں کو پگھلانا شروع کرے گا تو وہ لوگ اپنے اعمال کے حساب سے پسینے میں ڈوب جائیں گے ان میں سے کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا کسی کا گھٹنوں تک ہوگا کسی کا کمر تک ہوگا اور کسی کا منہ تک ہوگا۔راوی بیان کرتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے دست مبارک کے ذریعے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس کے منہ میں اس کی لگام ڈالی جائے گی (یعنی پسینہ اس کے منہ تک ہوگا)۔

(۲۳۴۶) ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ قَالَ يَقُوْمُوْنَ فِي الرَّشْحِ اِلٰى اَنْصَافِ اٰذَانِهِمْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: جس دن لوگ تمام جہانوں کے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرماتے ہیں وہ لوگ پسینے میں اتنے ڈوبے ہوئے ہوں گے کہ وہ ان کا نصف کانوں تک آرہا ہوگا۔

تشریح: اللہ کے نیک بندے اس سے محفوظ رہیں گے پہلے یہ حدیث گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو قیامت کے دن

جب کوئی سایہ نہیں ہوگا اپنا سایہ عنایت فرمائیں گے۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ انبیاء شہداء اور کامل ایمان والے مسلمان یعنی اولیاء اللہ اور جسے اللہ چاہے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم

لغات: ادنیت (مجہول کا صیغہ ہے) سورج قریب کردیا جائے گا سرمہ کی سلائی۔ تصھر ھم: سورج ان کو پگھلائے گا۔ عَرَق: پسینہ۔ حَقایه (حاء پر زبر اور قاف کے سکون کے ساتھ) حقو کا تثنیہ ہے: کوکھ ازار باندھنے کی جگہ، یلجمه: وہ پسینہ اس کو لگام پہنا دیے گا یعنی وہ پسینہ کی وجہ سے بول نہیں سکے گا۔ رشح: (را پر زبر اور شین کے سکون کے ساتھ) پسینہ۔ انصاف: نصف کی جمع ہے: آدھا نصف۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ شَانِ الْحَشْرِ

باب ۲: قیامت کے دن مخلوق کو جمع کرنے کا بیان

(۲۳۴۷) يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا خُلِقُوْا ثُمَّ قَرَأَ (كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ) وَ اَوَّلُ مَنْ يُّكْسٰى مِنَ الْخَلَائِقِ اِبْرَاهِيْمُ وَيُؤْخَذُ مِنْ اَصْحَابِيْ بِرِجَالٍ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اَصْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پاؤں برہنہ جسم اور ختنے کے بغیر اکٹھا کیا جائے گا جس طرح انہیں پہلے پیدا کیا گیا تھا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ جس طرح ہم نے انہیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارا وعدہ ہے ہم ایسا ضرور کریں گے۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) مخلوق میں سے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر میرے امتیوں میں سے کچھ لوگوں کو دائیں طرف لے جایا جائے گا اور کچھ کو بائیں طرف لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے پروردگار یہ تو میرے ماننے والے ہیں تو کہا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے کون سی نئی چیز ایجاد کی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جدا ہوئے تو یہ ایڑھیوں کے بل پیچھے کی طرف پھر گئے تھے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) تو میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے نے کہی تھی (جس کا ذکر قرآن میں ہے)۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت کردے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

(۲۳۴۸) اِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ رِجَالًا وَّرُكْبَانًا وَّتُجَرُّوْنَ عَلٰى وُجُوْهِكُمْ.

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کے دن تم لوگوں کو پیدل اور سوار حالت میں اٹھایا جائے گا اور کچھ لوگوں کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔

اعتراض: ہوتا ہے کہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے ننگے دن اٹھائے جائیں گے جبکہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قبروں سے اسی لباس میں اٹھائے جائیں گے۔ بظاہر تعارض ہے؟

جواب①: ان روایات میں تعارض نہیں کیونکہ بعض لوگوں کو ننگا اور بعض کو لباس میں اٹھایا جائے گا۔

جواب②: یا سب کو ننگے بدن اٹھایا جائے گا پھر انبیاء علیہم السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

جواب③: یا قبروں سے تو لباس کے ساتھ اٹھایا جائے گا پھر حشر کی ابتداء میں انہیں ننگا کر دیا جائے گا پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا

جواب④: بعض شارحین حدیث کے نزدیک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تعلق شہداء سے ہے کہ انہیں اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس میں ان کی شہادت واقع ہوئی ہوگی اور عام مردوں کو ننگے بدن ہی اٹھایا جائے گا اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت ﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ﴾ (الانبیاء:۱۰۴) سے بھی ہوتی ہے۔

حشر دو قسم کا ہے: (۱) ایک وہ حشر ہے جو قیامت کے دن ہوگا اس حدیث میں یہی آخرت کا حشر مراد ہے۔

(۲) دوسرا وہ حشر ہے جو دنیا میں واقع ہوگا اور جو علامات قیامت میں سے ہے کہ قرب قیامت میں ایک آگ مشرق کی طرف سے نمودار ہوگی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی ایک جگہ کی طرف لے جائے گی اور وہاں سب کو اکٹھا کرے گی۔

لغات: حفاۃ: حاف کی جمع ہے: ننگے پاؤں والا۔ عراۃ: عار کی جمع ہے: ننگے بدن۔ غرلا: اغرل کی جمع ہے: غیر مختون جس کا ختنہ نہ ہو۔ یکسی: کپڑا پہنایا جائے گا۔ ماحدثوا: انہوں نے کیا کیا ایجاد کیا۔ مرتدین: لوٹ رہے ہیں۔ رجال راجل کی جمع ہے پیدل چلنے والا۔ رکبان: راکب کی جمع ہے، سوار۔ تجرون: (صیغہ مجہول) تمہیں کھینچا اور گھسیٹا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرْضِ

باب ۳: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (پہلا باب)

(۲۳۴۹) يُعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ فَاَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِيْرُ وَاَمَّا الْعَرْضَةُ الثَّالِثَةُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَطِيْرُ الصُّحُفُ فِي الْاَيْدِيْ فَاٰخِذٌ بِيَمِيْنِهٖ وَاٰخِذٌ بِشِمَالِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی پہلی دو پیشیوں میں تفتیش ہوگی اور معذرتیں ہوں گی جبکہ تیسری پیشی کے وقت نامہ اعمال ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے تو کوئی شخص دائیں ہاتھ میں اسے پکڑے گا اور کوئی بائیں میں پکڑے گا۔

تشریح: ثلاث عرضات: (بفتحتین) ای ثلاث مرات۔ پہلی پیشی میں لوگ اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کریں گے، وہ کہیں گے، ہمیں انبیاء نے دین نہیں پہنچایا، ہم اس سے محض بے خبر تھے، اس لئے انبیاء کو بلایا جائے گا، وہ کہیں گے: ہم نے ان کو دین پہنچایا تھا پس انبیاء سے گواہ طلب کئے جائیں گے، کیونکہ وہ مدعی ہوں گے، وہ امت محمدی کو گواہی میں پیش کریں گے، کفار ان گواہوں پر جرح

کریں گے کہ یہ ہمارے زمانہ کے لوگ نہیں، یہ کیسے گواہی دیتے ہیں؟ پس گواہوں سے پوچھا جائے گا کہ جب تم ان اقوام کے زمان میں نہیں تھے تو تم گواہی کیسے دے رہے ہو؟ یہ امت جواب دے گی: ہمیں یہ باتیں ہمارے پیغمبر ﷺ نے بتائی ہیں، چنانچہ نبی ﷺ کو دربار میں لایا جائے گا، آپ ﷺ عرض کریں گے: پروردگار! میری امت صحیح کہتی ہے، میں نے ان کو یہ باتیں بتائی ہیں، اور میں نے ان کہ یہ باتیں اس بنیاد پر بتائی ہیں کہ آپ نے قرآن مجید میں یہ باتیں نازل فرمائی ہیں، پس بات لوٹ کر اللہ تعالیٰ پر چلی جائے گی، اوران مجرموں کو خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑے گا، اس کے بعد کورٹ کی بساط لپیٹ دی جائے گی پھر دوسری پیشی میں کفار جرم کا اعتراف کریں گے (فاعترفوا بذنبھم) وہ اپنے جرم کا اقرار کریں گے، مگر طرح طرح کے بہانے بنائیں گے، کہیں گے: ہم سے بھول ہوگئی، ہم سے چوک ہوگئی، ہم نادان تھے، ہمیں ہمارے بڑوں نے گمراہ کیا وغیرہ وغیرہ۔ اوراس دوسری پیشی میں بھی معاملہ نمٹے گا نہیں، ابھی ان کے بارے میں کوئی فیصلہ سنایا جائے گا۔ پھر تیسری پیشی کے وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے، وہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں گے، نیک بختوں کے دائیں ہاتھ میں پہنچیں گے اور بدبختوں کے بائیں ہاتھ میں: اس دن انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا جتلا دیا جائے گا، خواہ وہ کتنے ہی بہانے بنائے (سورۃ القیامہ آیت ۱۳-۱۵) پھر اس پیشی میں نامہ اعمال کے مطابق بندوں کے درمیان فیصلے کر دیئے جائیں گے، جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں۔

بَابٌ مِنْهُ

باب ۴: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (دوسرا باب)

(۲۳۵۰) مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ (فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا) قَالَ ذٰلِكَ الْعَرْضُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص کے ساتھ حساب کتاب میں سختی کی گئی وہ ہلاکت کا شکار ہو جائے گا میں نے عرض کی یارسول اللہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے۔ جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد پیشی ہے۔

بَابٌ مِنْهُ

باب ۵: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (تیسرا باب)

(۲۳۵۱) يُجَاءُ بِابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهٗ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَقُوْلُ اللّٰهُ أَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَاذَا صَنَعْتَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَكْتُهٗ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَيَقُوْلُ لَهٗ أَرِنِيْ مَا قَدَّمْتَ فَيَقُوْلُ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ فَتَرَكْتُهٗ أَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَإِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضٰى بِهٖ إِلَى النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت کے دن ابن آدم کو اس طرح لایا جائے گا جیسے وہ بھیڑ کا بچہ ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہیں مال و دولت اور طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں اور تم پر اپنا انعام کیا تو تم نے کیا کیا؟ وہ جواب دے گا میں نے اسے اکٹھا کیا اور اس میں اضافہ شروع کیا اور اسے پہلے سے زیادہ کر دیا (اے میرے پروردگار) تو مجھے واپس (دنیا میں) بھیج تاکہ میں ان سب کو لے کر آؤں تو پروردگار اس سے فرمائے گا تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آگے کیا بھیجا؟ تو وہ کہے گا میں نے اسے جمع کیا اس کو بڑھایا اور پھر اسے (دنیا میں) پہلے سے زیادہ کر کے چھوڑ دیا تو مجھے واپس بھیج تاکہ میں اس سارے کو لے آؤں۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اگر اس شخص نے کوئی بھی بھلائی آگے نہیں بھیجی ہوگی تو اسے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

(۲۳۵۲) يُؤْتَى بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ اَلَمْ اَجْعَلْ لَكَ سَمْعًا وَّبَصَرًا وَّمَالًا وَّوَلَدًا وَّسَخَّرْتُ لَكَ الْاَنْعَامَ وَالْحَرْثَ وَتَرَكْتُكَ تَرْاَسُ وَتَرْبَعُ فَكُنْتَ تَظُنُّ اَنَّكَ مُلَاقِيْ يَوْمَكَ هٰذَا قَالَ فَيَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ لَهُ الْيَوْمَ اَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِيْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن بندے کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تمہیں سننے دیکھنے کی قوت مال اور اولاد نہیں دیئے پھر میں نے تمہارے لیے جانوروں اور کھیتوں کو مسخر نہیں کیا تھا میں نے تمہیں اس حالت میں نہیں رکھا تھا کہ تم بڑے بن گئے تھے اور تم لوگوں سے چوتھائی مال لینے لگے تھے کیا تم یہ گمان کرتے تھے کہ تم آج کے دن (میری بارگاہ میں) حاضر نہیں ہو گے تو وہ جواب دے گا نہیں تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا آج کے دن میں تمہیں اسی طرح تمہارے حال پر چھوڑ رہا ہوں جس طرح تم نے مجھے بھلا دیا تھا۔

تشریح: سورۃ الاعراف (آیت ۵۱) میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈالے رکھا تھا: آج ہم ان کو بھول جائیں گے جس طرح انھوں نے اپنے اس دن کو بھلا دیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے، ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے، اور ایسا معاملہ کفار ہی کے ساتھ ہوگا، مؤمنین کا حال اس سے مختلف ہوگا، ان سے آسان حساب لیا جائے گا، اور آسان حساب کی مختلف صورتیں ہوں گی: (۱) ایک یہ کہ وہ بے حساب بخش دیئے جائیں گے۔ (۲) یہ کہ حساب میں مناقشہ نہیں ہوگا، صرف پیشی ہوگی، ان کے سامنے ان کے اعمال رکھ دیئے جائیں، پھر بخشش کر دی جائے گی۔ (۳) یہ کہ دائمی عذاب نہیں ہوگا، یہ بھی آسان حساب کی ایک صورت ہے۔

بَابٌ مِنْهُ

باب ۶: اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا بیان (چوتھا باب)

(۲۳۵۳) قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا) قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُهَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا اَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا

قَالَ فَهٰذِهٖ اَخْبَارُهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کیا تم لوگ یہ بات جانتے ہو کہ اس کے خبر دینے سے مراد کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اطلاع دینا یہ ہے وہ ہر بندے اور کنیز کے بارے میں یہ گواہی دے گی جو اس نے زمین کی پشت پر عمل کیا تھا اور وہ یہ کہے گی اس نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیا تھا تو یہ اس کا اطلاع دینا ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصُّوَرِ

باب ۷: صور اسرافیل علیہ السلام کا بیان

(۲۳۵۴) مَا الصُّوْرُ قَالَ قَرْنٌ يُّنْفَخُ فِيْهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دیہاتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے دریافت کیا صور کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے (یا باجہ) ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔

(۲۳۵۵) كَيْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَاسْتَمَعَ الْاِذْنَ مَتٰى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَيَنْفُخُ فَكَاَنَّ ذٰلِكَ ثَقُلَ عَلٰى اَصْحَابِ النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُمْ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں کس طرح آرام سے رہ سکتا ہوں؟ جبکہ سینگ (صور والے) فرشتے نے اپنا منہ اس کے ساتھ لگایا ہوا ہے اور کان اس بات پر لگائے ہوئے ہیں کہ اسے کب پھونک مارنے کا حکم ملے؟ اور وہ پھونک مار دے۔

تشریح: الصور: نرسنگا (بڑا سینگ) بگل قرآن کریم میں دس جگہ صور کا تذکرہ آیا ہے۔

صور ایک سینگ نما چیز ہے جس میں پھونک ماری جائے گی یہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا پہلی مرتبہ مارنے کے لیے اور دوسری مرتبہ سب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے ہوگا۔ سینگ نوک کی طرف سے باریک ہوتا ہے اور دوسری طرف سے کشادہ ہوتا ہے، اور حضرت اسرافیل علیہ السلام جس صور میں پھونکیں گے، اس کی پوری حقیقت ابھی کوئی نہیں جانتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینگ سے تشبیہ دی ہے، اور سینگ کی طرح کے باجے آج بھی بنتے ہیں، اس کا پتلا حصہ منہ میں لے کر پھونکا جائے تو بہت بلند آواز پیدا ہوتی ہے اور صور کی یہ حدیث طویل ہے، جس کو ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو البدایہ (۱:۴۵:۲) میں نقل کیا ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں اللہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں جیسے ہی حکم ہو تو اس میں پھونک دیا جائے صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان سے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وظیفہ پڑھنے کا انہیں ارشاد فرمایا اور وہ ہے: **حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ توکلنا**۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی مصیبت و آفت اور سخت سے سخت مشکل دور فرما دیتے ہیں چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانا تھا تو آپ کی زبان پر یہی بابرکت جملہ جاری اسی طرح

ایک جہاد میں کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا: ان الناس قد جمعوا الکم فاخشوھم یعنی دشمنوں نے آپ لوگوں کے مقابلے کے لیے بڑا لشکر جمع کرلیا ہے لہٰذا تم لوگوں کو ان سے ڈر جانا چاہیے تو اس وقت بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسبنا اللہ پڑھا۔

فائدہ: جب بھی کوئی پریشانی پیش آئے خواہ وہ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا تو حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ توکلنا: بار بار کہنا چاہئے، یہ بہت قیمتی ذکر ہے، اس سے بڑی سے بڑی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے۔

لغات: صور: سرسنگھا، بگل۔ قرن: سینگ۔ التقم: نگل جانا منہ میں لے لینا۔ استمع: غور سے سننا سننے کے لیے متوجہ ہونا (ہمزے اور دال پر پیش) کان۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَأْنِ الصِّرَاطِ

باب ۸: پل صراط کا بیان

(۲۳۵۶) شِعَارُ الْمُؤْمِنِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے پل صراط پر اہل ایمان کے لبوں پر یہ جاری ہوگا۔ اے میرے پروردگار سلامتی رکھنا۔

(۲۳۵۷) سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنْ يَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ أَنَا فَاعِلٌ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَيْنَ أَطْلُبُكَ قَالَ اطْلُبْنِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِي عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْمِيزَانِ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْحَوْضِ فَإِنِّي لَا أُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ.

ترجمہ: نضر بن انس اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ آپ قیامت کے دن میری شفاعت کیجئے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں ایسا کروں گا میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں آپ کو کہاں تلاش کروں آپ ﷺ نے فرمایا تم سب سے پہلے مجھے پل صراط کے پاس تلاش کرنا میں نے عرض کی اگر پل صراط کے پاس میری آپ ﷺ سے ملاقات نہ ہوسکی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم مجھے میزان کے قریب تلاش کرنا میں نے کہا اگر میزان کے پاس بھی میری آپ سے ملاقات نہ ہوسکی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم مجھے حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوں گا۔

تشریح: قیامت کا دن اس دنیا کا آخری دن ہے، اور جنت وجہنم دوسری دنیا میں ہیں قیامت کے دن جب جنت وجہنم کے فیصلے ہو جائیں گے تو لوگ اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل کئے جائیں گے، وہ ایک پل کے ذریعہ منتقل کئے جائیں گے، جنتی اس سے پار ہو جائیں گے اور جہنمیوں کو آنکڑے جہنم کی طرف کھینچ لیں گے۔

الشعار: علامت، خاص نشان نعرہ، وہ عبارت جس سے کوئی جماعت اپنا تعارف کرائے جیسے مسلمان نعرۂ تکبیر لگاتے ہیں، یہ مسلمانوں کا شعار ہے۔ اللہ اکبر سے پہچانے جاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اسی طرح پل صراط پر انبیاء اور امتوں کا شعار: رب سلم سلم! ہوگا، یعنی ہر ایک کی زبان پر یہی دعا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے جامع صغیر میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پل صراط پر سے گزرتے وقت میری امت کا شعار یہ جملہ ہوگا: یالَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ جب کہ حدیث باب میں رب سلم سلم کا جملہ ہے؟ اس لیے اس کی تشریح میں علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رب سلم سلم کا جملہ عام ہے جو کسی بھی امت کے اہل ایمان اسے پل صراط پر بولیں گے اور امت محمدیہ کا اشعار یہ مخصوص جملہ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ہوگا۔

فائدہ: قیامت کے دن ترتیب اس طرح ہوگی، سب سے پہلے میدان حشر میں حوض کوثر ہوگا، پھر میزان عمل، پھر پل صراط۔ اور اس حدیث میں اس کے برعکس ہے، پس ممکن ہے یہ ترتیب ہول وشدت یعنی معاملہ کی سنگینی کے اعتبار سے ہو، کیونکہ سب سے سنگین معاملہ پل صراط پر ہوگا، اس سے کم میزان عمل پر، اور سب سے کم حوض کوثر پر حوض کوثر پر تو صرف یہ ڈر رہے گا کہ فرشتے لائن سے ہٹا نہ دیں، اور میزان عمل پر یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ کونسا پلڑا جھکتا ہے؟ اور پل صراط کا معاملہ بہت ہی سخت ہے، پس ہول وشدت کے لحاظ سے پہلے پل صراط کا پھر میزان عمل کا، پھر حوض کوثر کا تذکرہ کیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہو، حرب بن میمون ابوالخطاب انصاری معمولی راوی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی سفارش کی درخواست کی تو آپ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ میں تمہاری خصوصی سفارش کروں گا آپ نے فرمایا میں قیامت کے دن یا پل صراط پر ہوں گا یا میزان پر اور یا حوض کوثر پر۔

اعتراض: یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت (ابوداؤد حدیث ۴۷۵۵ کتاب السنۃ باب ۲۸ فی ذکر المیزان) میں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: هل تذكرون اهليكم يوم القيامة: کیا آپ حضرات قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین جگہوں میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ اور باب کی حدیث میں یہی تین مقامات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بتائے ہیں کہ تم مجھے ان مقامات میں تلاش کرنا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے سفارش کریں گے، یہ تعارض ہے کیونکہ یہ یاد کرنا ہے۔

جواب①: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا غائبین پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان تین موقعوں پر جو لوگ آپ کے سامنے نہیں ہوں غائب ہوں گے آپ ان کو از خود یاد نہیں فرمائیں گے اور حدیث انس رضی اللہ عنہ حاضرین پر محمول ہے معنی یہ ہیں کہ آپ کی امت کے جو لوگ آپ کے سامنے ہوں آپ ان کی خصوصی سفارش بھی فرمائیں گے۔

جواب②: علامہ طیبی رحمہ اللہ نے ان دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مذکورہ جواب آپ نے اس لیے دیا کہ وہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں اور یہ خدشہ تھا کہ کہیں یہ مخصوص سفارش کی امید میں اعمال میں سستی اور غفلت اختیار نہ کرلیں کیونکہ آخرت میں قرابت نہیں بلکہ نیک اعمال کام آئیں گے اس کے برخلاف آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ جواب اس لیے دیا کہ وہ ناامید اور مایوس نہ ہوجائیں۔

جواب③: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانے سے متعلق ہے جس میں آپ کی طرف اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی تھی اس لیے آپ نے خصوصی سفارش کی نفی فرمادی اور حدیث انس رضی اللہ عنہ اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ کو وحی کے ذریعہ خصوصی سفارش کی اجازت عطاء فرمائی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّفَاعَةِ

باب ۹: شفاعت کبریٰ کا بیان

(۲۳۵۸) أُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ فَأَكَلَهُ وَكَانَ يُعْجِبُهُ فَنَهَشَ مِنْهُ نَهْشَةً ثُمَّ قَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ ذَاكَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِيَ وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُوا الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيْقُوْنَ وَلَا يَتَحَمَّلُوْنَ فَيَقُوْلُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ أَلَا تَنْظُرُوْنَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ فَيَقُوْلُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَلَيْكُمْ بِآدَمَ فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَمَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيْهِ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُوْلُ لَهُمْ آدَمُ إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ نَهَانِيْ عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ نَفْسِيْ نَفْسِيْ نَفْسِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى غَيْرِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى نُوْحٍ فَيَأْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُوْنَ يَا نُوْحُ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُوْرًا اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُوْلُ لَهُمْ نُوْحٌ إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِيْ دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلَى قَوْمِيْ نَفْسِيْ نَفْسِيْ نَفْسِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى غَيْرِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى إِبْرَاهِيْمَ فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُوْنَ يَا إِبْرَاهِيْمُ أَنْتَ نَبِيُّ اللهِ وَخَلِيْلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ فَيَقُوْلُ إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّيْ قَدْ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ فَذَكَرَهُنَّ أَبُوْ حَيَّانَ فِي الْحَدِيْثِ نَفْسِيْ نَفْسِيْ نَفْسِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى غَيْرِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى مُوْسَى فَيَأْتُوْنَ مُوْسَى فَيَقُوْلُوْنَ يَا مُوْسَى أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ فَضَّلَكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ فَيَقُوْلُ إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّيْ قَدْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُوْمَرْ بِقَتْلِهَا نَفْسِيْ نَفْسِيْ نَفْسِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى غَيْرِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى عِيْسَى فَيَأْتُوْنَ عِيْسَى فَيَقُوْلُوْنَ يَا عِيْسَى أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ فَيَقُوْلُ عِيْسَى إِنَّ رَبِّيْ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا نَفْسِيْ نَفْسِيْ نَفْسِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى غَيْرِيْ اِذْهَبُوْا إِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُوْنَ مُحَمَّدًا ﷺ فَيَقُوْلُوْنَ يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَغُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ فَأَنْطَلِقُ فَآتِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَخِرُّ سَاجِدًا لِرَبِّيْ ثُمَّ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يُفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِيْ ثُمَّ يُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِيْ فَأَقُوْلُ

يَارَبِّ أُمَّتِي يَارَبِّ أُمَّتِي يَارَبِّ أُمَّتِي فَيَقُولُ يَامُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرَ وَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰى.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دستی رکھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانا شروع کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دانتوں کے ذریعے نوچ کر اسے کھانے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ ایسا کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ پہلے والے اور بعد والے سب لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا اس طرح کہ ایک شخص ان سب تک اپنی آواز پہنچا سکے گا اور ان سب کو دیکھ سکے گا سورج قریب آجائے گا لوگ اتنے غم اور کرب کا شکار ہوں گے جو وہ طاقت نہیں رکھتے ہوں گے اور جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے ہوں گے تو لوگ ایک دوسرے سے یہ کہیں گے کیا تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ تمہاری کیفیت کیا ہے؟ تم لوگ یہ جائزہ نہیں لیتے کہ کون شخص تمہارے پروردگار کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کرسکتا ہے تو کچھ لوگ ایک دوسرے سے یہ کہیں گے تم لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے وہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور یہ عرض کریں گے آپ بنی نوع انسان کے جد امجد ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت کے ذریعے پیدا کیا ہے آپ میں اپنی روح کو پھونکا ہے اور اس کے حکم کے تحت فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے ہم اس وقت کس پریشانی کا شکار ہیں اور کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یہ کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام ان سے یہ کہیں گے میرا پروردگار آج اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور اسکے بعد بھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا اس نے مجھے درخت سے منع کیا تھا میں نے اس کی بات نہیں مانی اس لیے مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے تم لوگ میری بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور یہ عرض کریں گے اے حضرت نوح علیہ السلام آپ سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں روئے زمین والوں کی طرف مبعوث کیا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہماری حالت کیا ہے آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ یہ پریشانی کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ تو حضرت نوح علیہ السلام ان سے کہیں گے میرا پروردگار آج اتنا غضب ناک ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور اس کے بعد کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا میں نے اپنی قوم کے خلاف ایک دعا کی تھی اس لیے مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے تم لوگ میری بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور یہ عرض کریں گے اے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور اہل زمین میں سے اس کے خلیل ہیں آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ تو وہ جواب دیں گے میرے پروردگار آج اتنا غضب نام ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب نام نہیں ہوا اور اس کے بعد کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا میں نے تین مرتبہ ذومعنی کلام کیا تھا۔

ابوحیان نامی راوی نے ان کا تذکرہ اپنی روایت میں کیا ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے) مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے تم لوگ میری بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام کے ذریعے آپ کو دیگر لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرمارہے کہ ہم کتنی بڑی پریشانی میں ہیں تو وہ جواب دیں گے میرا پروردگار آج جتنا غضب ناک ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور اس کے بعد بھی کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوگا۔ میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں ملا تھا۔ اس لئے مجھے فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے۔ تم لوگ میرے بجائے کسی اور کے پاس جاؤ تم لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور یہ عرض کریں گے: اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کا ایک ایسا کلمہ ہیں جسے اس نے لوگوں کیطرف القاء کیا تھا۔ اس کی طرف سے آنے والی روح ہیں۔ آپ نے پنگھوڑے میں لوگوں کے ساتھ کلام کیا تھا تو اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری سفارش کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرمارہے کہ ہم کس پریشانی کا شکار ہیں؟ تو حضرت عیسیٰ جواب دیں گے میرا پروردگار آج جتنا غضب ناک ہے اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی اتنا غضب ناک ہوگا۔ وہ کسی ذنب کا ذکر نہیں کریں گے (لیکن یہ کہیں گے) مجھے اپنی فکر ہے مجھے اپنی فکر ہے اپنی فکر ہے صرف اپنی فکر ہے۔ تم لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ! تو وہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں آپ کے گزشتہ اور آئندہ ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ ملاحظہ نہیں فرمارہے کہ ہم کس پریشانی کا شکار ہیں؟ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) میں چل پڑوں گا اور عرش کے نیچے آجاؤں گا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدے میں چلا جاؤں گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی حمد کا اور اپنی تعریف بیان کرنے کا ایسا طریقہ میرے لیے کشادہ کریگا جو اس نے مجھ سے پہلے کسی کے لیے کشادہ نہیں کیا پھر کہا جائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھاؤ مانگو دیا جائے گا شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا اے میرے پروردگار میری امت (کو بخش دے) اے میرے پروردگار میری امت کو (بخش دے) اے میرے پروردگار میری امت کو (بخش دے) تو وہ فرمائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر حساب لازم نہیں ہوا جنت کے دائیں طرف والے دروازے سے جنت میں داخل کردو ویسے وہ لوگ دوسرے دروازوں سے داخل ہونے کا بھی حق رکھتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جنت کے دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان ہے اور جتنا مکہ اور بصریٰ کے درمیان ہے۔ **تشریح:** قیامت میں جو شفاعتیں ہونگی ان کے بارے میں بکثرت روایات مروی ہیں وہ سب مل کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں، مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں، شفاعت کا مقصد سفارش قبول کرتا ہے تو سفارش کرنے والے کی عزت بڑھتی ہے، یہی حکمت اُخروی شفاعتوں کی بھی ہے۔ کہ آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کئی طرح کی ہوگی، پہلی شفاعت کبریٰ ہوگی، پھر دوسری شفاعتیں ہوں گی:

(۱) سب سے پہلے جب تمام اہل محشر پریشان ہونگے، حساب کتاب شروع نہیں ہو رہا ہوگا، اور کسی کو لب ہلانے کی مجال نہیں ہوگی

اس وقت تمام امتیں مل کر حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سبھی انبیاء علیہم السلام سے درخواست کریں گی کہ وہ ان کے لئے سفارش کریں کہ حساب کتاب شروع ہو جائے، اور مؤمنین کی بے چینی ختم ہو، مگر ہر ایک نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا، کوئی شفاعت کی ہمت نہیں کرے گا، تب آخر میں تمام اہل محشر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمت کر کے اور اللہ کے لطف وکرم پر اعتماد کر کے آگے بڑھیں گے، اور پوری نیازمندی اور حسن ادب کے ساتھ اہل محشر کے لئے سفارش کریں گے، جو بارگاہ جلالت میں قبول ہوگی، پھر ملائکہ اور رب ذوالجلال زمین پر اتریں گے، اور حساب اور فیصلے شروع ہونگے، یہ شفاعت چونکہ تمام اہل محشر کے لئے ہوگی اس لئے اس کو شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔

(۲) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مختلف درجات کے گنہگاروں کے لئے سفارش کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفاعت بھی قبول ہو گی اور بے شمار گناہ گار امتی جہنم سے چھٹکارا پائیں گے۔

(۳) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں ترقی درجات کی بھی استدعاء کریں گے، یہ دعا بھی قبول ہوگی اور ان جنتیوں کے درجات دوبالا ہو جائیں گے۔

(۴) اسی طرح کچھ نیک امتیوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کریں گے اور ان کو بے حساب جنت میں داخلہ مل جائے گا۔

(۵) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جائے گا تو امت کے صالحین بھی اپنے متعلقین کے لئے سفارش کریں گے، یہاں تک کہ وہ معصوم بچے جو کم عمری میں فوت ہوئے ہیں: وہ بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارش کریں گے۔

(۶) اسی طرح بعض اعمال صالحہ بھی اپنے عاملوں کے لئے سفارش کریں گے، جیسے سورۂ بقرہ اور آل عمران اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارش کریں گی، اور یہ سفارشیں بھی قبول ہوگی۔

(۷) اسی طرح انبیائے کرامؑ بھی اپنی امتوں کے لئے مختلف سفارشیں کریں گے۔

(۸) نیز معزز فرشتے بھی بعض انسانوں کے لئے سفارش کریں گے اور یہ سفارشیں بھی قبول کی جائیں گی۔

(۹) اور آخر میں رب ذوالجلال اپنی مہربانی سے باقی ماندہ مؤمنین کو جہنم سے نکالیں گے۔ یہ بھی ایک طرح کی سفارش ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے کی اور اللہ تعالیٰ ہی نے قبول فرمائی۔ مگر یہ بات قطعی ہے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو دوزخ سے نہیں نکال سکے گا، نہ سفارش کیلئے زبان کھول سکے گا، آیت الکرسی میں ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ کون ہے وہ جو اس بارگاہ میں ان کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے کوئی سفارش کرے؟ اور سورۃ الانبیاء آیت ۲۸ میں ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ اور فرشتے سفارش نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہوگی۔

غرض شفاعت: دراصل سفارش کرنے والوں کی عظمت ومقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام واعزاز کے لئے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں میں اور ان کے فیصلوں میں دخل دینے کی کسی میں مجال نہیں۔ (ماخوذ از معارف الحدیث ۱: ۲۴۶ مع اضافہ)

لوگ قیامت کے دن میدان حشر میں جمع کر کے چھوڑ دیئے جائیں گے، حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ زمین پر نہیں اتریں گے، جب شفاعت کبریٰ ہوگی، اس کے بعد ملائکہ اور رب ذوالجلال زمین پر آئیں گے اور قیامت کے معاملات شروع ہوں گے۔

قوله: نفسي ! اي نفسي هي التي تستحق ان يشفع لها: میرا نفس ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے لئے سفارش کی

جائے، یعنی مجھے اپنی ہی فکر ہے، میں دوسروں کے لئے کیا سفارش کروں!

سیدنا نوح علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا کہ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کا مجھ سے سوال نہ کرو تو وہ سفارش کرنے سے بھی اس لیے معذرت کردیں گے کہ کہیں سفارش کی درخواست بھی ممانعت کی قبیل نہ ہو۔

فيقولون يانوح انت اول الرسل الى اهل الأرض: اے نوح علیہ السلام آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔

اعتراض: ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین نبی حضرت آدمی حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہم السلام دنیا میں آچکے تھے تو پھر حضرت نوح علیہ السلام اہل زمین کی طرف پہلے رسول کیسے ہیں؟

جواب: یہ ہے کہ پہلے تینوں نبی جب دنیا میں آئے تو ان کے مخاطب اہل ایمان اور اہل کفر دونوں تھے ان کے برخلاف حضرت نوح علیہ السلام کو جب مبعوث کیا گیا تو پوری روئے زمین صرف کافر ہی کافر تھے اہل ایمان کا وجود ہی نہیں تھا اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں آنے والے پہلے نبی ہیں جن کا واسطہ صرف کافروں سے پڑا تھا۔

(۱) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین خلاف واقعہ باتوں کا تذکرہ پہلے (ابواب البر والصلۃ باب ۲۶ میں) آچکا ہے۔

(۲) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کوتاہی کا ذکر نہیں کیا، مگر ترمذی (۲:۱۴۳) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت آرہی ہے کہ انی عبدت من دون اللہ یعنی لوگوں نے میری پوجا کی اس لئے اگر اللہ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ یہ تعلیم تم نے دی تھی؟ تو میں کیا جواب دونگا؟ اس لئے آج سفارش کرنے کی میری ہمت نہیں۔

یارب امتی یارب امتی......

اعتراض: ہوتا ہے کہ حدیث کے شروع میں ان لوگوں کی شفاعت کی درخواست کا ذکر ہے جو میدان حشر کی سختیوں سے تنگ آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کریں گے تاکہ ان کا حساب جلد شروع ہوجائے میدان حشر کی تنگیوں سے نکل جائیں لیکن حدیث کے آخر میں صرف امت محمدیہ کے لیے شفاعت کا ذکر ہے۔

جواب(۱): حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں اختصار ہے راوی نے پورا کلام ذکر نہیں کیا چنانچہ سب سے پہلے شفاعت عظمیٰ ہوگی جس میں ان لوگوں کی درخواست کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائیں گے تاکہ ان کا حساب جلد شروع ہوجائے اور وہ اس سختی سے نکل جائیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی خاص طور پر شفارش فرمائیں گے راوی نے صرف ایک شفاعت کا ذکر کردیا یا دوسری کو اختصار ترک کردیا۔

(۲) قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا: ادخل من أمتك من لا حساب عليه اس میں اگر غور کیا جائے تو اس میں اس شفاعت کا بھی ذکر موجود ہے جس شفاعت کا ذکر حدیث کے شروع میں کیا گیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حشر کی سختیوں سے نکلنے کے لیے جلد حساب کی سفارش فرمائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ اپنی امت کے ان افراد کو جنت میں داخل کردیں۔ جنت میں دائیں جانب کا ایک دروازہ اس امت کے لئے خاص ہوگا۔ اور دوسرے دروازوں سے بھی یہ امت جنت میں داخل ہوگی۔ اور یہ روایت متفق علیہ ہے، مسلم شریف کتاب الایمان (باب ۸۴ حدیث ۱۹۴) بخاری شریف (حدیث ۴۷۱۲) (تفسیر سورۂ بنی اسرائیل)۔

بَابُ مِنْهُ

باب ۱۰: شفاعت صغریٰ کا بیان

(۲۳۵۹) شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

(۲۳۶۰) شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ فَقَالَ جَابِرٌ يَا مُحَمَّدُ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْكَبَائِرِ فَمَا لَهُ وَلِلشَّفَاعَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے محمد (یعنی امام باقر) جو لوگ کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہیں ہوں گے ان کا شفاعت سے کیا تعلق؟

باب ۱۱:

(۲۳۶۱) وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا وَثَلَاثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے پروردگار نے میرے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے وہ میری امت کے ستر ہزار افراد کو اس طرح جنت میں داخل کرے گا کہ ان پر حساب دینا لازم نہیں ہوگا اور انہیں کوئی عذاب نہیں ہوگا ان میں سے ہر ایک ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے (اور میرا پروردگار) تین مرتبہ لپ بھر کر (لوگوں کو جہنم سے آزاد کرے گا)۔

(۲۳۶۲) يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَكْثَرُ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ سِوَاكَ قَالَ سِوَايَ فَلَمَّا قَامَ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوا هٰذَا ابْنُ أَبِي الْجَذْعَاءِ.

ترجمہ: عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں میں کچھ افراد کے ہمراہ ایلیاء کے مقام پر تھا ان میں سے ایک صاحب بولے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری امت کے ایک فرد کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں بنو تمیم سے زیادہ افراد داخل ہوں گے عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص آپ کے علاوہ کوئی ہوگا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے علاوہ کوئی ہوگا۔ (راوی بیان کرتے ہیں) جب وہ صاحب چلے گئے تو میں نے دریافت کیا یہ کون تھے؟ تو لوگوں نے بتایا یہ حضرت ابن ابی جذعاء رضی اللہ عنہ تھے۔

(۲۳۶۳) يَشْفَعُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمِثْلِ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ.

ترجمہ: حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ربیعہ اور مضر (قبیلوں کے افراد جتنی تعداد میں) لوگوں کی شفاعت کرے گا۔

(۲۳۶۴) اِنَّ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ مِنَ النَّاسِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْعَصَبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ایک بڑے گروہ کی شفاعت کریں گے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو ایک قبیلے کی شفاعت کریں گے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو ایک جماعت کی شفاعت کریں گے اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو ایک شخص کی شفاعت کریں گے (اور ان کی شفاعت کی وجہ سے) وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

باب ۱۲

(۲۳۶۵) اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيَّرَنِيْ بَيْنَ اَنْ يُّدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ میرے پاس آیا اس نے مجھے یہ اختیار دیا ہے میں اپنی نصف امت کو جنت میں داخل کروادوں یا شفاعت کے حق کو اختیار کروں تو میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا یہ شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو اس عالم میں مرے کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

تشریح: گزشتہ باب کے شروع میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شفاعت کبریٰ کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے اور بھی مختلف سفارشیں کریں گے، جن کا بیان اس باب میں ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں سات حدیثیں لکھی ہیں جن میں مختلف شفاعتوں کا ذکر ہے۔

حدیث (۳) کی تشریح: یہ حدیث شفاعت صغریٰ کے باب میں اس لئے لائی گئی ہے کہ اللہ پاک کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ کہ وہ ایک بڑی تعداد کو بے حساب اور بے عذاب جنت میں داخل کریں گے، یہ وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز واکرام ہے، پس یہ عدہ بھی حکمی شفاعت ہے اور آخر میں پروردگار عالم جو تین لپیں بھر کر جہنم سے جنت میں ڈالیں گے یہ بھی حکمی شفاعت ہے، کیونکہ اس کا بھی وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حدیث (۴) کی تشریح: ہر نبی اپنی امت کا فرد ہوتا ہے، چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی جس طرح امتیوں کے لئے ضروری ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ضروری تھی۔ جب مؤذن اذان پکارتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جملہ کا یہی جواب دیتے تھے، چنانچہ صحابہ نے پوچھا کہ وہ امتی جس کی سفارش سے لوگوں کی بڑی تعداد جنت میں جائے گی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور شخصیت ہوگی یا

آپ ﷺ ہی کی سفارش سے یہ تعداد جنت میں جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے علاوہ امتی ہوگا۔

حدیث (۷) کی تشریح: نبی ﷺ نے دوسری بات یعنی شفاعت کو اس لئے اختیار فرمایا کہ آپ اس کے ذریعہ اپنی پوری امت کو بخشوائیں گے، البتہ نام نہاد امتی مستثنیٰ ہیں، کیونکہ جو شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہوسکتی۔

امت محمدیہ کی ایک خصوصیت:

ان احادیث میں امت محمدیہ کی ایک خصوصیت کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن اس امت کے ان لوگوں کی حضور ﷺ سفارش فرمائیں گے جنہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہوگا اور توبہ کے بغیر دنیا سے چلے گئے ہوں گے دوسری امتوں کے لیے یہ شفاعت نہیں ہوگی۔

امت محمدیہ میں سے حساب کے بغیر جنت میں جانے والوں کی تعداد:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار لوگوں کو حساب وکتاب کے بغیر ہی جنت میں داخل فرمائیں گے اور پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور مزید اللہ تعالیٰ اپنے تین چلو کے بقدر لوگوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سبعین کے لفظ سے یا تو یہ مخصوص تعداد ہی مراد ہے اور یا اس سے کثرت مراد ہے کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ سے بطور مبالغہ کے کثرت وزیادتی مراد لی جاتی ہے نیز ثلاث حثیات کے لفظ سے بھی کثرت وزیادتی مراد لی جاتی ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے میری امت کے بے شمار لوگوں کو حساب وعذاب کے بغیر ہی جنت مین داخل فرمائیں گے۔

رجل سے کون مراد ہے؟ دو قول ہیں: (۱) رجل ،، سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں جیسا کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی مرسلاً روایت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے۔

(۲) ان سے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، کیونکہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہے جسے اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا، وہ قیامت کے دن قبیلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگوں کی سفارش کرے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ صِفَةِ الْحَوْضِ

باب ۱۳: حوض کوثر کے احوال

(۲۳۶۶) اِنَّ فِيْ حَوْضِيْ مِنَ الْاَبَارِيْقِ بِعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَاءِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میرے حوض پر آسمان کے ستاروں کی تعداد جتنے کوزے ہوں گے۔

(۲۳۶۷) اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَّاِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَّاِنِّيْ اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور وہ آپس میں اس بات پر فخر کا اظہار کریں گے ان میں سے کس کے حوض پر زیادہ لوگ آئے ہیں؟ مجھے یہ امید ہے میرے حوض پر سب سے زیادہ تعداد میں لوگ

آئیں گے۔

تشریح: حوض کوثر کا طول وعرض کتنا ہوگا؟

حوض کوثر کی وسعت بیان کرنے کے لیے مختلف حدیثوں میں مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیانی فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اعتراض: کوثر کے لئے بعض احادیث میں لفظ حوض استعمال کیا گیا ہے، اور بعض میں نہر اور حوض کوثر کا رقبہ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک راہ رو اس کے کنارہ سے دوسرے کنارہ تک کی مسافت ایک مہینہ میں طے کر سکے گا، اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ اس کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک کا فاصلہ عدن اور عمان کے درمیان کے فاصلہ کے بقدر ہوگا، بہر حال آخرت کی چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا، اس کی واقعی نوعیت اسی وقت سامنے آئے گی جب ہم اس حوض پر پہنچیں گے۔

گویا مسافت کے بیان کے لحاظ سے روایات میں تعارض ہے؟ تو کیا تطبیق ہے؟

جواب ①: ان تمام احادیث میں حوض کوثر کی لمبائی اور چوڑائی کو متعین طور پر حد بندی کے ساتھ بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سے صرف اس کی لمبائی اور چوڑائی کی وسعت وزیادتی کو بیان کیا گیا ہے اور احادیث میں مختلف شہروں کی مسافتیں مختلف سامعین کے اعتبار سے بیان کی گئی ہیں جو شخص جن علاقوں سے واقف تھا ان کی مسافتوں کے بارے میں اسے علم تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے سامنے حوض کوثر کی وسعت کو سمجھانے کے لیے اسی علاقے کا نام ذکر فرمادیا۔

جواب ②: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا نبی کریم ﷺ نے پہلے تھوڑی مسافت کا ذکر فرمایا پھر آپ کو وحی کے ذریعہ زیادہ کا بتایا گیا تو آپ ﷺ نے پھر زیادہ مسافت کو بیان فرمادیا۔

سوال: پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہر جنت کے اندر ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت کے باہر میدان حشر ہے اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض سے جس کا پانی نہایت سفید وشفاف اور بے انتہا لذیذ وشیریں ہوگا نوش جاں کریں گے۔

جواب یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکز جنت کے اندر ہے، اور میدان محشر میں سیکڑوں میل کے طول وعرض میں ایک نہایت حسین وجمیل تالاب ہوگا جس میں جنت کے اس چشمہ سے پانی آکر جمع ہوگا، جیسے واٹر ورکس سے پورے شہر میں پانی سپلائی ہوتا ہے۔

فقراء المهاجرين: سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے نیز انہی کے حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن سے ہجرت اختیار کی اور مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ جا کر بس گئے اور دین کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔

ولكني نكحت المتنعمات: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خوشحال گھرانے سے شادی کی تھی ان کی اہلیہ فاطمہ خلیفہ عبد الملک بن مروان کی بیٹی تھی، اور اس کے چاروں بھائی سلیمان یزید ہشام اور ولید بھی خلیفہ تھے اور ان کے شوہر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی خلیفہ تھے۔

———✻———

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ

باب ۱۴: حوض کوثر کے برتنوں کے احوال

(۲۳۶۸) قَالَ بَعَثَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَحُمِلْتُ عَلَى الْبَرِيدِ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ مَرْكَبِي الْبَرِيدُ فَقَالَ يَا أَبَا سَلَّامٍ مَا أَرَدْتُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ وَلَكِنْ بَلَغَنِي عَنْكَ حَدِيثٌ تُحَدِّثُهُ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَوْضِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ تُشَافِهَنِي بِهِ قَالَ أَبُو سَلَّامٍ ثَنِي ثَوْبَانُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ حَوْضِي مِنْ عَدَنٍ إِلَى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ وَأَكْوَابُهُ عَدَدُ نُجُومِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا أَوَّلُ النَّاسِ وُرُودًا عَلَيْهِ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ الشُّعْثُ رُؤُسًا الدُّنْسُ ثِيَابًا الَّذِينَ لَا يَنْكِحُونَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ قَالَ عُمَرُ لَكِنِّي نَكَحْتُ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَفُتِحَتْ لِيَ السُّدَدُ نَكَحْتُ فَاطِمَةَ بِنْتَ عَبْدِ الْمَلِكِ لَا جَرَمَ أَنِّي لَا أَغْسِلُ رَأْسِي حَتَّى يَشْعَثَ وَلَا أَغْسِلُ ثَوْبِي الَّذِي يَلِي جَسَدِي حَتَّى يَتَّسِخَ.

ترجمہ: ابوسلام حبشی بیان کرتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بلوایا تو میں ڈاک والے جانور پر سوار ہو کر آیا جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ نے ڈاک والے جانور پر سوار کر کے مجھے مشقت کا شکار کیا ہے تو انہوں نے فرمایا اے ابوسلام میں آپ کو مشقت کا شکار نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے آپ کے حوالے سے ایک حدیث کا پتہ چلا جسے آپ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حوض کوثر کے بارے میں نقل کرتے ہیں تو میری یہ خواہش ہوئی کہ میں بالمشافہ طور پر آپ سے اسے سن لوں تو ابوسلام نے جواب دیا مجھے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ حدیث سنائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

میرا حوض عدن سے لے کر عمان بلقاء تک بڑا ہوگا اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں جتنے ہوں گے جو شخص اس میں سے پی لے گا اس کے بعد اسے کبھی پیاس نہیں لگے سب سے پہلے اس حوض پر غریب مہاجرین آئیں گے جن کے بال بکھرے ہوئے ہوں گے کپڑے میلے کچیلے ہوں گے وہ لوگ جو صاحب حیثیت عورتوں کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے تھے اور جن کے لیے بند دروازے کھولے نہیں جاتے تھے۔

اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بولے میں نے تو صاحب حیثیت عورتوں کے ساتھ شادی بھی کی ہے اور میرے لیے بند دروازے کھولے بھی جاتے ہیں میری شادی فاطمہ بنت عبدالملک سے ہوئی ہے اس لیے میں کم از کم یہ ضرور کروں گا کہ اپنے سر کو اس وقت تک نہیں دھوؤں گا جب تک وہ گرد آلود نہ ہو جائے اور اپنے کپڑے اس وقت تک نہیں دھوؤں گا جب تک وہ میلے کچیلے نہ ہو جائیں گے۔

(۲۳۶۹) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ مَا آنِيَةُ الْحَوْضِ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ

وَ كَوَاكِبِهَا فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ مُصْحِيَةٍ مِنْ اٰنِيَةِ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ اٰخِرَ مَا عَلَيْهِ عَرْضُهُ مِثْلُ طُوْلِهٖ مَا بَيْنَ عُمَانَ اِلٰى اَيْلَةَ مَاؤُهٗ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ حوض (کوثر) کے برتن کیسے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہوں گے وہ ستارے جو ایسی اندھیری رات میں ہوتے ہیں جس میں بادل نہ ہوں وہ جنت کے برتنوں سے تعلق رکھتے ہوں گے جو شخص اس حوض سے پی لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی اس کی چوڑائی اس کی لمبائی جتنی ہوگی اور اتنی ہوگی جتنا عمان اور ایلہ کے درمیان فاصلہ ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔

تشریح: اللیلۃ المظلمۃ: تاریک رات یعنی جس میں چاند نہ ہو، ایسی رات میں تارے بہت نظر آتے ہیں، کیونکہ چاند کی روشنی بھی بہت سے تاروں کو چھپا دیتی ہے۔ من انیۃ الجنۃ: کا متعلق کائنۃ پوشیدہ ہے، اور مبتدا بھی پوشیدہ ہے، یعنی حوض کوثر کے برتن جنت سے لائے جائیں گے۔ اخر ما علیہ: منصوب بنزع خافض ہے ای الی اخر ما علیہ: اس حالت کے آخر تک جس پر وہ ہے یعنی قیامت کے پورے دن میں وہ پیاسا نہیں ہوگا۔

اور باب کے آخر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے مگر یہ حدیث معلوم نہیں کس کتاب میں ہے، اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روی فعل مجہول استعمال کیا ہے، اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت بیان کی ہے وہ اس لئے بھی صحیح نہیں کہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں کوفہ کا وجود نہیں تھا، یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بسایا گیا ہے۔

لغات: اباریق: ابریق کی جمع ہے: آبخورے، جگ۔ یتباھون: آپس میں فخر و مباحات کریں گے۔ واردۃ: آنے والے۔ برید: یہ فارسی زبان کا کلمہ ہے، اس کے معنی "خچر" کے ہیں، اور اصل میں یہ لفظ "بریدہ دم" ہے جس کے معنی "دم کٹا" کے ہیں، یہ خچر ایک مقام سے دوسرے مقام تک ڈاک لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اور علامت کے طور پر اس کی دم کو کاٹ دیا جاتا تھا، پھر اس ڈاکیہ کو برید کہا جانے لگا جو اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا یہاں حدیث میں برید کے اصل معنی یعنی خچر ہی مراد ہیں۔ احلی: زیادہ میٹھا۔ اکواب: رکوب کی جمع ہے: دستہ کے بغیر کوزہ گلاس۔ الشعث: (شین پر پیش اور عین کے سکون کے ساتھ) اشعث کی جمع ہے پراگندہ بال منتشر اور بکھرے ہوئے بال والا۔ الدنس: (دال اور نون پر پیش کے ساتھ) دنس (دال اور نون پر زبر کے ساتھ) میل کچیل۔ المتنعمات: متنعمۃ کی جمع ہے ناز و نعمت میں پروردہ لڑکیاں۔ لا ینکحون المتنعمات: اس مضارع کی معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے معروف کی صورت میں معنی ہوں گے: آسودہ حال لڑکیوں سے نکاح نہیں کر سکتے، اور مجہول کی صورت میں معنی ہوں گے: وہ خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں سے نکاح کے قابل نہیں سمجھے جاتے، سدد: (سین پر پیش اور دال پر زبر کے ساتھ) سدۃ کی جمع ہے: دروازے۔ یتسخ: وہ میلا کچیلا ہو جائے۔ مصحیۃ: وہ رات جو بادل سے بالکل صاف ہو۔

اَبْوَابُ الرِّقَائِقِ

دل نرم کرنے کے بیان میں

الرقائق: الرقیقۃ کی جمع ہے، اور الرقاق: الرقیق کی جمع ہے، دونوں کے معنی ہیں: پتلی، اور مراد ہے: دل کو نرم کرنے والی باتیں۔ اب یہاں سے رقاق کی حدیثیں شروع ہوتی ہیں، اب تک جو حدیثیں تھیں وہ قیامت کے احوال سے متعلق تھیں، اور گذشتہ عنوان میں تین باتیں شامل تھیں: قیامت کے احوال، دل کو نرم کرنے والی باتیں، اور پرہیزگاری کا بیان۔ قیامت کے احوال بیان ہو چکے، اب رقاق کی روایتیں شروع ہوتی ہیں۔

⁂

باب

باب ۱: اللہ پر بھروسہ کرنے والے بے حساب جنت میں جائیں گے

(۲۳۷۰) لَمَّا أُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ ﷺ جَعَلَ یَمُرُّ بِالنَّبِیِّ وَالنَّبِیَّیْنِ وَمَعَهُمُ الْقَوْمُ وَالنَّبِیِّ وَالنَّبِیَّیْنِ وَمَعَهُمُ الرَّهْطُ وَالنَّبِیِّ وَالنَّبِیَّیْنِ وَلَیْسَ مَعَهُمْ أَحَدٌ حَتّٰی مَرَّ بِسَوَادٍ عَظِیْمٍ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قِیْلَ مُوْسٰی وَقَوْمُهٗ وَلٰکِنِ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَانْظُرْ قَالَ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِیْمٌ قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ مِنْ ذَا الْجَانِبِ وَمِنْ ذَا الْجَانِبِ فَقِیْلَ هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَسِوٰی هٰؤُلَاءِ مِنْ أُمَّتِكَ سَبْعُوْنَ أَلْفًا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ فَدَخَلَ وَلَمْ یَسْأَلُوْهُ وَلَمْ یُفَسِّرْ لَهُمْ فَقَالُوْا نَحْنُ هُمْ وَقَالَ قَائِلُوْنَ هُمْ أَبْنَاؤُنَا الَّذِیْنَ وُلِدُوْا عَلَی الْفِطْرَةِ وَالْإِسْلَامِ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ هُمُ الَّذِیْنَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَلَا یَسْتَرْقُوْنَ وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ فَقَالَ عُکَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ أَنَا مِنْهُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَامَ اٰخَرُ فَقَالَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُکَّاشَةُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کروائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر کچھ ایسے انبیاء کے پاس سے جن کے ساتھ کافی لوگ تھے کچھ ایسے انبیاء کے پاس سے ہوا جن کے ساتھ چند لوگ تھے کچھ ایسے انبیاء کے پاس سے ہوا جن کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک بڑے گروہ کے پاس سے ہوا (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) میں نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ تو جواب دیا گیا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہیں لیکن آپ اپنا سر اٹھائیے اور ملاحظہ کیجیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرماتے ہیں تو وہاں ایک بڑی جماعت تھی جس نے افق کی اس طرف سے بھی اور اس طرف سے بھی بھر دیا تھا تو یہ بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت ہے اور آپ ﷺ کی امت کے ان افراد کے علاوہ ستر ہزار لوگ ایسے ہیں جو کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

(راوی بیان کرتے ہیں) اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے لوگوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور آپ نے بھی ان کے سامنے اس کی وضاحت نہیں کی لوگوں نے یہ کہا اس سے مراد ہم لوگ ہوں گے (جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے) کچھ حضرات نے یہ کہا اس سے مراد ہماری اولاد ہوگی جو دین فطرت اور اسلام پر پیدا ہوئے ہوں گے پھر آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور فال نہیں نکالتے بلکہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں (راوی بیان کرتے ہیں) حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں ان میں ہوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اس نے عرض میں ان میں سے ہوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا عکاشہ تم پر سبقت لے گیا ہے۔

تشریح: سوال یہ ہے کہ اس بات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کو نہیں پہچان سکیں گے جب کہ دیگر بے شمار روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے افراد کو اعضاء وضو کے روشن اور چمکنے کی وجہ سے ہی پہچان لیں گے بظاہر تعارض ہے؟

جواب: یہ ہے کہ دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں اس لیے کہ وہ لوگ جنہیں آپ نے معرج کے موقع پر افق پر دیکھا انہیں پہچانا نہیں جا سکتا تھا انہیں دیکھ کر صرف کثرت اور بھاری تعداد ہی پر اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور جن روایات میں پہچاننے کا ذکر ہے ان سے مراد یہ ہے کہ اس وقت لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوں گے جس سے آپ انہیں پہچان لیں گے۔

(۲) اس امت کے ستر ہزار لوگ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے' چنانچہ حدیث میں فرمایا: **هولاء أمتك وسوى هولاء من امتك سبعون الفا......**

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر ہزار سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان لوگوں کے علاوہ ہیں جن کے بارے میں آپ کو بتایا گیا: **هولاء أمتك** سے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ستر ہزار لوگ بھی ان ہی میں سے ہوں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے، اس کے دوسرے معنی کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے: **هذه أمتك ويدخل الجنة من هؤلاء سبعون الفا.** یہ آپ کی امت کے افراد ہیں اور انہی میں سے ستر ہزار انسان ایسے بھی ہیں، جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول ہوئی: مگر دوسرے صاحب کی قبول نہ ہوئی سبقک بہا عکاشۃ کس وجہ سے فرمایا؟

توجیہ ①: بعض حضرات کے نزدیک حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے جب دعا کرائی تو وہ قبولیت کا وقت تھا اس لیے ان کے حق میں تو دعا قبول ہوگئی لیکن دوسرے نے جب کہا تو اس وقت دعا کی قبولیت کا وقت نہیں تھا اس لیے اس کے بارے میں آپ نے دعا نہیں فرمائی۔

توجیہ ②: یا اس لیے کہ وہ پوچھنے والا ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن کی بغیر حساب کے مغفرت ہوگی۔

توجیہ ③: اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو لیکن حضور ﷺ نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب ہر ایک اٹھ کر اپنے بارے میں پوچھنا شروع کر دے کہ میں بھی ان خوش نصیب لوگوں

میں سے ہوں یا نہیں۔؟

صحیح وجہ وہ پہلی ہے جو مسلم شریف کی روایت میں آئی ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی درخواست کی تھی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی، کیونکہ وہ قبولیت کی گھڑی تھی، پھر جب دوسرے صاحب نے درخواست کی تو وہ گھڑی ختم ہو چکی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا نہیں کی، اور فرمایا: عکاشہ سبقت لے گئے اور تم پیچھے رہ گئے!

فقال انا منهم یا رسول الله ﷺ؟ قال نعم، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے انہوں نے دعا کروائی اور پھر پوچھا کہ کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ: جی ہاں تم بھی ان میں سے ہو گویا تمہارے حق میں دعا قبول ہو گئی ہے۔

حضرت عکاشہ ایک مشہور صحابی رضی اللہ عنہ کا تعارف:

حضرت عُکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن بن حرثان، یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے ابتداء میں اسلام قبول کر لیا تھا تمام غزوات میں پابندی سے شریک ہوتے رہے غزوہ بدر میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی یا کھجور کی شاخ انہیں دی تو ان کے ہاتھ میں معجزانہ طور پر وہ تلوار بن گئی اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دیدی کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں حساب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

لغات: الرهط: (را پر ہا کے سکون کے ساتھ) گروہ جماعت۔ سواد: بھاری تعداد جم غفیر جمع اسودۃ سد الأفق آسمان کو کثرت کی وجہ سے ڈھانپ دیا۔ لا یکتبوون: وہ داغ نہیں لگاتے۔ لا یسترقون: وہ لوگ جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔ لا یتطیرون: وہ بدفالی نہیں لیتے جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

باب

باب: دین پر صحیح طرح عمل ضروری ہے

(۲۳۷۱) مَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كُنَّا عَلَيْهِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ اَيْنَ الصَّلٰوةُ قَالَ اَوَلَمْ تَصْنَعُوْا فِيْ صَلَاتِكُمْ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اب مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج ہوئی تھی راوی بیان کرتے ہیں میں نے دریافت کیا نماز کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اپنی نمازوں کے بارے میں تم لوگ جو کچھ کرتے ہو وہ تمہارے علم میں ہے۔

یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ طبقات ابن سعد میں ہے، اور یہاں ابو عمران جونی کی جو روایت ہے وہ مختصر ہے، اور اس میں یہ جملہ کا بھی مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا، اور یہ حدیث بخاری شریف میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دیگر تلامذہ سے مروی ہے۔ (حدیث ۵۲۹، ۵۳۰)

باب

باب: چند برے لوگوں کا تذکرہ

(۲۳۷۲) بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَخَيَّلَ وَاخْتَالَ وَنَسِيَ الْكَبِيْرَ الْمُتَعَالِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ تَجَبَّرَ وَاعْتَدٰى وَنَسِيَ الْجَبَّارَ الْأَعْلٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ سَهَا وَلَهَا وَنَسِيَ الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ عَتَا وَطَغٰى وَنَسِيَ الْمُبْتَدَا وَالْمُنْتَهٰى بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَّخْتِلُ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ يَّخْتِلُ الدِّيْنَ بِالشُّبُهَاتِ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ طَمَعٌ يَّقُوْدُهٗ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ هَوًى يُضِلُّهٗ بِئْسَ الْعَبْدُ عَبْدٌ رَغَبٌ يُّذِلُّهٗ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے وہ بندہ بہت برا ہے جو خود کو (دوسروں) سے اچھا سمجھے اور تکبر کرے اور کبیر متعال کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو سختی کرے اور زیادتی کرے اور جبار اور اعلیٰ ذات کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو بھول جائے اور لہو لعب میں مشغول ہو جائے اور قبر اور گل سڑ جانے کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو سرکشی اور نافرمانی کرے اور اپنے آغاز اور انتہاء کو بھول جائے اور وہ بندہ بھی بہت بُرا ہے جو دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو دین میں شبہات شامل کر دے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جو لالچ کو رہنما بنالے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جس کی خواہش نفس اسے گمراہ کر دے اور وہ بندہ بھی بہت برا ہے جس کی خواہشات اسے ذلیل کر دیں۔

تشریح: اس روایت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان کو ان بری صفات سے بچ کر زندگی گزارنی چاہیے تاکہ وہ اللہ اور رسول کی نظر میں بہترین انسان ثابت ہو اور اسے وہ فضیلتیں حاصل ہوسکیں جو کہ کامل ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔

لغات: تخیل: دوسروں سے اپنے آپ کو اچھا اور بہتر جانا تکبر کیا۔ اختال: فخر وغرور اور تکبر کیا۔ تجبر: تکبر کیا۔ اعتدی: ظلم وزیادتی کی۔ سھی: دنیاوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے دین کے کاموں کو یعنی اللہ کی اطاعت کو بھول گیا۔ لھی: لہو ولعب اور کھیل کود میں مشغول رہا۔ البلی: (باء کے نیچے زیر) ہڈیوں کا بوسیدہ اور فنا ہو جانا۔ عتا: فساد پھیلائے طغی: تکبر وسرکشی کرے۔ المبتداء: ابتداء اس سے تخلیق مراد ہے کہ وہ کس قدر ذلیل اور گندے پانی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ المنتھی: انتہاء مراد یہ ہے کہ بالآخر اس نے قبر میں جانا ہے جو وحشت وتنہائی اور کیڑے مکوڑوں کا گھر ہے۔ یختل: طلب کرتا ہے حاصل کرتا ہے فساد پھیلاتا ہے خراب کرتا ہے۔ الشبھات: شبھه کی جمع ہے: شبہات اور اعتراضات۔ یقودہ: اس کو ہانک کرلے جاتی ہے کھینچ کرلے جاتی ہے رعب (را پر پیش اور زبر غین پر زبر اور سکون کے ساتھ) دنیا طلبی کی زیادہ رغبت۔ وحرص یذله: (یا پر پیش اور ذال کی زیر کے ساتھ) حرص وہوس اس کو ذلیل کرے گی۔

حدیث کا حال: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی ھاشم ضعیف ہے، اور زید خشعمی مجہول راوی ہے۔

——*——

باب

باب: غریبوں کو کھلانے، پلانے اور پہنانے کی فضیلت

(۲۳۷۳) اَيُّمَا مُؤْمِنٍ اَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَقٰى مُؤْمِنًا عَلٰى ظَمَاءٍ سَقَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ وَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ كَسَا مُؤْمِنًا عَلٰى عُرْىٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو بھی مومن کسی دوسرے مومن کو اس کی بھوک کے عالم میں کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اس (پہلے مومن کو) قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مومن کسی پیاسے مومن کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے مہر لگا ہوا خالص مشروب پلائے گا اور جو مومن کسی دوسرے مومن کی ضرورت کے وقت اسے لباس پہننے کے لیے دے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز لباس پہنائے گا۔

تشریح: تینوں صورتوں میں جزاء جنس عمل سے ہے یعنی دنیا میں جو عمل کیا ہے آخرت میں اس کی ویسی ہی جزا ملے گی۔

جوع: (جیم پر پیش کے ساتھ) بھوک ظما (ظا اور میم پر زبر کے ساتھ) پیاس۔ رحیق: صاف اور خالص شراب۔ مختوم: مہر لگا یا ہوا یعنی اس کا ڈھکن کسی نے نہیں کھولا ہوگا۔ عری (عین پر پیش اور را کے سکون کے ساتھ برہنہ جسم ننگے بدن۔ خضر (خاء پر پیش اور ضاد کے سکون کے ساتھ) اخضر کی جمع ہے: سبز لباس۔

سند کا حال: اس حدیث کا راوی ابوالجارود الاعمی الکوفی رافضی تھا، ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اس کو کذاب کہا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے موقوف بھی مروی ہے، اور وہی ہمارے نزدیک اشبہ بالصواب ہے، مگر یہ حدیث ابوداؤد (حدیث ۱۶۸۲) میں ایک دوسری سند سے مرفوع مروی ہے، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس پر سکوت فرمایا ہے، پس یہ حدیث قابل اعتبار ہے۔

باب

باب: جنت نہایت قیمتی سامان ہے

۲۳۷۴۔ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خوف زدہ ہو وہ رات کے ابتدائی حصے میں سفر شروع کر دیتا ہے اور جو شخص رات کے ابتدائی حصے میں سفر شروع کر دے وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کا سامان مہنگا ہے یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔

تشریح: جنت بیش قیمت متاع ہے، پس اس کو حاصل کرنے کے لئے بڑی تیاری کی ضرورت ہے، جیسے وہ مسافر جسے دشمن کے شب

خوں کا ڈر ہے، شروع رات سے سفر شروع کر دیتا ہے، اور دشمن سے بچ جاتا ہے، اور جو شخص دیر کرتا ہے وہ دشمن کی زد میں آجاتا ہے، اسی طرح جو زندگی کے لمحات گنواتا ہے: ممکن ہے جنت اس کے ہاتھ نہ آئے، کیونکہ جنت کوئی گرا پڑا سامان نہیں جو ہر کسی کے ہاتھ آ جائے۔ اس مثال سے اس بات کو سمجھانا) پیش نظر ہے کہ اللہ کا مال متاع جنت ہے جو بلاشبہ انتہائی قیمتی ہے اور یہ اصول ہے کہ جو چیز جس قدر قیمتی ہو تو اس کے حصول کیلیے زیادہ محنت زیادہ تگ و دو جان و مال اور وقت کی قربانی دینی پڑتی ہے اور وہ یہ ہیکہ گناہوں کو مکمل طور پر چھوڑ دیا جائے اور اعمال صالحہ کئے کئے جائیں اور دشمن کے وار سے بچنے کے لیے عزم و ہمت سے کام لیا جائے ہمارا دشمن شیطان ہے ہمارا نفس۔

باب

باب: آدمی پرہیز گار کب بن سکتا ہے؟

(۲۳۷۵) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهِ الْبَأْسُ.

ترجمہ: حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں وہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کوئی بھی شخص اس وقت تک پرہیز گاروں میں شامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہیں ہوتا تا کہ وہ ان میں مبتلا ہونے سے بچ جائے جن میں حرج ہوتا ہے۔

تشریح: تقویٰ کے تین درجات ہیں: (۱) ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کفر و شرک سے برائت کا اظہار کر دے۔
(۲) ان تمام کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔
(۳) خلاف اولی امور کو بھی ترک کر دے تا کہ گناہوں میں مبتلا ہونے سے بچ جائے یہ تقوی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

ترکیب: ان یکون لا یبلغ کا ظرف ہے، اور مضاف مقدر ہے، ای لا یبلغ العبد درجة المتقین، حذرا: یدع کا مفعول لہ ہے، ای خوفا من ان یقع فیما فیہ باس۔ اور مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری حدیث کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے یترک فضول الحلال حذرا من الوقوع فی الحرام یعنی بے فائدہ حلال کو چھوڑ دے اس اندیشہ سے کہ وہ حرام میں جا پڑے گا۔

باب

باب: دین کا ولولہ دائم قائم نہیں رہتا

(۲۳۷۶) لَوْ اَنَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ كَمَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ لَاَظَلَّتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا.

ترجمہ: حضرت حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر تم لوگ (میرے پاس سے اٹھ کر بھی) اسی طرح رہو جیسے میری موجودگی میں ہوتے ہو تو فرشتے اپنے پروں کے ذریعے تم پر سایہ کر لیں۔

تشریح: دل کو عربی میں قلب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا، الٹتا پلٹتا رہتا ہے، چنانچہ کبھی اعمال دینیہ کی طرف

رغبت ہوتی ہے، کبھی نہیں ہوتی، سستی چھا جاتی ہے، پس قلب کی اچھی حالت سے فائدہ اٹھانا چاہئے، جب وہ اعمال صالحہ کی طرف راغب ہو: عمل کر لینا چاہئے، جب وہ اعمال صالحہ کی طرف راغب ہو: عمل کر لینا چاہئے ؛ کیونکہ یہ حالت بدل جائے گی پھر عمل کرنا مشکل ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قلب کے احوال دائم قائم نہیں رہتے، بس بجلی کی طرح کوندتے ہیں، اس لئے جب دل اعمال صالحہ کی طرف راغب ہو تو اس حالت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور جو کچھ ممکن ہو کر لینا چاہئے، اور باب میں اسی مضمون کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جو آگے ابواب صفۃ الجنۃ (باب ۲ حدیث ۲۵۲۱) میں آرہی ہے۔

لغات : شرۃ (شین کے نیچے زیر اور را پر تشدید اور زبر) حرص نشاط تیزی کمال فترۃ (فا پر زبر اور تا کے سکون کے ساتھ) ضعف کمزوری ڈھیلا پن زوال فان صاحبھا ان حرف شرط ہے اور صاحبھا بعد والے فعل کا فاعل مقدم ہے۔ قارب: اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے فارجوہ: (صیغہ امر ہے) تم اس کی بہتری اور کامیابی کی امید رکھو۔ فلا تعدوہ: تم اسے کسی شمار میں نہ لاؤ یعنی وہ ریاکار ہے۔ لہٰذا اسے نیکیوں میں سے نہ سمجھو۔ عروضہ: عرض کی جمع ہے: مصائب اور تکلیفیں بیماری بھوک پیاس اور پریشانی وغیرہ۔ ینھشہ: اسے ڈس لے گا۔

باب

باب: چستی کے بعد سستی آجاتی ہے

(۲۳۷۷) اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَّلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً فَاِنْ كَانَ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوْهُ وَاِنْ اُشِيْرَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہر چیز کی ایک مخصوص کشش ہوتی ہے اور ہر پر کشش چیز سے بے رغبتی بھی ہوتی ہے اگر وہ شخص سیدھا رہے اور میانہ روی اختیار کرے تو مجھے اس کے بارے میں (بھلے کی) امید ہے اور اگر انگلیوں کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیا جائے تو تم اسے کسی گنتی میں شمار نہ کرو۔

تشریح: عمل میں اعتدال ضروری ہے، جو شخص اس حال میں سیدھا چلتا ہے، اور اعتدال پر قائم رہتا ہے اس سے امید باندھو کہ وہ کچھ بنے گا اور اگر وہ حد سے تجاوز کر جائے، اور اتنا عبادت میں مشغول ہو جائے کہ لوگ اس کی طرف اشارے کرنے لگیں کہ فلاں ایسا عبادت گزار ہے، ویسا عبادت گزار ہے، تو وہ شخص قابل لحاظ نہیں، کیونکہ یہ ہانڈی کا ابال ہے جو تھوڑی دیر میں بیٹھ جائے گا، آدمی انہی اعمال پر برقرار رہ سکتا ہے جن میں اعتدال ہوتا ہے۔

یہ حدیث سیوطی رحمہ اللہ نے جامع صغیر قرار دیا ہے، اسی لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روی (فعل مجہول) استعمال کیا ہے۔

———*———

باب

باب: امیدیں کوتاہ کرنے کا بیان

(۲۳۷۸) خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خُطًّا مُرَبَّعًا وَّخَطَّ فِيْ وَسَطِ الْخَطِّ خَطًّا وَّخَطَّ خَارِجًا مِّنَ الْخَطِّ خَطًّا وَّحَوْلَ الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ خُطُوْطًا فَقَالَ هٰذَا ابْنُ اٰدَمَ وَهٰذَا اَجَلُهٗ مُحِيْطٌ بِهٖ وَهٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ الْاِنْسَانُ وَهٰذِهِ الْخُطُوْطُ عُرُوْضُهٗ اِنْ نَّجَا مِنْ هٰذَا يَنْهَشُهٗ هٰذَا وَالْخَطُّ الْخَارِجُ الْاَمَلُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے مربع کی شکل میں لکیریں کھینچیں اور پھر ان لکیروں کے درمیان میں ایک لکیر کھینچی پھر اس مربع کے باہر ایک لکیر کھینچی اور جو درمیان میں لکیر تھی اس کے اردگرد کچھ اور لکیریں کھینچیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ آدم کا بیٹا ہے یہ اس کی زندگی ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ جو درمیان میں ہے یہ انسان ہے اور یہ جو لکیریں ہیں یہ اس کو لاحق ہونے والے حادثات ہیں اگر وہ ایک سے نجات پالے تو دوسرا اسے اچک لیتا ہے یہ انسان ہے اور یہ جو لکیریں ہیں یہ اس کو لاحق ہونے والے حادثات ہیں اگر وہ ایک سے نجات پالے تو دوسرا اسے اچک لیتا ہے اور یہ باہر والی لکیریں اس کی امید ہے (یعنی اس کی خواہشات ہیں)۔ کبھی انسان پر دنیا کی محبت اس درجہ غالب آجاتی ہے کہ وہ حیات دراز کا خواب دیکھنے لگتا ہے، حالانکہ دنیا کی زندگی عارضی ہے، دائمی زندگی آخرت کی ہے، پس اسی کی تیاری میں مشغول ہونا چاہئے۔

باب

باب: آخری زندگی میں مال اور حیات دراز کی حرص بڑھ جاتی ہے

(۲۳۷۹) يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے آدم کا بیٹا بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن اس کے ہمراہ دو چیزیں جوان رہتی ہیں ایک مال کا لالچ اور دوسرا لمبی عمر کا لالچ۔

تشریح: عجیب بات ہے: جب زندگی ختم ہونے آتی ہے، موت کے آثار نظر آنے لگتے ہیں، قوی جواب دے دیتے ہیں تو آدمی میں جینے کی تمنا بڑھ جاتی ہے اسی طرح جب مال کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی، آدمی آل اولاد کے جھمیلوں سے نمٹ جاتا ہے اور مصارف زندگی بھی کم ہو جاتے ہیں تو مال کی حرص بڑھ جاتی ہے۔ یہ دو باتیں بڑی ہی عجیب ہیں، مگر واقعی ہیں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ ہوسوں پر کنٹرول کرے، اور زندگی کے لمحات کو غنیمت سمجھے اور جو کچھ آخرت کیلئے کر سکتا ہے کر لے۔

لغات: یھرم (را پر زبر کے ساتھ) بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے۔ تشب (شین کے نیچے زیر اور با کی تشدید کے ساتھ) جوان اور قوی ہو جاتی ہے۔

باب

باب: انسان اسباب موت میں گھرا ہوا ہے

(۲۳۸۰) مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَاِلٰی جَنْبِهٖ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً اِنْ اَخْطَاَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ.

ترجمہ: مطرف بن عبداللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ابن ادم کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ اس کے پہلو میں ۹۹ آفات ہیں اگران میں سے کوئی بھی آفت اسے لاحق نہ ہوتو بھی وہ بڑھاپے میں گرفتار ہوجا تا ہے۔

یہ حدیث ابواب القدر میں گزر چکی ہے۔

باب

باب: آخرت کی تیاری اور کثرت درودشریف کی فضیلت

(۲۳۸۱) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ اذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ قَالَ اُبَيٌّ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ قَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ بِهٖ قُلْتُ فَالنِّصْفُ قَالَ مَا شِئْتَ وَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ قُلْتُ فَثُلُثَيْ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ ذَنْبُكَ.

ترجمہ: طفیل بن ابی بن کعب اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا جب دوتہائی رات گزر جاتی تو آپ اٹھ کر کھڑے ہوتے اور ارشاد فرماتے اے لوگو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو قیامت آ رہی ہے جس کے بعد دوسری سختی موت ہے اپنی سختیوں سمیت آ رہی ہے۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ پر بکثرت درود بھیجتا ہوں تو میں آپ ﷺ پر کتنا درود بھیجا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم چاہو میں نے عرض کی (میں اپنی عام نفلی عبادات کا) ایک چوتھائی کرلوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جوتم چاہو لیکن اگر تم زیادہ کرلو تو یہ زیادہ بہتر ہے میں نے عرض کی پھر نصف کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم پسند کرو لیکن اگر زیادہ کرلو تو یہ زیادہ بہتر ہوگا میں نے عرض کی پھر میں دوتہائی کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جوتم پسند کرو لیکن اگر تم زیادہ کرلو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوگا میں نے عرض کی پھر میں (اپنی نفلی عبادات کے اوقات کا) سارا حصہ آپ ﷺ پر درود بھیجوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس صورت میں یہ تمہاری تمام پریشانیوں کے حل کے لیے کافی ہوگا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کردی جائے گی۔

تشریح: (راجفة رجف سے ہے جس کے معنی حرکت کرنے اور بے چین و بے قرار ہونے کے ہیں اور راجفة کے معنی ہیں قیامت کے دن صور کا پہلا نفخہ یعنی صور پھونکنے کی پہلی آواز کہ جس سے تمام مخلوق مرجائے گی۔ الرادفة یہ ردف سے ہے کسی کے

پیچھے سوار ہونا پیچھے چلنا اور رادفة قیامت کے دن صور کا دوسرا نفخہ یعنی صور پھونکنے کی دوسری آواز کہ جس سے تمام مخلوق زندہ ہوجائے گی۔ تتبعھا اس کے پیچھے آئے گی من صلاتی اپنی دعا کے مقرر کردہ وقت میں سے اذا تکفی همك یعنی اس کی برکت سے تمہارے تمام مقاصد اور ضروریات پوری ہوں گی اس میں تکفی فعل مجہول انت ضمیر نائب فاعل ہے اور همك مفعول ثانی ہے۔

باب

باب: اللہ سے شرم کرو، جیسا شرم کرنے کا حق ہے

(۲۳۸۲) اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذَاكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْتَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرو جس طرح حیاء کرنے کا حق ہے ہم نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے نبی الحمد للہ ہم لوگ حیاء کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد وہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے حقیقی طور پر حیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے سر کی اور جو کچھ اس میں ہے (یعنی ناک کان آنکھ وغیرہ کی) حفاظت کرو اور اپنے پیٹ کی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی حفاظت کرو اور موت کو یاد رکھو جو شخص آخرت چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے جو شخص ایسا کرلے گا تو اس نے واقعی حیاء کی (راوی بیان کرتے ہیں) آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کی جائے جس طرح حیاء کرنے کا حق ہے۔

تشریح: حیاء کے لغوی معنی ہیں: نفس کا ایسی چیزوں سے باز رہنا جن کو لوگ عموماً برا جانتے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں حیاء نفس میں جمی ہوئی اس کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے نفس بارگاہ خداوندی میں ایسا پگھل جاتا ہے جیسا نمک پانی میں پگھل جاتا ہے، اور آدمی ان خیالات کی تابع داری کرنے سے رک جاتا ہے جو شریعت کی خلاف ورزی کی طرف مائل کرتے ہیں، حیاء کا انسان کی سیرت سازی میں بڑا دخل ہے، اس وصف کی وجہ سے آدمی بہت سے برے کاموں سے اور بری باتوں سے بچ جاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کام کرنے لگتا ہے، چنانچہ احادیث میں اس وصف پر بہت زور دیا گیا ہے، صحیحین کی حدیث میں شرم وحیاء کو شجر ایمان کی ایک اہم شاخ قرار دیا ہے، اور بیہقی کی روایت میں حیاء اور ایمان میں چولی دامن کا ساتھ بتایا ہے، یعنی اگر ایک وصف اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے، رہی یہ بات کہ حیاء کا مورد کیا کیا چیزیں ہیں؟ تو اس کی تفصیل درج ذیل روایت میں ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ سے شرماؤ جیسا شرمانے کا حق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے یعنی کامل تقویٰ اختیار کرو جس میں تمام معاصی کا چھوڑنا شامل ہے۔ اور صحابہ نے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے: جیسا اللہ سے شرمانے کا حق ہے،، نہیں کہا، بلکہ صرف یہ کہا کہ ہم اللہ سے شرماتے ہیں

سر کی حفاظت: میں یہ بات بھی شامل ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے، نام ونمود کے لئے نماز نہ پڑھی جائے، غیر اللہ کے

سامنے سر نہ جھکایا جائے اور تکبر سے سر اونچا نہ کیا جائے اور سر میں یہ قوتیں شامل ہیں: زبان، آنکھ، ناک، کان، دماغ اور حواس باطنہ۔ ان سب کو ناجائز کاموں سے بچانا کما حقہ شرمانا ہے۔۔ اور پیٹ کی حفاظت سے مراد حرام کھانے سے بچنا ہے اور پیٹ کے قوی جو پیٹ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ شرم گاہ، پاؤں، ہاتھ اور دل ہیں۔ یہ سب اعضاء پیٹ سے متصل ہیں اور ان کی نگہداشت یہ ہے کہ ان کو معاصی میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ اللہ کی خوشنودی میں استعمال کیا جائے۔۔

سند پر کلام: یہ حدیث صباح بن ابی حازم بجلی احمصی کوفی کی وجہ سے ضعیف ہے، یہ راوی موقوف حدیثوں کو مرفوع کر دیا کرتا تھا، اور ذہبی رحمہ اللہ نے (میزان ۲:۳۰۶، ترجمہ ۳۸۴۸ میں) لکھا ہے کہ اس راوی نے حضرت ابن مسعود کے دو قولوں کو مرفوع کر دیا ہے (ان میں سے ایک یہ ہے)۔

باب

باب: عقلمند آدمی نفس کا محاسبہ کرتا ہے

(۲۳۸۳) اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ.

ترجمہ: حضرت شداد بن عوف رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو عبادت میں مصروف رکھے اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرے اور بے وقوف وہ شخص ہے جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھے۔

تشریح: نفس اور اعمال کی پڑتال کرنا عقلمندی کی بات ہے، جس کی عقل نور ایمانی سے منور ہوتی ہے، اور آخرت اس کی نگاہ میں دنیا سے زیادہ اہم ہوتی ہے: وہ ذرور اپنا محاسبہ کرتا ہے، اور محاسبہ کا فائدہ یہ ہے کہ جو غلطیاں سامنے آتی ہیں، انسان آگے ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جو نیک اعمال صادر ہوتے ہیں ان میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔

باب

باب: قبر مردے سے کیا کہتی ہے؟

(۲۳۸۴) دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مُصَلَّاهُ فَرَاٰى نَاسًا كَاَنَّهُمْ يَكْتَشِرُوْنَ قَالَ اَمَا اِنَّكُمْ لَوْ اَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا اَرٰى فَاَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَاِنَّهُ لَمْ يَاْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ اِلَّا تَكَلَّمَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَاَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَاَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ فَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّاَهْلًا اَمَا اِنْ كُنْتَ لَاَحَبَّ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ اِلَيَّ فَاِذْ وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ اِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِيْ بِكَ قَالَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهٖ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ اَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَّلَا اَهْلًا اَمَا اِنْ كُنْتَ لَاَبْغَضَ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ اِلَيَّ فَاِذْ وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ اِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِيْ

بِكَ قَالَ فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتّٰى يَلْتَقِيَ عَلَيْهِ وَتَخْتَلِفَ اَضْلَاعُهٗ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جائے نماز پر تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز (یعنی موت کو) بکثرت یاد کرو تو یہ تمہیں اس چیز کی فرصت نہ دے جس میں میں تمہیں دیکھ رہا ہوں (یعنی ہنسنے کا موقع نہ ملے) تو تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو قبر روزانہ یہ کہتی ہے میں تنہائی کا گھر ہوں میں اکیلے رہنے کا گھر ہوں میں مٹی کا گھر ہوں میں کیڑوں کا گھر ہوں جب بندہ مومن کو اس میں دفن کر دیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تمہیں خوش آمدید ہے میری (یعنی زمین کی) پشت پر جتنے بھی لوگ چلتے تھے تم مجھے ان سب میں سے زیادہ محبوب تھے اب تمہیں میرے سپرد کر دیا گیا ہے اب تم میرا حسن سلوک دیکھنا پھر وہ قبر اس شخص کے لیے حد نگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے اور اس شخص کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے لیکن جب گنہگار بندے یا کافر شخص کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تمہیں کوئی خوش آمدید نہیں ہے تم میری پشت پر چلنے والے ناپسندیدہ ترین شخص تھے آج تمہیں میرے حوالے کیا گیا ہے اور تم میرے پاس چلے آئے ہو تو اب اپنے ساتھ میرا سلوک دیکھو گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر وہ تنگ ہو جاتی ہے اور اسے بھینچ دیتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں (راوی بیان کرتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے اشارے کے ذریعے یہ بات بتائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے اس شخص پر ۷۰ ایسے سانپ مسلط کئے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک زمین پر پھونک مارے تو رہتی دنیا تک وہاں کبھی کوئی چیز نہ اگے وہ اس شخص کو کاٹتے ہیں اور نوچتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس مردے کو حساب کے لیے (قیامت کے دن) لے جایا جائے گا۔

لغات: کشر عن اسنانه یکشر (ض) کشرًا: ہنستے وقت دانت نکالنا، اکتشر الرجل: ہنستے وقت خوب دانت نکالنا۔ مرحبًا: خوش آمدید، المرحب: کشادگی، فراخی، مرحبابك: آپ کے لئے ہمارے پاس کشادگی ہے، آپ کھلی اور فراخ جگہ میں آئے۔ لا مرحبابك: بددعا کے لئے ہے، یعنی خدا کرے تمہارے لئے یہاں جگہ تنگ ہو۔ السھل: نرم، ہموار جگہ، سھلا: ای اتیت سھلا: آپ نرم جگہ میں آئے، بوقت ملاقات کہتے ہیں: اھلًا وسھلًا: ای لقیت اھلًا، وحللت سھلًا:

ای اتیت سھلًا: آپ نرم جگہ میں آئے، بوقت ملاقات کہتے ہیں: اھلًا وسھلًا: ای لقیت اھلًا، وحللت سھلًا: آپ اپنے لوگوں سے ملے، اور آرام والی جگہ میں آئے، اردو میں ایسے موقع پر خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے: اس کا ایک راوی عبید اللہ بن الولید الوصافی ابو اسماعیل الکوفی نہایت کمزور راوی ہے۔

باب

باب: سادہ زندگی اختیار کرو

(۲۳۸۵) دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا هُوَ مُتَّكِيءٌ عَلٰى رَمْلِ حَصِيْرٍ فَرَاَيْتُ اَثَرَهٗ فِيْ جَنْبِهٖ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک چٹائی کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی میں نے اس کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر دیکھا۔

باب

دنیا میں منافست تباہ کن ہے

(۲۳۸۶) أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو ابْنَ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ فَقَدِمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَوْا صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ رَاٰهُمْ ثُمَّ قَالَ أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ قَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ جو بنو عامر بن لوی کے حلیف ہیں اور غزوہ بدر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے ہیں وہ بتاتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو وہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے جب انصار کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کے بارے میں پتہ چلا تو وہ فجر کی نماز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں کثیر تعداد میں شریک ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کرلی تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکرا دیئے پھر آپ نے ارشاد فرمایا میرا خیال ہے تمہیں یہ اطلاع مل گئی ہے ابوعبیدہ کچھ ساز و سامان لے کر آیا ہے لوگوں نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خوشخبری قبول کرو اور امید رکھو اس چیز کی جو تمہیں خوش کرے اللہ تعالیٰ کی قسم تمہارے بارے میں مجھے غربت کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ تمہارے بارے میں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ دنیا تمہارے لیے کشادہ کردی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں کے لیے کشادہ کردی گئی تھی اور تم اس کی طرف راغب ہو جاؤ گے جس طرح وہ لوگ اس کی طرف راغب ہو گئے تھے اور وہ تمہیں بھی ہلاکت کا شکار کردے گی جسطرح اس نے ان لوگوں کو ہلاکت کا شکار کیا تھا۔

منافست: یعنی ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنا: دینی کاموں میں اچھی بات ہے، سورۃ المطففین میں ہے: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ یعنی حرص کرنے والوں کو جنت کی نعمتیں حاصل کرنے میں حرص کرنی چاہیے، اور دنیا کی فانی چیزوں میں منافست تباہ کن ہے۔ پس دنیا ضرور کمائی جائے مگر منافست سے بچا جائے۔

باب

باب: برکت والا اور بے برکتی مال

(۲۳۸۷) سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيمُ إِنَّ هٰذَا

اَلْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ اَخَذَہُ بِسَخَاوَۃِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَہٗ فِیْهِ وَمَنْ اَخَذَہُ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَہٗ فِیْهِ وَكَانَ كَالَّذِیْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰی فَقَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَاُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰی اُفَارِقَ الدُّنْيَا فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ يَدْعُوْ حَكِيْمًا اِلَی الْعَطَاءِ فَيَاْبٰی اَنْ يَّقْبَلَہٗ ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ دَعَاہُ لِيُعْطِيَہٗ فَاَبٰی اَنْ يَّقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا فَقَالَ عُمَرُ اِنِّیْ اُشْهِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰی حَكِيْمٍ اَنِّیْ اَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّہٗ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَاْبٰی اَنْ يَّاْخُذَہٗ فَلَمْ يَرْزَاْ حَكِيْمٌ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی تُوُفِّیَ۔

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا کر دیا میں نے آپ ﷺ سے پھر مانگا تو آپ ﷺ نے پھر مجھے عطا کر دیا میں نے پھر آپ سے مانگا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا کر دیا پھر ارشاد فرمایا اے حکیم یہ مال سرسبز وشاداب اور مزیدار ہے جو شخص نفس کی سخاوت کے ہمراہ اسے حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت رکھی جاتی ہے اور جو شخص لالچ کے ذریعے اسے حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس میں برکت نہیں رکھی جاتی اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کھانے کے باوجود سیر نہیں ہوتا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے آپ کے بعد اب میں کسی سے بھی مرتے دم تک کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔

(راوی بیان کرتے ہیں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو بلایا کرتے تھے کہ انہیں کچھ دیں تو وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا تاکہ انہیں کچھ دیں تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بھی چیز وصول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ میں حکیم کے بارے میں تم سب کو گواہ بنا رہا ہوں میں نے ان کا حق ان کے سامنے پیش کیا تھا جو اس مال غنیمت میں سے تھا لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(راوی بیان کرتے ہیں) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے بعد زندگی میں کبھی بھی کسی شخص سے کوئی چیز نہیں مانگی یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا؟

تشریح: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بار بار مال کا سوال کیا: یہی نفس کا جھانکنا ہے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں آپ ﷺ کے بعد کبھی کسی کا مال نہیں گھٹاؤں گا، تا آنکہ دنیا سے جدا ہو جاؤں، یعنی اب میں کسی سے کچھ نہیں لوں گا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو بلاتے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بلاتے تاکہ وہ ان کو ان کا (وظیفہ) دیں مگر حضرت حکیم رضی اللہ عنہ ان سے بھی کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانو! میں آپ لوگوں کو حکیم رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں گواہ بناتا ہوں: میں ان کے سامنے ان کا وہ حق پیش کرتا ہوں جو ان کا اس مال فی میں ہے پس وہ اس کو لینے سے انکار کرتے ہیں، غرض حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے وفات تک نبی ﷺ کے بعد کسی سے کوئی چیز نہیں لی۔

لغات: السخاوۃ، والسخاء: فیاضی، دریادلی، سخاوت نفس، رال نہ ٹپکانا۔ الاشراف : اُوپر سے دیکھنا، اسی معنی میں استشراف بھی ہے، یعنی نگاہ اٹھا کر دیکھنا۔ اشراف نفس: نفس کا جھانکنا، امیدوار رہنا۔

باب

باب: خوش حالی میں پامردی مشکل ہوتی ہے

(۲۳۸۸) اُبْتُلِيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا ثُمَّ ابْتُلِيْنَا بِالسَّرَّاءِ بَعْدَهُ فَلَمْ نَصْبِرْ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تنگی میں مبتلا کیا گیا تو ہم نے صبر سے کام لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیں خوشحالی میں مبتلا کیا گیا تو ہم صبر سے کام نہیں لے سکے۔ امتحان ہر حال میں ہوتا ہے، بدحالی میں بھی اور خوش حالی میں بھی، یعنی دونوں حالتوں کے لئے

لغات: الضراء : سختی، فقروفاقہ، تکلیف کی حالت۔ ابتلاہ : آزمانا، آزمائش میں ڈال کر صورت حال جاننا۔ ابتلی: فعل مجہول ہے۔ السراء : خوش حالی، آسودگی۔

باب

باب: طالب آخرت کا دل مطمئن ہوتا ہے، اور طالب دنیا کا پریشان

(۲۳۸۹) مَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَّمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ وَلَمْ يَاْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا قُدِرَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کی سوچ کا مرکز آخرت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غناء ڈال دیتا ہے اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو سمیٹ دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس سرنگوں ہو کر آتی ہے اور جس شخص کی سوچ کا مرکز صرف دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کے فقر کو اس کے سامنے کر دیتا ہے اس کے معاملات کو بکھیر دیتا ہے اور دنیا اسے اتنی ہی ملتی ہے جو اس کا نصیب ہوتی ہے۔

(۲۳۹۰) اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ اَمْلَاْ صَدْرَكَ غِنًى وَاَسُدَّ فَقْرَكَ وَاِلَّا تَفْعَلْ مَلَاْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا وَّلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے تو میری عبادت میں مشغول ہو جا میں تیرے سینے کو بے نیازی سے بھر دوں گا تیری محتاجی کو ختم کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تجھے مصروف رکھوں گا اور تیری محتاجی کو ختم نہیں کروں گا۔

(۲۳۹۱) تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَعِنْدَنَا شَطْرٌ مِنْ شَعِيْرٍ فَأَكَلْنَا مِنْهُ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ قُلْتُ لِلْجَارِيَةِ كِيلِيْهِ فَكَالَتْهُ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ فَنِيَ قَالَتْ فَلَوْ كُنَّا تَرَكْنَاهُ لَاَكَلْنَا مِنْهُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت ہمارے پاس کچھ جَو تھے جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا ہم اس میں سے کھاتے رہے پھر میں نے ایک کنیز سے کہا اسے ماپ لو جب اس نے ماپ لیا تو کچھ ہی عرصے بعد وہ ختم ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اگر ہم اسے ایسے ہی رہنے دیتے تو اس سے زیادہ عرصے تک ایسے ہی کھاتے رہتے۔

لغات: الھم: فکر، رنج، غم۔ الشمل: اجتماعیت، شیرازہ۔ جمع اللہ شملھم: اللہ ان کو متحد کرے۔ شتت شملھم: اللہ ان میں پھوٹ ڈالے۔ جمع الشمل: شیرازہ بندی کرنا۔ راغمۃ: اسم فاعل واحد مؤنث۔ رغم (ف) رغما: ذلیل ہونا، حقیر ہونا۔

تشریح: جو بندہ آخرت کی فلاح کو اپنا مقصود بناتا ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو قناعت اور جمعیت خاطر نصیب ہوتی ہے، اور جو کچھ دنیا اس کے لئے مقدر ہوتی ہے کسی نہ کسی راستہ سے مل جاتی ہے، اور اس کے برعکس جو دنیا کو مطلوب بناتا ہے: محتاجگی اور پریشانی اس پر مسلط کر دی جاتی ہے، دیکھنے والے کو اس کے چہرے سے اس کی پریشانی صاف نظر آتی ہے، اور اس کو رات دن دوڑ دھوپ کرنے کے باوجود دنیا بس اتنی ہی ملتی ہے جو اس کے لئے مقدر ہوتی ہے پس جب واقعہ یہ ہے تو بندے کو چاہئے کہ آخرت کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اس کی صرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کسی عارضی اور وقتی چیز کی فکر کی جاتی ہے۔

باب

باب: دل کش چیزوں سے دور رہا جائے

(۲۳۹۲) كَانَ لَنَا قِرَامُ سِتْرٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ عَلٰى بَابِيْ فَرَآهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ انْزَعِيْهِ فَإِنَّهُ يُذَكِّرُنِي الدُّنْيَا قَالَتْ وَكَانَ لَنَا سَمَلُ قَطِيْفَةٍ تَقُوْلُ عَلَمُهَا مِنْ حَرِيْرٍ كُنَّا نَلْبَسُهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے اپنے دروازے پر ایک ایسا پردہ لگایا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ نے فرمایا اسے اتار دو کیونکہ یہ مجھے دنیا کی یاد دلاتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ہمارے پاس ایک پرانی اونی چادر تھی جس پر ریشم سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے ہم اسے اوڑھا کرتے تھے۔

(۲۳۹۳) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَتْ وِسَادَةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الَّتِيْ يَضْطَجِعُ عَلَيْهَا مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ کا وہ تکیہ جس سے آپ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے وہ چمڑے سے بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا خلاصہ دو باتیں ہیں: ۱۔ دل لبھانے والی چیزوں سے دور رہا جائے، کیونکہ دنیا کی کشش بری چیز ہے، آدمی

اس میں پھنستا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹھاٹھ کی زندگی پر شیفتہ ہو جاتا ہے، اور دنیا میں بری طرح مشغول ہو جاتا ہے، اور آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے۔

(۲) انسان کو سادہ زندگی اختیار کرنی چاہئے، نبی ﷺ کے بستر کا حال آپ نے پڑھا، اس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے، وہ کیا آرام دہ ہوگا! مگر زندگی گزارنے لئے کافی تھا۔

فائدہ: کوئی خوبصورت چیز بے قدری کے محل میں استعمال کی جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، جیسے پرانی جھالردار چادر جس میں ریشمی پھول تھے نبی ﷺ کے گھر میں استعمال ہوتی تھی، یہ بے قدری کے محل میں استعمال ہے، اسی طرح بے قدری کی جگہ میں چھوٹی سائز کی جانداروں کی تصویروں میں بھی گنجائش ہے، اس سے بھی فساد پیدا نہیں ہوتا۔

لغات: **القرام:** نقشیں پردہ، مختلف رنگوں کا اونی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا تھا، اور ہودج میں بھی بچھایا جاتا تھا۔ **تماثیل:** **التمثال** کی جمع: وہ تصویر جو کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر بنی ہوئی ہو۔ **السمل:** پرانا اور بوسیدہ کپڑا۔ **القطیفة:** جھالردار چادر یا کمبل۔ **الوسادة:** تکیہ اور گدا، یہاں آخری معنی ہیں۔ **اللیف:** کھجور کے درخت کے ریشے، کھجور کے پتوں کی جڑ میں ایک جھلی ہوتی ہے جو سوکھ کر گر جاتی ہے، اس کو کوٹ کر برادہ بنا لیتے تھے، پھر اس کو گدوں وغیرہ میں بھرتے تھے۔

باب

باب: جو اللہ کے لئے خرچ ہو گیا وہی بچ گیا

(۲۳۹۴) اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ان لوگوں نے ایک بکری ذبح کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں سے کیا باقی بچا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا اس میں سے صرف ایک دستی بچی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس دستی کے علاوہ باقی سب بچ گیا ہے (کیونکہ اسے صدقہ کر دیا گیا تھا)۔ جو اللہ کے لئے خرچ ہو گیا وہی آخرت میں بچ گیا، اور جو دنیا میں بچ گیا وہ دنیا ہی میں رہ گیا، آخرت میں ساتھ نہیں گیا، اس لئے وہ اکارت گیا۔

باب

باب: ایک ماہ تک کھجور پانی پر گزارہ

(۲۳۹۵) اِنْ كُنَّا اٰلُ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ اِنْ هُوَ اِلَّا الْمَاءُ وَالتَّمْرُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، ہم نبی اکرم ﷺ کے گھر والے کوئی مہینہ ایسے گزار دیتے تھے کہ اس دوران ہم آگ نہیں جلاتے تھے صرف پانی اور کھجور پر گزارا ہوتا تھا۔

ترکیب: ان مخففہ ہے، ضمیر شان اس کا اسم محذوف ہے، اور ال محمد: منصوب علی الاختصاص ہے، اور جملہ نمکث: کان کی خبر ہے۔

باب

آدھا وسق جو پر بہت دنوں تک گزارہ

(۲۳۹۶) لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَّلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَّلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ وَّمَالِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَّأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُّوَارِيهِ إِبْطُ بِلَالٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے جتنا خوف زدہ کیا گیا ہے اتنا اور کسی کو نہیں کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے جتنی اذیت دی گئی ہے اتنی کسی اور کو اذیت نہیں دی گئی مجھ پر تیس دن ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب میرے اور بلال کے لیے اتنا بھی کھانا نہیں تھا کہ اسے کوئی ذی روح کھا سکے ماسوائے اس چیز کے جو بلال کی بغل میں آجاتی۔

تشریح: یہاں دوسوال ہیں: پہلا اعتراض: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: **كيلو طعامكم يبارك لكم فيه** (رواہ البخاری، مشکوٰۃ ۴۱۹۸ کتاب الاطعمۃ)

اس حدیث میں اور باب کی حدیث میں تعارض ہے، باب کی حدیث ہے کہ ناپنے سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ ناپنے سے برکت ہوتی ہے، اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب ①: بخاری کی حدیث میں خرید وفروخت کے وقت تولنا مراد ہے، تاکہ بائع اور مشتری میں سے کسی کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ رہے، اور خرچ کرتے وقت تولنا ٹھیک نہیں، مسلم شریف میں ہے: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غلہ مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آدھا وسق جو دیئے، وہ اور اس کی بیوی اور اس کے مہمان اس میں سے کھاتے رہے، یہاں تک کہ اس کو تولا تو وہ جلدی ختم ہو گئے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس کو نہ ناپتے تو اس میں سے اور بھی کھاتے، یعنی وہ غلہ تمہارے لئے کئی دنوں تک چلتا۔

جواب ②: بخاری کی حدیث میں غلہ کی وہ مقدار مراد ہے جو استعمال کے لئے نکالی جاتی ہے، یعنی ناپ تول کر پکانا چاہئے، اس سے غلے میں برکت ہوتی ہے، اور باب کی حدیث میں سارا غلہ تولنا مراد ہے، اس کو تولنے سے بے برکتی ہو جاتی ہے۔

دوسرا اعتراض: بخاری میں حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ سے اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ اونٹ، نہ غلام، نہ باندی اور نہ کوئی اور چیز، علاوہ سفید خچر، جنگی سامان اور زمین کے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف کر دیا تھا اور باب کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے آدھا وسق جو بھی چھوڑے تھے، پس یہ بھی تعارض ہے۔

جواب: یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں تھے، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نفقہ کے تھے، جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔

باب

چند مٹھی توشے پر ایک ماہ تک گزارہ

(۲۳۹۱) تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَعِنْدَنَا شَطْرٌ مِنْ شَعِيرٍ فَأَكَلْنَا مِنْهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ قُلْتُ لِلْجَارِيَةِ كِيلِيهِ

فَكَالَتْهُ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ فَنِيَ قَالَتْ فَلَوْ كُنَّا تَرَكْنَاهُ لَاَكَلْنَا مِنْهُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت ہمارے پاس کچھ جو تھے جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا ہم اس میں سے کھاتے رہے پھر میں نے ایک کنیز سے کہا اسے ماپ لو جب اس نے ماپ لیا تو کچھ ہی عرصے بعد وہ ختم ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں اگر ہم اسے ایسے ہی رہنے دیتے تو اس سے زیادہ عرصے تک ایسے ہی کھاتے رہتے۔

تشریح: اور اس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کی صورت حال یہ تھی کہ ایک دفعہ پورا مہینہ اس حال میں گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، چند مٹھی توشہ تھا جس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی بغل کے نیچے دبا رکھا تھا، پورے مہینے تک دونوں اسی پر گزارہ کرتے رہے۔ اور یہ واقعہ کس موقعہ کا ہے؟ ایک موقعہ تو وہ ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے تھے، اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ نہیں تھے، بلکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، پس یہ کوئی اور موقعہ ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے نکلے ہیں، مگر اس واقعہ کی تفصیل مروی نہیں۔

چنانچہ نبوت کے دسویں سال آپ کے چچا ابو طالب کی وفات ہو گئی اس کے کچھ عرصہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو گئی یہ دونوں حادثے آپ کے لیے انتہائی المناک اور سخت تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی وفات کے بعد کفار مکہ نے اپنی ایذاء رسانیوں میں مزید اضافہ کر دیا اس وقت تنگ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر طائف کا ارادہ فرما لیا تا کہ وہاں لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ تھے یہ سفر سارا پیدل ہوا وہاں پہنچ کر طائف کے سردار عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی وہ نہ مانا مسلسل۔

اخفت: (مجہول کا صیغہ ہے) مجھے ڈرایا گیا خوف و دہشت میں ڈالا گیا۔ اوذیت (ماضی مجہول کے) مجھے دکھ درد وایذاء پہنچائی گئی ذو کبد جگر والا یعنی جاندار یواریہ اس کو چھپا رکھا ہے۔ ابط (ہمزے اور با کے نیچے زیر) بغل۔

باب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ناداری کا حال

(۲۳۹۷) خَرَجْتُ فِيْ يَوْمٍ شَاتٍ مِّنْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ اَخَذْتُ اِهَابًا مَعْطُوْبًا فَحَوَّلْتُ وَسَطَهُ فَاَدْخَلْتُهُ عُنُقِيْ وَشَدَدْتُّ وَسَطِيْ فَحَزَمْتُهُ بِخُوْصِ النَّخْلِ وَاِنِّيْ لَشَدِيْدُ الْجُوْعِ وَلَوْ كَانَ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ طَعَامٌ لَطَعِمْتُ مِنْهُ فَخَرَجْتُ اَلْتَمِسُ شَيْئًا فَمَرَرْتُ بِيَهُوْدِيٍّ فِيْ مَالٍ لَّهُ وَهُوَ يَسْقِيْ بِبَكَرَةٍ لَّهُ فَاطَّلَعْتُ عَلَيْهِ مِنْ ثُلْمَةٍ فِي الْحَائِطِ فَقَالَ مَا لَكَ يَا اَعْرَابِيُّ هَلْ لَكَ فِيْ كُلِّ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ قُلْتُ نَعَمْ فَافْتَحِ الْبَابَ حَتّٰى اَدْخُلَ فَفَتَحَ فَدَخَلْتُ فَاَعْطَانِيْ دَلْوَهُ فَكُلَّمَا نَزَعْتُ دَلْوًا اَعْطَانِيْ تَمْرَةً حَتّٰى اِذَا امْتَلَاَتْ كَفِّيْ اَرْسَلْتُ دَلْوَهُ وَقُلْتُ حَسْبِيْ فَاَكَلْتُهَا ثُمَّ جَرَعْتُ مِنَ الْمَآءِ فَشَرِبْتُ ثُمَّ جِئْتُ الْمَسْجِدَ فَوَجَدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ.

ترجمہ: محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں مجھے ان صاحب نے یہ بات بتائی ہے جنہوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زبانی

اسے سنا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن سردی کے موسم میں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلا میں نے ایک بودار چمڑا لیا اسے درمیان میں سے کاٹ کر اپنی گردن میں ڈال لیا اور اسے کھجور کے پتوں سے باندھ دیا اس وقت مجھے بہت شدید بھوک لگی ہوئی تھی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہوتی تو میں اسے کھا لیتا میں نکلا تا کہ کوئی چیز تلاش کروں میرا گزر ایک یہودی کے پاس سے ہوا جو اپنی زمین میں موجود تھا اور کھجور کے درخت کو پانی دے رہا تھا میں نے دیوار میں موجود سوراخ کے ذریعے جھانکا تو وہ بولا اے دیہاتی تمہارا کیا مسئلہ ہے کیا تم ایک کھجور کے عوض ایک ڈول (کنویں میں سے پانی (نکالو گے؟ میں نے جواب دیا ہاں تم دروازہ کھولو تا کہ میں اندر آجاؤں اس نے دروازہ کھولا میں اندر گیا اس نے اپنا ڈول مجھے پکڑا دیا میں جب بھی ایک ڈول نکالتا وہ مجھے ایک کھجور دے دیتا یہاں تک کہ میری ہتھیلی بھر گئی تو میں نے اس کا ڈول چھوڑ دیا میں نے کہا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے میں نے ان کھجوروں کو کھا لیا اور وہ پانی پی لیا پھر میں مسجد میں آیا تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں موجود پایا۔

لغات: الاهاب: کچی کھال۔ معطون: اسم مفعول۔ اهاب معطون: رنگی ہوئی کھال۔ جوب الشيي: بیچ سے کاٹنا۔ جواب کو جواب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سوال کو کاٹتا ہے۔ حزم (ض) حزمًا: باندھنا، بنڈل بنانا۔ الخوص: کھجور اور ناریل وغیرہ کے پتے۔ البکرة: چرخی، جس سے کوئی وزنی چیز کھینچی جائے۔ اطلع: جھانکنا۔ الثلمة: سوراخ، دراڑ۔ جرع: گھونٹ گھونٹ پینا۔ یہ عنبر مچھلی تھی اور طافی نہیں تھی، یعنی مر کر بھول کر پانی کے اوپر نہیں آئی تھی، بلکہ سمندر کا پانی اس سے ہٹ گیا تھا، اس لئے وہ خشکی میں رہ گئی تھی، اور مر گئی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں سے اٹھارہ دن تک خوب کھایا، کیونکہ یہ اللہ کا رزق تھا۔

باب

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی خستہ حالی

(۲۴۰۰) اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الْمَسْجِدِ اِذْ طَلَعَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ لَهٗ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكٰى لِلَّذِیْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِیْ هُوَ الْيَوْمَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِیْ حُلَّةٍ وَّرَاحَ فِیْ حُلَّةٍ وَّوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَّرُفِعَتْ اُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَئِذٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب بیان کرتے ہیں ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اسی دوران حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس پر فرو کے پیوند لگے ہوئے تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے کیونکہ وہ پہلے کس طرح نعمتوں میں تھے اور اس وقت ان کی کیا حالت تھی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی کہ جب تمہیں صبح کے وقت ایک لباس پہننے کو ملے گا اور شام کے وقت ایک اور لباس پہننے کو ملے گا تمہارے سامنے ایک برتن رکھا جائے گا تو دوسرا اٹھا لیا جائے گا تم اپنے گھروں میں یوں پردے لٹکاؤ گے جس طرح

خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اس وقت ہم آج کے مقابلے میں بہتر حالت میں ہوں گے اور زیادہ توجہ کے ساتھ عبادت کرسکیں گے اور ہمیں محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ آج اس سے زیادہ بہتر حالت میں ہو جس میں اس دن ہوں گے۔

(۲۴۰۱) قَالَ كَانَ اَهْلُ الصُّفَّةِ اَضْيَافُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا يَأْوُوْنَ عَلٰى اَهْلٍ وَّمَالٍ وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنْ كُنْتُ لَاَعْتَمِدُ بِكَبِدِيْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْجُوْعِ وَاَشُدُّ الْحَجَرَ عَلٰى بَطْنِيْ مِنَ الْجُوْعِ وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلٰى طَرِيْقِهِمُ الَّذِيْ يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ فَمَرَّ بِيْ اَبُوْ بَكْرٍ فَسَاَلْتُهُ عَنْ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا سَاَلْتُهُ اِلَّا لِيَسْتَتْبِعَنِيْ فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ عُمَرُ فَسَاَلْتُهُ عَنْ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا سَاَلْتُهُ اِلَّا لِيَسْتَتْبِعَنِيْ فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ فَتَبَسَّمَ حِيْنَ رَاٰنِيْ وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ ﷺ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْحَقْ وَمَضٰى فَاتَّبَعْتُهُ وَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَاسْتَاْذَنْتُ فَاَذِنَ لِيْ فَوَجَدَ قَدَحًا مِنَ اللَّبَنِ قَالَ مِنْ اَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ لَكُمْ قِيْلَ اَهْدَاهُ لَنَا فُلَانٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبَا هُرَيْرَةَ ﷺ قُلْتُ لَبَّيْكَ قَالَ الْحَقْ اِلٰى اَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ وَهُمْ اَضْيَافُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا يَأْوُوْنَ عَلٰى اَهْلٍ وَلَا مَالٍ اِذَا اَتَتْهُ الصَّدَقَةُ بَعَثَ بِهَا اِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا وَاِذَا اَتَتْهُ هَدِيَّةٌ اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ فَاَصَابَ مِنْهَا وَاَشْرَكَهُمْ فِيْهَا فَسَاءَنِيْ ذٰلِكَ وَقُلْتُ مَا هٰذَا الْقَدَحُ بَيْنَ اَهْلِ الصُّفَّةِ وَاَنَا رَسُوْلُهُ اِلَيْهِمْ فَسَيَاْمُرُنِيْ اَنْ اُدِيْرَهُ عَلَيْهِمْ فَمَا عَسٰى اَنْ يُّصِيْبَنِيْ مِنْهُ وَقَدْ كُنْتُ اَرْجُوْ اَنْ اُصِيْبَ مِنْهُ مَا يُغْنِيْنِيْ وَلَمْ يَكُ بُدٌّ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَطَاعَةِ رَسُوْلِهِ فَاَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَاَخَذُوْا مَجَالِسَهُمْ قَالَ اَبَا هُرَيْرَةَ خُذِ الْقَدَحَ فَاَعْطِهِمْ فَاَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ اُنَاوِلُهُ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتّٰى يَرْوٰى ثُمَّ يَرُدُّهُ فَاُنَاوِلُهُ الْاٰخَرَ حَتّٰى انْتَهَيْتُ بِهٖ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلٰى يَدِهٖ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهُ فَتَبَسَّمَ وَقَالَ اَبَا هُرَيْرَةَ اِشْرَبْ فَشَرِبْتُ ثُمَّ قَالَ اِشْرَبْ فَلَمْ اَزَلْ اَشْرَبُ وَيَقُوْلُ اِشْرَبْ ثُمَّ قُلْتُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا اَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا فَاَخَذَ الْقَدَحَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَسَمّٰى وَشَرِبَ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے ان کا کوئی گھر نہیں تھا ان کی کوئی زمین نہیں تھی اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے (بعض اوقات میں بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنا کلیجہ زمین پر ٹیک دیا کرتا تھا (اور بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا ایک مرتبہ میں لوگوں کے راستے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں وہ گزر رہے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے میں نے ان سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا میں نے ان سے صرف اس لیے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ (اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلائیں گے لیکن وہ گزر گئے اور انہوں نے ایسا نہیں کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو میں نے ان سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا میں نے ان سے صرف اس لیے سوال کیا تھا تا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے (اور اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلائیں گے) لیکن وہ گزر گئے انہوں نے ایسا نہیں کیا پھر حضرت ابوالقاسم ﷺ گزرے آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرا دیئے

آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا میرے ساتھ چلو پھر آپ تشریف لے گئے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے آ گیا آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے میں نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت دی گئی آپ ﷺ نے (گھر کے اندر) دودھ کا ایک پیالہ پایا تو دریافت کیا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ تو آپ ﷺ کو بتایا گیا فلاں شخص نے ہمارے لیے تحفے کے طور پر بھیجا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نے عرض کی میں حاضر آپ ﷺ نے فرمایا اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں بلا کر لاؤ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) یہ لوگ اسلام کے مہمان تھے ان کا کوئی گھر بار اور مال نہیں تھا جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ کی کوئی چیز تحفے کے طور پر آتی تھی تو وہ آپ ان لوگوں کو بھجوا دیا کرتے تھے اور خود اسے استعمال نہیں کرتے تھے لیکن جب آپ ﷺ کے پاس کوئی چیز تحفے کے طور پر آتی تھی تو وہ آپ انہیں بھی بھجوایا کرتے تھے آپ ﷺ اس کا کچھ حصہ خود استعمال کرتے تھے اور انہیں اس چیز میں شریک کر لیتے تھے (اب آپ ﷺ نے انہیں بلوایا) تو مجھے یہ بات بہت بری لگی میں نے سوچا تمام اہل صفہ کے درمیان اس ایک پیالے کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیونکہ میں ان لوگوں کے لیے نبی اکرم ﷺ کا پیغام رساں ہوں اس لیے مجھے یہ حکم دیں گے کہ میں وہ پیالہ لے کر ان سب کے پاس جاؤں تو امید تو یہ ہے کہ مجھے اس میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا جبکہ میری تو یہ آرزو تھی کہ میں اسے اتنا پی لیتا جس سے میری تسلی ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اس لیے میں ان لوگوں کے پاس آیا میں نے انہیں دعوت دی پھر وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ اس پیالے کو پکڑو اور انہیں (پینے کے لیے) دو میں نے پیالہ پکڑا اور اسے ایک شخص کی طرف بڑھایا اس نے پی لیا یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا تو اس نے اس پیالے کو واپس کر دیا میں نے اسے دوسرے کی طرف بڑھایا (یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گیا تو اس نے پیالہ واپس کر دیا یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے تمام لوگوں نے اسے پی لیا) یہاں تک کہ میں نبی اکرم ﷺ کے سامنے پہنچ گیا تو تمام حاضرین سیر ہو چکے تھے آپ ﷺ نے اس پیالے کو پکڑا اس پر اپنا دست مبارک رکھا پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور مسکرا دیئے آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اب تم پیو میں نے پی لیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور پیو (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) میں پیتا رہا اور آپ ﷺ یہ فرماتے رہے اور پیو یہاں تک کہ میں نے عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے اب اسے پینے کی مزید گنجائش نہیں ہے تو آپ ﷺ نے اس پیالے کو پکڑا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے پی لیا۔

تشریح: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے دار ارقم میں اپنی ماں اور اہل وعیال سے چھپ کر اسلام قبول کر لیا تھا پھر جب ان کے اہل خانہ کو ان کے اسلام کا پتہ چلا تو انہوں نے انہیں زنجیروں سے جکڑ کر قید کر دیا تا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکیں لیکن ان کے دل میں ایمان رچ بس چکا تھا انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر گھر سے کسی طرح بھاگ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی غزوہ احد میں شریک ہوئے بالآخر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمالیا جبکہ اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔

نبی کریم ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد انہیں اہل مدینہ کی طرف معلم بنا کر بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور دینی مسائل سکھائیں اسلام سے پہلے بڑے ناز ونعمت عیش وعشرت اور خوب خوشحال تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ٹھاٹھ کی زندگی

گزارتے تھے، مگر مسلمان ہونے کے بعد دین کے کاموں میں ایسے لگے کہ دنیا کمانے کی فرصت نہ رہی، نبی ﷺ نے ان کو ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ روانہ کیا تھا، تاکہ وہ وہاں کے مسلمانوں کو قرآن پڑھائیں، اور ان کی دینی تربیت کریں، جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر قباء وارد ہوئے تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ملنے کے لئے آئے وہ بھی قباء ہی میں رہتے تھے،؟ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ روایت میں اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب انہیں خستہ حال میں دیکھا کہ ایک چادر اوڑھ رکھی ہے اور وہ بھی کتنی جگہ سے پیوند لگی ہوئی ہے تو آپ ﷺ انہیں دیکھ کر رو پڑے کہ ایک دن وہ تھا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ انتہائی ناز ونعمت میں تھے اور آج ان کے پاس پہننے کا صحیح لباس بھی نہیں اسلام کی وجہ سے سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنے ترکہ میں صرف ایک کپڑا چھوڑا تھا کہ جس سے کفن کے طور پر ان کے پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا اور سر پر وہ کپڑا کیا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ بھی مسجد میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو امت کی طرف سے جزائے خیر فرمائیں، انہی حضرات کی محنتوں سے ہم آج مسلمان ہیں!

باب

صحابہ رضی اللہ عنہم کا فقر وفاقہ

(۲۳۹۸) اَنَّهُ اَصَابَهُمْ جُوْعٌ فَاَعْطَاهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تَمْرَةً تَمْرَةً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کو انتہائی بھوک لاحق ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک ایک کھجور دی۔

(۲۳۹۹) بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ ثَلَاثُ مِائَةٍ نَحْمِلُ زَادَنَا عَلٰى رِقَابِنَا فَفَنِيَ زَادُنَا حَتّٰى اِنْ كَانَ يَكُوْنُ لِلرَّجُلِ مِنَّا كُلَّ يَوْمٍ تَمْرَةٌ فَقِيْلَ لَهُ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ وَاَيْنَ كَانَتْ تَقَعُ التَّمْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِيْنَ فَقَدْنَاهَا وَاَتَيْنَا الْبَحْرَ فَاِذَا نَحْنُ بِحُوْتٍ قَدْ قَذَفَهُ الْبَحْرُ فَاَكَلْنَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بھیجا ہم تین سو افراد تھے ہم نے اپنے کھانے کا سامان اپنی گردن پر اٹھایا ہوا تھا ہمارا کھانے کا سامان ختم ہو گیا یہاں تک کہ ہم میں سے ایک شخص کو روزانہ ایک کھجور ملتی تھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اے ابوعبداللہ ایک کھجور کے ساتھ آدمی کا کیسے گزارا ہو سکتا ہے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں جب وہ بھی نہیں ملتی تو ہمیں اس کی قدر و قیمت کا احساس ہوا پھر ہم سمندر تک آ گئے وہاں ایک مچھلی موجود تھی جسے سمندر نے باہر پھینک دیا تھا ہم اٹھارہ دن تک اسے کھاتے رہے جتنا ہمارا جی چاہا۔

تشریح: ان احادیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فقر فاقہ اور معاشی تنگدستی معلوم ہوتی ہے کہ وہ دین پر عمل کرنے کی خاطر ہر قسم کی تکلیف اور مشکل برداشت کرتے تھے یہی حال ان صحابہ کرام کا بھی تھا۔ جو اصحاب صفہ تھے جس کا ذکر دوسری حدیث میں ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ باب کی دوسری حدیث میں سفر کا واقعہ ہے کہ دور دراز کے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک لگی تو آپ ﷺ نے انہیں ایک ایک کھجور عنایت فرمائی۔

سریہ سیف البحر:

سن ۶ ہجری یا اس سے بھی پہلے نبی ﷺ نے تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قریش کے قافلے کی گھات لگانے کے لیے بھیجا یہ حضرات سمندر کے کنارے پر تقریباً آدھا مہینہ ٹھہرے رہے اور پھر واپس آ گئے۔

اور ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سریہ کو جہنیہ کے ایک قبیلہ کی طرف بھیجا تھا جو سمندر کے ساحل پر رہتے تھے پھر یہ حضرات نصف ماہ کے بعد بغیر کسی لڑائی کے واپس آ گئے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سریہ قریش کے قافلے کی گھات اور نگرانی کے لیے گیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنیہ کے ایک قبیلے کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کی طرف بھیجے گئے ہوں اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قیام چونکہ ساحل سمندر پر رہا تھا اس لیے اسے سریہ سیف البحر کہا جاتا ہے اور اس سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس کھانے کی کوئی چیز بھی نہیں بچی تھی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ درختوں کے پتے جھاڑ کے کھائے جاتے تھے اس لیے اسے غزوۃ الخبط بھی کہا جاتا ہے۔

فاکلنا منه ثمانیة عشر یوما: اس روایت میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں مہینے کا اور ایک دوسری روایت میں پندرہ دن کا ذکر ہے بظاہر دنوں کی تعداد میں تعارض لازم آ رہا ہے؟ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ روایت جس میں مہینے کا ذکر ہے وہ چونکہ زیادہ مقدار کو ثابت کر رہی ہے اس لیے وہ راجح ہے اور جن روایات میں کم دنوں کا ذکر ہے ان سے اکثر کی نفی ثابت نہیں ہوتی اس لیے تعارض نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تطبیق دی ہے کہ جس روایت میں اٹھارہ دن کا ذکر ہے وہ اصل ہے اور جن روایات میں پندرہ دن یا مہینے کا ذکر ہے ان میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ حدیث کے راویوں کی توجہ اصل قصہ کے بیان کی طرف ہوتی ہے اس میں وہ پورا اہتمام کرتے ہیں دنوں کی تعداد یا اس جیسی چیزوں کی طرف وہ خاص توجہ نہیں فرماتے کیونکہ وہ یہ مقصود نہیں ایسے میں اگر کوئی تعارض پیش آ جائے تو اس سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

باب

دنیا کا شکم سیر: آخرت کا بھوکا!

(۲۴۰۲) تَجَشَّأَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كُفَّ عَنَّا جُشَاءَكَ فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُهُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ڈکار لی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم ڈکار کو ہم سے دُور رکھو کیونکہ دنیا میں پیٹ بھر کر کھانے والے لوگ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔

سند کی بحث: اس حدیث کی سند میں دوضعیف راوی ہیں: عبدالعزیز قرشی اور یحیٰی بکاء۔ اور خود حضرت ابوجحیفہ سے روایت حاکم میں ہے، منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بھی ضعیف قرار دیا ہے، لیکن مسند بزار میں اس کی دو سندیں ہیں ان میں سے ایک کے رواۃ ثقہ ہیں۔

باب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لباس کی حالت

(۲۴۰۳) عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْهِ قَالَ یَا بُنَیَّ لَوْ رَاَیْتَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَصَابَتْنَا السَّمَاءُ لَحَسِبْتَ اَنَّ رِیْحَنَا رِیْحُ الضَّاْنِ.

ترجمہ: ابو بردہ بن ابو موسی اپنے والد (حضرت موسی اشعری رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اے میرے بیٹے اگر تم نے ہمیں اس وقت دیکھا ہوتا جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اور ہم پر بارش نازل ہوجاتی تھی تو تم یہ سمجھتے کہ ہماری بو بھیڑ کی بو کی طرح ہے۔

تشریح: دور اول میں صحابہ رضی اللہ عنہم اُونی کپڑے پہنتے تھے، پس جب بارش ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے کپڑوں سے بھیڑ کی بو کی طرح بو آتی، اس دور میں سوتی کپڑے میسر نہیں تھے، اور اونی کپڑے بھی اتنے نہیں تھے کہ بارش میں بھیگنے کے بعد فوراً بدل لیں، اس لئے وہی کپڑے پہنے رہتے تھے اور اس کا انجام یہ ہوتا تھا کہ بدن سے بھیڑ کی طرح بو آتی تھی۔

باب

خاکساری کے طور پر زینت کا لباس چھوڑنا

(۲۴۰۵) مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن معاذ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کی وجہ سے (قیمتی اور بہترین) لباس ترک کردے گا حالانکہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے تمام مخلوق کی موجودگی میں بلوائے گا اور اسے یہ اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے حلوں میں سے جو چاہے پہن لے۔

تشریح: اور ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عزت کا سوٹ پہنائیں گے، اور مخلوقات کے سامنے اس کو اس لئے پہنائیں گے کہ اس کی خوبی کی تشہیر ہو۔

باب

بے ضرورت تعمیر پر خرچ کرنا (پہلا باب)

(۲۴۰۴) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ قَالَ الْبِنَاءُ كُلُّهُ وَبَالٌ قُلْتُ اَرَاَيْتَ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ قَالَ لَا اَجْرَ وَلَا وِزْرَ.

ترجمہ: ابراہیم نخعی فرماتے ہیں ہر طرح کی تعمیر وبال ہوتی ہے (راوی کہتے ہیں) جو عمارت ضروری ہو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا اور اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا۔

(۲۴۰۶) اَلنَّفَقَةُ كُلُّهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا الْبِنَاءَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر طرح کا خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شمار ہوتا ہے سوائے تعمیر کے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

تشریح: عمارت پر خرچ کرنے کا حکم:

انسان اپنا مال شرعی دائرے میں رہتے ہوئے جہاں بھی خرچ کرے تو اسے اس پر اجر وثواب ملتا ہے خواہ وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے یا غرباء ومساکین پر خواہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنا مکان بنائے کوئی مدرسہ ومسجد یا رفاہی ادارہ بنائے۔ ان تمام خرچوں پر اسے اجر وثواب ملتا ہے مگر وہ خرچہ جو ضرورت کے بغیر تعمیرات پر کیا جائے یا اسے آراستہ کرنے پر لگایا جائے، اس پر کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ ضرورت کے لیے جو تعمیر کی جائے گی اس پر اسے اجر وثواب ملتا ہے کیونکہ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالا بدمنہ لحاجۃ الانسان (جو انسانی حاجت کے لیے ضروری ہو) اور روایت میں ابراہیم بن یزید نخعی نے ضروری تعمیر کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ اس کے مالک کے لیے نہ اجر وثواب ہے اور نہ عذاب یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ جو حدیث کے مقابلے میں بہر حال حجت نہیں ہے۔

باب

بے ضرورت تعمیر پر خرچ کرنا (دوسرا باب)

(۲۴۰۷) اَتَيْنَا خَبَّابًا نَعُوْدُهُ وَقَدِ اكْتَوٰى سَبْعَ كَيَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ تَطَاوَلَ مَرَضِيْ وَلَوْ لَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُ وَقَالَ يُؤْجَرُ الرَّجُلُ نَفَقَتِهٖ كُلِّهَا اِلَّا التُّرَابَ اَوْ قَالَ فِي الْبِنَاءِ.

ترجمہ: حارثہ بن مضرب بیان کرتے ہیں ہم لوگ خباب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوئے انہوں نے سات داغ لگوائے تھے انہوں نے فرمایا میری بیماری طویل ہو چکی ہے اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا تم لوگ موت کی آرزو نہ کرنا تو میں ضرور اس کی آرزو کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اس پر اسے اجر دیا

جاتا ہے سوائے اس کے جو مٹی پر خرچ کیا جائے (یعنی جو تعمیرات وغیرہ پر خرچ کیا جائے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں مٹی میں (خرچ کیا جائے)۔

تشریح: ہے کہ ضروری تعمیر میں ثواب ملے گا کیونکہ اس کے بغیر آدمی گزارہ نہیں کرسکتا۔ نبی ﷺ نے بھی مسجد نبوی سے متصل اپنے لئے رہائشی کمرے بنائے تھے، پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو بھی اس تعمیر کا کوئی ثواب نہیں ملا!

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ:

حضرت خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں گرفتار ہو گئے تھے پھر انہیں مکہ مکرمہ میں فروخت کیا گیا اسلام کا سورج طلوع ہوا تو ابتداء میں ہی سن چھ نبوی میں اسلام قبول کرلیا اسلام کے اعلان پر انہیں سخت زود وکوب کیا گیا غزوہ بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوتے رہے پھر کوفہ میں سن ۳۶ ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر شریعت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہوتا تو میں تمنا کرلیتا کیونکہ میری بیماری کو طویل عرصہ گذر چکا ہے۔طبرانی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں حضرت خباب کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا:

رحم الله خبابا اسلم راغبا وهاجر طائعا وعاش مجاهدا وابتلى فى جسمه احوالا ولن يضيع الله اجره

باب

دین دار مسلمان کے ساتھ حسن سلوک کرنا

(۲۴۰۸) جَآءَ سَائِلٌ فَسَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِلسَّائِلِ اَتَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ نَعَمْ قَالَ سَأَلْتَ وَلِلسَّائِلِ حَقٌّ اِنَّهٗ لَحَقٌّ عَلَيْنَا اَنْ نَّصِلَكَ فَاَعْطَاهُ ثَوْبًا ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَامِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ مَادَامَ مِنْهُ عَلَيْهِ خِرْقَةٌ.

ترجمہ: حصین بیان کرتے ہیں ایک شخص آیا اور اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا (یعنی کچھ مانگا) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سوال کرنے والے سے دریافت کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس نے جواب دیا جی ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا تم لوگ رمضان کے روزے رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا جی ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے مانگا ہے اور مانگنے والے کا حق ہوتا ہے تو اس شخص کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے ایک کپڑا دیا اور پھر ارشاد فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو لباس پہناتا ہے تو وہ لباس اس دوسرے مسلمان کے جسم پر جب تک رہتا ہے وہ پہلا شخص اللہ تعالیٰ کی حفظ وایمان میں رہتا ہے۔

تشریح: اور نماز کے بارے میں اس لئے نہیں پوچھا کہ اس دور میں ہر مسلمان نماز پڑھتا تھا۔ اور زکوٰۃ اور حج کے بارے میں اس لئے نہیں پوچھا کہ وہ غریب تھا۔ اور حدیث میں ہے: للسائل حق، ولو جاء علی فرس: سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر آئے۔ اور ہر انسان کے ساتھ بلکہ ہر مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے، مگر مسلمان کے ساتھ خاص طور پر دین دار مسلمان کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بہت اجر وثواب ہے۔

باب

جنت میں لے جانے والے چند کام

(۲۴۰۹) لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ انْجَفَلَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَقِيْلَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِاَنْظُرَ اِلَيْهِ فَلَمَّا اسْتَثْبَتُّ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ وَّكَانَ اَوَّلُ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ اَنْ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جب یہ بتایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں لوگوں کے درمیان میں بھی آیا تا کہ آپ کی زیارت کروں جب میری نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ "اے لوگو (اپنے درمیان) سلام کو پھیلا دو (دوسروں کو) کھانا کھلاؤ اور اس وقت (نفل) نماز ادا کرو جب لوگ سو چکے ہوں (ایسا کرنے کے نتیجے میں) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

باب

حسن سلوک اور غم خواری کے جواب میں دعا دینا

(۲۴۱۱) لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا رَاَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَّلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِّنْ قَلِيْلٍ مِّنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَا حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَّذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جن لوگوں کے مہمان بنے ہیں ہم نے زیادہ مال کی موجودگی میں ان سے زیادہ خرچ کرنے والا اور کم مال ہوتے ہوئے ان سے زیادہ ہمدرد کوئی قوم نہیں دیکھی یہ لوگ ہماری طرف سے کام کر لیتے ہیں اور ہمیں معاوضے میں شریک کر لیتے ہیں یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا ہے کہ یہ سارے کا سارا اجر حاصل کرلیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں (ایسا

اس وقت تک نہیں ہوگا) جب تک تم ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہو گے اور ان کی تعریف کرتے رہو گے۔

لغات اور ترکیب: من کثیر : ابذل سے متعلق ہے، اور من قلیل: مواساۃ سے اور من قوم: مفضل منہ ہے اور جملہ نزلنا: قوم کی صفت ہے۔ کفاہ المونۃ: اسے اس کی مشقت سے بچالیا۔ المونۃ: کلفت، بوجھ، یہی معنی المؤونۃ کے ہیں۔ المھنا: خوشگوار، من پسند چیز، جمع مھانی، ھنا یھنا (ف) الطعام: کھانے کو مزے دار بنانا۔

باب

کھا کر شکر بجالانے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے

(۲۴۱۰) اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں (کچھ) کھا کر شکر ادا کرنے والا صبر کے ساتھ روزہ رکھنے والے کی مانند ہے۔

تشریح: روزہ دار چونکہ کھانے پینے سے احتراز کرتا ہے، اس لئے اجر پاتا ہے، پس اگر کھانے پینے والا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے تو وہ بھی ثواب کا حقدار ہوتا ہے، اس لئے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد شکر بجالانا چاہئے۔

باب

وہ شخص جس پر جہنم کی آگ حرام ہے

(۲۴۱۲) اَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو جہنم پر حرام ہوگا اور جہنم اس پر حرام ہوگی؟ ہر وہ شخص جو ساتھ رہے تو آسانی فراہم کرے اور نرمی کرے۔

تشریح: یہ تینوں اخلاق متقارب (ایک دوسرے سے ملتے جلتے) ہیں: قریب: یعنی لوگوں سے نزدیک، جس کو لوگ پسند کریں اور محبت رکھیں۔ ھین: نرم مزاج اور سھل: آسان، یعنی خوش اخلاق آدمی جس کا لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ہو، اور جس کو لوگ پسند کریں، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے، یعنی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

باب

گھر کے کام میں حصہ لینا

(۲۴۱۳) قُلْتُ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَيُّ شَيْءٍ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَصْنَعُ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ فِي مَهْنَةِ أَهْلِهِ فَإِذَا

حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ قَامَ فَصَلّٰی.

ترجمہ: اسود بن یزید بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو کیا کرتے تھے تو انہوں نے بتایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج کر لیتے تھے جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر نماز ادا کرنے لگتے تھے (یا نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے)۔

لغات: المھنۃ: (بفتح المیم وکسرھا) کام، مشغلہ۔

باب

ملاقات اور مجلس میں بیٹھنے کا ادب

(۲۴۱۴) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَصَافَحَهُ لَا يَنْزِعُ يَدَهُ مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ يَنْزِعُ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَصْرِفُهُ وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مصافحہ کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہیں کھینچتے تھے بلکہ وہ شخص خود اپنا ہاتھ کھینچتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چہرہ اس کے چہرے سے نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہ خود کسی اور طرف چلا جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

تشریح: اس حدیث میں چند اخلاق حسنہ کا ذکر ہے، جب کسی سے مصافحہ کیا جائے تو اس کی طرف متوجہ رہا جائے، اور جب تک وہی ہاتھ نہ چھوڑ دے اپنا ہاتھ نہ کھینچا جائے، اور جب تک وہ نہ چل پڑے اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرا جائے، اور مجلس میں اپنے پیر ساتھی کی طرف لمبے نہ کئے جائیں، یہ بات تواضع کے بھی خلاف ہے۔

باب

متکبروں کا برا انجام

(۲۴۱۵) خَرَجَ رَجُلٌ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فِيْ حُلَّةٍ لَهُ يَخْتَالُ فِيْهَا فَأَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَأَخَذَتْهُ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيْهَا أَوْ قَالَ يَتَلَجْلَجُ فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایک شخص ایک حلہ پہن کر نکلا اس پر وہ تکبر کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا زمین نے اسے پکڑ لیا تو وہ اس میں دھنستا رہے گا (راوی کو شک ہے یا یہ الفاظ ہیں) وہ قیامت تک اس میں دھنستا رہے گا۔

(۲۴۱۶) يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمْثَالَ الذَّرِّ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَيُسَاقُوْنَ اِلٰى سِجْنٍ فِيْ جَهَنَّمَ يُسَمّٰى بُوْلَسَ تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِيْنَةَ الْخَبَالِ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو آدمی کی شکلوں میں چیونٹیوں کی مانند اٹھایا جائے گا اور ہر طرف سے ان پر ذلت مسلط ہو جائے گی اور انہیں جہنم میں ایک قید خانے کی طرف دھکیلا جائے گا جس کا نام بولس ہوگا ان پر آگ چھا جائے گی اور انہیں جہنمیوں کی پیپ پلائی جائے گی جو بدبودار ا کیچڑ کی شکل میں ہوگی۔

تشریح: قیامت کے دن متکبر لوگ ،، چیونٹیوں کی مانند،، ہوں گے اس سے کیا مراد ہے؟

(۱) علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ،، چیونٹیوں کی مانند،، ہونے کے مجازی معنی مراد ہیں حقیقی نہیں مطلب یہ ہے کہ متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح ذلیل ورسوا ہوں گے کہ لوگ انہیں قیامت کے دن اپنے قدموں سے روندیں گے جس طرح کہ چیونٹیوں کو قدموں سے روندا جاتا ہے۔

(۲) محدثین کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث سے حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ تکبر کرنے والوں کا جسم واقعتا چیونٹیوں کی طرح ہوگا، البتہ ان کی شکل وصورت انسانوں جیسی ہوگی۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کے بعد یہ تحقیق لکھی ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کی طرح تکبر کرنے والوں کے جسموں کو بھی اپنے اصلی اجزاء کے ساتھ دوبارہ اٹھائیں گے تاکہ وہ دوبارہ پیدا کرنے کی قدرتِ الٰہی ظاہر ہو جائے لیکن پھر اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح کر دیں گے تاہم ان کی شکل وصورت مردوں کی سی ہی رہے گی اور ان کے ساتھ یہ رویہ اس لیے اختیار کی جائے گا تاکہ ان کی ذلت ورسوائی پوری مخلوق کے سامنے ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھے۔

لغات: یتجلجل فیھا: وہ زمین میں دھنستا جارہا ہے۔ یتلجلج: وہ زمین میں متردد ہے زمین کے اندر متحرک ہے دھنستا جارہا ہے لڑکھڑا رہا ہے۔ ذر: (ذال پر زبر کے ساتھ) چیونٹیاں۔ یغشاھم: ان پر چھا جائے گی۔ تعلوھم: آگوں کی آگ انہیں گھیرے گی اور بعض نسخوں میں تغلوغین کے ساتھ ہے: ان کو اُبالے گی۔ الانیار: نار کی جمع ہے اصل میں اس کی جمع واؤ کے ساتھ ہے۔ انوار ہونی چاہیے مگر چونکہ اس میں نور کی جمع کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ نور کی جمع ہے یا نار کی، اس لئے فرق کرنے کے لئے،، انیار،، کی جمع لائی جاتی ہے۔ بولس: (با پر پیش زبر کے ساتھ) جہنم کا ایک قید خانہ، جو متکبر لوگوں کے لئے خاص ہے۔ عصارۃ: (عین پر پیش کے ساتھ) اہل دوزخ کا بہتا ہوا خون اور پیپ۔ طینۃ: کیچڑ۔ الخبال: اس کے معنی فساد کے ہیں یعنی بگڑی ہوئی چیز اور طینۃ الخبال کے معنی ہیں: وہ کیچڑ جو زیادہ سڑنے کی وجہ سے نہایت بدبودار اور متعفن ہو چکا ہو اور "طینۃ الخبال" ترکیب نحوی کے اعتبار سے "عصارۃ اہل النار" سے بدل ہے، اس لئے اس پر زیر پڑھی جائے گی۔

باب

غصہ پی جانے کی فضیلت

(۲۴۱۷) مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَّهُوَ يَقْدِرُ عَلَى اَنْ يُّنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللهُ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص غصے کو پی جائے حالانکہ وہ اس کے اظہار کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی موجودگی میں اسے بلائے گا اور اسے یہ اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے اختیار کر لے۔

باب

کمزور کے ساتھ نرمی کرنے وغیرہ کی فضیلت

(۲۴۱۸) ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ وَاَدْخَلَهٗ جَنَّتَهٗ رِفْقٌ بِالضَّعِيْفِ وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاِحْسَانٌ اِلَى الْمَمْلُوْكِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جو انہیں اختیار کر لے گا اللہ تعالیٰ اس پر اپنا خاص فضل کرے گا اور اسے جنت میں داخل کر دے گا کمزور شخص پر نرمی کرنا والدین کے ساتھ شفقت سے پیش آنا اور غلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

یہ حدیث نہایت ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبداللہ بن ابراہیم متروک ہے، اور اس کا باپ مجہول ہے۔

باب

تمام نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، اور وہ بڑے سخی ہیں

(۲۴۱۹) يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَسَلُوْنِي الْهُدٰى اَهْدِكُمْ وَكُلُّكُمْ فَقِيْرٌ اِلَّا مَنْ اَغْنَيْتُ فَسَلُوْنِيْ اَرْزُقْكُمْ وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَيْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ اَنِّيْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلَى الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفَرَنِيْ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِيْ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِيْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَشْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِيْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلَ كُلُّ اِنْسَانٍ

مِنْكُمْ مَابَلَغَتْ أُمْنِيَّتُهُ فَأَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ إِلَّا كَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِيْهِ إِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا إِلَيْهِ ذٰلِكَ بِأَنِّيْ جَوَّادٌ وَاجِدٌ مَاجِدٌ أَفْعَلُ مَا أُرِيْدُ عَطَائِيْ كَلَامٌ وَعَذَابِيْ كَلَامٌ إِنَّمَا أَمْرِيْ لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو تم سب گمراہ رہو گے سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں تو تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا تم سب غریب ہو ماسوائے اس کے جسے میں بے نیاز کردوں تو تم مجھ سے مانگو میں تمہیں رزق دوں گا تم سب گنہگار رہو ماسوائے اس کے جسے میں عافیت عطا کروں تو تم میں سے جو شخص یہ جانتا ہو کہ میں اس بات کی قدرت رکھتا ہوں کہ میں بخش دوں تو وہ مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کردوں گا اور میں اس بات کی پرواہ نہیں کروں گا اور اگر تمہارے سب سے پہلے والے اور سب بعد والے سب زندہ اور سب مرحومین سب تر اور خشک لوگ اکٹھے ہو کر میرے بندوں میں سب سے زیادہ پرہیز گار بندے کی مانند ہو جائیں تو اس کے ذریعے میری بادشاہی میں مچھر کے پر جتنا اضافہ بھی نہیں کریں گے اور اگر تمہارے سب پہلے والے اور سب بعد والے سب زندہ اور سب مرحومین سب تر اور سب خشک لوگ اکٹھے ہو کر میرے بندوں میں سے سب سے بدبخت ترین بندے کی مانند ہو جائیں تو بھی میری بادشاہی میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں کریں گے اور اگر تمہارے سب پہلے والے اور سب بعد والے سب زندہ اور سب مرحومین سب تر اور خشک لوگ ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور ان میں سے ہر شخص جو اس کی آرزو ہو سکتی ہے اسے مانگے تو میں تم میں سے ہر ایک مانگنے والے کو (اس کے سوال کے مطابق) عطا کروں گا اور اس سے میری بادشاہی میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی کہ جس طرح کوئی شخص سمندر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس میں سوئی ڈبوئے اور پھر نکال کر یہ دیکھے کہ اس نے سوئی کے ذریعے سمندر کا کتنا پانی کم کیا ہے) میں سخی ہوں میرے پاس سب کچھ ہے اور میں بزرگی کا مالک ہوں میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں میرا عطا کرنا حکم ہے اور میرا عذاب کلام (کے ذریعے واقع ہو جاتا ہے) کسی بھی شے کے بارے میں میرا حکم یہ ہے جب میں اس کا ارادہ کرلوں تو اسے یہ فرماتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

تشریح: خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ارشاد پاک ہے ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝﴾ (الضحیٰ:۷) یعنی اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین سے بے خبر پایا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کیا، پھر دوسرا کوئی از خود دین سے باخبر کیسے ہو سکتا ہے؟ وہی شخص ہدایت پاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخشتے ہیں، اسی لئے ہر مؤمن ہر نماز میں دعا کرتا ہے ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ (الفاتحہ:۵) اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا! اسی طرح ہدایت پر ثابت قدمی بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئے۔

تشریح: سورۃ الذاریات میں ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝﴾ (الذاریات:۵۸) بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی پہنچانے والے ہیں، وہ طاقت ور، نہایت قوت والے ہیں، اور سورۂ ہود میں ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ہود:۶) روئے زمین پر جو بھی رینگنے والا ہے اس کی روزی اللہ کے ذمے ہے، پس ہر بندے کو اللہ ہی سے روزی طلب کرنی چاہئے، وہی روزی عطا فرمانے والے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے اور مالداری بھی ان کے اختیار میں ہے، پس بندوں کو چاہئے کہ ہدایت بھی ان سے مانگیں، اور حاجتیں بھی ان سے طلب کریں، وہی حاجت روا ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی اگر حفاظت کریں تو بندے گناہوں سے معصوم رہ سکتے ہیں، ان کی شان بڑی نرالی ہے، اور جو بندے گنہگار ہیں وہ اگر اس یقین کے ساتھ مغفرت طلب کریں کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف فرما دیتے ہیں، اور ساری کائنات اگر سرور دو عالم ﷺ جیسی ہو جائے تو اللہ کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اور ساری مخلوق اگر شیطان لعین جیسی ہو جائے تو اللہ کے ملک میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اسی طرح اگر تمام مخلوقات اپنی انتہائی آرزو مانگنے لگے اور اللہ سب کو عنایت فرمائیں تو اللہ کے فضل میں کچھ کمی نہیں آئے گی، بس اتنی ہی کمی ہوگی کہ سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالی جائے، پھر دیکھا جائے کہ سمندر کے پانی میں کتنی کمی آئی؟ بس اتنی ہی کمی آئے گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سخی ہیں، وہ ہر ایک کی حاجت پوری کرتے ہیں، وہ پانے والے ہیں، یعنی ان کے پاس فضل کی کمی نہیں، وہ بزرگ ہیں، ان کی شان بہت برتر ہے، ان کو دینے لینے میں صرف "کن" کہنے کی ضرورت ہے، بلکہ اس کی بھی ضرورت نہیں، ان کا ارادہ ہی چیزوں کے وجود کے لئے کافی ہے، اس لئے ہر بندے کو اپنی ہر ضرورت اسی سے مانگنی چاہئے، اور پر امید رہنا چاہئے کہ وہ بندوں کی ہر ضرورت پوری کرنے والے ہیں۔

باب

کفل کی مغفرت کا واقعہ

(۲۴۲۰) كَانَ الْكِفْلُ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ لَا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهُ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ فَاَعْطَاهَا سِتِّيْنَ دِيْنَارًا عَلٰى اَنْ يَّطَاَهَا فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنِ امْرَاَتِهٖ اَرْعَدَتْ وَبَكَتْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ ءَ اَكْرَهْتُكِ قَالَتْ لَا وَلٰكِنَّهُ عَمَلٌ مَا عَمِلْتُهُ قَطُّ وَمَا حَمَلَنِیْ عَلَيْهِ اِلَّا الْحَاجَةُ فَقَالَ تَفْعَلِيْنَ اَنْتِ هٰذَا وَمَا فَعَلْتِهٖ اذْهَبِیْ فَهِیَ لَكِ وَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اَعْصِی اللّٰهَ بَعْدَهَا اَبَدًا فَمَاتَ مِنْ لَّيْلَتِهٖ فَاَصْبَحَ مَكْتُوْبًا عَلٰى بَابِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لِلْكِفْلِ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سات تک گنتی کی اور پھر فرمایا اس سے بھی زیادہ مرتبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کفل نامی شخص کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا وہ کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرنے سے پرہیز نہیں کرتا تھا ایک مرتبہ ایک عورت اس کے پاس آئی اس نے اس عورت کو ساٹھ دینار دیئے اس شرط پر کہ وہ اس عورت کے ساتھ زنا کرے گا جب وہ اس کے ساتھ زنا کرنے لگا تو وہ عورت کانپنے لگی اور رونے لگی اس نے دریافت کیا تم کیوں رو رہی ہو کیا میں نے تمہارے ساتھ زبردستی کی ہے اس عورت نے جواب دیا نہیں لیکن یہ ایک ایسا عمل ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا اور انتہائی مجبوری کے عالم میں میں اس پر مجبور ہوئی ہوں تو وہ بولا تم یہ کام کر رہی ہو؟ حالانکہ تم نے پہلے کبھی یہ کام نہیں کیا تم جاؤ یہ دینار تمہارے ہوئے پھر اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اب میں اس کے بعد کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر اسی رات اس کا انتقال ہو گیا تو صبح اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت کر دی۔

تشریح: کفل نامی شخص بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا جو ہر قسم کا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا تھا ایک دفعہ نفسانی خواہش کی تسکین کے لیے ایک عورت کو ساٹھ دینار دیئے تا کہ اس سے جنسی استفادہ کرے وہ عورت اللہ سے ڈر کی وجہ سے کانپنے لگی کہ آج تک میں

نے یہ گناہ نہیں کیا تھا اور اب مالی حاجت کی وجہ سے یہ کام کرنا پڑ رہا ہے اس مرد نے یہ کیفیت دیکھی تو اسے اس پر ترس آ گیا، اس نے وہ پیسے اس عورت کو بخش دیئے اور اس کے ساتھ وہ عمل بھی نہیں کیا اور ساتھ ہی اللہ سے سچی توبہ کر لی کہ آج کے بعد کبھی بھی میں یہ گناہ نہیں کروں گا اسی رات اس کی وفات ہوگئی صبح کے وقت اس کے دروازے پر یہ لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی بخشش کر دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان سے جس قدر سنگین گناہ ہو جائے جب وہ تہ دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو بالکل مٹا دیتے ہیں۔

تشریح: تین غار میں پھنسنے والے آدمیوں کا واقعہ صحیحین میں مروی ہے، اس میں بھی ایک شخص نے اپنی چچازاد بہن کو زنا کرنے کے لئے سو دینار دیئے تھے، پھر اس سے زنا نہیں کیا تھا، وہ واقعہ اور ہے۔ (مسلم شریف: حدیث ۳۷۴۳)

باب

گناہوں کے تعلق سے مؤمن اور بدکار کا حال

(۲۴۲۲) عَبْدُاللّٰهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ وَقَعَ عَلَى أَنْفِهِ قَالَ بِهِ هٰكَذَا فَطَارَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات ارشاد فرمائی مومن اپنے گناہوں کو یوں دیکھتا ہے جیسے کوئی شخص پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہو اور اسے یہ اندیشہ ہو کہ یہ پہاڑ اس پر گر پڑے گا اور گنہگار شخص اپنے گناہوں کو یوں دیکھتا ہے جیسے وہ مکھی ہے جو اس کی ناک پر آ کر بیٹھ گئی ہے اور وہ اسے ایسے کرے گا اور وہ اڑ جائے گی۔

(۲۴۲۳) كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَّخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر انسان خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرتے ہوں۔

اور توبہ سے اللہ تعالیٰ کا بے حد خوش ہونا

تشریح: یہ حدیث صحیحین میں اس سے زیادہ مفصل ہے، غور کیجئے! ایک مسافر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر، اور اس پر کھانے پینے کا سامان لاد کر، دور دراز کے سفر پر نکلا، وہ حیران و سراسیمہ ہو کر اونٹنی کی تلاش میں دوڑا بھاگا، مگر کامیاب نہ ہوا، یہاں تک کہ جب گرمی اور پیاس نے اس کو لب دم کر دیا تو اس نے سوچا: شاید میری موت اس بیابان میں مقدر ہے، چنانچہ وہ مرنے کے لئے اسی درخت کے سایہ میں آ کر پڑ گیا، آنکھ پھر جھپکی، اور جب کھلی تو اونٹنی پورے ساز و سامان کے ساتھ وہاں موجود تھی، اس وقت اس محروم قسمت مسافر کو اپنی اونٹنی کے مل جانے پر کتنی خوشی ہوگی؟ اسی طرح جب بندہ جرم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اس مہربان اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے، پس گنہگاروں کو مایوس نہیں ہونا چاہئے، انہیں پہلی فرصت میں اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ اس کے لئے اس دروازہ کے علاوہ کوئی دروازہ نہیں!

لغات: للّٰه: ل کے فتح کے ساتھ، اور یہ ل ابتدائیہ ہے جو تاکید کے لئے لایا جاتا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ البتہ کیا جاتا ہے، اور اللّٰه: مبتداء ہے اور افرح اس کی خبر۔ من رجل: افرح کا مفضل منہ ہے۔ الفلاة: بیابان، ایسا ویران جنگل جہاں دُور دُور تک

سبزہ اور پانی نہ ہو، جمع فلوات۔ الدو: بڑا جنگل، الدوی اور الدویة: جنگل، بیابان، اس میں واؤ مشدد ہے، اور ی نسبت کی ہے، الدو کی طرف نسبت ہے۔ مھلکة: م پر زبر اور ل پر فتح اور کسرہ دونوں: خوفناک اور ہلاکت کی جگہ۔

تشریح: توبہ کی حقیقت تین چیزیں ہیں: (۱) جو گناہ ہو گیا ہے اس پر پشیمانی ہو۔ (۲) اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ ہو۔ (۳) اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے، تاکہ وہ اس گناہ کی سزا سے بچ جائے۔

باب

خاموشی میں نجات ہے

(۲۴۲۴) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت افزائی کرنی چاہئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے بھلائی کی بات کہنی چاہیے ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔

(۲۴۲۵) مَنْ صَمَتَ نَجَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص خاموش رہے وہ نجات پاتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث ابواب البر والصلة میں حضرت ابوشریح عدوی کی روایت سے گزر چکی ہے۔

باب

مسلمان کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا

(۲۴۲۶) حَكَيْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ رَجُلًا فَقَالَ مَا يَسُرُّنِي اَنِّي حَكَيْتُ رَجُلًا وَاَنَّ لِي كَذَا وَكَذَا قَالَتْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنَّ صَفِيَّةَ اِمْرَاَةٌ وَقَالَتْ بِيَدِهَا هٰكَذَا كَاَنَّهَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ مَزَجْتِ بِكَلِمَةٍ لَوْمُزِجَ بِهَا مَاءُ الْبَحْرِ لَمُزِجَ.

ترجمہ: ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں ہے میں کسی شخص کی خامی کا تذکرہ کروں اگرچہ مجھے یہ کچھ مل جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! صفیہ رضی اللہ عنہا تو اس طرح کی عورت ہیں اور پھر انہوں نے اپنے ہاتھ کے ذریعے یہ ارشارہ کیا کہ ان کا قد کم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا تم نے ایسی بات شامل کی ہے اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جاتا تو وہ بھی تبدیل ہو جاتا۔

(۲۴۲۷) مَا اُحِبُّ اِنِّیْ حَکَیْتُ اَحَدًا وَّاَنَّ لِیْ کَذَا وَ کَذَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں یہ نہیں چاہتا کہ میں کسی کا عیب بیان کروں اگر چہ مجھے اس کے بدلے میں یہ یہ کچھ مل جائے۔

(۲۴۲۸) سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کون سا مسلمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(۲۴۲۹) مَنْ عَیَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَعْمَلَهٗ قَالَ اَحْمَدُ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنے کسی بھائی کو اس کے کسی گناہ کی وجہ سے عار دلائے تو وہ خود اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اس کا ارتکاب نہ کر لے گا۔

تشریح: اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ کی ایذاء رسانیوں کا زکر ہے، ورنہ حقیقت میں مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کسی طرح بھی تکلیف نہیں پہنچاتا، ایذاء رسانی اسلام کے منافی ہے، مگر اس سے مراد وہ ایذا رسانی ہے جو بغیر کسی معقول وجہ کے ہو، ورنہ مجرموں کو سزا دینا، ظالموں کی زیادتیوں کو اور مفسدوں کی فساد انگیزوں کو روکنا مسلمان کا فرض منصبی ہے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو دنیا امن و راحت سے محروم ہو جائے گی۔

سوال: ذنب کے معنی جرم، گناہ اور غلطی کے ہیں، پس کسی کو گناہ پر عار دلانے کا یہ نتیجہ کیسے نکلا کہ اللہ نے اس عار دلانے والے کو اس گناہ میں مبتلا کیا؟ نہی عن المنکر تو ضروری ہے؟

جواب: دیا گیا ہے (۱) عار دلانے کا مطلب ہے کسی کو برے فعل سے شرم دلانا، طعنہ دینا اور عیب لگانا، اور نہی عن المنکر میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا، اس میں خیر خواہی کے جذبہ سے برائی پر نصیحت کی جاتی ہے۔ (۲) اور دوسرا جواب امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ احمد بن منیع رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ حدیث میں وہ گناہ مراد ہے جس سے گنہگار نے توبہ کر لی ہے، پھر بھی کوئی اس گناہ پر اس کو عار دلائے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے، پس اس کو عار دلانے والا اس سزا کا مستحق ہوگا۔

باب

کسی کی مصیبت پر خوش ہونا وبال لاتا ہے

(۲۴۳۰) لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِاَخِیْكَ فَیَرْحَمُهُ اللّٰهُ وَیَبْتَلِیْكَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالٰی اس پر رحم کرے گا اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے گا۔

تشریح: اس حدیث کا ایک راوی امیہ بن القاسم ہے، حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ چونکہ ضعیف ہے، صحیح نام قاسم بن امیہ حذاء (موچی) ہے، یہ بصرہ کا راوی ہے، اور ٹھیک ہے، اور اس پر ابن حبان نے جو بلاوجہ تنقید کی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور حدیث کی تحسین کی ہے۔ کسی کی نقل اتارنا بھاری گناہ ہے۔

لغات: حکیت: میں کسی کی نقل اتاروں کسی کا ذکر کروں۔ قصیرۃ: ٹھگنی، پست قد والی مزجت تو نے ملایا۔ لمزج (صیغہ مجہول) سمندر کا پانی تبدیل ہوجائے متغیر ہوجائے۔

باب

لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی فضیلت

(۲۴۳۱) اَلْمُسْلِمُ اِذَا کَانَ مُخَالِطًا النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ خَیْرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے لاحق ہونے والی اذیت پر صبر سے کام لیتا ہے یہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ گھل مل کر نہیں رہتا اور اسے ان کی طرف سے کسی اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عزلت (گوشہ نشینی) بہتر ہے یا لوگوں سے میل جول رکھنا؟ جو لوگ کہتے ہیں: لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا، ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کرنا، ان کو بھلائی کا حکم دینا، ان کو برائی سے روکنا اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا گوشہ نشینی سے بہتر ہے: وہ لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور جن کی رائے اس کے خلاف ہے وہ مسلم شریف کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہد کے بعد بہترین شخص وہ ہے جو کسی گھاٹی میں علیحدہ رہتا ہو، اللہ کی عبادت کرتا ہو، اور لوگوں کو اپنے شر سے بچاتا ہو (مسلم کتاب الامارۃ باب ۳۴ حدیث ۱۸۸۸)۔

اور اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں، اس لئے حکم بھی مختلف ہے، جو شخص لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور ان کی حرکتیں برداشت کرسکتا ہے، اس کے لئے لوگوں سے میل جول رکھنا بہتر ہے، اور جو ان کی باتیں برداشت نہیں کرسکتا، نہ وہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے، وہ اگر لوگوں سے علیحدہ رہے تو یہی اس کے حق میں بہتر ہے۔

باب

باہمی معاملات بگاڑنا دین کا ناس کردیتا ہے

(۲۴۳۲) اِیَّاکُمْ وَسُوْءَ ذَاتِ الْبَیْنِ فَاِنَّھَا الْحَالِقَةُ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آپس کی عداوت سے بچو کیونکہ یہ تباہ کن چیز ہے۔

(۲۴۳۳) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا میں تمہیں ایسی چیز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ جو روزہ رکھنے نماز پڑھنے صدقہ کرنے کے درجے سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے لوگوں نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا آپس میں محبت اور میل جول رکھنا کیونکہ آپس کا فساد ہلاکت کا شکار کر دیتا ہے۔

(۲۴۳۴) دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعَرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَفَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُثَبِّتُ ذَاكُمْ لَكُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے سابقہ امتوں کی بیماری تمہارے اندر بھی آ گئی ہے وہ حسد اور بغض ہے جو مونڈ دیتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک مومن نہیں بن جاتے اور تم لوگ اس وقت کامل مومن نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہیں رکھو گے کیا میں تمہیں وہ بات بتاؤں؟ جو تمہاری محبت کو پختہ کرے؟ تم اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا فرض نماز فرض روزے اور فرض صدقہ سے بھی اس صورت میں افضل ہو سکتی ہے کہ جب صلح ایک ایسے فساد کو ختم کرنے کے لیے ہو جس کے نتیجہ میں لوگوں میں قتل و خون ریزی مال و اسباب کی غارت گری اور عزت و ناموس کی بے حرمتی یقینی ہو ایسے میں عقل کا تقاضا یہی ہے کہ یہ: صلح مذکورہ عبادات سے افضل ہو کیونکہ اول تو عبادات ایسے اعمال ہیں جو اگر وقت پر ادا نہ ہو سکیں تو بعد میں ان کی قضا کی جا سکتی ہے جبکہ اس عداوت و دشمنی کے نتیجہ میں جو نقصان مال و دولت کا ضیاع انسانی جانوں کی ہلاکتیں اور عزت و ناموس کی بے حرمتی رونما ہو گی اس کا ازالہ اور تلافی ممکن نہیں دوسرے یہ کہ ان عبادات کا تعلق حقوق اللہ سے زیادہ ہے اس لحاظ سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اصلاح بین الناس کو ایک طرح سے عبادات پر فضیلت حاصل ہے جیسے یوں کہا جاتا ہے کہ نفس انسان فرشتہ بہتر ہے اور مرد عورت سے بہتر ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷-۱۷۹)

باب

ظلم اور قطع رحمی کی سزا

(۲۴۳۵) مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بغاوت اور رشتہ داری کے حقوق کی پامالی سے زیادہ کوئی گناہ اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

کے مرتکب کو دنیا میں ہی سزا جلدی دے دے اس کے علاوہ جو اس نے آخرت میں اس کے لیے سزا تیار رکھی ہے۔
فائدہ: گناہوں کی سزا کے سلسلہ میں کوئی واضح قاعدہ وارد نہیں ہوا، البتہ مختلف نصوص سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض گناہوں کی پوری سزا دنیا میں دیدی جاتی ہے، یہ گناہ عام طور پر لازم ہوتے ہیں، یعنی ان کا ضرر دوسروں تک نہیں پہنچتا، اور جو گناہ متعدی ہوتے ہیں جیسے ظلم وزیادتی اور قطع رحمی وغیرہ، ان کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی، اور ایسا ان گناہوں کی سنگینی کی وجہ سے کیا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ دو گناہ بہت بھاری ہیں، ان سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

باب

صبر وشکر کا جذبہ کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟

(۲۴۳٦) خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ لَمْ تَكُوْنَا فِيْهِ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهٗ بِهٖ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَأَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جس شخص میں دو خوبیاں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا لکھ دے گا اور جس شخص میں یہ دونوں نہیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا نہیں لکھے گا وہ شخص جو اپنے دین میں اس شخص کی طرف دیکھے جو بلند ہے اور اس کی پیروی کرے اور جو اپنی دنیا میں اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے کمتر ہے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس دوسرے شخص پر فضیلت عطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا لکھ دیتا ہے اور جو شخص اپنے دین میں اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے کمتر ہے اور دنیا میں اس شخص کی طرف دیکھے جو اس سے برتر ہے اور اس بات پر افسوس کرے جو اسے نہیں ملا تو اللہ تعالیٰ اسے شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا نہیں لکھتا۔

(۲۴۳۷) اُنْظُرُوْا إِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَإِنَّهٗ أَجْدَرُ أَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے کمتر حیثیت کا مالک ہے اس شخص کی طرف نہ دیکھو جو تم سے برتر حیثیت کا مالک ہے کیونکہ ایسی صورت حال میں تم اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر نعمتوں کو حقیر نہیں سمجھو گے۔

تشریح: انسان کی ایک فطری کمزوری یہ ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت میں، شکل وصورت میں، اور دنیوی وجاہت میں اس سے بہتر ہے تو اس میں طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ اللہ نے اسکو ایسا کیوں نہیں بنایا! اس حدیث میں اس کا علاج بتایا گیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے جو اس سے ان چیزوں میں کمتر ہے، اس سے صبر وشکر کا جذبہ پیدا ہوگا، اللہ

نے جس حال میں اس کا رکھا ہے اس پر وہ صبر وشکر بجالائے گا البتہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ نظران بندوں کی طرف رہنی چاہئے جن کا مقام دین میں بلند ہے، اوران کی پیروی کرنی چاہئے، اس طرح وہ آخرت کے کاموں میں ترقی کرتا چلا جائے گا۔

باب

احوال دائمی نہیں ہوتے

(۲۴۳۸) وَكَانَ مِنْ كُتَّابِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ مَرَّ بِأَبِي بَكْرٍ وَّهُوَ يَبْكِي فَقَالَ مَالَكَ يَا حَنْظَلَةُ قَالَ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا اَبَا بَكْرٍ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَاِذَا رَجَعْنَا اِلَى الْاَزْوَاجِ وَالضَّيْعَةِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ فَوَاللهِ اِنَّا لَكَذٰلِكَ انْطَلِقْ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَانْطَلَقْنَا فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ مَالَكَ يَا حَنْظَلَةُ قَالَ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَاِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالضَّيْعَةَ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْحَالِ الَّذِيْ تَقُوْمُوْنَ بِهَا مِنْ عِنْدِيْ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ فِيْ مَجَالِسِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَعَلٰى فُرُشِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً وَّسَاعَةً وَّسَاعَةً.

ترجمہ: حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اسیدی رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے ماتحت تھے وہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے روتے ہوئے گزرے تو انہوں نے دریافت کیا اے حنظلہ رضی اللہ عنہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے ابوبکر حنظلہ منافق ہوگیا ہے جب ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے سامنے جہنم اور جنت کا تذکرہ کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب ہم واپس آتے ہیں تو اپنی بیویوں اور دنیاوی معاملات کے اندر مشغول ہوکر اکثر چیزوں کو بھول جاتے ہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میری بھی یہی کیفیت ہے تم میرے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں چلو تو ہم لوگ چل پڑے جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں دیکھا تو دریافت کیا اے حنظلہ تمہیں کیا ہوا ہے تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ حنظلہ منافق ہوگیا ہے جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جہنم اور جنت کا تذکرہ کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب ہم واپس جاتے ہیں تو بیویوں اور دنیاوی معاملات میں الجھ جاتے ہیں اور بہت سی چیزوں کو بھول جاتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم مستقل اسی حالت میں رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہاری محفلوں میں آکر تمہارے ساتھ مصافحہ کریں تمہارے بچھونوں پر آکر تمہارے راستوں میں آکر (تمہارے ساتھ مصافحہ کریں) لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔

تشریح: حال: نفس کی وہ کیفیت ہے جو عارضی اور وقتی ہوتی ہے، پھر جب وہ کیفیت دائمی ہو جاتی ہے تو مقام کہلاتی ہے۔ مقامات دائمی ہوتے ہیں مگر احوال دائمی نہیں ہوتے۔

حنظلہ دو ہیں: ایک حنظلة الکاتب، جن کے باپ کا نام ربیع ہے، یہ قبیلہ اسید کے ہیں، جو قبیلہ بنو تمیم کی شاخ ہے، یہ حکیم العرب

اکثم بن صیفی کے بھتیجے ہیں، یہ واقعی انہی کا ہے، دوسرے: حنظلة الغسیل ہیں، ان کے باپ کا نام ابو عامر راہب ہے، یہ انصاری اوسی ہیں، جنگ احد میں شہید ہوئے ہیں، فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا، کیونکہ وہ حالت جنابت میں شہید ہو گئے تھے، یہ واقعہ ان کا نہیں ہے۔

لغات: رای عین: آنکھوں کے سامنے اس لفظ کو ترکیبی اعتبار سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے مرفوع کی صورت میں یہ خبر ہوگی اور منصوب کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی: تراھما رای عین (تم جنت ودوزخ کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو)۔ عافسنا: ہم اپنی بیویوں سے ملاقات کرتے ہیں اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ الضیعة: جائداد صنعت حرفت کاروبار فرش فراش کی جمع ہے بستر بچھونے ساعة وساعة اصل عبارت یوں ہے: یکون ساعة کذا ویکون ساعة کذا۔ یعنی ایک گھڑی وہ اس طرح ہوتا ہے اور دوسری گھڑی میں وہ دوسری کیفیت میں ہوتا ہے۔

باب

ایمان کامل کی علامت

(۲۴۳۹) لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ لِنَفْسِهٖ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے

تشریح: اس حدیث میں لایومن سے کمال ایمان کی نفی مراد ہے، ایمان میں کمال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دوسرے مسلمانوں کے لئے عبادتوں میں سے اور جائز کاموں میں سے وہ بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور یہ کچھ مشکل امر نہیں، دل میں خیر خواہی کا جذبہ ہو تو یہ بات بہت آسان ہے۔

باب

صرف اللہ تعالیٰ نافع اور ضار ہیں

(۲۴۴۰) کُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَوْمًا فَقَالَ یَا غُلَامُ اِنِّیْ اُعَلِّمُكَ کَلِمَاتٍ احْفَظِ اللّٰهَ یَحْفَظْكَ احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ اِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِاجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے موجود تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے میں تمہیں چند کلمات سکھا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا خیال رکھنا وہ تمہاری حفاظت کریگا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنا تم اسے اپنے سامنے پاؤ

گے تم نے جب بھی کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور جب بھی مدد مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگنا یہ بات جان لو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہئیں تو وہ صرف تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے اور اگر وہ سب لوگ مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہئیں تو تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے (تقدیر لکھنے کے بعد) قلم اٹھا دیئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

باب

تدبیر اور توکل میں منافات نہیں

(۲۴۴۱) قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَعْقِلُهَا وَاَتَوَكَّلُ اَوْ اُطْلِقُهَا وَاَتَوَكَّلُ قَالَ اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ.

ترجمہ: ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ میں (جانور کو) باندھنے کے بعد توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے باندھ کر پھر توکل کرو۔

تشریح: الکوکب الدری میں ہے: توکل کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرے، مگر ان پر تکیہ نہ کرے، پھر یہ بات ہے کہ اسباب اختیار نہ کرے اور اللہ پر بھروسہ کرے، پھر اس کے بعد توکل کا کوئی درجہ نہیں، یعنی اسباب اختیار کرنا اور ان پر بھروسہ کرنا توکل نہیں بلکہ توکل کے منافی ہے۔

اور حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تدبیر اور توکل میں منافات نہیں، اس لئے دونوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

باب

کھٹک والی بات چھوڑو اور بے کھٹک بات اختیار کرو

(۲۴۴۲) حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ دَعْ مَا يَرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَاْنِيْنَةٌ وَّاِنَّ الْكَذِبَ رِيْبَةٌ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص کے بکثرت عبادت وریاضت کرنے کا ذکر کیا گیا اور دوسرے شخص کے مشتبہ چیزوں سے بچنے کا ذکر کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مشتبہ چیزوں سے بچنے کی مانند (نفلی عبادت وریاضت) نہیں ہے۔

تشریح: جس چیز کے بارے میں کوئی حتمی حکم معلوم نہ ہو کہ یہ حلال ہے یا حرام سنت ہے یا بدعت جائز ہے یا ناجائز تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اس مشکوک شئی کو چھوڑ دیا جائے اور اس چیز یا عمل کو اختیار کر لیا جائے جس سے کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ ہو اور جس پر آدمی کو یقین ہو کیونکہ صدق تو اطمینان قلبی کا نام ہے اور کذب میں بے چینی اور اضطراب ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایک مثال سے اس کی وضاحت فرمائی کہ سچ بولنا دل کو اطمینان بخشتا ہے، اور جھوٹ بولنا الجھن پیدا کرتا ہے، آدمی جھوٹ بول کر کام نکال لیتا ہے، مگر دل میں کانٹا چبھتا رہتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا! اور سچ بولنے سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، اگرچہ سچ بولنے سے کبھی نقصان ہوتا ہے، مگر یہ نقصان اہوں (ہلکا) ہے، پس ہر معاملہ میں سچ بولنا چاہئے، اور یہ بات کہ کھٹک والی بات چھوڑو اور بے کھٹک بات اختیار کرو:

قاعدہ کلیہ ہے اس کو ہر جگہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

باب

ورع کا مقام عبادت سے بلند ہے

(۲۴۴۳) ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِعِبَادَةٍ وَّاجْتِهَادٍ وَّذُكِرَ عِنْدَهُ اٰخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُعْدَلُ بِالرِّعَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی کثرتِ عبادت اور ریاضت کا تذکرہ کیا گیا جبکہ دوسرے شخص کے شبہات سے بچنے کا تذکرہ کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی عبادت (اس دوسرے شخص کی) پرہیز گاری کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

تشریح: اور حدیث میں ہے کہ بندہ اس مقام تک نہیں پہنچتا کہ وہ پرہیز گاروں میں شمار ہو، جب تک وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں گنجائش ہے، ان چیزوں سے بچنے کے لئے جن میں گنجائش نہیں۔ (مشکوٰۃ حدیث ۲۷۷۵) یعنی آدمی کی دینداری اس وقت مکمل ہوتی ہے جب وہ مشتبہ چیزوں کو چھوڑ دے، اور وہ بات اختیار کرے جس میں کوئی شک نہیں، یہی اعلیٰ درجہ کی پرہیز گاری ہے۔

باب

جنت میں لے جانے والے تین کام

(۲۴۴۴) مَنْ اَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِيْ سُنَّةٍ وَّاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيْرٌ قَالَ فَسَيَكُوْنُ فِيْ قُرُوْنٍ بَعْدِيْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص حلال کھائے اور سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ چیز تو آج بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ میرے بعد کے کچھ زمانوں میں بھی ہوگی۔

باب

وہ کام جن سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے

(۲۴۴۵) مَنْ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ وَاَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَنْكَحَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی کو کچھ دے اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی کو کچھ نہ دے اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی سے محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی سے ناراضگی رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نکاح کرے تو اس کا ایمان مکمل ہوگیا۔

تشریح: یہ حدیث حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ کی سند سے تو نہایت ضعیف ہے، مگر ابوداؤد میں یہ حدیث حضرت ابوامامہ سے مروی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، مگر اس میں وانکح للہ نہیں ہے۔ اور حدیث کا سبق یہ ہے کہ جو شخص اپنے تمام کاموں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے، کسی سے محبت رکھتا ہے تو اللہ کے لئے رکھتا ہے، شدید نفرت رکھتا ہے تو اللہ کے لئے رکھتا ہے، کسی کو کچھ دیتا ہے یا ہاتھ روک لیتا ہے تو اللہ کی خوشنودی کے لئے ایسا کرتا ہے، اور کسی کا نکاح کراتا ہے یعنی کسی کے نکاح میں دامے، درمے، سخنے، قدمے تعاون کرتا ہے تو وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے: تو یہ کام بندے کے کمال ایمان کی دلیل ہیں، اور کامل الایمان شخص آخرت میں جنت کے اُونچے درجات پر فائز ہوگا۔

فائدہ: عالم دو ہیں: یہ دنیا اور وہ دنیا۔ یعنی دنیا اور آخرت اور یہ دونوں عالم حادث ہیں، یعنی پہلے ناپید تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو موجود کیا، پہلے عالم آخرت کو پیدا کیا پھر ہماری یہ دنیا پیدا کی اور جب دو عالم وجود میں آئے، تو درمیان میں آڑ ضروری ہوئی، جس کا نام عالم برزخ اور عالم قبر ہے۔

پھر عالم آخرت تو ہمیشہ چلنے والا عالم ہے یعنی وہ اپنے آخری سرے کی طرف سے ابدی ہے، اور جنت وجہنم، حور وقصور اور ملائکہ وغیرہ مخلوقات عالم آخرت کی چیزیں ہیں، اور وہ سب چیزیں فی الحال موجود ہیں۔ عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا ان میں جنت اور جہنم بھی ہیں، یہی دونوں تمام انسانوں کی آخری منزل اور ابدی ٹھکانہ ہیں، قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکلیفوں کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، ج کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اس کے عذاب کا خوف پیدا ہو، اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں، اور جنت اور اس کی بہاروں کا شوق پیدا ہو وہ اچھے اعمال کریں اور جنت نشیں بنیں۔

فائدہ: قرآن کریم میں اور احادیث شریفہ میں جنت وجہنم کے تعلق سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی پوری حقیقت ابھی سمجھ میں نہیں آسکتی، مشاہدہ کے بعد ہی پوری حقیقت واضح ہوگی، فی الحال ایک اجمالی نقشہ ہی ذہن میں لایا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن وحدیث کے مضامین کو پڑھنا چاہئے۔

فائدہ: دوسری دنیا کی حقیقتیں بیان کرنے کے لئے ہماری اس دنیا کے الفاظ مستعار لئے گئے ہیں، اور ہمارے الفاظ کا موضوع لہ اس دنیا کے الفاظ مستعار لئے گئے ہیں اور ہمارے الفاظ کا موضوع لہ اس دنیا کی چیزیں ہیں مثلاً انگور، کیلا اور بیری وغیرہ کہا جائے تو ہمارے ذہن میں ہماری اسی دنیا کے پھل آتے ہیں، آخرت کے یہ پھل کیسے ہونگے؟ یہ بات ان الفاظ سے ہم پوری طرح نہیں سمجھ سکتے، غرض یہاں بھی ٹھیک وہی معاملہ ہے جو صفات باری کا ہے وہاں بھی جن الفاظ کے ذریعہ صفات کو بیان کیا گیا ہے ان سے صفات کو کماحقہ نہیں سمجھا جاسکتا اسی طرح آخرت کی نعمتوں اور آخرت کے عذاب کا بھی پورا ادراک قرآن وحدیث میں آنے والے الفاظ سے نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت ودوزخ کے احوال بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں، کیونکہ یہ احوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدہ

تھے، صرف شنیدہ نہیں تھے، معراج میں آپ ﷺ کو عالم بالا کی سیر کرائی گئی تھی، آسمانوں کے احوال سے واقف کیا گیا تھا، جنت و جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا تھا، اور ان گنت عجائبات قدرت دکھائے گئے تھے، تاکہ آپ ﷺ اپنی امت کو دوسری دنیا کا آنکھوں دیکھا حال بتلائیں، چنانچہ دوسری آسمانی کتابوں میں اور دوسرے انبیاء کے اقوال میں یہ باتیں اتنی تفصیل سے نہیں ہیں جتنی تفصیل سے قرآن وحدیث میں ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آخرت کے احوال اور جنت وجہنم کے کوائف تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کے سامنے بیان کئے ہیں، مگر وہ سب شنیدہ تھے، یعنی وحی کے ذریعہ جن احوال کی ان کو اطلاع دی گئی تھی وہی احوال انھوں نے اپنی امتوں سے بیان کئے تھے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ شَجَرِ الْجَنَّةِ

باب ۱: جنت کے درختوں کا حال

(۲۴۴۶) اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ سَنَةٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں درخت اتنا بڑا ہوگا کہ ایک سوار اس کے سائے میں ایک سو سال تک چلتا رہے گا۔

(۲۴۴۷) فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ یَّسِیْرُ الرَّکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا یَقْطَعُهَا وَقَالَ ذٰلِكَ الظِّلُّ الْمَمْدُوْدُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں درخت (اتنا بڑا) ہوگا کہ ایک سوار اگر ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے تو اسے پار نہیں کرسکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھیلے ہوئے سائے سے یہی مراد ہے۔

(۲۴۴۸) مَا فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ اِلَّا وَسَاقُهَا مِنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں موجود ہر درخت کا تنا سونے کا ہوگا۔

تشریح: اس باب میں جنت کے درختوں کے بارے میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں: ایک ان کا سایہ بہت لمبا ہے، دوسری: ان کے تنے جن پر شاخیں نکلتی ہیں: سنہرے ہیں۔

جنت کے شجر طوبیٰ کا ذکر:

جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبی ہے وہ اس قدر طویل وعریض اور پھیلا ہوا ہوگا کہ کوئی گھوڑ سوار تیز رفتار گھوڑے پر سو سال تک بھی اس کے نیچے چلتا رہے تو اسے پار نہیں کرسکے گا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ واقعہ میں جو ظل ممدود (لمبا سایہ) فرمایا: اس سے یہی درخت مراد ہے اس کی تائید بخاری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے اس حدیث کے بعد فرمایا: واقرأوا ان شئتم وظل ممدود اگر تم چاہو تو آیت پڑھ لو ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ (الواقعہ: ۳۰)۔

باب کی مذکورہ احادیث میں اگرچہ لفظ طوبی کی تصریح نہیں ہے لیکن چونکہ دوسری احادیث میں لفظ موجود ہے اس لیے شارحین

کے نزدیک ان احادیث میں بھی اس درخت سے شجرہ طوبیٰ ہی مراد ہے چنانچہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تصریح کی ہے اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کے لیے طوبیٰ ہے جس نے مجھے ایمان کی حالت میں دیکھ لیا ہے ایک شخص نے پوچھا طوبیٰ کیا ہے؟ فرمایا وہ جنت کا درخت ہے جس کی مسافت سو سال ہے اہل جنت کے کپڑے اس کی شاخوں سے نکلیں گے۔

ان حدیثوں میں کسی معین درخت کا ذکر ہے یا ہر درخت کا یہ حال ہے؟ اور معین درخت سے مراد شجر طوبیٰ ہے، جو جنت کا ایک بہت بڑا درخت ہے، جس کی شاخیں جنت کے ہر درجہ میں پہنچی ہوئی ہیں، شارحین کرام کا خیال ہے کہ یہ شجر طوبیٰ کا بیان ہے، ہر درخت کا یہ حل نہیں، اس لئے معروف سایہ بھی وہاں نہیں، اور اس کا دراز ہونا ظاہر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَنَعِیْمِهَا

باب ۲: جنت کا اور اس کی نعمتوں کا حال

(۲۴۴۹) قَالَ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَا لَنَا اِذَا کُنَّا عِنْدَكَ رَقَّتْ قُلُوْبُنَا وَزَهِدْنَا وَ کُنَّا مِنْ اَهْلِ الْاٰخِرَةِ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ فَاٰنَسْنَا اَهَالِیْنَا وَشَمَمْنَا اَوْلَادَنَا اَنْکَرْنَا اَنْفُسَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَوْ اَنَّکُمْ تَکُوْنُوْنَ اِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِیْ کُنْتُمْ عَلٰی حَالِکُمْ ذٰلِكَ لَزَارَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَجَاءَ اللهُ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ کَیْ یُذْنِبُوْا فَیَغْفِرَ لَهُمْ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْتُ الْجَنَّةُ مَا بِنَاؤُهَا قَالَ لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَّدْخُلُهَا یَنْعَمُ لَا یَبْأَسُ وَیَخْلُدُ لَا یَمُوْتُ وَلَا تَبْلٰی ثِیَابُهُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُهُمْ ثُمَّ قَالَ ثَلٰثٌ لَا یُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الْاِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حِیْنَ یُفْطِرُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ یَرْفَعُهَا فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَیَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَعِزَّتِیْ لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی یارسول اللہ کیا وجہ ہے؟ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہوجاتے ہیں اور ہم دنیا سے لاتعلق ہوجاتے ہیں اور آخرت کی طرف زیادہ رجحان ہوجاتا ہے لیکن جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور اپنے گھر والوں سے ملتے جلتے ہیں بچوں سے ملتے ہیں تو ہماری کیفیت تبدیل ہوجاتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میرے پاس سے سے اٹھ کر جاتے ہو تو اگر اس وقت بھی تمہاری وہی کیفیت ہو جو میری موجودگی مین ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری زیارت کریں اگر تم لوگ گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نئی مخلوق لے آئے گا تاکہ وہ لوگ گناہ کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کردے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو کس چیز کے ذریعے پیدا کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی سے میں نے عرض کی جنت کی تعمیر کس چیز سے ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک

اینٹ سونے کی ہے اور اس کا گارا خوشبودار مشک کا ہے اور اس کے کنکر موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران ہے جو شخص اس میں داخل ہو جائے گا وہ نعمتوں میں رہے گا اور کبھی مایوس نہیں ہوگا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی اس کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے اس کی جوانی ختم نہیں ہوگی۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا تین طرح کے لوگوں کی دعا مسترد نہیں ہوتی عادل حکمران روزہ دار شخص جب وہ افطار کرے اور مظلوم شخص کی دعا وہ بادلوں پر بلند ہوتی ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری عزت کی قسم میں تمہاری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد کروں۔

تشریح: باب کی حدیث چار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ گناہ بشریت کا خاصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت یہ ہے کہ فرشتوں کی دنیا کے علاوہ بشر کی بھی ایک دنیا ہو، جو گناہ کریں اور توبہ کریں، پس اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کریں، اس لئے اگر انسانوں کا حال فرشتوں جیسا ہو جائے تو وہ بشر نہیں رہے، بلکہ ملائکہ ہو گئے پس اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق پیدا کریں گے جس میں بشریت ہوگی اور اس میں بشریت کے تقاضے پائے جائیں گے اور جواب نبوی کا حاصل یہ ہے کہ میرے پاس سے نکلنے کے بعد جو تمہاری حالت بدل جاتی ہے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، یہ تو بشریت کا خاصہ ہے۔ البتہ اس روایت کا پہلا حصہ مسند احمد میں ہے، اور دوسرا حصہ مسلم شریف میں ہے، اور تیسرا حصہ مسند احمد اور دارمی وغیرہ میں ہے، اور چوتھا حصہ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے، اور آگے ترمذی میں بھی کتاب الدعوات میں آرہا ہے، پس علحدہ علحدہ روایتیں صحیح ہیں۔ اور منذری نے ترغیب میں لکھا ہے کہ یہ پوری حدیث مسند احمد، مسند بزار، معجم طبرانی اور صحیح ابن حبان میں مروی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے قدروی سے غالباً اسی کا ذکر کیا ہے۔

ولو لم تذنبوا اس سے گناہ گار لوگوں کو گناہ پر ابھارنا یا ان کی حوصلہ افزائی مقصود نہیں بلکہ اس سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت غفار کی شان کو ظاہر کرنا پیش نظر ہے۔

کیونکہ وہ غفار ذات ہے چاہتے ہیں کہ کوئی مغفور ہو جس کی بخشش کی جائے جیسے رازق یہ چاہتا ہے کہ کوئی مرزوق ہو کہ جسے رزق دیا جائے گو کہ سارے انسانوں کی اطاعت سے اللہ کی قدرت میں کوئی اضافہ اور نافرمانی سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی لیکن ان کی حکمت و مصلحت اور مشیت اسی طرح ہے۔ (تحفة الاحوذی ۷/ ۱۹۳)

لغات: نعیم آسودہ حالی آرام و راحت مال و دولت رقت: ہمارے دل نرم ہوتے ہیں زهدنا ہم دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہو جاتے ہیں۔ انسنا: ہم مانوس ہو جاتے ہیں مل جاتے ہیں۔ اهالی: اهل کی جمع ہے: اہل و عیال اہلیہ۔ شممنا: ہم سونگھتے ہیں یعنی ہم اپنی اولاد میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ انکرنا انفسنا: ہم اپنے نفسوں سے جاہل ہو جاتے ہیں یعنی ہماری وہ کیفیت نہیں رہتی جو نبی کریم ﷺ کے پاس تھی۔ لبنة: اینٹ۔ مِلاط۔ لپائی کا گارا۔ المسك: مشک۔ الاذفر: بو کا اڑنا خواہ وہ خوشبو ہو یا بدبو شدید مہک والی۔ حصاد: کنکریاں۔ ینعم: خوشحال اور آسودہ ہوگا۔ لا یبأس: (صیغہ معروف) وہ حاجت مند اور مفلس نہیں ہوگا۔ یخلد: وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ لا تبلی: پرانے اور بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ لا یفنی شبابهم: ان کی جوانی کبھی فنا نہیں ہوگی۔

*

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ غُرَفِ الْجَنَّةِ

باب ۳: جنت کے بالا خانوں کا حال

(۲۴۵۰) اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَغُرَفًا یُرٰی ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا فَقَامَ اِلَیْهِ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ لِمَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ هِیَ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَاَدَامَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی لِلّٰهِ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایسے کمرے ہوں گے جن کا اندرونی منظر باہر سے اور بیرونی منظر اندر سے نظر آ سکے گا ایک دیہاتی کھڑا ہوا اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی یہ کس کے لیے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس شخص کے لیے ہوں گے جو اچھی گفتگو کرے (دوسروں کو) کھانا کھلائے اور ہمیشہ (نفلی) روزہ رکھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے رات کے وقت (نفل) نماز ادا کرے جب لوگ سو چکے ہوں۔

(۲۴۵۱) اِنَّ فِی الْجَنَّةِ جَنَّتَیْنِ اٰنِیَتُهُمَا وَمَا فِیْهِمَا مِنْ فِضَّةٍ وَّجَنَّتَیْنِ اٰنِیَتُهُمَا وَمَا فِیْهِمَا مِنْ ذَهَبٍ وَّمَا بَیْنَ الْقَوْمِ وَبَیْنَ اَنْ یَّنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ اِلَّا رِدَاءُ الْکِبْرِیَاءِ عَلٰی وَجْهِهٖ فِیْ جَنَّةِ عَدْنٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں دو باغ ہیں جن کے برتن چاندی سے بنے ہوئے ہیں اور ان میں موجود ہر چیز چاندی سے بنی ہوئی ہے اور دو باغ ایسے ہیں جن کے برتن اور ان میں موجود ہر چیز سونے سے بنی ہوئی ہے لوگوں اور ان کے اپنے پروردگار کے دیدار کرنے کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہے جو اس کی ذات پر جنت عدن میں ہے۔

ترکیب: ان فی الجنة جنتین من فضة، انیتهما ومافیهما: کی خبر محذوف ہے، ای کذلك، یعنی وہ سب چیزیں چاندی کی ہیں۔ دوسری ترکیب: فضة خبر مقدم ہے اور انیتهما وما فیهما مبتدا مؤخر ہے، اور جملہ جنتین کی صفت ہے۔ یہی دو ترکیبیں اگلے جملہ کی بھی ہیں۔ علی وجهه: رداء الکبریاء کا حال ہے اور فی جنة عدن کا تعلق القوم سے ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایک لمبی بحث ہوئی ہے کہ ردائے کبریا کیا چیز ہے جو اللہ کے چہرے پر پڑی ہوئی ہوگی؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ اللہ کی ایک صفت ہے، مشہور حدیث ہے: الکبریاء ردائی، والعظمة ازاری: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری لنگی ہے، اور صفات نہ عین ذات ہوتی ہیں نہ غیر ذات پس یہ سوال ختم ہوگیا کہ ماسوی اللہ نے اللہ کے چہرے کا احاطہ کیسے کیا؟

لغات: غُرَف: کمرے بالا خانے۔ ظهورها من بطونها: ظهور جمع ہے ظهر کی اور بطون بطن کی جمع ہے: اندرونی منظر عام سے وبطونها من ظهورها: باہر کا منظر اندر سے (دکھائی دے)۔ اطاب: عمدہ اور اچھے طریقے سے کرے۔ نیام: نائم کی جمع ہے: سونے والے۔ انیة: اناء کی جمع ہے: برتن دُرّ تشدید کے ساتھ۔ موتی۔ مجوفة: کھوکھلا۔ عرضها: اس کی چوڑائی۔ زاویة: گوشہ کونا۔

ترکیب: جنتین من فضة انیتهما وما فیها، اس میں جنتین موصوف ہے اور من فضة۔ اس کی صفت ہے من فضة کی دو

ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ یہ خبر مقدم ہے اور انیتھا وما فیھما مبتداء مؤخر ہے اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ من فضة جنتین کی صفت ہے اور انیتھما وما فیھما مبتداء ہے اور کذالک ان کی خبر محذوف ہے پھر یہ جملہ ہوکر جنتین کی صفت ہوجائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ

باب ۴: جنت کے درجات کا حال

(۲۴۵۲) فِی الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ مِائَةُ عَامٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں ایک سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان ایک سو برس کا فاصلہ ہے۔

(۲۴۵۳) مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلَّى الصَّلَاةَ وَحَجَّ الْبَیْتَ لَا أَدْرِیْ أَذَکَرَ الزَّکٰوةَ أَمْ لَا إِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ یَّغْفِرَ لَهٗ إِنْ هَاجَرَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ أَوْ مَکَثَ بِأَرْضِهِ الَّتِیْ وُلِدَ بِهَا قَالَ مُعَاذٌ أَلَا أُخْبِرُ بِهٰذَا النَّاسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَرِ النَّاسَ یَعْمَلُوْنَ فَإِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَ أَوْسَطُهَا وَفَوْقَ ذٰلِكَ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهَا تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب کوئی شخص رمضان کے روزے رکھے اور نماز ادا کرے اور بیت اللہ کا حج کرے (راوی کہتے ہیں) مجھے علم نہیں ہے انہوں نے زکوۃ کا تذکرہ کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے میں یہ لازم ہے کہ اس کی مغفرت کردے خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے یا وہ اپنی سرزمین پر ٹھہرا رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (انہوں نے عرض کی) کیا میں لوگوں کو اس بارے میں بتادوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو جو وہ عمل کرتے ہیں کرنے دو کیونکہ جنت میں دو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور فردوس جنت کا بلند ترین اور بہترین درجہ ہے اور اس پر رحمٰن کا عرش ہے اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں جب تم نے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو جنت فردوس مانگنا۔

(۲۴۵۵) إِنَّ فِی الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ أَنَّ الْعَالَمِیْنَ اجْتَمَعُوْا فِیْ إِحْدَاهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک سو درجے ہیں تمام جہان کے لوگ اگر اکٹھے ہوجائیں تو وہ ان (سو درجوں) میں سے کسی ایک میں بھی سما سکتے ہیں۔

تشریح: الدرجة: کے معنی ہیں۔ رتبہ، مرتبہ، اور درجہ حسی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی، اور درجہ ہمیشہ نیچے سے اوپر چڑھتا ہے، کہا جاتا ہے: له علیه درجة اسے اس پر فوقیت حاصل ہے۔ نعتوں اور عزتوں کے لحاظ سے جنت ایک درجہ کی نہیں ہے، بلکہ اس کے متفاوت درجات ہیں اور نیچے کے درجات سے اوپر کے درجات حسی طور پر بھی اور معنوی طور پر بھی بلند و بالا ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر کی ہیں۔

فی الجنة مائة درجة: (۱) سو درجے میں سو سے کیا مراد ہے؟

(۱) سو کے عدد سے تحدید پیش نظر نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے اس کی تائید سنن بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں جنت کے درجات کی تعداد قرآن کی آیتوں کے برابر بیان کی گئی ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں: عدد درج الجنة عدد ای القرآن فمن دخل الجنة من اهل القرآن فليس فوقه درجة۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے سو کا مخصوص عدد ہی مراد ہو اور اس کے ذریعہ جنت کے کثیر درجات میں سے جو سو درجوں کو بیان کرنا مقصود ہو جن کے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے لہٰذا ایسا ہو سکتا ہے کہ جنت کے اور کثیر درجات ایسے ہوں کہ جن کے درمیان فاصلہ یا تو اس مسافت سے کم ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو۔

(۲) ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ حدیث میں درجات سے بلند مراتب مراد ہیں جو اہل جنت کو ان کے اچھے اعمال اور نیکیوں کی وجہ سے حاصل ہوں گے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران: ۱۶۳) "اہل جنت اللہ کے نزدیک درجات و مراتب میں مختلف ہوں گے۔"

معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنے اپنے اعمال صالحہ کے بقدر الگ الگ مرتبے اور درجے ملیں گے۔

لغات: مکث: ٹھہرا رہے، سکونت اختیار کرے۔ ذر الناس: آپ لوگوں کو (عمل میں ہی) رہنے دیں چھوڑ دیں۔

فردوس: وہ باغ جو ہر شی کو جامع ہو یہ جنت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪﴾ (المومنون: ۱۱)

"یہ (مذکورہ) لوگ فردوس کے وارث بنیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اعلی الجنت: جنت میں سب سے اُونچی اور برتر۔ اوسطها: تمام جنتوں کے درمیان سب سے افضل اور عمدہ کیونکہ جو چیز کسی چیز کے درمیان ہو تو وہ آس پاس کے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہوتی ہے اس لیے اسے سب سے افضل عمدہ اور بہترین شمار کیا جاتا ہے۔ وفوق ذلك اور جنت الفردوس کے اوپر تفجر: (مجہول کا صیغہ ہے) نکالی جاتی ہیں جاری ہوتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۵: جنتیوں کی عورتوں کا حال

(۲۴۵۶) اِنَّ الْمَرْاَةَ مِنْ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ لَيُرٰى بَيَاضُ سَاقِهَا مِنْ وَّرَاءِ سَبْعِيْنَ حُلَّةً حَتّٰى يُرٰى مُخُّهَا وَذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ (كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ) فَاَمَّا الْيَاقُوْتُ فَاِنَّهٗ حَجَرٌ لَوْ اَدْخَلْتَ فِيْهِ سِلْكًا ثُمَّ اسْتَصْفَيْتَهٗ لَاُرِيْتَهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر جوڑوں میں سے بھی نظر آجائے گی یہاں تک کہ اس کی ہڈی

کو گودا بھی دکھائی دے گا اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ارشاد فرمایا ہے گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔
جہاں تک یاقوت کا تعلق ہے تو یہ ایک پتھر ہے اگر تم اس میں دھاگہ داخل کرو تو وہ اس کے اندر بھی تمہیں نظر آ جائے گا۔

(۲۴۵۷) اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَّدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُ وُجُوْهِهِمْ عَلٰى مِثْلِ ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالزُّمْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلٰى مِثْلِ اَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَائِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے سب سے پہلا گروہ جو قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا وہ چمک کے اعتبار سے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے جو دوسرا گروہ ہوگا وہ آسمان میں موجود سب سے زیادہ چمکدار ستارے کی طرح ہوگا ان میں سے ہر ایک شخص کی دو بیویاں ہوں گی اور ہر بیوی کے ستر جوڑے ہوں گے اور ان کپڑوں کے پار سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔

(۲۴۵۸) اَوَّلَ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالثَّانِيَةُ عَلٰى لَوْنِ اَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يَبْدُوْ مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَائِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گے جو دوسرا گروہ ہے وہ آسمان میں موجود سب سے بہترین ستارے کی مانند (چمکدار) ہوں گے ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں اور ہر بیوی نے ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کپڑوں کے پار سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔

تشریح: یہ بات پہلے نادر تھی، اب عام ہوگئی ہے، گلاس کی ایسی بہت سی چیزیں وجود میں آ گئی ہیں جن میں اگر دھاگا ڈالا جائے تو وہ باہر سے نظر آئے گا، اسی طرح یاقوت (ہیرا) بھی ایک پتھر ہے، اگر اس میں دھاگا ڈالا جائے تو یاقوت کا جو صاف حصہ ہے وہاں سے دھاگا نظر آئے گا، یہی حال جنت کی عورتوں کا ہے، انھوں نے خواہ کتنے ہی جوڑے پہن رکھے ہوں، ان کی پنڈلی کا گورا پن نظر آئے گا، بلکہ ان کی نلی کا گودا بھی نظر آئے گا۔

لغات: بیاض ساقھا: اس کی پنڈلی کی سفیدی۔ وراء: اندر سے باہر سے۔ حُلة: جوڑا، پوشاک۔ مخھا: اس کی ہڈی کا گودا، مغز۔ یاقوت: مشہور قیمتی پتھر جو سرخ نیلا زرد اور سفید رنگ کا نہایت صاف شفاف ہوتا ہے کہ اس کے اندر اگر دھاگا داخل کیا جائے تو وہ بھی دکھائی دے۔ مرجان: خاص قسم کے سفید موتی۔ زُمرة: جماعت گروہ۔ علی مثل ضوء القمر: چاند کی چمک کی مانند۔ لیلة البدر: چودھویں رات۔ دُرِی: (را کی تشدید کے ساتھ) موتی کی طرح حسین خوب چمکدار ستارہ۔

اعتراض: یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنتی کو صرف دو بیویاں ملیں گی جبکہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر جنتی کے لیے بہت سی بیویاں ہونگی۔

جواب: سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اہل جنت میں سے ہر آدمی کے لیے کم از کم دو بیویاں ہوں گی جن کی یہ یہ صفات ہوں گی اس میں گویا اکم از کم عدد کو بیان کرنا مقصود ہے اس سے زیادہ کی نفی کرنا مقصود نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس جواب کو زیادہ ظاہر یہی ہے کہا ہے۔ (فتح الباری ۶ / ۱۸۳)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ جِمَاعِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۶: جنتیوں کی مجامعت کا حال

(۲۴۵۹) يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةَ كَذَا وَ كَذَا مِنَ الْجِمَاعِ قِيلَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَوَيُطِيقُ ذٰلِكَ قَالَ يُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بندہ مومن کو جنت میں صحبت کرنے کے لیے اتنی اتنی قوت دی جائے گی عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ کیا وہ شخص اتنی طاقت رکھے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے سو آدمیوں جتنی طاقت دی جائے گی۔

تشریح: اور مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے کہ جنتی بہت مرتبہ مجامعت کرے گا۔ اس پر سوال ہوا کہ بہت سی عورتوں سے یا بہت مرتبہ فارغ ہونا آدمی کے لئے کیونکر ممکن ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: جنتی کو دنیا کے ومردوں کی طاقت دی جائے گی، کیونکہ جنت میں جسم اور جسم کی طاقت بڑھادی جائے گی۔ ابواب صفة جهنم میں جہنمیوں کے تعلق سے جو روایات آرہی ہیں ان پر جنتیوں کو قیاس کیا جائے، پس جنت میں اسی اعتبار سے جنتی فارغ ہوگا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۷: جنتیوں کے احوال

(۲۴۶۰) اَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُوْرَتُهُمْ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا يَبْصُقُوْنَ فِيْهَا وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ اٰنِيَتُهُمْ فِيْهَا الذَّهَبُ وَاَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَجَامِرُهُمْ مِنَ الْاُلُوَّةِ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ قُلُوْبُهُمْ قَلْبُ رَجُلٍ وَّاحِدٍ يُّسَبِّحُوْنَ اللهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک دار ہوگی وہ لوگ اس میں تھوکیں گے نہیں ناک صاف نہیں کریں گے قضائے حاجت نہیں کریں گے ان کے برتن سونے کی ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی جبکہ ان کی انگیٹھیاں عود سے بنی ہوئی ہوں گی ان کا پسینہ مشک (کی طرح خوشبودار) ہوگا ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی جنکی پنڈلی کا گودا گوشت میں سے نظر آئے گا یہ ان کے حسن کی وجہ سے ہوگا ان لوگوں کے درمیان آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا ان کے دلوں میں کوئی بغض نہیں ہوگا اور یہ سب ایک جیسی قلبی کیفیت کے مالک ہوں گے وہ صبح شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے۔

(۲۴۶۱) لَوْ اَنَّ مَا يُقِلُّ ظُفُرٌ مِّمَّا فِي الْجَنَّةِ بَدَا لَتَزَخْرَفَتْ لَهُ مَا بَيْنَ خَوَافِقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا

مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَ فَبَدَا أَسَاوِرُهُ لَطَمَسَ ضَوْءَ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُوْمِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر ایک ناخن سے کم مقدار جتنی جنت کی کوئی چیز ظاہر کردی جائے تو وہ آسمان اور زمین کے تمام کناروں کو روشن کردے اور اگر جنت کا کوئی شخص جھانک لے اور اس کے کنگن ظاہر ہوجائیں تو وہ سورج کی روشنی کو ماند کردیں بالکل اسی طرح جیسے سورج ستاروں کی روشنی کو ماند کردیتا ہے۔

تشریح: جنت کی غذا لطیف اور نورانی ہوگی، پیٹ میں اس کا کوئی فضلہ تیار نہیں ہوگا، بس ایک خوشگوار ڈکار آئے گی اور معدہ ہلکا ہو جائے گا، اور کچھ پسینہ کے راستہ سے نکل جائیگا، مگر پسینہ بھی مشک جیسا خوشبودار ہوگا۔

لغات: تلج: داخل ہوگی۔ **لا یبصقون:** اہل جنت نہ تھوکیں گے۔ **ولا یتمخطون:** اور نہ وہ ناک صاف کریں گے۔ **ولا یتغوطون:** اور نہ وہ پاخانہ کریں گے اور نہ ہی انہیں قضا حاجت کا تقاضا ہوگا۔ **امشاط:** مشط کی جمع ہے: کنگھیاں: **مجامر:** مجمر کی جمع ہے انگیٹھیاں۔ **الُو** (واؤ مشدد) اگر کی لکڑ، عود۔ **رشحھم:** ان کا پسینہ **مایقل ظفر:** یا پر پیش اور قاف کے نیچے زیر باب افعال) وہ چیز جسے ناخن اٹھالے یعنی ناخن سے بھی کم مقدار والی کوئی چیز ظاہر ہوجائے۔ **لتزخرفت:** مزین اور روشن ہوجائے۔ **خوافق:** خافقة کی جمع ہے، طرف کنارہ۔ **اطلع:** جھانکے۔ **اساور:** اسورة کی جمع ہے اور **اسورة: سوار** کی جمع ہے کنگن۔ **طمس:** مٹادے ماند کردے۔ **ضوء النجوم:** ستاروں کی روشنی۔

ترکیب اور لغات: مایقل میں ما موصولہ ہے، اور عائد محذوف ہے۔ **ای ما یقله خوافق: خافقة** کی جمع ہے جس کے معنی ہیں۔ جانب اور دنیا کی چار جانبیں: چار دانگ عالم کہلاتی ہیں، وہی یہاں مراد ہیں اور مابین الخ فاعل ہے اور بتاویل الاماکن: فعل مؤنث لایا گیا ہے۔ **اساور: اسورة** کی جمع ہے اور وہ سوار کی جمع ہے جس کے معنی ہیں۔ کنگن، چوڑی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ ثِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۸: جنتیوں کے کپڑوں کا حال

(۲۴۶۲) أَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُرْدٌ كُحْلٌ لَا يَفْنَى شَبَابُهُمْ وَلَا تَبْلَى ثِيَابُهُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اہل جنت کے جسم اور چہروں پر بال نہیں ہوں گے ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی اور ان کے لباس بوسیدہ نہیں ہوں گے۔

(۲۴۶۳) فِي قَوْلِهِ ﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ﴾ قَالَ ارْتِفَاعُهَا لَكَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَسِيْرَةَ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بچھے ہوئے بچھونے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی بلندی اس طرح ہے جس طرح آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے جو پانچ سو برس کی مسافت پر مشتمل ہے۔

تشریح: جنت کے بچھونے:

نبی کریم ﷺ نے ﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ﴾ (الواقعہ: ۳۴) کی تفسیر میں فرمایا: ارتفاعها: اس ارتفاع سے کیا مراد ہے؟

(۱) اس سے جنت کے وہ بچھونے مراد ہیں جو تختوں اور چار پائیوں کے اوپر ہوں گے اور اتنے بلند اور اونچے ہوں گے کہ بظاہر یہ نظر آئے گا کہ وہ آسمان جیسی بلندی تک ہیں۔

(۲) اس آیت میں جن اُونچے اُونچے بچھونوں کا ذکر ہے یہ جنت کے ان درجات میں بچھے ہوں گے جن کی بلندی آسمان وزمین کی مسافت کے بقدر ہوگی جیسا کہ اس سے پہلے حدیث گزری ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے درجات میں جو بستر بچھے ہوئے ہوں گے، اس درجہ میں اور دیگر درجات میں پانچ سو سالہ مسافت ہوگی، خود بستر پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر اُونچے نہیں ہوں گے۔

(۳) بعض مفسرین نے فرش سے عورتیں مراد لی ہیں کیونکہ عربی زبان میں عورت کو بھی لفظ فراش سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ الولد للفراش اس میں فراش سے بیوی مراد ہے اس کے بعد کی آیتوں میں جو جنتی عورتوں کی صفات ذکر کی گئی ہیں ان میں سے بھی اس کی تفسیر کی تائید ہوتی ہے اس صورت میں لفظ مرفوعة رفعت درجہ کے اعتبار سے ہوگا یعنی بلند پایہ۔ یہ حدیث اول تو رشدین کی وجہ سے ضعیف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے بعض اہل علم کے حوالہ سے حدیث کی یہی شرح نقل کی ہے، فرماتے ہیں۔ حدیث کے معنی یہ ہیں: ان الفرش فی الدرجات: درجات جنت میں بچھے ہوئے بستر وبین الدرجات اور اس درجے اور دیگر درجات کے درمیان فاصلہ، کما بین السماء والارض: اتنا ہوگا جتنا آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے لیکن اس تفسیر پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر قرآن کریم میں ان بستروں کی صفت مرفوعة کیوں لائی گئی ہے، جبکہ وہ خود اونچے نہیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُونچا ہونا رتبہ میں بھی ہوتا ہے، یعنی وہ بستر بے حد بلند رتبہ ہوں گے، مگر ساتھ ہی ظاہری بلندی بھی کسی درجہ میں مراد لینی ہوگی، رہی پانچ سو سالہ مسافت تو وہ بستروں کی نہیں، بلکہ درجات جنت کی ہوگی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ ثِمَارِ الْجَنَّةِ

باب ۹: جنت کے پھلوں کا حال

(۲۴۶۴) وَذُكِرَ لَهُ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى قَالَ يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّ الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةَ سَنَةٍ اَوْ يَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا مِائَةُ رَاكِبٍ شَكَّ يَحْيٰى فِيْهَا فِرَاشُ الذَّهَبِ كَاَنَّ ثَمَرَهَا الْقِلَالُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ اور حضرت اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہم کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں وہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہٰی کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی سوار اس کی شاخوں کے سائے میں ایک سو سال تک چل سکتا ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں کوئی سوار اس کے سائے میں چلتے ہوئے) ایک سو سال تک رہ سکتا ہے یہاں پر یحییٰ نامی راوی کو شک ہے۔

اس کا فرش (یا بچھونے) سونے کے ہوں گے اور اس کے پھل مٹکوں کی مانند ہوں گے۔

تشریح: سدرۃ المنتہٰی: جنت کا وہ درخت ہے جو اس کے انتہائی کنارے پر واقع ہے اس سے آگے کسی فرشتے کو جانے کی اجازت

نہیں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے آگے نہیں جاسکتے صرف نبی کریم ﷺ شب معراج میں اس درخت سے آگے تشریف لے گئے ہیں ایک روایت کے مطابق یہ درخت چھٹے آسمان پر ہے لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر ہے ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت بیان کی جاسکتی ہے کہ اس درخت کی جڑ تو چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہوں گی۔

اس درخت پر سونے کے پروانے ہوں گے اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) اس درخت پر جو نورانی فرشتے کثیر تعداد میں ہیں ان کے پر اس طرح چمکتے ہیں جیسے اس کی شاخوں پر سونے کے پروانے اڑ رہے ہوں۔

(۲) یا یہ کہ اس درخت سے جو انوار و برکات اٹھتے ہیں اور شاخوں سے جو ایک خاص قسم کی روشنی پھوٹتی رہتی ہے اسے سونے کے پروانوں سے تعبیر کیا۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد سونے کے پروانے اس پر ہوں گے دراصل اس آیت ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴾ (النجم:۱۶) کی تفسیر ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱۰۔ ۳۰۵ کتاب احوال القیامۃ)

لغات: السدرة: بیری کا درخت۔ المنتھٰی: سرحد، ساتویں آسمان کے اوپر عرش سے ورے ایک ایسا مقام ہے جس سے آگے ملائکہ وغیرہ نہیں جاسکتے، یہی سدرة المنتھٰی (باڈر کی بیری) ہے۔ الفنن: درخت کی سیدھی شاخ، جمع افنان، سورۃ الرحمٰن میں ہے: ﴿ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ﴾ (الرحمٰن:۴۸) سیدھی شاخوں والے دو باغ۔ الفراش (بفتح الفاء) تتلی، پروانہ، مفرد فراشة۔ القلة: پانی کی صراحی، مٹکا، جمع قلال اور قلل۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ طَيْرِ الْجَنَّةِ

باب ۱۰: جنت کے پرندوں کا حال

(۲۴۶۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا الْكَوْثَرُ قَالَ ذَاكَ نَهْرٌ اَعْطَانِيْهِ اللّٰهُ يَعْنِيْ فِي الْجَنَّةِ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ فِيْهِ طَيْرٌ اَعْنَاقُهَا كَاَعْنَاقِ الْجُزُرِ قَالَ عُمَرُ اِنَّ هٰذِهٖ لَنَاعِمَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكَلَتُهَا اَنْعَمُ مِنْهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کوثر سے مراد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ یہ نہر جنت میں ہوگی (آپ ﷺ نے یہ فرمایا) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور جنت میں پرندے ہوں گے جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گی (یعنی ان کا جسم بڑا ہوگا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یہ تو بڑی زبردست نعمتیں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں کھانے والے اس سے زیادہ نعمتوں میں ہوں گے۔

تشریح: کاعناق الجزر، سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ وہ پرندے جو حوض کوثر میں ہوں گے نحر و ذبح کے لیے بالکل تیار ملیں گے تاکہ حوض کوثر سے سیراب ہو کر ان کا گوشت کھاسکیں کیونکہ لفظ جزر ایسے اُونٹ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو نحر و ذبح کے لیے

تیار ہو۔

فائدہ: یہ پرندے تو نہر کوثر کے آبی پرندے ہیں، اور جنت میں خشکی کے پرندے بھی ہوں گے، جن کا تذکرہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے، مسند احمد میں ہے: ان طیر الجنة کامثال البخت ترعی فی شجر الجنة: جنت کے پرندے بختی اونٹوں جیسے ہوں گے جو جنت کے درختوں میں چریں گے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول الله ﷺ ان هذه الطير ناعمة: یہ پرندے تو بڑے دلچسپ ہوں گے، وانی لارجو ان تکون ممن یاکل منها: اور مجھے امید ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ان پرندوں کا کھانے والوں میں سے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ خَيْلِ الْجَنَّةِ

باب ۱۱: جنت کے گھوڑوں کا حال

(۲۴۶۶) اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ قَالَ اِنِ اللهُ اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَاءُ اَنْ تُحْمَلَ فِيْهَا عَلٰى فَرَسٍ مِّنْ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيْرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ قَالَ وَسَاَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ اِبِلٍ قَالَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِصَاحِبِهٖ قَالَ اِنْ يُّدْخِلْكَ اللهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ۔

ترجمہ: ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب تمہیں جنت میں داخل کریں گے تو تم اس میں سرخ یاقوت سے بنے ہوئے جس بھی گھوڑے پر سوار ہو کر جنت میں جہاں بھی جانا چاہو گے وہ تمہیں لے جائے گا۔

راوی بیان کرتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا جنت میں اونٹ ہوں گے راوی بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے اس شخص سے وہ نہیں فرمایا جو اس کے ساتھی سے فرمایا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں داخل کیا تو اس میں تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کا تمہارا نفس خواہش کرے گا اور جس سے تمہاری آنکھوں کو سرور ملے گا۔

(۲۴۶۷) اَتَى النَّبِيَّ ﷺ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ اُحِبُّ الْخَيْلَ اَفِي الْجَنَّةِ خَيْلٌ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنْ اُدْخِلْتَ الْجَنَّةَ اُتِيْتَ بِفَرَسٍ مِّنْ يَاقُوْتَةٍ لَهٗ جَنَاحَانِ فَحُمِلْتَ عَلَيْهِ ثُمَّ طَارَ بِكَ حَيْثُ شِئْتَ۔

ترجمہ: ایک دیہاتی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی یارسول اللہ مجھے گھوڑے بہت پسند ہیں کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں جنت میں داخل کیا گیا تو یاقوت کا گھوڑا لایا جائے گا جس کے دو پر ہوں گے پھر تمہیں اس پر سوار کیا جائے گا پھر وہ تمہیں لے کر جہاں تم چاہو گے وہاں چلا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ سِنِّ اَهْلِ الْجَنَّةِ

باب ۱۲: جنتیوں کی عمروں کا بیان

(۲۴۶۸) یَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِيْنَ اَبْنَاءَ ثَلَاثِيْنَ اَوْ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ سَنَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اہل جنت جب میں داخل ہوں گے تو ان کے چہرے اور جسم پر بال نہیں ہوں گے ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی اور (دیکھنے میں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ ۳۲ یا ۳۳ سال کے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں راوی کو عدد میں شک ہے، مگر مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں بغیر شک کے ۳۳ سال کا عدد مذکور ہے، اسی طرح حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ۳۳ سال کا عدد ہے اس لئے یہی اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَمْ صَفُّ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟

باب ۱۳: جنتیوں کی کتنی صفیں ہوں گی؟ (اور ان میں اس امت کی نسبت کیا ہوگی؟)

(۲۴۶۹) اَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے ۸۰ صفیں اس امت کی ہوں گی اور ۴۰ صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔

(۲۴۷۰) كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِیْ قُبَّةٍ نَحْوًا مِّنْ اَرْبَعِيْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا اِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ مَا اَنْتُمْ فِی الشِّرْكِ اِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِیْ جِلْدِ الثَّوْرِ الْاَسْوَدِ اَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِیْ جِلْدِ الثَّوْرِ الْاَحْمَرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک قبہ میں موجود تھے تقریباً چالیس افراد تھے آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو لوگوں نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو؟ لوگوں نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی ہو اہل جنت کا نصف حصہ ہو؟ بے شک جنت میں صرف مسلمان داخل ہوگا مشرکین کے درمیان تمہاری حیثیت اسی طرح ہوگی جیسے کالی جلد والے بیل کے جسم پر سفید بال ہو یا سفید جلد والے بیل کے جسم پر کوئی کالا بال ہو۔

تشریح: شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے تو نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی امید قائم کی ہو کہ آپ کی اُمت کے لوگ اہل جنت کی مجموعی تعداد کا نصف حصہ ہوں مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے

خصوصی فضل وکرم سے اس امید کو اور بڑھا دیا ہو اور جنتیوں میں امت محمدیہ کی تعداد کو دو تہائی تک کرنے کی بشارت عطاء فرمادی ہو یا یوں کہیے کہ پہلے وحی چوتھائی تہائی اور نصف کے بارے میں آئی تھیں بعد میں دو تہائی تعداد کی وحی آ گئی لہٰذا نبی کریم ﷺ نے پہلے کم تعداد ذکر فرمائی اور بعد میں دو تہائی ذکر فرمائی اس لیے روایات میں حقیقتاً کوئی تعارض نہیں۔

جواب ②: نبی ﷺ نے پہلے یہ خبر دی کہ جنت میں ان کی تعداد چوتھائی ہوگی پھر تہائی کی خبر دی، پھر آدھے کی خبر دی، یہ ترقی تدریجاً وحی آنے کی وجہ سے ہوئی ہے، جس طرح وحی آتی گئی، آپ امت کو مطلع فرماتے رہے، اور آخری وحی وہ ہے جو پہلی حدیث میں گزری ہے کہ یہ امت جنتیوں میں دو تہائی ہوگی (یہ دیگر امتوں کی بہ نسبت اس امت کی تعداد کا بیان ہے)۔

دوسرا مضمون: اور مشرکین یعنی جہنمیوں کی بہ نسبت جنتیوں کی تعداد بہت ہی معمولی ہوگی، کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال کی جو نسبت ہے وہی نسبت جنتیوں اور جہنمیوں میں ہوگی۔ اور ہمیں اس فکر میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ حدیث کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جنتیوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہوگی، کیونکہ جنت میں مسلمان ہی جائے گا۔ کفار و مشرکین کا وہاں گزر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ

باب ۱۴: جنت کے دروازوں کا حال

(۲۴۷۱) بَابُ اُمَّتِيَ الَّذِيْ يَدْخُلُوْنَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ الرَّاكِبِ الْمُجَوِّدِ ثَلَاثًا ثُمَّ اِنَّهُمْ لَيُضْغَطُوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کا وہ دروازہ جس سے وہ جنت میں داخل ہوں گے اس کی چوڑائی اتنی ہے جتنی مسافت کوئی تیز رفتار تین دن میں طے کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کا اس میں اتنا ہجوم ہوگا کہ یوں محسوس ہوگا کہ ان کے بازو اتر جائیں گے۔

تشریح: مسافت مراد سے مراد کیا ہے؟

(۱) اس سے تین دن اور تین رات کی مسافت مراد ہے۔

(۲) اس سے تین سال کی مسافت مراد ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں زیادہ مبالغہ ہے اور اس تین سال سے بھی کثرت مراد ہے تاکہ حدیث باب اور اس روایت کے معارض ومخالف نہ ہو جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازے کی دونوں کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے۔

ترکیب: باب امتی: مبتداء ہے، الذین یدخلون موصول صلہ مل کر امۃ کی صفت ہیں، اور عرضہ: دوسرا مبتدا ہے اور مسیرۃ اس کی خبر ہے، پھر جملہ: پہلے مبتدا کی خبر ہے اور ثلاثا: مسیرۃ کا ظرف ہے۔

حدیث کا حال: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی خالد بن ابی بکر کمزور راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُوقِ الْجَنَّةِ

باب ۱۵: جنت کے بازار کا تذکرہ

(۲۴۷۲) انه لقي ابا هريرة رضي الله عنه فقال ابو هريرة اسال الله ان يجمع بيني وبينك في سوق الجنة فقال سعيد افيها سوق قال نعم اخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اهل الجنة اذا دخلوها نزلوا فيها بفضل اعمالهم ثم يؤذن في مقدار يوم الجمعة من ايام الدنيا فيزورون ربهم ويبرز لهم عرشه ويتبدى لهم في روضة من رياض الجنة فتوضع لهم منابر من نور ومنابر من لؤلؤ ومنابر من ياقوت ومنابر من زبرجد ومنابر من ذهب ومنابر من فضة ويجلس ادناهم وما فيها من ادنى على كثبان المسك والكافور ما يرون ان اصحاب الكراسي بافضل منهم مجلسا قال ابو هريرة رضي الله عنه قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهل نرى ربنا قال نعم هل تتمارون في رؤية الشمس والقمر ليلة البدر قلنا لا قال كذلك لا تتمارون في رؤية ربكم ولا يبقى في ذلك المجلس رجل الا حاضره الله محاضرة حتى يقول للرجل منهم يا فلان بن فلان اتذكر يوما قلت كذا وكذا فيذكره ببعض غدراته في الدنيا فيقول يا رب افلم تغفر لي فيقول بلى فبسعة مغفرتي بلغت منزلتك هذه فبينما هم على ذلك غشيتهم سحابة من فوقهم فامطرت عليهم طيبا لم يجدوا مثل ريحه شيئا قط ويقول ربنا قوموا الى ما اعددت لكم من الكرامة فخذوا ما اشتهيتم فناتي سوقا قد حفت به الملائكة ما لم تنظر العيون الى مثله ولم تسمع الآذان ولم يخطر على القلوب فيحمل الينا ما اشتهينا ليس يباع فيها ولا يشترى وفي ذلك السوق يلقى اهل الجنة بعضهم بعضا قال فيقبل الرجل ذو المنزلة المرتفعة فيلقى من هو دونه وما فيهم دني فيروعه ما يرى عليه من اللباس فما ينقضي آخر حديثه حتى يتخيل عليه ما هو احسن منه وذلك انه لا ينبغي لاحد ان يحزن فيها ثم ننصرف الى منازلنا فتتلقانا ازواجنا فيقلن مرحبا واهلا لقد جئت وان لك من الجمال افضل مما فارقتنا عليه فنقول انا جالسنا اليوم ربنا الجبار ويحقنا ان ننقلب بمثل ما انقلبنا.

ترجمہ: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ان کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں اکٹھا کرے تو سعید نے دریافت کیا کیا اس میں بازار بھی ہوں گے انہوں نے جواب دیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بات بتائی ہے جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ اپنے اعمال کی فضیلت کے اعتبار سے اس میں قیام کریں گے پھر دنیا کے دنوں کے حساب سے جمعہ کے دن انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنے پروردگار کی زیارت کریں ان کے سامنے اس کا عرش ظاہر ہوگا وہ ان کے سامنے جنت کے ایک باغ میں تجلی فرمائے گا تو ان لوگوں کے لیے وہاں نور کے منبر رکھے جائیں گے اور موتی یاقوت زمرد سونے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے ان میں سے سب سے کمتر

حیثیت کا مالک ویسے ان میں کوئی کمتر نہیں ہوگا مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوگا انہیں یہ محسوس نہیں ہوگا کہ کرسی پر بیٹھا ہوا شخص محفل میں بیٹھنے کے اعتبار سے ان سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اپنے پروردگار کی زیارت کریں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جی ہاں کیا تمہیں سورج کو دیکھنے میں یا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح تمہیں اپنے پروردگار کی زیارت کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی اور اس محفل میں موجود ہر شخص براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ کرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک شخص سے یہ فرمائے گا اے فلاں بن فلاں کیا تمہیں یاد ہے؟ تم نے فلاں فلاں دن یہ بات کہی تھی تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں کی ہوئی غلطی یاد کروائے گا تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار کیا تو نے میری مغفرت نہیں کردی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے تم اس مقام تک پہنچے ہو اس دوران ان لوگوں کو ایک بادل ڈھانپ لے گا اور ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی جو انہوں نے کبھی نہیں سونگھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا اٹھو اور میرے انعامات کی طرف جاؤ جو میں نے تمہارے لیے رکھے ہیں ان میں سے جو تم چاہو اسے حاصل کرلو پھر وہ لوگ اس بازار کی طرف جائیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوا ہوگا اس میں وہ چیزیں موجود ہوں گی جنہیں کسی آنکھ نے کبھی دیکھا نہیں ہوگا اور کسی کان نے ان کے بارے میں کچھ سنا نہیں ہوگا اور کسی کے ذہن میں ان کا خیال بھی نہیں آیا ہوگا (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) ہم جس چیز کی خواہش کریں گے وہ ہمیں دے دی جائے گی وہاں خرید وفروخت نہیں ہوگی پھر اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اعلیٰ مرتبے والا جنتی اپنے سے کم مرتبے والے جنتی سے ملاقات کرے گا ویسے ان میں کوئی بھی کم حیثیت کا مالک نہیں ہوگا تو اسے اس کا لباس پسند آجائے گا ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی ہوگی کہ اس کے اپنے جسم پر اس سے بہتر لباس ظاہر ہوگا اس کی وجہ یہ ہے جنت میں کوئی بھی شخص کسی بھی غم کا شکار نہیں ہوگا (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) پھر ہم وہاں سے اپنے گھر روانہ ہوں گے جب ہم اپنی بیویوں کے سامنے آئیں گے تو وہ یہ کہیں گی آپ کو خوش آمدید ہو آپ تو پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوکر لوٹے ہیں تو ہم یہ جواب دیں گے ہم زبردست پروردگار کی بارگاہ میں سے آرہے ہیں تو ہم اس بات کے حقدار تھے کہ اس کیفیت میں واپس آئیں جس میں اب آئے ہیں۔

(۲۴۷۳) اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا مَا فِيهَا شِرَاءٌ وَّلَا بَيْعٌ اِلَّا الصُّوَرَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَاِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُوْرَةً دَخَلَ فِيْهَا.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنت میں ایک بازار ہوگا جس میں کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی البتہ اس میں کچھ مردوں اور عورتوں کی تصاویر ہوں گی جب کوئی شخص کسی تصویر کو پسند کرے گا تو وہ اسی کی طرح ہوجائے گا۔

تشریح: جنت کا بازار: اہل جنت اپنے اپنے اعمال کے بقدر جنت کے مختلف درجات میں ہوں گے۔ ہر جمعہ کو نداء ہوگی کہ فلاں باغ میں جمع ہوجاؤ رب کریم تمہیں اپنا دیدار کرانا چاہتا ہے اور جنت میں چونکہ شب وروز کی گردش اور نہ دنیا کی طرح لیل ونہار ہوں گے اس لیے دُنیاوی جمعہ کا دن سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جو وقت ہے اس کا لحاظ کر کے اس دن کو جمعہ کہا

دن قرار دیا جائے گا دنیا میں مسلمان اس دن نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوتے اب جنت میں ہر جمعہ کو اپنے محلات سے نکل کر اپنے پروردگار کی زیارت کیا کریں گے مختلف قسم کی عالیشان کرسیوں پر یہ لوگ دیدار کے لیے جلوہ افروز ہوں گے اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے۔

جنت میں ایک بازار: ہوگا جسے فرشتوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہوگا اس میں طرح طرح کے اعزاز و اکرام اور اہل جنت کے لیے انعامات ہوں گے اس بازار میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی بلکہ وہ بازار دراصل حسن و جمال سے مزین ہونے اور خوب صورت سے خوب صورت وشکل میں تبدیل ہونے کا ایک مرکز ہوگا وہاں ہر طرف ایک سے ایک حسین وجمیل صورت ہوگی اور اہل جنت میں سے جو شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان صورتوں میں سے جسے پسند کرے گا اسی طرح کا ہو جائے گا۔

جنت میں جو بارش ہوگی وہ حسن و جمال کی ہوگی، اور شمال کی جانب سے خوشبودار ہوا چلے گی، جس کی وجہ سے جنتیوں کا حسن دوبالا ہو جائے گا، اور پیچھے گھروں میں بھی حسن و جمال کی بارش ہوگی جس میں جنتیوں کی عورتیں نہائیں گی، اس سے ان کا حسن بھی کئی گنا بڑھ جائے گا، پس جب جنتی گھر لوٹیں گے تو ان کی بیویاں ان سے کہیں گی کہ تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو تو جنتی بھی اپنی بیویوں سے کہیں گے۔ خوش نصیب! تم بھی پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو، وہ جواب دیں گی کہ آپ کے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جمال کی بارش برسائی، جس میں ہم نے غسل کیا۔ اور حسن میں اضافہ ہر ایک ہفتہ کی مقدار میں تا ابد ہوتا رہے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

باب ۱۶: جنت میں دیدار الٰہی

(۲۴۷۴) كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتُعْرَضُونَ عَلَى رَبِّكُمْ فَتَرَوْنَهُ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴾.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا عنقریب تمہیں تمہارے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تم اس کی اسی طرح زیارت کرو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو اسے دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہو رہی اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے والی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز کے بارے مغلوب نہ ہونا (یعنی اسے قضاء نہ کرنا) پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوہ کی۔ اپنے پروردگار کی حمد کے ہمراہ تسبیح بیان کرو سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔

(۲۴۷۵) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ نَادٰى مُنَادٍ إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللهِ مَوْعِدًا قَالُوْا أَلَمْ يُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا وَيُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَيَنْكَشِفُ الْحِجَابُ قَالَ فَوَاللهِ مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کا فرمان بیان کرتے ہیں: ان لوگوں کے لیے جنہوں اچھائی کی اچھائی ہوگی اور مزید (بہتری) ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب اہل جنت جنت میں داخل ہوجائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک وعدہ ہے اہل جنت یہ کہیں گے کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کردیا اور ہمیں جہنم سے نجات نہیں دیدی اور جنت میں داخل نہیں کردیا تو وہ جواب دیں گے جی ہاں پھر حجاب ہٹایا جائے گا آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اس کے دیدار سے زیادہ اور کوئی چیز اہل جنت کے نزدیک محبوب نہیں ہوگی۔

باب ۱۷

(۲۴۷۶) اِنَّ اَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً لَمَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی جِنَانِهٖ وَزَوْجَاتِهٖ وَنَعِیْمِهٖ وَخَدَمِهٖ وَ سُرُرِهٖ مَسِیْرَةَ اَلْفِ سَنَةٍ وَ اَکْرَمُهُمْ عَلَی اللهِ مَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی وَجْهِهٖ غُدْوَةً وَعَشِیَّةً ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ (وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ).

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قدر و منزلت کے اعتبار سے جنت میں سب سے کمتر حیثیت کا مالک وہ شخص ہوگا جو ایک ہزار سال کی مسافت تک اپنے باغات بیویوں نعمتوں خدمت گاروں اور تختوں کو دیکھ سکے گا اور ان (اہل جنت) میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز شخص ہوگا جو صبح شام اس کی زیارت کرے گا پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اس دن کچھ چہرے بارونق ہوں گے جو اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے۔

(۲۴۷۷) اَتُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَتُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَةِ الشَّمْسِ قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا تم لوگوں کو چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے یا تمہیں سورج دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عنقریب تم اپنے پروردگار کی اسی طرح زیارت کروگے جیسے تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو اور تمہیں اسے دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کا دیدار: وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، یہ اہل السنہ والجماعہ کا اجماعی عقیدہ ہے، اور قرآن پاک میں اہل ایمان کو اس کی بشارت سنائی گئی ہے: ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ بہت سے چہرے اس دن بارونق ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے (سورۃ القیامہ آیات ۲۲، ۲۳) اور کفار کے بارے میں ہے ﴿کَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝﴾ "وہ لوگ اس دن (قیامت کے دن) اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے۔" (سورۃ المطففین آیت ۱۵) اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے بے حجاب ہوں گے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ جنت میں جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے جو اس دنیا میں عطا نہیں ہوئیں، ان کو ایسی آنکھیں عطا ہوں گی جن کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہیں ہوگی جتنی اس دنیا میں ہے، پس رویت کے لئے اس دنیا میں جو شرائط ہیں وہ وہاں نہیں ہوں گی، وہاں بغیر مقابلہ اور جہت کے اللہ جل شانہ کے جمال کا نظارہ ممکن ہوسکے گا۔ اور رویت باری کا تذکرہ جب صراحتاً قرآن مجید

میں آ گیا تو اب احادیث کی ضرورت باقی نہیں رہتی، پھر بھی اس مسئلہ میں اتنی حدیثیں مروی ہیں جو حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔

سوال: یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ (الانعام:۱۰۳) (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ کا دیدار ہو ہی نہیں سکتا، تو آخرت میں کیسے ہوگا؟

جواب ①: یہ نفی دنیا کے اعتبار سے ہے کہ اس دنیا میں کسی آنکھ میں دیدار الٰہی کی صلاحیت وطاقت نہیں آخرت کے دیدار کی نفی کرنا مقصود نہیں وہاں اس آنکھ میں اللہ جل شانہ کو دیکھنے کی طاقت اور صلاحیت پیدا کردی جائے گی۔ اور نبی کریم ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی درحقیقت عالم آخرت کی زیارت ہے۔

جواب ②: آیت قرآنی کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار گویا ناممکن ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کی نگاہ اللہ جل جلالہ کی ذات کا احاطہ نہیں کرسکتی دنیا مین تو بالکل نہیں کرسکتی اور آخرت میں اگرچہ زیارت اور دیدار الٰہی تو ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ دیکھنے میں وہاں بھی نہیں ہوسکے گا کیونکہ انسان کی نظر محدود ہے اور اللہ کی ذات کی کوئی حد اور انتہاء نہیں ظاہر ہے کہ محدود نظر اس ذات کا کیسے احاطہ کرسکتی ہے جو ذات کہ غیر محدود ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان میں سے چار حدیثیں ذکر کی ہیں۔ اور حدیث کے آخر میں نبی ﷺ نے نمازوں کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے، نمازوں کے اہتمام سے آدمی میں جمال حق کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ اعمال کے خواص ہیں: زکوٰۃ سے بخیلی دور ہوتی ہے، روزہ سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے، حج سے محبت الٰہی بڑھتی ہے، اسی طرح نماز سے اللہ کے دیدار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پس جو بندے جمال حق کو دیکھنے کی آرزومند ہیں وہ پانچوں نمازوں کا اہتمام کریں، اور دو نمازوں کی تخصیص ان کی اہمیت کی وجہ سے ہے، جو ان دو نمازوں کا اہتمام کرے گا وہ باقی نمازوں کا ضرور اہتمام کرے گا۔

لغات: ستعرضون: (صیغہ مجہول) عنقریب تم پیش کئے جاؤ گے۔ **لاتُضامون:** اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔

① : (میم کی تخفیف کے ساتھ) "ضیم" سے مشتق ہے، جس کے معنی ظلم وزیادتی کرنے کے ہیں: تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا، مطلب یہ کہ رب کائنات کے دیدار میں تم پر ظلم نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو دیکھ لیں اور کچھ محروم رہیں یا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیدار میں آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرو گے کہ ایک دوسرے کے دیکھنے کا انکار کرنے لگو اور کسی کو جھٹلاؤ، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ زیادہ تر اس لفظ کو یوں ہی پڑھا گیا ہے۔

② لاتضامون: (میم کی تشدید کے ساتھ) اس صورت میں یہ "تضام" سے ہوگا، جس کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو دھکیلنا، دبانا، یا تنگی میں ڈالنا، ایک دوسرے سے ٹکرانا، آپس میں ایک دوسرے سے ملنا، اب مطلب یہ ہوگا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کرنے لئے آپس میں مزاحمت اور ایک دوسرے کو دھکیلنے کی نوبت نہیں آئے گی، ہر شخص نہایت امن وسکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی نشست پر بیٹھ کر دیدار الٰہی سے لطف اندوز ہوگا، کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ **خَدَم:** خادم کی جمع ہے: خدمت گار۔ **سُرُر:** سریر کی جمع ہے: تخت، چارپائی۔ **مسیرۃ الف سنۃ:** ایک ہزار سال مسافت کے بقدر فاصلہ۔ **ناضرۃ:** تروتازہ۔

---*---

باب

اللہ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے

(۲۴۷۸) اِنَّ اللهَ يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَضِيْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ مَا لَنَا لَا نَرْضٰى وَقَدْ اَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ اَنَا اُعْطِيْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالُوْا اَيُّ شَيْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ اَبَدًا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا اے اہل جنت وہ جواب دیں گے ہم حاضر ہیں ہمارے پروردگار تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہوگئے ہو وہ جواب دیں گے ہم راضی کیوں نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کیا تو وہ فرمائے گا میں تمہیں اس سے زیادہ فضیلت والی چیز عطا کرنے لگا ہوں وہ عرض کریں گے اس سے زیادہ فضیلت والی چیز اور کیا ہوسکتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تمہارے لیے اپنی رضامندی حلال کر دی ہے اب میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

تشریح: جنت اور جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت: دیدار الٰہی اور دائمی رضا کا تحفہ ہے، اور جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرا خالق مجھ سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوگا تو اس زندگی کا لطف دوبالا ہوجائے گا اور اسے وہ ذہنی سکون حاصل ہوگا کہ جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کا اہل بنائے۔

سورۃ التوبہ (آیت ۷۲) میں ہے: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ اور (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے، اس حدیث میں بھی اسی نعمت عظمیٰ کا تذکرہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَرَائِيْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فِي الْغُرَفِ

باب ۱۸: جنتی بالا خانوں میں سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے

(۲۴۷۹) اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَائَوْنَ فِي الْغُرْفَةِ كَمَا تَتَرَائَوْنَ الْكَوْكَبَ الشَّرْقِيَّ اَوِ الْكَوْكَبَ الْغَرْبِيَّ الْغَارِبَ فِي الْاُفُقِ وَالطَّالِعَ فِيْ تَفَاضُلِ الدَّرَجَاتِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اُولٰئِكَ النَّبِيُّوْنَ قَالَ بَلٰى وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ وَاَقْوَامٌ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِيْنَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل جنت اپنے کمروں میں سے ایک دوسرے کو دیکھیں گے اسی طرح جیسے لوگ مشرق یا مغرب میں نکلنے والے ستارے کو دیکھتے ہیں جو افق میں ڈوب جاتا ہے یا طلوع ہوتا ہے ایسا ان کے درجات میں باہمی فرق کی وجہ سے ہوگا لوگوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول وہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اور ان کے علاوہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

تشریح: مشرق یا مغرب میں جو ستارہ غروب ہورہا ہو یا نکل رہا ہو اس کو لوگ آنکھیں لمبی کر کے دیکھتے ہیں، اور جو ستارہ سر پر ہو اس کو دیکھنے کے لئے آنکھیں لمبی نہیں کرنی پڑتیں، پس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جنتی ایک بالا خانہ سے دوسرے بالا خانہ والے کو اسی طرح آنکھیں لمبی کر کے دیکھیں گے، کیونکہ وہ دور فاصلے پر ہوں گے۔ اور تفاضل درجات کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جنتی اپنے اونچے درجہ میں ہوگا، اور دوسرا اپنے نیچے درجہ میں ہوگا، پھر بھی ایک دوسرے کو دیکھیں گے، جب جنتی چاہے گا پردہ ہٹے گا، اور بے تکلف دوست کی زیارت ہوگی، اور اس سے باتیں بھی ہونگی، پھر پردہ پڑ جائے گا۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال و جواب کا مطلب یہ ہے کہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوگی، بلکہ دیگر کامل مؤمنین کو بھی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔

لغات: ترائی: آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنا نظارہ کرنا۔ لیترائون: وہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ الغارب: غروب ہونے والا۔ اُفُق: آفاق کی جمع ہے: کنارہ: آسمان کا کنارہ۔ طالع: طلوع ہونے والا۔ تفاضل: آپس میں ایک دوسرے سے فضیلت رکھنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ خُلُوْدِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِ النَّارِ

باب ۱۹: جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے

(۲۴۸۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِیْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَيَقُوْلُ اَلَا يَتَّبِعُ كُلُّ اِنْسَانٍ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ فَيُمَثَّلُ لِصَاحِبِ الصَّلِيْبِ صَلِيْبُهُ وَ لِصَاحِبِ التَّصَاوِيْرِ تَصَاوِيْرُهُ وَ لِصَاحِبِ النَّارِ نَارُهُ فَيَتْبَعُوْنَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ وَ يَبْقَى الْمُسْلِمُوْنَ فَيَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَيَقُوْلُ اَلَا تَتَّبِعُوْنَ النَّاسَ فَيَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ اَللهُ رَبُّنَا وَهٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى نَرٰى رَبَّنَا وَهُوَ يَأْمُرُهُمْ وَيُثَبِّتُهُمْ قَالُوْا وَهَلْ نَرَاهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ فَاِنَّكُمْ لَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْيَتِهٖ تِلْكَ السَّاعَةِ ثُمَّ يَتَوَارٰى ثُمَّ يَطَّلِعُ فَيُعَرِّفُهُمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّبِعُوْنِیْ فَيَقُوْمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَيُوْضَعُ الصِّرَاطُ فَيَمُرُّ عَلَيْهِ مِثْلَ جِيَادِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ وَ قَوْلُهُمْ عَلَيْهِ سَلِّمْ سَلِّمْ وَيَبْقٰى اَهْلُ النَّارِ فَيُطْرَحُ مِنْهُمْ فِيْهَا فَوْجٌ فَيُقَالُ هَلِ امْتَلَاْتِ فَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ ثُمَّ يُطْرَحُ فِيْهَا فَوْجٌ فَيُقَالُ هَلِ امْتَلَاْتِ فَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ حَتّٰى اِذَا اُوْعِبُوْا فِيْهَا وَضَعَ الرَّحْمٰنُ قَدَمَهٗ فِيْهَا وَاُزْوِیَ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ ثُمَّ قَالَ قَطْ قَالَتْ قَطْ قَطْ فَاِذَا اَدْخَلَ اللهُ تَعَالٰى اَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلَ النَّارِ النَّارَ اُتِیَ بِالْمَوْتِ مُلَبَّبًا فَيُوْقَفُ عَلَى السُّوْرِ الَّذِیْ بَيْنَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اَهْلِ النَّارِ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَطَّلِعُوْنَ خَائِفِيْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَهْلَ النَّارِ فَيَطَّلِعُوْنَ مُسْتَبْشِرِيْنَ يَرْجُوْنَ الشَّفَاعَةَ فَيُقَالُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ وَلِاَهْلِ النَّارِ هَلْ تَعْرِفُوْنَ هٰذَا فَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ قَدْ عَرَفْنَاهُ هُوَ الْمَوْتُ الَّذِیْ وُكِّلَ بِنَا

فَيُضْجَعُ فَيُذْبَحُ ذَبْحًا عَلَى السُّوْرِ الَّذِيْ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا پھر تمام جہانوں کا پروردگار ان سے مخاطب ہوگا اور فرمائے گا ہر شخص اس کے پیچھے کیوں نہیں چلا جاتا؟ جس کی وہ عبادت کرتا تھا تو صلیب کے ماننے والوں کے لیے صلیب ایک وجود کی شکل میں آئے گی تصویروں کی عبادت کرنے والوں کے لیے ان کی تصویریں وجود ہو جائیں گی آگ کی عبادت کرنے والوں کے لیے آگ کو شکل کو دیدی جائے گی تو لوگ ان کے پیچھے چل پڑیں گے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور صرف مسلمان باقی رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کرے گا اور فرمائے گا تم لوگوں کے پیچھے کیوں نہیں گئے؟ وہ جواب دیں گے ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے ہم یہیں ٹھہرے رہیں گے جب تک ہم اپنے پروردگار کی زیارت نہیں کر لیتے (راوی کہتے ہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دراصل لوگوں کو ہدایت کر رہے تھے اور انہیں ثابت قدمی کی ترغیب دے رہے تھے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ کیا ہم اپنے پروردگار کی زیارت کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے تو انہوں نے عرض کی نہیں یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس وقت اس کے دیدار میں بھی تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی پھر وہ حجاب کے پیچھے چلا جائے گا پھر وہ نمودار ہوگا اور اپنی ذات کی انہیں پہچان کروائے گا اور فرمائے گا میں تمہارا پروردگار ہوں تم میرے پیچھے آؤ تو مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے پھر پل صراط کو رکھا جائے گا تو لوگ اس پر عمدہ گھوڑوں کی طرح (تیزی سے) گزریں گے کچھ لوگ عمدہ اونٹوں کی طرح گزریں گے اور وہ اس وقت یہ کہہ رہے ہوں گے اے (اللہ تعالیٰ) تو سلامت رکھنا تو سلامت رکھنا پھر اہل جہنم باقی رہ جائیں گے اور انہیں اس میں گروہ کی شکل میں ڈال دیا جائے گا تو (جہنم) سے پوچھا جائے گا کیا تم بھر گئی ہو؟ تو وہ دریافت کرے گی کیا اور لوگ ہیں؟ پھر ان میں سے ایک گروہ کو ڈالا جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کیا تم بھر گئی ہو؟ تو وہ دریافت کرے گی کیا اور لوگ ہیں؟ یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو اس میں ڈال دیا جائے گا تو رحمٰن اپنا قدم اس میں رکھ دے گا تو اس کا ایک حصہ دوسرے میں داخل ہو جائے گا (یعنی وہ سمٹ جائے گی) تو رحمٰن فرمائے گا اتنا کافی ہے؟ تو وہ جواب دے گی اتنا کافی ہے جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں داخل کر دے گا اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کر دے گا تو موت کو کھینچ کر لایا جائے گا اور اسے دیوار پر رکھ دیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ہوگی پھر کہا جائے گا اے اہل جنت تو وہ لوگ خوف کے عالم میں جھانکیں گے پھر کہا جائے گا اے اہل جہنم تو وہ خوش ہو کر جھانکیں گے اس امید پر کہ شاید ان کی شفاعت کر دی گئی ہے تو اہل جنت اور اہل جہنم سے یہ کہا جائے گا؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ جواب دیں گے یہ وہی ہے ہم اسے جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر مسلط کی گئی تھی پھر اسے لٹایا جائے گا اور اس دیوار پر ذبح کر دیا جائے گا اور پھر یہ کہا جائے گا اے اہل جنت اب تم ہمیشہ اس (جنت) میں رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور اہل جہنم تم ہمیشہ اس (جہنم) میں رہو گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے۔

(۲۴۸۱) اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اُتِيَ بِالْمَوْتِ كَالْكَبْشِ الْاَمْلَحِ فَيُوْقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُذْبَحُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

فَلَوْ اَنَّ اَحَدًا مَاتَ فَرَحًا لَمَاتَ اَهْلُ الْجَنَّةِ وَلَوْ اَنَّ اَحَدًا مَاتَ حُزْنًا لَمَاتَ اَهْلُ النَّارِ.

ترجمہ: قیامت کے دن موت کو سیاہ وسفید رنگت کے دنبے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اس وقت وہ لوگ اسے دیکھ رہے ہوں گے۔ اگر کسی نے خوشی کی وجہ سے مرنا ہوتا تو اہل جنت (خوشی سے) مرجاتے اور اگر کسی نے غم کی وجہ سے مرنا ہوتا تو اہل جہنم (اس وقت غم کی وجہ سے مرجاتے)۔

تشریح: جنت ایمان کی دائمی جزاء ہے اور جہنم کفر کی دائمی سزا۔ کیونکہ ایمان وکفر ابدی حقیقتیں ہیں، وہ صحیح اور غلط عقیدے ہیں، اور عقیدے ہمیشہ باقی رہتے ہیں، پس ان کی جزاؤ سزا بھی ہمیشہ رہے گی، اور یہ بات قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے کہ جنت و جہنم ابدی ہیں اور ایمان وکفر کی جزاؤ سزا بھی ابدی ہیں۔

باقی رہے اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ موقت ومحدود ہیں، مثلاً جب نماز پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو عمل تمام ہو جاتا ہے اسی طرح جب زانی زنا کر کے فارغ ہوتا ہے تو اس کا برا عمل پورا ہو جاتا ہے، پس قاعدہ سے اعمال کی جزاؤ سزا موقت ومحدود ہونی چاہئے، مگر مؤمن کے اعمال صالحہ ایمان کے تابع کر دیئے جائیں گے اس لئے ان کی جزائے خیر مؤبد ہوگی، اور کفار کے اعمال سیئہ کفر کے تابع کر دیئے جائیں گے اس لئے ان کی سزا بھی مؤبد ہوگی۔ سورۃ المدثر (آیات ۴۱۔۴۷) میں ہے: جنتی جنتوں میں مجرموں کا حال پوچھیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ غریب کو کھانا کلایا کرتے تھے، یعنی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے، اور ہم گھسنے والوں کے ساتھ گھسا کرتے تھے، یعنی اسلام کے خلاف باتیں چھانٹنے والوں کا ساتھ دیا کرتے تھے، اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی، یعنی خاتمہ ان برے اعمال پر ہوا اس لئے ہم دوزخ میں ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہنم صرف کفر کی سزا نہیں ہے بلکہ کفار کے اعمال سیئہ ایمان کے تابع نہیں ہو سکتے، کیونکہ دونوں ہم جنس نہیں، اس لئے ان کی سزا دنیا میں، پھر قبر میں، پھر میدان حشر میں، پھر جہنم میں دی جائے گی، اور جب سزا پوری ہو جائے گی، حساب بے باق ہو جائے گا، یعنی اگر دنیا میں سزا پوری ہو گئی تو آگے معاملہ صاف ہے ورنہ قبر میں سزا ہوگی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث لکھی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی زیادہ تر سزائیں قبر میں نمٹ جائیں گی (حدیث پوری ہوئی) اور جن کی سزا پوری نہیں ہوگی وہ میدان حشر میں معذب ہوں گے، اور اگر اس دن میں بھی سزا پوری نہ ہوئی اور وہ نہ بخشے گئے تو باقی سزا پانے کے لئے جہنم میں جانا ہوگا پھر وہ سفارشوں کی بنا پر یا سزا بھگت کر ایمان کی وجہ سے جنت میں آئیں گے۔

ثم یطلع فیعر فهم نفسه: اللہ تعالیٰ ان کے دل میں علم قطعی ڈال دیں گے کہ واقعی یہی ہمارے رب ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: انا ربکم فاتبعونی میں تمہارا رب ہوں لہٰذا تم لوگ میری پیروی کرو یعنی میرے ساتھ چلو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اتباع سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے حکم کی اتباع کریں گے کہ جس میں انہیں جنت کی طرف جانے کا حکم ہوگا یا یہ کہ وہ فرشتوں کے ساتھ جنت کی طرف جانے کے اعتبار سے اس حکم کی پیروی کریں گے۔

(۲) پل صراط کو جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا مسلمان اس پر سے عمدہ اور تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی مانند تیزی سے گزر جائیں گے مسلمانوں کی زبان پر یا دوسری روایت کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی زبان مبارک پر رب سلم رب سلم کا جملہ ہوگا۔ چنانچہ

خوش نصیب حضرات اس پل کو پار کرلیں گے اور کافر و مشرکین اور گناہ گار اس سے گر کر جہنم میں چلے جائیں گے۔

(۳) جب جہنم بھر جائے گی تو اس کے جوش و غضب کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم مبارک رکھیں گے۔ اس قدم رکھنے سے کیا مراد ہے؟ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ یہ بھی صفات متشابہات میں سے ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر دو تاویلیں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس قدم رکھنے سے آگ کے جوش و غضب کو ٹھنڈا اور اس کی شدت کو ختم کرنا مراد ہے کیونکہ اس وقت کافر اور گناہ گار لوگوں پر جہنم اس قدر غضبناک اور جوش میں ہوگی کہ قریب ہے کہ تمام اہل محشر کو اپنی آغوش میں لے لے اس کی اس شدت اور سختی کے ختم کرنے کو قدم رکھنے سے تعبیر فرمایا۔ دوسری یہ کہ اس قدم سے بطور کنایہ کے یہ وہ لوگ مراد ہیں جو جہنم میں دیر سے داخل ہوں گے حالانکہ ان کا فیصلہ تو پہلے ہو چکا ہوگا ان کے ناموں کی پوری لسٹ جہنم کے داروغوں کے پاس ہوگی وہ ان لوگوں کے انتظار میں ہوں گے چنانچہ ہر داروغہ اپنی لسٹ کے مطابق جب اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دے گا تو اس وہ داروغے کہیں گے: قط، قط (بس، بس) اس وقت یہ جہنم تمام اہل جہنم سمٹ جائے گی تو تاخیر سے داخل ہونے والوں کو قدم رکھنے سے ذکر کیا ہے۔

اعتراض: کہ موت تو ایک عرض ہے اسے جسم دے کر کیسے ذبح کیا جائے گا؟ اس لیے درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ عرض کو جسم میں تبدیل کر دیں جیسا کہ ایک سے زیادہ احادیث میں ہے کہ اعمال کو قیامت کے دن ان کے مناسب صورتیں دے دی جائیں گی اب اس کی کیا کیفیت ہوگی یہ ہمیں اس وقت معلوم نہیں اس پر ہمارا ایمان ہے اس کے بعد اعلان ہو جائے گا کہ اب کبھی کسی پر کوئی موت نہیں آئے گی۔

تنبیہ: کفار کے عمال صالحہ کفر کے تابع نہیں ہو سکتے، کیونکہ دونوں ہم جنس نہیں اس لئے ان کے اعمال صالحہ کی جزاء ان کو دنیا میں دے دی جاتی ہے، ان کی نیکیاں ان کو دنیا میں کھلا دی جاتی ہیں، نعمتوں کی شکل میں یا بلائیں اور آفتیں روکنے کی صورت میں ان کو صلہ دے دیا جاتا ہے، قبر میں اور اس سے آگے کی زندگیوں میں ان کے لئے کوئی جزائے خیر نہیں۔

لغات: خُلود: دوام ہمیشگی۔ **یطلع:** ظاہر ہوگا نمودار ہوگا۔ **الا یتبع:** کیوں نہیں جاتا کیوں پیروی نہیں کرتا۔ **تضارون:** اس لفظ کو را کی تشدید اور تخفیف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں تشدید کی صورت میں یہ ضرر سے مشتق ہوگا اور تخفیف کی صورت میں ضیر سے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں یعنی ضرر اور نقصان پہنچانا معنی یہ ہیں کہ: کیا تمہیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کسی قسم کے ضرر اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ مہینے کی ابتداء کا چاند دیکھنے میں بڑی مزاحمت اور دقت ہوتی ہے ظاہر ہے کہ تمہیں چودھویں کا چاند دیکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اسی طرح تمہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ **مثل** (صیغہ مجہول) صورت بنائی جائے گی **صلیب:** وہ لکڑی جس پر سولی دی جائے سولی دیا ہوا عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ لکڑی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ **یعرفهم نفسه:** اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی ظاہر فرمائیں گے۔ **جیاد:** جواد کی جمع ہے عمدہ گھوڑے۔ **یطرح:** (صیغہ مجہول) پھینکے جائیں گے ڈالا جائے گا۔ **اذا او وعبوا فیها:** جب تمام دوزخیوں کو احاطہ کر کے جہنم میں لایا جائے گا **ازوی** (صیغہ مجہول) سمیٹ دیا گیا ملا دیا گیا **قط** اس لفظ کو تین طرح پڑھا جاسکتا ہے (۱) طاء کے سکون کے ساتھ (۲) طاء کے نیچے زیر اور تنوین (۳) طاء کے نیچے زیر بغیر تنوین کے اس کے معنی ہیں: کافی۔

بَابُ مَا جَاءَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

باب ۲۰: جنت ناگواریوں اور جہنم خواہشات کے ساتھ گھیری گئی ہے

(۲۴۸۲) حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت کو (دنیا میں) تکالیف کے سائے میں رکھا گیا ہے اور جہنم کو (دنیا میں) نفسانی خواہشات کے سائے میں رکھا گیا ہے۔

(۲۴۸۳) لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ أَرْسَلَ جِبْرِيلَ إِلَى الْجَنَّةِ فَقَالَ انْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا قَالَ فَجَاءَهَا وَنَظَرَ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَّ اللهُ لِأَهْلِهَا فِيهَا قَالَ فَرَجَعَ إِلَيْهِ قَالَ فَوَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ فَقَالَ ارْجِعْ إِلَيْهَا فَانْظُرْ إِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا قَالَ فَرَجَعَ إِلَيْهَا فَإِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خِفْتُ أَنْ لَّا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ قَالَ اذْهَبْ إِلَى النَّارِ فَانْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا فَإِذَا هِيَ يَرْكَبُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلَهَا فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ فَقَالَ ارْجِعْ إِلَيْهَا فَرَجَعَ إِلَيْهَا فَقَالَ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَّا يَنْجُوَ مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو پیدا کرلیا تو اس نے جبرئیل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا اس کا جائزہ لو اور ان چیزوں کا جائزہ لو جو میں نے اہل جنت کے لیے اس میں تیار کی ہیں آپ ﷺ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں آئے اس کا جائزہ لیا اور ان چیزوں کا جائزہ لیا جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے اس میں تیار کی ہیں جب وہ واپس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئے تو انہوں نے عرض کی تیری عزت کی قسم اس کے بارے میں جو شخص بھی سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اسے مصائب کے ذریعے گھیر دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم واپس اس کی طرف جاؤ اور اس کا جائزہ لو جو اس میں اہل جنت کے لیے تیار کیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ اس کی طرف گئے تو اسے مصائب کے ذریعے گھیر دیا گیا تھا وہ واپس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کی تیری عزت کی قسم مجھے یہ اندیشہ ہے اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جہنم کی طرف جاؤ اور اس کا جائزہ لو اور اہل جہنم کے لیے اس میں میں نے جو کچھ تیار کیا ہے اس کو دیکھو (حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر دیکھا) تو اس کا ایک حصہ دوسرے پر سوار تھا حضرت جبریل علیہ السلام واپس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کی تیری عزت کی قسم اس کے بارے میں جو شخص بھی سنے گا وہ اس میں داخل نہیں ہوگا (یعنی اس سے بچنے کی کوشش کرے گا) تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اسے نفسانی خواہشات کے ذریعے ڈھانپ دیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دوبارہ اس کیطرف جاؤ وہ دوبارہ اس کی طرف گئے (اور واپس آکر عرض کی) تیری عزت کی قسم مجھے یہ اندیشہ ہے اب اس میں سے کوئی نہیں بچے گا ہر شخص اس میں داخل

ہوگا۔

تشریح: جنت کو مکارہ یعنی تکلیفوں ناپسندیدہ امور اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس کے نہ چاہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گذارتا ہے عبادات کو بجالاتا ہے اور ممنوع چیزوں سے بچتا ہے گویا وہ یوں مشقت اور تکلیف برداشت کرتا ہے صبر کرتا ہے تب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اسے جنت میں داخل کردیں اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا ہے شہوات سے حرام کردہ چیزیں مراد ہیں مثلاً: شراب زنا غیر محرم پر نظر غیبت جھوٹ اور الزام ترشی وغیرہ وہ خواہشات جو مباح کے درجے میں ہیں وہ اس میں داخل نہیں تاہم ان میں بھی کثرت ناپسندیدہ ہے کیونکہ جائز خواہش کی کثرت سے بھی دل سخت ہوجاتا ہے یا عبادات وطاعات میں یکسوئی نہیں رہتی اس لیے مباح خواہشات میں بھی میانہ وری اور اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔

لغات: حفت: (صیغہ مجہول) احاطہ کرلی گئی گھیرلی گئی۔ مکارہ: مکرہ (میم پر زبر) کی جمع ہے اور بعض نے کہا کہ یہ مکروہ کی جمع ہے اور بعض کے نزدیک یہ خلاف قیاس کرہ کی جمع ہے ناپسندیدہ بات مشقتیں تکلیفیں شھوات شھوۃ کی جمع ہے لذتیں۔ اعددت: میں نے تیار کررکھی ہیں۔ یرکب بعضھا بعضا: جہنم کا ایک حصہ دوسرے پر چڑھا ہوا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ اِحْتِجَاجِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

باب ۲۱: جنت اور دوزخ کا آپس میں مباحثہ

(۲۴۸۴) اِحْتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ الْجَنَّةُ يَدْخُلُنِي الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِيْنُ وَقَالَتِ النَّارُ يَدْخُلُنِي الْجَبَّارُوْنَ وَالْمُتَكَبِّرُوْنَ فَقَالَ لِلنَّارِ اَنْتِ عَذَابِيْ اَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ وَقَالَ لِلْجَنَّةِ اَنْتِ رَحْمَتِيْ اَرْحَمُ بِكِ مَنْ شِئْتُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جنت اور جہنم کے درمیان مکالمہ ہوا تو جنت نے کہا میرے اندر کمزور اور غریب لوگ داخل ہوں گے جہنم نے کہا میرے اندر ظالم اور متکبر لوگ داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا تم میرا عذاب ہو میں تمہارے ذریعے جس سے چاہوں گا انتقام لوں گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تم میری رحمت ہو میں تمہارے ذریعے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا۔

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جنت ودوزخ آپس میں بحث ومباحثہ کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کریں گی جنت کہے گی کہ میرے اندر ضعیف اور مسکین لوگ داخل ہوں گے جس سے انہیں بلند مقام اور عظمت وشرافت کا اُونچا درجہ حاصل ہوجائے گا، اس لیے میرا مقام اونچا ہے اور جہنم کہے گی کہ میرا مقام اونچا ہے کیونکہ میرے اندر دنیا کے متکبر لوگ داخل ہوں گے میں انہیں اپنا تابع بناؤں گی اور ذلیل کروں گی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی شرف وفضیلت نہیں بس یہ سب کچھ میری مصلحت وحکمت اور مشیت کا تقاضا ہے کہ میں نے جنت کو اپنی رحمت اور لطف وکرم کا اور جہنم کو اپنے عذاب کا مظہر بنایا جنت کے ذریعہ میں نیکو کار لوگوں کو مختلف انعامات سے نوازوں گا اور جہنم کے ذریعہ میں کافر ومشرک اور گنہگار لوگوں سے انتقام لوں گا، اس لیے تم دونوں میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے

اتنی بات ضرور ہے کہ دوزخ کے معاملات کا تعلق عدل وانصاف سے ہے اور جنت کے معاملات محض اللہ کے فضل وکرم سے

تعلق رکھتے ہیں۔(الکواکب الدری ۳۔۳۱۹)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک جنت ودوزخ کا یہ مباحثہ اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قوت تمیز عطاء فرمائیں گے، جس سے یہ دونوں بحث ومباحثہ پر قادر ہوجائیں گے یہاں پر مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔(مرقاۃ المفاتیح ۱۰۔۳۵۷)

بَابُ مَاجَاءَ مَالِاَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْكَرَامَةِ

باب ۲۲: معمولی جنتی کی تعظیم کتنی ہوگی

(۲۴۸۵) اَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ الَّذِیْ لَهٗ ثَمَانُوْنَ اَلْفَ خَادِمٍ وَّاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ زَوْجَةً وَّتُنْصَبُ لَهٗ قُبَّةٌ مِّنْ لُؤْلُؤٍ وَّزَبَرْجَدٍ وَّيَاقُوْتٍ كَمَا بَيْنَ الْجَابِيَةِ اِلٰى صَنْعَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سب سے کمتر حیثیت کا مالک وہ شخص ہوگا جس کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور ۷۲ بیویاں ہوں گی اس شخص کے لیے موتیوں یاقوت اور زمرد سے بنا ہوا بڑا خیمہ نصب کیا جائے گا جو اتنا بڑا ہوگا جتنا جابیہ اور صنعاء کے درمیان فاصلہ ہے۔

(۲۴۸۶) مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ يُرَدُّوْنَ اَبْنَاءَ ثَلَاثِيْنَ فِي الْجَنَّةِ لَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهَا اَبَدًا وَّكَذٰلِكَ اَهْلُ النَّارِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کم عمر یا زیادہ عمر کا جو بھی جنتی فوت ہوگا جنت میں اس کی عمر تیس سال کردی جائے گی اور وہ کبھی اس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اہل جہنم کے ساتھ ہوگا۔

(۲۴۸۷) اَلْمُؤْمِنُ اِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهٗ وَوَضْعُهٗ وَسِنُّهٗ فِيْ سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِيْ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بندہ مومن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس بچے کا حمل اس کی پیدائش اور اس کا بڑا ہونا اسی ایک گھڑی میں ہوگا جیسے وہ جنتی خواہش کرے گا۔

تشریح: اہل جنت کی اولاد ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے اس بارے میں ان کے تین قول ہیں جنہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے:

(۱) طاؤس مجاہد اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہاں صرف جماع ہوگا اولاد نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کی خواہش ہوگی۔

(۲) امام بخاری اور اسحاق بن ابراہیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جنتی اولاد کی خواہش کرے گا تو ایک گھڑی میں ہی اس کی خواہش پوری ہوجائے گی مگر کوئی جنتی ایسا چاہے گا ہی نہیں۔

(۳) ابورزین عقیلی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوگی۔

بعض حضرات نے ان تمام روایات اور اقوال کو سامنے رکھ کر یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اہل جنت کے لیے اولاد کی نفی کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی اولاد کی طرح ان کی اولاد نہیں ہوگی کہ جو جماع اور نکاح کے نتیجہ میں آتی ہے اور جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ ان کی اولاد ہوگی اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بالفرض کوئی جنتی اس کی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش کو پورا کیا جائے گا کیونکہ اہل جنت کی ہر خواہش اور تمنا کو فوراً پورا کیا جائے گا ان میں تاخیر نہیں ہوگی۔

لغات: کرامة :اعزاز واکرام ادنیٰ مرتبہ کے لحاظ سے کمتر۔ تنصب :نصب کیا جائے گا گاڑھا جائے گا۔ قُبة :خیمہ۔ جابية : ملک شام کا ایک شہر ہے۔ صنعاء :یہ ایک شہر ہے جو یمن کا دارالخلافہ ہے۔ یردون (صیغہ مجہول) اہل جنت لوٹائے جائیں گے۔ تیجان: تاج کی جمع ہے۔ لتضئی: وہ روشن کردے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَلَامِ الْحُوْرِ الْعِيْنِ

باب ۲۳: جنت میں گوری بڑی آنکھوں والی عورتوں کا گانا

(۲۴۸۸) اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمُجْتَمَعًا لِلْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرَفِّعْنَ بِاَصْوَاتٍ لَّمْ يَسْمَعِ الْخَلَائِقُ مِثْلَهَا قَالَ يَقُلْنَ نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيْدُ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْؤُسُ وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَ كُنَّا لَهٗ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنت میں حورعین اکٹھی ہوتی ہیں وہ بلند آواز میں گفتگو کرتی ہیں مخلوق نے ایسی آواز نہیں سنی ہوگی وہ یہ کہتی ہیں ہم ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں ہم فنا نہیں ہوں گے ہم ناز و نعمت والی ہیں اور ہم کبھی محتاج نہیں ہوں گی ہم راضی رہنے والی ہیں ہم کبھی ناراض نہیں ہوں گی اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو ہمیں ملے گا اور ہم اسے ملیں گی۔

(۲۴۸۹) عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ (فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ) قَالَ السَّمَاعُ وَمَعْنَى السَّمَاعِ مِثْلَ مَا وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: یحییٰ بن ابو کثیر رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں وہ (جنت کے) باغ میں خوش وخرم ہوں گے کہتے ہیں یعنی وہ (باتیں سن کر) خوش وخرم ہوں گے (خوش کرنے والی باتیں سننے) کی مثال وہ ہے جو ایک حدیث میں مذکور ہے۔

ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، ہم ہلاک نہیں ہوں گی — ہم نرم و نازک ہیں، ہم بد حال نہیں ہوں گی

ہم خوش ہونے والیاں ہیں، ہم ناراض نہیں ہوں گی — خوش گوار ہے جو ہمارے لئے اور ہم جس کیلئے ہیں

لغات: حور حوراء کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ گوری عورت اور العین: العیناء کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: بڑی آنکھوں والی، اور الحور العین جنت کی عورتوں کا لقب ہے اور اردو میں صرف حور کہتے ہیں۔

یرفعن: اُونچی آواز نکالیں گی۔ المجتمع : اجتماع گاہ، جلسہ گاہ۔ باد یبید بیدا: ہلاک ہو جانا، ختم ہو جانا۔ الناعمة: الناعم مؤنث: نرم ونازک، تروتازہ۔ بئس یباس (س) باسا وبوسا: بدحال ہونا، غریب ومحتاج ہونا۔ الطوبی: خوشگوار حالت۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ

باب ۲۴: جنت کی نہروں کا حال

(۲۴۹۴) اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَحْرَ الْمَاءِ وَبَحْرَ الْعَسَلِ وَبَحْرَ اللَّبَنِ وَبَحْرَ الْخَمْرِ ثُمَّ تُشَقَّقُ الْاَنْهَارُ بَعْدُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جنت میں پانی کا ایک سمندر ہے شہد کا ایک سمندر ہے دودھ کا ایک سمندر ہے اور مشروبات کا ایک سمندر ہے اور ان میں سے نہریں نکلتی ہیں۔

تشریح: ان نہروں کا ذکر سورۂ محمد (آیت ۱۵) میں ہے:

﴿فِيهَآ أَنْهَٰرٌ مِّن مَّآءٍ غَيْرِ ءَاسِنٍ وَأَنْهَٰرٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُۥ وَأَنْهَٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّٰرِبِينَ وَأَنْهَٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى﴾

"جنت میں بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جس میں زرا تغیر نہیں ہوگا (نہ بو میں، نہ رنگ میں نہ مزہ میں) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں، جن کا ذائقہ زرا بدلا ہوا نہیں ہوگا، اور بہت سے نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور بہت سی نہریں صاف شفاف شہد کی ہیں۔"

اور اس حدیث میں ان نہروں کے سرچشمہ کا بیان ہے کہ یہ نہریں جنت کے چار سمندروں سے پوری جنت میں پھیلیں گی۔

متفرق احادیث

اب متفرق احادیث زکر کرتے ہیں، جن پر کوئی باب قائم نہیں کیا۔

ا۔ جنت کے لئے دعا کرنا اور جہنم سے پناہ چاہنا

(۲۴۹۵) مَنْ سَاَلَ اللهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت کا سوال کرتا ہے تو جنت یہ کہتی ہے اے اللہ اسے جنت میں داخل کردے اور جو شخص جہنم سے تین مرتبہ پناہ مانگتا ہے تو جہنم یہ کہتی ہے اے اللہ اسے جہنم سے نجات عطا کر۔

تشریح: اور حدیث کا مقصد واضح ہے کہ ہر شخص کو بار بار جنت طلب کرنی چاہئے اور جہنم سے پناہ مانگنی چاہئے۔ جنت وجہنم کو عقل وشعور ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ کے سامنے اس بندے کے حق میں سفارش کرتی ہیں جمہور کے نزدیک اس کے حقیقی معنی مراد ہیں اگرچہ اس کی کیفیت اس وقت ہمیں معلوم نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ۷/۳۳۱)

۲۔ مشک کے ٹیلوں پر بیٹھنے والے تین آدمی

(۲۴۹۰) ثَلَاثَةٌ عَلٰی كُثْبَانِ الْمِسْكِ أُرَاهُ قَالَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَغْبِطُهُمُ الْأَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ رَجُلٌ يُّنَادِيْ بِالصَّلَوٰاتِ الْخَمْسِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ وَرَجُلٌ يَؤُمُّ قَوْمًا وَّهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَعَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین طرح کے لوگ مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے (راوی کہتے ہیں) میرا خیال ہے حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں قیامت کے دن (نور کے ٹیلوں پر ہوں گے) پہلے والے اور بعد والے لوگ ان پر رشک کریں گے ایک وہ شخص جو روزانہ پانچ وقت اذان دیتا ہو دوسرا وہ شخص جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہو اور وہ لوگ اس سے خوش ہوں اور ایک وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کرتا ہو اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کرتا ہو۔

تشریح: یہ حدیث ابواب البر والصلۃ میں گزر چکی ہے۔

۳۔ وہ لوگ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں

(۲۴۹۱) ثَلَاثَةٌ يُّحِبُّهُمُ اللهُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُوْ كِتَابَ اللهِ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا أُرَاهُ قَالَ مِنْ شِمَالِهٖ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَانْهَزَمَ اَصْحَابُهٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) تین لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ایک وہ شخص جو رات کے وقت قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے ایک وہ شخص جو دائیں ہاتھ کے ذریعے خفیہ طور پر صدقہ دیتا ہے (راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں) کہ بائیں ہاتھ سے اسے مخفی رکھتا ہے۔

اور ایک وہ شخص جو کسی جنگ میں شریک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ پسپا ہو جاتے ہیں لیکن وہ دشمن کے مدمقابل رہتا ہے۔

(۲۴۹۲) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثَةٌ يُّحِبُّهُمُ اللهُ وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللهُ فَرَجُلٌ اَتٰى قَوْمًا فَسَاَلَهُمْ بِاللهِ وَلَمْ يَسْأَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْقَابِهِمْ فَاَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ اِلَّا اللهُ وَالَّذِيْ اَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُؤُسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْا اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ اَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلَاثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللهُ الشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور تین لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے تو ایک وہ شخص ہے جو کچھ لوگوں کے پاس آئے اور ان سے اللہ تعالیٰ کے نام پر کچھ مانگے ان لوگوں سے ان کے ساتھ اپنی کسی رشتہ داری کی وجہ سے سوال نہ کرے اور لوگ اسے انکار کر دیں اور پھر ان لوگوں میں سے ایک شخص الگ سے جا کر خفیہ طور پر اس مانگنے والے کو کچھ دیدے اس عطیے کو اللہ تعالیٰ اور جس شخص کو دیا گیا ہے کے علاوہ اور کوئی نہ جانتا ہو (دوسرا شخص وہ ہے کہ کچھ لوگ رات کے وقت سفر کر رہے ہوں جب نیند ان کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ پیاری ہو جائے اور وہ سر

رکھ کر سو جائیں (تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اس وقت وہ شخص کھڑا ہو کر میری بارگاہ میں گڑگڑائے اور میری آیات کی تلاوت کرے (اور تیسرا وہ شخص) جو کسی جنگ میں شریک ہو اور دشمن کے سامنے آئے تو دوسرے لوگ پسپا ہو جائیں لیکن وہ سینہ سپر رہے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے یا وہ فتح یاب ہو (جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے تو ان میں سے ایک بوڑھا زانی ایک متکبر فقیر اور ایک ظلم کرنے والا خوشحال شخص (یعنی حکمران) ہے۔

۴۔ جب دریائے فرات میں خزانہ ظاہر ہو تو اس کو کوئی نہ لے

(۲۴۹۳) يُوشِكُ الْفُرَاتُ يَحْسِرُ عَنْ كَنْزٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَهُ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عنقریب دریائے فرات سے سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا تو جو شخص وہاں موجود ہو وہ اس میں سے کچھ نہ بھی لے۔

(۲۴۹۳) يَحْسِرُ عَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ: سونے کا پہاڑ نمودار ہوگا۔

کہ جنت کی لذتوں اور راحتوں کو اس دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے کوئی نسبت نہیں، وہاں کی نعمتیں ابدی ہیں، اور یہاں کی لذتیں اور راحتیں فانی ہیں، اسی طرح دوزخ کی کلفتیں اس دنیا کے دکھوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں، وہ کلفتیں ابدی ہیں، اور اس دنیا کی تکلیفیں ختم ہونے والی ہیں۔

پس جب ہم لفظ سیب یا انگور سنتے ہیں تو دنیا کے سیب اور انگور ہمارے ذہن میں آتے ہیں، اسی طرح جب ہم سانپ بچھو کے الفاظ سنتے ہیں تو اس دنیا کے سانپ بچھو ہمارے ذہن میں آتے ہیں، ہم ان لفظوں سے جنت کے سیب اور انگور کا اور جہنم کے سانپ اور بچھو کا پورا اندازہ نہیں کر سکتے، صرف دھندلا سا تصور ہی قائم ہو سکتا ہے۔

اور جنت و دوزخ کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، بلکہ اس بیان کا مقصد جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی، اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا ہے۔

❊

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ النَّارِ

باب ا: دوزخ کا حال

(۲۴۹۶) يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَّهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَّجُرُّوْنَهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب جہنم کو لایا جائے گا تو اس کے ہمراہ ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر ایک لگام کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔

(۲۴۹۷) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهٗ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَ لِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جس کے ذریعے وہ دیکھ

رہی ہوگی دو کان ہوں گے جس کے ذریعے وہ سن رہی ہوگی اور ایک زبان ہوگی جس کے ذریعے وہ بولے گی اور وہ یہ کہے گی مجھے تین طرح کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے ہر سرکش ظالم پر اور ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کے ہمراہ کسی اور کی عبادت کرتا ہو اور تصویر بنانے والوں پر۔

لغات: جھنم: آخرت کی آگ کا نام ہے اکثر نحوی حضرات کے نزدیک یہ عجمی لفظ ہے اور عجمہ اور تعریف کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ یؤتی مجہول کا صیغہ ہے لایا جائے گا۔ **یجرونھا:** وہ فرشتے اس جہنم کو کھینچ کر لائیں گے عُنُق: دوزخ کی آگ کی لمبی گردن۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے ایک طاقتور شخص مراد ہے(۱) **وکلت:** متکلم مجہول مجھے مقرر کیا گیا ہے عنید ظالم جو جاننے کے باوجود حق کو رد کردے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ قَعْرِ جَهَنَّمَ

باب ۲: جہنم کی گہرائی کا بیان

(۲۴۹۸) اِنَّ الصَّخْرَةَ الْعَظِيْمَةَ لَتُلْقَى مِنْ شَفِيْرِ جَهَنَّمَ فَتَهْوِىْ فِيْهَا سَبْعِيْنَ عَامًا وَّمَا تُفْضِىْ اِلٰى قَرَارِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ایک بڑے پتھر کو جہنم کے گڑھے میں ڈال دیا جائے اور وہ اس میں ستر برس تک نیچے گرتا رہے تو پھر بھی اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے گا۔

(۲۴۹۹) اَلصَّعُوْدُ جَبَلٌ مِّنْ نَّارٍ يَّتَصَعَّدُ فِيْهِ الْكَافِرُ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَّيَهْوِىْ فِيْهِ كَذٰلِكَ اَبَدًا.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صعود جہنم کا ایک پہاڑ ہے جس پر کافر شخص ستر سال تک چڑھتا رہے گا اور پھر اس سے اتنے ہی عرصے تک گرتا رہے گا۔

تشریح: باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ جہنم کی گہرائی کا ذکر فرمایا وہ یہ جہنم کے کنارے سے ایک بہت بڑا سخت پتھر اگر اس میں ڈال دیا جائے اور مسلسل ستر سال تک وہ نیچے گرتا رہے تب بھی جہنم کی تہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ستر کے عدد سے مخصوص تعداد مراد نہیں ہے بلکہ اس سے کثرت و زیادتی مراد ہے معنی یہ ہیں کہ بیسیوں سال بھی اگر وہ پتھر جہنم میں نیچے کی طرف گرتا رہے تو بھی وہ اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا اس سے اندازہ لگایئے کہ جہنم کس قدر وسیع و عریض اور گہری ہے چنانچہ عتبہ بن غزوان کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق فرماتے تھے کہ دوزخ کو کثرت سے یاد کیا کرو، اس کی گرمی بہت سخت اس کی گہرائی بہت بعید اور اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں بار بار یاد کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دل نیکی کی طرف مائل ہوگا اور گناہوں سے پھر جائے گا۔ (تحفۃ الاحوذی ۷/۲۵۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اس آیت س أرهقه صعودا کی تفسیر میں فرمایا کہ صعود جہنم کا ایک پہاڑ ہے، کافر کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا، جب وہ اس پہاڑ پر ہاتھ رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا اور جب ہاتھ اٹھالے گا تو پہاڑ صحیح سالم ہوجائے گا ایسے ہی جب کافر اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ پگھل جائے گا اٹھائے گا تو وہ پہاڑ صحیح حالت میں ہوجائے گا وہ ستر سال میں اس پر چڑھے گا اور اتنی ہی مدت میں اس سے اُترے گا۔

لغات: صَخرة خ کے سکون کے ساتھ بڑا سخت پتھر، لتلقی صیغہ مجہول پھینکا جائے گا ڈالا جائے گا، شفیر کنارہ، تھوی فیہا جہنم میں گرتا رہے گا، ماتفضی وہ پتھر نہیں پہنچ سکے گا، قرارھا جہنم کی گہرائی اس کی تہ۔ قعر عین کے سکون کے ساتھ گہرائی تہ، مقامع مقمعۃ کی جمع ہے ہتھوڑے کوڑے۔ صعود جہنم کا ایک پہاڑ۔ یتصعد: صیغہ معروف چڑھتا ہے۔ خریفا: سال۔ ابدا: ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ عِظَمِ اَهْلِ النَّارِ

باب ۳: جہنمی عظیم الجثہ ہوں گے

(۲۵۰۰) اِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَّاِنَّ ضِرْسَهُ مِثْلُ اُحُدٍ وَّاِنَّ مَجْلِسَهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کافر شخص کی کھال ۴۲ گز موٹی ہوگی اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی اور اس کے بیٹھنے کی جگہ جہنم میں اتنی ہوگی جتنا مکہ مدینہ کا درمیانی فاصلہ ہے۔

(۲۵۰۱) ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِثْلُ اُحُدٍ وَّفَخِذُهٗ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ مَسِيْرَةُ ثَلَاثٍ مِثْلُ الرَّبَذَةِ.

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن کافر شخص کی داڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی اور اس کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح ہوگی اور جہنم میں اس کے بیٹھنے کی جگہ تین دن کے فاصلے جتنی ہوگی جتنا ربذہ تک فاصلہ ہے۔

(۲۵۰۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ رَفَعَهٗ قَالَ ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کافر شخص کی داڑھ احد پہاڑ کی مانند ہوگی۔

(۲۵۰۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْكَافِرَ لَيُسْحَبُ لِسَانَهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّاُهُ النَّاسُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کافر شخص اپنی زبان کو ایک یا دو فرسخ تک باہر نکال دے گا اور لوگ اسے اپنے پاؤں کے نیچے روندیں گے۔

اس باب کی احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں کافروں کے جسم بڑے اور پھیلے ہوئے ہوں گے جبکہ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگوں کو میدان حشر میں اس طرح لایا جائے گا کہ ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح ہوں گے یہ تو تعارض ہے؟

جواب ①: حدیث میں متکبرین سے گنہگار مومن مراد ہیں جبکہ باب کی احادیث میں کفار کا ذکر ہے کہ ان کے جسم بہت بڑے کر دیئے جائیں گے۔

جواب ②: بعض نے کہا کہ میدان حشر میں تو انہیں چیونٹیوں کے جسم میں لایا جائے گا جہاں وہ لوگوں کے قدموں کے نیچے روندے

جائیں گے اس کے بعد ان کے بدن اپنی شکل میں ہو جائیں گے پھر انہیں دوزخ میں ڈال کر ان کے جسم غیر معمولی ساخت میں بڑے کر دیئے جائیں گے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں بیان کیا گیا ہے تاکہ انہیں زیادہ عذاب دیا جاسکے۔

جواب ③: بعض نے کہا ہے کہ اہل دوزخ کے عذاب مختلف ہوں گے بعضوں کو عذاب کے طور پر چیونٹیوں کی طرح کر دیا جائے گا اور بعضوں کے جسموں کو غیر معمولی انداز سے بڑا کر دیا جائے گا چنانچہ جس کافر پر جس قدر سخت عذاب کا فیصلہ ہوگا تو اس کا جسم بھی اسی قدر بڑی جسامت والا اور اس کے بیٹھنے کی جگہ بھی زیادہ لمبی چوڑی ہوگی اور جو کافر نسبتاً ہلکے عذاب میں ہوگا تو اس کی جسامت اور بیٹھنے کی جگہ بھی نسبتاً کم لمبی چوڑی ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے اس آیت یعنی ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران:۱۰۲) کے بعد اہل دوزخ کی غذا زقوم کو ذکر فرمایا اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تقوی ہی عذاب دوزخ سے بچنے کا اصل سبب ہے اور جو شخص تقوی اختیار نہ کرے تو وہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوسکتا ہے۔

اور زقوم اہل دوزخ کی غذا ہوگی یہ ایک تلخ اور بدبودار درخت کا پھل ہے جو جہنمیوں کی غذا ہوگا وہ اتنا زہریلا گرم اور بدبودار ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا پر ٹپکا دیا جائے تو ساری دنیا کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے تو جن لوگوں کی یہ خوراک ہوگا ان کا کیا حال ہوگا اللہ ہی محفوظ رکھے

لغات: ضِرس: دانت داڑھ۔ بیضاء: ایک پہاڑ کا نام ہے۔ لیسحب: گھسیٹے گا نکالے گا۔ فرسخ: زمین کی مسافت جو انگریزی تین میل کے برابر ہو۔ یتوطأہ: اس زبان کو روندیں گے روندتے پھریں گے۔ غِلَظ: موٹا ہونا موٹائی۔ ذراعا: ہاتھ، گز۔ رَبَذَة: مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ایک قصبہ جو ذات عرق کے قریب ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ صِفَةِ شَرَابِ اَهْلِ النَّارِ

باب ۴: جہنمیوں کے مشروب کا بیان

(۲۵۰۴) فِيْ قَوْلِهٖ ﴿كَالْمُهْلِ﴾ قَالَ كَعَكَرِ الزَّيْتِ فَاِذَا قَرَّبَهٗ اِلٰى وَجْهِهٖ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهٖ فِيْهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں (جو قرآن پاک کے اس لفظ کے بارے میں ہے) کالمھل آپ فرماتے ہیں یہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جب کوئی دوزخی شخص اپنا منہ اس کے قریب لے جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس کے اندر گر جائے گی۔

(۲۵۰۵) اِنَّ الْحَمِيْمَ لَيُصَبُّ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيْمُ حَتّٰى يَخْلُصَ اِلٰى جَوْفِهٖ فَيَسْلِتُ مَا فِيْ جَوْفِهٖ حَتّٰى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کھولتا ہوا پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو وہ سرایت کرتے ہوئے ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا اور ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ باہر نکل آئے گا اور ان کے ٹخنوں میں پہنچ جائے گا اسی کا نام گل جانا ہے پھر وہ پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔

(۲۵۰۶) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ قَوْلِهٖ (وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ) قَالَ يُقَرَّبُ اِلٰى فِيْهِ فَيَكْرَهُهٗ فَاِذَا اُدْنِيَ مِنْهُ شَوٰى وَجْهَهٗ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَاْسِهٖ فَاِذَا شَرِبَهٗ قَطَّعَ اَمْعَاءَهٗ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهٖ يَقُوْلُ اللّٰهُ (وَسُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاءَهُمْ) وَيَقُوْلُ (وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ).

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (کی تفسیر کے بارے میں ہے جو قرآن پاک میں ہے)۔انہیں پیپ کا مشروب پلایا جائے گا جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا اسے ان کے منہ کے قریب کیا جائے گا وہ اسے ناپسند کریں گے جب وہ ان کے منہ کے پاس ہوگا تو ان کے چہرے کو جلا دے گا اور اس شخص کے سر کی کھال اس میں گر پڑے گی پھر جب وہ اسے پئے گا تو یہ اس کی آنتوں کو کاٹ دے گا یہاں تک کہ اس کے پاخانے کے مقام سے باہر نکل آئے گا۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں ایسا پانی دیا جائے گا جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا جو ان کے چہروں کو جلا دے گا وہ بہت برا مشروب ہے اور وہ کتنی بری جگہ ہوگی۔

(۲۵۰۷) ﴿كَالْمُهْلِ﴾ كَعَكَرِ الزَّيْتِ فَاِذَا قُرِّبَ اِلَيْهِ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهٖ فِيْهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (قرآن پاک میں ارشاد ہے) کالمهل آپ ﷺ فرماتے ہیں اس سے مراد (کھولتے ہوئے گرم) تیل کی تلچھٹ کی مانند ہے جسے اس جہنمی کے قریب کیا جائے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

(۲۵۰۸) لِسُرَادِقِ النَّارِ اَرْبَعَةُ جُدُرٍ كِثَفُ كُلِّ جِدَارٍ مِثْلُ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں چار دیواریں ہیں جن میں سے ہر ایک دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہے۔

(۲۵۰۹) لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِّنْ غَسَّاقٍ يُّهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَاَنْتَنَ اَهْلَ الدُّنْيَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنمیوں کی پیپ کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو ساری دنیا میں اس کی بدبو پھیل جائے۔

(۲۵۱۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ (اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَّكُوْنُ طَعَامَهٗ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اور تم مرتے وقت صرف مسلمان ہونا۔ آپ ﷺ نے یہ بات بھی فرمائی ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو اہل دنیا کی زندگی برباد کر دے تو اس شخص کا کیا عالم ہوگا جس کی خوراک یہ ہوگی؟

لغات: مُہل ھ پر سکون تیل کی تلچھٹ عکر تیل کی تلچھٹ فروۃ چمڑا کھال حمیم کھولتا ہوا گرم پانی یصب صیغہ مجہول ڈالا جائے گا

گرایا جائے گا۔ ینفذ نفوذ کر جائے گا سرایت کرے گا حتی یخلص یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے گا۔ یسلت وہ کاٹ دے گا۔ حتی یمرق یہاں تک کہ وہ نکل جائے گا۔ صَهر: پگھلانا۔ صدید۔ پیپ۔ یتجرعه: وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا۔ الیٰ فیه: اس کے منہ کی طرف ادنیٰ صیغہ مجہول قریب کیا جائے گا۔ شوی: بھون ڈالے گا۔ مر تفقا: رہنے کی جگہ منزل۔ سُرادِق: چاروں طرف سے گھیرنے والی دیوار یا پردہ اور قناتیں وغیرہ۔ کِثَف: موٹائی۔ غساق (س تشدید) دوزخیوں کی کھال سے بہنے والا اخراب خون اور پیپ۔ انتن: سڑ جائیں بدبودار ہو جائیں۔ یهرا: (ق صیغہ مجہول) بہایا جائے۔ زقوم: ایک تلخ اور بدبودار درخت جس کا پھل اہل دوزخ کی غذا ہے اور اس کی جڑ دوزخ کی تہ میں ہے دوزخی کڑواہٹ کی وجہ سے اسے نہیں کھائیں گے تو زبردستی انہیں کھلایا جائے گا تھوہر۔ قطرت: صیغہ مجہول قطرہ ٹپکایا جائے گا۔ افسدت: تہس نہس کر دے تباہ و برباد کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ طَعَامِ أَهْلِ النَّارِ

باب ۵: جہنمیوں کے کھانے پینے کی چیزوں کا بیان

(۲۵۱۱) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُلْقَى عَلَى اَهْلِ النَّارِ الْجُوْعُ فَيَعْدِلُ مَاهُمْ فِيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِيْعٍ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُوْنَ بِطَعَامٍ ذِيْ غُصَّةٍ فَيَذْكُرُوْنَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُجِيْزُوْنَ الْغُصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ بِالشَّرَابِ فَيُدْفَعُ اِلَيْهِمُ الْحَمِيْمُ بِكَلَالِيْبِ الْحَدِيْدِ فَاِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوْهِهِمْ شَوَتْ وُجُوْهَهُمْ فَاِذَا دَخَلَتْ بُطُوْنَهُمْ قَطَّعَتْ مَافِيْ بُطُوْنِهِمْ فَيَقُوْلُوْنَ ادْعُوْا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ اَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَادُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ يَامَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ فَيُجِيْبُهُمْ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ قَالَ الْاَعْمَشُ نُبِّئْتُ اَنَّ بَيْنَ دُعَائِهِمْ وَبَيْنَ اِجَابَةِ مَالِكٍ اِيَّاهُمْ اَلْفَ عَامٍ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ فَلَا اَحَدَ خَيْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظَالِمُوْنَ قَالَ فَيُجِيْبُهُمْ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَئِسُوْا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذٰلِكَ يَأْخُذُوْنَ فِي الزَّفِيْرِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل جہنم کو بھوک میں مبتلا کیا جائے گا تو یہ ان کے لیے اتنی ہی تکلیف دہ ہوگی جتنا عذاب تکلیف دہ ہوگا تو وہ کھانے کے لیے مانگیں گے تو انہیں ضریع (یعنی خاردار زہریلی جھاڑی) کھانے کے لیے دی جائے گی اور بھوکے رہنے کی وجہ سے وہ موٹے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کی بھوک ختم ہوگی وہ پھر کھانے کے لیے مانگیں گے تو انہیں ذی غصة خوراک دی جائے گی (یعنی جوا ٹکنے والی ہوگی) تو وہ اس بات کا تذکرہ کریں گے وہ لوگ دنیا میں نوالہ اٹک جانے پر پانی پیا کرتے تھے پھر وہ پانی مانگیں گے تو لوہے کے برتنوں میں ان کی طرف پانی پھینکا جائے گا جب وہ ان کے چہرے کے قریب ہوگا تو ان کے چہرے کو بھون دے گا جب وہ ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹ میں موجود ہر چیز کو کاٹ دے گا تو وہ لوگ یہ کہیں گے جہنم کے دربانوں

کے بلاؤ تو وہ دربان یہ کہیں گے کیا رسول تمہارے پاس واضح نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے جی ہاں تو وہ دربان کہیں گے اب تم پکارو کفار کی پکار صرف گمراہی ہے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں پھر وہ لوگ یہ کہیں گے اے مالک (یعنی جہنم کے داروغہ) ہمارا پروردگار ہمارا فیصلہ کردے آپ ﷺ فرماتے ہیں تو وہ داروغہ انہیں جواب دے گا تمہارا فیصلہ ہو چکا ہے۔

اعمش نامی راوی بیان کرتے ہیں مجھے یہ بات بتائی گئی ہے ان کے پکارنے اور مالک (یعنی جہنم کے داروغہ) کے انہیں جواب دینے کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہوگا۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر وہ لوگ یہ کہیں گے تم اپنے پروردگار سے دعا مانگو کیونکہ تمہارے پروردگار سے زیادہ بھلائی عطا کرنے والا اور کوئی نہیں ہے تو وہ لوگ یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے پروردگار تو ہمیں یہاں سے نکال دے اگر ہم نے دوبارہ ایسا کیا تو ہم ظالم ہوں گے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر پروردگار انہیں جواب دے گا اب ذلت کے ساتھ تم یہیں رہو اور میرے ساتھ کوئی کلام نہ کرنا۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اس وقت وہ لوگ ہر طرح کی بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور اس وقت وہ حسرت افسوس اور چیخ و پکار میں مصروف ہو جائیں گے۔

(۲۵۱۲) ﴿وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۰۴) قَالَ تَشْوِيهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْيَا حَتّٰى تَبْلُغَ وَسَطَ رَأْسِهٖ وَتَسْتَرْخِي شَفَتُهُ السُّفْلٰى حَتّٰى تَضْرِبَ سُرَّتَهٗ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے) اور وہ لوگ اس میں بدشکل ہوں گے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں آگ ان کے چہروں کو جلا دے گی اور ان کا اوپر کا ہونٹ سکڑ جائے گا یہاں تک کہ وہ سر کے درمیانی حصے تک پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ لٹک جائے گا یہاں تک کہ اس کی ناف تک پہنچ جائے گا۔

(۲۵۱۳) لَوْ أَنَّ رَصَاصَةً مِثْلَ هٰذِهٖ وَأَشَارَ إِلٰى مِثْلِ الْجُمْجُمَةِ أُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ هِيَ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ لَبَلَغَتِ الْأَرْضَ قَبْلَ اللَّيْلِ وَلَوْ أَنَّهَا أُرْسِلَتْ مِنْ رَأْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ قَبْلَ أَنْ تَبْلُغَ أَصْلَهَا أَوْ قَعْرَهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر اتنا سیسہ (نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر کی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) آسمان سے زمین کی طرف ڈال دیا جائے جس کا فاصلہ پانچ سو برس ہے تو وہ رات ہونے سے پہلے زمین تک پہنچ جائے گا اور اگر اسے زنجیر کے سرے سے لٹکا کر (جہنم میں ڈالا جائے گا) تو وہ چالیس سال میں اس کی تہہ تک پہنچے گا اس عرصے میں دن اور رات سب شامل ہوں گے۔

تشریح: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل جہنم کا یہ آخری کلام ہوگا جس کے جواب میں حکم ہو جائے گا کہ ہم سے کلام نہ کرو پھر وہ کسی سے کچھ بھی کلام نہ کر سکیں گے جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو طرف بھونکیں گے۔

دوزخیوں کو باندھنے کی زنجیر:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زنجیر سے وہ زنجیر مراد جس میں کافر دوزخی کو اس طرح جکڑا جائے گا کہ پاخانے

کے راستے سے اس میں ڈال کر ناک کے راستے سے اسے نکالا جائے گا تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے۔ اس زنجیر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقۃ کی اس آیت میں کیا ہے: ﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ (الحاقۃ: ۳۲) "پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس دوزخی کو ایک زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز ہے۔"

اعتراض: قرآن کریم کی اس آیت میں اس زنجیر کی لمبائی ستر گز بیان کی گئی ہے جبکہ اس باب کی تیسری حدیث میں اس زنجیر کی اس سے کہیں زیادہ لمبائی کا ذکر ہے تو بظاہر ان دونوں مقداروں میں تعارض سا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) تعارض نہیں کیونکہ ستر کے عدد سے کوئی مخصوص تعداد مراد نہیں بلکہ اس سے محض کثرت و مبالغہ مراد ہے اور عربی زبان میں سے ستر کے عدد سے کثرت کے معنی مراد لینا عام ہے۔

(۲) اس گز سے دنیا کا گز مراد نہیں بلکہ اس سے آخرت کا گز مراد ہے جس کی وسعت لمبائی اور کیفیت وصورت اللہ ہی کو معلوم ہے اسے دنیا کے گز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال باب کی تیسری حدیث سے اس زنجیر کی لمبائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر ایک سیسہ کا گولہ آسمان سے چھوڑا جائے تو وہ تھوڑی سی دیر میں زمین پر پہنچ جائے گا کیونکہ گول اور بھاری چیز اوپر سے نیچے کی طرف بہت جلدی آتی ہے حالانکہ زمین وآسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے لیکن اگر وہی گولہ اس زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو یہ چالیس سال تک چلنے کے بعد وہ گولہ اس زنجیر کے دوسرے سرے تک پہنچ سکے گا اس سے اندازہ لگایئے کہ وہ زنجیر کتنی بڑی ہوگی ہر کافر دوزخی کو اس میں جکڑا جائے گا تاکہ وہ آگ سے بچاؤ کے لیے اِدھر اُدھر حرکت نہ کر سکے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس سے امان رکھے۔ (شرح طیبی: ۱۰/۲۸۷)

لغات: ضریع: دوزخ کا ایک خاردار اور بہت کڑوا درخت جو بدبودار اور انتہائی زہریلا ہوگا یہاں حدیث میں ضریع سے آگ کے کانٹے مراد ہیں جو ایلوے سے زیادہ کڑوے مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوں گے۔ لایسمن: موٹا نہیں کرے گا۔ ذی غصة گلے میں اٹک جانے والا۔ یجیزون: گزار لیتے ہیں آسانی سے نگل لیتے ہیں۔ غصص: غصة کی جمع ہے اٹکی ہوئی چیز اٹکا ہوا لقمہ۔ کلالیب: کلوب کی جمع ہے آنکڑے خم دار تین نوکی لوہے کی سلاخ جو کسی پھنسی ہوئی چیز کو نکالنے کے لیے ہوتی ہے زنبور دنت گرم پانی کے برتن ان کے قریب ہوں گے شوت بھون ڈالیں گے۔ اخسؤ وفیھا: تم جہنم میں ہی پھٹکارے ہوئے رہو یئسوا: ناامید ہو جائیں گے زفیر: گدھے کی طرح چیخ وپکار اور آواز۔ حسرة: افسوس۔ ویل: ہلاکت وتباہی کلمہ عذاب ہے۔ کالحون: بدشکل بگڑی ہوئی شکل والے جس کے دونوں ہونٹ اس کے دانتوں کو نہ چھپائیں ایک اوپر رہے اور دوسرا نیچے اور دانت نکلے ہوئے نظر آئیں تشویه النار آگ اس کو بھون ڈالے گی۔ تقلص: سمٹ جائے گا۔ شفة العلیا: اوپر کے ہونٹ۔ تسترخی: لٹک جائے گا۔ سرته: اس کی ناف تک۔ رصاصة: سیسہ رانگ کا گولہ۔ جمجمة: سر کی کھوپڑی۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ نَارَكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِيْنَ جُزْءً مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ

باب ۶: دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے

(۲۵۱۴) نَارُكُمْ هٰذِهِ الَّتِيْ تُوْقِدُوْنَ جُزْءٌ وَّاحِدٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ حَرِّ جَهَنَّمَ قَالُوْا وَاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً

يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّيْنَ جُزْئًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تم لوگوں کی یہ آگ جسے انسان جلاتے ہیں یہ جہنم کی آگ کا ۷۰ واں جز ہے لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ کی قسم یہی کافی ہے یارسول اللہ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے ۶۹ گناہ فضیلت دی گئی ہے اور اس میں سے ہر ایک گناہ کی گرمی اس کے برابر ہے۔

(۲۵۱۵) نَارُكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءً مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ لِكُلِّ جُزْءٍ مِّنْهَا حَرُّهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا ۷۰ واں جز ہے ان میں سے ہر ایک جز کی گرمی اس گرمی کی مانند ہے۔

تشریح: دنیا کی بھی سب آگیں حرارت میں یکساں نہیں، بعض بعض سے بڑھی ہوئی ہیں، جیسے لکڑی کی آگ میں گھاس پھونس کی آگ سے زیادہ گرمی ہے، اور پتھر کے کوئلے کی آگ میں اس سے بھی زیادہ حرارت ہے، اور جب بم پھٹتا ہے اور اس سے آگ نکلتی ہے تو اس کا درجۂ حرارت بدرجہا بڑھا ہوا ہوتا ہے، اور اب ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جن سے پتا چلا لیا جاتا ہے کہ کس آگ کی گرمی دوسری آگ سے کس درجہ کم یا زیادہ ہے، اس لئے اب یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہیں، کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا حرارت میں بڑھی ہوئی ہے، اور ستر کا عدد عربی میں محض کثرت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ دوزخ کی آگ اپنی گرمی میں اور جلانے کی صفت میں دنیا کی آگ سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

یہ ارشاد پاک سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! سزا دینے کے لئے دنیا کی یہ آگ ہی کافی تھی! اس پر آپ ﷺ نے اور زیادہ واضح لفظوں میں پہلا والا مضمون دوہرایا، کوئی نیا جواب نہیں دیا، یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ بندوں کو آتش دوزخ سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے، آخرت کی چیزوں کی تفصیلات جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا ہے، اور جو کچھ کیا ہے، اور جو کچھ وہ کریں گے: سب ٹھیک ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی آگ کی جہنم کی آگ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن چونکہ دنیا میں شدید ترین سزا آگ کے ذریعہ ہوتی ہے اس لیے سمجھانے کے لیے جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کے مقابلے میں ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ اَنَّ لِلنَّارِ نَفَسَيْنِ وَمَا ذُكِرَ مَنْ يَّخْرُجُ مِنَ النَّارِ مِنْ اَهْلِ التَّوْحِيْدِ؟

باب ۸: دوزخ کے دو سانس، اور یہ بات کہ کون سا مسلمان دوزخ سے نکلے گا؟

(۲۵۱۷) اِشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا وَقَالَتْ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَجَعَلَ لَهَا نَفَسَيْنِ نَفَسًا فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسًا فِي الصَّيْفِ فَاَمَّا نَفَسُهَا فِي الشِّتَاءِ فَزَمْهَرِيْرٌ وَّاَمَّا نَفَسُهَا فِي الصَّيْفِ فَسَمُوْمٌ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں شکایت کی اس نے عرض کی میرا ایک حصہ دوسرے کو کھالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی ایک مرتبہ سردی کے موسم میں اور ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں جہاں تک سردی کے موسم میں اس کے سانس لینے کا تعلق ہے تو انتہائی شدید سردی اسی وجہ سے ہوتی ہے جہاں تک گرمی کے موسم میں اس کے

سانس لینے کا تعلق ہے تو شدید اس کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۲۵۱۸) . اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ قَالَ هِشَامٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ وَقَالَ شُعْبَةُ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَكَانَ فِىْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَكَانَ فِىْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَكَانَ فِىْ قَلْبِهٖ مَا يَزِنُ ذَرَّةً وَقَالَ شُعْبَةُ مَا يَزِنُ ذُرَةً مُخَفَّفَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے یہاں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں جہنم میں سے نکلیں گے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں تم جہنم میں سے نکال دو ہر اس شخص کو جو یہ اعتراف کر چکا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اس کے دل میں اتنی بھلائی ہو جو ایک جو کے وزن جتنی ہو اور تم لوگ جہنم میں سے نکال دو ہر اس شخص کو جو کلمہ پڑھ چکا ہو اور اس کے دل میں اتنی بھلائی ہو جو گندم کے دانے کے برابر ہو اور تم جہنم میں سے نکال دو ہر اس شخص کو جو کلمہ پڑھ چکا ہو اور اس کے دل میں (اتنی بھلائی ہو) جو ایک چھوٹی چیونٹی کے وزن جتنی ہو۔ شعبہ کی نقل کردہ روایت میں یہ الفاظ ہیں ہلکی چیونٹی کے وزن جتنی ہو۔

(۲۵۱۹) اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِىْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِىْ فِىْ مَقَامٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا جہنم میں سے ہر اس شخص کو نکال دو جس نے کسی بھی دن میرا ذکر کیا ہو یا کسی بھی موقع پر مجھ سے ڈر گیا ہو۔

باب ۹

(۲۵۲۰) اِنِّىْ لَاَعْرِفُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ قَدْ اَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ قَالَ فَيُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ اَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَيَرْجِعُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ قَدْ اَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ قَالَ فَيُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِىْ كُنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ لَهُ فَاِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ اَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُ بِىْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں جہنم سے نکلنے والے آخری شخص کو جانتا ہوں یہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے جہنم سے نکلے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار لوگ تو اپنی جگہ پر پہنچ چکے ہیں تو آپ ﷺ فرماتے ہیں اس سے کہا جائے گا تم جنت کی طرف چلے جاؤ تو وہ دیکھے گا کہ لوگ اپنی جگہ پر پہنچ چکے ہیں وہ واپس آئے گا اور عرض کرے گا اے میرے پروردگار لوگوں نے تو اپنی جگہ حاصل کر لی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں تو اس سے کہا جائے گا کیا تم اس وقت کو یاد کرو گے؟ جس صورت حال میں تم پہلے تھے تو وہ جواب دے گا جی ہاں تو اس سے کہا جائے گا تم نے جو آرزو کی ہے وہ اب تمہارا ہوا اور اس کا دس گناہ مزید تمہارا ہوا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں وہ عرض کرے گا یہ کیا تو میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے جبکہ تو بادشاہ ہے؟ راوی بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں نظر آنے لگی۔

(۲۵۲۱) اِنِّیْ لَاَعْرِفُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِّنَ النَّارِ وَاٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ یُؤْتٰی بِرَجُلٍ فَیَقُوْلُ سَلُوْا عَنْ صِغَارِ ذُنُوْبِهٖ وَاخْبَئُوْا كِبَارَهَا فَیُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ كَذَا وَ كَذَا یَوْمَ كَذَا وَ كَذَا عَمِلْتَ كَذَا وَ كَذَا فِیْ یَوْمِ كَذَا وَ كَذَا قَالَ فَیُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَیِّئَةٍ حَسَنَةً قَالَ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ لَقَدْ عَمِلْتُ اَشْیَاءَ مَا اَرَاهَا هَاهُنَا قَالَ فَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ضَحِكَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں جہنم سے نکلنے والے سب سے آخری اور جنت میں داخل ہونے والے سب سے آخری شخص کو جانتا ہوں ایک شخص کو لایا جائے گا تو پروردگار فرمائے گا اس سے اس کے چھوٹے گناہوں کے بارے میں سوال کرو اور اس کے بڑے گناہوں کو چھپا کر رکھو پھر اسے کہا جائے گا کیا تمہیں یاد ہے فلاں فلاں دن تم نے یہ عمل کیا تھا؟ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں تو اس سے کہا جائے گا تمہاری ہر ایک برائی کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں تو وہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میرے کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آرہے راوی بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرا دیئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے کنارے کے دانت نظر آنے لگے۔

(۲۵۲۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُعَذَّبُ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ التَّوْحِیْدِ فِی النَّارِ حَتّٰی یَكُوْنُوْا فِیْهَا حُمَمًا ثُمَّ تُدْرِكُهُمُ الرَّحْمَةُ فَیُخْرَجُوْنَ وَیُطْرَحُوْنَ عَلٰی اَبْوَابِ الْجَنَّةِ قَالَ فَیَرُشُّ عَلَیْهِمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْمَاءَ فَیَنْبُتُوْنَ كَمَا یَنْبُتُ الْغُثَاءُ فِیْ حُمَالَةِ السَّیْلِ ثُمَّ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اہل توحید میں سے کچھ لوگوں کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لوگ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے پھر رحمت انہیں آلے گی اور وہ وہاں سے نکالے جائیں گے انہیں جنت کے دروازوں پر ڈال دیا جائے گا آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر اہل جنت ان پر پانی بہائیں گے تو وہ یوں پھوٹ پڑیں گے جیسے سیلابی پانی کی گزرگاہ میں کوئی دانہ اگتا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر وہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

(۲۵۲۳) یُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں سے ہر ایسا شخص نکل جائے گا جس کے دل میں چھوٹی چیونٹی کے برابر ایمان ہوگا۔

(۲۵۲۴) اِنَّ رَجُلَیْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اشْتَدَّ صِیَاحُهُمَا فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ اَخْرِجُوْهُمَا فَلَمَّا اُخْرِجَا قَالَ لَهُمَا لِاَیِّ شَیْءٍ اشْتَدَّ صِیَاحُكُمَا قَالَا فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَرْحَمَنَا قَالَ اِنَّ رَحْمَتِیْ لَكُمَا اَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِیَا اَنْفُسَكُمَا حَیْثُ كُنْتُمَا مِنَ النَّارِ فَیَنْطَلِقَانِ فَیُلْقِیْ اَحَدُهُمَا نَفْسَهٗ فَیَجْعَلُهَا عَلَیْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا وَّیَقُوْمُ الْاٰخَرُ فَلَا یُلْقِیْ نَفْسَهٗ فَیَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُلْقِیَ نَفْسَكَ كَمَا اَلْقٰی صَاحِبُكَ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ اِنِّیْ لَاَرْجُوْا اَنْ لَّا تُعِیْدَنِیْ فِیْهَا بَعْدَ مَا اَخْرَجْتَنِیْ فَیَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ لَكَ رَجَاؤُكَ فَیَدْخُلَانِ جَمِیْعًا الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں داخل ہونے والے دو آدمی زور سے چلائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان دونوں کو نکالو جب ان دونوں کو نکال دیا جائے گا تو ان سے دریافت کیا جائے گا تم کس وجہ سے چیخ و پکار کر رہے تھے؟ وہ عرض کریں گے ہم ایسا اس لیے کر رہے تھے تاکہ تو ہم پر رحم کرے پروردگار فرمائے گا میری تمہارے لیے رحمت یہی ہے تم دونوں واپس جاؤ اور اپنے آپ کو وہیں ڈال دو پہلے جس جگہ تم جہنم میں تھے تو وہ دونوں چل پڑیں گے ان میں سے ایک شخص خود کو اس میں ڈال دے گا تو اللہ تعالیٰ اس آگ کو اس کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی کردے گا دوسرا شخص کھڑا رہے گا وہ خود کو جہنم میں نہیں ڈالے گا تو پروردگار اس سے فرمائے گا تم نے اپنے آپ کو اس طرح جہنم میں کیوں نہیں ڈالا؟ جیسے تمہارے ساتھی نے ڈال دیا ہے تو وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار مجھے یہ امید ہے کہ جب تو نے مجھے یہاں سے نکال دیا تو اب تو دوبارہ مجھے اس میں نہیں ڈالے گا تو پروردگار اس سے فرمائے گا تمہیں تمہاری امید کے مطابق ملتا ہے پھر وہ دونوں ایک ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۲۵۲۵) لَيَخْرُجَنَّ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي يُسَمُّوْنَ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری شفاعت کی وجہ سے میری امت کے کچھ لوگ جہنم سے نکلیں گے اور (جنت میں) ان کا نام جہنمی (یعنی جہنم سے نکل کر آئے ہوئے) رکھا جائے گا۔

(۲۵۲۶) مَارَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ طَالِبُهَا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جہنم کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس سے بھاگنے والا شخص سو جائے اور میں نے جنت کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس کا طلب گار سو جائے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دس حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں دو مضمون ہیں: پہلی حدیث باب کے پہلے جزء سے متعلق ہے، اور باقی حدیثیں دوسرے جز سے متعلق ہیں۔ سانس لینے کی دو صورتیں ہیں:

① باہر سے ہوا اندر لینا پھر اس کو باہر نکالنا، حیوانات اسی طرح سانس لیتے ہیں۔

② اندر کی گیس باہر نکالنا، جمادات اسی طرح سانس لیتے ہیں، انجن اسی طرح گیس پھینکتے ہیں، یہی ان کا سانس لینا ہے، جہنم بھی اسی طرح دو سانس لیتی ہے، ایک گرمیوں میں ایک سردی میں، اس کے سرد سانس سے دنیا میں سخت سردی ہوتی ہے، اور اس کے گرم سانس سے جھلسا دینے والی لو چلتی ہے۔

چنانچہ کافروں کو جس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا اسی طرح زمہریر یعنی سخت ٹھنڈک کا عذاب بھی انہیں دیا جائے گا دنیا میں اس حرارت و برودت کا ظہور سورج کے ذریعہ ہوتا ہے زمین کا جو خطہ جس قدر سورج کے قریب ہوتا ہے اس میں شدید گرمی اور جو ممالک جس قدر اس سے دور رہیں اسی قدر ان میں گرمی کم اور سردی زیادہ ہوتی ہے اور جو علاقے سورج سے نہ تو بہت دور ہیں اور نہ بہت قریب ان میں سردی اور گرمی کا توازن برابر ہی رہتا ہے۔ (الکواکب الدری ۳، ۳۲۳)

حدیث (۲) تشریح: جہنم سے نکالو یہ خطاب قیامت کے دن ان سفارش کرنے والوں سے ہوگا جن کی سفارش قبول کی جائے گی، ان سے کہا جائے گا۔ تم جس کے لئے سفارش کر رہے ہو اگر اس کے دل میں ایمان ہے، اگرچہ کم سے کم درجہ کا ہے، اس کو جہنم

سے نکال لو۔ دل میں جو کے دانے کے برابر، یا گیہوں کے دانے کے برابر، یا مکئی کے دانے کے برابر، یا چنے کے دانے کے برابر خیر ہے: اس سے یہی لا الہ الا اللہ کہنا مراد ہے، یعنی خواہ کسی درجہ کا ایمان ہو، کمزور سے کمزور ایمان ہو اسے بھی جہنم سے نکال لو۔

حدیث (۹) تشریح: نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کو جنتی: جہنمی کہہ کر پکاریں گے، پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: هٰؤ لاء عتقاء اللہ: یعنی یہ جہنمی نہیں ہیں، بلکہ جہنم سے آزاد کردہ ہیں، اور مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کا یہ نام ہٹا دیں گے یعنی جنتی اس نام سے پکارنا چھوڑ دیں گے، اور یہ حدیث بخاری شریف میں کتاب الرقاق کے آخر میں ہے۔ (حدیث ۶۵۶۶)

اشتکت النار سے کیا مراد ہے؟

(۱) جمہور علماء کے نزدیک اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ آخرت میں جہنم اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گی اس کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

(۲) علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مجازی معنی مراد ہیں چنانچہ ان کے نزدیک شکایت سے جہنم کا جوش مارنا بعض کا بعض کو کھانے سے اس کے اجزاء کا ازدحام اور سانس لینے سے وہ عذاب مراد ہے جو جہنم سے نکلے گا۔

"اتسخر بی وانت الملك" کیا آپ میرے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کر رہے ہیں اس تحریہ سے یہاں کیا مراد ہے؟

(۱) ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخریہ کی نفی کرنا مقصود ہے معنی یہ ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ مزاح نہیں کر رہے کیونکہ آپ رب العالمین ہیں اور جو نعمتیں آپ نے مجھے عطاء فرمائی ہیں وہ بھی حق ہیں بس تعجب اس بات پر ہے کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطاء کیا ہے جبکہ میں تو اس کا اہل نہیں تھا اس میں ہمزہ استفہام برائے نفی ہے۔

(۲) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملے سے تحریہ کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہ جملہ اس سے فرط مسرت کی وجہ سے صادر ہوگا جیسا کہ حدیث میں ایک بزرگ کا جملہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے فرط محبت میں یوں کہہ دیا: انت عبدی وانا ربک (تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں)۔

اس باب کی آخری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی خوفناک چیز سے یا کسی ظالم دشمن سے جان بچانے کے لیے بھاگتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش کرتا ہے۔

لیکن دوزخ اور جہنم کے بارے میں انسانوں کا عجیب حال ہے حالانکہ دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہیں اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لیے رات دن ایک کیا جائے اللہ کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کیا جائے۔

غرض یہ کہ جنت کے حصول اور جہنم سے بچنے کے لیے ضروری ہے احکام کی مکمل اطاعت اور اس کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

لغات: نَفَس: سانس زمهر یر سخت ٹھنڈک سموم گرم لو شدید گرمی مایزن شعیرة جو کے وزن کے برابر بُرة گیہوں گندم ذَرة: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے معمولی ذرہ انتہائی باریک ذرہ مطلب یہ ہے کہ جس دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ زحفاء: زمین پر گھسٹتا ہوا بدت نواجذة نواجذ جمع ہے ناجذة کی ڈاڑھیں معنی یہ ہیں کہ

آپ ﷺ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ اخبئو: تم چھپا دو کبار کبیرۃ کی جمع ہے بڑے گناہ کبیرہ گناہ حمما حممۃ کی جمع ہے: کوئلے تلد کھم رحمت الٰہی ان کو پالے گی یطرحون صیغہ مجہول انہیں ڈالا جائے گا یرش صیغہ معروف چھڑکیں گے ینبتون وہ اگے گیں غثاء سیلاب کے ساتھ بہ کر آنے والا دانہ خس وخاشاک حمالۃ السیل وہ خس وخاشاک اور دانہ جسے ندی کا پانی اور سیلاب بہالے اٹھالے صیاحھما: ان دونوں کی چیخ وپکار۔ برداوسلاما: ٹھنڈی اور سلامتی والی۔ ان لا تعیدنی یہ کہ تو مجھے دوبارہ نہیں لوٹائے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ اَنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ النِّسَاءُ

باب ۱۰: دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی

(۲۵۲۷) اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جنت میں جھانکا تو مجھے اس میں اکثریت غریب لوگوں کی نظر آئی اور میں نے جہنم میں جھانکا تو مجھے اس میں اکثریت خواتین کی نظر آئی۔

(۲۵۲۸) اطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ وَالطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں نے جہنم میں جھانکا تو مجھے اس میں اکثریت خواتین کی نظر آئی اور میں نے جنت میں جھانکا تو مجھے اکثریت غریب لوگوں کی نظر آئی۔

تشریح: اعتراض: کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی ہوگی جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو دو دو عورتیں ملیں گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں زیادہ عورتیں ہوں گی؟

جواب ①: ابتداء جہنم میں عورتیں زیادہ ہوں گی شوہر کی ناشکری وغیرہ کی وجہ سے مگر چونکہ وہ اہل ایمان ہوں گی اس لیے سزاء بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گی تو پھر جنت میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے۔ (فتح الباری ۶/ ۴۰۱)

جواب ②: حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ جنت کی یہ دو بیویاں جنت کی حوروں میں سے ہوں گی جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ (فیض الباری ۱/ ۱۱۷)

جواب ③: بعض نے یہ جواب دیا کہ عورتوں کی تعداد چونکہ دنیا میں زیادہ ہے اس لیے عورتوں کی تعداد جنت میں جنت کے مردوں سے زیادہ ہوگی اور جہنم میں ان کی تعداد جنت کی عورتوں اور جہنم کے مردوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ (الکوکب الدری ۳/ ۳۲۵)

جنت میں غریبوں کی تعداد دو وجہ سے زیادہ ہوگی:

پہلی وجہ: دنیا میں غریبوں کی تعداد زیادہ ہے، پس جنت میں بھی ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔

دوسری وجہ: غریبوں کو دنیا میں حرام اور ناجائز کاموں سے زیادہ واسطہ نہیں پڑتا، اس لئے آخرت میں بھی ان کے پاس حساب کا جھمیلا نہیں ہوگا۔

باب

باب: وہ جہنمی جسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا

(۲۵۲۹) اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ فِي اَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جہنم میں سب سے کمتر عذاب اس شخص کو ہوگا جس کے تلووں کے نیچے آگ کے دو انگارے رکھے جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھولے گا۔

تشریح: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بخاری ومسلم میں اس طرح ہے۔ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اوران کے تسمے آگ کے ہوں گے، ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح چولہے پر دیگچی کھولتی ہے، وہ نہیں خیال کرے گا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں ہے یعنی وہ خود کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا، حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ اس رجل سے آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب مراد ہیں جو اگر چہ حالت کفر میں مرے تھے لیکن چونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مشکل وقت میں بڑی مدد ونصرت کی تھی اس لیے انہیں جہنم کا سب سے خفیف عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمام مسلمانوں کو اس عذاب سے محفوظ فرمائے۔

باب

خاکساری اچھا وصف ہے اور گھمنڈ بُرا

(۲۵۳۰) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَكَبِّرٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں بتاؤں؟ ہر وہ شخص جو بظاہر بے حیثیت لگتا ہو اور کمزور (نظر آتا ہو) لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھالے تو اللہ تعالیٰ اسے پوری کردے (وہ جنتی ہوگا) اور کیا میں تمہیں اہل جہنم کے بارے میں بتاؤں؟ سرکش بد دماغ متکبر شخص (جہنمی ہوگا)۔

لغات: کل ضعیف: اور کل عتل سے پہلے ھم مبتدا محذوف۔ الضعیف: کمزور۔ المتضعف: (اسم مفعول) ناتواں قرار دیا ہوا، یعنی جس کو لوگ حقیر سمجھیں، اور اس کی حالت کی کمزوری کی وجہ سے اس پر ظلم کریں اور بعض نے اس کو متضعف (اسم فاعل) پڑھا ہے، اس صورت میں معنی ہوں گے: ناتواں ہونے والا یعنی بے حیثیت، گمنام، ابر الیمین: قسم کو پورا کرنا۔ العتل: اکھڑ مزاج۔ الجواظ: اکڑ کر چلنے والا۔ جاظ (ن) جوظًا: اکڑ کر چلنا۔

حدیث کا مطلب: یہ ہے کہ تواضع اور خاکساری وصف محمود ہے، جب وہ انتہائی درجہ کی دینداری کے ساتھ جمع ہو تو وہ جنت نشین

بنانے والا ہے، اس لئے فرمایا: ہر کمزور، کمزور قرار دیا ہوا کہ اگر وہ بظاہر نوشتہ تقدیر کے خلاف قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کر دیں، یہ اس کی انتہائی دینداری کی علامت ہے، پس جب یہ بات تواضع کے ساتھ ہو تو وہ دخول جنت کا سبب ہوگی۔ اسی طرح جہنم میں لے جانے والا وصف گھمنڈ ہے، اور اس کے ساتھ کفر وغیرہ کی کوئی قید نہیں، پس مؤمن بھی اگر اکھڑ مزاج اکڑ کر چلنے والا گھمنڈی ہے تو جہنم میں جائے گا، پناہ بخدا۔

ماقبل سے ربط: ابواب الزھد سے تعلق رکھنے والے ابواب پورے ہوئے، اب ایمان کا بیان شروع کرتے ہیں، کیونکہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اسی لئے قرآن وحدیث کی متعدد آیات میں عمل صالح کے ساتھ ایمان کی قید آئی ہے، سورۃ النساء آیت ۱۲۴ میں ہے: ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾

ایمان کا لغوی معنیٰ:

یعنی کسی کے اعتماد واعتبار پر اس کی بات کو سچا ماننا۔

ایمان کی شرعی تعریف:

جمہور محققین نے اس کی تعریف کی التصدیق بما علم مجیئی النبی ﷺ به ضرورۃ تفصیلا فیما علم تفصیلا واجمالا فیما علم اجمالا۔ (فتح الملھم: ۱/۴۲۷) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کی تصدیق کرنا جس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے قطعی طور پر ہے اور یہ بات ضرورۃ یعنی بداھۃ معلوم ہو اگر آپ سے اس شئ کا علم تفصیلی طور پر حاصل ہوا ہے تو اس پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے اور جس شئ کا علم آپ سے اجمالی طور پر ہوا ہے تو اس پر اجمالی ایمان کافی ہے۔

ضرورۃ: سے وہ امور مراد ہیں جو نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر اور دلیل قطعی سے ثابت ہوں اور وہ اس درجہ مشہور ہوں کہ عام لوگوں کی ایک کثیر جماعت اسے جانتی ہو، ایمان شرعی کا تعلق درحقیقت ایسے امور غیب سے ہے جن کو ہم آلات احساس و ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم کرسکتے، اس لئے قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ (بالغیب) کی قید آئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، ان کی صفات، اوران کے احکام، رسولوں کی رسالت، ان پر وحی کی آمد، اور مبدا ومعاد کے تعلق سے: ان حضرات نے جو اطلاعات دی ہیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر دل سے قبول کرنے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے

اُمورِ ایمان:

اُمورِ ایمان کو عقائدِ اسلام بھی کہا جاتا ہے، یہ عقائد اگر پھیلائے جائیں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں پچاس عقیدے بیان کئے ہیں، لیکن اگر ان کو سمیٹا جائے تو وہ چھ عقیدے ہیں، جن کا ذکر حدیث جبرئیل میں آیا ہے، اور جن کو ایمان مفصل میں لیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر) اور بھلی بُری

تقدیر پر ایمان لانا، اور اگر مزید سمیٹا جائے تو صرف دو بنیادی عقیدہ لا الٰہ الا اللہ ہے، مگر یہ وہ لا الٰہ الا اللہ ہے جس میں رسالت محمدی وغیرہ تمام عقائد شامل ہیں۔

(۱) اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے موجود، وحدہ لاشریک لہ، خالق کائنات، اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے اور ہر عیب ونقص سے ان کو پاک اور ہر صفت کمال سے انکو متصف مانا جائے۔

اسلام کے معنی:

اسلام کے لغوی معنی ہیں خود کو کسی کے سپرد کر دینا اور بالکل اسی کے تابع اور فرمانبردار ہو جانا، اور اصطلاحی معنی ہیں: اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کو اپنا دستور زندگی بنانا، اور اللہ کے احکام کا مطیع ہونا، سورۃ الحج آیت ۳۴ میں ہے: ﴿فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا﴾ اللہ ہی تمہارے ایک معبود ہیں، پس تم اسی کے مطیع ہو جاؤ، اور سورۃ النساء میں ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ (النساء:۱۲۵) اور اس سے بہتر کون ہے جس نے خود کو خدا کے سپرد کر دیا؟

اسلام کی اصل روح:

اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ خود کو کلی طور پر اللہ کے حوالہ کر دے، اور ہر پہلو سے ان کا مطیع وفرمانبردار بن جائے، پھر انبیاء کی شریعتوں میں کچھ مخصوص بنیادی اعمال کا بھی حکم دیا گیا ہے جو دین کے پیکر محسوس ہوتے ہیں، اور اس باطنی حقیقت کی نشوونما اور اس کی تازگی کا مدار انہی مخصوص ارکان پر ہوتا ہے، اس لئے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کو دستور حیات بنائیں، انہی ارکان پر اسلام کا اطلاق کیا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں یہ ارکان پانچ ہیں: ① توحید خداوندی، اور رسالت محمدی کی گواہی دینا، یعنی منکروں کو اسلام کے یہ دو بنیادی عقیدے پہنچانا ② نماز ③ زکوٰۃ ④ روزہ ⑤ اور بیت اللہ شریف کا حج، ان پانچ چیزوں کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے، آگے حدیث آرہی ہے کہ اسلام کی بنیاد انہی پانچ چیزوں پر ہے۔

ایمان اور اسلام کے درمیان نسبتوں کا بیان:

کہ ایمان اور اسلام کا استعمال شریعت میں تین طرح سے منقول ہے گویا ان کے درمیان تین طرح کی نسبتیں ہیں:

(۱) **تساوی:** بعض کے نزدیک اسلام اور ایمان دونوں مترادف ہیں جو معنی ایمان کے ہیں وہی اسلام کے بھی ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ تساوی کی نسبت ہے ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی سورۃ الذاریات کی وہ آیات ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھرانے کا ذکر ہے:

﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الذاریات:۳۶)

"(جب ان بستیوں پر عذاب کا وقت قریب آیا) تو ہم نے جتنے ایمان دار تھے سب کو وہاں سے علیحدہ کر دیا سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا۔"

اس بستی میں بالاتفاق ایک ہی گھر مسلمانوں کا تھا یعنی حضرت لوط علیہ السلام کا گھرانہ انہیں کو مومن بھی کہا اور مسلم بھی، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں ترادف اور تساوی کی نسبت ہے۔

(۲) **تباین:** دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان اور اسلام کے درمیان تباین ہے لیکن تباین کے باوجود دونوں آپس میں ایک دوسرے کو

متلازم ہیں۔ کہ ایمان تصدیق قلبی کا اور اسلام اقرار باللسان اور ظاہری طور پر اطاعت کا نام ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات:۱۴) کہ اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ ابھی تک توتم ایمان نہیں لائے اس لیے تم لوگ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں فرق اور تباین ہے۔

حدیث جبرائیل میں بھی ایمان اور اسلام کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کا اور اسلام اقرار باللسان اور ظاہری طور پر اطاعت کا نام ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات:۱۴) کہ اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ ابھی تک توتم ایمان نہیں لائے اس لیے تم لوگ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں فرق اور تباین ہے۔

(۳) **تداخل:** یعنی عام خاص مطلق کی نسبت: ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا: ای العمل افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے) آپ نے فرمایا ایمان باللہ جبکہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ارشاد ہے: فای الاسلام افضل؟ آپ ﷺ نے فرمایا الایمان اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام میں تداخل کی نسبت ہے اس صورت میں اسلام عام ہوگا کیونکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے اور زبان و اعضاء سے بھی جبکہ ایمان کا تعلق صرف قلب سے ہے۔

فائدہ: اب یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس مقام پر اسلام اور ایمان کے درمیان یہ نسبت ہے؟ تو اس کے بارے میں شراح فرماتے ہیں کہ اگر اسلام اور ایمان ساتھ ساتھ مذکور ہوں اور سوال کے طور پر ذکر کئے جائیں تو اس وقت ان کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں یہ دونوں کلمے ساتھ ساتھ ہیں اور سوال کے موقع پر ہیں اگر ایک ساتھ نہ ہوں یا مقام سوال میں نہ ہوں تو پھر ان کے درمیان تداخل کی نسبت مراد ہوگی۔

اور حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ فقیر اور مسکین کی طرح ہیں جب ایک ساتھ ساتھ بولے جائیں تو ان میں تباین کی نسبت ہوگی یعنی ان کے الگ الگ معنی مراد ہوتے ہین اور جب الگ الگ مذکور ہوں تو ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں یعنی ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔ (فتح الملہم ۱/۴۲۸)

مگر نصوص میں ایمان و اسلام ایک دوسرے کی جگہ بھی مستعمل ہوئے ہیں، عقائد پر اسلام کا اطلاق کیا گیا ہے، اور اعمال پر ایمان کا، اس لئے طلبہ کو احادیث پڑھتے ہوئے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ

باب ۱: ایمان قبول کرنے پر جنگ بند کرنا ضروری ہے

(۲۵۳۱) اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَاِذَا قَالُوْهَا مَنَعُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا

بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ یہ اعتراف نہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے جب وہ یہ اعتراف کرلیں گے تو وہ اپنے خون اور اپنے اموال کو مجھ سے محفوظ کرلیں گے البتہ ان کا حق باقی رہے گا اور ان لوگوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔

(۲۵۳۲) لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهٗ كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاَبِيْ بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللهِ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَاللهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الزَّكٰوةِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهٗ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهٖ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَوَاللهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَاَيْتُ اَنَّ اللهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ.

ترجمہ: جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا اور ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو کچھ عرب کافر ہوگئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ ایسے لوگوں کے ساتھ کیسے جنگ کریں گے؟ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ یہ اعتراف نہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور جو شخص یہ اعتراف کرلے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو وہ اپنے مال کو اور اپنی جان کو مجھ سے محفوظ کرلے گا اور اس کا حق باقی رہے گا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں ایسے شخص کے ساتھ ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کرے گا کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اگر وہ لوگ مجھے ایسی رسی دینے سے بھی انکار کریں جو نبی اکرم ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں ان کے اس انکار کرنے پر بھی ان لوگوں کے ساتھ جنگ کروں گا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اس وقت مجھے یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا کیا ہے اور مجھے پتہ چل گیا کہ ان کی رائے ٹھیک ہے۔

تشریح: اعتراض: اس حدیث سے تو یہ معلوہ ہوتا ہے کہ کفار سے بہر حال قتال کیا جائے گا الا یہ کہ وہ اسلام قبول کرلیں حالانکہ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ مناسب موقع پر کفار سے صلح بھی کی جاسکتی ہے۔

جواب ①: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ابتداء اسلام کی ہو اور جزیہ وصلح کا حکم بعد میں نازل ہوا ہو۔ (شرح الطیبی ۱،۱۲۹)

جواب ②: اس سے اہل کتاب کے علاوہ مشرکین مکہ اور بت پرست مراد ہیں گویا صلح کا حکم پہلے تھا لیکن بعد میں مشرکین عرب کے لیے صلح کا حکم نہیں رہا بلکہ ان کے بارے میں یہ حکم ہے۔

اما السیف واما الاسلام۔ "یعنی اسلام قبول کرو ورنہ لڑائی ہوگی۔"

جواب ③: حدیث میں قتال سے مراد ہے لڑائی اور وہ چیز جو قتال کے قائم مقام ہو خواہ جزیہ ہو یا معاہدہ صلح ہو اس سے معلوم ہوا کہ

لفظ قتال میں جزیہ اور صلح دونوں داخل ہیں

جواب④: اس حدیث میں جنگ بندی کا بیان ہے، دشمن اگر جنگ کے دوران ایمان لے آئے تو فوراً جنگ بند کرنا ضروری ہے، خواہ اس نے مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو، جب وہ ایمان لے آیا تو وہ ہمارا دینی بھائی ہے، اب اس سے لڑنا جائز نہیں اور جس طرح یہ حکم دشمن قوم کے لئے ہے: فرد کے لئے بھی ہے، کوئی فرد دوران جنگ صدق دل سے کلمہ پڑھ لے تو اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔

کفر من العرب: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے قبیلہ غطفان فزارہ اور بنی سلیم وغیرہ مراد ہیں کہ انہوں نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس فتنہ کے وقت اسلام سے روگردانی کرنے والے لوگ تین طرح کے تھے:

(۱) بعض لوگوں نے اسلام چھوڑ کر بت پرستی کی راہ اختیار کرلی۔

(۲) اور بعضوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے دار مسیلمہ اور اسود عنسی کی تصدیق اور پیروی شروع کر دی چنانچہ اہل یمامہ نے مسیلمہ کذاب کی اور صنعاء کے باشندوں نے اسود عنسی کو اپنا نبی مان لیا تھا بعد میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔

(۳) تیسرا طبقہ وہ تھا جو دین اسلام پر برقرار تھا لیکن انہوں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا یا بقول بعض اسکی ادائیگی کا انکار کر دیا تھا اور تاویل میں یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کی آیت ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (التوبہ:۱۰۳) کے مطابق زکوٰۃ کا حکم صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھا۔

ان تین قسموں میں سے پہلی دو قسم کے لوگ تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک کافر تھے۔ ان سے لڑائی کرنے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو کوئی اعتراض اور تامل نہیں تھا البتہ تیسرے طبقہ کے لڑائی کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ذرا تامل تھا کہ بظاہر یہ کلمہ اسلام پڑھتے ہیں ایسے میں اگر ان سے اس وقت لڑائی کی گئی تو حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں گے لیکن جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں حقیقت حال بتائی تو پھر وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے اور ان کا اس بات پر شرح صدر اور یقین کامل ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایمانی فراست اور ان کے تدبر نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ میں ان سے ضرور جنگ کروں گا اس کا مطلب یہ ہیکہ اگر وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہو گئے ہیں تو میں ان کے کفر اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے لڑائی کروں گا اس صورت میں کفر من کفر سے کفر کے حقیقی معنی مراد ہوں گے اور اگر وہ زکوٰۃ کے منکر نہ ہوں بلکہ زکوٰۃ ادا نہ کر رہے ہوں تو پھر ان سے میری جنگ شعار اسلام کی حفاظت اور اس فتنہ کے سد باب کے لیے ہوگی اس صورت میں ان پر کفر کا اطلاق مجازاً ہوگا کیونکہ ان کا زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا جزم انتہائی شدید ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه: کہنے سے مراد پورا دین اسلام قبول کرنا ہے، دوسرے باب کی پہلی حدیث میں یہ بات صراحتاً آرہی ہے، محض کلمہ پڑھ لینا مراد نہیں، اور الا بحقها کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر لوگ کوئی ایسا جرم کریں جس کی سزا اللہ کے قانون میں جان یا مال لینا ہو تو حکم خداوندی کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی، ایمان لانے سے اور مسلمان کہلانے سے وہ قانونی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے، اور ضمیر مؤنث کلمۃ الاسلام کی طرف لوٹے گی۔

اَنَّ اللّٰهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ اَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان مانعین زکوٰۃ سے بھی بر بنائے ارتداد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جنگ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے انھوں نے مذکورہ حدیث سے معارضہ کیا مگر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ وہ اس بنیاد پر جنگ نہیں کررہے، بلکہ ملت کی شیرازہ بندی کے لئے یہ اقدام کررہے ہیں، جیسے کسی علاقہ کے مسلمان اذان نہ دینے پر اجماع کرلیں تو ان سے جنگ کی جائے گی، اور یہ جنگ بربنائے ارتداد نہیں ہوگی بلکہ ملت کی اجتماعیت برقرار رکھنے کے لئے ہوگی، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح یہ لوگ اجتماعی طور پر نمازیں ادا کرتے ہے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو تسبیح کے دانے بکھر جائیں گے، اور ملت میں یک جہتی باقی نہیں رہے گی یہ نکتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں بہت دیر میں آیا اور اس کے بعد ان کو شرح صدر ہوگیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح ہے، پھر مانعین زکوٰۃ سے قتال کی نوبت نہیں آئی، وہ مدینہ کو زکوٰتیں کے لئے تیار ہوگئے۔

فائدہ: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتوں کی پیروی ضروری ہے، حدیث شریف میں اس کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ وہ سنتیں ہیں جو ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھتی ہیں، اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پہلی سنت (دینی طریقہ) ہے کہ جو کام اجتماعی طور پر انجام دینے ضروری ہیں اگر ان میں افتراق پیدا کیا جائے تو ان سے جنگ کی جائے گی۔

کفر کی تعریف:

انکار ماثبت من الدین ضرورۃ: دین کی اس بات کا انکار کرنا جو قرآن وسنت سے قطعی طور پر ثابت ہو اور اس کے معنی اور مفہوم بھی قطعی ہو اور جس کے بارے میں ہر خاص وعام مسلمان کو معلوم ہو کہ یہ دین کا حصہ ہے پھر اگر وہ انکار کرتا ہے تو یہ کفر ہوگا لہٰذا اگر دین کا کوئی امر قطعی ہے مگر لوگوں کو عام طور سے معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں اس کا انکار کرنا کفر نہیں ہوگا ہاں فسق ضرور ہوگا۔

کفر کی اقسام:

کفر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) **کفر انکار:** یہ وہ کفر ہے کہ انسان کے دل میں بھی انکار ہو اور زبان پر بھی انکار ہو نہ دل میں تصدیق ہو اور نہ زبان سے تسلیم واقرار ہو یہ عام کافروں کا کفر ہے۔

(۲) **کفر جحود:** وہ ہے کہ دل سے وہ پہنچانتا ہے اسلام کی حقانیت سمجھتا ہے لیکن زبان سے انکار کرتا ہے جیسے شیطان کا کفر کہ دل سے وہ سب کچھ جانتا ہے سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود زبان سے انکار کرتا ہے۔

(۳) **کفر عناد:** اس سے مراد یہ ہے کہ ایک انسان ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن دوسرے دین سے برات کا اظہار کر کے رسول کی اطاعت اور اتباع کے لیے تیار نہیں جسے ہرقل اور ابوطالب کا کفر۔

(۴) **کفر نفاق:** کہ زبان سے تو اقرار کرتا ہے التزام طاعت کا بھی اظہار کرتا ہے لیکن دل میں انکار موجود ہے دل سے قبول کرنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں

لغات: عصمو: وہ بچالیں گے دماء دم کی جمع ہے خون جانیں مراد ہیں۔ **الا بحقھا:** مگر اس کلمے کے حق کے ساتھ، **حسابھم علی اللہ:** ان کا حساب اللہ پر ہے یعنی اگر زبان سے کلمہ پڑھ لیں اور اگر اس نے منافقانہ انداز سے اسلام قبول کیا ہے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے لیں گے تاہم دنیا میں اس پر ایک مسلمان کے احکام جاری ہوں گے۔ **استخلف:** صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوگئے۔ **عِقال:** وہ رسی جس سے صدقے کے اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ قَوْلِ النَّبِیِّ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ...الخ

باب ۲: اس وقت تک جنگ ہے جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی نہ دیں

(۲۵۳۳) اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنْ یَّسْتَقْبِلُوْا قِبْلَتَنَا وَیَاْکُلُوْا ذَبِیْحَتَنَا وَاَنْ یُّصَلُّوْا صَلَاتَنَا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ حُرِّمَتْ عَلَیْنَا دِمَاؤُهُمْ وامو الُهم اِلَّا بِحَقِّهَا لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِیْنَ وَعَلَیْهِمْ مَا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور رسول ہیں اور وہ لوگ ہمارے قبلہ کی طرف رخ نہ کریں اور ہمارے ذبیحہ کو کھائیں نہیں اور ہماری طرح نماز نہ پڑھیں جب وہ ایسا کرلیں گے تو ہمارے لیے ان کے خون اور ان کے اموال قابل احترام ہو جائیں گے البتہ ان کا حق باقی رہے گا اور انہیں ہر وہ حق حاصل ہوگا جو مسلمانوں کو حاصل ہے اور ان پر ہر وہ چیز لازم ہوگی جو مسلمانوں پر لازم ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ

باب ۳: اسلام کے ارکان پانچ ہیں

(۲۵۳۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَیْتِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا زکوۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔

تشریح: فائدہ: اور نوع بشری کی نیک بختی کا مدار اور نجات اخروی کا سرمایہ چار اخلاق ہیں: ① اخبات یعنی اللہ کے سامنے نیاز مند رہنا۔ ② طہارت یعنی پاکی اختیار کرنا۔ ③ سماحت یعنی فیاضی سے کام لینا۔ ④ اور عدل و انصاف برتنا اور نماز کے ذریعہ اخبات و نظافت بدست آتے ہیں، کیونکہ نماز کے لئے پاکی شرط ہے، اور نماز بارگاہ خداوندی میں اعلی درجہ کی نیاز مندی ہے، اور زکوٰۃ ادا کرنے سے فیاضی اور عدل کی صفات بدست آتی ہیں، کیونکہ شرائط کا لحاظ کر کے زکوٰۃ کی ادائیگی اعلی درجہ کی فیاضی ہے، اور یہی انصاف کی بات بھی ہے کہ مالدار اللہ کی بخشی ہوئی دولت میں سے غریبوں کا حق ادا کرے۔

پھر انسانوں کے لئے کوئی ایسی عبادت بھی ضروری ہے جو اس کی خواہشات پر قہرمان ہو، تاکہ اس کے ذریعہ نفسانی خواہشات کو دبایا جاسکے، اور ایسی عبادت روزہ ہے، اس مقصد کیلئے اس سے بہتر کوئی عبادت نہیں، اس لئے روزہ کو چوتھا رکن قرار دیا۔

اور اللہ کی شریعتوں میں ایک بنیادی حکم یہ بھی رہا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کی جائے، اور اسلام کے اہم شعائر چار ہیں: قرآن مجید،

کعبہ شریف، نبی اور نماز۔ حج کی عبادت کعبہ شریف کی تعظیم کے لئے مقرر کی گئی ہے، نیز اس کا ایک اہم مقصد جذبہ محبت کو مہمیز کرنا بھی ہے، ہر مؤمن کے دل میں محبت الٰہی کی چنگاری موجود ہے، اسکو روشن کرنا اور اس کو بھڑکا کر لاوا بنانا حج کی عبادت کا خاص مقصد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ وَصْفِ جِبْرَئِیْلَ لِلنَّبِیِّ ﷺ الْاِیْمَانَ وَالْاِسْلَامَ

باب ۳: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوالات اور نبی ﷺ کے جوابات

(ایمان، اسلام، احسان، وقت قیامت اور علامات قیامت کا بیان)

(۲۵۳۵) اَوَّلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقَدَرِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ قَالَ خَرَجْتُ اَنَا وَحُمَيْدُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَتّٰى اَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَقُلْنَا لَوْ لَقِيْنَا رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَاَلْنَاهُ عَمَّا اَحْدَثَ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ فَلَقِيْنَاهُ يَعْنِي عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ فَاكْتَنَفْتُهُ اَنَا وَ صَاحِبِي فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ قَوْمًا يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ وَيَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ وَيَزْعُمُوْنَ اَنْ لَا قَدَرَ وَاَنَّ الْاَمْرَ اُنُفٌ قَالَ فَاِذَا لَقِيْتَ اُولٰئِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنِّي مِنْهُمْ بَرِيٌّ وَاَنَّهُمْ مِنِّي بُرَآءُ وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ اَحَدَهُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا قُبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُ فَقَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَاَلْزَقَ رُكْبَتَهٗ بِرُكْبَتِهٖ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ فَمَا الْاِسْلَامُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ قَالَ فَمَا الْاِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فِي كُلِّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَهٗ صَدَقْتَ قَالَ فَتَعَجَّبْنَا مِنْهُ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَمَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَمَا اَمَارَتُهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ عُمَرُ فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ بِثَلَاثٍ فَقَالَ عُمَرُ هَلْ تَدْرِي مَنِ السَّائِلُ ذَاكَ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ اَمْرَ دِيْنِكُمْ.

ترجمہ: یحیٰ بن یعمر کہتے ہیں سب سے پہلے تقدیر کے بارے میں معبد جہنی نے کلام کیا (یعنی اس کا انکار کیا) یحیٰ کہتے ہیں میں اور حمید بن عبدالرحمٰن روانہ ہوئے ہم لوگ مدینہ منورہ آئے ہم نے سوچا کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی سے ہماری ملاقات ہوئی تو ہم ان سے ایسی باتوں کے بارے میں دریافت کریں گے جو اس قوم نے (تقدیر کے منکرین نے) نظریات پیش کئے ہیں تو ہماری ملاقات حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی وہ اس وقت مسجد سے باہر آرہے تھے یحیٰ بن یعمر کہتے ہیں میں نے اور میرے ساتھی نے انہیں گھیر لیا مجھے محسوس ہوا کہ میرا ساتھی مجھے بات شروع کرنے کا موقعہ دے گا تو میں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور علم بھی حاصل کرتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں تقدیر کی کوئی حقیقت نہیں ہے ہر کام خود سے ہوتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

نے فرمایا جب تم ان لوگوں سے ملو تو انہیں یہ بتادو کہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور ان لوگوں کا میرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے اس ذات کی قسم جس کے نام کی عبداللہ قسم کھاتا ہے اگر ان میں سے کوئی ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی اس کی طرف سے اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک وہ بری یا بھلی تقدیر پر ایمان نہیں لاتا یحییٰ بن یعمر بیان کرتے ہیں پھر انہوں نے گفتگو شروع کی اور یہ بات بیان کی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے ایک شخص آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید تھے اور بال انتہائی سیاہ تھے اس پر سفر کا کوئی نشان نہیں نظر آرہا تھا اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے اپنا گھٹنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے کے ساتھ ملا دیا پھر اس نے کہا اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاؤ اس نے دریافت کیا اسلام سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا زکوۃ ادا کرنا بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اس نے دریافت کیا احسان سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہر مرتبہ میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہتا رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک فرما رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمیں اس کی اس بات پر حیرت ہوئی کہ یہ خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے پھر اس دریافت کیا قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے اس بارے میں سوال کیا گیا وہ اس بارے میں سوال کرنے سے زیادہ نہیں جانتا اس نے عرض کی اس کی نشانیاں کیا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنیز اپنے آقا کو جنم دے گی تم ننگے پاؤں ننگے بدن غریب لوگوں بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو گے وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں اونچی عمارتیں تعمیر کریں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے تین دن کے بعد میری ملاقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اے عمر رضی اللہ عنہ کیا تم جانتے ہو کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ وہ جبریل علیہ السلام تھا وہ تمہارے پاس اس لیے آیا تھا کہ تمہیں تمہارے دین کے بارے میں تعلیم یہی دے۔

تشریح: اس حدیث کو حدیث جبرائیل کہا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ام السنۃ کہنا چاہیے جس طرح کہ سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی پورے قرآن کا خلاصہ اور بنیادی امور ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کس وقت ہوئی۔؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا یہ آنا حجۃ الوداع کے بعد ہوا ہے تا کہ ایک مرتبہ تمام مسلمانوں کو دین کا خلاصہ اور اہم امور سکھلا دیئے جائیں چنانچہ اس کے تین ماہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

وصف یصف وصفا وصفة: کے معنی ہیں: کیفیت وحالت بیان کرنا، اچھی یا بری صفت بیان کرنا۔

اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایمان و اسلام کی وضاحت نہیں کی، بلکہ انھوں نے سوالات کئے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات دیئے ہیں، پس وضاحت درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے مگر چونکہ اس کا سبب حضرت جبرئیل ؑ بنے تھے، اس لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی نسبت حضرت جبرئیل ؑ کی طرف کردی، پس یہ نسبت مجازی ہے۔

احسان: باب افعال کا مصدر ہے، اور اس کا ماخذ حسن (خوبی) ہے، پس احسان کے معنی ہیں: نکوکردن، یعنی اچھا بنانا، سائل نے تیسرا

سوال یہ کیا ہے کہ اسلام کے ارکان خمسہ کو اور دیگر تمام اعمال کو عمدہ طریقہ پر ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ نبی ﷺ نے اس کے دو طریقے بتائے ہیں؛ ایک اعلیٰ دوسرا ادنیٰ:

پہلا طریقہ: اس دنیا میں حقیقتاً اللہ کا دیدار ممکن نہیں، البتہ گویا کے درجہ میں ممکن ہے، یعنی استحضاری کیفیت اتنی بڑھ جائے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے پس اس حالت میں جو عبادت کرے گا وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوگی، جیسے غلام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرے جب وہ آقا کے سامنے ہو، اور یقین ہو کہ آقا اسے دیکھ رہا ہے، اس وقت غلام خوش اسلوبی سے وظائف خدمت انجام دیتا ہے، یہی حال بندوں کا ہے، اس وقت اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیاز مندی پیدا ہوگی، اور اس سے اعمال نہایت عمدہ کیفیت کے ساتھ وجود میں آئیں گے۔

دوسرا طریقہ: اور اگر یہ استحضاری حالت نصیب نہ ہو تو پھر اس عقیدہ کو تازہ کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بہر حال اسے دیکھ رہے ہیں، (سورۃ الانعام آیت ۱۰۳) میں ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ یعنی اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی، مگر وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتے ہیں، وہ بڑے باریک بین باخبر ہیں، اس لئے کوئی چیز ان سے مخفی نہیں۔ جب اس عقیدے کے ساتھ عبادت کرے گا تو بھی عبادت شاندار ہوگی،

فائدہ: کہ یہ حدیث نماز کے ساتھ خاص نہیں، حدیث میں تعبد کا لفظ ہے، جس کے معنی مطلق عبادت و بندگی کے ہیں، بلکہ ایک حدیث میں تخشی بھی آیا ہے، یعنی تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو، اور ایک دوسری روایت میں تعمل بھی آیا ہے، ان روایتوں سے واضح ہوا کہ احسان کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔

احسان کے تین درجے ہیں:

(۱) تمام عبادات کو ان کے فرائض ارکان اور واجبات کے ساتھ ادا کرنا احکام شرع کو بجالانا ممنوع اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا احسان کا یہ درجہ واجب ہے جس کی تحصیل ہر مسلمان پر لازم ہے۔

(۲) مقام مشاہدہ مکاشفہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس تصور کے ساتھ ساتھ عبادت کرے گویا کہ وہ اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہے یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے کہ وہ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور امت کے نیک لوگوں کو بھی یہ درجہ بڑی محنت ومشقت سے حاصل ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث کے اس جملے ان تعبد اللہ کا نک ترہ سے اس درجے کو بیان کیا گیا ہے اس مقام کا حاصل کرنا لازم وفرض نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔

(۳) انسان پر ہر وقت یہ کیفیت رہے کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں میرا ہر عمل خواہ وہ اچھا ہو یا برا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اس درجے کو مقام مراقبہ کہا جاتا ہے جب انسان کو یہ درجہ حاصل ہو جائے تو وہ نیکی کے ہر کام کو بڑے اچھے انداز سے کرتا ہے اور گناہوں سے بھی پرہیز کرتا ہے۔

فائدہ: تصوف کے لئے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں یہی احسان کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، فرمایا:

بلیٰ من اسلم وجهه لله، وهو محسن، فله اجره عند ربه.

اور احادیث میں احسان کے علاوہ تصوف کے لئے زہد کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے، اسی جلد میں ابواب الزھد گزر چکے ہیں،

پھر جب لوگ خوش حال ہو گئے، اور شاندار کپڑے پہننے لگے، مگر اللہ کے دیندار بندے صوف (اُون) کے کپڑے ہی پہنتے رہے، تو وہ صوفی اور ان کا طریقہ تصوف کہلانے لگا، اور حاصل تینوں کا تصحیح نیت ہے یعنی احسان کا مقصد، زہد کی غرض، اور تصوف کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اپنی نیت درست کرے، اور ہر عمل کو اللہ کے لئے خالص کرے، یہ اخلاص ہی تصوف کی جان ہے، اور وہی احسان سے مراد ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کی علامتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ علامتیں ہیں جو قیامت سے پہلے پائی جائے گی اور دوسری وہ بڑی علامتیں ہیں جو بالکل قیامت کے قریب ظاہر ہونگی جیسے نزول عیسیٰ جانور کا نکلنا اور مغرب سے سوج کا طلوع ہونا۔ اس حدیث میں پہلی قسم کی علامتیں مراد ہیں۔

ان تلد الامة ربتها: اس جملے سے کیا مراد ہے؟

(۱) اس جملے سے درحقیقت زمانے کے انقلاب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ قرب قیامت میں حالات میں اس قدر تغیر اور تبدیلی ہو جائے گی کہ جو سردار تھے وہ غلام اور جو غلام تھے وہ سردار بن جائیں گے اعلیٰ درجہ کے لوگ گھٹیا اور ادنیٰ درجہ کے لوگ اعلیٰ شمار ہوں گے۔

(۲) امام خطابی اور امام نووی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب اسلام خوب پھیل جائے گا مختلف ملک اور علاقے فتح ہوں گے ان کے بچے اور عوتیں قید ہوں گی پھر ان باندیوں سے اولاد ہوگی جس کی وجہ سے وہ اُم ولد بن جائے گی یہ اولاد نسب میں چونکہ باپ کے تابع ہے ان کو نسبی شرافت حاصل ہوگی یہ اولاد گویا اپنی ماں کی آزادی کا سبب ہیں اس لیے وہ اپنی ماں کے لیے بمنزلہ سید کے ہیں اس لیے حدیث میں اسے ان تلد الامة ربتها سے تعبیر کیا ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اکثر حضرات کا قول قرار دیا ہے۔

(۳) اس سے اولاد کی نافرمانی کی طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں اولاد اپنے والدین کے ساتھ نافرمانی کا سلوک کرے گی اطاعت کے بجائے ان کے ساتھ حاکمانہ رویہ اختیار کریں گے۔

قال عمر رضی اللہ عنہ: فلقيني النبي ﷺ بعد ذلك بثلاث، صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے اسی مجلس میں یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ **هذا جبرئيل يعلم الناس دينهم** تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

جواب: ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم اس شخص کی تلاش میں نکلے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے جب وہ شخص نہ ملا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس آ گئے ہونگے آپ کو جب بتایا کہ وہ شخص نہیں ملا تو اس مجلس میں موجود لوگوں کے سامنے آپ نے وضاحت فرمادی کہ وہ شخص جبرئیل امین علیہ السلام تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوبارہ اس وقت نہیں آئے اس لیے ان کو حضور ﷺ نے تین دن کے بعد بتایا کہ وہ نووارد شخص جبرئیل امین رضی اللہ عنہم تھے اس لیے دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔ (فتح الباری ۱/۱۶۶)

* * *

بَابُ مَا جَاءَ فِی اِضَافَةِ الْفَرَائِضِ اِلَی الْاِیْمَانِ

باب ۴: فرائض کی ایمان کی طرف نسبت

(۲۵۳۶) قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا اِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيْعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ اِلَيْكَ اِلَّا فِيْ اَشْهُرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَاْخُذُهٗ عَنْكَ وَنَدْعُوْا اِلَيْهِ مَنْ وَّرَائَنَا فَقَالَ اٰمُرُكُمْ بِاَرْبَعٍ اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَاَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں عبدالقیس قبیلے کا وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی ربیعہ قبیلہ کی وجہ سے ہم صرف حرمت والے مہینوں میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں آپ ﷺ ہمیں ان چیزوں کا حکم دیا جنہیں ہم آپ ﷺ سے سیکھ لیں اور اپنے پیچھے موجود لوگوں کو اس کی دعوت دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا اس سے مراد یہ ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں نماز قائم کرنا زکوۃ ادا کرنا اور جو مال غنیمت تمہیں حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا۔

تشریح: اضاف کے معنی ہیں: ملانا، شامل کرنا، بڑھانا، اضافہ کرنا اور باب کا مطلب یہ ہے کہ احادیث میں فرائض (ارکان اسلام) کی ایمان کی طرف اضافت (نسبت) کی گئی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے، اور اختلاف کا مدار اس پر ہے کہ ایمان کی تعریف کیا ہے؟ اسلامی فرقوں میں ایمان کی تعریف میں اختلاف پایا جاتا ہے، ایمان کے بارے میں اہل سنت کا آپس میں اختلاف اہل سنت کے درمیان ایمان کی تعبیر میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ لیکن یہ نزاع صرف الفاظ کی حد تک ہے معنی اور مطلب کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۱) چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: وهو قول وفعل۔

(۲) محدثین نے ایمان کی تعریف یوں کی: الایمان معرفة بالقلب وقرار باللسان وعمل بالارکان کہ ایمان تصدیق قلبی، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کا نام ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور متکلمین نے یوں تعریف کی ہے: الایمان هو التصدیق بالقلب والاقرار باللسان شرط لاجراء الاحکام والعمل بالارکان نتیجة التصدیق وثمرة الایمان. کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور دنیا میں اسلام کے احکام کے اجراء کے لیے زبان سے اقرار شرط ہے اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنا یہ تصدیق کا نتیجہ اور ایمان کا ثمرہ ہے۔

الفاظ کا یہ اختلاف صرف تعبیرات کی حد تک ہے مگر اہل حق کے درمیان اختلاف لفظی ہے۔ جب مرتکب کبیرہ کے کفر و اسلام کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ راز کھلا کہ اہل حق (جمہور محدثین) نے جو اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے وہ صرف تکمیلی اور تزئینی جزء قرار دیا ہے، حقیقی جز قرار نہیں دیا ورنہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جہنم سے بچاؤ کے لیے نفس تصدیق ضروری ہے تصدیق کے بغیر کسی

صورت میں نجات نہ ہوگی نیز اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی نہ تو کافر ہوتا ہے اور نہ ہی دائمی جہنمی قرار پاتا ہے بس اس گناہ کی وجہ سے وہ فاسق ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے مرتکب کبیرہ کو مسلمان مانا اور معتزلہ اور خوارج اعمال کو ایمان کا حقیقی جزء مانتے ہیں، اس لئے وہ مرتکب کبیرہ کو اسلام سے خارج کرتے ہیں۔

فائدہ: اہل حق کے درمیان اختلاف لفظی کا فرق کیوں؟ اس لیے ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں معتزلہ اور خوارج کا بہت زور تھا وہ یہ کہتے تھے کہ عمل ایمان کا جز ہے اعمال کے ترک سے انسان اسلام سے نکل جاتا ہے اس لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور متکلمین نے ان کی تردید کے لیے مؤثر عنوان اختیار کیا کہ اعمال اصل ایمان میں داخل نہیں اور نہ ترک عمل سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور اس وقت یہی کہنا مناسب تھا اور محدثین کے زمانے میں مرجئہ رونما ہوگئے جو اس بات کا پرچار کرتے تھے کہ عمل کی کوئی حیثیت نہیں اور عمل نہ کرنا ایمان کے لیے نقصان دہ نہیں تو اس وقت اس بات کی ضرورت تھی کہ عمل کی اہمیت بیان کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ عمل نہ کرنا بہر حال نقصان دہ ہے حتی کہ اس سے ایمان کے سلب ہوجانے کا خطرہ ہے اس لیے حضرات محدثین نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے یہ انداز اختیار کیا۔

وضاحت: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، اس لئے بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ یہ حدیث بخاری شریف میں گیارہ مرتبہ آئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اِسْتِکْمَالِ الْاِیْمَانِ وَزِیَادَتِهٖ وَنُقْصَانِهٖ

باب ۵: ایمان کی تکمیل اور اس میں کمی بیشی کا بیان

(۲۵۳۷) اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے کامل مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور اپنے اہل خانہ پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔

(۲۵۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ فَوَعَظَهُمْ ثُمَّ قَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنَّکُنَّ اَکْثَرُ اَهْلِ النارِ فقالَتِ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ ولِمَ ذَاكَ یَا رسولَ اللهِ قَالَ لِکَثْرَةِ لَعْنِکُنَّ یعنی و کُفْرِکُنَّ الْعَشِیْرَ قال ومَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَغْلَبَ لِذَوِی الْاَلْبَابِ وذَوِی الرَّاْیِ مِنْکُنَّ قَالَتِ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِهَا وعَقْلِهَا قال شَهَادَةُ امْرَاَتَیْنِ مِنْکُنَّ بِشَهَادَةِ رجلٍ وَنُقْصَانُ دِیْنِکُنَّ الْحَیْضَةُ تَمْکُثُ اِحْدَاکُنَّ الثَّلَاثَ وَالْاَرْبَعَ لَا تُصَلِّیْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے واضح نصیحت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خواتین کے گروہ تم صدقہ کیا کرو کیونکہ جہنم میں اکثریت تمہاری ہے تو ان میں سے ایک خاتون نے عرض کی اس کی کیا وجہ ہے؟ اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بکثرت لعنت کرنے کی وجہ سے یعنی اپنے شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عقل اور دین کے اعتبار سے ایسی کوئی ناقص مخلوق نہیں دیکھی جو سمجھدار عقل مند مردوں پر تم سے زیادہ غالب آجاتی

ہوں ایک خاتون نے عرض کی ان کے عقل اور دین میں کمی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے اور تمہارے دین میں کمی حیض ہے اس کی وجہ سے کوئی عورت چند دن تک نماز ادا نہیں کر سکتی۔

(۲۵۳۹) اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَاَرْفَعُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

.......الایمان اربعة وستون بابا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایمان کے ستر سے زیادہ دروازے ہیں اور ان میں سے سب سے کم راستے میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور سب سے بلند اس بات کا اعتراف کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔

تشریح: ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟

یعنی ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟ یہ قدیمی اختلافی مسئلہ ہے، کیونکہ ایمان کے دو معنی ہیں، یا یہ کہئے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں: ① نفس ایمان۔ ② ایمان کامل، نفس ایمان۔ جس پر نجات اُخروی کا مدار ہے، دوسرا کامل ایمان جو نجات اولی کا ضامن ہے پس بعض حضرات نے نفس ایمان کی تعریف کی اور دوسروں نے ایمان کامل کی تعریف کی۔ اس لئے تعریفیں مختلف ہو گئیں۔ کمامر

ایمان میں کمی اور زیادتی کا مسئلہ:

ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں اس میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے: ① ائمہ ثلثہ اور جمہور اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایمان زیادت اور نقصان دونوں کو قبول کرتا ہے۔ ② امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور متکلمین کے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔

یہ اختلاف دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ ایمان مرکب ہے یا بسیط۔ ماتریدیہ اور جمہور محققین صرف تصدیق قلبی کو ایمان کہتے ہیں اور اقرار لسانی کو احکام دنیویہ جاری کرنے کے لئے شرط قرار دیتے ہیں، پھر ان حضرات میں اختلاف ہوا کہ اقرار ایمان کا اصلی جزء ہے یا زائد؟ امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کی صراحت نہیں کی کہ اقرار ایمان کا حقیقی جزء ہے یا اضافی؟ محققین کا خیال ہے کہ اضافی جزء ہے۔ دنیا میں کسی کو مسلمان قرار دینے کے لئے اقرار ضروری ہے ورنہ ایمان بسیط ہے، اس کا کوئی جز نہیں، پس ماتریدیہ کی تعریف میں اور سرخسی اور بزدوی کی تعریف میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔ جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں کہ وہ مجرد تصدیق قلبی کا نام ہے اس کا کوئی جزء نہیں تو یہ وہ کہتے ہیں لا یزید ولا ینقص کہ ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ اضافہ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور جو حضرات عمل کو ایمان کا جزء اصلی اور ایمان کو مرکب مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان میں طاعت سے اضافہ اور معصیت سے کمی واقع ہوتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو مشائخ کا یہ اختلاف بھی لفظی ہے حقیقی اختلاف نہیں۔

ایمان کے بسیط ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ متعدد آیتوں میں دل کو ایمان کا محل قرار دیا گیا ہے، مثلاً ﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ﴾ (المجادلہ:۲۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثابت فرما دیا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ دل میں صرف تصدیق پائی جاتی ہے، پس اسی کا نام ایمان ہے۔

اس کے بالمقابل جمہور محدثین، اشاعرہ، معتزلہ اور خوارج کے نزدیک ایمان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے، یعنی تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عمل بدنی۔

اختلاف کا راز کھلتا ہے:

پھر جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن ہے یا نہیں؟ تو معتزلہ اور خوارج نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ ایمان سے خارج ہے، کیونکہ ایمان تین اجزا سے مرکب ہے، اور مرکب کا کوئی بھی جز فوت ہو جائے تو مرکب باقی نہیں رہتا، پس جب عمل صالح نہ رہا کہ اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو وہ ایمان سے خارج ہو گیا، اور احناف نے مرتکب کبیرہ کو مؤمن قرار دیا، اسی طرح اشاعرہ اور تمام محدثین نے بھی مرتکب کبیرہ کو مؤمن قرار دیا۔ ایمان سے خارج نہیں کیا، اور جب ان سے پوچھا گیا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن کیسے ہو سکتا ہے؟ ایمان تو مرکب ہے؟ یعنی اعمال ایمان کا جز ہیں، پس عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جانا چاہئے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اعمال ایمان کا اصلی جز نہیں، بلکہ تکمیلی اور تزئینی جز ہیں، اس لئے ان کے نہ رہنے سے ایمان فوت نہ ہو گا۔

الغرض: اس جگہ محدثین نے معتزلہ اور خوارج کا ساتھ چھوڑ دیا، وہ احناف کے ساتھ ہو گئے تو معلوم ہوا کہ اہل حق کے درمیان اختلاف حقیقی نہیں، صرف لفظی ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

ولهذا ذهب الامام الرازي و كثير من المتكلمين الى ان هذا الخلاف لفظي.

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے۔

تشریح: یہ ہے کہ اسلام کے دور اول میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا بس اتنے پر ایمان لانا ضروری تھا، اسی طرح جو احکام نازل ہو چکے تھے ان پر ایمان لانا مکمل ایمان تھا، پھر جب نئی وحی آتی، اور نئے احکام اترتے تو ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوتا، اس طرح ان حضرات کا ایمان بڑھتا رہتا تھا، مگر وہ زیادتی نفس ایمان میں نہیں ہوتی تھی، بلکہ مؤمن بہ میں ہوتی تھی، یعنی ان چیزوں میں ہوتی تھی جن پر ایمان لانا ضروری تھا، مؤمن بہ کی اسی زیادتی کو ایمان کی زیادتی قرار دیا گیا تھا۔ پھر جب نبوت کا زمانہ ختم ہو گیا اور وحی مکمل ہو گئی تو اب مؤمن بہ محدود و متعین ہو گیا، اور اب سب لوگوں کے لئے انہی باتوں پر ایمان لانا ضروری ہو گیا اب ان میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی، لہٰذا مؤمن بہ کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی کمی کا سوال ختم ہو گیا۔

ہاں تصدیق کے مکملات یعنی اعمال کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی جاری ہے، اسی طرح تصدیق کی کیفیت یعنی شدت وضعف کے اعتبار سے بھی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، مگر کمیت یعنی مقدار کے اعتبار سے ایمان میں کچھ کمی بیشی نہیں ہوتی، کیونکہ ایمان خواہ کتنا ہی قوی ہو، مؤمن بہ میں کوئی جز نہیں بڑھتا۔

وَنُقْصَانُ دِيْنِكُنَّ الْحَيْضَةُ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب حالت حیض میں نمازیں نہ پڑھنے سے عورتوں کے دین میں کمی آئی، اور مردوں کے نماز پڑھنے سے ان کے دین میں ترقی ہوئی تو معلوم ہوا کہ اعمال سے دین میں یعنی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے

جواب: یہ تفاوت درجات جنت میں ہوتا ہے، نفس ایمان میں نہیں ہوتا، اس لئے ایمان کامل میں تو اس حدیث سے کمی بیشی ثابت ہوتی ہے مگر نفس ایمان میں جس پر نجات کا مدار ہے کمی بیشی ثابت نہیں ہوتی۔

اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے بھی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چھوٹے بڑے تمام اعمال ایمان کا جز ہیں، پس ایمان کی تکمیل اعمال ہی سے ہو گی، اور اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی ہو گی مگر یہ ایمان کامل کا حال

ہے، اعمال سے ایمان کو رونق ملتی ہے، اور گناہوں سے ایمان کی شان گھٹتی ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف جو کچھ ہے وہ نفس ایمان میں کمی بیشی میں ہے، اور یہ حدیث اس سے ساکت ہے۔

اعتراض: اس روایت میں ستر سے زیادہ ابواب کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں ساٹھ سے اوپر ایمان کے شعبوں کا ذکر ہے بعض میں ۷۶ اور بعض میں ستتر تو بظاہر اس تعداد میں تعارض ہے؟

جواب ①: قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بضع وسبعون کے الفاظ راجح ہیں کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

جواب ②: اس سے کسی مخصوص عدد کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس سے کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ایمان کے بہت سے شعبے ہیں نیز عربی زبان میں ستر کا عدد بطور کثرت کے استعمال ہوتا ہے۔

جواب ③: بعض نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حالات کے اعتبار سے مختلف عدد ذکر کئے ہیں اور اس وقت آپ کو اسی کا علم دیا گیا تھا وہ سب ہی اپنی جگہ بجا ہیں اس لیے ایک عدد سے دوسرے عدد کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

حنفیہ اور متکلمین کی طرف سے مذکورہ دلائل کے جوابات:

① ایمان میں اضافے سے نور کی زیادتی مراد ہے کہ جو شخص احکام اسلام پر اہتمام سے عمل کرتا ہے سنت کے مطابق اعمال بجالاتا ہے تو اس کے نور ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ کمی بیشی اصل ایمان میں نہیں ہوتی بلکہ نور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

② اس سے سکینہ اور طمانیت مراد ہے کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے اسے ایک خاص قسم کا سکون اور شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔

③ ایمان کی زیادتی سے مؤمن بہ کی زیادتی مراد ہے نفس ایمان کی زیادتی مراد نہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآنی ایات اور شرعی احکام نازل ہوتے گئے اور اس کے علم میں آتے گئے تو اسی اعتبار سے اس مومن بہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب ٦: حیا ایمان کا جز ہے

(۲۵۴۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں تلقین کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء ایمان کا حصہ ہے۔

تشریح: گزشتہ دو بابوں سے ایمان کی بساطت وترکیب کا مسئلہ چل رہا ہے، یعنی اعمال ایمان کا جز ہیں یا نہیں؟ احناف اعمال کو ایمان حقیقی کا جز نہیں مانتے، اور محدثین کرام جز مانتے ہیں، یہ باب بھی اسی مسئلہ سے متعلق ہے اور آگے بھی کئی ابواب اسی مسئلہ سے متعلق آرہے ہیں، پہلے اعمال صالحہ کے ابواب آئیں گے، جن میں اعمال کا ایمان سے تعلق بیان کیا جائے گا، پھر معاصی کے ابواب آئیں گے، جن کو ایمان کے منافی قرار دیا جائے گا۔ اس باب میں حیاء کا جزء ایمان ہونا ثابت کرتے ہیں۔

حیا کے لغوی معنی: وہ تبدیلی اور انکساری جو سزا یا ملامت کے خوف سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

حیا کی اصطلاحی تعریف: حیا وہ فطری صفت ہے جو انسان کو ممنوع چیزوں سے رکنے پر آمادہ کرتی ہے اور فرائض وحقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

حیاء کی چار قسمیں ہیں: (۱) حیاء شرعی: وہ حیا کہ جس کا سبب امر شرعی ہو اور حیاء نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص شرعاً ملامت کا مستحق قرار پاتا ہو۔

(۲) حیاء عقلی: وہ حیاء کہ جس کا سبب کوئی امر عقلی ہو کہ اسے چھوڑنے سے انسان عقلاء کا ہاں زجر اور ملامت کا مستحق ہوتا ہو۔

(۳) حیاء عرفی: وہ چیزیں کہ جو عرف میں ناپسندیدہ اور قبیح ہوں ان سے انقباض پیدا ہو جائے۔

(۴) حیاء طبعی: وہ چیزیں کہ جن سے طبعی طور پر انسان کو انقباض سا ہو جائے اور انہیں وہ نہ کرے۔

شریعت میں اصل مقصود حیاء شرعی ہے اس میں حیاء عقلی بھی داخل ہے کیونکہ شریعت کے تمام احکام عقل سلیم اور فطرت کے موافق ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں تعارض نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز شرعاً قبیح ہو اور عقلاً اچھی ہو یا عقلاً قبیح ہو اور شرعاً پسندیدہ ہو بشرطیکہ عقل عقل سلیم ہو اور جہاں کہیں ان دونوں میں تعارض محسوس ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل سلیم وہاں نہیں۔ حیاء عرف اور حیاء طبعی بھی محمود ہے بشرطیکہ یہ حیاء شرعی کے مزاحم نہ ہوں ورنہ تو پھر حیاء عرفی وطبعی کو ترک کر دیا جائے گا۔

اخلاق حسنہ میں حیاء: کا نہایت اہم مقام ہے، حیا ہی وہ خوبی ہے جو آدمی کو بہت سی برائیوں سے روکتی ہے، اس وجہ سے ایمان اور حیا میں خاص رشتہ ہے اور حیا صرف ہم جنسوں سے نہیں کی جاتی بلکہ اصل حیا حق تعالیٰ سے کی جاتی ہے، پہلے ابواب البر والصلة میں باب الحیاء گزرا ہے، وہاں یہ حدیث آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہئے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے اور اس حدیث سے یہ ثابت کرنا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں۔

جواب: ابواب الایمان کی تمہید کے آخر میں ہم نے یہ بات عرض کی ہے کہ نصوص میں ایمان اور اسلام کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے، پس اس حدیث میں ایمان سے اسلام مراد ہے، علاوہ ازیں ایمان کے دو معنی ہیں: حقیقی ایمان جس پر نجات کا مدار ہے، اور کامل ایمان جو نجات اولی کا ضامن ہے، اور جس کی وجہ سے جنت کے بلند درجات ملتے ہیں، اور اختلاف جو کچھ ہے وہ پہلے معنی میں ہے، دوسرے معنی میں کوئی اختلاف نہیں، سب اہل حق متفق ہیں کہ اعمال صالحہ ایمان کامل کا جز ہیں، پس حیا بھی دوسرے معنی کے اعتبار سے ایمان کا جز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ حُرْمَةِ الصَّلَاةِ

باب ۷۔ نماز کی عظمت وتقدیس کا بیان

(۲۵۴۱) كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ ﷺ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللهُ عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ

عَلٰی اَبْوَابِ الْخَیْرِ اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ وَالصدقۃُ تُطْفِیئُ الْخَطِیْئَۃَ کَمَا یُطْفِیئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاۃُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ قَالَ ثُمَّ تَلَا (تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) حَتّٰی بَلَغَ (یَعْمَلُوْنَ) ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِرَاْسِ الْاَمْرِ کُلِّہٖ وَعُمُوْدِہٖ وَذِرْوَۃِ سَنَامِہٖ قُلْتُ بَلٰی یَارَسُوْلَ اللہِ قَالَ رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعُمُوْدُہُ الصَّلٰوۃُ وَ ذِرْوَۃُ سَنَامِہٖ الْجِھَادُ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ کُلِّہٖ قُلْتُ بَلٰی یَا نَبِیَّ اللہِ فَاَخَذَ بِلِسَانِہٖ قَالَ کُفَّ عَلَیْكَ ھٰذَا فَقُلْتُ یَانَبِیَّ اللہِ وَاِنَّا لَمُؤَاخِذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِہٖ فَقَالَ ثَکِلَتْكَ اُمُّكَ یَامُعَاذُ وَھَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اَوْعَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک تھا ایک دن میں آپ کے قریب ہوا ہم اکٹھے جارہے تھے میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عمل کے بارے میں مجھے بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ایک عظیم چیز کے بارے میں دریافت کیا ہے یہ اس شخص کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسان کردے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ تم نماز قائم کرو تم زکوۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو اور تم بیت اللہ کا حج کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں بھلائی کے دروازوں کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کروں روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو یوں بجھادیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھادیتا ہے اور نصف رات کے وقت آدمی کا (نفل) نماز ادا کرنا۔

(۲۵۴۲) اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاھَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْھَدُوْا لَہٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ (اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ).

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ باقاعدگی سے مسجد حاضر ہوتا ہے تو اس کے حق میں ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے بے شک اللہ تعالیٰ کی مساجد کو وہ شخص آباد کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور وہ نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرے۔

تشریح: الحرمۃ کے معنی ہیں: تقدیس، عظمت وعزت، جمع حرمات۔ یہ باب بھی گذشتہ سے پیوستہ ہے، نماز بھی اہم عبادت ہے، اس لئے وہ بھی ایمان کا جز ہے۔

لغات: حُرمۃ: اس کے مختلف معنی ہیں یہاں پر اس کے معنی عظمت فضیلت کے ہیں، راس الامر: ہر امر کی اصل بنیاد اور جڑ۔ عمود: ستون۔ ذُروۃ: چوٹی۔ سَنامر: کوہان۔ مَلاك الامر: کسی معاملہ کی اصل روح خلاصہ کف علیک تم اپنے اوپر اسے روک کررکھو۔ علی مناخرھم: ان کے نتھنوں کے بل، مناخر جمع ہے منخر کی۔ یتعاھد: مسجد میں پابندی سے حاضر ہونا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَرْكِ الصَّلٰوۃِ

باب ۸: نماز چھوڑنے پر سخت وعید

(۲۵۴۳) بَیْنَ الْکُفْرِ وَالْاِیْمَانِ تَرْكُ الصَّلٰوۃِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کفر اور ایمان کے درمیان بنیادی فرق نماز کو ترک کرنا ہے۔

(۲۵۴۴) بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ وَالْاِیْمَانِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے اور کفر کے درمیان (بنیادی فرق) صرف نماز ترک کرنا ہے۔

(۲۵۴۵) اَلْعَھْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمُ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ کَفَرَ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابو بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عہد ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان ہے وہ نماز ہے تو جو شخص اس کو ترک کردے گا اس نے کفر کیا۔

(۲۵۴۶) قَالَ کَانَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْکُہٗ کُفْرٌ غَیْرَ الصَّلٰوۃِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز کے علاوہ اور کسی بھی عمل کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے (یعنی وہ نماز کو ترک کرنے کو کفر اختیار کرنے کی طرح شدید گناہ سمجھتے تھے)۔

تشریح: اب تک جو ابواب آئے ہیں وہ مثبت پہلو سے آئے ہیں، اور یہ باب منفی پہلو سے ہے، نماز نہ پڑھنے پر احادیث میں جو سخت وعید آئی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز ایمان کا جز ہے، کیونکہ ترک نماز ایمان کے منافی ہے، نماز چھوڑنا انتہائی سنگین گناہ ہے اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں جو نماز چھوڑنے کی وعید پر مشتمل ہیں کہ نماز چھوڑنا اتنا سنگین جرم ہے کہ مسلمان اس کی وجہ سے کفر میں یا کفر کے قریب ہوجاتا ہے۔ کان اصحاب محمد ﷺ لا یرون شیئا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں نماز نہ پڑھنا سب سے بڑا جرم تھا جو سخت ترین سزا کے لائق ہے اور انسان کو کفر کے قریب کردیتا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں: ان حدیثوں کی وجہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑنے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہوجاتا ہے، اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، اس لئے اگر وہ اس حال میں مرجائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اس اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، مگر یہ مذہب متروک ہے، سعودیہ میں بھی اس پر عمل نہیں اور دوسرے اکثر ائمہ کے نزدیک ترک نماز اگرچہ کافرانہ عمل ہے، جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں، مگر وہ صریح کفر نہیں، پس اگر کسی بدبخت نے غفلت سے نماز چھوڑ دی، اور اس نے دل سے نماز کی فرضیت کا انکار نہیں کیا، اور اس کے عقیدے میں کوئی انحراف بھی نہیں آیا تو اگرچہ وہ دنیا و آخرت میں سخت سزا کا مستحق ہے۔

باب

باب ۹: ایمان کب مزہ دیتا ہے؟

(۲۵۴۷) ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے سے راضی رہا اور اسلام کے دین

ہونے سے راضی رہا اور حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے سے راضی رہا (یعنی ان پر ایمان رکھے)۔

(۲۵۴۸) ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تین خوبیاں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کے ذائقے کو پالے گا جس شخص کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان دونوں کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں اور آدمی کسی شخص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے اور آدمی کفر کی طرف دوبارہ جانے کو اسی طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اسے اس (کفر) سے بچا چکا ہو۔

محبت کے معنی اور اس کے اقسام:

محبت کے معنی امتیازی وصف کی وجہ سے دل کا کسی جانب مائل ہوجانا۔

(۱) **حب طبعی:** انسان طبعی طور پر کسی چیز سے محبت کرے جیسے انسان اپنے والدین اولاد اور رشتہ داروں سے محبت کرتا ہے۔

(۲) **حب عقلی:** عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس شی کے ساتھ محبت کی جائے جیسے انسان کی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت والفت۔

(۳) **حب کمالی:** کسی میں کوئی ہنر فن اور کمال ہو کہ جس کی وجہ سے اس سے محبت کی جارہی ہے۔

(۴) **حب جمالی:** کسی کے ساتھ محبت اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کی جائے۔

(۵) **حب احسانی:** کسی کے احسان کی وجہ سے محبت کی جائے۔ (نفحات التنقیح ۱/۲۷۷)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ میں محبت کے تمام اسباب علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مدار ایمان کون سی محبت ہے؟ دو قول ہیں:

(۱) اس سے محبت عقلی مراد ہے کہ عقلی طور پر انسان یہ سمجھتا ہو کہ نبی کریم ﷺ پوری دنیا میں سب سے زیادہ قابل محبت اور قابل تعظیم ہیں۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک اس سے محبت طبعی مراد ہے لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو غیر اختیاری ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہیکہ یہاں محبت طبعی کا وہ درجہ مراد ہے جو اپنے اختیار سے حاصل ہوتا ہے یعنی اس محبت کے اسباب پر غور کریں تو اسباب محبت یعنی حسن و جمال کمال اور عطاء و احسان پر غور وفکر کرنے سے جو محبت پیدا ہوگی وہ محبت طبعی ہی ہوگی پھر اس کے ساتھ دوسری محبتیں بھی شامل ہوجائے گی تو عشق کا درجہ حاصل ہوجائے گا۔

بَابُ لَا يَزْنِي الزَّانِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ

حالت ایمان میں زنا کا صدور نہیں ہوتا

(۲۵۴۹) لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلٰكِنَّ التَّوْبَةَ

مَعْرُوضَةٌ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا کرنے والا زنا کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا چوری کرنے والا چوری کرتے وقت مؤمن نہیں رہتا البتہ توبہ کی گنجائش رہتی ہے۔

(۲۵۵۰) مَنْ اَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَ عُقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ يُّثْنِيَ عَلٰى عَبْدِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَاللّٰهُ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يَّعُوْدَ اِلٰى شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن طالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں جو شخص قابل حد جرم کا ارتکاب کرے اور اسے دنیا میں اس کی سزا دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس حوالے سے سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہے کہ وہ دوبارہ آخرت میں اس بندے کو اس کی سزا دے اور جو شخص کسی قابل حد جرم کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرلے اور اس سے درگزر کرے تو اللہ تعالیٰ اس بارے میں سب سے زیادہ کریم ہے کہ وہ دوبارہ اس بارے میں سزا دے جسے وہ معاف کر چکا ہو۔

تشریح: لایزنی الزانی وھو مومن کے معنی میں چار اقوال ہیں:

(۱) اس گناہ سے اس کے دل سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے پھر جب وہ تہ دل سے اس گناہ سے توبہ کرلے تو وہ نور ایمان واپس لوٹ آتا ہے۔

(۲) معصیت کے ارتکاب کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا ایمان کامل نہیں رہتا بلکہ ناقص ہوجاتا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو شخص زنا اور چوری کو حلال اور جائز سمجھتا ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہتا ختم ہوجاتا ہے۔

(۴) علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے زجر اور تہدید مقصود ہے تاکہ مسلمان اس گناہ کا ارتکاب نہ کریں کیونکہ یہ عمل انسان کو کفر کے قریب کردیتا ہے یہ کافروں کے اعمال میں سے ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۷/ ۴۱۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ زنا، چوری اور شراب پینے کی وجہ سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اور پہلی روایت میں جو فرمایا ہے کہ کبائر کے ارتکاب کے بعد بھی توبہ پیش کی ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کا موقع رہتا ہے، اگر بندہ قولی یا فعلی توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس توبہ کو قبول کرلیتے ہیں اور دوسری حدیث میں یہ بیان ہے کہ زنا کرتے وقت اگرچہ ایمان نکل جاتا ہے، مگر وہ چلا نہیں جاتا، بلکہ اس کے سر پر سایہ فگن رہتا ہے، یعنی بندے سے ایمان کا تعلق قائم رہتا ہے، اور گناہ سے فارغ ہونے کے بعد ایمان حسب سابق لوٹ آتا ہے اور تیسری روایت میں امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حقیقت سمجھائی ہے کہ ایمان تو نکل جاتا ہے مگر اسلام یعنی ظاہری انقیاد باقی رہتا ہے۔ مطالب روایات آخری حدیثوں میں یہ مضمون ہے کہ اگر گناہ کی سزا دنیا میں مل گئی تو آخرت میں حساب بے باق ہوجاتا ہے، اور اگر دنیا میں سزا نہیں ملی تو آخرت میں اس گناہ کی سزا مل بھی سکتی ہے اور معاف بھی ہوسکتی ہے اور بالکل آخری حدیث میں یہ مضمون ہے کہ اگر دنیا میں سزا ملی تو آخرت میں اس کو دوبارہ سزا دینا اللہ کے انصاف سے بہت ہی بعید ہے، اور اگر دنیا میں سزا نہ ملی اور اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو جس ہستی نے اس کی یہاں عزت رکھی ہے اس کے کرم سے

کیا بعید ہے کہ وہ آخرت میں بھی درگزر فرمائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ

باب ۱۰: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں

(۲۵۵۱) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ لوگ اپنے خون اور اپنے اموال کے حوالے سے اس سے امن میں رہیں۔

(۲۵۵۲) اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ اَیُّ الْمُسْلِمِيْنَ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا مسلمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْاِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا

باب ۱۱: اسلام کی ابتدا کسمپرسی کی حالت میں ہوئی ہے، اور آگے بھی یہی حال ہو جائے گا

(۲۵۵۳) اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَاَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَاَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کا آغاز غریب الوطنی میں ہوا تھا اور یہ عنقریب غریب الوطن ہو جائے گا جیسے اس کا آغاز ہوا تھا تو غریب الوطن لوگوں کے لیے خوشخبری ہے۔

(۲۵۵۴) اِنَّ الدِّيْنَ لَيَاْرِزُ اِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَاْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْاُرْوِيَّةِ مِنْ رَاْسِ الْجَبَلِ اِنَّ الدِّيْنَ بَدَاَ غَرِيْبًا وَيَرْجِعُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ سُنَّتِیْ.

ترجمہ: کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین (اسلام) حجاز کی طرف یوں سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سمٹتا ہے اور دین (اسلام) حجاز میں اس طرح پناہ گزین ہوگا جس طرح جنگلی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتا ہے نیز دین (اسلام) کا آغاز غریب الوطنی میں ہوا تھا اور یہ دوبارہ غریب الوطن ہو جائے گا تو ان غرب الوطن لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جو اس چیز کی اصلاح کریں گے جس بارے میں لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں خرابی کی ہوگی۔

تشریح: اور حدیث کے پہلے دونوں جملوں کا مطلب ایک ہے کہ آخر زمانہ میں کفر والحاد کا ایسا غلبہ ہوگا کہ مسلمانوں کے لئے حجاز

کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں رہنا دشوار ہو جائے گا، اور دنیا کے تمام مسلمان سمٹ کر حجاز میں یعنی مکہ و مدینہ میں آ رہیں گے، وہی جگہ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ ہوگی، جیسے سانپ بل سے روزی تلاش کرنے کے لئے نکلتا ہے پھر لوٹ کر وہیں آ جاتا ہے، اور پہاڑی بکرا چرنے چگنے کے لئے پہاڑ سے نیچے اترتا ہے، پھر گوٹی پر چڑھ جاتا ہے، اور ایسا اس زمانہ میں ہوگا جب ساری دنیا میں مسلمان کسمپرسی کی حالت میں ہو جائیں، اس وقت جو مسلمان دین کو مضبوط تھامے رہیں گے ان کے لئے آخرت میں ہر نعمت اور خوش حالی ہے۔

طوبیٰ سے کیا مراد ہے؟

اس سے غرباء کے لیے فرحت و مسرت ہر قسم کی خیر و برکت اور جنت مراد ہے اور بعض کے بقول طوبیٰ جنت میں ایک درخت کا نام ہے۔

غرباء سے کون لوگ مراد ہیں؟

(۱) ان سے وہ مسلمان مراد ہیں جو اسلام کے آغاز کے وقت تھے اور جو قیامت کے قریب آئیں گے یہ اسلام کی خاطر ہر قسم کی تکلیف پر صبر کریں گے۔

(۲) ان سے وہ مہاجرین مراد ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کی ہے۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے وہ مخلص مسلمان مراد ہیں جو فتنے کے دور میں مٹی ہوئی سنتوں کی اصلاح اور ان کو زندہ کریں گے جیسا کہ اس باب کی دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی وضاحت فرما دی ہے۔

لغات : غریب پردیسی مسافر اجنبی غربت والا۔ **یارز** :سمٹ کر آئے گا پناہ لے لے گا۔ **حجاز** :اس سے مکہ مدینہ اور ان کے اطراف کا علاقہ مراد ہے۔ **جُحرٌ** :بل سوراخ۔ **لیعقلن** :ضرور پناہ لے گا جگہ لے گا۔ **اُرْوِیۃ** :جنگلی بکری بکری کو اس لیے ذکر کیا کیونکہ یہ نر کے مقابلے زیادہ دشوار جگہوں پر جاسکتی ہے۔ **معقل** :قلعہ پناہ لینے کی جگہ۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ عَلَامَةِ الْمُنَافِقِ

باب ۱۲ : منافق کی علامتیں

(۲۵۵۵) اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے گا، تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا، تو اس کی خلاف ورزی کرے گا، جب اسے امین مقرر کیا جائے گا، تو خیانت کرے گا۔

(۲۵۵۶) اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا وَاِنْ كَانَتْ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ فِيْهِ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں چار خامیاں جس شخص میں ہوں گی وہ منافق ہوگا، اور اگر کسی شخص میں ان میں سے کوئی ایک خامی ہو تو اس میں منافقت کی خصوصیت ہوگی یہا ں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے وہ شخص کہ جب کوئی بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے جب لڑائی کرے تو بدزبانی کا مظاہرہ کرے جب کوئی عہد

کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔

(۲۵۵۷) اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ وَيَنْوِيْ اَنْ يَّفِيَ بِهٖ فَلَمْ يَفِ بِهٖ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی کوئی وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اسے پورا کرے گا اور پھر وہ اسے پورا نہ کرسکے تو اسے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

منافقت کے معنی ہیں: دل میں کفر کا ہونا اور ظاہر میں ایمان کا دعویٰ کرنا پس منافق وہ شخص ہے جو ایمان ظاہر کرتا ہے، مگر وہ بناوٹی ہے، دل میں اس کو یقین نہیں، لوگوں کے ڈر سے کسی مصلحت سے ایسا کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ تین طرح کے تھے ایک خالص مؤمن، دوسرے خالص کافر، تیسرے منافق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے احوال معلوم کرادیتے تھے۔

نفاق کے معنی اور اس کی قسمیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفاق کے معنی ہیں کہ باطن ظاہر کے مطابق نہ ہو پھر اس نفاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نفاق اعتقادی: ایک شخص کسی مصلحت اور غرض کی وجہ سے بظاہر اسلام، کا اظہار کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اندرونی طور پر کافر ہوتا ہے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء:۱۴۵)

(۲) نفاق عملی: اس شخص کا عقیدہ تو درست ہے مخلص مسلمان لیکن اس کا عمل باطن کے خلاف ہے اس کے اعمال منافقوں والے ہیں مثلاً وعدہ خلافی کرنا، گالیاں دینا، جھوٹ بولنا وغیرہ یہ اعمال منافقین والے ہیں یہ کام مسلمان کی شایان شان نہیں اور باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں: پہلی دو حدیثوں میں منافقانہ اعمال و اخلاق کا بیان ہے، اور تیسری حدیث میں وعدہ خلافی کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ہے۔ باب کی مذکورہ احادیث میں قسم یعنی نفاق عملی مراد ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا میرے اندر آپ کچھ نفاق محسوس کرتے ہیں تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد نفاق عملی ہی تھا نہ کہ نفاق اعتقادی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نفاق اعتقادی کا تو وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اس صورت میں مذموم اور نفاق کی علامت ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت ہی اسے پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو لیکن اگر وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کا قصد اور ارادہ تھا لیکن پھر کسی وجہ سے اسے پورا نہ کرسکا تو یہ وعدہ خلافی کے حکم میں نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ

باب ۱۳: مسلمان کو گالی دینا بدکاری ہے

(۲۵۵۸) قِتَالُ الْمُسْلِمِ اَخَاهُ كُفْرٌ وَسِبَابُهٗ فُسُوْقٌ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

تشریح: ابواب البر والصلة، باب ۵۱ میں یہ حدیث اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مَنْ رَمٰی اَخَاہُ بِکُفْرٍ

باب ۱۴: مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا بدترین گناہ ہے

(۲۵۶۰) لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عَنِ الْمُؤْمِنِ كَقَاتِلِهٖ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَاتِلِهٖ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِشَيْءٍ عَذَّبَهُ اللّٰهُ بِمَا قَتَلَ بِهٖ نَفْسَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اس کے بارے میں اس پر کوئی نذر لازم نہیں ہوتی اور مومن شخص پر لعنت کرنے والا اسے قتل کرنے والے کی مانند ہے اور جو شخص کسی مؤمن کو کافر قرار دے تو وہ اسے قتل کرنے والے کی مانند ہے اور جو شخص جس چیز کے ذریعے خودکشی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اسی چیز کے ذریعے عذاب دے گا جس کے ذریعے اس نے خودکشی کی تھی۔

(۲۵۶۱) اَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَآءَ بِهَا اَحَدُهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے وہ کفر ان دونوں میں سے کسی ایک میں پختہ ہوگا۔

فقد باء بها احدهما: جمہور کے نزدیک اس حدیث کے حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ ایک مسلمان خواہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کرلے جیسے قتل اور زنا وغیرہ اور خواہ وہ اپنے کسی بھائی کو کافر کہدے تو اس سے وہ آدمی گنہگار تو ضرور ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ دین اسلام کے باطل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے جبکہ مذکورہ حدیث کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہدے جبکہ حقیقت میں وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہوجائے گا اس وجہ سے مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔

پہلی توجیہ: اس سے دوسرے مسلمانوں کو تنبیہ اور ڈرانا مقصود ہے تاکہ کوئی مسلمان اس قسم کا جملہ نہ کہے۔

دوسری توجیہ: جس شخص کو کافر کہا گیا ہے وہ اگر واقعتا کافر ہے پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا ہے وہ اس کا مستحق ہے لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئے گا اس حدیث کی یہ توجیہ سب سے اچھی ہے۔

(فتح الباری ۱۰/۵۷۱ کتاب الادب)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مَنْ يَّمُوْتُ وَهُوَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

باب ۱۵: جس کی موت عقیدۂ توحید پر آئے وہ جنتی ہے

(۲۵۶۲) اَنَّهٗ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِيْ فَوَاللّٰهِ لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَاَشْهَدَنَّ لَكَ وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَاَشْفَعَنَّ لَكَ وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَاَنْفَعَنَّكَ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا مِنْ حَدِيْثٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَكُمْ فِيْهِ خَيْرٌ اِلَّا حَدَّثْتُكُمُوْهُ اِلَّا حَدِيْثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ اُحَدِّثُكُمُوْهُ الْيَوْمَ وَقَدْ اُحِيْطَ بِنَفْسِيْ سَمِعْتُ

رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ.

ترجمہ: صنابحی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت قریب المرگ تھے میں رونے لگا تو انہوں نے فرمایا خاموش ہو جاؤ تم کیوں رو رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر مجھ سے گواہی مانگی گئی تو میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا اور اگر مجھے شفیع بنایا گیا تو میں تمہاری شفاعت کروں گا اور اگر مجھ سے ہو سکا تو میں تمہیں نفع پہنچاؤں گا پھر انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آپ ﷺ کی زبانی جو بھی حدیث سنی جس میں تمہارے لیے بھلائی موجود تھی وہ میں نے تم لوگوں کے سامنے بیان کر دی سوائے ایک حدیث کے وہ میں آج تمہارے سامنے بیان کروں گا کیونکہ اس وقت میں قریب المرگ ہو چکا ہوں میں نے اپ ﷺ سے سنا ہے جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر جہنم کو حرام کر دے گا۔

(۲۵۶۳) اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِي عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثم يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَارَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ فَيَقُوْلُ لَا يَارَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً فَاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ مَاهٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَقَالَ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كَفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی موجودگی میں میری امت کے ایک شخص کو الگ کرے گا اور اس کے سامنے اس کے ۹۹ دفتر (نامہ اعمال کے) کھولے جائیں گے ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا جہاں تک نگاہ پہنچتی ہو پھر وہ فرمائے گا کیا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے مقرر کردہ محافظ فرشتوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے؟ وہ جواب دے گا نہیں اے میرے پروردگار تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟ تو وہ عرض کرے گا نہیں اے میرے پروردگار پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں میرے پاس تمہاری ایک نیکی ہے اور آج تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا جائے گا جس میں یہ تحریر ہوگا۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں حضرت محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا (اس کا وزن ہونے لگا ہے) تم بھی میزان کے پاس رہو تو وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار ان دفتروں کے مقابلے میں کاغذ کے اس ایک ٹکڑے کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے اوپر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر ان تمام دفتروں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اس ایک کاغذ کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ تمام دفتر ہلکے ہو جائیں گے اور کاغذ کا وہ ٹکڑا بھاری ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام جتنی وزنی چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔

تشریح: یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، پہلے مضمون چل رہا تھا وہ پورا ہوا یعنی اعمال صالحہ ایمان کے اجزاء میں اور

اعمال صالحہ ایمان کے منافی ہیں: یہ مضمون پورا ہوا۔

اعتراض: یہ ہے کہ جب ایمان کی حقیقت مرکب ہے، اور وہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے، اور اعمال صالحہ ایمان کے اجزاء ہیں اور اعمال طالحہ ایمان کے منافی ہیں تو جو مسلمان بدکاریاں کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوا، اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ کیا وہ ایمان کی حالت میں مرا یا وہ مؤمن نہیں؟ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے بتلایا کہ وہ مؤمن ہے، کیونکہ اعمال صالحہ ایمان کامل کے اجزاء ہیں، اور اعمال سیۂ ایمان کامل کے منافی ہیں، نفس ایمان کو یہ چیزیں مس نہیں کرتیں، اصل ایمان ایک بسیط حقیقت ہے، اور اسی کے ماتریدیہ اور جمہور محققین قائل ہیں۔

یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور مسلم شریف کی روایت ہے، اور یہی مضمون دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے: من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ: جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا، ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ایمان ایک بسیط حقیقت ہے، وہ صرف عقائد کا نام ہے، اور اسی پر دخول جنت کا مدار ہے۔

لیکن یہ بات محدثین کے موقف کے خلاف ہے، اس لئے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انما کان ھذا فی اول الاسلام قبل نزول الفرائض والامر والنھی. یعنی یہ ارشادات دور اول کے ہیں جبکہ فرائض اور اوامر ونواہی کا نزول نہیں ہوا تھا، بعد میں جب اعمال صالحہ مامور بہ ہوئے اور اعمال سیۂ منہی عنہ ٹھہرے تو وہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہو گئے، اور وہ ایمان کے اجزا بن گئے۔

مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا، اس لئے اہل علم سے دوسری توجیہ نقل کی کہ جو بھی توحید کا قائل ہے، وہ کسی نہ کسی دن جنت میں ضرور جائے گا، اگرچہ اس کو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں بھیجا جائے، مگر وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، کیونکہ سات صحابہ سے ایسی حدیثیں مروی ہیں جن کا مضمون یہ ہے: سیخرج قوم من النار من اھل التوحید ویدخلون الجنۃ. "عنقریب کچھ لوگ جو توحید کے قائل ہیں جہنم سے نکالے جائیں گے، اور جنت میں داخل کئے جائیں گے۔" اور متعدد تابعین سے سورۃ الحجر آیت ۲ ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝﴾ کی تفسیر کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے، پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بطاقہ والی حدیث پیش کی ہے، اس پرچہ میں کلمۂ شہادت ہوگا، اور وہ تمام برائیوں سے بھاری ہو جائے گا، پس امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو کا حاصل امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ پر رد کرنا ہے۔

لغات: مھلا: ٹھہر وصبر سے کام لو۔ استشھدت: صیغہ مجہول مجھ سے گواہی طلب کی گئی۔ سیخلص: الگ اور ممتاز کردے گا۔ سِجِل: رجسٹر کاغذات کا مجموعہ اس کی جمع سجلات ہے۔ مثل مد البصر: تاحد نگاہ بڑا۔ کتبتی: کاتب کی جمع ہے میرے لکھنے والے فرشتے۔ بطانۃ: پرچہ کارڈ۔ کِفّۃ: ترازو کا ایک پلڑا طاشت وہ رجسٹر ہلکے پڑ گئے یعنی ان کا پلڑا وزن کی کمی وجہ سے اوپر کو اٹھ گیا۔ ثقلت: اس پرچہ کا پلڑا بھاری اور وزنی ہو گیا۔

بَابُ افْتِرَاقِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ

اُمت میں گروہ بندیاں

(۲۵۶۴) تَفَرَّقَتِ الْيَهُودُ عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ اَوِ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً وَالنَّصَارٰى مِثْلُ ذٰلِكَ وَتَفْتَرِقُ

أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی ۷۱ فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے عیسائی بھی اسی کی مانند (اتنے ہی فرقوں میں تقسیم ہوئے) اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔

(۲۵۶۵) لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ مَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ساتھ بھی وہی کچھ پیش آئے گا جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا تھا بالکل اسی طرح جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ طور پر زنا کیا تھا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا شخص ہوگا جو ایسا کرے گا اور بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی ایک گروہ کے علاوہ باقی سب جہنم میں جائیں گے لوگوں نے دریافت کیا وہ کون لوگ ہوں گے؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو جنت میں جائیں گے)؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس راستے پر چلیں گے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

(۲۵۶۶) إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِيْ ظُلْمَةٍ فَأَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ أَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰى وَمَنْ أَخْطَأَهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ أَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تاریکی میں مخلوق کو پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا تو جنہیں وہ نور نصیب ہوگیا وہ ہدایت حاصل کر گئے اور جنہیں نصیب نہیں ہوا وہ گمراہ ہوگئے اسی لیے میں یہ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قلم خشک ہو چکا ہے۔

(۲۵۶۷) أَتَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ فَإِنَّ حَقَّهٗ عَلَيْهِمْ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا قَالَ أَتَدْرِيْ مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ إِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ جانتے ہو؟ کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ان بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ بات جانتے ہو؟ کہ ان بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ ایسا کریں؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔

(۲۵۶۸) أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَبَشَّرَنِيْ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّهٗ مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ

سَرِقَ قال نَعَمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے یہ خوشخبری دی جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے دریافت کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔

تشریح: افترق امتی ، میں امت سے کیا مراد ہے؟ (۱) بعض نے کہا کہ اس سے امت دعوت مراد ہے یعنی امت محمدیہ کے تمام افراد خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اس صورت میں ۷۳ فرقوں میں وہ مذہب والے گروہ بھی داخل ہونگے جو ہمارے ساتھ قبلہ میں شریک نہیں۔

(۲) راجح یہ ہے کہ اس سے امت اجابت مراد ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے جو ایک ہی قبلہ کے پیروکار ہیں ان کے ۷۳ فرقے ہوں گے۔

تنبیہ: یہ ذہن میں رہے کہ اس مذموم اختلاف سے ائمہ کرام اور فقہاء کا فروعی اختلاف مراد نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف شرعاً مذموم نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعث رحمت ہے اس اختلاف سے اصول توحید اور نبوت و رسالت کی شروط وغیرہ کا اختلاف مراد ہے۔ چنانچہ بذل المجھود ، میں ہے کہ اس اختلاف سے فروعی اور فقہی اختلاف مراد نہیں بلکہ اس سے اصولی اختلاف مراد ہے اور ۷۳ کے عدد سے کثرت مقصود ہے کہ اس امت میں اصولی اختلاف رکھنے والے بے شمار فرقے پیدا ہوجائیں گے نجات پانے والا اور راہ راست پر صرف ایک ہی فرقہ ہوگا جسے اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق ہوگا۔

ماحقهم على الله......

اعتراض: اللہ تعالیٰ پر تو بندوں کی کوئی چیز لازم نہیں تو پھر اس حق سے کیا مراد ہے؟

جواب ①: اس حق سے لائق اور مناسب کے معنی مراد ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں ورنہ تو اللہ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب نقص اور عجز سے پاک ہے۔

جواب ②: اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر ایک شئی کو لازم کرلیا ہے ورنہ بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اسے وجوب احسانی اور تفضلی کہا جاتا ہے۔

جواب ③: کلام کے حسن اور مشاکلت کے طور پر لفظ حق استعمال کیا ہے پہلے لفظ حق الله على العباد استعمال فرمایا تو اسی کے لحاظ سے دوسرے مقام پر بھی حق کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس سے لزوم اور وجوب کے معنی مراد نہیں۔ (مرقاۃ : ۱/۱۷۲)

یہ باب گزشتہ بحث کا آخری باب ہے، اور یہ باب بھی دفع دخل مقدر کے طور پر لایا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ معتزلہ اور خوارج وغیرہ ایمان کو مرکب مانتے ہیں، اعمال صالحہ کو اس کا جز مانتے ہیں، اور مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟ یہ باب اس کا جواب ہے کہ یہ فرقے گمراہ ہیں، اس لئے ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں، نبی ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح اس امت میں بھی اختلاف ہوگا، اور ان میں سے ناجی صرف ایک فرقہ ہوگا، باقی سب جہنم میں جائیں گے، اس لئے ان کے عقائد اور ان کے خیالات کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف فرقہ ناجیہ کی تعیین اس لئے پوچھی کہ وہی مقصود و مطلوب ہے، اسی کی پیروی کرنی ہے، گمراہ فرقوں سے امت کو کیا لینا ہے! ہاں علماء کے لئے ان کے احوال سے واقفیت ضروری ہے۔ اور فرقہ ناجیہ اہل السنہ والجماعہ ہے۔

ما انا علیہ: سنت سے تعبیر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ ہے وہی سنت ہے، اور سنت ہی حجت ہے، حدیث حجت نہیں، کسی حدیث میں حدیثوں کو مضبوط پکڑنے کا حکم نہیں آیا، تمام حدیثوں میں سنت ہی کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہے۔

اور **ما انا علیہ اصحابی** سے مراد: اجماع امت ہے، ابن ماجہ اور ابوداؤد میں یہی حدیث دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اس میں لفظ الجماعۃ ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ ایک ملت جو ناجی ہوگی وہ کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الجماعۃ:** یعنی جماعت مسلمین، اسی کا نام اجماع امت ہے، پس جس طرح فرقہ اہل قرآن گمراہ ہے بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اسی طرح فرقہ اہل حدیث بھی گمراہ ہے، مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں، اور برحق ملت صرف اہل السنہ والجماعہ ہیں۔

وان زنی وان سرق: کا سوال پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کیا ہے، پھر جب یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انھوں نے بھی یہی سوال کیا اور ان آخری حدیثوں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ نجات کا مدار کلمہ توحید پر ہے، اور ایمان ایک بسیط حقیقت ہے، اقرار و اعمال اس کا جز نہیں، اقرار صرف دنیا میں احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے، اور اعمال صالحہ اور کبائر سے بچنا ایمان کامل کے لئے شرط ہے، جس کی وجہ سے بندہ نجات اولی کا حقدار ہوتا ہے، اور جنت کے بلند درجات پر فائز ہوتا ہے، رہا نفس ایمان کا حامل یعنی توحید کا قائل تو وہ اگرچہ کبائر میں ملوث رہا ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کی تمام کوتاہیاں معاف کردیں گے یا وہ سزا پانے کے بعد نجات پائے گا۔

ربط: ابواب الایمان کے بعد ابواب العلم اس لئے لائے ہیں کہ ایمان کا مدار معرفت وخشیت پر ہے، سورۃ الفاطر (آیت ۲۸) میں ہے: ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں، اس آیت میں علماء سے معروف علماء مراد نہیں، بلکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی جو اللہ کی عظمت و کبریائی کو جانتا ہے وہی اللہ پر ایمان لاتا ہے، اور وہی اللہ سے ڈرتا ہے۔

علم کے لغوی معنی ہیں: جاننا، مگر اس کی تعریف میں بڑا اختلاف ہے، یعنی جاننے کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بات ابھی تک منقح نہیں ہو سکی، اسی طرح جاننے والی قوت کونسی ہے: عقل ہے یا دل؟ اور اس کا محل کیا ہے؟ یہ بات بھی ابھی تک طے نہیں ہو سکی۔

اور شرح عقائد میں علم کی تعریف یہ کی ہے:

صفة یتجلی بها المذکور لمن قامت هی به.

یعنی علم ایک حالت کا نام ہے: جس سے وہ بات واضح ہو جاتی ہے جو عالم کے سامنے ذکر کی جاتی ہے، جبکہ عالم کے ساتھ وہ حالت قائم بھی ہو، یعنی اس میں موجود بھی ہو اور اگر وہ بے وقوف ہے تو اس کے سامنے معلوم کا خواہ کتنا ہی ذکر کیا جائے اس کو علم حاصل نہیں ہوگا۔ ور ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ علم ایک نور ہے جس سے معلوم واضح ہو جاتا ہے، جیسے آنکھ میں روشنی ہے جس سے دیکھی ہوئی چیز واضح ہو جاتی ہے۔

حکماء کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

حصول صورة الشئی فی العقل.

کسی شے کی صورت عقل میں حاصل ہونا یہ تعریف وہم شک ظن جہل مرکب تقلید اور یقین کو شامل ہے۔

متکلمین کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

هو صفة یتجلی بها المذکور لمن قامت هی به. عالم کے ذہن میں کسی چیز کا انکشاف علم ہے۔

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ علم انکشاف ذہنی کا نام ہے، یہ انکشاف تام اور غیر مشتبہ ہونا چاہیے۔

محدثین کی اصطلاح میں علم کی تعریف:

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علم مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستفاد ہوتا ہے یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے اقوال افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو کسبی ہے اور اگر بلا واسطہ حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔

علم دین کی تفصیل:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتا ہیں: جب علم کا لفظ مطلقا بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کی معرفت کا علم اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔

(۲) اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم اس میں علم نبوت اور علم احکام اللہ بھی داخل ہے۔

(۳) کتاب وسنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم اس میں مراتب نصوص ناسخ اور منسوخ اجتہاد قیاس صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم بھی داخل ہے۔

(۴) جن علوم سے کتاب وسنت کی معرفت اور احکام شرعیہ کا علم ممکن ہو اس میں لغت عرب نحو صرف اور محاورات عرب کی معرفت داخل ہے۔

عوام کے لیے قدر ضروری علم کا بیان:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علم کی دو قسمیں ہیں عوام کا علم اور خواص کا علم۔

عوام کا علم:

عوام کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ پانچ چیزیں ضروری ہیں کہ پانچ نمازیں فرض ہین اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ماہ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے اور ان کے اموال میں زکوۃ فرض کی ہے اور زنا قتل چوری اور شراب نوشی کو ان پر حرام کر دیا ہے اسی طرح وہ احکام جن کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلف کیا ہے جن کا کرنا یا جن سے اجتناب اس پر ضروری ہے ان سب کا جاننا اس پر ضروری ہے ان احکام کی صراحت قرآن مجید میں مذکور ہے اور یہ احکام اہل اسلام میں تواتر کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں یہ وہ علم ہے جس میں غلطی تاویل یا اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

خواص کے لیے قدر ضروری علم کا بیان:

احکام شرعیہ کی تمام فروعات کا علم حاصل کرنا قرآن مجید کی صریح عبارات دلات اشارت اور اقتضاء نصوص کو جاننا اسی طرح احادیث اور آثار کا علم حاصل کرنا قیاس اور اس کی شرائط کو جاننا اور ایسی صلاحیت حاصل کرنا کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا کتاب اور سنت سے حل بتایا جا سکے ہر شخص کے لیے علم میں اتنی مہارت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے لیکن مسلمانوں میں سے چند افراد کے لیے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ سب گنہگار رہوں گے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (التوبہ: ۱۲۲)

"اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوں تو ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت کیوں نہ نکلی تا کہ وہ

لوگ دین کی فقہ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں تا کہ وہ (گناہوں سے) بچے رہیں۔"

ایک بار فرقف سنجی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا فقہاء آپ کی مخالفت کرتے ہیں حسن نے کہا تم نے کوئی فقیہ دیکھا ہے؟ فقیہ وہ شخص ہوتا ہے جو دنیا میں زاہد آخرت میں راغب اپنے دین پر بصیرت رکھنے والا اپنے رب کی عبادت پر مداومت کرنے والا متقی لوگوں کی عزتوں سے بچنے والا ان کے اموال سے احتراز کرنے والا اور ان کی خیر خواہی کرنے والا ہو لیکن اب مشہور یہ ہے کہ فقیہ وہ شخص ہے جو احکام جزئیہ کا حافظ ہو عام ازیں کہ اسے ان احکام کے دلائل مستحضر ہوں یا نہیں۔ (تحریر)

خلاصہ یہ ہے کہ اتنا وسیع علم حاصل کرنا جو احکام شرعیہ کی تمام فروع اور جزئیات پر مع ان کے دلائل کے محیط ہو یہ فرض کفایہ ہے اور ان جزئیات کے حافظ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام مسائل اور ان کے دلائل زبانی یاد ہوں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص میں ایسی مہارت ہو کہ جب بھی اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ قرآن مجید احادیث اور کتب فقہ سے دلائل کے ساتھ اس کا جواب دے سکے اور اسی شخص کو عالم مفتی اور فقیہ کہتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر چند کہ اس حدیث کی سند کو غیر متصل قرار دیا ہے لیکن یہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور اگر یہ محض ضعیف ہوتی تب بھی اس کا فضائل میں ذکر صحیح تھا اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام احمد، اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بعض اجزاء کا ذکر کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: امام حاکم اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کی صحت کا التزام کیا ہے اور العلماء ورثة الانبیاء متعدد اسانید صالحہ کے ساتھ مروی ہے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث کی اصل قرآن مجید کی ان آیات میں ہے:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ (فاطر: ۳۵، ۳۲)

"پھر ہم نے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تو کوئی ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی متوازن ہے اور ان میں سے بعض اذن الٰہی سے نیک کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں یہی بڑا فضل ہے۔"

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الظالم الذی اخذ القرآن ولم یعمل به والمقتصد الذی عمل به والسابق الذی اخذه وعمل به وبین للناس العمل به فعملوا به بقوله فهو کامل ومکمل والمقتصد کامل والظالم ناقص.

"ظالم سے مراد وہ شخص ہے جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہیں کیا اور مقتصد وہ شخص ہے جس نے علم کے تقاضے پر عمل کیا اور سابق سے مراد وہ شخص ہے جس نے قرآن مجید کا علم حاصل کر کے خود بھی عمل کیا اور لوگوں کو بھی قرآن مجید پر عمل کی دعوت دی اور لوگوں نے اس کی دعوت سے قرآن مجید پر عمل کیا پس سابق کامل اور مکمل ہے اور مقتصد کامل ہے اور ظالم ناقص ہے۔"

دنیا کا سورج اور علم کا سورج شیخ طریقت سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ رب العزت کے ہاں اہل علم کی بڑی شان ہے اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا: العلم نور "علم ایک روشنی ہے" اور یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ علم کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ افضل ہوتی ہے کیونکہ سورج تو کچھ حصے کے لیے چمکتا ہے پھر ڈوب جاتا ہے صرف دن کو روشنی دیتا ہے رات کو روشنی نہیں دیتا لیکن علم کا سورج دن کو بھی چمکتا ہے اور رات کو بھی چمکتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ اہل علم حضرات کی محفلیں راتوں کو بھی لگتی رہتی ہیں۔

اور ملا محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلم میں یہ کہہ کر سپر ڈال دی: و الحق انه من اجلى البديهيات، كالنور والسرور نعم تنقيح حقيقته عسير جدًا: یعنی علم ایک بہت ہی بدیہی چیز ہے، جیسے روشنی اور خوشی، ہر شخص سمجھائے بغیر دونوں کو سمجھتا ہے، مگر اس کی حقیقت منقح کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ علم کی دو حقیقتیں ہیں: ① حقیقت اجمالیہ ② حقیقت تفصیلیہ۔

حقیقت اجمالیہ کے اعتبار سے علم بدیہی نہیں بلکہ اجلی البدیہیات ہے۔ اور حقیقت تفصیلیہ کی تنقیح اور وضاحت یقیناً انتہائی مشکل ہے تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے والحق انه من اجلى البديهيات میں حقیت اجمالیہ کو بیان کیا اور نعم تنقيح حقيقته عسير جدا۔ اس قول میں حقیقت تفصیلیہ کو بیان کیا ہے۔ اس جواب سے ایک اور سوال کا جواب بھی ہو گیا۔

(مزید تفصیل کے لئے بدرالنجوم شرح سلم العلوم)

علم اور معلومات میں فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طلباء سے پوچھا علم کسے کہتے ہیں؟ کسی نے کہا جاننا، کسی نے کہا پہچاننا، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ حضرت خاموش رہے طلباء نے عرض کیا حضرت! آپ ہی بتا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا! علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا کیونکہ وہ تمام خبریں جو انسان کے دماغ میں تو موجود ہیں مگر عمل میں نہیں تو وہ معلومات کہلائیں گی۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے علم نافع مانگنے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم علیہ السلام دعائیں مانگتے تھے کہ "اے اللہ! مجھے علم نافع (نفع دینے والا علم) عطا فرما"۔ علم نافع وہی ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے اور اگر فقط معلومات ہوں تو یہ وبال بن جاتی ہیں۔

بَابُ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا فَقَّهَهٗ فِى الدِّيْنِ

باب ۱: اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ خیر منظور ہوتی ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں

(۲۵۶۹) مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرلے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے۔

تشریح: کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک فرض عین اس کی تحصیل ہر فرد پر لازمی ہے اور ایک فرض کفایہ اس علم کو ایک آدمی نے بھی حاصل کرلیا تو اس علاقے کے باقی لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہو گیا۔

فرائض دین کا اجمالی علم فرض عین ہے کوئی آدمی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اور دین کی سمجھ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دین کی اہمیت مؤمن کے لئے واضح ہو جائے اور وہ دیندار بن جائے، دنیا کی پرفریب زندگی کے چکر سے نکل جائے اور احکام شرعیہ کی پوری طرح

پیروی کرنے لگے، پس جتنے دیندار مسلمان ہیں سب اس حدیث کا مصداق ہیں۔

اور دین کی سمجھ کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ آدمی دین وشریعت سے پوری طرح واقف ہو جائے، قصہ مشہور ہے کہ کسی نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا: کیا حال گزرا؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے فرشتوں نے اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا، اللہ نے مجھ سے فرمایا: محمد! اگر مجھے تیرے ساتھ خیر منظور نہ ہوتی تو میں تجھے اپنا علم نہ دیتا جا تجھے بخش دیا۔ پس یہ حدیث جس طرح ہر دیندار مسلمان کے لئے بشارت ہے: علماء اور طلباء کے لئے بھی بہت بڑی خوشخبری ہے، آپ غور کریں: کروڑوں بچے گلیوں میں بھٹکر ہے ہیں، یا اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں، اور آپ چند خوش نصیب نفوس کا للہ تعالیٰ نے دین حاصل کرنے کے لئے انتخاب فرمایا ہے۔

پہلی وحی میں تحصیل علم کی تلقین:

قرآن پاک جب نازل ہوا تو پہلا لفظ جس سے اللہ رب العزت کی وحی فخر انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی وہ تھا ﴿اِقْرَاْ﴾ اس کا مطلب ہے "پڑھ" پڑھنے کے لفظ سے گویا وحی کی ابتداء کی گئی جس سے پتہ چلا کہ پڑھنا یا علم حاصل کرنا اس دین متین میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝﴾ تو پڑھ قرآن تیرا رب کرے گا تیرا اکرام۔ کون پروردگار؟ ﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝﴾ جس نے آپ کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ تو قلم کا لفظ بتا کر بات واضح کردی کہ صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ لکھنا بھی اس میں ضروری ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے درمیان اس بارہ میں بحث ہے کہ زندگی کو جہاد کی راہ پر صرف کرنا افضل ہے یا علم کی راہ میں لگانا بہتر ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں فرماتے ہیں کہ جہاد کے مقابلہ میں علم دین میں مشغول ہونے کا درجہ زیادہ ہے۔ گو بعض اوقات کافروں کے حملہ کرنے کے وقت جہاد کی اہمیت وافضلیت بڑھ جاتی ہے، مگر وہ منقبت عارضی ہے۔ جس طرح ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾

فقیہ کون: انما الفقیة: الزاهد فی الدنیا الراغب فی الآخرة البصیر بأمر دینه المداوم علی عبادة ربه.

بَابُ فَضْلِ طَلَبِ الْعِلْمِ

باب ۲: تحصیل علم کی فضیلت

(۲۵۷۰) مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسے راستے پر چلے جس میں وہ علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے آسان کر دیتا ہے۔

(۲۵۷۱) مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ كَانَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتَّى يَرْجِعَ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کے حصول کے لیے نکلے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوتا ہے جب تک وہ واپس نہیں آ جاتا۔

(۲۵۷۲) مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرے تو یہ اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

تشریح: اعضاء کی تقسیم محدث اعظم حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب قول ہے: فرمایا: انسان کے جس میں مختلف اعضاء ہیں ان اعضاء کی تقسیم تین طرح سے ہے:

① کچھ اعضائے علم ہیں جن سے انسان علم حاصل کرتا ہے جیسے آنکھ، کان، دماغ، یہ ذرائع علم ہیں۔

② کچھ اعضائے عمل ہوتے ہیں جیسے ہاتھ، پاؤں۔ ہاتھ اور پاؤں نے دماغ کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔

③ کچھ اعضائے مال ہوتے ہیں وہ کچھ چیزوں کے خزینے ہوتے ہیں جیسے انسان کا دل، پھیپھڑے اور معدہ وغیرہ۔

اللہ رب العزت کی تقسیم دیکھئے کہ ہاتھ اور پاؤں جن کو مزدور قسم کے اعضاء کہا جاسکتا ہے ان کو سب سے نیچے رکھا جو اعضائے مال تھے ان کو درمیان میں رکھا اور اعضائے علم کو اللہ تعالیٰ نے سب سے اوپر رکھا یعنی انسان کے جسم میں علماء کی بستی سب سے اوپر بسائی پھر اہل مال کی اور اس کے بعد اہل محنت کی بستی بسائی گئی۔ گویا دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اعضائے علم کو شرافت بخشی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ ذرائع جو علم حاصل کرنے کا سبب بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شرافت بخش رہے ہیں تو جو انسان خود عالم بن جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو کیسی شرافت بخشیں گے؟

علم دین کی تحصیل کے لئے گھر سے نکلنا مشکل کام ہے، اور ثواب بقدر مشقت ہوتا ہے، اور جنت کی راہ بھی دشوار گزار ہے، جنت ناگواریوں سے گھیری ہوئی ہے، پس جو اللہ کے لئے علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور ہر طرح کی مشقتیں برداشت کرتا ہے اس کو اس کا صلہ اس طرح ملتا ہے کہ جنت کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كِتْمَانِ الْعِلْمِ

باب ۳: علم چھپانے پر وعید

(۲۵۷۳) مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کسی علمی بات کے بارے میں دریافت کیا جائے جسے وہ جانتا ہو اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

تشریح: علم دین اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ خود بھی اس پر عمل کرے، اور دوسرے بندوں کو بھی اس پر لائے، پس جو شخص کوئی دینی بات جانتا ہے اور دوسرا مسلمان اس سے واقف نہیں اس لئے پوچھتا ہے، مگر وہ بتاتا نہیں تو وہ تحصیل علم کا مقصد فوت کرتا ہے اور کسی کام کا جتنا بڑا ثواب ہوتا ہے، اس کی ضد کا اتنا ہی بڑا وبال ہوتا ہے، اس لئے ایسے عالم کو قیامت کے دن جہنم کی لگام دی جائے گی، یعنی ایسا عالم جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ یہ حدیث پیش نظر رکھنی چاہئے اور اللہ کے دین سے اللہ کے بندوں کو پہنچانا چاہئے۔

علم سے دین کی ایسی بات مراد ہے جس کی تعلیم ضروری اور لازم ہو مثلاً کوئی کافر اسلام قبول کرنے کے لیے اسلام کے بارے

میں سوال کرتا ہے یا نماز کے وقت نماز کے مسائل دریافت کرتا ہے یا کسی مسئلہ کا شرعی حکم کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام تو ان سب امور کا جواب دینا اس پر ضروری ہے کیونکہ عالم کا کام یہ ہے کہ وہ امت کی رہنمائی کرے غیر ضروری اور نفلی امور سے متعلق جواب دینا ضروری نہیں۔بعض حضرات کے نزدیک اس علم سے علم شہادت مراد ہے۔

قصہ کا صحیح علم حاصل ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی گواہی دے ایسے میں اس نے گواہی نہ دی تو وہ اس وعید کا مستحق ہوگا۔(مرقاۃ:۱/۷ ۴۳ کتاب العلم)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِسْتِيْصَاءِ بِمَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ

باب ۴: طالبین علم کے ساتھ حسن سلوک کرنا

(۲۵۷۴) اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا يَأْتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِيْنِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا.

ترجمہ:ابو ہارون کہتے ہیں جب ہم لوگ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا ان لوگوں کو خوش آمدید جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لوگ تمہارے پیروکار ہوں گے کچھ لوگ زمین کے دور دراز علاقوں سے تمہارے پاس آئیں گے وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہتے ہوں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے بارے میں بھلائی کی تلقین کو قبول کرو۔

مسند احمد کی روایت ہے:

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَالٍ الْمُرَادِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ مُتَّكِئٌ عَلٰى بُرْدٍ لَهُ اَحْمَرَ فَقُلْتُ لَهُ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ جِئْتُ اَطْلُبُ الْعِلْمَ. فَقَالَ مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ اَنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ تَحُفُّهُ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا ثُمَّ يَرْكَبُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغُوا السَّمَاءَ الدُّنْيَا مِنْ مُحَبَّتِهِمْ لِمَا يَطْلُبُ.(رواہ احمد)

ترجمہ: صفوان ابن عسال المرادی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ چادر پر ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے کہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاش علم میں حاضر ہوا ہوں۔حضور نے فرمایا: مرحبا اے طالب علم !فرشتے طالب علم کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اپنے پروں کے سائے میں اُسے لے لیتے ہیں۔ایک پر ایک جمع ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ علم کی محبت میں سب سے نچلے آسمان تک چلے جاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:العلم خزائن فسئلوا یرحمکم اللہ فانہ یوجر فیہ اربعۃ تم سوال پوچھا کرو ،اللہ تم پر رحم فرمائے ،اس لیے کہ علم کا سوال پوچھنے پر چار قسم کے بندوں کی مغفرت ہوا کرتی ہے:السائل والمعلم والسامع والمحب لھم۔ پہلا بندہ جو سوال پوچھنے والا ہوتا ہے،دوسرا وہ شخص جو سوال کا جواب دے رہا ہوتا ہے،تیسرا وہ شخص جو پاس بیٹھا

ہواوران دونوں کے سوال وجواب سن رہا ہواور چوتھے وہ لوگ جو اس سائل اور معلم سے محبت کرنے والے اوران کا تعاون کرنے والے۔
علم ہی انسان کے لئے باعث فخر ہے

① اَلْعِلْمُ مَغْرِسُ كُلِّ فَخْرٍ فَافْتَخِرْ وَاحْذَرْ يَفُوْتُكَ فَخْرُ ذَاكَ الْمَغْرِسِ
② وَاعْلَمْ بِاَنَّ الْعِلْمَ لَيْسَ يَنَالُهُ مَنْ هَمُّهُ فِيْ مَطْعَمٍ اَوْ مَلْبَسٍ
③ اِلَّا اَخُو الْعِلْمِ الَّذِىْ يُعْنٰى بِهٖ فِىْ حَالَتَيْهِ عَارِيًا اَوْ مُكْتَسِيْ
④ فَاجْعَلْ لِنَفْسِكَ مِنْهُ حَظًّا وَافِرًا وَاهْجُرْلَهُ طِيْبَ الرُّقَادِ وَعَبِّسِ
⑤ فَلَعَلَّ يَوْمًا اِنْ حَضَرْتَ بِمَجْلِسٍ كُنْتَ الرَّئِيْسَ وَفَخْرَ ذَاكَ الْمَجْلِسِ

① علم ہر فخر کا منبع ہے، سو (اسی پر) فخر کرواور اس (بات سے) پرہیز کروکہ یہ فخر تم سے چھوٹ جائے۔
② یقین کروکہ علم کو وہ شخص حاصل نہیں کرسکتا جس کا مقصدِ حیات بس کھانا اور پہننا ہو۔
③ ہاں وہ علم دوست (اُس کو حاصل کرے گا) جو تنگی وفراخی دونوں حالتوں میں اُس پر فدا ہو
④ سو اپنے لیے علم کا بہت حصہ اختیار کرواور اس کے لیے آرام وآسائش کو تج دو، زاہدانہ زندگی اپناؤ۔
⑤ پھر وہ دن آئے گا کہ تم کسی مجلس میں موجود ہوگے، اورتم ہی میرِ مجلس اور فخرِ مجلس ہوگے۔ (دیوانِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ ذِهَابِ الْعِلْمِ

باب ۵: علم اٹھ جانے کا بیان

(۲۵۷۶) اِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ علم کو یوں قبض نہیں کرے گا کہ اسے لوگوں سے الگ کردے بلکہ وہ علماء کو قبض کرنے کے ذریعے علم کو قبض کرے گا یہاں تک کہ وہ کسی عالم کو باقی نہیں رہنے دے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے ان سے سوال کئے جائیں گے وہ علم نہ ہونے کے باوجود جواب دیں گے وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(۲۵۷۷) كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيْدٍ الْاَنْصَارِيُّ كَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا وَقَدْ قَرَاْنَا الْقُرْاٰنَ فَوَاللهِ لَنَقْرَاَنَّهٗ وَلَنُقْرِاَنَّهٗ نِسَآءَنَا وَاَبْنَآءَنَا قَالَ ثَعِلَتْكَ اُمُّكَ يَازِيَادُ اِنْ كُنْتُ لَاَعُدُّكَ مِنْ فُقَهَآءِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ هٰذِهِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ عِنْدَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَمَاذَا تُغْنِىْ عَنْهُمْ قَالَ جُبَيْرٌ فَلَقِيْتُ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ فَقُلْتُ اَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ اَخُوْكَ اَبُو الدَّرْدَآءِ فَاَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِىْ قَالَ اَبُو الدَّرْدَآءِ قَالَ صَدَقَ اَبُو الدَّرْدَآءِ اِنْ شِئْتَ لَاُحَدِّثَنَّكَ

بِأَوَّلِ عِلْمٍ يُرْفَعُ مِنَ النَّاسِ الْخُشُوعُ يُوشِكُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَ الْجَامِعِ فَلَا تَرَى فِيهِ رَجُلًا خَاشِعًا.

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ گھڑیاں ہیں جن میں علم کو لوگوں سے کھینچا جا رہا ہے یہاں تک کہ اس کی کسی بھی چیز پر قادر نہیں رہیں گے تو حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہم میں سے علم کو کیسے کھینچا جا رہا ہے جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم ہم اسے پڑھتے رہیں گے اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھاتے رہیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زیاد تمہاری ماں تم پر روئے میں تو تمہیں مدینہ منورہ کے سمجھدار لوگوں میں ایک سمجھتا تھا یہ تورات اور انجیل عیسائیوں کے پاس ہے لیکن اس کا انہیں کیا فائدہ ہوا۔ جبیر بیان کرتے ہیں بعد میں میری ملاقات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا آپ کو معلوم ہے آپ کے بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ پھر میں نے انہیں وہ حدیث سنائی جو ابودرداء نے بیان کی تھی تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے سچ بیان کیا ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ سب سے پہلا علم کون سا لوگوں سے اٹھایا جائے گا؟ وہ خشوع وخضوع ہے عنقریب تم جامع مسجد میں جاؤ گے لیکن تمہیں وہاں ایک بھی شخص ایسا نظر نہیں آئے گا جس میں خشوع خضوع ہو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صرف قرآن، حدیث اور فقہ پڑھنے سے دین باقی نہیں رہے گا، بلکہ جب تک اخلاص کے ساتھ قرآن پڑھا جائے گا دین باقی رہے گا، اور جب اس کو دنیوی مفادات کا ذریعہ بنا لیا جائے گا تو دین کا جنازہ نکل جائے گا، جیسا اگلے باب میں آ رہا ہے، پس طلبہ کو چاہئے کہ وہ نیت میں اخلاص پیدا کریں، دین کو صرف دین کے لئے حاصل کریں، اور اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کو پھیلائیں، اپنا کوئی مفاد اس کے ساتھ وابستہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ يَطْلُبُ بِعِلْمِهِ الدُّنْيَا

باب: جو شخص اپنے علم سے دنیا کو طلب کرے

(۲۵۷۸) مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَيَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ النَّارَ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص علم اس لیے حاصل کرے تا کہ اس کے ذریعے علماء کا مقابلہ کرے یا جہلا کے ساتھ بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(۲۵۷۹) مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَيْرِ اللّٰهِ أَوْ أَرَادَ بِهِ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی (رضا) کی بجائے کسی اور مقصد کے لیے علم حاصل کرے یا وہ اپنے علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور کا ارادہ کرے تو وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پہنچنے کے لیے تیار رہے؟

تشریح: علم کی دو قسمیں ہیں: دینی اور دنیوی، دینی علم اللہ کی رضا کے لئے اور دنیوی علم دنیا کمانے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے، پھر

اگر کوئی دنیوی علم اللہ کی رضا کے لئے حاصل کرے تو اس کی خوبی کے کیا کہنے! اور اگر کوئی دینی علم دنیا کمانے کے لئے حاصل کرے تو اس کی قباحت ظاہر ہے، حدیثوں میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو ایک بڑے صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ اس امر کا خوف ہے کہ قیامت کے دن تمام مجمع کے سامنے مجھے پکار کر یہ سوال نہ کیا جائے کہ جتنا علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو صرف زبان پر ہو (یعنی اس پر عمل نہ کرے) وہ اللہ تعالیٰ کا الزام ہے اور گویا اس عالم پر حجت تام ہے، دوسرا وہ علم جو دل پر اثر کرے (یعنی علم کے موافق عمل ہو) وہ علم نافع ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ (کسی چیز) کے لیے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہئے۔ (جمع الفوائد)

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم اس لئے نہ حاصل کرو کہ علماء پر فخر کرو جہلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لئے دوزخ ہے دوزخ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اپنا عمل اس کے مطابق رکھتے تو اللہ اور اللہ کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے۔ تمام مخلوق پر ان کا رعب ہوتا لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا اس لئے اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہو گیا اور وہ مخلوق میں بھی بے وقعت ہو گئے۔

امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْعَالِمُ اِذَا اَرَادَ بِعِلْمِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ هَابَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يُّكْثِرَ بِهِ الْكُنُوْزَ، هَابَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ.

ترجمہ: جب آدمی کا علم حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مقصود ہو تو پھر اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جب اس کا مقصود علم حاصل کرنے سے مال کی کثرت اور زیادتی ہو تو پھر وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلٰى تَبْلِيْغِ السَّمَاعِ

باب ۷: پڑھی ہوئی حدیثیں دوسروں تک پہنچانے کی فضیلت

(۲۵۸۰) نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهٗ حَتّٰى يُبَلِّغَهٗ غَيْرَهٗ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابان اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ عین دوپہر کے وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مروان کے ہاں سے باہر نکلے تو ہم نے سوچا یہ اس وقت کسی ضروری کام سے آئے ہوں گے جو مروان نے ان سے دریافت کرنا ہوگا ہم اٹھے اور ہم نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا ہاں اس نے ہم سے کچھ چیزوں کے بارے میں دریافت کیا جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنی ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سنے پھر اس کو یاد رکھے یہاں تک کہ دوسرے تک اس کا پہنچا دے کیونکہ بعض اوقات فقیہ (یعنی علم) رکھنے والا اس شخص تک منتقل کر دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہہ (یعنی عالم ہوتا ہے اور بعض اوقات علم حاصل کرنا بذات خود فقیہہ نہیں ہوتا۔

(۲۵۸۱) نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا) یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی چیز سنے اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دے جیسے سنا تھا بعض اوقات جس شخص تک تبلیغ کی گئی ہو وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ بہتر طور پر اسے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲۵۸۲) نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَاِنَّ الدَّعْوَةَ تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ.

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی چیز سنے اسے محفوظ رکھے اور یاد رکھے پھر اس کی تبلیغ کر دے بعض اوقات جس شخص تک تبلیغ کی گئی ہو وہ براہ راست سننے والے سے زیادہ سمجھ دار (عالم یا فقیہ) ہوتا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں مسلمان کا دل دھوکہ کا شکار نہیں ہوتا خالصتاً اللہ کے لیے عمل کرنا مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ ان کی دعوت (یعنی دعا) دوسرے سب (غیر موجود) لوگوں تک محیط ہوتی ہے۔

تشریح: پہلے حدیثیں لکھی نہیں جاتی تھیں، صرف زبانی روایتیں کی جاتی تھیں۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ جو بھی طالب علم کوئی حدیث سنے، وہ آگے بڑھائے تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں، اور اب جبکہ حدیثیں کتابوں میں لکھ لی گئی ہیں۔ بات پوری طرح منطبق نہیں رہی، مگر تعلم کے بعد تعلیم کی اہمیت آج بھی برقرار ہے اور وجہ وہی ہے کبھی استاذ سے شاگرد آگے بڑھ جاتا ہے، اس لئے اگر ہر شخص دین کا علم آگے بڑھائے گا تو ممکن ہے اس کے شاگردوں میں کوئی اس سے بھی بڑا باکمال پیدا ہو۔

نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً: اللہ تروتازہ رکھیں: یہ علم دین کے طالب علموں کے لئے دعائے نبوی ہے، جو یقیناً بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی ہے۔

حتی یبلغه غیرہ: کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے کو حدیث پہنچا کر خود بھول جائے، بلکہ اس جملہ میں حدیث پڑھنے کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے کہ علم دین پڑھنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس علم کو آگے بڑھائے، اور اس کو دوسروں تک پہنچائے۔ پھر دوسروں تک حدیث پہنچانے کے دو فائدے ذکر کئے ہیں۔

پہلا فائدہ: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث میں کوئی گہرا مسئلہ ہوتا ہے، اور حامل حدیث فقیہ تو ہوتا ہے مگر وہ اس درجہ سمجھ دار نہیں ہوتا کہ وہ یہ گہرا مسئلہ نکال سکے، البتہ جس کو وہ حدیث پہنچاتا ہے وہ بڑا فقیہ ہوتا ہے وہ یہ گہرا مسئلہ حدیث سے نکال لیتا ہے، مشہور واقعہ ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں تحصیل حدیث کے لئے بیٹھے ہوئے تھے، ایک عورت آئی اور اس نے

حضرت وکیع سے کوئی مسئلہ پوچھا انھوں نے جواب دیا: مجھے تیرا مسئلہ معلوم نہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جن کا نام یعقوب تھا عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں یہ مسئلہ بتادوں، وکیع نے اجازت دے دی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ بتایا، مسئلہ بالکل صحیح تھا، استاذ خوش ہوئے اور پوچھا: یعقوب رحمۃ اللہ علیہ! تو نے یہ مسئلہ کہاں سے جانا؟ طالب علم نے کہا: حضرت! یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے جب تیرے ماں باپ ملے بھی نہیں تھے، یعنی تیرا حمل ٹھہرا اس سے پہلے سے یہ حدیث جانتا ہوں، مگر میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَعْظِيْمِ الْكَذِبِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

باب ۸: جھوٹی حدیث بیان کرنے کا وبال

(۲۵۸۴) لَاتَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ يَلِجُ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری طرف جھوٹی بات منسوب نہ کرو کیونکہ جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

(۲۵۸۵) مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ بَيْتَهُ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے (راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے) حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں جان بوجھ کر (جھوٹی بات منسوب کرے) تو وہ جہنم میں اپنے گھر تک پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

تشریح: نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں جس طرح صحابہ قرآن کریم کی تبلیغ کرتے تھے یعنی نیا نازل شدہ قرآن سب مسلمانوں تک پہنچاتے تھے، اور اس کا حکم بھی تھا۔

بلغوا عنی ولو اية: میری طرف سے پہنچاؤ، اگرچہ ایک آیت ہو، اسی طرح حیات نبوی میں صحابہ حدیثیں بھی روایت کرتے تھے، کیونکہ سب صحابہ ہر وقت خدمت نبوی میں حاضر نہیں رہتے تھے، پس جو موجود ہوتے اور کوئی حدیث سنتے تو وہ اس کو دوسرے صحابہ تک پہنچاتے، اس لئے مذکورہ احادیث میں ہدایت دی گئی کہ کوئی شخص نبی ﷺ کی طرف سے غلط بیانی نہ کرے، صحیح بات ہی بے کم وکاست پہنچائے

(۲) اور یہ حکم حیات نبوی ﷺ کے ساتھ خاص نہیں، قیامت تک کے لئے امت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ احادیث بیان کرنے میں پوری احتیاط رکھیں، صحیح روایات ہی بیان کریں، بالقصد کوئی جھوٹی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب نہ کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ رَوٰى حَدِيْثًا وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ

باب ۹: جس حدیث کے بارے میں خیال ہو کہ وہ جھوٹ ہے: اس کو روایت کرنا جائز نہیں

(۲۵۸۶) مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ حَدِيْثًا وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص ہمارے حوالے سے کوئی بات نقل کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں ایک شمار ہوگا۔

بَابُ مَانُهِیَ عَنْهُ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ۱۰: حدیث سن کر یہ کہنا کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے: خطرناک گمراہی ہے

(۲۵۸۷) عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ وَغَیْرُهٗ رَفَعَهٗ قَالَ لَاُ اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَاْتِیْهِ اَمْرٌ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْنَهَیْتُ عَنْهُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (دیگر راویوں نے اسے مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ اس نے اپنے تکیے کے ساتھ ٹیک لگائی ہو اس کے پاس کوئی ایسا حکم آیا ہو جو ہم نے دیا ہو یا جس سے ہم نے منع کیا ہو اور وہ یہ کہے مجھے نہیں معلوم ہمیں یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ملا ورنہ ہم اس کی پیروی کر لیتے۔

(۲۵۸۸) اَلَا هَلْ عَسٰی رَجُلٌ یَبْلُغُهُ الْحَدِیْثُ عَنِّیْ وَهُوَ مُتَّکِئٌ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ فَیَقُوْلُ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ کِتَابُ اللّٰهِ وَمَا وَجَدْنَا فِیْهِ حَلَالًا اِسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِیْهِ حَرَامًا حَرَّمْنَاهُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ.

ترجمہ: حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار عنقریب کسی شخص تک ہمارے حوالے سے کوئی حدیث پہنچے گی اس نے تکیے کے ساتھ ٹیک لگائی گئی ہوگی اور وہ یہ کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب (فیصلہ کرنے کے لیے موجود ہے) ہمیں اس میں جو چیز حلال ملے گی ہم اس کو حلال سمجھیں گے اور جو چیز ہمیں اس میں حرام ملے گی ہم اسے حرام قرار دیں گے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جسے اللہ کا رسول حرام قرار دے وہ اسی طرح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

تشریح: حجیت حدیث کا مسئلہ:

قدیم زمانہ سے ایک گمراہی یہ چلی آ رہی ہے کہ کچھ لوگ صرف قرآن کریم کو حجت مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بس قرآن پہنچانا ہے، اور قرآنی احکام ہی کی تعمیل ضروری ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز حجت نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل بھی حجت اور واجب الاتباع نہیں، یہ فرقہ خود کو، اہل قرآن، کہتا ہے مگر حقیقت ہیں وہ منکرین حدیث ہیں، یہ لوگ حدیث کی تاریخی حیثیت کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس فرقہ کے وجود کی پیشین گوئی فرمائی ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ (اور اس مسئلہ پر مفصل گفتگو مقدمہ میں ہے)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ کِتَابَةِ الْعِلْمِ

باب ۱۱: حدیث لکھنے کی ممانعت

(۲۵۸۹) اِسْتَاْذَنَّا النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْکِتَابَةِ فَلَمْ یَاْذَنْ لَنَا.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (احادیث) کو تحریر کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

تشریح: مقدمہ میں تفصیل سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شروع میں بعض مصالح کی بنا پر عمومی طور پر حدیثیں لکھنے سے منع کیا گیا تھا، مگر بعض خاص مواقع پر حدیثیں لکھی بھی گئی تھیں، اس لئے جب وہ عارض ہٹ گیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثیں جمع کرنے کا حکم دیدیا، اور اس طرح تدوین حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو کئی مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں ممانعت کی روایت لائے ہیں، اور دوسرے باب میں جواز کی، پہلی روایت میں حدیثیں لکھنے کی ممانعت ہے اور دوسرے باب کی روایتوں سے جواز ثابت ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِيهِ

باب ۱۲: حدیث لکھنے کی اجازت (تدوین حدیث کا مسئلہ)

(۲۵۹۰) كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَجْلِسُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ الْحَدِيْثَ فَيُعْجِبُهُ وَلَا يَحْفَظُهُ فَشَكَا ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَسْمَعُ مِنْكَ الْحَدِيْثَ فَيُعْجِبُنِيْ وَلَا اَحْفَظُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ وَاَوْمَأَ بِيَدِهِ لِلْخَطِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنتا تھا جو اسے اچھی لگتی تھیں مگر وہ اسے یاد نہیں رکھ سکتا تھا اس نے اس بات کی شکایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی اس نے عرض کی یا رسول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنتا ہوں جو مجھے اچھی لگتی ہے مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے تحریر کرنے کی (ہدایت کی)۔

(۲۵۹۱) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ فَذَكَرَ الْقِصَّةَ فِي الْحَدِيْثِ قَالَ اَبُوْ شَاهٍ اُكْتُبُوْا لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُكْتُبُوْا لِاَبِيْ شَاهٍ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا (اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا پورا واقعہ بیان کیا ہے) تو ابو شاہ نامی صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے میرے لیے تحریر کرنے کا حکم دیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ احکام) ابو شاہ کو لکھ کر دے دو۔

(۲۵۹۲) لَيْسَ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنِّيْ اِلَّا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو فَاِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَكُنْتُ لَا اَكْتُبُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب میں سے کوئی بھی شخص مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

احادیث روایت نہیں کرتا صرف عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ایسے ہیں کیونکہ وہ تحریر کیا کرتے تھے اور میں تحریر نہیں کرتا تھا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْحَدِیْثِ عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ

باب ۱۳: اسرائیلیات بیان کرنے کا حکم

(۲۵۹۳) بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ اٰیَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے آگے پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت ہو اور بنی اسرائیل کے حوالے سے روایت نقل کر لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف کوئی بات منسوب کرے تو وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام بنی اسرائیل سے روایت کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا، پھر جب شریعت کے امور مستحکم ہو گئے صحابہ کرام دین میں ثابت قدم اور مضبوط ہو گئے وہ احادیث رسول اور بنی اسرائیل کی روایات میں امتیاز کرنے لگے اس لیے قرآن مجید اور احادیث رسول کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی روایات کی کوئی حیثیت نہیں تاہم اب اگر تم لوگ ان کی وہ روایات نقل کرو جو قرآن مجید وحدیث کے اصول اور شریعت کے موافق ہوں جو وعظ ونصیحت قصے اور مثالوں پر مشتمل ہوں عبرت کے لیے ان روایات کو نقل کرنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں لیکن ایسے واقعات اور قصے جو من گھڑت قسم کے ہوں جن کو عقل بھی تسلیم نہ کرے محض فرضی ہوں انہیں بیان نہ کیا جائے البتہ بنی اسرائیل کے احکام کو نقل کرنا اور ان کی تبلیغ کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت محمدیہ کے آجانے کے بعد دیگر تمام شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دی گئی ہیں۔ جس کی وجہ ہے کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے، اور قرآن کریم نے اعلان کیا ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ:۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔"

یعنی اب قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے یہود ونصاریٰ سے دین کی کوئی بات روایت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور شریعتیں مختلف رہی ہیں، بنی اسرائیل کی شریعت اور تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ہے، اس لئے جو باتیں گذشتہ شریعتوں کی قرآن وحدیث میں لے لی گئی ہیں، وہ تو حجت ہیں، باقی باتیں یہود ونصاریٰ کے ساتھ خاص ہیں اس لئے ان کو نقل کرنے کا بھی سوال نہیں البتہ انبیائے بنی اسرائیل کے واقعات احادیث میں بہت کم آئے ہیں، اس لئے ان کی تفصیلات اگر اصول اسلام کے خلاف نہ ہوں تو بنی اسرائیل سے روایت کی جاسکتی ہیں، مگر مفسرین کرام جو لمبے چوڑے واقعات آیات کے ذیل میں نقل کرتے ہیں وہ اکثر بے سروپا ہوتے ہیں، اس قوم کے واقعات اگر نص قرآنی کے خلاف نہ

ہوں توان کی نہ تصدیق کرنی چاہیے نہ تکذیب، اور نہ ان کو تفسیروں اور تقریروں میں بیان کرنا چاہیے، بخاری شریف میں روایت ہے کہ اہل کتاب (یہود) عبرانی میں تورات پڑھتے تھے، اور عربی میں مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر کیا کرتے تھے، پس نبی ﷺ نے فرمایا:

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم، وقولوا: امنا بالله وما انزل.

بَابُ مَا جَاءَ اِنَّ الدَّالَ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ

باب ۱۴: خیر کے کام کی راہنمائی کرنے والا خیر کے کام کرنے والے کی طرح ہے

(۲۵۹۴) اَتَى النَّبِيَّ ﷺ رجلٌ يَّسْتَحْمِلُهُ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُ مَا يَتَحَمَّلُهُ فَدَلَّهُ عَلٰى اٰخَرَ فَحَمَلَهُ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَاَخْبَرَهُ فقال اِنَّ الدَّالَ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ ﷺ سے سواری کے لیے جانور مانگے تو آپ ﷺ کے پاس اسے دینے کے لیے کوئی جانور نہیں تھا آپ ﷺ نے اس کی رہنمائی کسی دوسرے شخص کی طرف کی تو اس دوسرے شخص نے اسے جانور دیدیا تو وہ شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے کی مانند ہے۔

(۲۵۹۵) اِنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ ﷺ رجلٌ يَّسْتَحْمِلُهُ فقَالَ اِنَّهُ قَدْ اُبْدِعَ بِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ائْتِ فلانًا فَاَتَاهُ فَحَمَلَهُ فقال رسول الله ﷺ مَنْ دَلَّ على خيرٍ فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهِ اَوْ قَالَ عَامِلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بدری کہتے ہیں ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ ﷺ سے سواری کے لیے جانور مانگا اس نے عرض کی میرا جانور گم ہو گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم فلاں شخص کے پاس جاؤ وہ شخص اس شخص کے پاس آیا تو اس شخص نے اسے سواری کے لیے جانور دے دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کی بھلائی کی طرف رہنمائی کرے اسے اس پر عمل کرنے والے کی مانند اجر ملتا ہے (یہاں پر راوی کو ایک لفظ فاعل یا عامل کے بارے میں شک ہے)۔

(۲۵۹۶) اِشْفَعُوْا وَلْتُؤْجَرُوْا وَلْيَقْضِ اللهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا شَاءَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم سفارش کرو تمہیں اجر ملے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی جو چاہے فیصلہ سنا دیتا ہے۔

(۲۵۹۷) مَا مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا وَذٰلِكَ لِاَنَّهُ اَوَّلُ مَنْ اَسَنَّ الْقَتْلَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس بھی شخص کو ظلم کے طور پر قتل کیا جائے تو آدم کا بیٹا اس کے خون میں حصہ دار ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے اس نے ہی سب سے پہلے قتل کا آغاز کیا تھا۔

تشریح: جس طرح خیر وشر کے ارتکاب پر ثواب وعقاب ہوتا ہے اسی طرح ان کاموں کا سبب بننے پر بھی ثواب وعقاب ہوتا ہے، باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے چار حدیثیں ذکر کی ہیں، پہلی تین حدیثیں خیر کا سبب بننے پر ثواب ملنے کی ہیں، اور آخری حدیث شر کا

سبب پر عقاب کی ہے اور دین سکھلانا بھی خیر کا کام ہے اس مناسبت سے یہ باب ابواب العلم لایا گیا ہے۔

اِشْفَعُوا وَلْتُؤْجَرُوا وَلْيَقْضِ اللهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا شَاءَ.

اس حدیث میں تین باتیں بیان کی ہیں:

① سفارش کرنی چاہئے، یعنی کوئی شخص اتھارٹی سے کوئی درخواست کرے تو اس پر سفارش لکھنی چاہئے، مثلاً طالب علم اہتمام سے یا تعلیمات سے اپنا کوئی حق چاہے تو اساتذہ کو اس کی سفارش کرنی چاہئے۔

② سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ملے گا، خواہ درخواست دینے والے کا کام ہو یا نہ ہو۔

③ سفارش کا قبول کرنا ضروری نہیں، منتظم: ادارہ کی یا حکومت کی مصلحت پیش نظر رکھ کر درخواست قبول بھی کرسکتا ہے اور رد بھی کرسکتا ہے، کیونکہ سفارش اگر ماننی ضروری ہو تو وہ سفارش نہیں رہی، حکم ہوگئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى فَاتُّبِعَ أَوْ إِلٰى ضَلَالَةٍ

باب ۱۵: ہدایت یا گمراہی کی دعوت دی جس کی لوگوں نے پیروی کی

(۲۵۹۸) مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ يَّتْبِعُهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ يَّتْبِعُهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ان لوگوں کے اجر جتنا ثواب ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور جو گمراہی کی طرف بلائے تو اسے بھی اتنا گناہ ملے گا جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۲۵۹۹) مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا فَلَهٗ اَجْرُهٗ وَمِثْلُ أُجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهٗ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهٗ وَمِثْلُ أَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهٗ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا.

ترجمہ: عبد الملک بن عمیر حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے حوالے سے ان کے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص بھلائی کے طریقے کا آغاز کرے گا اور اس بارے میں اس کی پیروی کی جائے تو اس شخص کو اس کا اجر ملے گا اور بھلائی کی پیروی کرنے والوں کے اجر جتنا اجر ملے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص برے طریقے کا آغاز کرے گا اس کی پیروی کی جائے تو اس شخص کو اپنا گناہ ہوگا اور ان تمام لوگوں کے گناہ جتنا گناہ ہوگا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

تشریح: اتبع کے معنی ہیں پیچھے چلنا، بعد میں آنا، تابع ہونا، اور باب کا لفظی ترجمہ ہے: جس نے ہدایت (دینی بات) کی دعوت دی، پس وہ پیروی کیا گیا، یا کسی گمراہی کی دعوت دی (اور اس کی پیروی کی گئی تو اس کے لئے کیا ثواب وعقاب ہے؟) اور یہ باب گزشتہ باب (باب ما جاء ان الدال علی الخیر کفاعلہ) سے عام ہے، وہ خیر کے ساتھ خاص تھا، یہ شر کو بھی عام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدْعَةِ

باب ۱۶: سنت پر عمل اور بدعت سے احتراز کا بیان

(۲۶۰۰) وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ اِلَيْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ اَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ہمیں بلیغ وعظ کیا اس کے نتیجے میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل لرز گئے ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ یہ تو الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا تلقین کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور (حاکم وقت کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی تلقین کرتا ہوں اگر چہ وہ کوئی حبشی غلام ہو کیونکہ تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت جلد بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا اور تم لوگ نئے پیدا ہونے والے امور سے بچنا کیونکہ وہ گمراہی ہوں گے تم میں سے جو شخص ایسا زمانہ پالے تو وہ میری سنت اور ہدایت یافتہ ہدایت کا مرکز خلفاء کے طریقے کو لازم پکڑے اور اس کو مضبوطی سے تھام لے۔

(۲۶۰۱) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ اِعْلَمْ قَالَ مَا اَعْلَمُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِنَّهٗ مَنْ اَحْيٰى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةٍ لَا يَرْضَاهَا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اَوْزَارِ النَّاسِ شَيْئًا.

ترجمہ: کثیر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ بات جان لو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا بات جان لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری سنت کو اس وقت زندہ کرے جب وہ ختم ہو چکی ہو تو اس شخص کو اس سنت پر عمل کرنے والوں کے اجر جتنا اجر ملے گا حالانکہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی والی کسی بدعت کا آغاز کرے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہ ہوں تو اس شخص کو ان تمام لوگوں جتنا گناہ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۲۶۰۲) قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا بُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے میرے

بیٹے اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو ایسا ضرور کرو صبح کے وقت یا شام کے وقت (یعنی کسی بھی وقت) تمہارے دل میں کسی کے لیے دھوکہ نہ ہو پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے میرے بیٹے یہ میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت کو زندہ رکھے گا اس میں نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

تشریح: فائدہ: اس حدیث میں خلفائے راشدین کی جن سنتوں کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے: ان سے مراد ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی سنتیں ہیں، کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ تک قومی حکومت قائم ہوئی تھی، بین الاقوامی حکومت خلفائے راشدین کے زمانہ میں قائم ہوئی، اس لئے اس سلسلہ کے احکام نبی ﷺ نے بیان نہیں فرمائے۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں جب ایسی حکومت قائم ہوئی تو ان حضرات نے بہت سی باتیں ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی بیان کیں، مثلاً ابھی مثال گزری ہے کہ ملت کی زیرازہ بندی کے لئے بھی جنگ ضروری ہے، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اور بیس رکعت با جماعت تراویح کا نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنایا ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اول کا تعلق ملک کی تنظیم سے ہے اور ثانی کا ملت کی تنظیم سے۔

اور دین کی دوسری باتوں میں خلفائے راشدین بمنزلہ مجتہدین امت ہیں بعض باتیں لی جاتی ہیں، کیونکہ دین اگرچہ مکمل ہو گیا ہے، مگر کچھ اجتہادی امور باقی ہیں، جن کا نصوص سے استنباط کیا جاتا ہے، اور یہ کام مجتہدین امت کا ہے، اور ان میں اختلافات بھی ہوئے ہیں اور ایسے ہی امور میں تقلید کی ضرورت پیش آتی ہے، اور مجتہدین کی تقلید بھی انہی دو بنیادوں پر کی جاتی ہے کہ وہ راشد (راہ یاب) اور مہدی (ہدایت ماب) ہیں، ان سے چوک اگرچہ ممکن ہے، مگر وہ دانستہ غلط بیانی نہیں کرتے، اور تقلید شخصی: حکمی تقلید شخصی ہے، کیونکہ ہر فقہ میں سربراہ کے سارے اقوال نہیں لئے جاتے، چھوڑے بھی جاتے ہیں۔

لغات: موعظة بليغة: بلیغ اور مؤثر نصیحت ذرفت: آنکھیں بہ پڑیں آنسو جاری ہو گئے وجلت دل اس نصیحت سے خوف زدہ ہو گئے مودع الوداع کہنے والا رخصت ہونے والا۔ بماذا تعهد الينا: آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں محدثات الامور نئی باتیں اور جدید امور المهديين ہدایت یافتہ لوگ۔ عضوا: تم دانتوں سے پکڑو۔ نواجذ ناجذة کی جمع ہے ڈاڑھ۔ غِش کھوٹ بغض کینہ۔

بَابٌ فِي الْاِنْتِهَاءِ عَمَّا نَهٰى عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

باب ۱۷: منہیات سے احتراز لازم ہے

(۲۶۰۳) اُتْرُكُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِذَا حَدَّثْتُكُمْ فَخُذُوْا عَنِّي فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَاءِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو چیز میں تمہارے لیے ترک کر دوں (یعنی بیان نہ کروں) اس بارے میں مجھے چھوڑ دو اور جب میں تم سے کوئی بات بیان کر دوں تو اسے مجھ سے حاصل کر لو کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام سے بکثرت سوالات کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہوئے تھے۔

تشریح: جس طرح اوامر مامور بہ ہیں، نواہی منہی عنہ ہیں، جانب فعل میں جو درجہ مامورات کا ہے، وہی درجہ جانب ترک میں

منہیات کا ہے، کیونکہ شریعت کے دو حصے ہیں: مامورات اور منہیات، پس جس طرح مامورات کا چھوڑنا گناہ ہے، منہیات کا ارتکاب کرنا بھی گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اسے اس کی جگہ رکھتے تو اپنے زمانہ کے سردار بن جاتے مگر انہوں نے علم کی قدر نہ جانی، خود کو دنیا والوں کے قدموں پر ڈال دیا تا کہ ان کی دنیا میں سے کچھ حاصل کر لیں، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ذلیل ورسوا ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ (کسی چیز) کے لیے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہئے۔ (جمع الفوائد)

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ عَالِمِ الْمَدِیْنَةِ

باب ۱۸: مدینہ کے عالم کی فضیلت

(۲۶۰۴) يُوْشِكُ اَنْ يَّضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُوْنَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عنقریب لوگ علم کی تلاش میں (زیادہ) سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے لیکن انہیں کوئی ایک شخص بھی مدینہ کے عالم سے زیادہ علم والا نہیں ملے گا۔

تشریح: عالم مدینہ سے کون مراد ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابن عیینہ سے دو قول نقل کئے ہیں۔

(۱) عالم مدینہ سے حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ مراد ہیں جو دار الہجرۃ کے امام اور امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ تھے۔

(۲) اس سے عمری زاہد عبدالعزیز بن عبداللہ مراد ہیں جو علم وفقہ کے ساتھ نہایت عبادت گزار بھی تھے۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے دور کے اعتبار سے ہے کہ ان کے زمانے میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوری جگہ نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۴۶۰ کتاب العلم)

عمری زاہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ہیں، ان کا پورا نام عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رحمہ اللہ ہے یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا بیان ہے، جو انھوں نے اسحاق بن موسیٰ رحمہ اللہ سے سنا ہے، مگر تہذیب التہذیب میں ہے کہ عمری زاہد: عبد العزیز رحمہ اللہ کے بیٹے عبد اللہ رحمہ اللہ ہیں، جن کا انتقال ۱۸۴ ہجری میں ہوا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَی الْعِبَادَةِ

باب ۱۹: عبادت پر فقہ (فہم دین) کی برتری

(۲۶۰۵) فَقِيْهٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عالم شیطان کے لیے ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔

(۲۶۰۶) قَدِمَ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلَى الدَّرْدَاءِ وَهُوَ بِدِمَشْقَ فَقَالَ مَا اَقْدَمَكَ يَا اَخِيْ قَالَ حَدِيْثٌ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ مَاجِئْتَ لِحَاجَةٍ قَالَ لَا قَالَ اَمَا قَدِمْتَ لِتِجَارَةٍ قَالَ لَا قَالَ مَاجِئْتُ اِلَّا فِيْ طَلَبِ هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَبْتَغِيْ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللهُ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًى لِّطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ حَتَّى الْحِيْتَانُ فِي الْمَآءِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَآئِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ فَقَدْ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ.

ترجمہ: قیس بن کثیر کہتے ہیں مدینہ منورہ سے ایک شخص حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت دمشق میں تھے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا تم تجارت کی غرض سے آئے ہو؟ اس نے عرض کی نہیں میں یہاں صرف اس حدیث کی غرض سے آیا ہوں تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس پر وہ علم کے حصول کے لیے جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے جنت کے راستے پر چلائے گا اور بے شک فرشتے علم کے طلب گار سے راضی ہو کر اپنے پر اس کے لیے بچھا دیتے ہیں بے شک عالم شخص کے لیے آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز یہاں تک کہ پانی میں موجود مچھلیاں بھی اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم شخص کی عبادت گزار پر وہی فضیلت حاصل ہے جو چودھویں کے چاند کو تمام ستاروں پر ہوتی ہے بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیاء وراثت میں دینار یا درہم نہیں چھوڑتے وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں تو جو شخص اسے حاصل کرلے اس نے ایک بہت بڑا حصہ حاصل کرلیا۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں لکھی ہیں، پھر متفرق حدیثیں ہیں جن پر ابواب قائم نہیں کیے۔

علم کی فضیلت عبادت پر:

اِس باب کی تمام احادیث میں علم کی عبادت کے مقابلے میں فضیلت اور شرف کو بیان کیا گیا ہے۔

فَقِيْهٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ.

شیطان کے لئے دین کے کسی واقف کار عالم کو پھسلانا ہزار عابدوں کو پھسلانے سے زیادہ مشکل ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ: عالم دین: دین کا فہم رکھتا ہے، اس لئے اس کو جلدی دھوکا نہیں دیا جا سکتا، اور محض عبادت گزار چونکہ دین کا فہم نہیں رکھتا اس لئے اس کو آسانی سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔

دوسری وجہ: فقیہ اصلاح خلق کا کام کرتا ہے اور عابد اپنے فائدہ کے لئے عبادت کرتا ہے پس ہزار عابد اپنی عبادت سے خود کو سنواریں گے، اور ایک عالم ایک خلقت کو سنوارے گا، اس طرح وہ شیطان کو ناکوں چنے چبواتا ہے۔

وان الملائکۃ لتضع اجنحتہا رضا لطالب العلم.

فرشتوں کے پر بچھانے سے کیا مراد ہے اس میں متعدد احتمال ہیں:

(۱) پروں کے بچھانے سے مراد یہ ہے کہ طالب علم کے سامنے اس علم کی شرف وفضیلت کی وجہ سے ادب اور احترام کے طور پر وہ

فرشتے تواضع اختیار کرتے ہیں۔

(۲) وہ اڑنا موقوف کردیتے ہیں اور ذکر الٰہی سننے کے لیے طالب علم کے پاس اتر آتے ہیں۔اس کو پروں کے بچھانے سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) اس سے طلب علم میں مدد ونصرت طالب علم کا تعاون اور رحمت خداوندی کو اس کی طرف متوجہ کرنا مراد ہے تاکہ علم کا حصول اس کے لیے آسان ہوجائے۔

(۴) اکثر حضرات کے نزدیک پروں کے بچھانے سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں کہ وہ فرشتے واقعتاً اپنے پر طالب علم کے احترام میں اس کے قدموں کے نیچے بچھاتے ہیں۔

ابن یحییٰ ساجی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن یحییٰ ساجی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک محدث کے درس میں شرکت کے لیے بصرہ کی گلیوں سے گذر رہے تھے اور ہم سب جلدی جلدی چل رہے تھے ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی تھا جو دینی اعتبار سے مشکوک سا تھا وہ استہزاء کے انداز میں کہنے لگا کہ اپنے پاؤں فرشتوں کے پروں سے اٹھالو انہیں توڑ نہ دینا ابھی وہ اسی جگہ پر ہی تھا کہ اس کے پاؤں خشک ہوگئے اور وہ زمین پر گر پڑا۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے اسی قسم کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ہم بصرہ میں ایک محدث کے پاس تھے کہ انہوں نے یہ حدیث سنائی اس مجلس میں موجود ایک معتزلی مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا کہ بخدا میں کل جوتے پہن کر فرشتوں کے پروں کو ضرور روندوں گا چنانچہ اس نے جب یہ کہا تو اس کے دونوں پاؤں خشک ہوگئے اور ان میں کیڑے پڑ گئے۔

وان العلماء ورثة الانبياء (بیشک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بازار سے گزرتے ہوئے لوگوں کو تجارت میں مشغول دیکھا تو لوگوں سے فرمایا تم یہاں ہو جبکہ میراث نبوت مسجد میں تقسیم ہورہی ہے یہ سن کر لوگ مسجد میں پہنچ گئے لیکن وہاں قرآن کریم ذکر اللہ اور علمی حلقوں کے علاوہ اور کچھ نہ پایا تو وہ لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ کہاں ہے میراث؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرآن کریم اور علم ہی تو میراث نبوت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین کے درمیان تقسیم ہورہی ہے تمہاری یہ دنیا نبی کریم کی میراث میں شمار نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ اصل میراث دینی تعلیم یعنی قران مجید وسنت کا علم ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/ ۳۷۵، مرقاۃ المفاتیح ۱/ ۴۲۷، کتاب العلم)

عالم کے لئے ایک جامع نصیحت

(۲۶۰۷) قَالَ يَزِيْدُ بْنُ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ سَمِعْتُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَخَافُ اَنْ يُّنْسِيَ اَوَّلَهٗ اٰخِرُهٗ فَحَدِّثْنِيْ بِكَلِمَةٍ تَكُوْنُ جِمَاعًا قَالَ اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْمَا تَعْلَمُ.

ترجمہ: حضرت یزید بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یزید بن سلمہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے بہت باتیں سنتا ہوں مجھے اندیشہ ہے: میں ان کا ابتدائی یا آخری حصہ بھلا نہ دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا کلمہ بتائیں جو جامع ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے علم کے مطابق اللہ سے ڈرتے رہو۔

عالم دین میں دو باتیں ہونی چاہئیں

(۲۶۰۸) خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّينِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو خصوصیات منافق میں اکٹھی نہیں ہوسکتی اچھے اخلاق اور دین کی سمجھ بوجھ۔

(۲۶۰۹) ذُكِرَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى اَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَاَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرَضِيْنَ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَحَتّٰى الْحُوتَ لَيُصَلُّونَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا تذکرہ کیا گیا جن میں سے ایک عبادت گزار تھا دوسرا عالم تھا تو آپ نے فرمایا عالم شخص کو عبادت گزار پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھے تم میں سے ادنی شخص پر حاصل ہے۔

عالم کی عابد پر فضیلت:

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم وفضلہ (۶:۲) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

من علم وعمل وعلم فذلك يدعى عظيما في ملكوت السماوات.

"جس نے علم دین حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اور وہ علم دوسروں کو سکھلایا تو وہ فرشتوں کی دنیا میں بڑا آدمی کہلاتا ہے۔"

مؤمن کا خیر سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا

(۲۶۱۰) لَنْ يَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتّٰى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں مؤمن بھلائی کی باتیں سن کر (یعنی کے علم حاصل کر کے) کبھی سیر نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا انجام جنت ہے۔

دانشمندی کی بات جہاں بھی ملے لے لینی چاہئے

(۲۶۱۱) اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ چیز ہے وہ جہاں اسے پاتا ہے تو وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: یعنی نصیحت اگر چہ دیوار پر لکھی ہوئی ہو، اسے لے لینا چاہئے، اور کہتے ہیں: انظر الی ما قال، ولا تنظر الی من قال: بات کو دیکھو، بات کہنے والے کو مت دیکھو یعنی بات اگر کام کی ہے تو لے لو، یہ مت دیکھو کہ بات کہنے والا اس پر عمل پیرا ہے یا نہیں؟ (یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی ابراہیم مخزومی متروک ہے)۔

ابواب کا ارتباط:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جب احکام سے یعنی عبادت ومعاملات سے فارغ ہوئے، تو ایمان وعلم کی باتیں شروع کیں، اب آخر میں سلیقہ مندی کی باتیں پیش کرتے ہیں، تاکہ معاشرہ خوشگوار بنے، اور لوگوں کے آپس کے تعلقات بہتر ہوں، پھر ابواب الامثال آئیں گے یعنی معنویات کو محسوس بنا کر کس طرح پیش کیا جائے؟ پھر فضائل القرآن، ابواب القراءت اور ابواب التفسیر آئیں گے، اور آخر میں دعوات واذکار کا تذکرہ کرکے مناقب پر کتاب ختم کریں گے۔

آداب ادب کی جمع ہے ادب کے معنی کیا ہیں اس کی مختلف تعبیریں ہیں:

(۱) ادب کیا ہے؟

الادب اجتماع خصال الخیر فی العبد. "ادب، درحقیقت نیک خصلتوں کے اجتماع کا نام ہے۔"

اور ادیب وہ شخص ہے، جس میں نیک خصلتیں جمع ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا:

نحن الی قلیل من الادب احوج منا الی کثیر من العلم.

"کہ ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔"

احمد بن محمد البصری نے جلاجلی البصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ توحید ایسا موجب ہے کہ جس سے ایمان (بالرسالۃ) واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس کا ایمان نہیں، اس کی توحید بھی نہیں اور ایمان ایسا موجب ہے، جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے لہٰذا جس کی شریعت نہیں اس کا نہ ایمان ہے نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے جس سے ادب واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کے پاس ادب نہیں اس کی نہ شریعت ہے نہ ایمان اور نہ توحید۔

حضرت رویم نے ابوعبداللہ بن حفیف رحمہما اللہ سے فرمایا:

يَا بُنَيَّ اِجْعَلْ عَمَلَكَ مِلْحًا وَاَدَبَكَ دَقِيْقًا. اَيْ اِسْتَكْثِرْ مِنَ الْاَدَبِ حَتّٰى تَكُوْنَ نِسْبَتُهُ الدَّقِيْقِ اِلَى الْمِلْحِ.

"اے بیٹے! اپنے عمل کو نمک بنا اور ادب کو آٹا بنا۔ یعنی ادب میں اضافہ کر حتیٰ کہ کثرت عمل وادب کی نسبت نمک اور آٹے

جیسی ہو جائے۔"

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے فرمایا: اسلام کے پانچ قلعے ہیں۔ پہلا یقین، دوسرا اخلاص، تیسرا فرائض، چوتھا تکمیل سنن پانچواں حفظ آداب۔ جب تک آدمی آداب کی حفاظت ونگرانی کرتا رہتا ہے شیطان اس سے مایوس رہتا ہے اور جب یہ آداب چھوڑنے لگتا ہے تو شیطان سنتیں چھڑوانے کی فکر میں لگ جاتا ہے حتی کہ پھر فرائض، اخلاص اور یقین تک نوبت جا پہنچتی ہے۔

ادب کے معنی ہیں وہ قول وفعل جسے اچھا اور قابل تعریف کہا جائے۔

(۲) بعض حضرات کے نزدیک عمدۃ اخلاق کو ادب کہتے ہیں یعنی یقین قناعت صبر شکر بردباری سخاوت غیرت دلیری اور مروت جیسے اوصاف سے آراستہ ہونا۔

استیذان کی حکمت اور اس کے درجات:

سورۃ النور آیت ۲۷ میں ارشاد پاک ہے۔،،اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل مت ہوؤ، یہاں تک کہ تم اجازت حاصل کرلو، اور ان کے رہنے والوں کو سلام کرلو،،اور سورۃ النور کی آیات ۵۸، ۵۹ میں ارشاد پاک ہے:" اے ایمان والو! چاہئے کہ تم سے اجازت لیں وہ لوگ جن کے تم مالک ہو" یعنی غلام باندی، اور وہ لوگ جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے، تین اوقات میں:

استیذان کا مسنون طریقہ:

استیذان کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سلام کرے، پھر نام بتلا کر اجازت طلب کرے، حدیث میں ہے کہ بنو عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح اجازت طلب کی: االج؟ میں اندر آؤں؟ آپ ﷺ نے خادم سے فرمایا:" یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا، تم باہر جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ کہے: السلام علیکم، اادخل؟ تم سلامت رہو! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ ان صاحب نے آپ ﷺ کی یہ بات سن لی، چنانچہ انھوں نے اسی طرح اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ (ابوداؤد حدیث ۵۱۷۷)

استیذان کا حکم دو وجہ سے دیا گیا ہے:

پہلی وجہ: آدمی کبھی تنہائی میں بے تکلف حالت میں ہوتا ہے، اگر کوئی اچانک گھر میں گھس آئے گا تو اس کی اس کے ستر پر نظر پڑے گی، اور یہ بات اسکو سخت ناگوار ہوگی،

فائدہ: گھر میں صرف بیوی ہو تو استیذان واجب نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ بدوں اطلاع داخل نہ ہو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں کھنکار کر داخل ہوتے تھے، ان کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ معمول اس لئے تھا کہ وہ ہمیں ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو۔ (ابن کثیر)

دوسری وجہ: اور حکم استیذان کی علت ایذاء رسانی سے بچنا، اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے گھر میں جھانکا، آپ ﷺ باریک سینگی سے سر مبارک کھجلا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں جانتا کہ تو گھر میں دیکھ رہا ہے تو تیری آنکھ میں سینگی مارتا، اجازت حاصل کرنے کا حکم آنکھ ہی کی وجہ سے ہے! (بخاری حدیث ۶۲۴۱)

استیذان کے تعلق سے لوگ تین طرح کے ہیں:

اوّل: اجنبی شخص جس سے ملنا جلنا نہیں ہوتا، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ صراحتاً اجازت لئے بغیر گھر میں داخل نہ ہوئے۔

دوم: ایسا غیر محرم جس کے ساتھ ملنا جلنا اور معاشرتی تعلقات ہیں، ایسے شخص کی اجازت طلبی پہلے شخص کی اجازت طلبی سے کم درجہ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذنك على ان يرفع الحجاب وان تستمع سوادي حتى انهاك. (مسلم ۱۴/۵۰)

ترجمہ: میرے پاس آنے کے لئے تمہارے لئے اجازت یہ ہے کہ پردہ اٹھا دیا گیا ہو، یعنی دروازہ کھلا ہوا ہو، اور یہ بات ہے کہ تم (مجھے بات کرتا ہوا) سنو (اور) میری ذات کو (دیکھو) یہاں تک کہ میں تم کو روک دوں۔

سوم: بچے اور غلام جن سے پردہ واجب نہیں، اس لئے ان کے لئے استیذان کا حکم بھی نہیں، البتہ وہ اوقات جن میں عام طور پر کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں: ان کو بھی اجازت لے کر اندر آنا چاہئے، اور یہ اوقات ملکوں اور قوموں کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، اور آیت کریمہ میں جن تین اوقات کا ذکر ہے، ان اوقات میں حصر نہیں، مثلاً آدھی رات میں آنا چاہیں تو بھی اجازت ضروری ہے۔

*

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اِفْشَاءِ السَّلَامِ

باب ۱: سلام کو رواج دینے کا بیان

(۲۶۱۲) وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَمْرٍ اِذَا اَنْتُمْ فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک کامل مؤمن نہ ہو جاؤ تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو کیا میں تمہاری ایسی بات کی رہنمائی کروں؟ جب تم اسے کر لو گے تو تمہاری آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی تم اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

تشریح: دنیا کی ہر مہذب قوم میں یہ رواج ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنی محبت کے اظہار کے لیے کوئی نہ کوئی کلمہ ضرور کہتے ہیں اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی اس موقع پر مختلف الفاظ کے استعمال کا رواج چل رہا تھا السلام علیکم کا یہ کلمہ اس قدر شیریں اور میٹھا ہے کہ جب انسان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو آپس میں پیار و محبت اور انس کا ایک ماحول بن جاتا ہے۔

لفظ سلام کے معنی ہیں ہر قسم کے عیب سے پاک صاف ہونا اور یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی ہیں وہ ذات جو ہر قسم کے نقص و عیب آفت اور تغیر و فنا سے محفوظ اور سالم ہے ایک حدیث میں ہے کہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا ہے لہٰذا تم سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو۔

سلام کا حکم: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بالاجماع سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے اور پھر بعض حضرات کے

نزدیک سلام کا جواب اتنی آواز سے ضرور دیا جائے کہ دوسرا اسے سن سکے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ مطلق سلام کا جواب دینا واجب ہے اور دوسرے کو سنوانا مستحب ہے ضروری نہیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا فورا واجب ہوتا ہے لہٰذا اگر خط میں کوئی سلام لکھے یا قاصد کے ذریعہ سلام بھیجے تو فوراً اس کا جواب دینا ضروری ہے اور بذریعہ تحریر اس سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے لیکن اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا جائے تو مطلق اس تحریری سلام کا زبانی جواب دینا ضروری ہے تحریری طور پر اس کا جواب پہنچانا ضروری نہیں ہے۔

بَابُ مَاذُكِرَ فِیْ فَضْلِ السَّلَامِ

باب ۲: سلام کی فضیلت (اجر وثواب)

(۲۶۱۳) اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثُوْنَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا السلام علیکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے دس نیکیاں مل گئیں پھر دوسرا شخص آیا وہ بولا السلام علیکم ورحمۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے بیس نیکیاں ملیں گی پھر ایک شخص آیا اور بولا السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تیس نیکیاں ملیں گی۔

تشریح: وبرکاتہ پر اضافہ مشروع ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں کہ وبرکاتہ پر اضافہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ موطا مالک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: انتهى السلام الى البركة: سلام برکت پر پورا ہوگیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے کہا: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته ومغفرته: تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسبك وبركاته: یعنی صرف وبرکاتہ تک اضافہ کرنا چاہئے، یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اور چند دوسری روایات سے اضافہ کا جواز ثابت ہوتا ہے، موطا مالک میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے سلام کے جواب میں والغاديات والرائحات بڑھایا۔ قول فیصل یہ ہے کہ عام طور پر وبرکاتہ تک ہی اضافہ کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی اور اضافہ کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ اَنَّ الْاَسْتِئْذَانَ ثَلَاثٌ

باب ۳: اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے

(۲۶۱۴) اِسْتَاْذَنَ اَبُوْ مُوْسٰى عَلٰى عُمَرَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَاَدْخُلُ فَقَالَ عُمَرُ وَاحِدَةٌ ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَاَدْخُلُ فَقَالَ عُمَرُ ثِنْتَانِ ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَاَدْخُلُ فَقَالَ عُمَرُ

ثَلَاثٌ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْبَوَّابِ مَا صَنَعَ قَالَ رَجَعَ قَالَ عَلَيَّ بِهٖ فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ مَا هٰذَا الَّذِيْ صَنَعْتَ قَالَ السُّنَّةُ قَالَ السُّنَّةُ وَاللّٰهِ لَتَاتِيَنِّيْ عَلٰى هٰذَا بِبُرْهَانٍ وَبَيِّنَةٍ اَوْ لَاَ فْعَلَنَّ بِكَ قَالَ فَاَتَانَا وَنَحْنُ رُفْقَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَسْتُمْ اَعْلَمَ النَّاسِ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِسْتِيْذَانُ ثَلَاثٌ فَاِنْ اُذِنَ لَكَ وَاِلَّا فَارْجِعْ فَجَعَلَ الْقَوْمُ يُمَازِحُوْنَهٗ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِيْ اِلَيْهِ فَقُلْتُ مَا اَصَابَكَ فِيْ هٰذَا مِنَ الْعُقُوْبَةِ فَاَنَا شَرِيْكُكَ قَالَ فَاَتٰى عُمَرَ فَاَخْبَرَهٗ بِذٰلِكَ فَقَالَ عُمَرُ مَا كُنْتُ عَلِمْتُ بِهٰذَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی اور بولے السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے ایک ہی مرتبہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب نہیں دیا) پھر ابوموسیٰ کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خود سے کہا) دومرتبہ ہوگیا (لیکن انہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دی) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے اسلام علیکم کیا میں اندر آجاؤں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تیسری مرتبہ ہے (یعنی انہوں نے اجازت پھر بھی نہیں دی) پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربان سے دریافت کیا انہیں کیا ہوا؟ دربان نے جواب دیا وہ واپس چلے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں میرے پاس لے کر آؤ جب حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی سنت کے مطابق کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی قسم یا تو اس پر آپ ثبوت یا دلیل لے کر آئیں یا پھر میں آپ کو سزا دوں گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے ہم انصاری دوست بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا اے انصار کے گروہ کیا آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے بارے میں سب سے زیادہ نہیں جانتے؟ کیا آپ ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے؟ کہ اجازت تین مرتبہ لی جاسکتی ہے اگر تمہیں اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس چلے جاؤ تو حاضرین ان کے ساتھ مذاق کرنے لگے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے اپنا سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا میں نے کہا آپ کو اس بارے میں جو سزا ملے گی میں اس میں آپ کا شریک ہوں گا۔

(۲۶۱۵) اِسْتَاْذَنْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثًا فَاَذِنَ لِيْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے مجھے یہ بات بتائی ہے وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے آپ ﷺ سے اندر آنے کی تین مرتبہ اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دی۔

تشریح: اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات کے لئے جائے تو پہلے سلام کرے اور اجازت مانگے، اگر کوئی جواب نہ ملے تو کچھ وقفہ کے بعد دوسری مرتبہ سلام کرے، اور اجازت طلب کرے، پھر بھی جواب نہ ملے تو کچھ وقفہ کے بعد تیسری مرتبہ یہ عمل کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ میں بھی جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جائے اور یہ سمجھے کہ صاحب خانہ کسی ضروری کام میں مشغول ہے، یا اور وجہ ہے، اس لئے لوٹ جائے مزید پریشان نہ کرے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں انہیں بلا کر فرمایا کہ ہم کسی کام میں مشغول تھے اس وجہ سے آپ کو جواب نہ دے سکے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہونے کے لیے تین بار اجازت طلب کی اور آپ کو اجازت دیدی گئی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم تھی تو پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات پر دلیل اور گواہ کیوں طلب کئے؟

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات تو معلوم تھی کہ تین بار تک اجازت طلب کی جائے لیکن یہ بات معلوم نہیں تھی کہ تین بار اجازت کے بعد بھی اگر اجازت نہ ملے تو آدمی واپس ہوجائے اس لیے احتیاطاً انہوں نے اس بات پر دلیل طلب کی تا کہ تحقیق کے ساتھ یہ بات ثابت ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ بعض باتیں کسی ماہر عالم کو معلوم نہ ہوں ان سے چھوٹے کو معلوم ہوں تاہم یہ بات ان کے لیے کوئی باعث عیب نہیں۔

اعتراض: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انکار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خبر واحد معتبر نہیں، چنانچہ انھوں نے واضح دلیل مانگی کہ کوئی دوسرا شخص لاؤ جس نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، حالانکہ اخبار آحاد شریعت میں معتبر ہیں۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد واقعات میں خبر واحد قبول کی ہے، جیسے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو میراث دینے کا مسئلہ اور مجوس سے جزیہ لینے کا مسئلہ، ان مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خبر واحد پر عمل کیا ہے، بلکہ اس واقعہ کا تعلق، دین کے معاملہ میں احتیاط برتنے سے ہے۔جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تائیدی بیان دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاسف سے کہا میں بازار میں خرید وفروخت کرتا رہا اس لئے ان مسائل سے ناواقف رہا!

بَابُ كَيْفَ رَدُّ السَّلَامِ؟

باب ۴: سلام کا جواب کس طرح دینا چاہیے

(۲۶۱۶) دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَعَلَيْكَ اِرْجِعْ فَصَلِّ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص مسجد میں داخل ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے کنارے میں تشریف فرما تھے اس نے نماز ادا کی پھر وہ آیا اس نے آپ کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر بھی ہو واپس جاؤ نماز ادا کرو کیونکہ تم نے درحقیقت نماز نہیں پڑھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَبْلِيْغِ السَّلَامِ

باب ۵: کسی سے سلام کہلوانا

(۲۶۱۷) لَهَا اِنَّ جِبْرِيْلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

ترجمہ: ابوسلمہ بیان کرتے ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جبریل علیہ السلام تمہیں سلام کہہ رہے ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ان پر بھی سلام ہو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور اس کی برکتیں ہوں۔

تشریح: جس طرح سلام کرنا مسنون ہے: سلام کہلوانا بھی مسنون ہے، اور جس طرح سلام کا جواب دینا ضروری ہے: آئے ہوئے سلام کا جواب دینا بھی ضروری ہے اور جواب میں سلام لانے والے کو بھی شریک کرنا چاہیئے، کہنا چاہئے: علیک وعلیہ السلام۔

غائبانہ سلام کے جواب کا مسنون طریقہ:

اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام دینے والے اور پہنچانے والے دونوں کو یہ شخص سلام کا جواب دے مثلاً وہ یوں کہے: وعليك وعلى فلان السلام یا وعليك و عليه السلام. (تیرے اُوپر اور فلاں پر بھی سلامتی ہو) سلام کے جواب کا یہ افضل طریقہ ہے چنانچہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح منقول ہے لیکن اگر یہ شخص غائبانہ سلام پہنچانے والے کو سلام نہ دے صرف اس غائب کے سلام کا جواب دے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ سلام پہنچانے والے کو سلام کے جواب میں شریک کرنا واجب نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جبرئیل علیہ السلام کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام نہیں کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ الَّذِیْ یَبْدَاءُ بِالسَّلَامِ

باب ۶: سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

(۲۶۱۸) قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ الرَّجُلَانِ یَلْتَقِیَانِ اَیُّهُمَا یَبْدَاءُ بِالسَّلَامِ فَقَالَ اَوْلَاهُمَا بِاللّٰہِ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان میں سے کون پہلے سلام کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے زیادہ نزدیک ہو۔

سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے، مگر یہ وہ سنت ہے جس کا ثواب واجب سے زیادہ ہے کیونکہ ایک تو اس کو سلام کرنے کا ثواب ملتا ہے دوسرا الدال على الخير كفاعله (خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہے گویا کہ خود کر رہا ہے) کے ضابطے سے جواب دینے کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے، اس لئے اس کا ثواب دوگنا ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ اِشَارَةِ الْیَدِ فِی السَّلَامِ

باب ۷: ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنے کی ممانعت

(۲۶۱۹) لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَیْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْیَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰی فَاِنَّ تَسْلِیْمَ الْیَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِیْمَ النَّصَارٰی الْاِشَارَةُ بِالْاَکُفِّ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کا اسلام سے

کوئی تعلق نہیں ہے جو دوسروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرلے تم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو کیونکہ یہودیوں کا سلام انگلیوں کے اشارے کے ذریعے ہوتا ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی کے اشارے کے ذریعے ہوتا ہے۔

تشریح: سلام میں کلمات سلام کا تلفظ ضروری ہے، اسی طرح جواب میں بھی کلمات جواب کا تلفظ ضروری ہے، نیز سلام سنانا بھی ضروری ہے، اگر کوئی صرف اشارے سے سلام کرے، اور کلمات سلام منہ سے نہ بولے، تو یہ سلام نہیں، اسی طرح جواب میں صرف ہاتھ سے اشارہ کر دینا اور منہ سے کلمات جواب ادا نہ کرنا کافی نہیں۔ البتہ کلمات سلام و جواب کے تلفظ کے ساتھ اشارہ بھی کیا تو یہ درست ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ

باب ۸: بچوں کو سلام کرنے کا بیان

(۲۶۲۰) كُنْتُ اَمْشِيْ مَعَ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ فَمَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ ثَابِتٌ كُنْتُ مَعَ اَنَسٍ فَمَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ اَنَسٌ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَمَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: سیار بیان کرتے ہیں میں ثابت بنانی کے ہمراہ جارہا تھا وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا پھر ثابت بنانی نے بتایا میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ جارہا تھا وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے بچوں کو سلام کیا تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی تھی میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جارہا تھا آپ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا تھا۔

تشریح: بچے مستقبل کی امت ہیں، کل ہم نہیں رہیں گے اور وہ ہماری جگہ لیں گے، اس لئے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے، پس جس طرح بچوں کو تمرین کے لئے نماز پڑھوائی جاتی ہے، اور روزہ رکھوایا جاتا ہے، اسی طرح ان کو سلام بھی کیا جائے تاکہ وہ سلام کرنا اور جواب دینا سیکھیں، علاوہ ازیں بڑوں کا چھوٹوں کو سلام کرنا تواضع کی دلیل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى النِّسَاءِ

باب ۹: عورتوں کو سلام کرنے کا بیان

(۲۶۲۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا وَعُصْبَةٌ مِّنَ النِّسَاءِ قُعُوْدٌ فَاَلْوٰى بِيَدِهٖ بِالتَّسْلِيْمِ وَ اَشَارَ عَبْدُ الْحَمِيْدِ بِيَدِهٖ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ مسجد میں سے گزرے اس وقت کچھ خواتین وہاں بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارے کے ذریعے انہیں سلام کیا۔ عبدالحمید نامی راوی نے اپنے ہاتھ کے ذریعے اشارہ کر کے یہ بات بتائی۔

تشریح: جس طرح مردوں کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں، اور سلام کو خوب رواج دیں، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے انکو بھی چاہئے کہ آپس میں ایک دوسرے کو خوب سلام کریں، رہا مردوں کا عورتوں کو، اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا تو یہ دو صورتوں میں جائز ہے۔

ایک: مردوزن محرم ہوں یا میاں بیوی ہوں، یا عورت بہت بوڑھی ہو یا چھوٹی بچی ہو تو ایک دوسرے کو سلام کرنا جائز ہے۔

دوم: عورت اجنبی ہو مگر اس کو سلام کرنے میں، یا اس کے سلام کرنے میں کوئی تہمت کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً عورتوں کا مجمع ہو اور ان کو کوئی مرد سلام کرے، یا محرم کی موجودگی میں اجنبی عورت سلام کرے، یا کوئی عورت مردوں کے مجمع کو سلام کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ ان صورتوں میں فساد کا کوئی اندیشہ نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّسْلِیْمِ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ

باب ۱۰: جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے

(۲۶۲۲) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ قَالَ قَالَ اَنَسٌ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَهْلِكَ فَسَلِّمْ تَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَیْكَ وَعَلٰی اَهْلِ بَیْتِكَ.

ترجمہ: سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میرے بیٹے جب تم اپنے گھر جاؤ تو سلام کرو یوں تمہارے اوپر بھی برکت ہوگی اور تمہارے گھر والوں پر بھی برکت ہوگی۔

تشریح: اگر گھر میں کوئی ہے تو اس کو سلام کرے، اور اگر گھر خالی ہے تو کہے: السلام علی عباد اللہ الصالحین: اللہ کے نیک بندوں پر سلام! اور گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا ذکر سورۃ النور (آیت ۶۱) میں ہے:

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً﴾ (النور:۶۱)

"جب تم اپنے گھروں میں داخل ہوؤ تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے مقرر ہے، اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔"

پس آئندہ حدیث کے ضعف سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یہ مسئلہ قرآن کریم میں ہے۔

بَابُ السَّلَامِ قَبْلَ الْكَلَامِ

باب ۱۱: گفتگو سے پہلے سلام

(۲۶۲۳) اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام (بات شروع) کرنے سے پہلے ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی کَرَاهِیَةِ التَّسْلِیْمِ عَلَی الذِّمِّیِّ

باب ۱۲: ذمی (غیر مسلم) کو سلام کرنا مکروہ ہے

(۲۶۲۴) لَا تَبْدَأُ وا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی بِالسَّلَامِ فَاِذَا لَقِیْتُمْ اَحَدَهُمْ فِیْ طَرِیْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰی اَضْیَقِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو جب تم ان میں سے کسی سے راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے کی جانب جانے پر مجبور کرو۔

(۲۶۲۵) اِنَّ رَهْطًا مِنَ الْیَهُوْدِ دَخَلُوْا عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَیْكَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَیْکُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا بَلْ عَلَیْکُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَا عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّهٖ قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا اَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ عَلَیْکُمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کچھ یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے السام علیک (یعنی آپ کو موت آئے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم (تمہیں بھی آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت بھی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا بے شک اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی وعلیکم (تمہیں بھی آئے) کہہ دیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اسی سند سے ابواب السیر باب ۴۰ باب ما جاء فی التسلیم علی اهل الکتاب میں گزر چکی ہے، اور وہاں اسکی شرح کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی السَّلَامِ عَلٰی مَجْلِسٍ فِیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَغَیْرُهُمْ

باب ۱۳: ایسے مجمع کو سلام کرنا جس میں مسلم اور غیر مسلم ہوں

(۲۶۲۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسٍ وَفِیْهِ اَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْیَهُوْدُ فَسَلَّمَ عَلَیْهِمْ.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک محفل کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو سلام کیا۔

تشریح: علماء نے لکھا ہے: ایسی صورت میں مسلمانوں کی نیت سے سلام کرے، اور اگر غیر مسلم کو سلام کرے تو محافظ فرشتوں کی نیت سے سلام کرے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ تَسْلِیْمِ الرَّاکِبِ عَلَی الْمَاشِیْ

باب ۱۴: سوار کا پیدل کو سلام کرنا

(۲۶۲۷) یُسَلِّمُ الرَّاکِبُ عَلَی الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ عَلَی الْقَاعِدِ وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْکَثِیْرِ وَزَادَ ابْنُ الْمُثَنّٰی فِیْ حَدِیْثِہٖ وَیُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَی الْکَبِیْرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں سوار شخص پیدل کو سلام کرے اور پیدل شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(۲۶۲۸) یُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَی الْکَبِیْرِ وَالْمَآرُّ عَلَی الْقَاعِدِ وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْکَثِیْرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں چھوٹا بڑے کو سلام کرے گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(۲۶۲۹) یُسَلِّمُ الْفَارِسُ عَلَی الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ عَلَی الْقَائِمِ وَالْقَلِیْلُ عَلَی الْکَثِیْرِ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار شخص پیدل کو سلام کرے اور پیدل کھڑے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

تشریح: مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جنہیں پہلے سلام کرنا چاہیے۔

(۱) جو شخص کسی جانور یا گاڑی وغیرہ پر سوار ہو تو اسے پیادہ آدمی کو سلام کرنا چاہیے تاکہ اس کے دل میں بڑائی اور تکبر کے بجائے تواضع اور انکساری پیدا ہو۔

(۲) پیدل چلنے والا کھڑے ہوئے آدمی کو سلام کرے، ,,قائم،، سے وہ شخص مراد ہے جو ایک ہی جگہ پر برقرار ہو خواہ وہ بیٹھا ہو، کھڑا ہو یا لیٹا ہوا ہو مثلاً پیدل چلنے والے کو گویا اس آدمی کے ساتھ مشابہت حاصل ہے جو گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو جس طرح گھر میں داخل ہونے والا پہلے سلام کرتا ہے اسی طرح پیادہ آدمی کو بھی پہلے سلام کرنا چاہیے۔

(۳) جو لوگ کم تعداد میں ہوں اور ایسے لوگوں سے ملیں جو زیادہ تعداد میں ہوں تو انہیں زیادہ لوگوں پر پہلے سلام کرنا چاہیے ایک تو جماعت کی فضیلت کی وجہ سے اور دوسرا اس لیے کہ تھوڑے لوگوں کے لیے سلام کرنے میں آسانی ہے بنسبت کثیر لوگوں کے سلام کرنے کے۔

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک جماعت کچھ لوگوں کے پاس جائے تو انہیں چاہیے کہ سلام کریں اگر کوئی بھی سلام نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں گے اور جماعت میں سے ایک آدمی بھی سلام کردے تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اگر ان لوگوں سے میں کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب گناہ گار ہوں گے ایک نے بھی جواب دے دیا تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص اپنی کسی ضرورت کے لیے بازار جائے تو وہ ہر شخص کو سلام نہ کرے صرف بعض کو سلام کرے کیونکہ ہر شخص کو سلام کرنے کی وجہ سے اس کے کام میں حرج پیدا ہوتا ہے۔

(۴) اور چھوٹے کو چاہیے کہ اپنے سے بڑے آدمی کو سلام کیا کرے اس کے ادب واحترام اور تعظیم، کی خاطر کیونکہ حدیث میں بڑوں کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے

سلام کرنے میں پہل کون کرے؟

اس سلسلہ کی روایات میں تعارض ہے، مثلاً فرمایا چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کرے، دوسری طرف یہ ہے کہ آپ ﷺ خود بچوں کو سلام کرتے تھے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے اس تعارض کا جواب یہ دیا ہے: دنیا کا عام دستور یہ ہے کہ گھر میں آنے والا گھر والوں کو سلام کرتا ہے، اور ادنی آدمی بڑے کو سلام کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس رواج کو بحالہ باقی رکھا چنانچہ چھوٹوں کو حکم دیا کہ بڑوں کو سلام کریں، اور گزرنے والے کو۔ جو گھر میں آنے والے کے مشابہ ہے۔ حکم دیا کہ وہ بیٹھے ہوؤں کو سلام کرے، اور تھوڑوں کو۔ جو تھوڑے ہونے کی وجہ سے ادنیٰ ہیں۔ حکم دیا کہ وہ زیادہ کو سلام کریں۔

نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اگر آدمی اپنے بڑے اور اشرف کی قدر پہچانے گا، اس کی توقیر کرے گا، اور بڑھ کر اس کو سلام کرے گا تو اس سے سوسائٹی کی شیرازہ بندی ہوگی، اور لوگ باہم مربوط ہونگے، ورنہ بڑوں کا چھوٹوں سے رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

البتہ نبی ﷺ جانتے تھے کہ سلام لینے میں ایک طرح کی خود پسندی ہے، چھوٹا جب بڑے کو سلام کرتا ہے تو اس کو فخر محسوس ہوتا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے اپنے فعل سے بڑوں کو تواضع اور خاکساری کی تعلیم دی کہ ان کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہئے، کیونکہ بڑھ کر سلام کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۶۶) اور سوار کو جو حکم دیا ہے کہ وہ پیادے کو سلام کرے: اس میں خصوصیت سے یہ بات ملحوظ ہے، کیونکہ سوار لوگوں کے نزدیک بڑی اہمیت والا سمجھا جاتا ہے اور وہ بھی خود کو بڑا سمجھتا ہے، اس لئے اس کو تاکید کی کہ وہ اپنے اندر تواضع پیدا کرے، اور پیادے کو سلام کرے۔

بَابُ التَّسْلِيْمِ عِنْدَ الْقِيَامِ وَالْقُعُوْدِ

باب ۱۵: آتے وقت اور جاتے وقت سلام کرنا

(۲۶۳۰) اِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يَّجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی محفل میں آئے تو وہ سلام کرے اگر اسے بیٹھنا مناسب لگے تو بیٹھ جائے پھر جب وہ کھڑا ہو تو پھر سلام کرے پہلے والا سلام دوسرے والے کے مقابلے میں زیادہ حقدار نہیں ہے۔ (یعنی دونوں مرتبہ ایسا کرنا چاہیے)۔

تشریح: اسی طرح مجلس سے رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور راجح قول کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے کیونکہ

ملاقات کے وقت کا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں ہے یعنی دونوں موقعوں پر سلام کرنا سنت اور جواب دینا ضروری ہے البتہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ رخصت ہونے کے وقت جو سلام کیا جائے یہ چونکہ محض ایک دعا ہے اس لیے اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے صرف مستحب ہے

سلام رخصت میں تین مصلحتیں ہیں:

پہلی مصلحت: سلام کر کے جانے سے: ناراض ہوکر ناگواری سے چل دینے، اور کسی ضرورت کے لئے جانے اور پھر ایسی ہی صحبت کی طرف لوٹنے کے درمیان امتیاز ہوتا ہے، اگر سلام کر کے گیا ہے تو خوش گیا ہے، ورنہ دوسری بات کا اندیشہ ہے۔

دوسری مصلحت: سلام کر کے رخصت ہوگا تو صاحب مجلس کو اس سے کوئی بات کہنی ہوگی تو کہہ سکے گا، اور چپکے سے چلا گیا تو بات رہ جائے گی۔

تیسری مصلحت: ایک جانا کھسک جانا ہے، جس کی سورۃ النور آیت ۶۳ میں مذمت آئی ہے، پس جو سلام کر کے جائے گا وہ اس عیب سے محفوظ رہے گا۔

بَابُ الْاِسْتِئْذَانِ قُبَالَةَ الْبَيْتِ

باب ۱۶: گھر کے سامنے کھڑے ہوکر اجازت طلب کرنا

(۲۶۳۱) مَنْ كَشَفَ سِتْرًا فَاَدْخَلَ بَصَرَهُ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ اَنْ يُّؤْذَنَ لَهُ فَرَاى عَوْرَةَ اَهْلِهٖ فَقَدْ اَتٰى حَدًّا لَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يَّأْتِيَهُ لَوْ اَنَّهُ حِيْنَ اَدْخَلَ بَصَرَهُ اِسْتَقْبَلَهُ رَجُلٌ فَفَقَا عَيْنَيْهِ مَا عَيَّرْتُ عَلَيْهِ وَاِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلٰى بَابٍ لَا سِتْرَ لَهُ غَيْرِ مُغْلَقٍ فَنَظَرَ فَلَا خَطِيْئَةَ عَلَيْهِ اِنَّمَا الْخَطِيْئَةُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پردہ ہٹا کر گھر کے اندر نگاہ ڈالے اس سے پہلے کہ اسے اجازت دی گئی ہو تو اس شخص نے پوشیدہ چیز کو دیکھ لیا اور اس نے اس جرم کا ارتکاب کیا جو اس کے لیے درست نہیں ہے اگر اس وقت جب وہ گھر کے اندر دیکھ رہا ہو کوئی شخص اس کے سامنے آئے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو میں اس کو کوئی بدلہ نہ دلواتا لیکن اگر کوئی شخص کسی دروازے کے پاس سے گزرے جس پر کوئی پردہ بھی نہ ہو پھر وہ اندر دیکھ لے تو اس شخص کا کوئی قصور نہیں ہے قصور گھر والوں کا ہے۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ باب غیر واضح ہے، درحقیقت امام صاحب کو یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب نہیں کرنی چاہئے، بلکہ دروازے کی دائیں بائیں جانب کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنی چاہئے، مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کرتے تو سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے، پس اگر دروازے پر کواڑ یا پردہ نہ ہو، یا دروازہ بند نہ ہو تو اجازت لینے والے کو ایک طرف کھڑے ہو کر اجازت مانگنی چاہئے، تاکہ اجازت سے پہلے گھر میں نظر نہ پڑے، اور اگر دروازہ بند ہو تو سامنے کھڑے ہو کر بھی اجازت مانگ سکتے ہیں، البتہ

دروازے کی درزوں (سوراخوں) سے جھانکنا نہیں چاہیے، ورنہ اجازت طلبی بے فائدہ ہوگی۔

بَابُ مَنِ اطَّلَعَ فِیْ دَارِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِهِمْ

باب ۱۷: اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں جھانکنا

(۲۶۳۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ فِیْ بَیْتِهٖ فَاطَّلَعَ عَلَیْهِ رَجُلٌ فَاَهْوٰی اِلَیْهِ بِمِشْقَصٍ فَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنے گھر میں موجود تھے ایک شخص نے اندر جھانکا تو آپ ﷺ نے تیر اس کی طرف بڑھایا تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

(۲۶۳۳) اَنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ جُحْرٍ فِیْ حُجْرَةِ النَّبِیِّ ﷺ وَمَعَ النَّبِیِّ ﷺ مِدْرَاةٌ یَحُکُّ بِهَا رَاْسَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَوْ عَلِمْتُ اَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهَا فِیْ عَیْنِكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کے ایک حجرہ مبارک کے سوراخ میں سے اندر جھانکا آپ ﷺ کے پاس اس وقت ایک کنگھی موجود تھی جس کے ذریعے آپ ﷺ سر کو کھجا رہے تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ تم اس طرح دیکھ رہے ہو تو میں اسے تمہاری آنکھ کے اندر چبھو دیتا اجازت لینے کا حکم ان لیے دیا گیا ہے تاکہ (گھر والوں) پر نظر نہ پڑے۔

لغات: اطلع علی الشیی: جھانکنا، جاننا، واقف ہونا۔ المشقص: چوڑے پھل کا نیزہ، جمع مشاقص۔ المدری: کنگھا، لکڑی کا ہو یا لوہے کا، یا کیس اور چیز کا۔

بَابُ التَّسْلِیْمِ قَبْلَ الْاِسْتِیْذَانِ

باب ۱۸: اجازت طلبی سے پہلے سلام کرنا

(۲۶۳۴) اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَیَّةَ بَعَثَهٗ بِلَبَنٍ وَلِبَاءٍ وَضَغَابِیْسَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَالنَّبِیُّ ﷺ بِاَعْلَی الْوَادِیْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَیْهِ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ وَلَمْ اُسَلِّمْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ ارْجِعْ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَاَدْخُلُ.

ترجمہ: عمرو بن عبداللہ بیان کرتے ہیں حضرت کلدہ بن حنبل نے انہیں یہ بات بتائی ہے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے دودھ بوہلی اور ککری کے ٹکڑوں کے ہمراہ انہیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ ﷺ اس وقت بالائی حصے میں موجود تھے راوی بیان کرتے ہیں میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ ﷺ سے اجازت نہیں لی اور میں نے سلام بھی نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور السلام علیکم کہو اور یہ کہو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ راوی بیان کرتے ہیں یہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے اس اسلام قبول کرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔

(۲۶۳۵) اسْتَأْذَنْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَى أَبِي فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ أَنَا أَنَا كَأَنَّهُ كَرِهَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے قرض کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی وہ قرض جو میرے والد کے ذمے تھا نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کون ہے؟ میں نے عرض کی میں ہوں آپ ﷺ نے فرمایا میں (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) گویا آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا (کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنا نام کیوں نہیں بتایا)۔

تشریح: فی دین کان علی ابی: اس قرض کے بارے میں گفتگو کرنی تھی جو میرے والد پر تھا میرے والد عبداللہ انصاری غزوہ اُحد میں شہید ہوگئے تھے قرض خواہوں نے جب مجھے زیادہ تنگ کیا تو میں حضور ﷺ سے مدد حاصل کرنے کے لیے خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اس قرض کی ادائیگی کے بارے میں کوئی بندوبست کیا جاسکے میرے پاس تھوڑی سی کھجوروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کھجوروں کے مختلف ڈھیر لگادو پھر آپ ﷺ خود تشریف لائے بڑے ڈھیر کے آس پاس تین چکر لگائے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ وہ آتے گئے اور آپ ﷺ ان تمام لوگوں کو اپنے ہاتھ سے بڑے ڈھیر سے کھجوریں دیتے رہے یہاں تک کہ تمام قرض خواہ ختم، ہوگئے اور اس ڈھیر کی کھجوریں جوں کی توں باقی رہیں۔ ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی یہ نبی کریم ﷺ کے معجزے کی برکت تھی کہ ان کھجوروں سے نہ صرف یہ کہ قرض ادا ہوگیا بلکہ تمام کھجوریں اسی طرح بچ گئیں جیسے وہ پہلے تھیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں وہ تمام کھجوریں اپنی بہنوں کے لیے لے آیا۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۱/ ۴۶، کتاب الفضائل والشمائل)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طُرُوقِ الرَّجُلِ أَهْلَهُ لَيْلًا

باب ۱۹: سفر سے رات میں اچانک گھر پہنچنا ممنوع ہے

(۲۶۳۶) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَاهُمْ أَنْ يَطْرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلًا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو اس بات سے منع کیا تھا (کہ وہ طویل سفر سے واپس پر) رات کے وقت اپنے گھر جائیں۔

تشریح: یہ اتفاق تھا کہ دونوں نے اپنی بیویوں کے پاس کسی آدمی کو پایا، اور نبی ﷺ کے زمانے میں ایسے متعدد واقعات پیش آئے ہیں، جن سے لوگ ارشاد نبوی کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، ان واقعات سے بھی لوگوں کی سمجھ میں آگیا کہ بے خبری میں گھر نہیں پہنچنا چاہئے، اسکا واضح نقصان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، مگر حقیقت میں حکم کی یہ علت نہیں، دوسری حدیثوں میں اس حکم کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لمبے سفر سے لوٹتے وقت بیویوں کو صفائی کا موقع دینا چاہئے، جب شوہر گھر پر نہیں ہوتا تو بیوی صفائی کا اہتمام نہیں کرتی، نہ اچھے کپڑے پہنتی ہے، اس لئے اگر شوہر رات میں اچانک گھر آجائے گا تو ممکن ہے اس کو بیوی کی بوسیدہ حالت ناپسند آئے۔ ممانعت کا یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب گھر والوں کو واپسی کے وقت کا پتہ نہ ہو لیکن اگر گھر والوں کو پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں وقت واپسی ہے تو پھر رات کے وقت بھی گھر میں آنا بغیر کسی کراہت کے درست ہے خواہ اس کا سفر لمبا ہو یا مختصر جیسا کہ

موجودہ دور میں انسان جب سفر سے واپس آتا ہے تو اہل خانہ کو موبائل وغیرہ کے ذریعہ پہلے سے اطلاع ہوتی ہے ایسے میں رات کے وقت آنا بھی درست ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَتْرِیْبِ الْکِتَابِ

باب ۲۰: لکھے ہوئے پر مٹی چھڑکنے کا بیان

(۲۶۳۷) اِذَا کَتَبَ اَحَدُکُمْ کِتَابًا فَلْیُتَرِّبْهُ فَاِنَّهٗ اَنْجَحُ لِلْحَاجَةِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص خط لکھے تو اسے مٹی میں ملا دے (یعنی اس پر کچھ مٹی چھڑک دے) کیونکہ یہ ضرورت کو زیادہ بہتر طور پر پورا کرتا ہے (یعنی سیاہی پختہ ہوجاتی ہے)۔

تشریح: اس تتریب سے کیا مراد ہے؟ (۱) تحریر کے بعد اس کاغذ کو یوں ہی مٹی پر ڈال دیا جائے، اللہ پر اعتماد کر کے وہی اسے اپنی منزل تک پہنچادیں گے آج کل کے عرف کے مطابق اس کی مثال لیٹربکس سے دی جاسکتی ہے کہ اس میں انسان خط ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مقام تک پہنچادیتے ہیں۔

(۲) اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کاغذ پر مٹی چھڑک کر جھاڑ دو تاکہ روشنائی خشک ہوجائے اور حروف مٹ نہ سکیں تاکہ پڑھنے والا اسے صحیح طریقے سے پڑھ سکے۔

(۳) بعض کے نزدیک تتریب سے تواضع وانکساری مراد ہے کہ خط میں ایسی تحریر لکھی جائے جس میں عجز وانکساری اور تواضع کا انداز ہو انداز تحریر ہٹ دھرمی اور متکبرانہ نہ ہو کیونکہ مہذب تحریر کا انسان پر اچھا اثر پڑتا ہے

سند کا حال: اس حدیث کا راوی حمزۃ ابی حمزہ جعفی جزری نصیبی متروک، متہم بالوضع ہے، اور اس کے باپ کے نام میں اختلاف ہے، کوئی عمرو کہتا ہے، اور کوئی میمون اور ایسی نہایت ضعیف حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ منکر کہتے ہیں۔

بَابٌ

باب: کان پر قلم رکھنے کا فائدہ

(۲۶۳۸) قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَبَیْنَ یَدَیْهِ کَاتِبٌ فَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰی اُذُنِكَ فَاِنَّهٗ اَذْکَرُ لِلْمُمْلِیْ.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھنے والا بیٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قلم کو اپنے کان پر رکھو کیونکہ اس سے مضمون زیادہ بہتر سمجھ میں آتا ہے۔

تشریح: یہ حدیث نہایت ضعیف ہے، اس کا راوی عنبسۃ بن عبد الرحمٰن اموی متروک ہے، ابو حاتم نے اس پر حدیثیں گھڑنے کا الزام دھرا ہے، اور دوسرا راوی محمد بن زاذان مدنی بھی متروک ہے۔

بَابُ فِیْ تَعْلِیْمِ السُّرْیَانِیَّةِ

باب ۲۱: سریانی زبان سیکھنے کا بیان

(۲۶۳۹) اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَتَعَلَّمَ لَهٗ كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ يَهُوْدٍ وَقَالَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اٰمَنُ يَهُوْدَ عَلٰى كِتَابِیْ قَالَ فَمَا مَرَّبِیْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُهٗ لَهٗ قَالَ فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهٗ كَانَ اِذَا كَتَبَ اِلٰى يَهُوْدَ كَتَبْتُ اِلَيْهِمْ وَاِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهٗ كِتَابَهُمْ.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت کی تھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر یہودیوں کی کتاب کے کچھ کلمات (یعنی ان کی زبان) سیکھ لوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اللہ کی قسم مجھے یہودیوں کے بارے میں اطمینان نہیں تھا کہ وہ مجھے ٹھیک سکھا رہے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نصف مہینہ گزرنے کے بعد میں ان کی زبان سیکھ چکا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب میں نے اس زبان کو سیکھ لیا تو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کو کوئی تحریر بھجواتے تھے تو میں لکھ کر ان کی طرف بھیجتا تھا اور جب یہودی کوئی بات لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تحریر پڑھ کر سناتا تھا۔

تشریح: دنیا کی ہر زبان دینی یا دنیوی مقاصد سے سیکھنا جائز ہے، اور آزادی کے زمانہ میں علماء کرام نے جو انگریزی سیکھنے کر حرمت کا فتوئ دیا تھا وہ ترک موالات کے قبیل سے تھا، یعنی انگریزوں سے بے تعلقی ظاہر کرنے کے لئے یہ فتوی دیا گیا تھا۔ پس یہ ایک وقتی بات تھی، دائمی حکم نہیں تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مُكَاتَبَةِ الْمُشْرِكِيْنَ

باب ۲۲: مشرکین کے ساتھ خط و کتابت

(۲۶۴۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ قَبْلَ مَوْتِهٖ اِلٰى كِسْرٰى وَاِلٰى قَيْصَرَ وَاِلَى النَّجَاشِیِّ وَاِلٰى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِیِّ الَّذِیْ صَلّٰى عَلَيْهِ النَّبِیُّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے پہلے کسری، قیصر، نجاشی اور ہر حکمران کو خطوط بھجوائے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی تھی یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی آپ نے نماز جنازہ ادا کی تھی۔

تشریح: مشرکین کی طرف خط وکتابت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے بہت سے کفار کی طرف خطوط روانہ فرمائے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

چنانچہ قیصر و کسریٰ نجاشی اور ہر اس حاکم کی طرف جو ظالم و جابر تھا دعوت اسلام کے خطوط بھیجے گئے تا کہ وہ نعمت اسلام سے سرفراز ہو جائیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسریٰ ملک فارس کے بادشاہوں کا قیصر روم کے بادشاہوں کا نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہوں کا خاقان ترکی کے بادشاہوں کا فرعون قبطیوں کے بادشاہ کا عزیز مصر کے بادشاہ کا اور تبع ملک حمیر کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔

والی کل جبار:

چنانچہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی طرف سلیط بن عمرو کو یمامہ کے ہوذہ بن علی کی طرف علاء بن حضرمی کو ہجر کے منذر بن ساوی کی طرف وحیہ کو قیصر کی طرف عمرو بن امیہ کو نجاشی کی طرف سائب کو مسیلمہ کی طرف اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف بھیجا تھا۔

نجاشی کا تذکرہ:

ملک حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت ایک عیسائی عالم بادشاہ تھا اس کا نام اصحمہ بن ابجر یا ابحر تھا اور عربی نام عطیہ تھا انہیں جب اسلام کا پتہ چلا تو اپنے طور پر ہی اسلام قبول کرلیا لیکن نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کر کے حالات کی وجہ سے نہ آسکے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ بہت محبت کرنے والے تھے مکہ مکرمہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کفار کی طرف زندگی گزارنا دشوار ہوگیا تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے جہاں اس نجاشی بادشاہ نے ان کی بہت ہی آؤ بھگت اور خدمت کی تھی اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس خط کا یوں جواب دیا تھا:

الی محمد رسول الله ﷺ من اصحمة النجاشی: سلام علیك یا رسول الله ورحمة الله وبركاته فأشهد انك رسول الله ﷺ صدوقا وقد بایعتك.

"محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نجاشی اصحمہ کی طرف سے: آپ پر سلامتی اے اللہ کے رسول اور اس کی برکتیں نازل ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور تحقیق میں نے آپ سے بیعت کی۔"

کیا ہرقل نے اسلام قبول کرلیا تھا؟

اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ہرقل نے اسلام قبول کرلیا تھا یا نہیں چنانچہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہرقل مسلمان ہے لیکن جمہور کے نزدیک ہرقل مسلمان نہیں ہوا تھا اس پر متعدد احادیث شاہد ہیں۔ اس نے غزوہ تبوک اور موتہ میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کی تھی اس میں بڑی شدید لڑائی ہوئی بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے لہٰذا اگر یہ ہرقل مسلمان ہوگیا ہوتا غزوہ تبوک اور موتہ میں اس طرح مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آتا ایک صریح روایت مسند احمد میں منقول ہے کہ جب نبی کریم ﷺ تبوک میں مقیم تھے تو آپ ﷺ نے حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے لکھا کہ میں مسلمان ہوں نبی کریم ﷺ کے پاس جب اس کا جواب پہنچا پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: كذب هو على نصرانية. وہ جھوٹا ہے ابھی تک وہ اپنے نصرانی مذہب پر قائم ہے اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صراحتاً اس کے اسلام کے دعویٰ کی تکذیب فرمادی اور یہ کہ ابھی تک وہ اپنے عیسائی مذہب پر قائم ہے۔

بَابُ كَيْفَ يُكْتَبُ اِلٰى اَهْلِ الشِّرْكِ

باب ۲۳: مشرک کو خط کیسے لکھا جائے

(۲۶۴۱) اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّ هِرَقْلَ اَرْسَلَ اِلَيْهِ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوْا تُجَّارًا بِالشَّامِ فَاَتَوْهُ

فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ قَالَ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقُرِئَ فَإِذَا فِيْهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بات بتائی ہے ہرقل نے انہیں قریش کے کچھ دیگر افراد کے ہمراہ بلوایا یہ لوگ اس وقت شام میں تجارت کی غرض سے موجود تھے یہ لوگ اس کے پاس آئے اس کے بعد انہوں نے پوری حدیث ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں پھر ہرقل نے نبی اکرم ﷺ کا خط منگوایا اسے پڑھا گیا (تو اس کی عبارت اس طرح تھی) اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے جو رحمٰن اور رحیم ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے خاص رسول محمد ﷺ کی طرف سے روم کے حکمران ہرقل کے نام ہے ہر وہ شخص سلامت رہے جو ہدایت کی پیروی کرے (اما بعد)۔

تشریح: اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوئیں: (۱) خط اور تحریر کے شروع میں پوری بسم اللہ لکھی جائے، اگرچہ وہ خط یا تحریر غیر مسلم کے نام ہو، ۷۸۶ لکھنے کا جو دستور چل پڑا ہے اس کی کچھ اصل نہیں، اور یہ کہنا کہ خط میں بسم اللہ لکھنے میں بے احتیاطی ہے: بے دلیل بات ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے غیر مسلموں کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں بسم اللہ لکھی ہے، جبکہ یہ یقین نہیں تھا کہ وہ اس تحریر کی حفاظت کریں گے۔

(۲) خط وغیرہ تحریرات میں کاتب اور مکتوب الیہ کا تعارف بھی ہونا چاہئے، نبی ﷺ نے اپنا بھی پورا تعارف کرایا ہے اور مکتوب الیہ کا بھی، اور ضرورت ہو تو اپنے القاب بھی لکھے جائیں اور مکتوب الیہ کے القاب بھی۔

(۳) اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى: سلام کا پیرایہ ایسا اختیار کیا جائے کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جس طرح سلام کیا تھا (طٰہٰ: ۴۷) نبی ﷺ نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ خَتْمِ الْكِتَابِ

باب ۲۴: خط پر مہر لگانے کا بیان

(۲۶۴۲) لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ أَنْ يَّكْتُبَ اِلَى الْعَجَمِ قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُوْنَ اِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا قَالَ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِهٖ فِیْ كَفِّهٖ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے عجمی (حکمرانوں) کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو یہ بتایا گیا عجمی (حکمران) لوگ صرف اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہو تو نبی اکرم ﷺ نے ایک مہر بنوائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کی ہتھیلی میں اس کی سفیدی کا منظر آج بھی میری نگاہ میں ہے۔

کبھی اعتماد کے لئے تحریر پر مہر لگانی پڑتی ہے، کیونکہ الخط یشبه الخط: خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، اس لئے تحریر میں دھوکا ہو سکتا ہے، مگر جب تحریر پر مہر لگ جائے تو دھوکہ کا اندیشہ صفر کے درجہ میں رہ جاتا ہے۔

بَابُ كَيْفَ السَّلَامَ

باب ۲۵: سلام کرنے کا طریقہ

(۲۶۴۳) اَقْبَلْتُ اَنَا وَصَاحِبَانِ لِيْ قَدْ ذَهَبَتْ اَسْمَاعُنَا وَاَبْصَارُنَا مِنَ الْجُهْدِ فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ اَنْفُسَنَا عَلٰى اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَيْسَ اَحَدٌ يَقْبَلُنَا فَاَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَاَتٰى بِنَا اَهْلَهٗ فَاِذَا ثَلَاثَةُ اَعْنُزٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِحْتَلِبُوْا هٰذَا اللَّبَنَ بَيْنَنَا فَكُنَّا نَحْتَلِبُهٗ فَيَشْرَبُ كُلُّ اِنْسَانٍ نَصِيْبَهٗ وَنَرْفَعُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَصِيْبَهٗ فَيَجِيْئُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا لَا يُوْقِظُ النَّائِمَ وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّيْ ثُمَّ يَاْتِيْ شَرَابَهٗ فَيَشْرَبُهٗ.

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اور میرے دو ساتھی آ رہے تھے ہماری سماعت اور بصارت بھوک کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی ہم نے نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کے سامنے آنا شروع کیا لیکن کسی نے ہمیں قبول نہیں کیا پھر ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ ہمیں لے کر اپنے گھر چلے گئے وہاں تین بکریاں موجود تھی آپ ﷺ نے فرمایا ان کا دودھ نکالو ہم نے انکا دودھ دوہنا شروع کیا ہر شخص نے اپنے حصے کا دودھ پی لیا ہم نے آپ ﷺ کے حصے کا دودھ رکھ دیا رات کے وقت جب نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سلام کیا اس طرح کہ سویا ہوا شخص جاگ جائے اور جاگتا ہوا شخص اسے سن لے پھر آپ ﷺ مسجد (جائے نماز کے پاس) تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ نے نماز ادا کی پھر آپ ﷺ اپنے مشروب کے پاس تشریف لائے اور آپ نے اسے پی لیا۔

اگر کوئی سویا ہوا ہو اور کوئی بیدار ہو تو آہستہ سلام کرنا چاہئے، تاکہ سونے والا بیدار نہ ہو جائے، یہی حکم اس وقت ہے جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو، اور کوئی خالی ہو، تو اس طرح سلام کرے کہ نمازی کو تشویش نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ التَّسْلِيْمِ عَلٰى مَنْ يَّبُوْلُ

باب ۲۶: استنجاء کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے

(۲۶۴۴) اَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَبُوْلُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ يَعْنِي السَّلَامَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا نبی اکرم ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

تشریح: بعض مواقع پر سلام کرنا مکروہ ہے: اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو نماز تلاوت اور اذان واقامت کہہ رہا ہے دینی گفتگو کر رہا ہے یا سن رہا ہے یا طبعی حاجت میں مشغول ہو جیسے کھانا اور قضاء حاجت وغیرہ ایسے تمام موقعوں پر سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کر دے تو اس کا جواب دینا بھی درست نہیں اور نہ ہی اس پر لازم ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ اَنْ یَقُوْلَ عَلَیْکَ السَّلَامُ مُبْتَدِاءً

باب ۲۷: علیک السلام کے الفاظ سے سلام کرنا مکروہ ہے

(۲۶۴۵) طَلَبْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَلَمْ اَقْدِرْ عَلَیْهِ فَجَلَسْتُ فَاِذَا نَفَرٌ هُوَ فِیْهِمْ وَلَا اَعْرِفُهٗ وَهُوَ یُصْلِحُ بَیْنَهُمْ فَلَمَّا فَرَغَ قَامَ مَعَهٗ بَعْضُهُمْ فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِكَ قُلْتُ عَلَیْكَ السَّلَامُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَیْكَ السَّلَامُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَیْكَ السَّلَامُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ عَلَیْكَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَیِّتِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیَّ فَقَالَ اِذَا لَقِیَ الرَّجُلُ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْیَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ثُمَّ رَدَّ عَلَیَّ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ وَعَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَعَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَعَلَیْكَ رَحْمَةُ اللّٰهِ.

ترجمہ: ابوتمیمہ اپنی قوم کے ایک فرد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلا میں آپ ﷺ تک نہیں پہنچ سکا میں بیٹھ گیا کچھ کچھ لوگ آئے جن میں نبی اکرم ﷺ بھی موجود تھے میں آپ ﷺ کو پہچانتا نہیں تھا نبی اکرم ﷺ لوگوں کے درمیان صلح کروا رہے تھے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو کچھ لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ تو مجھے پتا چلا کہ یہ آپ ﷺ ہیں جب میں نے یہ دیکھا تو کہا علیک سلام یارسول اللہ علیک سلام یارسول اللہ علیک سلام یارسول اللہ (آپ ﷺ کو سلام یارسول اللہ ﷺ) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا علیک سلام مردے کو سلام کرنے کا طریقہ ہے یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی پھر آپ ﷺ میری متوجہ ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے بھائی کو سلام کرے تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر نبی اکرم ﷺ نے مجھے سلام کا جواب دیا وعلیک ورحمۃ اللہ (یعنی تین مرتبہ جواب) دیا۔

(۲۶۴۶) اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقُلْتُ عَلَیْكَ السَّلَامُ فَقَالَ لَا تَقُلْ عَلَیْكَ السَّلَامُ وَلٰكِنْ قُلِ السَّلَامُ عَلَیْكَ وَذَكَرَ قِصَّةً طَوِیْلَةً.

ترجمہ: حضرت ابوتمیمہ ہجیمی حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے علیک السلام کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا علیک السلام نہ کہو بلکہ السلام علیکم کہو اس کے بعد انہوں نے طویل قصہ نقل کیا ہے۔

(۲۶۴۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ اِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا وَاِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب سلام کرتے تھے تو تین مرتبہ سلام کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کوئی بات کرتے تھے تو اسے تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔

تشریح: (۱) سلام کے مسنون الفاظ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ہیں خواہ زندہ لوگوں کو سلام کیا جائے یا مردوں کو کیا جائے حدیث

میں نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا علیک السلام تحیۃ الموتی (علیک السلام مردوں کا سلام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کہ مردوں کو اس انداز سے سلام کیا جائے بلکہ اس سے زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کو بیان فرمایا ہے کہ اسلام سے پہلے شعراء اور دیگر لوگ علیک السلام کے الفاظ سے مردوں کو سلام کیا کرتے تھے جبکہ اسلام میں یہ کوئی تخصیص نہیں اسلام میں سلام کے مسنون کلمات زندہ اور مردہ دونوں قسم کے لوگوں کے لیے السلام وعلیکم ہی ہیں ان میں کوئی تفریق نہیں۔

(۲) حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تین مرتبہ سلام کرنے کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ مجمع کی ابتداء میں داخل ہوتے وقت دوسری مرتبہ مجمع کے درمیان میں اور تیسری مرتبہ مجمع کے آخر میں سلام فرماتے تاکہ سب لوگوں کو سلام ہو جائے۔

(۳) علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے: نبی ﷺ کا یہ طریقہ بڑے مجمعے کو سلام کرنے کی صورت میں تھا، جبکہ ایک سلام سب کو نہیں پہنچ سکتا تھا، تو آپ ﷺ سامنے اور دائیں بائیں الگ الگ سلام کرتے تھے، پھر علامہ نے یہ بھی لکھا ہے:

من تامل هديه: علم ان الامر ليس كذلك، وان تكرار السلام منه كان امرا عارضا في بعض الاحيان.

"جو شخص سیرت پاک میں غور کرے گا وہ جان لے گا کہ تین مرتبہ سلام کرنا معمول نبوی نہیں تھا، اور کبھی آپ ﷺ کا مکرر سلام کرنا عارضی بات تھی۔"

اسی طرح جب آپ ﷺ بڑے مجمع سے خطاب فرماتے تھے تو سامنے، دائیں اور بائیں ایک ہی بات مکرر فرماتے تھے، تاکہ لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں، اور محفوظ کرلیں۔

(۴) نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر ارشاد فرماتے اور کبھی اسے تین بار دہراتے تاکہ سننے والے اچھی طرح سمجھ سکیں اس لیے جب انسان گفتگو اور بیان کرے تو ٹھہر ٹھہر کر بولے اس قدر عجلت کے ساتھ نہ بولے کہ جس سے سننے والے کو سمجھ ہی نہ آئے اور نہ ان کے ذہن نشین ہو سکے۔

باب: ۲۸ دینی مجلس میں بیٹھنا!

(۲۶۴۸) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهٗ اِذْ اَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَاَقْبَلَ اثْنَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ فَلَمَّا وَقَفَا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ سَلَّمَا فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَرَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ اَمَّا اَحَدُهُمْ فَاَوٰى اِلَى اللهِ فَاٰوَاهُ اللهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللهُ مِنْهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے تین لوگ آئے ان میں سے دو نبی اکرم ﷺ کی طرف بڑھ آئے اور ایک واپس چلا گیا جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس آکر ٹھہرے تو ان میں سے ایک نے

حلقے میں تھوڑی گنجائش دیکھی تو وہ وہیں بیٹھ گیا اور دوسرا شخص سب لوگوں سے پیچھے بیٹھا تیسرا شخص منہ پھیر کر واپس چلا گیا جب آپ ﷺ (اپنی بات سے) فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں ان تین آدمیوں کے بارے میں تمہیں بتاؤں جہاں تک پہلے شخص کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کی طرف آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے پناہ دی جہاں تک دوسرے شخص کا تعلق ہے تو اس نے حیاء کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیاء کی جہاں تک تیسرے شخص کا تعلق ہے تو اس نے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

(۲۶۴۹) كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ أَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ہر شخص وہاں بیٹھتا تھا جہاں جگہ مل جاتی تھی۔

تشریح: مجلس میں بیٹھنے کے آداب: مذکورہ احادیث میں مندرجہ ذیل آداب اور امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) عالم دین اور استاذ ضرورت کی بناء پر عام مجمع سے ذرا بلند اور ممتاز جگہ پر بیٹھ جائے تو یہ بہتر ہے تاکہ پورے مجمع کو بات سننے کا صحیح موقع مل جائے۔

(۲) مسجد میں علم دین سیکھنے اور وعظ ونصیحت کے حلقے لگانا جائز ہے۔

(۳) دینی حلقوں میں شریک ہونا نہایت اجر وثواب کا باعث ہے۔

(۴) انسان اگر کسی مجلس میں بیٹھنا چاہے تو اس میں کوئی خالی جگہ ہو کہ وہاں تک آسانی سے کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر پہنچا جا سکتا ہو تو اس جگہ میں بیٹھنا سب سے بہتر ہے اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں حدیث میں اسے اوی الی اللہ سے ذکر کیا ہے کہ اس نے واعظ کے قریب بیٹھ کر گویا اللہ کے ہاں پناہ لی ہے یعنی اس پر اسے بہت اجر وثواب ملتا ہے اور اگر مجمع کھچا کھچ بھرا ہوا ہو تو پھر مجلس کے آخر میں جہاں بھی مناسب جگہ ہو وہاں پر بیٹھ جائے ایسی صورت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آنا جائز نہیں ہے۔

(۵) جب کوئی شخص اچھا کام کرلے یا کوئی خاص کارنامہ سرانجام دے تو اس پر اس کی حوصلہ افزائی کرنا سنت ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان دو آدمیوں کی حوصلہ افزائی فرمائی جو مجلس میں باقاعدہ شریک ہوئے۔

اواہ اللہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول فرمالیتے ہیں اور اس یا پنے ہاں مقام قرب عطا فرمادیتے ہیں اور بعض نے یہ معنی مراد لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل جنت میں لکھ دیتے ہیں۔

فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ: اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا بلکہ اس سے ناراض ہوئے خاص طور پر اس صورت میں کہ جب وہ تیسرا آدمی بغیر کسی عذر اور وجہ کے وہاں چلا گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جانے والا شخص منافق ہو اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع دے دی ہو اس لیے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض کیا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ عَلَی الْجَالِسِ فِی الطَّرِیْقِ؟

باب ۲۹: راستے پر بیٹھنے والے کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۲۶۵۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِنَاسٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ فَاعِلِيْنَ فَرُدُّوا السَّلَامَ وَاَعِيْنُوا الْمَظْلُوْمَ وَاهْدُوا السَّبِيْلَ.

ترجمہ: ابواسحق حضرت براء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے یہ حدیث ان سے نہیں سنی ہے نبی اکرم ﷺ انصار سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد کے پاس سے گزرے جو راستے میں بیٹھے ہوئے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم نے ایسا ضرور کرنا ہے تو سلام کا جواب دو مظلوم کی مدد کرو اور راستے کے بارے میں رہنمائی کرو۔

راستے پر بیٹھنے کو شریعت نے پسند نہیں کیا، مگر کبھی راستوں پر بیٹھنا ناگزیر ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی اجازت ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْمُصَافَحَةِ

باب ۳۰: مصافحہ کا بیان

(۲۶۵۱) مَا مِنْ مُّسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَّفْتَرِقَا.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے جب بھی دو مسلمان مل کر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ مصافحہ کرتے ہیں ان دونوں کے الگ ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دیتا ہے۔

(۲۶۵۲) قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهُ اَيَنْحَنِيْ لَهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَاْخُذُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی شخص جب اپنے بھائی یا دوست سے ملتا ہے تو کیا وہ اس کے سامنے جھکے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس نے عرض کی وہ اس کو ساتھ لگا کر اس کا بوسہ لے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں اس نے عرض کی کیا وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس سے مصافحہ کرے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا جی ہاں۔

(۲۶۵۳) قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هَلْ كَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: قتادہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کے درمیان مصافحہ کرنے کا رواج تھا؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔

(۲۶۵۴) مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْاَخْذُ بِالْيَدِ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہاتھ کو تھامنا (یعنی مصافحہ کرنا) سلام کی تکمیل کا حصہ ہے۔

(۲۶۵۵) تَمَامُ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ أَنْ يَّضَعَ أَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ أَوْ قَالَ عَلَى يَدِهِ فَيَسْأَلُهُ كَيْفَ هُوَ وَتَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بیمار کی عیادت میں یہ بات بھی شامل ہے آدمی اس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اس کے ہاتھ پر رکھے اور اس سے دریافت کرے وہ کیسا ہے؟ اور اسلام کی تکمیل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مصافحہ کیا جائے۔

تشریح: صفحۃ الورق کے معنی ہیں: پتے کا ایک رخ، پس ہاتھ کے دو رخ ہیں: ایک: ہتھیلی کی جانب کا، دوسرا: پشت کی جانب کا۔ اور صافحہ مصافحۃ (مفاعلہ) کے معنی ہیں: اپنے ہاتھ کے رخ کو دوسرے کے ہاتھ کے رخ کے ساتھ ملانا، اور یہ آدھا مصافحہ ہے، پھر جب ہر ایک دوسرا ہاتھ رکھے گا تو دونوں کے ہاتھ کا دوسرا رخ بھی مل جائے گا۔ اب مصافحہ کامل ہوا، کیونکہ ہر ایک کے ہاتھ کے دونوں رخ دوسرے کے ہاتھ کے دونوں رخوں کے ساتھ مل گئے۔

اس کی احادیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: آپس میں ملاقات کے وقت اور رخصت ہوتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرنے والوں کے صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں، البتہ اجنبی عورت اور بے ریش خوبصورت لڑکے سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض لوگ ہر نماز کے بعد اہتمام کے ساتھ امام سے اور نمازیوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور اسے انتہائی ضروری سمجھتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں علماء نے اسے بدعت قرار دیا ہے لیکن اگر اسے ضروری قرار نہ دیا جائے بس ویسے ہی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے انسان امام سے یا کسی نمازی سے نماز کے بعد مصافحہ کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح معانقہ بھی مفاعلہ کا مصدر ہے، اور عنق: (گردن) سے ماخوذ ہے، پس اگر دو شخصوں کی دائیں طرف کی گردنیں ملیں تو یہ آدھا معانقہ ہوا۔ پھر جب بائیں طرف کی گردنیں بھی ملیں تو پورا معانقہ ہوا، کیونکہ ہر ایک کی گردن کی دونوں جانبیں دوسرے کی گردن کی دونوں جانبوں کے ساتھ مل گئیں، اور جو لوگ تیسری مرتبہ گردنیں ملاتے ہیں وہ زم زم کا پانی پیتے ہیں، اور جو لوگ پہلی مرتبہ بائیں طرف کی گردنیں ملاتے ہیں وہ غلط طریقہ پر معانقہ کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ معانقہ میں گردنیں نہیں ملاتے، صرف سینہ ملاتے ہیں وہ معانقہ نہیں کرتے، بلکہ صدر سے مصادرہ کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ سینہ بھی نہیں ملاتے، صرف گال ملاتے ہیں وہ خد سے مخاددہ کرتے ہیں، اور اگر دونوں کے پیٹ بڑے ہوں اور وہی ملیں تو وہ بطن سے مباطنہ ہے۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے مسنون ہے یا دونوں ہاتھوں سے؟:

اور غیر مقلدین جو مصافحہ کے مسئلہ میں مصر ہیں کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ ہونا چاہئے یہ ان کی بے جا ضد ہے، اور اہل حق جو اصرار کرتے ہیں کہ دو ہاتھ ہی سے مصافحہ ہوتا ہے، یہ بھی احادیث کی روشنی میں صحیح نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ ایک کا مصافحہ ناقص مصافحہ ہے، اگر کوئی اس پر اکتفا کرے تو گنجائش ہے، اور اصل مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہئے یہی کامل سنت ہے۔

فائدہ: ملاقات کے وقت سلام کے بعد اگر مصافحہ اور معانقہ بھی کیا جائے اور آنے والے کو خوش آمدید کہا جائے تو اس سے مودت و محبت اور فرحت و سرور میں اضافہ ہوتا ہے، اور وحشت و نفرت اور قطع تعلق کا اندیشہ دور ہوتا ہے، یعنی یہ باتیں سلام کے مقصد کی تکمیل کرتی ہیں۔

علاوہ ازیں: حدیث میں ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں، اور مصافحہ کریں، اور دونوں اللہ کی حمد کریں، اور دونوں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں تو دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے، کیونکہ مسلمانوں کے درمیان بشاشت، باہم محبت و ملاطفت، اور ذکر الٰہی کی اشاعت رب العالمین کو پسند ہے، اسی لئے مصافحہ کرنے والے مغفرت کے حق دار ہوتے ہیں۔ لیکن مغفرت کا استحقاق اس وقت ہوتا ہے جب ملاقات کے وقت پہلے سلام کیا جائے، حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں ملتے تھے تو جب تک سلام نہیں کر لیتے تھے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد ۸: ۳۶)

پھر مصافحہ کے ساتھ ہر ایک سلام کی طرح زور سے کہے: **یغفر اللہ لنا ولکم**: اللہ میری اور آپ کی مغفرت فرمائیں، پھر مزاج پرسی کے وقت دونوں اللہ کی تعریف کریں، اور ہر حال میں اللہ کا شکر بجا لائیں، تو دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے، مسند احمد وغیرہ میں روایت ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں، یعنی مصافحہ کریں، پس اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ دونوں کی دعا میں حاضر ہوں، اور دونوں کی جدا نہ کریں یہاں تک کہ دونوں کو بخش دیں۔ (مجمع الزوائد ۸ / ۳۶)

ملحوظ: لوگوں میں مصافحہ کی دعا کے سلسلہ میں غفلت پائی جاتی ہے، لوگ سلام ہی کو مصافحہ کی دعا سمجھتے ہیں، بلکہ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جو مسنون دعائیں چھپتی ہیں ان میں مصافحہ کی دعا نہیں ہے۔

آداب ملاقات:

جب ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے ملاقات ہو تو سب سے پہلے سلام کرنا چاہئے، یہ تحیۃ السلام ہے، یعنی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دوسرے مسلمان کو سلامتی کی دعا دے، خواہ اس کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو، بس اتنا معلوم ہونا چاہئے کہ وہ مسلمان ہے۔

پھر اگر معرفت یا عقیدت ہے تو سلام کے بعد مصافحہ بھی کرنا چاہئے، اور یہ تحیۃ المعرفۃ ہے، اس سے سلام کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر غایت درجہ معرفت ہے تو مصافحہ کے بجائے معانقہ کرنا چاہئے۔

معانقہ: مصافحہ کا نعم البدل ہے اور معانقہ کی دعا بھی وہی ہے جو مصافحہ کی ہے، اور اس دعا کے ساتھ کوئی اور دعا بھی کر سکتے ہیں۔

فائدہ: محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی درجہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے، لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جب موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور اس سے کسی برائی یا شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، مذکورہ حدیث میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت ہے اس کا مطلب دوسری حدیثوں کی روشنی میں یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ورنہ بہت سے واقعات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معانقہ فرمانا اور چومنا ثابت ہے۔

تشریح: یہ حدیث اتنی مشہور ہو گئی کہ مصافحہ سے دعا رخصت ہو گئی، حالانکہ حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی سے یہ اور اس کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمُعَانَقَةِ وَالْقُبْلَةِ

باب ۳۱: معانقہ اور چومنے کا بیان

(۲۶۵۶) قَالَتْ قَدِمَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَةَ الْمَدِیْنَةَ وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِیْ بَیْتِیْ فَاَتَاهُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عُرْیَانًا یَجُرُّ ثَوْبَهُ وَاللهِ مَا رَاَیْتُهُ عُرْیَانًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ فَاعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینے منورہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں موجود تھے زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اوپری جسم پر کچھ اوڑھے بغیر ان کی طرف بڑھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تہبند کو کھینچ رہے تھے اللہ کی قسم اس سے پہلے یا اس کے بعد میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (اوپری جسم پر) اوڑھے بغیر کسی سے ملتے ہوئے نہیں دیکھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گلے لگایا اور بوسہ دیا۔

تشریح: عریان: ننگے یعنی کھلے بدن، یعنی کرتے کی جگہ جو چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیب تن فرماتے تھے وہ نہیں تھی اوپر کا آدھا بند کھلا تھا، اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ فرمایا۔ اور کپڑا گھسیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی گھر میں جس بے تکلف حالت میں ہو، اسی حال میں باہر نکل آئے، تو کہتے ہیں: کپڑا گھسیٹتا ہوا نکلا یہ ایک محاورہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح برہنہ حالت میں نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اس کے بعد جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت حاصل رہی اور ایک بستر اور ایک لحاف میں سونا ثابت ہے تو پھر یہ کیسے کہا ہے کہ میں نے اس برہنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا؟

جواب ①: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کے استقبال کے لیے اس طرح بغیر چادر کے اس موقع کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور اختصار کے یہ جملہ ذکر فرمایا: **فو اللہ ما رایتہ عریانا قبلہ ولا بعدہ.** (اللہ کی قسم میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اس سے پہلے برہنہ دیکھا اور نہ اس کے بعد) اور مراد اس سے مذکورہ طریقے سے استقبال ہے۔

جواب ②: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ میں نے کمرے سے باہر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح برہنہ حالت میں نہیں دیکھا کمرے کے اندر دیکھنے کی نفی مراد نہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ ایک جائز اور مسنون عمل ہے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گزشتہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معانقہ مشروع اور مسنون نہیں ہے بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان سفر سے واپس آئے یا طویل عرصے کے بعد ملاقات ہو تو اس وقت معانقہ کرنا اور گلے لگا کر مسنون ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی آمد پر معانقہ فرمایا، اور جب انسان کسی سفر سے واپس نہ آئے تو پھر صرف مصافحہ کرنا مسنون ہے، معانقہ نہ کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قُبْلَةِ الْیَدِ وَالرِّجْلِ

باب ۳۲: ہاتھ اور پاؤں چومنا

(۲۶۵۷) قَالَ یَهُوْدِیٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰی هٰذَا النَّبِیِّ فَقَالَ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِیٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ كَانَ لَهٗ اَرْبَعَةُ اَعْیُنٍ فَاَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلَهُ عَنْ تِسْعِ اٰیَاتٍ بَیِّنَاتٍ فَقَالَ لَهُمْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَ لَا تَزْنُوْا وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا تَمْشُوْا بِبَرِیْئٍ اِلٰی ذِیْ سُلْطَانٍ لِیَقْتُلَهٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً وَلَا تُوَلُّوا الْفِرَارَ یَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَیْكُمْ خَاصَّةَ الْیَهُوْدِ اَنْ لَّا تَعْتَدُوْا فِی السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلُوْا یَدَیْهِ وَ رِجْلَیْهِ وَقَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِیٌّ قَالَ فَمَا یَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْنِیْ قَالَ قَالُوْا اِنَّ دَاوٗدَ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا یَزَالَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ نَبِیٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ یَقْتُلَنَا الْیَهُوْدُ.

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا تم میرے پاس ان نبی کے پاس چلو اس کے ساتھی نے کہا تم نبی نہ کہو کیونکہ اگر انہوں نے تمہیں نبی کہتے ہوئے سن لیا تو ان کی چار آنکھیں ہوجائیں گی پھر وہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے نو واضح نشانیوں کے بارے میں دریافت کیا آپ ﷺ نے انہیں جواب دیا تم کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ چوری نہ کرو زنا نہ کرو اس شخص کو قتل نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو البتہ حق (کے ساتھ قتل کیا جاسکتا ہے) اور تم بے قصور شخص پر (جھوٹا الزام لگا کر) حاکم کے پاس نہ لے کر جاؤ تا کہ وہ اسے قتل کردے تم جادو نہ کرو سود نہ کھاؤ پاک دامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ میدان جنگ سے فرار اختیار نہ کرو بطور خاص تم لوگ اے یہودیو تم ہفتے کے دن کے بارے میں زیادتی نہ کرو راوی بیان کرتے ہیں ان لوگوں نے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو بوسہ دیا اور بولے ہم یہ گواہی دیتے ہیں آپ ﷺ نبی ہیں نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا پھر کیا وجہ ہے تم لوگ میری پیروی کیوں نہیں کرتے؟ راوی کہتے ہیں انہوں نے جواب دیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگی تھی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے نبی ہوں ہمیں یہ اندیشہ ہے اگر ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی تو یہودی ہمیں مروادیں گے۔

تشریح: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ پاؤں کی تقبیل کا انکار کرتے ہیں، اور اس سلسلہ کی روایات کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

قول فیصل: قدم بوسی کی تو بالکل اجازت نہیں کیونکہ وہ ہندوؤں کے فعل کے مشابہ ہے، ہندو اپنے بڑوں کے پاؤں پڑتے ہیں، اور وہ اس کو انتہائی تعظیم خیال کرتے ہیں۔ اور دست بوسی کو اگرچہ جائز، مگر پسندیدہ نہیں کیونکہ دست بوسی کے وقت جھکنا پڑتا ہے، اور آدمی رکوع کے مشابہ ہوجاتا ہے، پس وہ سلامی کے سجدہ کی طرح ہوگیا، اس لئے اگر کسی کو چومنا ہے تو پیشانی چومے، نبی ﷺ سے یہی بات ثابت ہے۔

تسع آیات سے کیا مراد ہے؟

ایک دن دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے بطور امتحان کے سوال کیا کہ "تسع آیات بینات" سے کیا مراد ہے؟

اس سے وہ نو معجزات مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت عطاء فرمائے گئے جب ان کی قوم سرکشی اور انسانیت کی تمام سرحدیں عبور کرگئی تو مختلف اوقات میں ان پر یہ عذاب اتارے جاتے رہے پھر بھی وہ باز نہ آئے تو بالآخر انہوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا تو وہ سب بحر قلزم کا لقمہ بن گئے یہ نو معجزات یہ ہیں: (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) پانی کا طوفان (۴) ٹڈیوں کا عذاب (۵) غلے میں گھن کے کیڑے اور سر کے بال اور کپڑوں میں جوؤں کی کثرت (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالی (۹) پھلوں کی پیداوار میں کمی۔

ان داود دعا ربه ان لا یزال من ذریته: نبی یہودیوں یہ کہنا کہ ہم آپ پر اس وجہ سے ایمان نہیں لا رہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ہمیشہ میری اولاد میں ایک نبی ہوا کرے اور نبی کی دعا قبول ہوتی ہے تو محالا ان کی اولاد میں نبی ضرور آئے گا۔

ایک غلط بات کی نسبت حضرت داوٗد علیہ السلام کی طرف کی جارہی ہے انہوں نے اس قسم کی کوئی دعا نہیں کی تھی وہ اس طرح کی دعا کیسے کرسکتے تھے جبکہ ان پر نازل ہونے والی کتاب زبور، میں یہ موجود تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں تشریف لائیں گے ان کی یہ صفات ہوں گی اور وہ خاتم النبیین ہوں گے اور ان کا دین سابقہ تمام دینوں کو منسوخ کردے گا۔ (الکوکب الدری ۳/۳۹۵)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مَرْحَبًا

باب ۳۳: خوش آمدید کہنا

(۲۶۵۸) ذَهَبْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهٗ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهٗ بِثَوْبٍ قَالَتْ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ قُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ قَالَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةً طَوِيْلَةً.

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح مکہ کے موقع پر حاضر ہوئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کرتے ہوئے پایا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ تان رکھا تھا حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کون خاتون ہے؟ میں نے جواب دیا میں ام ہانی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ہانی کو خوش آمدید۔ انہوں نے اس حدیث میں پورا واقعہ بیان کیا ہے۔

(۲۶۵۹) يَوْمَ جِئْتُهٗ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ.

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (اسلام قبول کرنے کے لیے) حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہجرت کرکے آنے والے سوار کو خوش آمدید۔

تشریح: فتح مکہ کے موقع پر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مکہ چھوڑ کر چل دیئے تھے، ان کی بیوی نے ان کے لئے پناہ مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ دیدی، اور اپنا عمامہ علامت کے طور پر عنایت فرمایا، اور حکم دیا کہ وہ عکرمہ کو بلا لائیں، وہ ساحل پر پہنچیں، عکرمہ جہاز پر سوار ہونے ہی والے تھے، وہ ان کو مکہ واپس لائیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر کے بغیر ان کی طرف بڑھے، اور ان کو

خوش آمدید کہا اور وہ بھاگ کر جہاں تک پہنچے تھے وہاں سے نبی ﷺ کے پاس لوٹنے کو ہجرت قرار دیا۔

ادھر اتفاق سے حضرت عکرمہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب وہ یمن کے ساحل سے کشتی پر سوار ہوئے تو سمندر میں ان کی کشتی سخت ہواؤں میں پھنس گئی تو کشتی کے سوار اپس میں کہنے لگے کہ آج اللہ کی طرف رجوع کرو کیونکہ تمہارے خدا اس مشکل کو حل نہیں کرسکتے اس موقع پر حضرت عکرمہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اگر اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دی تو میں مکہ مکرمہ میں محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلوں گا چنانچہ اللہ نے انہیں ان سمندری ہواؤں سے بچالیا تو وہ حاضر خدمت ہوئے اسلام قبول کرلیا جب انہیں نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: مرحبا بالراکب المهاجر۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ابوجہل کے لیے انگور کا گچھا دیکھا ہے جب حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جنت کے اس گچھے سے مراد یہ ہے کہ ابوجہل کی نسل سے حضرت عکرمہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ بعد میں یہ مختلف معرکوں میں شریک ہوتے رہے بالآخر یرموک کی لڑائی میں شہید ہوگئے۔ (الاصابة ٤/٤٤٣، العين بعدها الكاف البداية والنهاية: ٤/٢٩٨)

اس حدیث کی سند صحیح نہیں، موسیٰ بن مسعود ضعیف راوی ہے۔

باب ا:

(٢٦٦٠) لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيبُهُ اذا دَعَاهُ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَ يَعُودُهُ اذا مَرِضَ وَيَتْبَعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جب وہ اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے جب وہ اس کی دعوت کرے تو قبول کرے جب وہ چھینکے تو اس کا جواب دے وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے جب وہ فوت ہوجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس کے لیے اسی چیز کو پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(٢٦٦١) لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُشَمِّتُهُ اذا عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں جب وہ بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کرے جب وہ فوت ہوجائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے جب وہ اس کی دعوت کرے تو اس کو قبول کرے جب وہ اس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے جب وہ چھینکے تو اس کو چھینک کا جواب دے جب وہ موجود نہ ہو یا موجود بھی ہو تو اس کے لیے خیر خواہی کرے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ

باب ۲: چھینکنے والے کو دعا دینا

(۲۶۶۲) اِنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ اَنَا اَقُوْلُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلَّمَنَا اَنْ نَّقُوْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ.

ترجمہ: نافع بیان کرتے ہیں ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینکا اور الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ کہا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ جملہ میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے ہم (چھینکنے پر) یہ کہیں۔ الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے)۔

جب کسی کو چھینک آئے تو الحمد اللہ کہے، اور اس کے جواب میں اسکا مسلمان بھائی یرحمك الله کہے، پھر چھینکنے والا یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے، کیونکہ چھینک آنا ایک قسم کی شفاء ہے، اس کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے ابخرے دماغ سے نکلتے ہیں کہ اگر وہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا اندیشہ پیدا ہو جائے، پس صحت کی حالت میں چھینک آنا اللہ کا فضل ہے، اور اس پر حمد ضروری ہے، نیز چھینک آنے پر حمد کرنا حضرت آدم علیہ السلام کی سنت اور اسلامی شعار ہے، حمد کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چھینکنے والا ملت انبیاء کا تابعدار اور ان کی سنتوں پر عمل کرنے کا پختہ عزم رکھتا ہے۔ اور حمد کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا اس وجہ سے مشروع کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تحمید کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا تھا نیز تحمید کرنے والے کی دین پر اور سنن انبیاء پر استقامت کا یہ حق ہے کہ اس کو یہ دعا دی جائے، اس وجہ سے جواب دینے کو حقوق اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔

پھر یرحمك الله کا جواب اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ نیکی کے سے ہے اور نبی ﷺ کو جب چھینک آتی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے یا کپڑے سے منہ ڈھانک لیتے تھے اور پست آواز میں چھینکتے تھے کیونکہ چھینکتے وقت کبھی چہرے کے پٹھے سکڑ جاتے ہیں اور شکل بدنما ہو جاتی ہے، اس لئے اس وقت منہ ڈھانک لینا چاہئے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ الْعَاطِسُ اِذَا عَطَسَ؟

باب ۳۔ جب کسی کو چھینک آئے تو کیا کہے؟

(۲۶۶۳) كَانَ الْيَهُوْدُ يَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَرْجُوْنَ اَنْ يَّقُوْلَ لَهُمْ يَرْحَمُكُمُ اللهُ فَيَقُوْلُ يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں یہود نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں چھینکا کرتے تھے ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ نبی اکرم ﷺ انہیں یرحمك الله (اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے) لیکن نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے یھدیکم اللہ

ویصلح بالکم (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے احوال درست کرے)۔

(۲۶۶۴) عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ الْقَوْمِ فِيْ سَفَرٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ فَكَاَنَّ الرَّجُلُ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ فَقَالَ اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَقُلْ اِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلْيَقُلْ لَهٗ مَنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ.

ترجمہ: حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ کچھ لوگوں کے ساتھ سفر میں شریک تھے حاضرین میں ایک صاحب کو چھینک آ گئی تو انہوں نے السلام علیکم کہا انہوں نے جواب دیا علیك وعلی امك (یعنی تمہیں بھی سلام ہو اور تمہاری ماں کو بھی اس آدمی کو بڑی الجھن محسوس ہوئی تو ان صاحب نے کہا میں نے تو وہی بات کی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی آپ ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص کو چھینک آ گئی انہوں نے السلام علیکم کہا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا علیك وعلی امك (تم پر بھی اور تمہاری ماں پر بھی) جب کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ رب العالمین کہے اور جب تم نے اسے جواب دینا ہو تو یرحمک اللہ کہے پھر پہلا شخص یہ کہے یغفر اللہ لی ولکم (یعنی اللہ میری بھی مغفرت کرے اور تمہاری بھی مغفرت کرے)۔

(۲۶۶۵) اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَلْيَقُلِ الَّذِيْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ هُوَ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص چھینکے تو وہ الحمد للہ علی کل حال (ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ کے لئے) کہے اور جس شخص نے اسے جواب دینا ہو وہ یرحمك اللہ کہے تو پہلا شخص یہ کہے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم۔ (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت پر ثابت قدم رکھے اور تمہارے معاملات درست کرے)۔

تشریح: احادیث میں چھینکنے کے وقت کی دعا کے بارے میں تین طرح کے الفاظ منقول ہیں: (۱) الحمد للہ (۲) الحمد للہ رب العالمین (۳) الحمد للہ علی کل حال.

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ چھینکنے کے وقت آدمی الحمد للہ کہے اور اگر الحمد للہ رب العالمین کہے تو یہ اس سے بہتر ہے اور اگر الحمد للہ علی کل حال کہے تو یہ سب سے افضل ہے کیونکہ اللہ کی حمد وثناء پر مشتمل کلمات جس قدر زیادہ ہوں گے اسی قدر ان کی عظمت اور فضیلت بھی بڑھ جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ كَيْفَ يُشَمَّتُ الْعَاطِسُ؟

باب ۴: چھینکنے والے کو کیا دعا دی جائے؟

(۲۶۶۶) اَنَّ رَجُلَيْنِ عَطَسَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْاٰخَرَ فَقَالَ الَّذِيْ لَمْ يُشَمِّتْهُ يَا رَسُوْلَ

اللهِ ﷺ شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ يُشَمِّتْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّهُ حَمِدَ اللهَ وَاِنَّكَ لَمْ تَحْمَدِ اللهَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو آدمیوں کو نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں چھینک آئی آپ ﷺ نے ان میں سے ایک کو جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہیں دیا تو جس کو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا تھا اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے ان صاحب کو جواب دیا اور مجھے چھینک کا جواب نہیں دیا آپ ﷺ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی تھی اور تم نے حمد بیان نہیں کی تھی۔

تشریح: (۱) اگر کوئی کافر چھینک مارے اور قریب میں مسلمان ہو تو وہ یرحمک اللہ نہ کہے کیونکہ رحمت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے بلکہ ان کی ہدایت کے لیے دعا کرے ان الفاظ سے یهدیکم الله ویصلح بالکم چنانچہ یہود آپ ﷺ کی مجلس میں چھینک مارتے تھے تاکہ حضور ﷺ ان کے لیے یرحمک اللہ کے ذریعہ دعا دیں لیکن آپ ﷺ ایسا نہیں فرماتے بلکہ یهدیکم الله ویصلح بالکم ہی ارشاد فرماتے۔

(۲) چھینکنے والے کو جب یرحمك الله سے جواب دیا جائے تو اس کے بعد چھینکنے والا کیا کہے؟ احادیث میں اس موقع کے لیے دو طرح کے الفاظ منقول ہیں: (۱) یهدیکم الله ویصلح بالکم (۲) یغفر الله لی ولکم.

جمہور علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی مرضی ہے کہ ان دو الفاظ میں سے جو بھی کہہ لے سنت ادا ہو جائے گی اور اگر بیک وقت دونوں طرح کے الفاظ کہہ دے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

مَاجَاءَ فِيْ اِيْجَابِ التَّشْمِيْتِ بِحَمْدِ الْعَاطِسِ

باب ۵: جب چھینکنے والا تحمید کرے تو تشمیت واجب ہے

(۲۶۶۷) عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَاَنَا شَاهِدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَرْحَمُكَ اللهُ ثُمَّ عَطَسَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هٰذَا رَجُلٌ مَزْكُوْمٌ.

ترجمہ: ایاس بن سلمہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک صاحب کو چھینک آئی میں اس وقت وہاں موجود تھا آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ان صاحب کو دوسری مرتبہ چھینک آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان صاحب کو زکام ہے۔

(۲۶۶۸) يُشَمَّتُ الْعَاطِسُ ثَلَاثًا فَاِنْ زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا.

ترجمہ: عمر بن اسحق اپنی والدہ کے حوالے سے ان کے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم چھینکنے والے کو تین مرتبہ جواب دو اگر اسے اور چھینک آئے تو اگر تم چاہو تو اسے جواب دو اور اگر چاہو تو نہ دو۔

تشریح: اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ چھینک کا جواب یرحمك الله سے انسان پر اس وقت واجب علی الکفایہ ہوتا ہے جب چھینکنے والا بلند آواز سے الحمد للہ کہے جسے دوسرا انسان سن سکے لہٰذا اگر وہ الحمد للہ نہ کہے یا بلند آواز سے نہ کہے کہ جس سے

دوسرا آدمی سن سکے تو پھر چھینک کا جواب دینا لازم نہیں ہوتا۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ دو شخص حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ اور ان کے بھتیجے تھے۔

اعتراض: حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے زکام ہے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے دوسرے طریق میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ چھینک کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ اسے زکام ہے بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟

اس لیے یوں تطبیق دی ہے کہ حدیث سلمہ میں ایک مرتبہ چھینک کا جواب دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگیا تھا کہ اسے زکام ہے اس لیے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید جواب نہیں دیئے لیکن اگر پہلی مرتبہ چھینک کے جواب کے بعد آدمی کو زکام کا پتہ چل سکے تو پھر تین بار تک ضرور چھینک کا جواب دے اس کے بعد آدمی کی مرضی ہے چاہے تو جواب دے اور چاہے تو نہ دے۔ جب اندازہ ہو جائے کہ چھینکنے والا مریض ہے تو دعا دینا ضروری نہیں، خواہ یہ اندازہ ایک ہی مرتبہ میں ہو جائے یا دو مرتبہ میں، اور تین مرتبہ میں تو چھینکنے والے کا بیمار ہونا یقینی ہے، اور بیمار کو دعا دینا ضروری نہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خَفْضِ الصَّوْتِ وَتَخْمِیْرِ الْوَجْهِ عِنْدَ الْعُطَاسِ

باب ۶: جب چھینک آئے تو آواز پست کرے، اور چہرہ ڈھانک لے

(۲۶۶۹) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْهَهٗ بِیَدِهٖ اَوْ بِثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کے ذریعے یا کپڑے کے ذریعے اپنے چہرہ مبارک کو ڈھانپ لیتے تھے اور اپنی آواز کو پست رکھتے تھے۔

تشریح: چھینک مارنے کے آداب: اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھینک مارنے کے دو آداب ذکر فرمائے ہیں ایک چھینکتے وقت ہاتھوں سے یا کسی کپڑے سے چہرے کو ڈھانپ دیا جائے اور دوسرے یہ کہ بلند آواز سے نہ چھینکا جائے۔ بسا اوقات کوئی بلغم وغیرہ بھی نکل آتی ہے اگر چہرے کو نہ ڈھانپا گیا تو ساتھ میں بیٹھے انسان کو تکلیف ہوگی اسی طرح بلند آواز کے ساتھ چھینک مارنے سے لوگ خوف زدہ بھی ہوجاتے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَکْرَهُ التَّثَاؤُبَ

باب ۷: اللہ کو چھینک پسند ہے، اور جماہی ناپسند

(۲۶۷۰) اَلْعُطَاسُ مِنَ اللّٰهِ وَالتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَضَعْ یَدَهٗ عَلٰی فِیْهِ وَاِذَا قَالَ اٰهْ اٰهْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَضْحَکُ مِنْ جَوْفِهٖ وان اللّٰه یحبُّ الْعُطَاسَ وَیَکْرَهُ التَّثَاؤُبَ فاذا قَالَ الرَّجُلُ اٰهْ اٰهْ تَثَاءَبَ

فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَضْحَكُ مِنْ جَوْفِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جماہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے تو جب کسی شخص کو جماہی آئے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے کیونکہ جب وہ آ آہ کہتا ہے تو شیطان اس کے منہ کے اندر ہنستا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جماہی کو ناپسند کرتا ہے جب آدمی آہ آہ کہتا ہے یعنی جب جماہی لیتا ہے تو شیطان اس کی اس حرکت پر ہنستا ہے۔

تشریح: چھینک اللہ کو اس لئے پسند ہے کہ وہ صحت کی علامت ہے، اس کے ذریعہ دماغ سے ایسی رطوبت اور ابخرے خارج ہوتے ہیں کہ اگر وہ نہ نکلیں تو کسی تکلیف کا یا بیماری کا پیش خیمہ بن جائیں اور جماہی اللہ تعالیٰ کو ناپسند اس لئے ہے کہ وہ طبیعت کے کسل اور غلبہ ملال پر دلالت کرتی ہے اور جب آدمی جماہی لینے کے لئے منہ کھولتا ہے تو شیطان ہاہا کرتا ہے، یعنی آدمی کی ہیئت مکروہ ہو جاتی ہے، اس لئے شیطان ہنستا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ اَنَّ الْعُطَاسَ فِی الصَّلٰوةِ مِنَ الشَّیْطَانِ

باب ۸: نماز میں چھینک آنا شیطانی فعل ہے

(۲۶۷۲) اَلْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِی الصَّلٰوةِ وَالْحَیْضُ وَالْقَیْئُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّیْطَانِ.

ترجمہ: عدی بن ثابت اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا سے مرفوع روایت کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں نماز کے دوران چھینک اونگھ حیض تے نکسیر پھوٹنا شیطان کی طرف سے ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ كَرَاهِیَةِ اَنْ یُّقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یُجْلَسُ فِیْهِ

باب ۹: کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا مکروہ ہے

(۲۶۷۳) لَا یُقِمْ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے۔

(۲۶۷۴) لَا یُقِمْ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں پر خود نہ بیٹھے۔

تشریح: اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرکت تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے صادر ہوتی ہے اور اس سے دوسرے کے دل میں میل آتا ہے، اور کینہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے البتہ اگر بیٹھا ہوا شخص کسی کے لئے ایثار کرے اور وہ اپنی جگہ خالی کر دے تو وہ

اجر کا مستحق ہوگا، کیونکہ یہ ایک مسلمان کا اکرام اور بڑے کی تعظیم ہے جو پسندیدہ امر ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ احتیاطاً نہیں بیٹھتے تھے، یا سداً مقصود تھا، کیونکہ اٹھنے والا واقعی خوشی سے اٹھا ہے یا شرما شرمی میں اٹھا ہے اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ اِذَا قَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ

باب ۱۰: کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے، پھر واپس آئے، تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے

(۲۶۷۵) اَلرَّجُلُ اَحَقُّ بِمَجْلِسِهٖ وَاِنْ خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ عَادَ فَهُوَ اَحَقُّ بِمَجْلِسِهٖ.

ترجمہ: حضرت وہب بن حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی جگہ کا سب سے زیادہ حقدار ہے اگر وہ کسی کام سے جائے اور پھر واپس آئے تو وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ کا زیادہ حقدار ہوگا۔

تشریح: جو شخص کسی مباح جگہ میں مثلاً مسجد، سرائے، درسگاہ یا کسی اور جگہ میں آکر بیٹھ جاتا ہے تو اس جگہ کے ساتھ اس کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اس لئے جب تک وہ اس جگہ سے بے نیاز نہ ہو جائے، اس کو اس جگہ سے بے دخل نہیں کرنا چاہئے، یہ اس کی حق تلفی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الْجُلُوْسِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ بِغَيْرِ اِذْنِهِمَا

باب ۱۱: دو شخصوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا مکروہ ہے

(۲۶۷۶) لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے دو آدمیوں کو علیحدہ کردے البتہ ان کی اجازت کے ساتھ (ان کے درمیان بیٹھ سکتا ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الْقُعُوْدِ وَسْطَ الْحَلْقَةِ

باب ۱۲: حلقہ کے بیچ میں بیٹھنا مکروہ ہے

(۲۶۷۷) اَنَّ رَجُلًا قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ اَوْ لَعَنَ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ.

ترجمہ: ابومجلز بیان کرتے ہیں ایک شخص حلقے کے درمیان میں بیٹھا تھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ملعون قرار دیا گیا ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس شخص کو ملعون قرار دیا گیا ہے جو حلقے کے درمیان بیٹھتا ہے۔

تشریح: جو شخص مجمع کے درمیان گھس جائے تو اس پر لعنت کی گئی ہے یعنی وہ شخص اللہ جل شانہ کی رحمت سے دور کردیا جاتا ہے یہ

لعنت کس وجہ سے کی گئی ہے شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں لکھی ہیں:

(۱) مجمع کے درمیان میں جانے کے لیے چونکہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا جس سے انہیں اذیت ہوگی اس لیے ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر عمل کو باعث لعنت قرار دیا ہے۔

(۲) بسا اوقات مجمع کے درمیان میں ایسی جگہ میں بیٹھ جاتا ہے جہاں بعض لوگ دوسرے لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے اور انہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) بعض علماء کے نزدیک اس آدمی سے وہ مسخرہ شخص مراد ہے جو حلقہ کے درمیان اس لیے جاتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر ہنسیں، ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ قِيَامِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ

باب ۱۳

(۲۶۷۸) لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں لوگوں کے نزدیک کوئی بھی شخصیت نبی اکرم ﷺ سے زیادہ محبوب نہیں تھی لیکن جب وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تھے تو وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ بات پسند نہیں ہے۔

(۲۶۷۹) خَرَجَ مُعَاوِيَةُ فَقَامَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ صَفْوَانَ حِيْنَ رَاَوْهُ فَقَالَ اجْلِسَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: ابومجلز بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بیٹھے رہو میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے (تعظیم کے طور پر) بت کی شکل میں کھڑے ہوں وہ شخص جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

تشریح: کسی کا کسی کے لئے کھڑا ہونا دو طرح پر ہوتا ہے: **ایک** تعظیم کے لئے۔ **دوسرا:** انبساط و فرحت کے طور پر، پھر قیام تعظیمی کی دو صورتیں ہیں:

ایک: مسلسل کھڑا رہنا، یعنی جب تک بڑا مجلس میں رہے، لوگ کھڑے رہیں۔

دوم: کھڑے ہو کر بیٹھ جانا، یعنی جب بڑا آئے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، پھر جب وہ بیٹھ جائے تو لوگ بھی بیٹھ جائیں، یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں، پہلی صورت مکروہ تحریمی ہے اور دوسری صورت اس سے کم مکروہ ہے، رہا انبساط و فرحت کے طور پر کھڑا ہونا اور آنے والے کو خوش آمدید کہنا تو یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔

غرض: عجمیوں کی طرح کھڑا رہنا جائز نہیں، ان کا طریقہ یہ تھا کہ نوکر آقا کی خدمت میں، اور رعایا بادشاہ کی خدمت میں کھڑی رہتی تھی، ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی اور یہ انتہائی درجہ کی تعظیم سمجھی جاتی تھی، جس کی سرحدیں شرک سے ملی ہوئی تھیں، اس لئے اس کی ممانعت کی گئی۔

اسی طرح بڑے کے آنے پر تعظیم کے لئے کھڑا ہونا، پھر بیٹھ جانا بھی ممنوع ہے اور کسی کے آنے پر فرحت وسرور سے کھڑے ہونے کی، اس کے لئے جھوم جانے کی اور اس کے اکرام اور اس کی خوش دلی کے لئے اٹھنے کی، پھر بیٹھ جانے کی گنجائش ہے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کو چومتے تھے، اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے، اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی یہی عمل کرتی تھیں۔ اور ہمارے اکابر بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کو سخت ناپسند کرتے تھے، البتہ کسی مہمان وغیرہ کے آنے پر فرحت وسرور اور اعزاز واکرام کے طور پر کھڑے ہونے کو جائز کہتے تھے۔

فائدہ: قیام تعظیمی کے جواز بلکہ استحسان پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے قیام تعظیمی کے جواز پر استدلال درست نہیں، کیونکہ حدیث میں قوموا السیدکم نہیں ہے بلکہ قوموا الی سیدکم ہے۔ یعنی ان کے تعاون کے لئے اٹھو، وہ بیمار تھے، ان کو سواری سے اترنے کے لئے مدد کی ضرورت تھی البتہ لفظ سید سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کا قیام تعظیمی کا حکم دیا تھا اور یہ شبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا، مسند احمد کی مذکورہ روایت میں ہے: فقال عمر : سیدنا اللہ عزوجل! قال انزلوہ فانزلوہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے آقا اللہ عزوجل ہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو اتارو، چنانچہ لوگوں نے ان کو اتارا اس میں اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لفظ سید سے قیام تعظیمی سمجھا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ تعظیم کے لئے نہیں بلکہ تعاون کے لئے اٹھنا ہے۔ ابن حاج مالکی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہونے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ حضرت سعد بیمار تھے وہ سواری سے اترنے پر قادر نہیں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قریظہ سے فرمایا کہ اٹھو اور اپنے سردار کو سواری سے اتارو چنانچہ بعض روایات میں اس کی تصریح منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قوموا الی سیدکم فأنزلوہ کھڑے ہو کر اپنے سردار کو سواری سے اتارو اس لیے اس روایت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ صاحب علم وفضل کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوا جائے ضعیف اور مخدوش ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص بالکل نہ چاہے، مگر دوسرے اکرام وعقیدت ومحبت میں کھڑے ہوں تو ان کو منع کرنا چاہئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کھڑا ہونا پسند نہیں تھا، میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے: جب حضرت تشریف لاتے تھے، اور کوئی طالب علم کھڑا ہوتا تھا تو حضرت وہیں رک جاتے تھے، اس کو ڈانٹتے تھے، اور جب تک وہ بیٹھ نہیں جاتا تھا حضرت آگے نہیں بڑھتے تھے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَقْلِیْمِ الْاَظْفَارِ

باب ۱۴: ناخن تراشنے کا بیان

(۲۶۸۰) خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ الْاِسْتِحْدَادُ وَالْخِتَانُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَتَقْلِیْمُ الْاَظْفَارِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پانچ چیزیں فطرت کا حصہ ہیں زیر ناف بال صاف کرنا ختنہ کروانا مونچھیں کتروانا بغل کے بال صاف کرنا اور ناخن تراشنا۔

(۲۶۸۱) عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَالْإِسْتِنْشَاقُ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت کا حصہ ہیں: (۱) مونچھیں چھوٹی کروانا۔ (۲) داڑھی بڑی رکھنا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) ناخن تراشنا (۶) بغل کے بال صاف کرنا (۷) زیر ناف بال صاف کرنا (۸) پانی سے استنجاء کرنا (۹) انگلیوں کی پشت کو دھونا۔ زکریا نامی راوی بیان کرتے ہیں معصب نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے دسویں چیز میں بھول گیا ہوں لیکن وہ کلی کرنا ہوگی۔

تشریح: ناخن کاٹنے کے بعد یا تو پانی میں بہا دیا جائے یا زمین میں دفن کر دیا جائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دفن کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ نبی کریم ﷺ زائد بال اور ناخن کو دفن کرنے کا حکم دیتے تھے تاکہ جادوگران کے ذریعہ اپنا کوئی عمل نہ کر سکیں۔

لغات: تقلیم: کاٹنا تراشنا۔ اظفار: ظفر کی جمع ہے، ناخن۔ الاستحداد: استرے سے ناف بال صاف کرنا۔ قص الشارب: مونچھیں تراشنا۔ نتف: اکھاڑنا نوچنا۔ ابط: بغل۔ اعفاء: بڑھانا۔ استنشاق: ناک میں پانی ڈال کر اسے اچھی طرح صاف کرنا۔ براجم: برجمة کی جمع ہے: انگلیوں کے جوڑ۔ حلق العانة: زیر ناف بال صاف کرنا۔ انتقاص الماء: استنجاء کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوْقِيتِ تَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَأَخْذِ الشَّارِبِ

باب ۱۵: کتنی مدت میں ناخن کاٹنا اور مونچھ لینا ضروری ہے؟

(۲۶۸۲) أَنَّهُ وَقَّتَ لَهُمْ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً تَقْلِيمَ الْأَظْفَارِ وَأَخْذَ الشَّارِبِ وَحَلْقَ الْعَانَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے لوگوں کے لیے ناخن تراشنے مونچھیں چھوٹی کروانے اور زیر ناف بال صاف کرنے کی (زیادہ سے زیادہ) مدت چالیس روز مقرر کی تھی۔

(۲۶۸۳) وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَ تَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ وَ نَتْفِ الْإِبْطِ أَنْ لَّا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مونچھیں چھوٹی کروانے ناخن تراشنے زیر ناف بال صاف کرنے بغل کے بال صاف کرنے کے لیے ہمارے لیے مدت متعین کی تھی کہ ہم چالیس دنوں سے زیادہ اسے ترک نہ کریں۔

تشریح: مستحب یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار مذکورہ کام کرے، اور افضل جمعہ کا دن ہے، پندرہ بیس روز میں ایک بار یہ کام کر لے تو بھی جائز ہے اور چالیس دن سے زیادہ صفائی نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، جس کی وجہ سے گنہگار ہوگا، شامی میں ہے: کرہ ترکہ تحریما: نیز اس کی نماز بھی مکروہ ہوگی، اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ درست فرماتے تھے، اور بیسویں روز زیر ناف اور چالیسویں روز بغل کے بال صاف کرتے تھے۔ (التعليق الصبيح ٤/٤٥)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کے زائد بال اور ناخن کاٹنے سے مقصود نظافت اور صفائی ہے نبی کریم ﷺ نے عرب ممالک کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن بیان فرمائی ہے ہمارے ان علاقوں کے اعتبار سے مناسب یہ ہے کہ بیس دن سے زیادہ تک یہ بال نہ چھوڑے جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ قَصِّ الشَّارِبِ

باب ۱۶: مونچھ کاٹنے کا بیان

(۲۶۸۴) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُصُّ أَوْيَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ قَالَ وَكَانَ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ إِبْرَاهِيْمُ يَفْعَلُهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنی مونچھیں چھوٹی کروایا کرتے تھے (حدیث کے ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے کہ لفظ یقص استعمال ہوا ہے یا لفظ یاخذ استعمال ہوا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(۲۶۸۵) مَنْ لَّمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص مونچھیں چھوٹی نہیں کرواتا اس کا ہم سے تعلق نہیں ہے۔

تشریح: مونچھوں کے بارے میں پانچ لفظ آئے ہیں: (۱) جزوا الشوارب: مونچھیں کاٹو، (۲) قص الشارب: مونچھ کترنا (۳) احفوا الشوارب: مونچھیں پست کرو (۴) انھکوا الشوارب: مونچھوں کو خوب پست کرو (۵) اخذ الشارب: مونچھ لینا۔ مونڈنے کا ذکر کسی حدیث میں نہیں اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مونڈنا منع ہے، اور احناف کے یہاں بھی مونڈنے کے بدعت ہونے کا ایک قول ہے۔ (در مختار ۵/۳۵۸، حظر واباحة فصل في البيع)

اور احناف کے یہاں دوسرا قول مونڈنے کے سنت ہونے کا ہے۔ ملتقی الابحر میں اسی کو لیا ہے، لیکن در مختار نے اس کو قیل سے ذکر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، اور مجتبیٰ میں امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کی طرف مونڈنے کے سنت ہونے کا قول منسوب کیا ہے۔

اور اختلاف اقوال کی وجہ یہ ہے کہ مونچھوں کے سلسلہ میں احادیث میں جو پانچ الفاظ آئے ہیں، ان میں سے احفاء اور انہاک کی دلالت مبالغہ پر ہے، اور کامل مبالغہ منڈنے میں ہے، اس لئے بعض علماء نے منڈنے کو سنت کہا ہے، لیکن قابل غور یہ پہلو ہے کہ اگر مونڈنا مطلوب ہوتا تو اس کے لئے عربی میں لفظ حلق موجود تھا، اس کو نہ استعمال کرنا اور اس کی جگہ دوسرے الفاظ استعمال کرنا اس

طرف مشیر ہے کہ مونڈنا پسندیدہ نہیں، اس لئے احناف کے نزدیک مونڈنے کے سنت ہونے کا قول مرجوح ہے۔ پھر راجح اور افضل صورت کے متعلق احناف کے یہاں تین قول ہیں:

(۱) مونچھیں اتنی کاٹی جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے، یہ صورت بالا جماع سنت ہے۔

(۲) مونچھیں بھوؤں کے مانند بنالی جائیں، صاحب ہدایہ نے التجنیس والمزید میں یہی مناسب طریقہ لکھا ہے اور فتاوی عالمگیر میں بھی اسی کو لیا ہے۔

(۳) مونچھیں کتر کر بالکل پست کردی جائیں، کیونکہ پانچوں لفظوں کی دلالت مبالغہ پر ہے، اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کو مونچھ پست کراتے دیکھا ہے، اور اپنے علماء کو بھی ایسا کرتے دیکھا ہے۔ لہٰذا قول فیصل یہ ہے کہ مونڈنا بدعت تو نہیں، البتہ سنت کترنا ہے، اور وہ بھی مبالغہ کے ساتھ اس طرح کہ تمام بال پست کردیئے جائیں۔

شیخ مولانا زکریا صاحب نے خصائل نبوی میں لکھا ہے: ،، ایک جماعت علماء کی اس طرف گئی ہے کہ مونچھوں کا منڈانا سنت ہے، لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ کتروانا سنت ہے، لیکن کتروانے میں ایسا مبالغہ ہو کہ مونڈنے کے قریب ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْاَخْذِ مِنَ اللِّحْیَةِ

باب ۱۷: ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کاٹنے کا بیان

(۲۶۸۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَاْخُذُ مِنْ لِّحْیَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ چوڑائی اور لمبائی کی سمت میں داڑھی تراشا کرتے تھے۔

تشریح: ڈاڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے، اس سے کم کرنا حرام ہے۔ اور ایک مشت سے بہت زیادہ لمبی ڈاڑھی رکھنا خلاف سنت ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ڈاڑھی کو چھوڑے رکھنا، یہاں تک کہ وہ گھنی ہو جائے اور بڑھ جائے: یہ ڈاڑھی بڑھانے کا مصداق ہے، اور ڈاڑھی کا قصر کرنا سنت ہے، اور قصر یہ ہے کہ ڈاڑھی کو مٹھی میں لے، جو مٹھی سے بڑھ جائے اس کو کاٹ دے (مگر مٹھی ٹھوڑی کے نیچے سے بھرے، بعض لوگ ٹھوڑی کو بھی مٹھی میں بھر لیتے ہیں یہ صحیح نہیں) کیونکہ ڈاڑھی زینت ہے، اور اس کا بھرپور ہونا کمال زینت ہے، اور اس کا غیر معمولی دراز ہونا خلاف سنت ہے۔

(اختیار شرح مختار ۱۶۷/۴، بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۲۱۵/۳)

ایک مشت سے زیادہ داڑھی اس قدر بڑھ جائے کہ بدنما نظر آنے لگے تو ایسی صورت میں زائد بال تراش دینے کو بعض علماء نے ضروری اور بعض نے مستحب کہا ہے، ہاں ایک مشت داڑھی رکھنے پر اجماع ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۸،۷)

فائدہ: ڈاڑھی کے بارے میں حدیثوں میں چھ لفظ آئے ہیں: (۱) اعفوا: یہ افعال سے امر ہے جس کے معنی ہیں: ڈاڑھی کو بڑھاؤ تا آنکہ بال زیادہ ہو جائیں اور دراز ہو جائیں۔ (۲) اوفوا: یہ بھی افعال سے امر ہے جس کے معنی ہیں: کامل کرنا تام کرنا پورا

کرنا۔ یہ لفظ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔(۳) ارخوا: یہ بھی افعال سے امر ہے، ارخاء: کے معنی ہیں: کسی چیز کو وسیع اور لمبا کرنا، چھوڑ دینا، اور لٹکانا، یہ لفظ بھی مسلم شریف کی روایت میں ہے۔(۴) ارجوا: یہ بھی افعال سے امر ہے، ارجاء کے معنی ہیں: مؤخر کرنا، یعنی بالکل نہ لینا پورا باقی رہنے دینا، چھوڑ دینا۔(۵) وفروا: یہ تفعیل سے امر ہے، نیز افعال سے اوفروا بھی آیا ہے، دونوں کے معنی ہیں: زیادہ کرنا، پورا کرنا۔(۶) دعوا: یہ فتح سے امر ہے اور اس کے معنی ہیں: چھوڑ دو۔

ان تمام لفظوں کا حاصل یہ ہے کہ لمبی ڈاڑھی رکھنا مامور بہ ہے، اس لئے واجب ہے، پس جس طرح ڈاڑھی منڈوانا حرام ہے: کترنا اور خشخشی ڈاڑھی رکھنا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ وجوب کے منافی ہے، اور اس سے حکم شرعی کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا، اور ان سبھی الفاظ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ڈاڑھی جتنی بڑھے بڑھنے دی جائے، اس کا کاٹنا اور ہاتھ لگانا منع ہے، اور یہی رائے غیر مقلدین کی ہے، مگر حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے لیتے تھے، پس فعل مبارک سے قول مبارک کی شرح کی جائے گی، اور قولی احادیث کو ایک مشت کے ساتھ خاص کیا جائے گا، اور غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے: صحیح نہیں، آپ نے ابھی دیکھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے عمر بن ہارون کی توثیق کی ہے پس یہ روایت اگرچہ اعلی درجہ کی صحیح نہیں، مگر حسن ہے، اس لئے قابل استدلال ہے، اور اس کے زریعہ قولی احادیث کو مقید کرنا درست ہے

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حدیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم اور تاکید آئی ہے اور اس کی مقدار بتلانے کے لیے کوئی قولی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی نہیں ہاں فعلی روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل مروی ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کترواد یتے تھے اور ایک مشت کے اندر کتروانے کی کوئی سند نہیں ہے اس لیے فقہاء کرام نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم رکھنے والے کو تارک واجب ہونے کی بناء پر فاسق کہا ہے۔

(کفایت المفتی ۹/۱۷۶ کتاب الحظر والاباحۃ بال اور داڑھی کے احکام)

بخاری شریف میں روایت (حدیث ۵۸۹۲) ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جن کا خاص ذوق اتباع سنت تھا: جب حج یا عمرہ کرتے اور احرام کھولتے تو اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیتے اور جو زائد ہوتی اس کو کٹوا دیتے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح ۱۰/۳۵۰) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل نقل کیا ہے۔ صحابہ کے اس عمل سے کی مرفوع روایت کی تائید ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ اِعْفَاءِ اللِّحْیَةِ

باب ۱۸: ڈاڑھی کو بڑھانے کا بیان

(۲۶۸۷) اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَعفُوا اللِّحٰی.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مونچھیں چھوٹی رکھو اور داڑھی بڑھاؤ۔

(۲۶۸۸) ان رسولَ اللهِ ﷺ اَمَرَنَا بِاِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَاَعْفَاءِ اللِّحٰی.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مونچھیں چھوٹی رکھنے کا اور داڑھی بڑھانے کا حکم دیا تھا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ وَضْعِ اِحْدَی الرِّجْلَیْنِ عَلَی الْاُخْرٰی مُسْتَلْقِیًا

باب ۱۹: چت لیٹنے کی حالت میں ایک پیر کو دوسرے پر رکھنا

(۲۶۸۹) اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ ﷺ مُسْتَلْقِیًا فِی الْمَسْجِدِ وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی.

ترجمہ: عباد بن تمیم اپنے چچا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا ہے آپ ﷺ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ فِیْ ذٰلِکَ

باب ۲۰: باب اس کی کراہت کے بارے میں

(۲۶۹۰) اِذَا اسْتَلْقٰی اَحَدُکُمْ عَلٰی ظَهْرِهٖ فَلَا یَضَعْ اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی کمر کے بل چت لیٹا ہوا ہو تو وہ اپنا پاؤں دوسرے پاؤں پر نہ رکھے۔

(۲۶۹۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّآءِ وَالْاِحْتِبَآءِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَاَنْ یَرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰی رِجْلَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰی ظَهْرِهٖ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اشتمال صماء (کے طور پر) اور احتباء (کے طور پر) ایک ہی کپڑا لپیٹنے سے منع کیا ہے اور اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ آدمی جب کمر کے بل چت لیٹا ہوا ہو اس وقت ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے۔

تشریح: چت لیٹنے کی دو صورتیں ہیں:

① دونوں پیر سیدھے ہوں اور ایک کو دوسرے پر رکھ کر لیٹے، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس صورت میں ستر کھلنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، بلکہ پیر پر پیر رکھنے سے ستر کھلنے سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

② ایک ٹانگ کھڑی کر کے اس پر دوسری ٹانگ رکھنا، یہ ممنوع ہے، کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہے البتہ اگر پاجامہ پہن رکھا ہو تو پھر کراہیت نہیں۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں دو قائم کئے ہیں پہلے میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں، انھوں نے نبی ﷺ کو مسجد نبوی میں اس طرح چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنا ایک پیر دوسرے پیر پر رکھے ہوئے تھے (یہ حدیث متفق علیہ ہے، اور اس کا مصداق پہلی صورت ہے) اور دوسرے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں لائے ہیں، پہلی روایت پر کوئی حکم نہیں لگایا اور دوسری روایت حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ الْاِضْطِجَاعِ عَلَی الْبَطْنِ

باب ۲۱: پیٹ کے بل اوندھا لیٹنے کی ممانعت

(۲۶۹۲) رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰی بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا یُحِبُّهَا اللّٰهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل (اوندھا) لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

تشریح: لیٹنے کا یہ طریقہ اس لئے ممنوع ہے کہ یہ مکروہ اور منکر ہیئت ہے، دوزخیوں کے ساتھ مشابہت اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ حِفْظِ الْعَوْرَةِ

باب ۲۲: ستر کی حفاظت کا بیان

(۲۶۹۳) قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَوْرَاتُنَا مَا نَاْتِیْ مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ یَکُوْنُ مَعَ الرَّجُلِ قَالَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ لَا یَرَاهَا اَحَدٌ فَافْعَلْ قُلْتُ فَالرَّجُلُ یَکُوْنُ خَالِیًا قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ یُّسْتَحْیٰی مِنْهُ.

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول ﷺ ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اپنی بیوی اور اپنی کنیز کے علاوہ ہر ایک سے اپنے ستر کی حفاظت کرو تو انہوں نے عرض کی بعض اوقات آدمی صرف کسی مرد کے ساتھ ہی ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کرو کہ کوئی بھی شخص اسے نہ دیکھ سکے میں نے عرض کی بعض اوقات بندہ تنہائی میں ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔

تشریح: دو شرم گاہیں (بول و براز کی جگہیں) دو فوطے، زیر ناف اور دونوں رانوں کی جڑیں جو زیر ناف سے متصل ہیں: بالا جماع ستر ہیں، اور متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ران بھی ستر ہے (یہ روایات آگے آ رہی ہیں) اور گھٹنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ستر میں داخل نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ستر میں شامل ہے، کیونکہ اس میں بھی روایات مختلف ہیں، پس احتیاط اس کو ستر میں شامل کرنے میں ہے۔

اور عورت کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے اس لئے ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بدن کے اس حصہ کو بے ضرورت نہیں کھول سکتی، باقی بدن کھول سکتی ہے، البتہ عورت کے لئے ستر کے علاوہ حجاب بھی ہے جو مرد کے لئے نہیں ہے اس لئے مرد کا باقی بدن ہر کوئی دیکھ سکتا ہے، اجنبی عورت بھی دیکھ سکتی ہے، جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ مرد کا جسم پر کشش نہیں ہوتا اور مرد کے مشاغل باقی بدن کھولنے

پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے اگر اس کو دیکھنے کی ممانعت کی جائے گی تو حرج واقع ہوگا۔

اور عورت کے لئے چونکہ ستر کے ساتھ حجاب بھی ضروری ہے اس لئے اسکے احکام مرد سے مختلف ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) عورت کا اپنے میاں سے نہ کوئی ستر ہے نہ حجاب مگر بے ضرورت ایک دوسرے کے اعضائے نہانی کو دیکھنا پسندیدہ نہیں، ابن ماجہ (حدیث ۶۶۲، ۱۹۲۲) اور مسند احمد (۶: ۱۹۰) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: ما رایت فرج رسول الله ﷺ قط: میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کا ستر نہیں دیکھا۔

(۲) محارم سے پیٹ اور اس کے مقابل پیٹھ کا حجاب ہے، اور چہرہ، سر، بال، گردن، کان، بازو، ہاتھ، پاؤں، پنڈلی اور گردن سے متصل سینہ کا بالائی حصہ اور اس کے مقابل کی پیٹھ حجاب سے خارج ہے، جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور سینہ کا بالائی حصہ اس لئے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کے لئے یہ حصہ محارم کے سامنے کھولنا پڑتا ہے، اور جب یہ حصہ مستثنیٰ کیا گیا تو اس کے مقابل پیٹھ کا حصہ بھی مستثنیٰ کیا گیا۔

(۳) نماز میں چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پیر (ٹخنوں سے نیچے) حجاب سے خارج ہیں، باقی سارا بدن ڈھانک کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔

(۴) اور اجانب سے خوف فتنہ کے وقت تمام جسم کا حجاب ہے، اور بوقت ضرورت چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہے، اور برہنہ ہونا جائز نہیں، اگرچہ تنہائی ہو مگر ایسی ضرورت کے وقت جائز ہے جس سے چارہ نہ ہو، جیسے قضاء حاجت کے وقت ستر کھولنا، اور یہ ممانعت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اچانک آجاتا ہے پس اگر آدمی ننگا ہوگا تو اس کے ستر پر دوسرے کی نظر پڑے گی، اور عار لاحق ہوگا۔

دوسری وجہ: اعمال واخلاق میں دوطرفہ تعلق ہے یعنی جیسے اخلاق ہوتے ہیں ویسے ہی اعمال صادر ہوتے ہیں، اور اخلاق خود اعمال سے پیدا ہوتے ہیں: مثلاً جو شخص حیادار ہے اس کے نفس پر احتیاط واستحکام کا غلبہ ہوتا ہے، وہ بے شرم اور بے لگام نہیں ہوتا، اس لئے وہ ضرور پردہ کا اہتمام کرتا ہے اور پردہ کے اہتمام ہی سے حیا کی صفت آدمی میں پیدا ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْاِتِّکَاءِ

باب ۲۳: ٹیک لگانے کا بیان

(۲۶۹۴) رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ عَلٰی یَسَارِهٖ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے بائیں جانب تکیے کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی۔

(۲۶۹۵) رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے

اجازت کے بغیر کسی کی مخصوص نشست گاہ پر بیٹھنا ممنوع ہے

(۲۶۹۶) لَا يُؤَمَّ الرَّجُلُ فِيْ سُلْطَانِهٖ وَلَا يُجْلَسُ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسی بھی شخص کو اس کی حاکمیت میں مقتدی نہ بنایا جائے اور کسی شخص کے گھر میں اس کے بیٹھنے کی مخصوص جگہ پر کسی دوسرے کو نہ بٹھایا جائے البتہ اس کی اجازت کے ساتھ ایسا کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الرَّجُلَ اَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِهٖ

باب ۲۴: جانور پر آگے بیٹھنے کا زیادہ حق مالک کا ہے

(۲۶۹۷) بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِيْ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ وَمَعَهٗ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِرْكَبْ وَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا اَنْتَ اَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ اِلَّا اَنْ تَجْعَلَهٗ لِيْ قَالَ قَدْ جَعَلْتُهٗ لَكَ قَالَ فَرَكِبَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس کے ساتھ اس کا گدھا تھا اس نے عرض کی یارسول اللہ سوار ہوجایئے وہ پیچھے ہٹا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے زیادہ حق دار ہو البتہ اگر یہ حق تم مجھے دیدو (تو تمہاری مرضی) ہے اس نے عرض کی یہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا ہوں راوی بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوگئے۔

فتأخر الرجل: (وہ آدمی پیچھے ہٹ گیا) اس کے دو مطلب ہیں: ۱۔ وہ شخص سواری میں پیچھے میں ہوگیا کہ آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے بیٹھ جائے۔ ۲۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ اس سواری سے ہی پیچھے ہوگئے کہ میں سوار نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس پر تشریف فرما ہوجائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِيْ اِتِّخَاذِ الْاَنْمَاطِ

باب ۲۵: پلنگ پوش غالیچے کا استعمال جائز ہے

(۲۶۹۸) هَلْ لَكُمْ اَنْمَاطٌ قُلْتُ وَاَنّٰى تَكُوْنُ لَنَا اَنْمَاطٌ قَالَ اَمَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ لَكُمْ اَنْمَاطٌ قَالَ فَاَنَا اَكُوْنُ لِامْرَاَتِيْ اَخِّرِيْ عَنِّيْ اَنْمَاطَكِ فَتَقُوْلُ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ لَكُمْ اَنْمَاطٌ قَالَ فَاَدَعُهَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کیا تمہارے پاس قالین ہے میں نے عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں سے آسکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہیں قالین مل جائیں گے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (جب فتوحات نصیب ہوئیں) تو میں اپنی بیوی سے کہا قالین نہ لگاؤ تو اس نے جواب دیا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا عنقریب تم

لوگوں کو قالین ملیں گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تو میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔

تشریح: پلنگ پوش اور غالیچہ کا استعمال مباح ٹھاٹھ میں سے ہے اور ایسی چیزیں اگر فخر و مباہات کے طور پر نہ ہوں تو جائز ہیں، اور اگر ان کے ذریعہ بڑائی اور غرور کا مظاہرہ کرنا مقصود ہو تو وبال جان ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ رُكُوْبِ ثَلَاثَةٍ عَلٰى دَابَّةٍ

باب ۲۶: ایک سواری پر تین آدمیوں کا سوار ہونا

(۲۶۹۹) لَقَدْ قُدْتُ بِنَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلٰى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ حَتّٰى اَدْخَلْتُهُ حُجْرَةَ النَّبِيِّ ﷺ هٰذَا قُدَّامَهُ وَهٰذَا خَلْفَهُ.

ترجمہ: حضرت ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے خچر کو چلا کر لے جا رہا تھا نبی اکرم ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اس پر سوار تھے یہاں تک کہ میں اسے نبی اکرم ﷺ کے گھر کے اندر لے آیا ان میں سے ایک (صاحبزادے) آپ کے آگے تھے اور دوسرے آپ کے پیچھے تھے۔

تشریح: روایات میں ایک سواری پر تین آدمیوں کے بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے، اور یہ روایت جواز کی ہے، پس قول فیصل یہ ہے کہ اگر سواری تین شخصوں کی متحمل ہو تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ اور حضرت ایاس رضی اللہ عنہ کی روایت میں چونکہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ابھی بچے تھے اس لئے خچر تین کے لئے متحمل تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ نَظْرَةِ الْمُفَاجَاءَةِ

باب ۲۷: اچانک نظر پڑنے کا بیان

(۲۷۰۰) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَظْرَةِ الْفُجَائَةِ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِيْ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اچانک نظر پڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے ہدایت کی میں اپنی نگاہ کو پھیر لوں؟

(۲۷۰۱) قَالَ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ.

ترجمہ: ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اس روایت کو مرفوع حدیث کے طور پر نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اے علی تم ایک مرتبہ (اچانک نگاہ پڑ جانے کے بعد دوسری مرتبہ نظر نہ ڈالو کیونکہ پہلی مرتبہ قابل معافی ہے لیکن دوسری مرتبہ کا حق تمہیں نہیں ہے۔

✻

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ اِحْتِجَابِ عَنِ النِّسَآءِ مِنَ الرِّجَالِ

باب ۲۸: عورتوں کا مردوں سے پردہ کرنا

(۲۷۰۲) اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَيْمُوْنَةُ ؓ قَالَتْ فَبَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَهٗ اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا اُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ

ترجمہ: حضرت ام سلمہ ؓ بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھیں حضرت میمونہ ؓ بھی تھیں حضرت اُم سلمہ ؓ کہتی ہیں ہم آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس دوران حضرت ابن ام مکتوم ؓ آ گئے وہ آپ ﷺ کے ہاں تشریف لائے یہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کی بات ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم دونوں اس سے پردہ کرو میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ تو ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتے اور ہمیں پہچان ہی نہیں سکتے تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا کیا تم دونوں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔

تشریح: عام حالات میں پردہ کرنا: عورتوں پر واجب ہے، مردوں پر واجب نہیں، اور اس کی تین وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: پردہ کرنا عورت کی حالت سے ہم آہنگ ہے، اور مرد کے موضوع کے خلاف ہے، مرد کے ذمے دنیا بھر کے کام ہوتے ہیں وہ پردہ کر کے اپنے کام انجام نہیں دے سکتا، اور عورت باہری کاموں سے فارغ ہوتی ہے، اس لئے وہ پردہ کر سکتی ہے۔

دوسری وجہ: پرکشش عورت کا بدن ہے اس لئے کو چھپانا ضروری ہے اور مرد کے بدن میں کوئی کشش نہیں اس لئے اگر اس کو عورت بھی دیکھے گی تو کوئی فتنہ نہیں ہوگا۔

تیسری وجہ: دنیا قیمتی چیز کو چھپاتی ہے، اور عورت متاع گراں مایہ ہے، پس اسی کو چھپانا چاہئے۔ اور عورتوں کو دیکھنا: مردوں میں عشق و فریفتگی پیدا کرتا ہے، اور مردوں کو دیکھنا بھی عورتوں میں یہی کام کرتا ہے، اور بار بار دیکھنا ناجائز تعلق کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے شریعت نے عورتوں کو بھی منع کیا کہ وہ مردوں کو دیکھیں خواہ مرد نابینا ہی کیوں نہ ہو۔ سورۃ النور (آیت ۳۰) میں مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور آیت ۳۱ میں یہی حکم عورتوں کو دیا ہے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

عورتوں کا غیر مردوں کو دیکھنے کا مسئلہ: عورت کا اپنے محرم رشتہ داروں کے علاوہ کسی مرد کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

مذاہب فقہاء: (۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے غیر محرم مرد کو دیکھنا مطلقا حرام ہے۔ خواہ شہوت اور بری نیت سے دیکھے یا بغیر کسی نیت شہوت کے دونوں صورتیں حرام ہیں ان حضرات کا استدلال حضرت ام سلمہ ؓ کی حدیث سے ہے۔ جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس میں ذکر کیا ہے اور اس روایت میں تصریح ہے کہ ان کا یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا۔

(۲) جمہور علماء کے نزدیک اگر کوئی عورت کسی ضرورت کی وجہ سے شہوت کے بغیر کسی مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے والے حصہ

سے دیکھ لے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہے جس میں ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نوجوان عید کے دن اپنا سپاہیانہ کھیل دکھارہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھنے لگے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک کہ خود ہی اس سے اکتا گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں روکا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مساجد میں آجاتیں بازار اور سفر پہ جاتیں ان تمام صورتوں میں انہیں حکم تھا کہ وہ پردہ کریں تاکہ مرد انہیں دیکھ نہ سکیں لیکن مردوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ عورتیں انہیں نہ دیکھ پائیں اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت شہوت کے بغیر کسی مرد کو ضرورت کی وجہ سے دیکھ سکتی ہے اگرچہ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ شہوت کے بغیر بھی کسی مرد کو نہ دیکھے۔

جمہور علماء حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں افضل امر کا ذکر ہے کہ تقوی اور پرہیز گاری کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کسی غیر محرم مرد کی طرف بالکل نہ دیکھے یہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے لہٰذا اس حدیث سے عدم جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی النَّھْیِ عَنِ الدُّخُوْلِ عَلَی النِّسَاءِ اِلَّا بِاِذْنِ اَزْوَاجِھِنَّ

باب ۲۹: شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے پاس جانا ممنوع ہے

(۲۷۰۳) اَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ اَرْسَلَهٗ اِلٰی عَلِیٍّ یَسْتَاْذِنُهٗ عَلٰی اَسْمَاءَ ابْنَةِ عُمَیْسٍ فَاَذِنَ لَهٗ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهٖ سَاَلَ الْمَوْلٰی عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهَانَا اَوْنَهٰی اَنْ نَدْخُلَ عَلَی النِّسَاءِ بِغَیْرِ اِذْنِ اَزْوَاجِهِنَّ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے غلام بیان کرتے ہیں رضی اللہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں جانے کی ان سے اجازت لے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دے دی جب انہوں نے اپنا کام ختم کرلیا تو اس غلام نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے۔ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے ہم کسی عورت کے شوہر کی اجازت کے بغیر اس سے ملیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَحْذِیْرِ فِتْنَةِ النِّسَاءِ

باب ۳۰: عورتوں کا فتنہ سنگین فتنہ ہے

(۲۷۰۴) مَا تَرَكْتُ بَعْدِیْ فِی النَّاسِ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید اور حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں میں اپنے بعد لوگوں میں جو آزمائشیں چھوڑ کر جارہا ہوں وہ ان میں مردوں کے لیے خواتین سے زیادہ نقصان دہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ اِتِّخَاذِ الْقُصَّةِ

دوسرے کے بال اپنے بالوں میں ملانا مکروہ ہے

(۲۷۰۵) اَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ خَطَبَ بِالْمَدِيْنَةِ يَقُوْلُ اَيْنَ عُلَمَاءُ كُمْ يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ هٰذِهِ الْقُصَّةِ وَيَقُوْلُ اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ حِيْنَ اتَّخَذَهَا نِسَاؤُهُمْ.

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے یہ بیان کرتے ہوئے سنا اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس طرح گچھے بنانے (یعنی وگ استعمال کرنے) سے منع کرتے ہوئے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے بنی اسرائیل ہلاکت کا شکار ہو گئے تھے جب ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا تھا۔

تشریح: القصة کے معنی ہیں: بالوں کا گچھا۔ وہ عورتیں جن کے بال ہلکے ہوتے ہیں وہ دوسرے انسان کے بال اپنے بالوں میں ملاتی ہیں، حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منکر پر نکیر کرنے کی ذمہ داری ہے، کیونکہ دین کے دو بازو ہیں: دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، پہلا کام داعیوں کا ہے اور دوسرا علماء کا، پس ہر ایک کو اپنا فریضہ انجام دینا چاہئے، اور ہر ایک کو دوسرے کی قدر پہچاننی چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْوَاصِلَةِ وَالْمُسْتَوْصِلَةِ وَالْوَاشِمَةِ وَالْمُسْتَوْشِمَةِ

باب ۳۲: بالوں میں بال ملانے والی، ملوانے والی، اور بدن گودنے والی، اور گدوانے والی ملعون ہیں

(۲۷۰۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ مُبْتَغِيَاتٍ لِلْحُسْنِ مُغَيِّرَاتٍ خَلْقَ اللّٰهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے جسم گودنے والی جسم گدوانے والی (ابروؤں کے) بال اکھیڑنے والی حسن کی طلب گار اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

(۲۷۰۷) لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ. قَالَ نَافِعٌ اَلْوَشْمُ فِی اللِّثَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے نقلی بال لگانے والی نقلی بال لگوانے والی جسم گودنے والی جسم گدوانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے نافع کہتے ہیں لفظ وشم کا تعلق مسوڑھوں سے ہے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخری حج سن اکاون ہجری کے موقع میں مدینہ منورہ میں خطاب فرمایا اور اپنے سپاہی کے ہاتھ سے بالوں کا وہ گچھا لیا جو انہوں نے مدینہ کے بازار سے لیا تھا اور فرمایا کہ تمہارے علماء کہاں ہیں جو لوگوں کو ان چیزوں سے منع نہیں کرتے گویا علماء کرام کو وعظ ونصیحت کی تاکید کی جارہی ہے کہ وہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں۔

اسی طرح گودنے اور گدوانے کا طریقہ بھی قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اسے عربی میں وشم کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ جسم کے

کسی حصہ کی جلد سوئی یا اسی طرح کی کوئی اور چیز چھوئی جائے یہاں تک کہ خون بہنے لگے پھر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے اس طریقے سے لوگ اپنے بازوں پر اپنا نام یا جسم پر مختلف جانوروں یا دیگر چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں افسوس یہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں بھی یہ رسم موجود ہے نبی کریم ﷺ نے اس طرح کرنے والی اور کروانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی ہے۔

اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو اپنے بال دوسروں سے اکھڑواتی اور نوچواتی ہے عموماً خواتین چہرے اور بھنوؤں کو بنانے اور باریک کرنے کے لیے بال اکھڑواتی ہیں حدیث کی وجہ سے اس طرح کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی خاتون کے چہرے پر داڑھی نکل ائے چہرے پر زائد بال پیدا ہو جائیں موچھیں اور تھوڑی پر بال آجائیں یا دو بھنوؤں کے درمیان بال اس طرح بڑے اور گھنے ہو جائیں کہ بدنما معلوم ہوں تو یہ اس وعید میں داخل نہیں بلکہ انہیں صاف کرنا مستحب ہے۔

لعن اللہ الواصلۃ: اس حدیث ہوتا ہے کہ کوئی خاتون اپنے بالوں کے ساتھ کسی اور کے بال جوڑ لے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور باعث لعنت ہے فقہاء کرام کا اس مسئلہ کے حکم کی تعمیل میں اختلاف ہے

مذاہب فقہاء: ① مالکیہ اور اکثر شوافع کے نزدیک بال کے ساتھ کسی اور کے بال ملانا مطلقاً ممنوع ہے چاہے انسان کے بال ہوں یا غیر انسان کے یا کوئی ریشم اور کپڑے کے دھاگے ہوں بالوں کے ساتھ اس طرح کی کوئی بھی چیز جوڑنا بالکل ممنوع ہے۔

② حنابلہ حنفیہ اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی انسان کے بال جوڑنا تو بالکل جائز نہیں اسی طرح انسان کے علاوہ کسی اور چیز کے ناپاک بال جوڑنا بھی جائز نہیں۔ البتہ انسان کے علاوہ دوسرے پاک بال یا مصنوعی بال جوڑنا جائز ہے۔

گودنے والے عضو کی طہارت کا حکم:

(۱) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جسم کے جس حصے پر گودا گیا ہے وہ ناپاک ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں جو رنگ وغیرہ بھرا گیا ہے اسے صاف کرنا واجب ہے ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اسے صاف کرنے کی صورت میں وہ عضو تلف یا شل ہو جائے گا یا اس کی افادیت ختم ہو جائے گی تو پھر اس رنگ کو زائل کرنا واجب نہیں یہ شوافع کا مسلک ہے۔

(۲) احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب خون جم جائے اور زخم مندمل ہو جائے صرف رنگ کا سبز یا سرخ نشان رہ جائے تو اب اسے زائل کرنا واجب نہیں یہ جسم کا جزو بن چکا ہے لہٰذا اس کے اوپر پانی ڈال دیا جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی جس طرح داڑھی میں خضاب لگایا جائے تو طہارت کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِى الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ

باب ۳۳: مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر، اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت

(۲۷۰۸) لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهَاتِ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهِيْنَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی خواتین اور خواتین کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت کی ہے۔

(۲۷۰۹) لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَآءِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی وضع قطع اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی وضع قطع اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو صنفیں بنائی ہیں: مرد و زن، اور ہر صنف کے لئے کچھ امتیازات گردانے ہیں، اس کے کچھ حقوق رکھے ہیں اور کچھ فرائض، شریعت ان امتیازات کو باقی رکھنا چاہتی ہے، اور ان حقوق و فرائض کا لحاظ کرتی ہے، پس اگر مرد ہجڑے بن جائیں یا عورتیں مردانی بن جائیں تو یہ ان امتیازات کو رائیگاں کرنا ہے۔ اس لئے دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخنث کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ مخنث ہے جس میں پیدائشی طور پر عورتوں کی صفات غالب ہوں وہ بتکلف عورتوں کی طرح اپنے آپ کو نہیں بناتا ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں وہ لعنت کی اس وعید میں داخل نہیں کیونکہ وہ معذور ہے لیکن اگر وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت والے امور رفتہ رفتہ ترک کرسکتا ہے تو پھر اس پر ان امور کا ترک کرنا شرعاً لازم ہوگا۔

(۲) دوسرا وہ مخنث ہے جس میں مردوں کی صفات غالب ہوں لیکن وہ بتکلف اپنی ظاہری شکل وصورت بول چال اور حرکات میں اپنے آپ کو عورت ظاہر کرتا ہے اس کا یہ عمل قابل مذمت ہے اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں لعنت کی وعید آئی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ خُرُوْجِ الْمَرْأَةِ مُتَعَطِّرَةً

باب ۳۴: عورت کا خوشبودار ہو کر گھر سے نکلنا ممنوع ہے

(۲۷۱۰) كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٍ وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِيْ زَانِيَةً.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہر آنکھ زناء کرتی ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر (مردوں کی) محفل کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی ہے اور ویسی ہے۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی وہ زناء کرنے والی عورت کی طرح ہے)۔

تشریح: عورت کی ذات خود پر کشش ہے، پھر اگر وہ معطر ہو کر گھر سے نکلے گی تو فتنہ بالائے فتنہ ہوگا، اور جو شخص نہیں دیکھنا چاہے گا وہ بھی دیکھے گا، اس لئے عورت بوقت ضرورت ہی گھر سے نکلے اور ایسا انداز اختیار نہ کرے کہ مردوں کی منظور نظر بن جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر ایسا عمل کہ جس سے کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کسی غیر محرم مرد سے رابطہ کرے۔ وہ ممنوع ہے، لہٰذا ایسے مرد و عورت کے لیے موبائل کا استعمال کسی بھی طرح جائز نہیں جو اسے غیر شرعی اور غیر اخلاقی کاموں کے لیے استعمال کرتے ہوں جو اس کے ذریعہ اپنی جنسی خواہشات کو غیر شرعی مقام پر پورا کرنے کی تگ ودو میں رہتے ہوں اور موبائل تو اس زمانے کا بہت بڑا فتنہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ طِیْبِ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

باب ۳۵: مردوں اور عورتوں کی خوشبوؤں کا بیان

(۲۷۱۱) طِیْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِیْحُهٗ وَخَفِیَ لَوْنُهٗ وَطِیْبُ النِّسَآءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِیَ رِیْحُهٗ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مردوں کی خوشبو وہ ہوتی ہے جس کی خوشبو ظاہر ہو اس کا رنگ پوشیدہ رہے اور عورتوں کی خوشبو وہ ہوتی ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور اس کی خوشبو پوشیدہ رہے۔

(۲۷۱۲) قَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ خَیْرَ طِیْبِ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِیْحُهٗ وَخَفِیَ لَوْنُهٗ وَخَیْرَ طِیْبِ النِّسَآءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِیَ رِیْحُهٗ وَنَهٰی عَنِ الْمِیْثَرَةِ الْاُرْجُوَانِ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مردوں کی سب سے بہترین خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ظاہر ہو اور اس کا رنگ پوشیدہ رہے اور عورتوں کی سب سے بہترین خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور اس کی خوشبو پوشیدہ رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ رَدِّ الطِّیْبِ

باب ۳۶: خوشبو لوٹانا مکروہ ہے

(۲۷۱۳) کَانَ اَنَسٌ لَا یَرُدُّ الطِّیْبَ وَقَالَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ لَا یَرُدُّ الطِّیْبَ.

ترجمہ: ثمامہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو (کا تحفہ) واپس نہیں کرتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کا (تحفہ) واپس نہیں کرتے تھے۔

(۲۷۱۴) ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ الدُّهْنُ یَعْنِیْ بِهِ الطِّیْبَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں (کو تحفے کے طور پر پیش کیا جائے تو) انہیں واپس نہیں کیا جا سکتا تکیہ خوشبو اور دودھ۔

(۲۷۱۵) اِذَا اُعْطِیَ اَحَدُکُمُ الرَّیْحَانَ فَلَا یَرُدَّهٗ فَاِنَّهٗ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: ابو عثمان نہدی بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کو (تحفے کے طور پر) خوشبو دی جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ یہ جنت سے نکلی ہے۔

تشریح: خوشبو فرحت پیدا کرتی ہے، اور اس کا استعمال نبیوں کی سنت ہے۔ ابو داؤد اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے: عرض علیه طیب فلا یردہ فانه خفیف المحمل، طیب الرائحة: جس کے سامنے کوئی خوشبو پیش کی جائے

وہ اس کو واپس نہ کرے، کیونکہ وہ ہلکے بوجھ والی یعنی کم قیمت عمدہ خوشبو ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ مُبَاشَرَةِ الرِّجَالِ الرِّجَالَ وَالْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ

باب ۷۳: مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے بغیر حائل کے جسم لگانا ممنوع ہے

(۲۷۱۶) لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ حَتّٰی تَصِفَهَا لِزَوْجِهَا کَاَنَّمَا یَنْظُرُ اِلَیْهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے اس طرح ساتھ نہ ہو کہ پھر وہ اپنے شوہر کے سامنے اس کی خوبیاں بیان کرے تو یوں ہو جیسے وہ مرد اس عورت کو دیکھ رہا ہے۔

(۲۷۱۷) لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا تَنْظُرِ الْمَرْأَةُ اِلٰی عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا تُفْضِی الْمَرْأَةُ اِلَی الْمَرْأَةِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابوسعید اپنے والد (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ساتھ ایک ہی کپڑے میں (برہنہ ہو کر) نہ رہے اور کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ ایک ہی کپڑے میں (برہنہ ہو کر) نہ رہے۔

تشریح: مباشرت یعنی جسم کا جسم سے لگنا شہوت بھڑکانے میں نہایت زوراثر ہے، جو طبق زنی اور اغلام کی خواہش پیدا کرتا ہے، اور گویا وہ اس کو دیکھ رہا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا عورت سے جسم لگانا بھی مکنون محبت کا سبب بن جاتا ہے، پس بے ساختہ اس لطف اندوزی کا تذکرہ شوہر یا کسی رشتہ دار کے سامنے زبان پر آ جاتا ہے، اور وہ ان کی فریفتگی کا سبب بن جاتا ہے۔

ستر دیکھنا شہوت کو بھڑکاتا ہے، غیر جنس کا ستر دیکھنے میں تو یہ بات ظاہر ہے، اور ہم جنس میں بھی کبھی اس کی نوبت آ جاتی ہے؛ عورتیں بھی کبھی ایک دوسرے پر فریفتہ ہوتی ہیں اور مرد بھی کبھی ایک دوسرے پر عاشق ہوتے ہیں۔

دوسری وجہ: ستر چھپانا تہذیب کی بنیادی اینٹ ہے۔ دنیا جہاں کے لوگ اعضاء مستورہ کو شرم گاہ کہتے ہیں یعنی ان کا کھولنا یا دیکھنا بے حیائی کی بات ہے، اس لئے ممنوع ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو مرد یا عورتیں ایک ساتھ برہنہ حالت میں ایک چادر میں نہ لیٹیں کہ یہ بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے اور یہ مزید کسی بڑے گناہ کا بھی باعث بن سکتا ہے البتہ میاں بیوی اس سے مستثنیٰ ہیں یہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو سکتے ہیں نیز یہ معلوم ہوا کہ ایک مرد کا دوسرے مرد کے ستر کی طرف یا ایک عورت کا دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ حِفْظِ الْعَوْرَةِ

ستر کی حفاظت ضروری ہے

(۲۷۱۸) قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِیْ مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْمَا مَلَكَتْ

يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ قَالَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَّا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَاهَا قَالَ قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُّسْتَحْيَا مِنْهُ مِنَ النَّاسِ.

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی ہم اپنے ستر کو کس سے چھپائیں اور کس سے نہ چھپائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے ستر کو اپنی بیوی اور اپنی کنیز کے علاوہ ہر ایک سے چھپاؤ وہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ اگر کچھ لوگ ایک ساتھ ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا تم سے ہو سکے تو کوئی بھی شخص اسے (یعنی تمہاری ستر کو) نہ دیکھے وہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی کوئی شخص تنہا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے حیاء کی جائے۔

تشریح: حدیث ابھی (حدیث ۲۷۷۳) پر گزری ہے: حضرت معاویہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! ہمارے ستر کیا آئیں ہم ان میں سے اور کیا چھوڑیں؟ یعنی کہاں ستر کھول سکتے ہیں اور کہاں چھپانا ضروری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ستر کی حفاظت کرو، مگر اپنی بیوی سے یا اپنی باندی سے، ان کا دوسرا سوال تھا: جب لوگ ایک جگہ اکٹھا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیرے بس میں ہو کہ ستر کو کوئی نہ دیکھے تو ہرگز ستر نہ دکھلا، ان کا تیسرا سوال تھا: جب کوئی شخص تنہائی میں ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان سے شرم کی جائے، یعنی تنہائی میں بھی بے ضرورت ستر نہیں کھولنا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ

باب ۳۹: ران بھی ستر ہے

(۲۷۱۹) مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِجَرْهَدٍ فِي الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَشَفَ فَخِذُهُ فَقَالَ إِنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ.

ترجمہ: حضرت جرہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کی ران سے کپڑا اہٹا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ران ستر میں داخل ہے۔

(۲۷۲۰) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِهِ وَهُوَ كَاشِفٌ عَنْ فَخِذِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ.

ترجمہ: ابن جرہد رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ان کے پاس سے گزرے اس وقت انہوں نے اپنی ران سے کپڑا اہٹایا ہوا تھا آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ یہ ستر کا حصہ ہے۔

(۲۷۲۱) الْفَخِذُ عَوْرَةٌ.

ترجمہ: عبداللہ بن جرہد اسلمی اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں ران ستر کا حصہ ہے۔

(۲۷۲۲) الْفَخِذُ عَوْرَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ران ستر میں شامل ہے۔

تشریح: متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ران بھی ستر ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کا مسلک ہے، اور امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ ننگا یا صرف آگے اور پیچھے کی شرم گاہیں ہیں اور یہی اہل ظاہر کا مسلک ہے۔

ران ستر ہے: اس سلسلہ میں چار روایتیں ہیں، اور چاروں ضعیف ہیں، مگر سب مل کر حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں، اس لئے قابل استدلال ہیں، ان میں سے دو روایتیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں، اور دو کا حوالہ دیا ہے: اور اختلاف روایات کی صورت میں احتیاط کی بات یہ ہے کہ ران کو ستر قرار دیا جائے، یہی بات شریعت کے قواعد سے ہم آہنگ ہے، جب محرم و مبیح دلائل جمع ہوتے ہیں تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے، یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (کتاب الصلاۃ ۱۲. مایذکر فی الفخذ)

فائدہ: گھٹنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ستر میں شامل نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ستر ہے، کیونکہ اس میں بھی روایات مختلف ہیں، ابھی روایت گزری ہے،، ہرگز نہ دیکھے کوئی اس حصہ کو جو ناف سے نیچے اور گھٹنے سے اوپر ہے یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ گھٹنہ ستر نہیں، اور سنن دار قطنی (۱:۲۳۱) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ضعیف روایت ہے کہ گھٹنہ ستر میں شامل ہے، اور بخاری شریف (حدیث ۳۶۹۵) میں واقعہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانی کی جگہ میں تشریف فرما تھے، اور دونوں یا ایک گھٹنہ کھلا ہوا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈھانک لیا، اس لئے احتیاط کی بات یہ ہے کہ گھٹنے کو بھی ستر میں شامل کیا جائے۔

آج کل بعض لوگ گرمی، کھیل یا ورزش کے وقت اتنا مختصر لباس پہنتے ہیں کہ جس سے ان کی رانیں نظر آ رہی ہوتی ہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے، ایسا لباس ہرگز نہ پہنا جائے، جو مرد و عورت اس لباس میں انہیں قصد و ارادہ سے دیکھیں گے وہ بھی گنہگار ہوں گے البتہ ضرورت کے موقع پر ران یا اس کا کچھ حصہ کھولا جا سکتا ہے جیسے جنگ وجدال اور مرض کی حالت میں، اس کے علاوہ اسے کھولنا جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّظَافَةِ

باب ۴۰: نظافت وصفائی کا بیان

(۲۷۲۳) اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ فَنَظِّفُوا اُرَاهُ قَالَ اَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.

ترجمہ: سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے وہ نظیف ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے وہ کریم ہے اور کرم کو پسند کرتا ہے وہ جواد (سخی) ہے اور جود (سخاوت) کو پسند کرتا ہے تو تم صفائی اختیار کرو (راوی کہتے ہیں) میرا خیال ہے انہوں نے یہ الفاظ استعمال کئے تھے اپنی عمارتوں کو صاف رکھو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْاِسْتِتَارِ عِنْدَ الْجِمَاعِ

باب ۴۱: صحبت کے وقت پردہ کرنا

(۲۷۲۴) اِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ

فَاسْتَحْيُوهُمْ وَأَكْرِمُوهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے برہنہ ہونے سے پرہیز کرو کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جو تم سے صرف اس وقت جدا ہوتے ہیں جب کوئی شخص قضائے حاجت کرتا ہے یا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو تم ان سے حیاء کرو اور ان کی عزت افزائی کرو۔

تشریح: میاں بیوی میں کسی عضو کا پردہ نہیں، زوجین ایک دوسرے کے جسم کے ہر حصہ کو دیکھ سکتے ہیں، مگر سلیقہ مندی کی بات یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں، نہ ننگے ہو کر صحبت کریں، بلکہ کوئی چادر وغیرہ اوڑھ کر مباشرت کریں۔

اعتراض: حدیث کا سے کیا تعلق ہے؟ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بوقت صحبت ننگا ہونا جائز ہے، جیسے بڑے استنجے کے وقت ننگا ہونا جائز ہے اور میں یہ بات ہے کہ اس وقت پردہ کرنا چاہیے۔

جواب: حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بوقت جماع ننگا ہونا جائز ہے، بلکہ حدیث میں فرشتوں کے علیحدہ ہونے کی دو مثالیں دی ہیں: ایک بڑے استنجے کی حالت دوسری جماع کی حالت۔ ان میں سے پہلی حالت مجبوری کی حالت ہے اور دوسری حالت مجبوری کی حالت نہیں، اس لئے دونوں حالتوں کا حکم مختلف ہوگا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي دُخُولِ الْحَمَّامِ

باب ۴۲: نہانے کے ہوٹل میں جانا

(۲۷۲۵) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُدْخِلْ حَلِيْلَتَهُ الْحَمَّامَ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهِمُ الْخَمْرُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ جانے دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔

(۲۷۲۶) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى الرِّجَالَ وَالنِّسَاءَ عَنِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ فِي الْمَيَازِرِ.

ترجمہ: ابو عزرہ جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اقدس پایا ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور خواتین کو حمام میں جانے سے منع کیا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو تہبند باندھ کر جانے کی اجازت دی تھی۔

(۲۷۲۷) اَنَّ نِسَاءً مِنْ اَهْلِ حِمْصَ اَوْ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ دَخَلْنَ عَلٰى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَقَالَتْ اَنْتُنَّ اللَّاتِيْ يَدْخُلْنَ نِسَاءُ كُنَّ الْحَمَّامَاتِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنِ امْرَأَةٍ تَضَعُ ثِيَابَهَا فِيْ غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا هَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا.

ترجمہ: ابوملیح ہذلی فرماتے ہیں حمص کی خواتین (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) شام کی کچھ خواتین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تم وہی خواتین ہو کہ تمہاری عورتیں حمام میں جاتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اپنے کپڑے اتارے گی تو وہ اپنے پروردگار کے درمیان موجود پردے کو فاش کردے گی۔

تشریح: جن ملکوں میں پانی کی قلت ہے، وہاں نہانے کے ہوٹل ہوتے ہیں، سب لوگ مرد اور عورتیں وہاں جا کر نہاتے ہیں اس لئے وہاں بے پردگی بہت ہوتی ہے، پس عورتوں کو تو وہاں جانا ہی نہیں چاہئے، وہ اپنے گھروں میں نہائیں اور مرد لنگی باندھ کر جائیں، صرف جانگیہ چڈی پہن کر اور لنگی کندھے پر ڈال کر نہ جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْمَلٰئِکَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ

باب ۴۳: جس گھر میں جاندار کی تصویر ہو یا کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

(۲۷۲۸) لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةُ تَمَاثِيْلَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر موجود ہو۔

(۲۷۲۹) دَخَلْتُ اَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ طَلْحَةَ عَلٰى اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ نَعُوْدُهٗ فَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ اَوْ صُوْرَةٌ شَكَّ اِسْحَاقُ لَا يَدْرِيْ اَيُّهُمَا قَالَ.

ترجمہ: رافع بن اسحاق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اور عبداللہ بن ابوطلحہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بات بتائی ہے فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں (یہاں پر حدیث کے ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے لفظ تماثیل استعمال ہوا ہے یا صورت استعمال ہوا ہے)؟ اسحاق نامی راوی کو یہ شک ہے اس میں سے کون سا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۲۷۳۰) اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ اِنِّيْ كُنْتُ اَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ عَلَيْكَ الْبَيْتَ الَّذِيْ كُنْتَ فِيْهِ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ فِيْ بَابِ الْبَيْتِ تِمْثَالُ الرِّجَالِ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِيْ بِالْبَابِ فَلْيُقْطَعْ فَيَصِيْرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ وَيُجْعَلْ مِنْهُ وِسَادَتَيْنِ مُنْتَبَذَتَيْنِ تُوْطَاٰنِ وَمُرْ بِالْكَلْبِ فَيُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَ ذٰلِكَ الْكَلْبُ جِرْوًا لِلْحُسَيْنِ اَوْ لِلْحَسَنِ تَحْتَ نَضَدٍ لَهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے بتایا گزشتہ

رات آپ ﷺ کے پاس آنا چاہتا تھا لیکن میں آپ ﷺ کے گھر میں اس لیے داخل نہیں ہوا کیونکہ اس میں کچھ مردوں کی تصویریں موجود تھیں راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے گھر میں پردے پر یہ تصویریں بنی ہوئی تھیں اور اس گھر میں کتا بھی موجود تھا (حضرت جبریل نے عرض کی) آپ ﷺ تصویروں کے بارے میں حکم دیں کہ ان کا سر کاٹ دیا جائے اس طرح یہ درخت کی شکل میں ہو جائیں گی اور پردے کے بارے میں یہ حکم دیں کہ اسے کاٹ کر اس کے تکیے بنا لئے جائیں جنہیں نیچے رکھا جائے اور انہیں روندا جائے اور کتے کے بارے میں حکم دیں کہ اسے باہر نکال دیا جائے تو آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا وہ کتے کا پلا تھا جو حضرت امام حسین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تھا اور آپ ﷺ کے پلنگ کے نیچے تھا آپ ﷺ کے حکم کے تحت اسے نکال دیا گیا۔

تشریح: جانداروں کی تصویروں میں مورتیوں کے معنی ہیں، یعنی وہ پرستش کی چیز ہیں اور فرشتوں کو شرک اور مشرکین سے شدید نفرت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ تصویروں سے فرشتے نفرت کریں، چنانچہ وہ کسی ایسی جگہ میں داخل نہیں ہوتے جہاں کسی جاندار کی تصویر ہوتی ہے اور جاہلیت کے لوگ کتا پالنے کے شوقین تھے، جب کہ کتا ایک ملعون جانور ہے، فرشتوں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے، اور کتے کو شیاطین سے مناسبت ہے، اس لئے بے ضرورت کتا پالنے کو حرام قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے دو باتیں حل ہوگئیں: ① : صاحبزادوں نے کتے کا پلا کیوں پالا تھا، جبکہ کتا گھر میں رکھنا ممنوع ہے؟ ②: آپ ﷺ کے گھر کے دروازے پر پردے میں مردوں کی تصویر کیوں تھی جبکہ تصویر حرام ہے؟ ان دونوں باتوں کا جواب یہ نکلا کہ یہ واقعات ممانعت سے پہلے کے ہیں، کتوں کے قتل کا حکم اس واقعہ کے بعد دیا گیا ہے، اس سے پہلے سبھی لوگوں کے یہاں کتے تھے، پس اگر صاحبزادوں نے کتے کا پلا پالا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، اسی طرح پردے میں اگر تصویریں تھیں تو یہ بھی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة تماثيل: کون سے فرشتے داخل نہیں ہوتے اس بارے میں دو قول ہیں:

(۱) اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ان سے رحمت کے فرشتے مراد ہیں کہ وہ ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے لہٰذا موت کے فرشتے اور وہ فرشتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں کیونکہ وہ انسان سے کسی بھی وقت جدا نہیں ہوتے۔

(۲) علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ ملائکہ حدیث میں عام ہے اس میں اس طرح کی کوئی تخصیص نہیں۔

اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں ہے یعملون له مايشاء من محاريب وتماثيل یہاں تماثیل کی تفسیر تصویروں سے کی گئی ہے اگر شرعاً تصویر جائز نہیں تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات کیوں تصویر بناتے تھے؟ اس شبہ کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱) ان کی شریعت میں اس گنجائش تھی جبکہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ تماثیل سے جاندار کی تصویر مراد نہ ہو بلکہ غیر جاندار چیزوں کی تصویریں اور نقشے مراد ہوں

(فتح الباری ۱۰/۴٦٦ کتاب اللباس)

کتے کا بچہ گھر میں چھپا ہوا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ضرور آپ ﷺ کو بچہ کا علم ہوتا اس سے ثابت ہوا کہ علم غیب صرف اللہ جل جلالہ کی صفت

ہے کسی بھی رسول کے لیے یہ صفت ثابت کرنا یہ اس نبی کی تعظیم نہیں حقیقت میں اس کی توہین ہے کہ اسے اللہ کے برابر درجہ دیا جار ہا ہے۔
لغات: تماثیل: تمثال کی جمع ہے، مجسمہ پتھر کا تراشا ہوا یا تانبے پیتل وغیرہ کا ڈھالا ہوا مجسمہ جو کسی حیوان یا انسان کی عکاسی کرتا ہو تصویر جو کاغذ وغیرہ پر بنی ہوئی ہو۔ بارحۃ: گزشتہ رات۔ قِرام: سرخ پردہ مختلف رنگوں کا موٹا اونی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا ہے اور قرام ستر کے معنی ہیں پردے کا کپڑا یعنی پردہ۔ منتبذتین: وہ دونوں تکیے پڑے رہیں بچھے رہیں۔ توطان: جنہیں قدموں سے روندا جائے۔ جرو: کتے کا پلا، کتے کا بچہ، ہر درندہ کا چھوٹا بچہ۔ نضد: تہ بہ تہ رکھا ہوا سامان۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ لِلرَّجُلِ وَالْقَسِّيِّ

باب ۴۴: مردوں کے لئے گیروا (گہرا گلابی) کپڑا مکروہ ہے

(۲۷۳۱) قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص آیا اس نے سرخ رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(۲۷۳۲) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْقَسِّيِّ وَعَنِ الْمِيْثَرَةِ وَعَنِ الْجِعَةِ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے ریشمی کپڑا پہننے ریشمی زین پر بیٹھنے اور جعہ سے منع کیا ہے۔

(۲۷۳۳) اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ اَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ اَوْحَلْقَةِ الذَّهَبِ وَاٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَلُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْاِسْتَبْرَقِ وَالْقِسِّيِّ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا ہے اور سات چیزوں سے منع کیا ہے آپ ﷺ نے ہمیں جنازے کے ساتھ جانے بیمار کی عیادت کرنے چھینکنے والے کو جواب دینے دعوت قبول کرنے مظلوم کی مدد کرنے قسم پوری کروانے اور سلام کا جواب دینے کا حکم دیا ہے جبکہ آپ ﷺ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سونے کا چھلا پہننے چاندی کے برتن استعمال کرنے حریر دیباج استبرق اور قسی (ریشم کی مختلف قسموں کو) استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ ابواب اللباس ۵ اور کتاب الصلوٰۃ ۸۲ میں گزر چکا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تیز سرخ رنگ مردوں کے لئے ناپسندیدہ ہے، یعنی مکروہ تنزیہی ہے، اور ہلکا سرخ رنگ اور سیاہی مائل سرخی یعنی براؤن رنگ بغیر کراہیت کے جائز ہے۔ (تفصیل ابواب اللباس ۴) میں گزر چکی ہے۔

لغات: معصفر: وہ کپڑا جسے کسم سے رنگا گیا ہو اور کسم زرد رنگ کا ایک پودا ہے جسے پانی میں ڈال کر کپڑے رنگے جاتے ہیں

اس کپڑے کا رنگ عموماً سرخ ہوجاتا ہے۔ (ا) عربوں میں اس کا خاصا رواج تھا قَسِّی کی تشدید کے ساتھ مصر کا ایک کپڑا جو ریشم اور کتان سے بنایا جاتا تھا اور قس کی طرف منسوب تھا جو ساحل بحر کا ایک گاؤں تھا جہاں یہ کپڑا تیار ہوتا تھا چونکہ اس میں ریشم بھی ملایا جاتا تھا اس لیے اس کا ترجمہ ریشمی کپڑے سے کردیا جاتا ہے بعض نے کہا کہ قسی اصل میں قزی ہے جو قز کی طرف منسوب ہے جو ایک قسم کا ریشم ہے پھر اس زاء کو سین سے بدل دیا تو قسی ہوگیا۔ میثرۃ: زین پوش یعنی وہ کپڑا جس میں روئی بھر دی جاتی ہے اور اسے گھوڑے وغیرہ کی زین پر ڈال کر بیٹھا جاتا ہے اسے نمدزین بھی کہتے ہیں عموماً یہ کپڑا ریشم کا ہوتا تھا عیش وعشرت میں مبتلی دنیا دار اسے فخر وغرور کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں۔ جِعۃ: وہ شراب جسے جو سے تیار کیا جاتا ہے۔ ابرار المقسم: قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔ حریر: ریشم خواہ باریک ہو یا موٹا۔ دیباج: باریک ریشم۔ اِستبرق: موٹا ریشم مدر: گیرو ایک قسم کی لال مٹی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ لُبْسِ الْبَیَاضِ

باب ۴۵: سفید کپڑا پہننے کا بیان

(۲۷۳۴) اَلْبَسُوا الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا اَطْھَرُ وَاَطْیَبُ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہوتے ہیں اور انہیں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

تشریح: اس حدیث میں سفید کپڑے کے دو فائدے ذکر کئے ہیں: ایک اس کا زیادہ پاکیزہ ہونا دوسرا اس کا زیادہ ستھرا ہونا سفید کپڑے پر داغ جلدی نظر آتا ہے، اس لئے اگر کوئی ناپاکی یا کوئی گندگی یا کوئی میل کچیل لگے گا تو فوراً محسوس ہوگا، اور آدمی اس کو دھو ڈالے گا۔ اور رنگین کپڑے میں گندگی محسوس نہیں ہوتی، اور آدمی گندہ کپڑا پہنے رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الرُّخْصَۃِ فِیْ لُبْسِ الْحُمْرَۃِ لِلرِّجَالِ

باب ۴۶: مردوں کے لئے سرخ کپڑا پہننا جائز ہے

(۲۷۳۵) رَاَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ لَیْلَۃٍ اِضْحِیَانٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاِلَی الْقَمَرِ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ فَاِذَا ھُوَ عِنْدِیْ اَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے ایک مرتبہ چاندنی رات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو کبھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ حلہ پہنا ہوا تھا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت لگ رہے تھے۔

(۲۷۳۶) رَاَیْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حُلَّۃً حَمْرَاءَ.

ترجمہ: شعبہ اور ثوری نے اسے ابواسحاق کے حوالے سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو سرخ حلتہ پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَخْضَرِ

باب ۴۷: سبز کپڑے کا بیان

(۲۷۳۷) رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ.

ترجمہ: حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اس وقت آپ ﷺ نے دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

تشریح: سبز رنگ جنت کا رنگ ہے، سورۃ الدہر (آیت ۲۱) میں ہے: ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ إِسْتَبْرَقٌ﴾ جنتیوں کے اوپر کے کپڑے: باریک سبز ریشم اور دبیز ریشم کے ہوں گے، اور سورۃ الرحمٰن (آیت ۷۶) میں ہے: ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ﴾ وہ لوگ سبز مشجر (وہ کپڑا جس پر درختوں کی تصویریں بنی ہوئی ہوں) اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرشوں) پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَسْوَدِ

باب ۴۸: کالے کپڑے کا بیان

(۲۷۳۸) خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِّنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر نکلے تو آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔

لغات: بردان: برد کا تثنیہ ہے دو چادریں۔ مِرط: چادر خواہ وہ اون کتان ریشم کی ہو یا بولوں سے بنی ہوئی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْأَصْفَرِ

باب ۴۹: پیلے کپڑے کا بیان

(۲۷۳۹) قَدِمْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَتِ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهِ حَتّٰى جَاءَ رَجُلٌ وَقَدِ ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَعَلَيْهِ تَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ أَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتَا وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ عُسَيْبُ نَخْلَةٍ

ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اس کے بعد انہوں نے طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں) ایک شخص آیا اس وقت سورج چڑھ چکا تھا اس نے کہا السلام علیک یارسول اللہ تو نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ (سیدہ قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں) اس وقت نبی اکرم ﷺ نے دو پرانے اور بغیر سلے ہوئے کپڑے پہن رکھے تھے جو زعفران کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ان کا رنگ ہلکا پڑ چکا تھا اور آپ ﷺ کے پاس کھجور کی ایک شاخ بھی تھی۔

لغات: أسمال: سَمَل کی جمع ہے یہاں اس سے تثنیہ مراد ہے: دو پرانے کپڑے، ملیتین: ملیہ ملائۃ کا تثنیہ ہے اور ملیہ مُلائۃ کی تصغیر ہے تہ بند وہ چادر جو ایک ہی طرز پر بنی گئی ہو اور اس میں کوئی جوڑ نہ ہو بڑی چادر یہ دونوں کپڑے چونکہ ان سلے ہوئے تھے اس لیے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ بغیر سلی ہوئی چادروں کے کیا ہے۔ نفضتا: ان دونوں کپڑوں سے زرد رنگ اُڑ چکا تھا۔ ومعہ: اور حضور ﷺ کے پاس۔ عُسیب: کی تصغیر ہے، کھجور کی چھوٹی سی شاخ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ التَّزَعْفُرِ وَالْخَلُوْقِ لِلرِّجَالِ

باب ۵۰: مردوں کے لئے زعفرانی خوشبو مکروہ ہے

(۲۷۴۰) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ التَّزَعْفُرِ لِلرِّجَالِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مرد کو زعفرانی (رنگ کا کپڑا) استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

(۲۷۴۱) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَبْصَرَ رَجُلًا مُتَخَلِّقًا قَالَ اِذْهَبْ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ.

ترجمہ: حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے خلوق (نامی خوشبو) لگائی ہوئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اسے دھولو اور پھر دوبارہ نہ لگانا۔

مذاہب فقہاء: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کر کے حضرات حنفیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ مرد کے لیے زعفران کے استعمال کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں کہ اس کا استعمال نہ جسم میں جائز ہے اور نہ ہی کپڑوں اور بالوں میں لہٰذا خوشبو کے طور پر بھی زعفران کا استعمال جائز نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بدن میں اس کا استعمال ممنو ہے لیکن کپڑوں میں اس کے استعمال کی گنجائش ہے امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال سنن ابی داؤد کی حدیث سے ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتے جس کے جسم میں خلوق خوشبو ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ خوشبو جسم پر نہ ہو بلکہ کپڑوں پر ہو تو یہ جائز ہے لیکن جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ممانعت پر مشتمل روایات زیادہ صحیح ہیں لہٰذا انہی کا اعتبار ہوگا جبکہ ابوداؤد کی اس حدیث کا ایک راوی ابوجعفر رازی ہے جس بارے میں کلام ہے اس وجہ سے اس حدیث کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اعتراض ہوتا ہے کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر ہے کہ وہ شادی کے بعد نبی کریم ﷺ کی مجلس میں آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان پر زعفران تھا آپ ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بظاہر اس واقعہ سے مردوں کے لیے زعفران کا استعمال جائز معلوم ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس حدیث اور حدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں:

جواب ①: حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا واقعہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے لیکن اس جواب کے درست ہونے کے لیے تاریخی اعتبار سے دلیل کی ضرورت ہے۔

جواب ②: حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے خلوق خوشبو استعمال نہیں کی تھی ان کی بیوی نے استعمال کی تھی اس سے ان کے کپڑوں پر بغیر کسی قصد وارادے کے لگ گئی امام نووی رحمہ اللہ نے اس جواب کو راجح قرار دیا ہے۔

لغات: خلوق ایک خوشبو ہے جو زعفران اور دوسری چیزوں سے بنائی جاتی ہے لیکن اس کا اکثر حصہ زعفران ہوتا ہے عموماً اس کا رنگ سرخ اور زرد ہوتا ہے خواتین اس خوشبو کو استعمال کرتی ہیں۔ **ابصر:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ **متخلقا:** خلوق خوشبو لگائے ہوئے۔ **ثم لا تعد:** پھر تو نہ لوٹنا یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی كَرَاهِيَةِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ

باب ۵۱: ریشم اور دیبا کی ممانعت

(۲۷۴۲) مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِى الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِى الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں ریشمی لباس پہنے گا وہ آخرت میں اسے نہیں پہنے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِى الْقُبَاءِ

قبا (چوغے) کا بیان

(۲۷۴۳) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَسَمَ اَقْبِيَةً وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ شَيْئًا فَقَالَ مَخْرَمَةُ يَا بُنَيَّ انْطَلِقْ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ قَالَ ادْخُلْ فَادْعُهٗ لِيْ فَدَعَوْتُهٗ لَهٗ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَعَلَيْهِ قُبَاءٌ مِّنْهَا فَقَالَ خَبَأْتُ لَكَ هٰذَا قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَقَالَ رَضِيَ مَخْرَمَةُ.

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قبائیں تقسیم کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں دیا حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ بولے اے میرے بیٹے تم میرے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو حضرت مسور بیان کرتے ہیں میں ان کے ساتھ چل پڑا انہوں نے فرمایا اندر جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لاؤ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قبا موجود تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میں نے تمہارے لیے سنبھال کر رکھی تھی راوی بیان کرتے ہیں حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا تو خوش ہو گئے۔

یہ مسئلہ ابواب اللباس میں گزر چکا ہے، وہاں تفصیل ہے، دیکھ لی جائے۔

تشریح: اگر یہ جبہ ریشمی تھا تو یہ واقعہ حرمت ریشم سے پہلے کا ہے، اور اگر بعد کا ہے تو یہ جبہ فائدہ اٹھانے کے لئے دیا ہے، پہننے کے لئے نہیں دیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ چوغہ ریشمی نہ ہو۔

اس میں حضرت مخرمہ بن نوفل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا اور غزوہ حنین میں شریک ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے قبا تقسیم فرمائے مخرمہ کو عام تقسیم کے وقت نہیں دیا حضرت مخرمہ چونکہ نابینا تھے۔ اس لیے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ہمیں حضور ﷺ کے پاس لے چلو وہاں پہنچے تو آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے پاس ان قباؤں میں سے ایک قبا تھی حضور ﷺ نے مخرمہ سے فرمایا کہ یہ قبا میں نے تمہارے لیے محفوظ کر کے اور چھپا کر رکھی تھی مسور کہتے ہیں کہ میرے والد مخرمہ نے اسے لے کر فرمایا کہ مخرمہ راضی ہے۔

فقال: رضی مخرمه: قال کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے چنانچہ راوی نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ قال کا فاعل مخرمہ جبہ لے کر کہنے لگے کہ مخرمہ راضی ہو گیا۔

بَابُ مَاجَاءَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَرَى اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ

باب ۵۲: اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندے پر اللہ کی نعمت کا اثر دیکھیں

(۲۷۴۴) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے اس کی دی ہوئی نعمت کا اثر اس کے بندے پر نظر آئے۔

تشریح: بعض لوگ بڑائی کے اظہار کے لئے یا فیشن کے طور پر بہت عمدہ لباس پہنتے ہیں، اور اس مد میں بے جا اسراف کرتے ہیں: جو ممنوع ہے۔ اور بعض کنجوسی کی وجہ سے یا گنوار پن کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونے کے باوجود پھٹے حال میں رہتے ہیں: یہ بھی ٹھیک نہیں۔ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اسے اس حال میں رہنا چاہئے کہ اللہ کی نعمت کا اثر اس پر ظاہر ہو۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سادگی اور خستہ حالی ایمان کا شعبہ ہے، ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب یہ ہے کہ حدیث میں ترک زینت اور سادگی اختیار کرنے کا حکم اس وقت ہے جب انسان میں عمدہ لباس وغیرہ کی استطاعت نہ ہو، ان حالات میں اسے اپنے لباس اور رہن سہن میں تکلف نہیں اختیار کرنا چاہیے بس صبر و استقامت کے ساتھ سادگی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اعلیٰ طرز زندگی کی ہمت دی ہو تو وہ عمدہ لباس اور اچھا رہن سہن اختیار کر سکتا ہے اس کے باوجود اپنے جسم پر اچھا لباس وغیرہ کے ذریعہ ان نعمتوں کا اظہار نہیں کرتا تو یہ ناپسندیدہ ہے یہ انتہائی بخل اور خست کی علامت ہے اسے اس انداز سے قناعت کر کے زندگی نہیں گذارنی چاہیے۔

جواب دونوں حدیثوں کا مصداق الگ الگ ہے، جو لوگ اللہ کی دی ہوئی مالی وسعت کے باوجود محض کنجوسی سے یا طبیعت کے لاابالی پن کی وجہ سے پھٹے حال میں رہتے ہیں، ان کے لئے فرمایا ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کے رہن سہن اور اس کے

لباس میں اس کا اثر محسوس ہونا چاہئے، اور جن حدیثوں میں سادگی کی تعلیم دی گئی ہے اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو لباس کی بہتری کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، وہ آدمی کی قدر و قیمت کا معیار اور پیمانہ اس کو سمجھتے ہیں ان سے کہا گیا ہے کہ اچھے لباس کا اہتمام نہ کرنا اور معمولی کپڑوں میں خستہ حالوں کی طرح رہنا ایمان کی ایک شان ہے۔ اور یہی اصلاح و تربیت کا طریقہ ہے، جو لوگ افراط اور غلو میں مبتلا ہیں ان سے ان کے حال کے مطابق کلام کیا جائے اور جو تفریط کے شکار ہیں ان سے ان کے حسب حال کلام کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْخُفِّ الْاَسْوَدِ

باب ۵۳: سیاہ موزے کا بیان

(۲۷۴۵) اَنَّ النَّجَاشِیَّ اَهْدٰی لِلنَّبِیِّ ﷺ خُفَّیْنِ اَسْوَدَیْنِ سَاذَجَیْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَیْهِمَا.

ترجمہ: ابن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نجاشی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں موزوں کا ایک جوڑا بھیجا تھا جو سیاہ رنگ کا تھا اور اس پر کوئی نقش نہیں بنا ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں پہنا پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور ان پر مسح کر لیا۔

جو حکم سیاہ عمامے کا ہے وہی سیاہ لباس کا اور سیاہ موزے کا ہے۔ جبکہ سیاہ لباس میں روافض کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّهْیِ عَنْ نَتْفِ الشَّیْبِ

باب ۵۴: سفید بالوں کو چننا ممنوع ہے

(۲۷۴۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْ نَتْفِ الشَّیْبِ وَقَالَ اِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے سفید بال اکھاڑنے سے منع کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے یہ مسلمان کا نور ہے۔

تشریح: سر یا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑنا یا قینچی سے چن کر نکالنا مکروہ ہے، نبی ﷺ نے بڑھاپے کے سفید بالوں کو نوچنے سے منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ وہ مسلمان کا نور ہیں۔

حدیث میں ہے کہ انسانوں میں سب سے پہلے سفید بال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی داڑھی میں دیکھے تو عرض کیا کہ میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ جواب آیا کہ یہ وقار ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار میرے وقار میں اضافہ فرما۔

وقار: ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو گناہ اور بے حیائی کی باتوں سے روکتا ہے آخرت نیکی اور توبہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اس لحاظ سے یہ وصف انسان میں اس نور کو پیدا کرتا ہے جو میدان حشر میں ظلمت و تاریکیوں کو چیرتا ہوا آگے آگے چلے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا: ﴿یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ﴾ (الحدید: ۱۲) اس توجیہ کی روشنی میں گویا اس نور سے قیامت کے دن کا نور مراد ہے چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح ہے۔

اور اگر نور سے یہ معنی مراد لیے جائیں کہ سفید بالوں کی وجہ سے اس آدمی کا چہرہ نورانی اور خوبصورت ہو جاتا ہے تو یہ بھی درست

ہے اور حقیقت میں تو دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں کہ ایسے آدمی کا چہرہ دنیا میں خوشنما بھی ہو جاتا ہے اور آخرت میں یہ نور اس کے لیے ظلمت و تاریکیوں میں ایک مینارہ روشنی ثابت ہوگا۔

اعتراض: یہ ہوتا ہے کہ جب بالوں کی سفیدی دنیا اور آخرت دونوں میں نورانیت کا باعث ہے تو پھر سفید بالوں پر خضاب کی اجازت نہیں ہونی چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خضاب میں اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنا لازم نہیں آتا جبکہ سفید بال نوچنے میں اللہ تعالیٰ تخلیق میں تبدیلی کرنا لازم آتا ہے اس لیے سفید بالوں کو نوچنے سے منع کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں مسلم شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنے سر یا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو اکھاڑے، اور ابو داؤد میں ہے کہ سفید بال نہ اکھاڑو جو شخص بحالت اسلام بوڑھا ہوا: وہ بڑھاپا اس مسلمان کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا، اور دیلمی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص سفید بال اکھاڑے گا۔ قیامت کے دن وہ بال نیزہ بن جائے گا، جس سے اس کو بھونکا جائے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ

باب ۵۵: جس سے مشورہ لیا جاتا ہے اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے

(۲۷۴۷) اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

(۲۷۴۸) اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ.

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

تشریح: المستشار: (اسم مفعول) وہ شخص جس سے مشورہ لیا جائے۔ مؤتمن (اسم مفعول) بھروسہ کیا ہوا۔ آدمی اسی سے مشورہ لیتا ہے جس کو اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے، اور اس اعتماد پر مشورہ کرتا ہے کہ وہ اس کو صحیح بات بتائے گا، پس اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانی چاہئے، جو بات اس کے لئے مفید ہو وہی بتانی چاہئے اور اس کے بھید کا افشاء بھی نہیں کرنا چاہئے، اور ایک روایت میں ہے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کو اس کی بھلائی اس کے علاوہ میں ہے تو یقیناً اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الشُّؤْمِ

باب ۵۶: بدشگونی (نحوست) کا بیان

(۲۷۴۹) اَلشُّؤْمُ فِیْ ثَلَاثَةٍ فِی الْمَرْأَةِ وَالْمَسْکَنِ وَالدَّابَّةِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورت رہائش گاہ

اور جانور۔

(۲۷۵۰) لَا شُؤْمَ وَ قَدْ يَكُوْنُ الْيُمْنُ فِي الدَّارِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے نحوست کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی البتہ کبھی گھر میں عورت میں یا گھوڑے میں برکت ہوتی ہے۔

تشریح: (۱) امام مالک رحمہ اللہ نے احادیث کو اپنے ظاہری معنی پر محمول فرمایا ہے کہ ان چیزوں یعنی گھر عورت اور گھوڑے سے بدشگونی اور نحوست آتی ہے بسا اوقات ان کی وجہ سے ضرور نقصان اور ہلاکت و بربادی ہوجاتی ہے لہٰذا ان تین چیزوں میں نحوست کی احادیث اس عام قانون سے مستثنیٰ ہیں کہ بدشکونی اور بدفالی نہیں ہوتی۔

(۲) بعض علماء کے نزدیک یہ حدیثیں قرآن کریم کی اس آیت ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ (الحدید:۲۲) سے منسوخ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز میں کوئی نحوست اور شوم نہیں بس جو مصیبت و آفت وغیرہ آتی ہے تو وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاوقدر کی وجہ سے ہے۔

(۳) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ کلام حرف شرط کے ساتھ ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ان کان الشوم کی تصریح ہے مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر کسی چیز میں نحوست ہوسکتی ہے تو وہ عورت گھر اور گھوڑے میں ہوسکتی ہے لیکن چونکہ نحوست کسی چیز میں نہیں ہوتی اس لیے ان تین چیزوں میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تو اس حدیث یعنی ان کان الشوم کے معنی یہ ہیں کہ اگر نحوست اور بدشگونی کی کوئی حقیقت اور اس کا ثبوت ہوتا تو ان تین چیزوں میں ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ نحوست اور شوم ثابت نہیں تاہم جسے دنیا میں نیک بیوی اچھی رہائش اور سکون سواری مل گئی تو یہ اس کی سعادت ہے اور جو ان میں آزمائش میں مبتلا ہوگیا تو یہ اس کی بدنصیبی اور بدبختی کی علامت ہے۔

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ شوم کی دو قسمیں ہیں ایک شوم بمعنی نحوست ہے اور دوسرا شوم بمعنی عدم موافقت ہے اس کی احادیث میں شوم سے عدم موافقت کے معنی مراد ہیں اور لاعدوی ولا طیرۃ میں شوم سے نحوست کے معنی مراد ہیں اس صورت میں گھر میں شوم کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ گھر تنگ ہو پڑوسی اچھے نہ ہوں یا وہاں کی آب وہوا مزاج کے موافق نہ ہو اسی طرح عورت میں شوم کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو زبان دراز ہو عفت و پاکدامنی کا خیال نہ رکھتی ہو اور گھوڑے میں عدم موافقت کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہاد میں کام نہ آئے سرکش ہو یا اس کی قیمت برداشت سے باہر ہو۔

دو مسئلوں میں روایات متعارض ہیں:

ایک: مرض کا تعدیہ، اس میں لاعدوی کی روایت بھی ہے، اور فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ کی روایت بھی ہے پہلی روایت سے چھوت چھات کی نفی ہوتی ہے، اور دوسری روایت سے اثبات ہوتا ہے۔

دوم: نحوست کا مسئلہ اس میں لاشئوم کی روایت بھی ہے اور الشوم فی ثلاثۃ (نحوست تین چیزوں میں ہوئی) کی بھی، اور ایک تیسری روایت بین بین ہے، یعنی ان کان الشوم فی شیی (اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی) پہلی روایت سے نحوست کی نفی ہوتی

ہے، اور دوسری روایت سے اثبات ہوتا ہے، اور تیسری روایت سے احتمال پیدا ہوتا ہے۔

اور دونوں مسلکوں میں تطبیق ایک ہے، یعنی فی نفسہ دونوں باتیں منتفی ہیں اور لغیرہ دونوں باتیں ثابت ہیں، یعنی کوئی بیماری بذاتِ خود دوسرے کو نہیں لگتی، مگر بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط من جملہ اس مرض ہے، اس لئے ایسے مریضوں سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی طرح نحوست کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام کسی چیز میں فی نفسہ نحوست نہیں مانتا، مگر موافق ناموافق آنے کے اعتبار سے بعض چیزوں میں خوبی اور خرابی ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: نحوست تین چیزوں میں ہے: عورت میں گھر میں اور چوپائے (گھوڑے) میں یہ تین چیزیں بطور مثال ذکر کی ہیں، چونکہ یہ تین چیزیں انسان سے قریبی تعلق رکھتی ہیں اس لئے اگر یہ تین چیزیں موافق آئیں تو زہے نصیب! اور اگر ناموافق ہوئیں تو پریشانی کی کوئی حد نہیں رہے گی، اور دوسری حدیث میں ہے، اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو عورت، چوپائے اور گھر میں ہوتی، یعنی جن چیزوں کے ساتھ مزاولت وقتی ہوتی ہے ان میں موافقت ناموافقت کا بہت زیادہ خیال کرنا ضروری نہیں، مگر جن چیزوں سے ہمیشہ کا ساتھ ہوتا ہے ان میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور تیسری حدیث میں ہے: لَاشوم: نحوست کا عقیدہ غلط ہے۔ وقد یکون الیمن فی الدار والمراۃ والفرس: البتہ کبھی گھر، عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے، یعنی یہ چیزیں کبھی موافق آتی ہیں۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ یہ چیزیں کبھی ناموافق بھی ہوتی ہیں، پس اس حدیث میں دونوں باتوں کا ایک ساتھ اثبات ہے، اول: اسلام کسی چیز میں نحوست کا قائل نہیں۔ دوم: موافق وناموافق ہونے کے اعتبار سے برکت ونحوست ہوسکتی ہے، اور ہر چیز میں ہوسکتی ہے، مگر جن چیزوں کے ساتھ بکثرت مزاولت رہتی ہے ان میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے، اگر گھر عورت اور گھوڑا ناموافق ثابت ہوں تو ان کو بدل دینا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ

باب ۵۷: تیسرے کو چھوڑ کر دو شخص سرگوشی نہ کریں

(٢٧٥١) إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُوْنَ صَاحِبِهِمَا وَقَالَ سُفْيَانُ فِيْ حَدِيْثِهِ لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ فَإِنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم تین افراد موجود ہو تو دو آدمی اپنے تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی میں بات نہ کرو۔

تشریح: اگر کسی جگہ تین شخص ہوں، اور ان میں سے دو سرگوشی کرنے لگیں تو تیسرا پریشان ہوگا، اس لئے حدیث میں ایسا کرنے کی ممانعت آئی ہے، البتہ اگر چار چار یا زیادہ آدمی ہوں تو ان میں سے دو شخص سرگوشی کر سکتے ہیں، کیونکہ جو باقی بچیں گے وہ آپس میں باتیں کریں گے۔

——✻——

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِدَةِ

باب ۵۸: وعدے کا بیان

(۲۷۵۲) رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَبْيَضَ قَدْ شَابَ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشْبِهُهُ وَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثَةَ عَشَرَ قَلُوصًا فَذَهَبْنَا نَقْبِضُهَا فَأَتَانَا مَوْتُهُ فَلَمْ يُعْطُونَا شَيْئًا فَلَمَّا قَامَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ عِدَةٌ فَلْيَجِئْ فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَأَخْبَرْتُهُ فَأَمَرَ لَنَا بِهَا.

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے آپ ﷺ کا رنگ سفید تھا اور بالوں میں بھی کچھ سفیدی آ چکی تھی حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے نبی اکرم ﷺ نے ہمیں تیرہ جوان اونٹنیاں دینے کا حکم دیا پھر ہم انہیں وصول کرنے کے لیے گئے تو اس وقت آپ کا انتقال ہو چکا تھا آپ ہمیں کوئی چیز نہیں دے سکے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے جانشین ہوئے تو انہوں نے فرمایا جس شخص کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے کوئی وعدہ کیا تھا وہ آگے آئے تو میں ان کے پاس گیا اور میں نے انہیں اس بارے میں بتایا تو انہوں نے ہمیں وہ اونٹنیاں دینے کا حکم دیا۔

(۲۷۵۳) رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشْبِهُهُ.

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

تشریح: وعدہ ایک اخلاقی قرض ہے، اس لئے اگر کسی سے کوئی وعدہ کیا ہے تو اس کو پورا کرنا چاہئے۔ اسی طرح اگر کسی نے کوئی وعدہ کیا ہو اور وہ شخص اپنی زندگی میں اس کو پورا نہ کر سکا ہو تو اس کے پسماندگان اور جانشینوں کو چاہئے کہ وہ مرحوم کا وعدہ پورا کریں، اور یہ بھی اخلاقی بات ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد نبی ﷺ کے لئے ہوئے تمام وعدے پورے کئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي

باب ۵۹: نبی ﷺ کا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کہنا

(۲۷۵۴) مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ غَيْرَ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے لیے نبی اکرم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا (میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں)۔

(۲۷۵۵) مَا جَمَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَاهُ وَأُمَّهُ لِأَحَدٍ إِلَّا لِسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ لَهُ يَوْمَ أُحُدٍ ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي وَقَالَ لَهُ ارْمِ أَيُّهَا الْغُلَامُ الْحَزَوَّرُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی شخص کے لیے اپنے والدین کو جمع نہیں (یعنی یہ الفاظ استعمال نہیں کئے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں) نبی اکرم ﷺ نے غزوہ اُحد کے دن ان سے یہ فرمایا تم تیراندازی جاری رکھو میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں (راوی کو شک ہے یا یہ الفاظ ہیں) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اے بہادر جوان تم تیراندازی جاری رکھو۔

(۲۷۵۶) جَمَعَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَبَوَیْہِ یَوْمَ اُحُدٍ قَالَ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے نبی اکرم ﷺ نے غزوہ احد کے دن اپنے والدین کو میرے لیے جمع کیا تھا آپ ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں تم تیراندازی جاری رکھو۔

تشریح: فداك ابی و امی: میرے ماں باپ آپ پر قربان!۔ المفدی: جس پر جان قربان کی گئی، محبوب خلائق۔ جان نثار کرنا آخری درجہ کا جذبہ ہے، اس کا مطلب ہے: جو مصیبت مخاطب پر آنے والی ہے وہ متکلم پر آئے، مخاطب بچ جائے، یا وہ مصیبت متکلم کے ماں باپ پر آئے اور مخاطب بچ جائے، یہ بہت بڑا ایثار ہے، نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کے احوال معلوم کرنے کے لئے بھیجا، جب وہ لوٹ کر آئے اور احوال بتائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: فداك ابی و امی: میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہ پر قربان! اسی طرح جنگ اُحد کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تیر چلاؤ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! اور دوسری روایت میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: ارم ایها الغلام الحزور: اے طاقت ور لڑکے! تیر چلا، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے لئے نبی ﷺ نے ماں باپ دونوں کو جمع نہیں فرمایا۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑی فضیلت ہے۔

فائدہ: ایک غزوۂ اُحد کے موقع پر دوسرا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے اور تیسرا غزوہ خندق کے دن حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے لیے، روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے کہا ہے بظاہر تعارض ہے۔

جواب ①: واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے علم اور سماع کے مطابق کہی ہے ورنہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام کے لیے بھی یہ جملہ استعمال فرمایا ہے

جواب ②: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ غزوہ احد کے دن حضرت محمد ﷺ نے یہ جملہ صرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے استعمال فرمایا ہے کسی اور صحابی کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔ اس جواب کے لحاظ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ یَابُنَیَّ!

باب ۶۰: نبی ﷺ کا: اے میرے پیارے بچے! کہنا

(۲۷۵۷) قَالَ لَهٗ یَابُنَیَّ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا اے میرے بیٹے۔

تشریح: بنی: ابن کی تصغیر ہے، اور پیار کے لئے ہے، اور اپنے بچہ کے علاوہ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یا بنی کہہ کر پکارا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَعْجِیْلِ اسْمِ الْمَوْلُوْدِ

باب ۶۱: نومولود کا نام جلدی رکھنا

(۲۷۵۸) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَ بِتَسْمِیَةِ الْمَوْلُوْدِ یَوْمَ سَابِعِهٖ وَوَضْعِ الْاَذٰی عَنْهُ وَالْعَقِّ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن بچے کا نام رکھنے اس کے بال مونڈنے اور اس کا عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

تشریح: بچے کا نام پیدائش سے پہلے بھی رکھا جا سکتا ہے، بعض بزرگوں کے واقعات میں ہے کہ انھوں نے پیدائش سے پہلے ہی نام رکھا تھا، اور پیدائش کے دن بھی نام رکھا جا سکتا ہے، اور بعد میں بھی رکھا جا سکتا ہے، مگر بہت زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہئے، ساتویں دن تو نام رکھ ہی لینا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا یُسْتَحَبُّ مِنَ الْاَسْمَاءِ

باب ۶۲: اچھے نام کون سے ہیں؟

(۲۷۵۹) اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

(۲۷۶۰) اِنَّ اَحَبَّ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے۔

تشریح: اور جس نام میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں وہ نام اللہ کو زیادہ پسند ہے، پھر عبداللہ اور عبدالرحمٰن اگر بطور مثال ہیں تو عبدالرحیم اور عبدالقیوم وغیرہ نام بھی پسندیدہ ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ یہی دو نام مراد ہیں، اور یہ نام اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب دو وجہ سے ہیں:

پہلی وجہ: شریعت نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے جو تدابیر اختیار کی ہیں ان میں سے ایک تدبیر یہ ہے کہ دنیوی معاملات میں ذکر الٰہی شامل کیا جائے، تاکہ وہ دعوت حق کا ذریعہ بن جائے۔ پس جب بچہ کا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہوگا اور اس نام سے پکارا جائے گا تو توحید کی یاد تازہ ہوگی۔

دوسری وجہ: عرب وعجم میں اپنے معبودوں کے نام سے نام رکھنے کا رواج ہے، پس جب نبی ﷺ کی بعثت نشان ہائے توحید کو قائم کرنے کے لئے ہوئی تو ضروری ہوا کہ ناموں میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے، اور ایسے نام رکھے جائیں جن سے توحید کا اعلان ہو۔

اعتراض: ان دو ناموں کے علاوہ اور بھی نام ہیں، جن میں عبد کی اضافت اللہ کی کسی صفت کی طرف کی جاتی ہے، جیسے عبدالرحیم، عبدالحلیم، عبدالسمیع وغیرہ، اور ان سے توحید کا اعلان ہوتا ہے، پھر مذکورہ دو نام ہی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب کیوں ہیں؟

جواب: یہ دو نام اللہ کے مشہور نام ہیں اللہ تو اسم علم (ذاتی نام) ہے اور الرحمٰن: صفت خاصہ ہے، غیر اللہ پر ان دونوں کا اطلاق نہیں ہوتا، اور دیگر صفات کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے، اس لئے یہی دو نام اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ مَايُكْرَهُ مِنَ الْاَسْمَاءِ؟

باب ۶۳: ناپسندیدہ نام کون سے ہیں؟

(۲۷۶۱) لَاَنْهَيَنَّ اَنْ يُسَمّٰى رَافِعٌ وَبَرَكَةُ وَيَسَارٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میں اس بات سے منع کرتا ہوں کہ رافع برکہ اور یسار نام رکھا جائے۔

(۲۷۶۲) لَاتُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحَ وَلَا اَفْلَحَ وَلَا يَسَارَ وَلَا نَجِيحًا يُقَالُ اَثَمَّ هُوَ فَيُقَالُ لَا.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تم اپنے بچے کا نام رباح یسار افلح اور نجیح نہ رکھو کیونکہ جب اس کے بارے میں پوچھا جائے گا کیا وہ ہے؟ تو جواب دیا جائے گا نہیں ہے۔

(۲۷۶۳) اَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ تُسَمّٰى بِمَلِكِ الْاَمْلَاكِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہیں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پتہ چلا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برے نام والا وہ شخص ہوگا جس کو دنیا میں ملک الاملاک کہا جائے گا۔

تشریح: ان مذکورہ احادیث میں چند ایسے ناموں کو بیان کیا گیا ہے جنہیں کسی انسان کے لیے رکھنا ناپسندیدہ قرار دیا ہے مثلاً: یسار، نجیح، افلح وغیرہ، اور حدیث ثمرہ میں یہ کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اس طرح کے نام والے شخص کو مثلاً یسار کو بلایا کہ گھر میں موجود ہے، جواب ملا کہ نہیں ہے، یہ جواب اگرچہ اس خاص انسان کے اعتبار سے تو درست ہے مگر لفظ ''یسار'' کے حقیقی معنی مالداری وتونگری کے اعتبار سے درست نہیں ہوگا کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گھر میں غناء ومالداری اور خوشحالی نہیں ظاہر ہے کہ اس طرح کا جواب دینا برا ہے اور بدشگونی بھی ہے مذکورہ دیگر اسماء کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارادہ کیا کہ یعلی، برکہ افلح، یسار اور نافع وغیرہ نام رکھنے سے منع کر دیں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس سے خاموش رہے آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور منع نہیں فرمایا۔

سب سے ناپسندیدہ نام:

اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ نام اور ذلیل ترین نام یا لقب شہنشاہ ہے جس شخص کا یہ نام ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں انتہائی ذلیل اور ناپسند ہوتا ہے کیونکہ یہ صفت اللہ جل جلالہ کی ہے وہ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے "ملک الاملاک" کی تفسیر "شاہانِ شاہ" (جس کو آسانی کے لیے شہنشاہ بھی پڑھتے ہیں اور بولتے ہیں) سے کی ہے چونکہ عجمیوں اور خاص کر فارسی بولنے والوں میں اس نام کا رواج تھا اس لیے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر کر کے بتلا دیا کہ ممانعت کا یہ حکم صرف عربی زبان کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی اس مفہوم کا نام رکھا جائے گا تو وہ بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

رفع تعارض: ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، پہلی حدیث ان ناموں کے جواز پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کا ارادہ فرمایا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک ان سے نہیں روکا، اور دوسری حدیث میں صریح ممانعت وارد ہے، اور مدلل ہے۔

اس تعارض کا حل یہ ہے کہ دوسری روایت میں نہی شرعی نہیں، بلکہ ارشادی ہے، یعنی شرعاً یہ نام ناجائز نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھے جائیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک مشورہ دیا ہے، اور ان کو بھلائی کی بات بتائی ہے، اور یہ توجیہ اس لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثرت سے یہ نام رکھتے تھے، اگر ناجائز ہوتے کیوں رکھتے؟

نہایت بیہودہ نام

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَغْیِیْرِ الْاَسْمَاءِ

باب ۶۴: برے ناموں کو بدل دینا

(۲۷۶۴) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ غَیَّرَ اِسْمَ عَاصِیَۃَ وَقَالَ اَنْتِ جَمِیْلَۃٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ کا نام تبدیل کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جمیلہ ہو۔

(۲۷۶۵) اَنَّ النَّبِیَّ کَانَ یُغَیِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِیْحَ قَالَ اَبُوْبَکْرِ بْنُ نَافِعٍ وَرُبَّمَا قَالَ عُمَرُ بْنُ عَلِیٍّ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ ھِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ مُرْسَلًا وَلَمْ یَذْکُرْ فِیْهِ عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔

تشریح: اولاد کے باپ پر تین حق ہیں:

① نیک عورت سے شادی کرنا، تاکہ اس کی کوکھ سے نیک اولاد پیدا ہو، کیونکہ ماں کے صلاح وفساد کا اولاد پر اثر پڑتا ہے۔

② جب اولاد پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھنا، کیونکہ حدیث میں ہے: ہر نام کا حصہ ہے، یعنی جیسا نام ہوگا ویسا مسمی ہوگا۔ عاقل نام ہوگا اور اس کو بار بار اس نام سے پکارا جائے گا تو اس میں عقلمندی پیدا ہوگی اور اگر بدھو نام رکھا جائے گا اور اس کو بار بار اس نام سے پکارا جائے گا تو وہ ناسمجھ بن جائے گا۔

③ اولاد کی اچھی تربیت کرنا۔ حدیث میں ہے: کسی باپ نے اچھی تربیت سے بہتر اولاد کو کوئی ہدیہ نہیں دیا۔ یعنی اولاد کے لئے مال

چھوڑنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کی دینی تربیت پر مال خرچ کیا جائے اس سے بہتر اولاد کے لئے کوئی گفٹ نہیں۔

پس اگر کسی بچہ کا برا نام چل پڑے تو اس کو روکنا چاہئے، جیسے: گڈو، پپو وغیرہ، اسی طرح اگر کسی وجہ سے نامناسب نام رکھ دیا تو علم ہونے پر اس کو بدل دینا چاہئے، نبی ﷺ نے ایک لڑکی جس کا نام عاصیة (نافرمان) تھا اس کو بدل کر جمیلة (خوبصورت) کر دیا تھا، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ ہر برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ اَسْمَاءِ النَّبِیِّ ﷺ

باب ۶۵: نبی ﷺ کے ناموں کا بیان

(۲۷۶۶) اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰهُ بِیَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ.

ترجمہ: محمد بن جبیر اپنے والد (حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میرے چند نام ہیں میں محمد ہوں میں احمد ہوں میں ماحی (مٹانے والا) ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر (ہوں اکٹھا کرنے والا) کہ لوگوں کو میرے قدموں میں اکٹھا کیا جائے گا اور میں عاقب (بعد میں آنے والا ہوں) کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ربط: ناموں کے ابواب کے سلسلہ میں یہ اس لئے لائے ہیں کہ محمد اور احمد پسندیدہ نام ہیں، کیونکہ لوگ قابل احترام اسلاف کے ناموں پر نام رکھتے ہیں، اور یہ دونوں نام سرور کونین ﷺ کے ہیں، نیز ان ناموں سے بھی دین اسلام کا تعارف ہوتا ہے، اور اس کی شان بلند ہوتی ہے، کیونکہ یہ نام رکھنے میں اس بات کا اعتراف ہے کہ نام رکھنے والے اور جس کا نام رکھا گیا ہے: سب حضرت خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے دین کو ماننے والے ہیں۔

نام دو طرح کے ہیں: ذاتی اور وصفی: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نام دو طرح کے ہیں: ایک اسم علم یعنی ذاتی نام جو شخصیت کی تعیین کے لئے ہوتا ہے، دوسرا وصفی نام جو خوبیوں کے اظہار کے لئے ہوتا ہے، اور اسم علم تو ایک ہوتا ہے مگر اسم وصف متعدد ہو سکتے ہیں، کیونکہ کبھی کسی ذات میں اتنی خوبیاں جمع ہوتی ہیں کہ ایک لفظ ان کی ترجمانی کے لئے کافی نہیں ہوتا، اس لئے متعدد اسمائے اوصاف استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے حضرت اقدس (بڑے حضرت) قطب الارشاد (دینی راہنمائی کا مرکز) محدث کبیر مصلح اعظم، داعی سنت، ماحی بدعت، مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب قدس سرہ اس میں رشید احمد اسم علم ہے، باقی سب اسمائے اوصاف ہیں، جو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی خوبیوں کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

نبی ﷺ کے پانچ خاص نام:

پہلا نام: محمد (ﷺ) یہ حمدہ (تفعیل: بار بار تعریف کرنا) سے اسم مفعول ہے، جس کے معنی ہیں: ستودہ، تعریف کیا ہوا، یہ خاندانی نام ہے، اور اس میں معنی کا لحاظ بھی ہے، یعنی وہ شخصیت جس کی ہر کسی نے تعریف کی ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی تعریف کی ہے، نبیوں نے بھی تعریف کی ہے، اپنوں نے بھی تعریف کی ہے، اور پرایوں نے بھی تعریف کی ہے۔

دوسرا نام: احمد (ﷺ) اسم تفضیل بروزن اکبر ہے: سب سے زیادہ تعریف کرنے والا، یعنی اللہ کی کائنات میں ایسا کوئی نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کی اتنی تعریف کی ہو جتنی آپ ﷺ نے کی ہے، انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں میں آپ ﷺ کی پیش خبری اسی نام سے تھی، حضرت عیسیٰ نے بھی اسی نام سے بشارت دی ہے، جس کا تذکرہ سورۃ الصف (آیت ۶) میں ہے۔

تیسرا نام: ماحی (مٹانے والا) یعنی دنیا سے کفر کا خاتمہ کرنے والا، اس نام کی وجہ تسمیہ حدیث میں یہ آئی ہے: الذی یمحو اللہ بی الکفر. یعنی میرا نام ماحی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے زریعہ کفر کو مٹائیں گے، جو سورۃ الصف (آیت ۹) میں آیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ (الصف:۹)

چوتھا نام: حاشر (جمع کرنے والا) اس نام کی وجہ تسمیہ حدیث میں یہ آئی ہے: الذی یحشر الناس علی قدمی: میرا نام حاشر اس لئے ہے کہ لوگ میرے دونوں قدموں پر جمع کئے جائیں گے، یعنی آپ ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کے زمانہ میں قیامت قائم ہوگی، اور لوگ میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں۔

پانچواں نام: عاقب (پیچھے آنے والا) عقبہ کے معنی ہیں: پیچھے آنا، اور اس نام کی وجہ تسمیہ حدیث میں یہ آئی ہے: الذی لیس بعدی نبی: میرا نام عاقب اس لئے ہے کہ میرے بعد نبی نہیں، یعنی آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آنے والے ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، اس لئے آپ ﷺ عاقب ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِیَةِ الْجَمْعِ بَیْنَ اِسْمِ النَّبِیِّ ﷺ وَكُنْیَتِهٖ

باب ۶۶: نبی ﷺ کے نام اور کنیت کو جمع کرنے کی ممانعت

(۲۷۶۷) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی اَنْ یَّجْمَعَ اَحَدٌ بَیْنَ اِسْمِهٖ وَكُنْیَتِهٖ وَیُسَمِّیْ مُحَمَّدًا اَبَا الْقَاسِمِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کے نام اور آپ ﷺ کی کنیت کو اپنے لیے ایک ساتھ استعمال کرے اور وہ ابو القاسم محمد نام رکھے۔

(۲۷۶۸) رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا فِی السُّوْقِ یُنَادِیْ یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ لَمْ اَعْنِكَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا تَكْتَنُّوْا بِكُنْیَتِیْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات منقول ہے آپ ﷺ نے بازار میں ایک شخص کو بلند آواز میں ابو القاسم کہتے ہوئے سنا نبی اکرم ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے عرض کی میں نے آپ ﷺ کو نہیں بلایا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا میری کنیت کے مطابق کنیت اختیار نہ کرو۔

(۲۷۶۹) اِذَا سَمَّیْتُمْ بِیْ فَلَا تَكْتَنُوْا بِیْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب تم میرے نام جیسا (اپنے بچوں کا) نام رکھو تو میری کنیت

جیسی کنیت اختیار نہ کرو۔

(۲۷۷۰) اَنَّهٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرَاَیْتَ اِنْ وُلِدَ لِیْ بَعْدَكَ اُسَمِّیْهِ مُحَمَّدًا وَّاُکَنِّیْهِ بِکُنْیَتِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَکَانَتْ رُخْصَةً لِّیْ.

ترجمہ: محمد بن حنفیہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے اگر آپ ﷺ کے بعد میرے گھر کوئی بیٹا ہو تو میں اس کا نام محمد رکھ سکتا ہوں اور آپ کی کنیت استعمال کرسکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ اجازت میرے لیے تھی۔

تشریح: نبی ﷺ کا نام پاک محمد (ﷺ) تھا اور کنیت ابو القاسم (ﷺ) تھی، اور دونوں کو جمع کرنے کی ممانعت آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی، وجہ بعد میں آرہی ہے۔

پہلی تین روایتوں میں جو ممانعت ہے وہ دور نبوی کے ساتھ خاص ہے، تاکہ نبی ﷺ کے لئے یہ بات باعث الجھن نہ بنے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابو القاسم کنیت رکھنے کی ممانعت کی تین وجوہ اور بھی بیان کی ہیں۔ کیونکہ صحابہ وغیرہ آپ ﷺ کو نام سے نہیں پکارتے تھے، مسلمان یارسول اللہ! کہہ کر خطاب کرتے تھے، اور یہود وغیرہ ابو القاسم کہتے تھے، اس لئے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا، مگر ابو القاسم کنیت رکھنے میں اشتباہ کا اندیشہ تھا، جیسا کہ تیسری حدیث میں آیا ہے، اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایسا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا اس لئے آخری حدیث میں آپ ﷺ نے دونوں کو جمع کرنے کی اجازت دے دی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ یہ اجازت میرے لئے تھی: علماء کا خیال ہے کہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ یہ اجازت عام ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَةً

باب ۶۷: بعض اشعار پر حکمت ہوتے ہیں

(۲۷۷۱) اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

(۲۷۷۲) اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکَمًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

تشریح: اشعار کے میں روایات مختلف آئی ہیں، ایک حدیث میں آدمی کا پیٹ ایسی پیپ سے بھر جائے جو اس کے پیٹ کو خراب کردے، اس سے بہتر ہے کہ وہ (گندے) اشعار سے بھر جائے (متفق علیہ، مشکوٰۃ حدیث ۴۷۹۴ یہ حدیث آگے آرہی ہے حدیث ۲۸۶۰) اور اشعار کی تعریف میں درج ذیل روایات ہیں۔

رفع تعارف: ان حدیثوں کے مصداق الگ الگ ہیں، کیونکہ اشعار: کلام ہیں، پس اچھا کلام اچھا ہے، اور برا کلام برا ہے،

سنن دارقطنی میں سند حسن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار کا تذکرہ کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھو کلام: فحسنه حسن، وقبیحه قبیح: اشعار بھی ایک کلام ہیں، پس جو اچھے اشعار ہیں وہ اچھے ہیں، اور جو برے اشعار ہیں وہ برے ہیں۔ (مشکوۃ حدیث ۴۸۰۷)

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اِنْشَادِ الشِّعْرِ

باب ۶۸: زور سے اشعار پڑھنا

(۲۷۷۳) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَوْ قَالَتْ يُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا يُفَاخِرُ اَوْ يُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى وَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے وہ اس پر کھڑے ہو جاتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخریہ اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کے اعتراضات کے جوابات دیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ، روح قدس کے ذریعے حسان کی تائید کرتا رہتا ہے جب تک یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف فخریہ کلام کہتا ہے یا اعتراضات کے جوابات دیتا ہے۔

(۲۷۷۴) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ فِيْ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْهِ يَمْشِيْ وَهُوَ يَقُوْلُ ؎

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۔ اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ ۔ وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ حَرَمِ اللّٰهِ تَقُوْلُ الشِّعْرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ فَلَهِيَ اَسْرَعُ فِيْهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عمرہ قضاء کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چل رہے تھے اور وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

"اے کفار کی اولاد! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو خالی کر دو آج کے دن ان کی تشریف آوری پر ہم تمہیں اس طرح ماریں گے جو مار دماغ کو اس کی جگہ سے ہلا دے گی اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔"، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے ابن رواحہ کیا تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں اس طرح کے شعر سنا رہے ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! اسے رہنے دو یہ ان (کفار) کے لیے تیروں سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔"

(۲۷۷۵) قِيلَ لَهَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشِّعْرِ قَالَتْ كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ بْنِ رَوَاحَةَ وَيَقُولُ ۔ وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات منقول ہے ان سے دریافت کیا گیا نبی اکرم ﷺ مثال کے طور پر کوئی شعر بھی پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا نبی اکرم ﷺ حضرت ابن رواحہ کا یہ شعر مثال کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔ وہ تمہارے پاس ان چیزوں کی اطلاع لے کر آئے گا جس کی تم نے تیار نہیں کی۔

(۲۷۷۶) اَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کسی بھی عرب شاعر نے جو کلمات کہے ہیں ان میں سب سے بہتر شعر لبید کا یہ مصرعہ ہے۔ جان لو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے فانی ہے۔

(۲۷۷۷) جَالَسْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ فَكَانَ اَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُوْنَ اَشْيَاءَ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ فَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک سو سے زیادہ مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوں آپ ﷺ کے اصحاب شعر سنایا کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے نبی اکرم ﷺ خاموش رہتے تھے بعض اوقات آپ ﷺ ان کے ساتھ مسکرادیا کرتے تھے۔

تشریح: کفار کے شعراء: اسلام کی مسلمانوں کی اور نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس کا جواب دیتے تھے، اور وہ اشعار مسجد نبوی میں سنائے جاتے تھے، تاکہ مجمع سن کر اشعار منتقل کرے، اور وہ اشعار مکہ تک پہنچیں، اس زمانہ میں بات پھیلانے کا یہی طریقہ تھا۔

وهذا أصح عند بعض اهل الحديث لان عبد الله بن رواحة قتل يوم موته......

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے سہو ہوا ہے کیونکہ عمرۃ القضاء غزوہ موتہ سے پہلے واقع ہوا ہے اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ موجود نہ تھے یہ ذی قعدہ ۷ھ میں پیش آیا جبکہ غزوہ موتہ کے لیے آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں سریہ روانہ فرمایا ہے اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ غزوہ موتہ پہلے اور عمرۃ القضاء بعد میں پیش آیا ہے۔ درست نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَاَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ اَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا

باب ۶۹: اشعار سے پیٹ بھرنے سے بہتر ہے پیپ سے پیٹ بھرنا

(۲۷۷۸) لَاَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ اَحَدِكُمْ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی بھی شخص کے دماغ کا پیپ سے بھر جانا جو اس کو کھا رہی

ہواس کے لیے اس چیز سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

(۲۷۷۹) لَاَنْ يَّمْتَلِئَ جَوْفُ اَحَدِكُمْ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّمْتَلِئَ شِعْرًا.

ترجمہ: محمد بن سعد اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی شخص کے دماغ کا پیپ سے بھر جانا اس شخص کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

لغات: قیح: پیپ جوف پیٹ۔ ان یمتلی: کہ وہ بھرلے یریہ وہ پیپ جو اس کے پیٹ کو خراب کردے بعض نے کہا وہ بیماری جو پھیپھڑے تک پہنچ جائے اور اسے خراب اور زخمی کردے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِى الْفَصَاحَةِ وَالْبَيَانِ

باب ۷۰: فصاحت و بیان کا بیان

(۲۷۸۰) اِنَّ اللّٰهَ يَبْغَضُ الْبَلِيْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِىْ يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهٖ كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَقَرَةُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے بلیغ شخص کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان کے ذریعے اس طرح باتوں کو لپیٹتا ہے جیسے گائے چارے کو لپیٹتی ہے (یعنی بے معنی اور لایعنی گفتگو کرتا ہے)۔

تشریح: کلام میں بناوٹ کرنا، بہ تکلف فصاحت کا مظاہرہ کرنا، گلا پھاڑ پھاڑ کر بولنا، اشعار کی بہتات کرنا اور اس قسم کی دوسری باتوں میں وقت برباد کرنا ایک طرح کا سامان تفریح ہے، جو دین و دنیا سے غافل کرتا ہے، اور تفاخر اور نام و نمود کا باعث بنتا ہے، اس لئے شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا۔

تشریح: فطری اور خداداد فصاحت و بلاغت نعمت خداوندی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انا افصحکم: میں تم میں فصیح ترین ہوں اور آگے روایت آرہی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل تھا، مگر بناوٹ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس حدیث میں اسی کی برائی ہے۔

حدیث میں تشبیہ کے طور پر صرف گائے کا ذکر کیا کیونکہ دوسرے جانور اپنے دانتوں کے ذریعہ کھاتے ہیں جبکہ گائے اپنی زبان کو لپیٹ کر چارہ کھاتی ہے اس تشبیہ سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح گائے اپنے چارے میں اچھے اور برے میں کوئی فرق نہیں کرتی بلکہ جو کچھ اس کے سامنے ہو اسے وہ جلدی سے کھالیتی ہے اسی طرح زبان دراز شخص اپنے مخصوص مقصود کو حاصل کرنے کے لیے ہر انداز اور ہر قسم کی خوشامد پر مبنی کلام کرتا ہے تاکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے اور تجربہ یہ ہے کہ ایسا بندہ زبان کی بہت سی بے اعتدالیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لیے اپنی بات دوسروں سے اچھے انداز سے ضرور کی جائے اور بغیر کسی تکلف کے اگر اس میں فصاحت و بلاغت کا استعمال ہو جائے تو یہ بھی مذموم نہیں اور نہ ہی اس وعید میں داخل ہے لیکن اپنی تحریر و بیان اور کلام میں ضرورت سے زیادہ فصاحت و بلاغت سے گریز کیا جائے کہ یہ ناپسندیدہ ہے۔

لغات: یبغض: مبغوض اور ناپسند کرتا ہے یتخلل بلسانہ: اپنی زبان کو لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرتا ہے یعنی منہ پھاڑ پھاڑ

کر باتیں کرتا ہے۔ البلیغ: اپنے کلام و بیان میں زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔ یتخلل البقرۃ: جس طرح گائے اپنی زبان سے لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنے چارے کو کھاتی ہے۔

چند آداب زندگی جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے

(۲۷۸۴) خَمِّرُوا الْاٰنِيَةَ وَاَوْكِئُوا الْاَسْقِيَةَ وَاَجِيفُوا الْاَبْوَابَ وَاَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ فَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا جَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَاَحْرَقَتْ اَهْلَ الْبَيْتِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (سوتے وقت) برتنوں کو ڈھانپ دیا کرو کچھ چیزوں کا منہ بند کردیا کرو دروازے بند کردیا کرو چراغ بجھا دیا کرو کیونکہ بعض اوقات کوئی چوہا بتی کو گھسیٹ کر لے جاتا ہے اور پورے گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔

۲۷۸۵۔ ابواب الاطعمہ ۱۵، حدیث ۱۸۰۶ میں یہ حدیث تفصیل سے آئی ہے۔

خوش حالی اور خشک سالی میں سفر کرنے کا طریقہ

(۲۷۸۵) اِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَاَعْطُوا الْاِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْاَرْضِ وَاِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نِقْيَهَا وَاِذَا عَرَّسْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ فَاِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَاْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم سبزے کی فراوانی کے دنوں میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے ان کا حصہ دو اور جب تک تم خشک سالی کے موقع پر سفر کرو تو تیزی کے ساتھ سفر پورا کرنے کی کوشش کرو اور جب تم رات کے وقت پڑاؤ کرو تو راستے سے ایک طرف ہو جاؤ چونکہ یہ رات کے وقت جانوروں اور حشرات الارض کے گزرنے کی جگہ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر سے متعلق تین آداب ذکر فرمائے ہیں:

(۱) سبزے اور چارے کی کثرت و فراوانی ہو تو دوران سفر سواری کے جانور کو وقفے وقفے سے چارہ کھانے کا موقع دیا کہ اس سے اس میں مزید قوت پیدا ہوگی۔

(۲) جب خدانخواستہ خشک سالی اور قحط کا زمانہ ہو راستے میں چارہ وغیرہ نہ ہو تو پھر جلدی سے اس کے ذریعہ اپنا سفر پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جب تک کہ اس کی ہڈیوں میں گودا اور طاقت ہو ایسے میں سفر میں تاخیر کی وجہ سے اس کی ہمت جواب دے گئی تو پھر سفر کی تکمیل مشکل ہو سکتی ہے۔

آج کل عموماً گاڑیوں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے تو اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اس میں پانی پٹرول اور ڈیزل اور جو چیزیں گاڑی سے متعلق ضروری ہوں ان تمام امور کا ہر وقت خیال رکھا جائے۔

(۳) رات کے آخری حصے میں اگر کھلی فضا میں کسی جگہ آرام کے لیے ٹھہریں تو ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے کہ جس سے صحیح طریقے سے آرام ہو سکے اور زہریلے جانوروں سے بھی بچا جا سکے اس کے لیے راستے اور گزرگاہ کا انتخاب نہ کیا جائے کہ ان جگہوں میں عموماً

رات کے وقت حشرات الارض آ جاتے ہیں جو کسی انسان کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔

لغات: خِصب: سبزے اور چارے کی کثرت وفراوانی۔ حظھا: ان کا حصہ سَنة: خشک سالی قحط نِقْیھا ان کا گودا یعنی طاقت باقی ہو عرستم تم رات کے آخری حصے میں آرام کے لیے اترو پڑاؤ ڈالو۔ بادرو بھا: تم اس سواری کے ذریعہ سفر مکمل کرنے کی جلدی جلدی کوشش کرو طُرُق طریق کی جمع ہے، راستے ماویٰ ٹھکانہ۔ ھوام ھامة کی جمع ہے زہریلے جانور۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت

(۲۷۸۱) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے آدمی ایسی چھت پر سوئے جس کے آس پاس دیوار نہ ہو۔

تشریح: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر رات میں سوئے جس پر رکاوٹ نہ ہو تو اللہ کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۸۲۰) اور منڈیر بغیر کی چھت پر رات میں سونے کی ممانعت اس اندیشہ سے ہے کہ آدمی کی آنکھ کھلے اور وہ چل دے، اور رات کی تاریکی اور نیند کی غفلت میں وہ چھت سے نیچے گر جائے، پس اس نے خود کو ہلاک کیا۔

وعظ کہنے میں لوگوں کے نشاط کا خیال رکھا جائے

(۲۷۸۲) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْاَيَّامِ مَخَافَةَ السَّاٰمَةِ عَلَيْنَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ہمیں (دنوں میں) وقفے وقفے کے ساتھ وعظ کیا کرتے تھے اس اندیشے کے تحت کہ کہیں ہم اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔

تشریح: اس وجہ سے علماء کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص وعظ ونصیحت کرتا ہو اس کو بھی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کبھی کبھار مناسب موقع دیکھ کر وعظ کرے ہر وقت نہ کرے کہ اس طرح اس بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے اُکتانے لگتے ہیں یوں اس بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہے جو مسلسل کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہو

(۲۷۸۳) مَا دِيْمَ عَلَيْهِ وَاِنْ قَلَّ.

ترجمہ: ابوصالح بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا نبی اکرم ﷺ کو کون سا عمل زیادہ محبوب تھا تو ان دونوں نے یہ جواب دیا جسے باقاعدگی سے کیا جائے اگرچہ وہ کم ہو۔

امثال: (بفتحتین) کی جمع ہے، یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال کیا جاتا ہے:

(۱) بمعنی مِثل (بکسر فسکون) یعنی مانند، جیسے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الانعام:۱۶۰) "جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کا دس گنا بدلہ ملے گا"

(۲) حالت اور حالت عجیبہ، جیسے: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (سورۂ محمد:۱۵)

(۳) معقول کو محسوس بنا کر پیش کرنا (تقریب المعقول من المحسوس) قرآن وحدیث میں عام طور پر یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، قرآن کریم میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، اور ان ابواب کی تمام حدیثوں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

معنویات کو محسوس کر کے پیش کرنا مشکل امر ہے، قرآن کریم میں بے شمار حقائق کو محسوس مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔

اور حدیث کی کتابوں میں ابواب الامثال علحدہ کر کے اس لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ وارثین انبیاء یعنی علماء یہ فن سیکھیں، وہ بھی معنویات کو محسوس طور پر بیان کریں، تاکہ دقیق مضامین عام لوگوں کے لئے بھی قابل فہم بن جائیں۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ابواب بہت مختصر لکھے ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ ان ابواب میں صرف وہ حدیثیں لائے ہیں جن میں لفظ مَثَل یا اس کی جمع امثال آئی ہے، حالانکہ معقول کو محسوس بنانے کے لئے اس لفظ کا استعمال ضروری نہیں، جیسے: دار قطنی کی روایت ہے: ایاکم وخضراء الدمن: کوڑی کے سبزہ سے بچو! پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوڑی کا سبزہ کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: المراۃ الحسناء فی المنبت السوء: بُرے خاندان کی گوری عورت! برسات میں کوڑی پر سبزہ لہلہاتا ہے، مگر اس کے نیچے گندگی ہوتی ہے، یہی حال نکمے خاندان کی گوری عورت کا ہے، پس اگر لفظ مَثَل اور امثال سے قطع نظر کر کے روایات جمع کی جائیں تو یہ ابواب بہت طویل ہو سکتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مَثَلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لِعِبَادِهٖ

باب ۱: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ایک مثال بیان فرمائی

(۲۷۸۶) اِنَّ اللّٰهَ ضَرَبَ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا عَلٰى كَنَفَيِ الصِّرَاطِ زُوْرَانِ لَهُمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ عَلَى الْاَبْوَابِ

سُتُورٌ وَدَاعٍ ايَدْعُو عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ وَدَاعٍ يَدْعُو فَوْقَهُ (وَاللهُ يَدْعُو اِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ) وَالْاَبْوَابُ الَّتِي عَلَى كَنَفَيِ الصِّرَاطِ حُدُودُ اللهِ فَلَا يَقَعُ اَحَدٌ فِي حُدُودِ اللهِ حَتّٰى يُكْشَفَ السِّتْرُ وَالَّذِي يَدْعُو مِنْ فَوْقِهِ وَاعِظُ رَبِّهِ.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال اس طرح بیان کی ہے وہ ایسا راستہ ہے جس پر دونوں طرف دیواریں ہیں جن میں مختلف دروازے لگے ہوئے ہیں اور ان پر پردے لٹک رہے ہیں پھر ایک دعوت دینے والا شخص اس پل کے سرے پر (کھڑا) ہو کر دعوت دیتا ہے اور ایک دعوت دینے والا اس پر دعوت دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے وہ دروازے جو پل کے دونوں طرف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں (یعنی حرام کردہ اشیاء ہیں) اور کوئی بھی شخص اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حدود میں مبتلا نہیں ہوتا جب تک اس پردے کو ہٹایا نہ جائے اور وہ شخص اس پر دعوت دے رہا ہے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے وعظ و نصیحت کرنے والا ہے۔ (یعنی اس کا رسول ہے)۔

تشریح: مثال: ایک سیدھا راستہ ہے، اس کی دونوں جانبوں میں دیواریں ہیں، اور دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، اور دروازوں پر منقش پردے پڑے ہوئے ہیں، یہ سیدھا راستہ اسلام ہے اور اس کی دونوں جانبوں میں کھڑی دیواریں حدود اللہ (اللہ کے دین کی سرحدیں) ہیں، اور ان میں گمراہی کے دروازے ہیں، یعنی خواہشات میں بہہ جانے کے مواقع ہیں، اور ان پر منقش پردے پڑے ہوئے ہیں، یعنی وہ خواہشات دل لبھانے والی ہیں، جب مؤمن بندہ اس راستہ میں داخل ہوتا ہے تو راستہ کے سرے (چیک پوسٹ) پر ایک شخص نصیحت کرتا ہے کہ سیدھے چلے جاؤ، دائیں بائیں نہ مڑنا، اور کوئی پردہ نہ اٹھانا، ورنہ آپ گمراہ ہو جائیں گے، یہ ناصح اللہ کی کتاب 'قرآن کریم' ہے، جو اس مؤمن کو جو صراط مستقیم پر چلنا چاہتا ہے واضح طور پر سمجھا دیتا ہے۔

پھر جب بندہ اس راستہ میں داخل ہوتا ہے تو راستہ کے دوسرے سرے پر ایک اور شخص ہے جو پکار کر کہتا ہے: اے بندہ خدا سیدھا چلا آ، دائیں بائیں نہ دیکھ، ورنہ گمراہ ہو جائے گا، یہ شخص جو راستہ کے دوسرے سرے پر کھڑا پکار رہا ہے یہ مؤمن کا ضمیر، ہے۔ پھر بندہ راستہ سے پار ہو جاتا ہے تو آگے جنت کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔

فرشتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مثال بیان کی

(۲۷۸۷) خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ اِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ جِبْرَئِيلَ عِنْدَ رَأْسِي وَمِيكَائِيلَ عِنْدَ رِجْلَيَّ يَقُولُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ اضْرِبْ لَهُ مَثَلًا فَقَالَ اسْمَعْ سَمِعَتْ اُذُنُكَ وَاعْقِلْ عَقَلَ قَلْبُكَ اِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ اُمَّتِكَ كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَارًا ثُمَّ بَنٰى فِيهَا بَيْتًا ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا مَائِدَةً ثُمَّ بَعَثَ رَسُولًا يَدْعُو النَّاسَ اِلَى طَعَامِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ اَجَابَ الرَّسُولَ وَمِنْهُمْ مَنْ تَرَكَهُ فَاللهُ هُوَ الْمَلِكُ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ وَاَنْتَ يَا مُحَمَّدُ رَسُولٌ فَمَنْ اَجَابَكَ دَخَلَ الْاِسْلَامَ دَخَلَ وَمَنْ دَخَلَ الْاِسْلَامَ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ اَكَلَ مَا فِيهَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں نے گزشتہ رات خواب میں دیکھا جبریل علیہ السلام میرے سرہانے موجود ہیں اور میکائیل علیہ السلام میرے پاؤں کی طرف موجود ہیں ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ان صاحب (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال بیان کرو تو دوسرے نے جواب دیا (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا) سنیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان سنتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن اس کو سمجھتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مثال اس بادشاہ کی طرح ہے جو ایک محل بنواتا ہے یہ پھر اس محل میں ایک گھر بناتا ہے پھر اس میں ایک دسترخوان رکھواتا ہے پھر ایک پیغام رساں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو کھانے کی دعوت دے تو ان میں سے کچھ لوگ پیغام رساں کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ اسے ترک کر دیتے ہیں تو وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے وہ محل اسلام ہے وہ گھر جنت ہے اور وہ پیغام رساں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اسلام میں داخل ہوگا اور جو اسلام میں داخل ہوگا اور جو جنت میں داخل ہوگا وہ وہاں موجود چیزوں کو کھا پی لے گا۔

(۲۷۸۸) صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَآءَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَخَذَ بِيَدِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ حَتّٰى اِذَا خَرَجَ بِهٖ اِلٰى بَطْحَآءِ مَكَّةَ فَاَجْلَسَهٗ ثُمَّ خَطَّ عَلَيْهِ خَطًّا ثُمَّ قَالَ لَا تَبْرَحَنَّ خَطَّكَ فَاِنَّهٗ سَيَنْتَهِىْ اِلَيْكَ رِجَالٌ فَلَا تُكَلِّمْهُمْ فَاِنَّهُمْ لَنْ يُّكَلِّمُوْكَ ثُمَّ مَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَيْثُ اَرَادَ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ فِىْ خَطِّىْ اِذْ اَتَانِىْ رِجَالٌ كَاَنَّهُمُ الزُّطُّ اَشْعَارُهُمْ وَاَجْسَامُهُمْ لَا اَرٰى عَوْرَةً وَّلَا اَرٰى قِشْرًا اَوْ يَنْتَهُوْنَ اِلَىَّ وَلَا يُجَاوِزُوْنَ الْخَطَّ ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ لٰكِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ جَآءَنِىْ وَاَنَا جَالِسٌ فَقَالَ قَدْ اُرَانِىْ مُنْذُ اللَّيْلَةَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَىَّ فِىْ خَطِّىْ فَتَوَسَّدَ فَخِذِىْ وَرَقَدَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَقَدَ نَفَخَ فَبَيْنَا اَنَا قَاعِدٌ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُتَوَسِّدٌ فَخِذِىْ اِذَا اَنَا بِرِجَالٍ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ بِيْضٌ اللّٰهُ اَعْلَمُ مَا بِهِمْ مِنَ الْجَمَالِ فَانْتَهَوْا اِلَىَّ فَجَلَسَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَطَائِفَةٌ مِّنْهُمْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالُوْا بَيْنَهُمْ مَا رَاَيْنَا عَبْدًا قَطُّ اُوْتِىَ مِثْلَ مَا اُوْتِىَ هٰذَا النَّبِىُّ ﷺ اِنَّ عَيْنَيْهِ تَنَامَانِ وَقَلْبُهٗ يَقْظَانُ اِضْرِبُوْا لَهٗ مَثَلًا مَثَلُ سَيِّدٍ بَنٰى قَصْرًا ثُمَّ جَعَلَ مَائِدَةً فَدَعَا النَّاسَ اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ فَمَنْ اَجَابَهٗ اَكَلَ مِنْ طَعَامِهٖ وَشَرِبَ مِنْ شَرَابِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهٗ اَوْ قَالَ عَذَّبَهٗ ثُمَّ ارْتَفَعُوْا وَاسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتَ مَا قَالَ هٰؤُلَآءِ وَهَلْ تَدْرِىْ مَنْ هُمْ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هُمُ الْمَلَآئِكَةُ فَتَدْرِىْ مَا الْمَثَلُ الَّذِىْ ضَرَبُوْهُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمَثَلُ الَّذِىْ ضَرَبُوْهُ الرَّحْمٰنُ بَنَى الْجَنَّةَ وَدَعَا اِلَيْهَا عِبَادَهٗ فَمَنْ اَجَابَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَّمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهٗ اَوْ عَذَّبَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب وادی بطحا میں چلے گئے انہیں وہاں بیٹھا دیا اور پھر ایک لکیر کھینچ کر فرمایا اس لکیر سے آگے نہ بڑھنا تمہارے پاس کچھ لوگ آئیں گے تم ان کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا وہ بھی

تمہارے ساتھ کوئی بات نہیں کریں گے پھر نبی اکرم ﷺ نے جہاں تک جانا تھا وہاں تشریف لے گئے میں اس دوران اس دائرے کے اندر بیٹھا رہا اس دوران کچھ لوگ وہاں آئے یوں لگتا تھا کہ وہ بڑے بھاری بھر کم لوگ ہیں ان کے بال اور جسم اس طرح تھے کہ نہ میں ان کی شرمگاہ کو دیکھا اور نہ ہی میں نے انہیں لباس پہنے ہوئے دیکھا وہ میری طرف آئے لیکن اس لکیر کو پار نہیں کر سکتے پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ گزرا تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں وہاں بیٹھا ہوا تھا آپ ﷺ نے فرمایا میں رات بھر سو نہیں سکا پھر آپ ﷺ اس لکیر کے اندر میرے پاس آئے آپ ﷺ نے میرے زانوں کو تکیہ بنایا اور سو گئے نبی اکرم ﷺ جب سوتے تھے تو آپ ﷺ خراٹے لیا کرتے تھے اسی دوران جب میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ میرے زانوں پر سر رکھ کر سو رہے تھے تو وہاں کچھ لوگ آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے ان لوگوں کے حسن و جمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ لوگ میرے پاس آئے پھر ایک جماعت نبی اکرم ﷺ کے سرہانے کی طرف بیٹھ گئی اور دوسری جماعت آپ ﷺ کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئی پھر انہوں نے یہ کہا ہم نے ایسا کوئی بندہ نہیں دیکھا جسے وہ کچھ عطا کیا گیا ہو جو ان نبی کو عطا کیا گیا ہے ان کی دونوں آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں لیکن ان کا ذہن بیدار ہوتا ہے تم ان کے لیے مثال بیان کرو ان کی مثال اس سردار کی طرح ہے جو ایک محل بناتا ہے پھر اس میں دستر خوان رکھواتا ہے اور لوگوں کو کھانے اور پینے کی دعوت دیتا ہے تو جو شخص اس دعوت کو قبول کر لے گا وہ کھانے کو کھا لے گا اور اس مشروب کو پی لے گا اور جو اس دعوت کو قبول نہیں کرے گا وہ سردار اس پر ناراض ہوگا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اسے سزا دے گا پھر وہ لوگ اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ بیدار ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے سنا؟ جو ان لوگوں نے کہا کیا تم جانتے ہو یہ کون لوگ تھے؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا یہ فرشتے تھے کیا تم جانتے ہو کہ انہوں نے جو مثال بیان کی تھی اس سے کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے جو مثال بیان کی تھی اس کا مفہوم یہ ہے رحمٰن نے جنت بنائی اور اپنے بندوں کو اس کی طرف دعوت دی تو جو شخص اس کی دعوت کو قبول کر لے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو اس کی دعوت قبول نہیں کرے گا رحمٰن اس کو سزا دے گا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اسے عذاب دے گا۔

تشریح: مثال: آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کی امت کا حال اس بادشاہ جیسا ہے جس نے کوئی حویلی بنائی، پھر اس میں ایک ہال تیار کیا، پھر اس ہال میں دعوت کا انتظام کیا، پھر ایک قاصد روانہ کیا، جو لوگوں کو کھانے پر بلائے، پس کچھ لوگوں نے قاصد کی بات مانی، اور کچھ لوگوں نے اس کو نظر انداز کر دیا۔

تطبیق: پس اللہ تعالیٰ: بادشاہ ہیں، اور حویلی: دین اسلام ہے، اور ہال: جنت ہے، جس میں دستر خوان بچھا ہوا ہے، اور آپ ﷺ اللہ کے قاصد ہیں، جو شخص آپ ﷺ کی بات پر لبیک کہے گا: دائرۂ اسلام میں آئے گا، اور جو اسلام میں داخل ہوگا جنت میں جائے گا، اور جو جنت میں جائے گا جنت کی نعمتیں کھائے گا۔

لیلۃ الجن کا واقعہ اور فرشتوں کی بیان کی ہوئی مثال:

مثال: آپ ﷺ کا حال اس آقا کے حال جیسا ہے جس نے کوئی حویلی بنائی، پھر دعوت کا انتظام کیا، اور لوگوں کو اپنے کھانے اور پینے کی طرف بلایا، پس جس نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اس نے اس کے کھانے میں سے کھایا اور اس کے پینے میں سے پیا، اور جس نے

اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا، تو آقا نے عاقبۃ: اس کو سزا دی، یا فرمایا: عذبہ: اس کو سزا دی، پھر وہ حضرات چلے گئے۔

اور اس وقت نبی ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے وہ باتیں سنیں جوان حضرات نے کہیں، اور کیا تم جانتے ہو: وہ لوگ کون تھے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے، اور کیا تم جانتے ہو اس مثال کو جوان حضرات نے بیان کی؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مثال جوان حضرات نے بیان کی (یہ ہے)۔

تطبیق: اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی، اور اس کی طرف اپنے بندوں کو دعوت دی، پس جس نے اس دعوت پر لبیک کہا: وہ جنت میں آیا اور جس نے اس دعوت پر لبیک نہیں کہا: عاقبہ: اللہ نے اس کو سزا دی، یا فرمایا: عذبہ: اللہ نے اس کو سزا دی۔

لغات: امثال مَثَل ایک چیز کو حکم کے اعتبار سے دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینا۔ **کنفی الصراط:** راستہ کی دونوں جانب زوران زور کا تثنیہ ہے دو دیواریں اور ایک دوسری حدیث میں سوران ہی تھا پھر اس کو سین کو زاء سے بدل دیا معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ **ستور:** سِتر کی جمع ہے پردے۔ **لا تبرجن:** تم مسلسل اسی خط کے اندر رنا سینتھی پہنچیں گے زُط زطی کی جمع ہے جٹ لوگ پاکستان اور ہندوستان میں ایک قوم ہے جسے جٹ کہا جاتا ہے جو اپنے بالوں اور جسم میں تہذیب کا لحاظ نہیں کرتے۔ **قِشر:** چیز کا ڈھکن چھلکا یہاں اس سے لباس مراد ہے۔ **ولقد رانی منذ اللیلۃ:** میں پوری رات نہیں سو سکا۔ **یصدرون:** وہ واپس چلے جاتے لوٹ جاتے۔ **توسد:** تکیہ بنایا۔ **فخذی:** میری ران نفخ خراٹے مارتے۔ **یقظان:** بیدار۔ **قاقبہ:** وہ اس کو سزا دیتے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَثَلِ النَّبِيِّ وَالْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

نبی ﷺ نے اپنی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال بیان فرمائی

(۲۷۸۹) اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَرَجُلٍ بَنٰى دَارًا فَاَكْمَلَهَا وَ اَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ مِنْهَا وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے میری اور دیگر انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو گھر بناتا ہے اسے مکمل کر لیتا ہے اور آراستہ کرتا ہے صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دیتا ہے لوگ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں اس سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اس اینٹ کی جگہ کو کیوں خالی رکھا گیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سلسلہ نبوت کے وہ آخری نبی ہیں کہ جن کے بعد اور کوئی نبی قیامت تک نہیں آئے گا چنانچہ ختم نبوت قطعی اور متواتر دلائل سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے جو آدمی اس کا انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

تطبیق: وہ شخص جس نے حویلی بنائی: اللہ تعالیٰ ہیں، اور حویلی: دین اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اور اس کی اینٹیں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک شخصیات ہیں، لوگ یہ قصر نبوت دیکھتے تھے، اور حیرت زدہ رہ جاتے تھے، اور تبصرہ کرتے تھے کہ

حویلی بڑی شاندار ہے! مگر جب وہ دیکھتے کہ ابھی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو وہ کہتے: یہ جگہ کیوں نہیں بھری گئی؟ کاش یہ بھی بھر جاتی! نبی ﷺ نے فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں، مجھ پر سلسلہ نبوت پورا ہو گیا، اب قصر نبوت میں کسی اینٹ کی گنجائش نہیں، اب اگر کوئی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ قصر نبوت کی شان گھٹاتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ مَثَلِ الصَّلٰوةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ

باب ۳: شرک، نماز، روزہ، صدقہ اور ذکر اللہ کی مثالیں

(۲۷۹۰) اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ يَحْيٰى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ يَّعْمَلَ بِهَا وَيَاْمُرَ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ اَنْ يَّعْمَلُوْا بِهَا وَاِنَّهٗ كَادَ اَنْ يُّبْطِئَ بِهَا فَقَالَ عِيْسٰى اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَاْمُرَ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يَّعْمَلُوْا بِهَا فَاِمَّا اَنْ تَاْمُرَهُمْ وَاِمَّا اَنْ اٰمُرَهُمْ فَقَالَ يَحْيٰى اَخْشٰى اَنْ سَبَقْتَنِىْ بِهَا اَنْ يُّخْسَفَ بِىْ اَوْ اُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِىْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَاَ وَقَعَدُوْا عَلَى الشُّرَفِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِىْ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ اَنْ اَعْمَلَ بِهِنَّ وَاٰمُرَكُمْ اَنْ تَعْمَلُوْا بِهِنَّ اَوَّلُهُنَّ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاِنَّ مَثَلَ مَنْ اَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِشْتَرٰى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهٖ بِذَهَبٍ اَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هٰذِهٖ دَارِىْ وَهٰذَا عَمَلِىْ فَاعْمَلْ وَاَدِّ اِلَىَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّىْ اِلٰى غَيْرِ سَيِّدِهٖ فَاَيُّكُمْ يَرْضٰى اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدُهٗ كَذٰلِكَ وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَكُمْ بِالصَّلٰوةِ فَاِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهٗ لِوَجْهِ عَبْدِهٖ فِىْ صَلٰوتِهٖ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَاَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِىْ عِصَابَةٍ مَّعَهٗ صُرَّةٌ فِيْهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يُعْجَبُ اَوْ يُعْجِبُهٗ رِيْحُهَا وَاِنَّ رِيْحَ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَاَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهٗ اِلٰى عُنُقِهٖ وَقَدَّمُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهٗ فَقَالَ اَنَا اَفْدِيْهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَفَدٰى نَفْسَهٗ مِنْهُمْ وَاَمَرَكُمْ اَنْ تَذْكُرُوا اللّٰهَ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِىْ اَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰى اِذَا اَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِيْنٍ فَاَحْرَزَ نَفْسَهٗ مِنْهُمْ كَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهٗ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ وَاَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰهُ اَمَرَنِىْ بِهِنَّ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْجِهَادِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجَمَاعَةِ فَاِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يَّرْجِعَ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ مِنْ جُثٰى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَقَالَ اِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِىْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللّٰهِ۔

ترجمہ: حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ وہ خود ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو یہ ہدایت کریں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں انہوں نے ایسا کرنے میں کچھ تاخیر کی تو حضرت عیسیٰ نے یہ کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی اس کا حکم دیں کہ وہ اس پر عمل کریں یا تو آپ ان کو حکم دے دیں وگرنہ میں انہیں یہ حکم دیتا ہوں تو یحییٰ بن زکریا علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے

مجھے اندیشہ ہے اگر آپ نے مجھ سے پہلے ایسا کر دیا تو مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے گا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) مجھے عذاب دیا جائے گا پھر انہوں نے بیت المقدس میں لوگوں کو جمع کیا وہ بھر گیا اور لوگ اس کے کناروں تک بیٹھ گئے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تم لوگوں کو بھی یہ ہدایت کروں کہ تم ان پر عمل کرو ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ وہ شخص جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو خالص اپنے میں سے سونے یا چاندی کے عوض میں ایک غلام خریدتا ہے اور یہ کہتا ہے یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تم یہ کام کرو اور اس کا منافع مجھے ادا کرو تو وہ غلام کام کرنے کے بعد اس کا منافع اپنے آقا کی بجائے کسی اور کو ادا کرتا ہے تو تم بتاؤ کون شخص اس بات پر راضی ہوگا کہ اسکا غلام اس طرح کا ہو؟

اللہ تعالیٰ تمہیں نماز ادا کرنے کا حکم دیتا ہے جب تم نماز ادا کرو تو ادھر ادھر منہ نہ کرو کیونکہ جب بندہ نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے مدمقابل ہوتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر توجہ نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کچھ دوسرے لوگوں کے ہمراہ ہو اس شخص کے پاس ایک تھیلی ہو جس میں مشک موجود ہو جس کی خوشبو ہر کسی کو اچھی لگتی ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اسے اچھی لگتی ہے روزہ دار شخص کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے دشمن قید کر لیتا ہے اس کے ہاتھ گردن پر باندھ دیتا ہے اور اس کی گردن اڑانے کے لیے اسے لے کر جاتا ہے وہ شخص یہ کہتا ہے تھوڑا یا زیادہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ میں تمہیں فدیے کے طور پر دیتا ہوں تو وہ اپنا فدیہ ادا کر کے (خود کو ان سے چھڑوا لیتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے دشمن لگا ہوا ہے وہ تیز رفتاری سے جاتے ہوئے ایک ٹیلے تک پہنچ جاتا ہے اور اس میں داخل ہو کر اپنے آپ کو ان سے بچا لیتا ہے اسی طرح بندہ اپنے آپ کو شیطان سے اسی وقت بچا سکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں تم لوگوں کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا حکم دیا (حاکم وقت کی) اطاعت وفرمانبرداری کرنا جہاد کرنا ہجرت کرنا اور (مسلمانوں کی) جماعت کے ساتھ رہنا کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر الگ ہوگا وہ اپنی گردن سے اسلام کے پٹے کو اتار دے گا تاوقتیکہ وہ اس میں واپس آجائے اور جو شخص زمانہ جاہلیت کی طرح دعویٰ کرے گا تو وہ جہنم کا ایندھن ہوگا۔

ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو روزے رکھتا ہے تم وہ والا دعویٰ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام رکھا ہے یعنی مسلمان مومن اللہ تعالیٰ کے بندے۔

مؤمن کی دو مثالیں

تشریح: مثال کے طور پر گیہوں کے کھیت کو ہوائیں الٹتی پلٹتی رہتی ہیں، جب مشرق کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو سارے پودے مغرب کی طرف جھک جاتے ہیں، پھر جب مغرب کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو سارا کھیت مشرق کی طرف جھک جاتا ہے، اسی طرح

مؤمن بندہ بھی مختلف حالات سے گزرتا ہے، اور اس کے گناہ دھلتے رہتے ہیں، اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے، آپ لوگوں نے صنوبر کا درخت نہیں دیکھا، میں نے بھی نہیں دیکھا، یہ ایک قسم کا سرو ہے جس سے معشوق کے قد اور اس کے خرام کو تشبیہ دی جاتی ہے، پس آپ اس کے بجائے سفیدے کی مثال لے لیں سڑکوں کے کنارے نیل گری کے درخت کھڑے ہیں، ہوائیں ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں، وہ کسی طرف نہیں جھکتے، مگر جس دن گرتے ہیں جڑ سے اکھڑ کر گرتے ہیں، اسی طرح منافق کی جب پکڑ ہوتی ہے تو یکبارگی ہوتی ہے۔

تشریح: علماء نے اس حدیث سے چند مسائل نکالے ہیں:

(۱) استاذ کو چاہئے کہ طلبہ کی استعداد کو جانچتا رہے، اور کبھی کبھی ان سے زرا پیچیدہ سوال کرے، اور دیکھے کہ کس کا مبلغ علم کیا ہے؟

(۲) ایسا سوال کرے کہ جواب تک پہنچنے کا کوئی قرینہ موجود ہو، جیسے نبی ﷺ نے کھجور کا گوند کھاتے ہوئے یہ سوال کیا تھا، جو صحابہ کی جواب کی طرف راہنمائی کر رہا تھا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اسی قرینہ سے جواب آیا تھا، اور حدیث میں جو اغلوطات سے معن کیا گیا ہے۔

(۳) طالب علم کو چاہئے کہ جو بھی جواب ذہن میں آئے، پیش کرے، اگر جواب غلط ہوگا تو استاذ تنبیہ کرے گا، اگر وہ خاموش رہے گا تو اس کی صلاحیت کا اندازہ کیسے ہوگا؟

(۴) بیٹے کی ترقی باپ کے لئے خوشی کا سبب ہوتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا اظہار کیا ہے کہ اگر تم صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ جواب دیتے تو میرا سر فخر سے اونچا ہو جاتا، قرآن میں بھی ہے: (وبنین شھودا) یعنی اگر بیٹے ایسے قابل ہوں کہ وہ باپ کے ساتھ محفل میں شریک ہوں تو یہ بات باپ کے لئے قابل فخر اور لائق عزت ہے۔

لغات: شُرَف شرفة کی جمع ہے بلکہ جگہ نصب۔ وجهه لوجه عبده: اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ اپنے بندے کے چہرے کی طرف کیا ہوا ہے یعنی دوران نماز اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت انسان کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ عِصابة: جماعت گروپ صُرّة تشدید در پر تھیلی بیگ۔ جصر ر کلهم یعجب: ان میں سے ہر ایک پسند کر رہا تھا اسره اس کو قید کر لیا اوثقوا انہوں نے باندھ دیا جکڑ دیا انا افدی منکم میں تمہیں فدیہ دے کر جان چھڑاتا ہوں۔ سِین: تیز رفتار حصن حصین: محفوظ قلعہ۔ احرز نفسه: اس نے اپنی جان کو بچا لیا محفوظ کر لیا۔ قِید شبر: ایک بالشت کے برابر۔ جُثی: جُثوة کی جمع ہے انگارے۔

بَابُ مَاجَاءَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الْقَارِئِ لِلْقُرْاٰنِ وَغَيْرِ الْقَارِئِ

باب ۴: باب قرآن پڑھنے اور قرآن نہ پڑھنے والے مؤمن کی مثال

(۲۷۹۱) مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْاُتْرُنْجَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ رِيْحُهَا مُرٌّ وَطَعْمُهَا مُرٌّ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مؤمن جو قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی مثال اس ناشپاتی کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور ذائقہ بھی پاکیزہ ہوتا ہے اور جو مؤمن قرآن پاک نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ نامی پھل کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن پاک نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظلہ نامی پھل (یا بوٹی) کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی بری ہوتی ہے اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔

(۲۷۹۲) مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّيَاحُ تُفَيِّئُهُ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصِيبُهُ بَلَاءٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْأُرْزِ لَا تَهْتَزُّ حَتَّى تُسْتَحْصَدَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی مثال کھیت کی طرح ہے جسے ہوا مسلسل جھکاتی رہتی ہے کبھی دائیں طرف کر دیتی ہے کبھی بائیں طرف کر دیتی ہے اسی طرح مؤمن ہمیشہ آزمائش میں مبتلا رہتا ہے اور منافق شخص کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے جو ڈولتا (لہراتا) نہیں ہے یہاں تک کہ (ایک ہی مرتبہ) اسے جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔

(۲۷۹۳) اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ حَدِّثُونِي مَاهِيَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي وَوَقَعَ فِي نَفْسِي اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم هِيَ فَاسْتَحْيَيْتُ يَعْنِي اَنْ اَقُولَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَحَدَّثْتُ عُمَرَ بِالَّذِي وَقَعَ فِي نَفْسِي فَقَالَ لَاَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایک درخت ایسا ہے موسم خزاں میں بھی اس کے پتے نہیں جھڑتے اور اس کی مثال مؤمن کی طرح ہے تم مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں لوگ جنگل کے مختلف درختوں کے بارے میں سوچنے لگے میرے ذہن میں آیا یہ کھجور کا درخت ہوگا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے اس بات پر حیاء آئی (یعنی میں یہ بات بیان کرتا)۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بعد میں میں نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہی جو مجھے خیال آیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم اس وقت یہ بات کہہ دیتے تو یہ میرے نزدیک فلاں فلاں چیز کے ملنے سے زیادہ محبوب ہوتا۔

تشریح: اُمت محمدیہ کی مثال بارش سے: اس حدیث میں امت مسلمہ کو بارش کے مشابہ قرار دیا کہ جس طرح باران رحمت ساری کی ساری خیر و برکت اور نفع کا ذریعہ ہوتی ہے اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خیر بارش کے کس حصے میں ہے اسی طرح اس امت کے پہلے لوگ اور بعد کے لوگ خیر اور نفع پہنچانے کے اعتبار سے سب برابر ہیں گویا لفظ خیر اس معنی کے اعتبار سے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔

لغات: اُتْرُجه: مالٹا سنگترہ نارنگی طعمها اس کا ذائقہ (ریحانة ناز بو ہر خوشبو پودا مُرتشدید) کڑوا تلخ۔ حنظلة: ایلوا تُفَيِّئُه: تشدید کے ساتھ ہوائیں اس کھیت کو اِدھر اُدھر جھکاتی رہتی ہیں۔ اُرز درخت صنوبر۔ لا تهتز: وہ حرکت نہیں کرتا ہلتا نہیں، وقع الناس: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوچنے لگے فی شجر البوادی جنگلات کے درختوں کے بارے میں فاستحییت میں نے شرم محسوس کی۔

بَابُ مَاجَاءَ مَثَلُ الصَّلٰوَاتِ الْخَمْسِ

باب ۵: پانچ نمازوں کی مثال

(۲۷۹۴) اَرَاَیْتُمْ لَوْاَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِ كُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلٰوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی شخص کے دروازے پر نہر موجود ہو اور وہ اس سے پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہے گا؟ تو لوگوں نے عرض کی اس کا کوئی میل باقی نہیں رہے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ نمازوں کی مثال بھی اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

تشریح: فقد خلع ربقة الاسلام: اس کے دو مطلب ہیں۔ اس نے اسلام کا پھندا اور کڑا اتار دیا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حدود احکام اوامر اور ممنوع چیزوں کا لحاظ نہیں کیا۔

(۲) بعض کے نزدیک اس سے اللہ کا عہد مراد ہے کہ اس جماعت کو چھوڑنا گویا اس عہد کو توڑ دینا ہے جو اسلام کی وجہ سے اس کے اور اللہ کے درمیان ہوا تھا۔

الا ان یراجع: یعنی اگر دوبارہ وہ اس جماعت کی طرف لوٹ آئے تو پھر اس نے اپنے اسلام کو بچالیا۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ دونوں آپس میں رشتہ دار تھے بنی اسرائیل کی طرف ایک وقت میں مختلف قوموں کی طرف مختلف انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جاتا رہا چنانچہ اس حدیث میں بھی ان دونوں حضرات کی نبوت کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہوتے ہوئے حضرت یحییٰ کو یہ پانچ باتیں پہنچانے کا حکم کیسے دیا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنا نائب کیسے بنایا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مقابلے میں زیادہ ہے؟ حضرت گنگوہی صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ بلند ہے لیکن اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی کتاب نہیں اتاری گئی تھی جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کوئی مستقل کتاب نازل نہیں کی گئی بلکہ وہ سابقہ شریعت کے مطابق لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے اس لحاظ سے یہ دونوں نبی اس وقت برابر تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو پانچ چیزوں کا حکم دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی حضرت یحییٰ سے فرمایا کہ آپ یہ باتیں جلدی سے بنی اسرائیل تک پہنچا دیں۔

اس اُمت کی مثال

(۲۷۹۵) مَثَلُ اُمَّتِيْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا يُدْرٰى اَوَّلُهٗ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے جس میں یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس کا ابتدائی حصہ زیادہ بہتر تھا یا آخری حصہ زیادہ بہتر ہے؟

تشریح: علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے صرف اس بات کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس دین کو پھیلانے اور لوگوں

تک پہنچانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے اس سے بعد کے لوگوں کی صدر اول کے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا مقصود نہیں۔

اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ جس طرح بارش کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کون سا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اسی طرح یہ امت خیر پہنچانے میں یکساں اور برابر ہے اس سے درحقیقت بعد کے لوگوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں آگے بڑھیں کیونکہ اللہ کے فیض کا دروازہ کشادہ ہے اس سے بعد کے لوگوں کے لیے پہلے لوگوں پر فضیلت ثابت کرنا درست نہیں کیونکہ بالاتفاق پہلے لوگ افضل ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امت کو بارش کے ساتھ تشبیہ علم اور ہدایت کے اعتبار سے دی گئی ہے چنانچہ ایک اور حدیث میں بارش کو علم اور ہدایت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اس لیے زیر بحث حدیث میں بھی امت سے علماء کامل مراد ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں اس تشریح کے اعتبار سے خیر سے نفع کے معنی مراد ہوں گے اور اس صورت میں افضلیت میں پوری امت کا یکساں اور برابر ہونا لازم نہیں آتا۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ یہ امت اپنے کسی دور میں خیر سے خالی نہیں ہوگی جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس امت کو امت مرحومہ ارشاد فرمایا ہے کیونکہ اس امت کا نبی ''نبی رحمت،، ہے جبکہ دوسری امتوں کے ہاں خیر کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا اور پھر بعد والوں میں شر آ گیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا ان میں اپنی منشاء کے مطابق تحریف کر کے اپنے دین کا حلیہ ہی مسخ کر دیا۔ (مرقاۃ المفاتیح ۱۱/ ۷/ ۴۱۷ کتاب المناقب) (شرح الطیبی ۱۱/ ۷۴/ ۳)

بَابُ مَاجَاءَ مَثَلِ ابْنِ اٰدَمَ وَاَجَلِهٖ وَاَمَلِهٖ

باب ۶: آدمی اس کی موت اور اس کی آرزو کی مثال

لوگوں کی صلاحیتوں کی مثال

(۲۷۹۶) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا مَثَلُ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ وَرَمٰى بِحَصَاتَيْنِ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذَاكَ الْاَمَلُ وَهٰذَا الْاَجَلُ.

ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کیا تم یہ جانتے ہو کہ اس کی اور اس کی کیا مثال ہے آپ نے دو کنکریاں پھینک کر یہ بات ارشاد فرمائی لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ امید (زندگی) ہے اور یہ موت ہے۔

لغات: **الدواب:** دوابہ کی جمع ہے کیڑے مکوڑے **فَراش** پروانے تتلیاں **یقعن فیھا** وہ اس میں گرنے لگے **حُجَز: حجزة** کی جمع ہے ازار اور پاجامہ باندھنے کی جگہ **تقحمون** تم اس میں داخل ہو رہے ہو گرتے چلے جا رہے ہو **فیما خلا من الامم** گزشتہ امتیں۔ **اجل:** اس کے دو معنی ہیں (۱) پوری زندگی کی مدت (۲) موت **استعمل:** اس نے کام پر لگایا۔ **عُمّل:** عامل کی جمع ہے مزدور کام کرنے والے۔ **قیراط:** وزن اور پیمائش کی ایک مقدار جو مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہے اور اب وزن میں گندم کے چار دانے

کے مساوی ہے بعض نے کہا: یہ نصف دانق ہے اور دانق درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔اب ابواب الامثال کے آخر میں کچھ متفرق حدیثیں ہیں، جن پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب قائم نہیں کیے۔

امت کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال

یہود ونصاریٰ اور اس اُمت کی مثال

(۲۷۹۷) اِنَّمَا اَجَلُکُمْ فِیْمَا خَلَا مِنَ الْاُمَمِ کَمَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغَارِبِ الشَّمْسِ وَاِنَّمَا مَثَلُکُمْ وَمَثَلُ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی کَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ یَّعْمَلُ لِیْ اِلٰی نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ یَّعْمَلُ لِیْ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ اِلٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰی عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغَارِبِ الشَّمْسِ عَلٰی قِیْرَاطَیْنِ قِیْرَاطَیْنِ فَغَضِبَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی قَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ عَمَلًا وَّاَقَلُّ عَطَاءً فَقَالَ هَلْ ظَلَمْتُکُمْ مِنْ حَقِّکُمْ شَیْئًا قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنَّهٗ فَضْلِیْ اُوْتِیْهِ مَنْ اَشَاءُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے مقابلے میں تمہاری عمر کی مثال اس طرح ہے جیسے عصر سے لے کر سورج غروب ہونے کا وقت ہے تمہاری اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کچھ لوگوں کو مزدور رکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کون شخص دوپہر تک میرے لیے کام کرے گا ؟ ایک قیراط کے عوض میں ؟ یہودیوں نے ایک قیراط کے عوض میں یہ کام کرلیا پھر اس شخص نے کہا دوپہر سے لے کر عصر کی نماز کے وقت تک ایک قیراط کے عوض میں کون میرے لیے کام کرے گا ؟ تو عیسائیوں نے ایک قیراط کے عوض میں یہ کام کرلیا پھر تم لوگ آ گئے تم نے عصر کی نماز سے لے کر سورج غروب ہونے تک دو قیراط کے عوض میں یہ کام کیا تو یہودی اور عیسائی غضب ناک ہو گئے اور بولے ہم نے زیادہ کام کیا ہے اور ہمیں کم معاوضہ ملا ہے تو پروردگار نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق کے حوالے سے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے وہ جواب دیں گے نہیں تو پروردگار نے فرمایا یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں عطا کردوں۔

(۲۷۹۸) اِنَّمَا النَّاسُ کَاِبِلٍ مِائَۃٍ لَا یَجِدُ الرَّجُلُ فِیْهَا رَاحِلَۃً.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی مثال ان ۱۰۰ اُونٹوں کی طرح ہے جن میں آدمی کو ایک بھی سواری کے لیے (قابل) نہیں ملتا۔

(۲۷۹۹) اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ یَقَعْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور میری اُمت کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو آگ جلاتا ہے تو کیڑے مکوڑے اور پروانے اس پر گرنے لگتے ہیں تو میں تمہاری کمر سے پکڑ کر اس سے بچاتا ہوں اور تم اس پر گرنے کی

کوشش کر رہے ہو۔

تشریح: اس حدیث میں اس امت کی دو مثالیں ہیں، پہلی مثال اس بات کی ہے کہ اس امت کی مدت عمل یہود و نصاریٰ کے اعتبار سے تھوڑی ہے، اور دوسری مثال اس بات کی ہے کہ یہ امت اجر وثواب میں گزشتہ امتوں سے بڑھی ہوئی ہے، کیونکہ اس امت کے لئے نیکی دس گنا بڑھائی جاتی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے لئے یہ ضابطہ نہیں تھا۔ اور دونوں مثالوں کی تفصیل یہ ہے کہ کسی کو کوئی تعمیر کروانی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ کام دو پہر تک نمٹ جائے گا، اس لئے وہ آدھے دن کے مزدور لایا، اور ان کی مزدوری ایک ایک قیراط (درہم کا چھٹا حصہ) طے کی، مگر جب دو پہر ہوئی تو دیکھا: کام ابھی باقی ہے، اور مالک کو ان مزدوروں کا کام پسند بھی نہیں آیا، اس لئے اس نے ان کو مقررہ مزدوری دے کر رخصت کر دیا، پھر وہ دوسرے مزدور لایا، اس کا خیال تھا کہ عصر تک کام نمٹ جائے گا، اس نے ان کی مزدوری بھی ایک ایک قیراط مقرر کی، مگر انھوں نے بھی کچھ ڈھنگ سے کام نہیں کیا، عصر کا وقت آ گیا، اور کام ابھی باقی تھا، چنانچہ اس نے مزدوروں کو مقررہ مزدوری دے کر رخصت کر دیا، پھر وہ تیسرے مزدور لایا، اور ان سے کہا سورج ڈوبنے سے پہلے کام مکمل کرنا ہے، اور میں تمہیں ڈبل مزدوری دونگا، یعنی دو دو قیراط دوں گا، چنانچہ ان مزدوروں نے لگ لپٹ کر سورج ڈوبنے سے پہلے کام تمام کر دیا، مالک نے خوش ہو کر ان کو دو دو قیراط دیئے، پس پہلے دونوں مزدور لڑنے کے لئے آ گئے کہ ہم نے کام زیادہ کیا، اور ہمیں اجرت کم ملی، آقا نے ان سے پوچھا: میں نے تم سے جو مزدوری طے کی تھی وہ پوری دی یا اس میں کچھ کمی کی؟ انھوں نے کہا: نہیں، ہمیں آپ نے پوری مزدوری دی، پس مالک نے کہا: میں نے تیسرے مزدوروں کو جو زائد مزدوری دی ہے وہ میرا انعام ہے، میں اپنی خوشی سے جس کو جو چاہوں دوں، تمہاری میرے جیب پر کچھ اجارہ داری تو نہیں!

اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا یہ کلام کہاں ہوگا؟

(۱) یہ کلام قیامت کے دن ہوگا جب وہ امت محمدیہ کا اجر وثواب زیادہ دیکھیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ امر ضرور واقع ہوگا۔

(۲) اس طرح کی بات اس وقت انہوں نے کہی ہوگی جب ان کو اپنے اپنے زمانے میں اپنی آسمانی کتابوں کے اپنے رسولوں کی زبان سے اس امت کی یہ خصوصیت اور فضیلت معلوم ہوئی ہوگی۔

فائدہ: اس حدیث سے یہود و نصاری کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے انبیا پر ایمان لایا ان کی باتوں پر عمل کیا اور اپنی کتابوں پر کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف نہیں کی کیونکہ جو ایسے نہ ہوں بلکہ انہوں نے کتابوں میں تحریف کر دی ہو تو وہ اجر وثواب کے سرے سے مستحق ہی نہیں۔

اَبْوَابُ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ

قرآن کریم کے فضائل کا بیان

اللہ رب العزت نے ایک سو چار (۱۰۴) کتابیں نازل کی ہیں سوائے قرآن کریم کے کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اللہ رب العزت قرآن کریم کے خود محافظ ہیں۔ فقط الفاظ ہی کے نہیں بلکہ الفاظ ومعانی کے بھی۔ ہر دور میں اللہ رب العزت نے ایسے علماء پیدا کیے جن کو قرآنِ کریم کی صحیح سمجھ عطاء کی فِرَقِ باطلہ میں سے اگر کوئی قرآن کے معنی ومفہوم میں فرق لگاتا ہے تو اللہ رب العزت علماء کی زبانوں سے حق جاری کردیتے ہیں۔ اور یہ قرآن کا اعزاز ہے کہ جو آدمی قرآن کو سمجھنا شروع کرتا ہے اللہ پاک اس کے لئے قرآن کی سمجھ آسان فرمادیتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۷﴾﴾ (القمر:۱۷)

کا مفہوم یہی ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ یاد کرنا آسان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ اطہر کے مطابق انسان کی بہتری قرآن کریم کے سیکھنے سکھانے میں ہے۔

اور یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ تمام کتبِ سماویہ میں سے سب سے آسان کتاب قرآن کریم ہے۔ سمجھنا، سمجھانا، پڑھنا، پڑھانا آسان ہے مگر شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو۔

قرآن کریم اور اس کے متعلقات کے فضائل کا بیان

قرآن کریم آسمانی کتابوں میں وہ واحد اور منفرد کتاب ہے جس میں تحریف اور تبدیلی نہیں ہوسکتی جس میں اللہ تعالیٰ نے زمانہ بعثت نبوی سے لرکر قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے جامع ہدایات عطا کی ہیں جس کی پہلے سے کی گئی پیش گوئیوں کو بعد میں آنے والے وقت نے صحیح ثابت کردیا اور قیامت تک اس کی پیش گوئیاں تسلسل اور تواتر سے پوری ہو کر قرآن مجید کی صداقت کو ہر زمانہ میں دنیا والوں پر آشکارا کرتی رہیں گی یہ وہ واحد اور منفرد کتاب ہے جس کو یاد کرنے اور زبانی پڑھنے والے تمام دنیا میں موجود ہیں۔

یہ وہ واحد کتاب ہے جو دنیا میں بکثرت چھپتی ہے سب زیادہ سب سے زیادہ پڑھی اور سنی جاتی ہے اور جس کی تعلیمات پر دنیا میں سب سے زیادہ عمل کیا جاتا ہے یہ وہ منفرد کتاب ہے جس نے اپنے نبی کے علاوہ انبیاء سابقین کی تعظیم کو بھی واجب کیا اور ان پر

ایمان لانے کو ضروری قرار دیا۔

دوسری آسمانی کتاب کے ماننے والے یہ دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں کہ ان کی کتاب آج ان کے ہاتھوں میں بعینہ اسی طرح موجود ہے جس طرح وہ نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی کمی بیشی یا تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی اس کے برخلاف قرآن مجید نے دعویٰ کیا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ (الحجر:۹)

لاریب ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کی کسی آیات میں تحریف نہیں ہو سکتی قران کریم کی کسی آیت کو دوسرے الفاظ میں بدلا نہیں جا سکتا:

﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۴۲)

غیر قرآن مجید قرآن میں شامل نہیں ہو سکتا نہ آگے نہ پیچھے۔

چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد کوئی بڑے سے بڑا منکر اسلام بھی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ قرآن کریم کی فلاں آیت پہلے اس طرح تھی اور اب اس طرح ہے قرآن مجید میں چھ ہزار چھ سو سولہ آیات ستتر ہزار نو سو چونتیس کلمات اور تین لاکھ تیئس ہزار چھ سو اکہتر حروف ہیں اور کسی آیت کسی کلمہ بلکہ کسی حرف کے بارے میں بھی کمی بیشی یا تبدیلی اور تحریف کا کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اور یہ کتنا بڑا اعجاز ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے ساتھ رخصت ہو گئے لیکن آپ کی نبوت کا معجزہ قیامت تک قائم رہے گا

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں سے اگر کوئی پوچھے کہ تمہارے نبی علیہ السلام کی نبوت پر کیا دلیل ہے تو کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا اور اگر ہم سے پوچھے کہ تمہارے نبی کی نبوت پر کیا دلیل ہے تو ہم سرکار کی نبوت پر ایک دو نہیں چوبیس ہزار سے زیادہ دلیلیں پیش کر سکتے ہیں اسی طرح اگر کسی دین کا پیروکار اپنے دین کے بارے میں مشکوک ہو تو اس کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان اپنے دین سے مشکوک ہو تو اس کو مطمئن کرنے کے لیے چوبیس ہزار سے زیادہ وجوہات ہیں۔ وللہ الحمد علی ذلک

کلام اللہ ہے: قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں اور عالم بالا و عالم غیب کی مخلوقات میں عرش کرسی لوح و قلم جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب ترین فرشتے یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیر اللہ اور مخلوق ہیں لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذات عالی کے ساتھ قائم ہے یہ اللہ پاک کا بے انتہاء کرم اور اس کی عظیم تر نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن کریم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے، اور صفت اور موصوف کا درجہ ایک ہوتا ہے، پس قرآن کریم کے لئے اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی، اور اس لئے حکمت الٰہی نے چاہا کہ قرآن کریم کی تلاوت

کی ترغیب دی جائے، اس کی تلاوت کے فضائل بیان کئے جائیں، نیز بعض مخصوص سورتوں اور آیتوں کے بھی فضائل بیان کئے جائیں۔

اور احادیث میں خاص سورتوں اور آیتوں کی فضیلت بیان کی، جیسے سورۂ کہف، سورۃ الملک، سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران وغیرہ کے فضائل بیان کئے، اور آیت الکرسی، سورۃ الاخلاص، معوذتین وغیرہ کا امتیاز بیان کیا تا کہ لوگ ان کو وظیفہ بنائیں۔

یہ تفاضل چند وجوہ سے ہے:

اوّل: وہ سورت یا آیت جو صفات الٰہیہ میں غور وفکر کے لئے زیادہ مفید ہے، اور اس میں صفات الٰہیہ کے تعلق سے جامعیت اور ہمہ گیری کی صفت پائی جاتی ہے، جیسے آیت الکرسی، سورۃ الحشر کی آخری تین آیتیں اور سورۃ الاخلاص وغیرہ ان آیتوں کا درجہ قرآن کریم میں ایسا ہے جیسا اسمائے الٰہیہ میں اسم اعظم کا درجہ ہے۔

دوم: کوئی سورت ایسی ہے جس کا نزول بندوں کے ورد (وظیفہ) کے لئے ہوا ہے یعنی اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ لوگ جانیں کہ وہ اپنے پروردگار کا تقرب کیسے حاصل کریں؟ جیسے سورۂ فاتحہ، اس کا درجہ قرآن کی دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا عبادات میں فرائض کا درجہ ہے۔

سوم: وہ سورتیں جو جامع ترین ہیں، جیسے زہراوین یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران۔ سورۂ بقرہ میں اسلام کے اصول وعقائد اور احکام شریعت کا جتنا تفصیلی تذکرہ ہے اتنا کسی دوسری صورت میں نہیں ہے، اسی لئے اس سورت کو قرآن میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے، اور اس کو "قرآن کی کوہان" قرار دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اس گھر میں شیطان نہیں آسکتا، اور سورۂ آل عمران میں مجادلات اور جنگی معاملات کی جتنی تفصیل ہے اتنی کسی دوسری سورت میں نہیں ہے۔

❊

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ

باب ۱: سورۃ الفاتحہ کی فضیلت

(۲۸۰۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا اُبَیُّ وَهُوَ یُصَلِّیْ فَالْتَفَتَ اُبَیٌّ فَلَمْ یُجِبْهُ وَصَلّٰی اُبَیٌّ فَخَفَّفَ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ مَا مَنَعَكَ یَا اُبَیُّ اَنْ تُجِیْبَنِیْ اِذْ دَعَوْتُكَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ كُنْتُ فِی الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَمْ تَجِدْ فِیْمَا اَوْحَی اللّٰهُ اِلَیَّ اَنْ (اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ) قَالَ بَلٰی وَلَا اَعُوْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ اَتُحِبُّ اَنْ اُعَلِّمَكَ سُوْرَةً لَمْ یُنْزَلْ فِی التَّوْرٰةِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَیْفَ تَقْرَأُ فِی الصَّلٰوةِ قَالَ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِی التَّوْرٰةِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُعْطِیْتُهٗ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب کے پاس تشریف لے گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اے ابی وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے توجہ کی لیکن جواب نہیں دیا۔حضرت ابی رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے رہے انہوں نے نماز مختصر کی پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی السلام علیک یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں بھی سلام ہو تم نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟ اے ابی جب میں نے تمہیں بلایا تھا انہوں نے عرض کی یارسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری طرف جو کلام وحی کیا ہے کیا تم نے اس میں یہ بات نہیں پائی جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہیں بلائیں تو تم انہیں جواب دو۔، حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جی ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں اس سورت کی تعلیم دوں تورات میں انجیل میں زبور میں اور قرآن میں اس کی مانند اور کوئی سورۃ نازل نہیں ہوئی؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نماز میں کیا قرأت کرتے ہو؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تورات انجیل زبور اور قرآن میں اس کی مانند اور کوئی سورۃ نازل نہیں کی گئی یہی سبع مثانی ہے اور وہ عظیم قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

تشریح: سورۃ الفاتحہ ایک بیش بہا دولت ہے، جو اس امت کے علاوہ کسی امت کو نہیں ملی، مسلمان اس کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے، اس میں صرف دینی فائدے ہی نہیں، دنیوی پریشانیوں، بیماریوں اور بلاؤں کا علاج بھی ہے، حدیث میں ہے: سورۃ الفاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے (رواہ الدارمی) پس اس مبارک سورت کا جس قدر ورد رکھا جائے باعث خیر و برکت ہے، اور وہ اسی مقصد سے عطا فرمائی گئی ہے، چنانچہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

(۱) یہ مسئلہ علماء کے نزدیک طے شدہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں کسی کو پکاریں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو فوراً جواب دینا ضروری ہے، پھر رہی یہ بات کہ جواب دینے سے نماز باقی رہے گی یا ٹوٹ جائے گی؟ یہ الگ مسئلہ ہے،

مذاہب فقہاء: اس میں حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کے دو دو قول ہیں مالکیہ حنابلہ اور شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی جبکہ حنفیہ رحمہم اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر لازماً اسے حاضر ہو جانا چاہیے جبکہ وہ بندہ نماز میں ہو آیا اس حاضری سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں حدیث خاموش ہے اور عام دلائل کہ اس طرح نماز کو توڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں بھی اس شخص کی نماز فاسد ہو جائے گی جو نماز توڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ اسے نماز توڑنے کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (اوجز المسالک ۲/ ۸۸ ماجاء فی القرآن)

(۲) اور سورۃ الانفال میں جو حکم ہے اس کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جانتے تھے، مگر یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا عموم نماز تک ہے، نماز پڑھتے ہوئے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا کا جواب دینا چاہئے: یہ بات آج حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے آئی، چنانچہ انھوں نے کہا: میں آئندہ یہ غلطی نہیں کروں گا۔

(۳) سورۃ الحجر آیت ۸۷ میں ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝﴾ اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ

ﷺ کو بار بار دہرائی جانے والی کتاب کی آیتوں میں سے سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔

سورۃ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سورۃ فاتحہ کے تین نام ذکر فرمائے ہیں ام القرآن سبع مثانی اور قرآن عظیم اس سورت کے یہ نام کس وجہ سے رکھے گئے ہیں۔

مثانی جمع ہے مثنی کی اس کے معنی ہیں دو دو سورۃ فاتحہ کو مثانی کہنے کی مختلف وجہیں ذکر کی گئی ہیں:

نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے۔ اس میں اللہ جل جلالہ کی حمد وثناء بیان کی گئی ہے۔ یہ سورت خاص طور پر اس امت کو استثنائی طریقے سے عطاء کی گئی ہے اس سے پہلے کسی امت پر نازل نہیں ہوئی۔

اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری بار مدینہ منورہ میں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم آپ کو سورۃ الفاتحہ عطا فرمائی ہے، بلکہ فرمایا: سات آیتیں عطا فرمائیں، اس میں دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت: سات آیتیں کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا یاد کرنا کچھ مشکل نہیں، سات ہی تو آیتیں ہیں، پس جن کا حافظہ نہایت کمزور ہے وہ بھی ہمت نہ ہاریں!

دوسری حکمت: نماز میں اس سورت کو سات وقفوں میں پڑھنا چاہئے، نبی ﷺ اسی طرح پڑھتے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات بیان فرمائی ہے (حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث آگے آرہی ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے، اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی ایک صدا ہے، اور اس کے پڑھنے کا قدرتی طریقہ سوال کا انداز ہے، جب کوئی سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کر کے مطلب عرض کرتا ہے۔

سائل ان میں سے ہر بول ٹھہر ٹھہر کر کہتا ہے، اور حدیث کے آخری جزء **والقرآن العظیم : الذی اعطیته** کے دو مطلب ہیں: پہلا مطلب: جو زیادہ صحیح ہے: یہ ہے کہ قرآن عظیم سے مراد وہ پوری کتاب ہے جس میں سورۂ فاتحہ بھی شامل ہے اور قرآن کی سات آیتوں (سورۂ فاتحہ) کی تخصیص ان کی اہمیت کی وجہ سے کی گئی ہے۔

کیف تقراء فی الصلاۃ؟ قال: فقرء ام القرآن.

"تُو نماز میں کیسے پڑھتا ہے؟ فرماتے ہیں پھر اُم القرآن یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی۔"

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر حدیث کے ان الفاظ کے اعتبار سے ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہاں سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے کیونکہ سوال میں قراءت کی حالت اور کیفیت کا ذکر ہے۔

اور یہاں جواب میں نفس قراءت کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ سوال اس کے بارے میں نہیں تھا؟

جواب کہ ہوسکتا ہے کہ یہاں جواب میں کچھ الفاظ مقدر ہوں اصل عبارت اس طرح ہو: قرأ ام القرآن مرتلا ومجودا کہ حضرت ابی نے سورۃ فاتحہ کو ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھا ہو۔

—✻—

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ وَاٰیَۃِ الْکُرْسِیِّ

باب ۲: سورۃ البقرہ اور آیت الکرسی کی فضیلت

(۲۸۰۱) بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بَعْثًا وَھُمْ ذُوْوَعَدَدٍ فَاسْتَقْرَأَھُمْ فَاسْتَقْرَأَ کُلَّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ یَعْنِیْ مَامَعَہٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَاَتٰی عَلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ مِنْ اَحْدَثِھِمْ سِنًّا فَقَالَ مَامَعَكَ یَا فُلَانُ فَقَالَ مَعِیَ کَذَا وَ کَذَا وَسُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ فَقَالَ اَمَعَكَ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اِذْھَبْ فَاَنْتَ اَمِیْرُھُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَشْرَافِھِمْ وَاللّٰہِ مَا مَنَعَنِیْ اَنْ اَتَعَلَّمَ الْبَقَرَۃَ اِلَّا خَشْیَۃَ اَنْ لَّا اَقُوْمَ بِھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاَقْرَءُوْہُ فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَہٗ فَقَرَأَہٗ وَ قَامَ بِہٖ کَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْکًا یَفُوْحُ رِیْحُہٗ فِیْ کُلِّ مَکَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَہٗ فَیَرْقُدُ وَ ھُوَ فِیْ جَوْفِہٖ کَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْکِیَ عَلٰی مِسْكٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک مہم روانہ کی جس میں کئی افراد تھے آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا ان میں سے کس کو کتنا قرآن پاک آتا ہے؟ تو ہر شخص نے بتایا اسے کتنا قرآن پاک آتا ہے پھر آپ ﷺ نے ان میں سے ایک فرد کے پاس تشریف لائے جس کی عمر سب سے کم تھی آپ ﷺ نے دریافت کیا اے فلاں تمہیں کتنا قرآن پاک آتا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے فلاں فلاں سورتیں آتی ہیں اور سورۃ بقرہ بھی آتی ہے آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں سورہ بقرہ آتی ہے اس نے جواب دیا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ تم ان کے امیر ہو تو ان لوگوں میں سے ایک بڑی عمر کے صاحب نے عرض کی اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تو اس وجہ سے اس سورت کو یاد نہیں کیا (میں قیام کی حالت میں اس کی قرأت نہیں کرسکوں گا) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم قرآن پاک کو سیکھو اور اس کو پڑھا کرو کیونکہ جو شخص قرآن پاک کا علم حاصل کرنے کے بعد اس کی قرأت بھی کرے اور قیام کی حالت میں اسے پڑھے بھی اس کی مثال اس تھیلی کی طرح ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیلتی ہو اور جو شخص قرآن پاک کا علم حاصل کر کے سو جائے اور قرآن پاک اس کے ذہن میں ہو تو اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی طرح ہے جس کے منہ کو باندھ دیا گیا ہو۔

(۲۸۰۲) لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ وَاِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ تُقْرَأُ الْبَقَرَۃُ فِیْہِ لَا یَدْخُلُہُ الشَّیْطَانُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ جس گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہو وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

(۲۸۰۳) لِکُلِّ شَیْءٍ سَنَامٌ وَاِنَّ سَنَامَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ وَفِیْھَا اٰیَۃٌ ھِیَ سَیِّدَۃُ اٰیِ الْقُرْاٰنِ ھِیَ اٰیَۃُ الْکُرْسِیِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر شخص کی ایک کوہان (ریڑھ کی ہڈی یا بلندی) ہوتی ہے اور

قرآن پاک کی کوہان سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن پاک کی تمام آیتوں کی سردار ہے وہ آیت الکرسی ہے۔

(۲۸۰۴) مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنَ اِلَى اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وَاٰيَةَ الْكُرْسِيِّ حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَرَأَهُمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جو شخص سورہ حٰم المؤمن کو الیہ المصیر تک پڑھے اور پھر آیت الکرسی پڑھ لے تو ان آیات کی برکت کی وجہ سے شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جو شخص اسے شام کے وقت پڑھ لے تو صبح تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔

(۲۸۰۵) اَنَّهٗ كَانَتْ لَهٗ سَهْوَةٌ فِيْهَا تَمْرٌ فَكَانَتْ تَجِيْئُ الْغُوْلُ فَتَاْخُذُ مِنْهُ فَشَكَا ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِذْهَبْ فَاِذَا رَاَيْتَهَا فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ اَجِيْبِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَاَخَذَهَا فَحَلَفَتْ اَنْ لَا تَعُوْدَ فَاَرْسَلَهَا فَجَآءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قَالَ حَلَفَتْ اَنْ لَا تَعُوْدَ قَالَ كَذَبَتْ وَهِيَ مُعَاوِدَةٌ لِلْكَذِبِ قَالَ فَاَخَذَهَا مَرَّةً اُخْرٰى فَحَلَفَتْ اَنْ لَّا تَعُوْدَ فَاَرْسَلَهَا فَجَآءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قَالَ فَحَلَفَتْ اَنْ لَا تَعُوْدَ فَقَالَ كَذَبَتْ وَهِيَ مُعَاوِدَةٌ لِلْكَذِبِ فَاَخَذَهَا فَقَالَ مَا اَنَا بِتَارِكِكِ حَتّٰى اَذْهَبَ بِكِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ اِنِّيْ ذَاكِرَةٌ لَكَ شَيْئًا اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ اِقْرَأْهَا فِيْ بَيْتِكَ فَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ وَلَا غَيْرُهٗ فَجَآءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قَالَ فَاَخْبَرَهٗ بِمَا قَالَتْ صَدَقَتْ وَهِيَ كَذُوْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ان کے ہاں ایک ڈیوڑھی تھی جس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں وہاں ایک جنی آئی اور ان کھجوروں کو چرا لیا میں نے اس بات کی شکایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جاؤ جب تم اسے دیکھو تو یہ پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رسول کو جواب دو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے اسے پکڑلیا تو اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گی تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تمہاری قیدی کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے جواب دیا اس نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے جھوٹ کہا ہے کیونکہ جھوٹ بولنا اس کی عادت ہے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے ایک مرتبہ اسے پھر پکڑ لیا تو اس نے پھر یہ قسم اٹھائی کہ وہ اب ایسا نہیں کرے گی انہوں نے پھر اسے چھوڑ دیا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تمہاری قیدی کے ساتھ اب کیا معاملہ ہوا انہوں نے جواب دیا اس نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ اب وہ ایسا نہیں کرے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ جھوٹ بولنا اس کی عادت ہے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے پھر اسے پکڑ لیا اور فرمایا اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا بلکہ تمہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر جاؤ گا تو اس نے کہا میں آپ کے سامنے ایک چیز ذکر کرنے لگی ہوں یہ آیت الکرسی ہے آپ اسے اپنے گھر میں پڑھا کرو شیطان آپ کے قریب نہیں آئے گا اور دوسرا بھی کوئی نہیں آئے گا حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تمہاری قیدی نے کیا معاملہ کیا تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں بتایا جو اس (جن) نے کہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اس سچ کہا ہے ویسے وہ جھوٹ بولتی ہے۔

تشریح: اسلام کے بنیاد اصول وعقائد اور احکام شریعت کا جتنا تفصیلی بیان سورۃ بقرہ میں کیا گیا اتنا اور ایسا قرآن پاک کی کسی دوسری سورت میں نہیں کیا گیا غالبا اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو قران میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے اور غالبا اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو اس حدیث میں سنام القرآن کا لقب دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

قرآن مجید کو لوح محفوظ میں کب لکھا گیا؟ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو لوح محفوظ میں اور دیگر تمام چیزوں کی تقدیریں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں۔

اعتراض: یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہ اس حدیث میں دو ہزار سال کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے تو بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) اس سے طویل مدت اور سابق ہونا مراد ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے قرآن مجید کو لوح محفوظ میں لکھ دیا اور ہر چیز کی تقدیر لکھ دی۔

(۲) کتابت تقدیر کے اوقات مختلف ہیں بعض چیزیں پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئی ہیں اور بعض چیزوں کو آسمان وزمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے لکھا گیا ہے۔

(۳) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ میں قرآن مجید کی کتابت اور ہر چیز کی تقدیر کو آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا اور ان کے سامنے قرآن مجید کی کتابت کو آسمان وزمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ظاہر فرمایا اس لیے دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

لغات: تقدمه: سورۃ بقرہ اور آل عمران کا اجر وثواب بقیہ قرآن مجید کے اجر وثواب سے آگے آگے ہوگا۔ غیایتان غیایة کا تثنیہ ہے ہر وہ چیز جس سے سایہ حاصل کیا جائے جیسے بادل وغیرہ۔ شَرْق: نور روشنی خلا فرجہ کشادگی۔ غمامتان غمامة: کا تثنیہ ہے: بادل بدلی۔ ظُلَّة: تشدید سائبان۔ صواف صافة کی جمع ہے دونوں پر پھیلا کر اڑنے والے پرندے گویا انہوں نے صف باندھی ہوئی ہے۔ تجادلان: وہ دونوں سورتیں جھگڑا اور بحث ومباحثہ کریں گی یعنی سفارش کریں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ

باب ۳: سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

(۲۸۰۶) مَنْ قَرَأَ الْاٰيَتَيْنِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص رات کے وقت سورہ بقرہ کی آخری دو آیات

کی تلاوت کرلے تو یہ دونوں اس کے لیے کافی ہوں گی۔

(۲۸۰۷) إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفَيْ عَامٍ اَنْزَلَ مِنْهُ اٰيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا يُقْرَاٰنِ فِيْ دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے ایک تحریر لکھی جس میں سے دو آیات اس نے نازل کی ہیں جن کے ذریعے سورہ بقرہ ختم ہوتی ہے اور یہ دونوں آیتیں تین دن تک جس بھی گھر میں تلاوت کی جائیں گی شیطان اس کے قریب نہیں جائے گا۔

تشریح: اور کفتاہ: وہ دونوں آیتیں اس کے لئے کافی ہوجائیں گی: اس کے تین مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا مطلب: اگر وہ اس رات میں تہجد اور تہجد میں قرآن کریم نہیں پڑھے گا تو بھی اس کو تہجد کا (اصلی) ثواب مل جائے گا، اس مطلب کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے، فرمایا:

من قرا خاتمة سورة البقرة حتى يختمها في ليلة: اجزات عنه قيام تلك الليلة.

(رواه الديلمي، كنز العمال حديث ٢٥٧٤)

"جس شخص نے سورۂ بقرہ ایک رات میں ختم تک پڑھی اس کے لئے اس رات کے قیام کے لئے کافی ہوجائے گا۔"

یعنی جس نے کسی رات میں سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں پڑھیں، یہاں تک کہ ان کو ختم کیا تو وہ آیتیں اس کی طرف سے اس رات کے نوافل سے کافی ہوجائیں گی۔

دوسرا مطلب: وہ شخص اس رات میں شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا، شیاطین الانس اور شیاطین الجن اس کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اس مطلب کی تائید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث سے ہوتی ہے۔

تیسرا مطلب: حدیث عام ہے، یہ آیتیں ہر برائی اور ہر خطرہ سے بچا لیتی ہیں، اور علم معانی کے قواعد کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حدیث کو عام رکھا جائے، کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ متعلق کا خذف تعیم پر دلالت کرتا ہے (لیذهب الذهن كل مذهب) پس پہلی دو صورتیں بھی اس مطلب میں شامل ہوجائیں گی۔

حدیث (۲) کی **تشریح:** حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے یہ مضمون تفصیل سے بیان کیا ہے کہ تقدیر الٰہی پانچ مختلف مراحل میں ظاہر ہوئی ہے:

پہلی مرتبہ: اللہ کے علم ازلی میں تمام چیزوں کے اندازے ٹھہرائے گئے ہیں۔

دوسری مرتبہ: تخلیق ارض وسماء سے پچاس ہزار سال پہلے عرش کی قوت خیالیہ میں سب چیزیں موجود ہوئی ہیں۔

تیسری مرتبہ: تخلیق آدم کے بعد جب عہد الست لیا گیا اس وقت تقدیر کا تحقق ہوا ہے۔

چوتھی مرتبہ: شکم مادر میں جب روح پڑنے کا وقت آتا ہے تو تقدیر کا ایک گونہ تحقق ہوتا ہے۔

پانچویں مرتبہ: دنیا میں واقعہ رونما ہونے سے کچھ پہلے تقدیر پائی جاتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ

سورۂ آل عمران کی فضیلت

(۲۸۰۸) يَاْتِى الْقُرْاٰنُ وَاَهْلُهُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ بِهٖ فِى الدُّنْيَا تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلُ عِمْرَانَ قَالَ نَوَّاسٌ وَ ضَرَبَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ اَمْثَالٍ مَانَسِيْتُهُنَّ بَعْدُ قَالَ يَاْتِيَانِ كَاَنَّهُمَا غِيَايَتَانِ وَ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ سَوْدَاوَانِ اَوْ كَاَنَّهُمَا ظُلَّةٌ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُجَادِلَانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) قرآن پاک آئے گا اور اسے پڑھنے والے لوگ آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے ہوں گے جن کے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی۔حضرت نواس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں پھر نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کی تین مثالیں بیان کی تھیں جو میں کبھی نہیں بھولا۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں اس طرح آئیں گی گویا یہ چھتریاں ہیں جن کے درمیان روشنی موجود ہے یا یہ اس طرح آئیں گی جس طرح یہ دو سیاہ بادل ہیں یا یہ اس طرح آئیں گی جیسے صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہیں اور یہ (اپنے پڑھنے والے کی) شفاعت کریں گی۔

(۲۸۰۹) مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ اَعْظَمَ مِنْ اٰيَةِ الْكُرْسِيِّ قَالَ سُفْيَانُ لِاَنَّ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ وَكَلَامُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ.

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حمیدی کے حوالے سے سفیان بن عیینہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں آیت الکرسی سے بڑی کوئی چیز پیدا نہیں کی۔سفیان بیان کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے آیت الکرسی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام آسمان اور زمین میں موجود ساری مخلوق سے زیادہ عظیم ہے۔

تشریح: ابھی ابواب فضائل القرآن کی تمہید میں یہ بات گزری ہے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے کہ اس جھگڑے کی حقیقت یہ ہے کہ قاری کی نجات وعذاب کے اس میں تعارض سامنے آئے گا، اس کے گناہ اس کی بربادی کو چاہیں گے، اور زہراوین کی تلاوت نجات کو، اور بالآخر سبب نجات یعنی تلاوت زہراوین کو دیگر اس ہلاکت پر ترجیح حاصل ہوگی، اور وہ بندہ ناجی ہوگا۔

فائدہ: کہ قرآن کے اور زہراوین کے قیامت کے دن کا کیا مطلب ہے؟ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پڑھنے کا ثواب قیامت کے دن آئے گا، یہ معنی اس لیے بیان کئے ہیں تا کہ عام لوگوں کا عقیدہ خراب نہ ہو کہ وہ سورتیں آگے آگے کس طرح آئیں گی جبکہ ان کا جسم تو ہے نہیں۔اور اسی حدیث میں اس تفسیر کا قرینہ موجود ہے، فرمایا: **واهله الذين يعملون به فى الدنيا:** اور اس کے وہ پڑھنے والے بھی آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، ظاہر ہے پڑھنے والے الگ ہیں اور یہ آنے والے الگ ہیں، اس لئے لامحالہ ان کے عمل کا ثواب مراد لیا جائے گا۔

(۲) حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ اس جہاں میں اللہ تعالیٰ ان سورتوں کو ایک جسم اور شکل عطاء فرمادیں گے اس لئے وہ آگے آگے ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے پڑھنے اور عمل کرنے والے کے حق میں سفارش کریں

گی۔ (الکوکب الدری ۴/ ۱۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے کہ یہ عالم مثال کے احوال ہیں اس عالم میں تمام معنویات متمثل ہوں گی، ان کو وہاں پیکر محسوس ملے گا۔ حضرت شاہ حاحب نے عالم المثال میں اپنے اس دعویٰ پر بے شمار دلیلیں پیش کی ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی حدیث میں تین آیتوں کا ذکر ہے جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جس شخص اس کی دس آیتیں یاد کرلے گا تو اسے دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا بظاہر دونوں میں تعارض سا ہے؟ تین طرح سے تطبیق دی گئی ہے۔

(۱) جو شخص دس آیتیں یاد کرلے تو وہ دجال کے شر سے بچایا جائے گا اگر وہ اس کا زمانہ پالے اور اس سے ملے اور جو شخص تین آیتیں پڑھے گا تو وہ اس فتنہ سے محفوظ رہے گا جس میں لوگ مبتلا ہوں گے۔

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ پہلے تو دس آیتوں کے یاد کرنے پر مذکور برکت کی بشارت دی گئی ہو پھر بعد میں اللہ نے محض اپنے فضل سے تین آیتوں کے پڑھنے پر ہی بشارت عطا فرمادی ہو اس لیے پہلے آپ دس آیتوں کو یاد کرنے کا اور پھر تین آیتیں پڑھنے کا بیان فرمایا۔ (تحفۃ الاحوذی ۸/ ۱۹۷)

ایک دوسری حدیث کی تفصیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ماخلق اللہ من سماء ولا ارض.

اعظم من آیۃ الکرسی: اللہ تعالیٰ نے آیت الکرسی سے بڑی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، نہ آسمان نہ زمین۔

سفیان بن عیینہ نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے کہ آیت الکرسی اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے، پس وہ ہر مخلوق سے بڑی ہے، آسمان سے بھی اور زمین سے بھی (مگر اس تفسیر پر اعتراض۔

اعتراض: یہ ہے کہ یہ بات آیت الکرسی کے ساتھ خاص نہیں، سارے ہی قرآن کا یہ حال ہے، پھر حدیث میں آیت الکرسی کے تعلق سے یہ بات کیوں فرمائی گئی؟ اس لئے یہاں بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ ہی چلے گی کہ آیت الکرسی کو عالم مثال میں جو پیکر محسوس ملے گا وہ آسمان و زمین سے بڑا ہوگا۔

فائدہ: یہ ذہن میں رہے کہ ان فضائل سے سورۃ ملک کا سورۃ فاتحہ اور بقرہ سے افضل ہونا لازم نہیں کیونکہ سب سے افضل سورت سورۃ فاتحہ اور پھر سورۃ بقرہ ہے اور ایسا ہوسکتا ہے کہ باقی سورت میں ایسی کوئی خصوصیت اور فضیلت پائی جائے جو ان دو سورتوں میں نہ ہو اس کے باوجود ان کی فضیلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (مرقاۃ المفاتیح ۵/ ۶۳، کتاب الفضائل القرآن)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ سُوْرَةِ الْكَهْفِ

باب ۵: سورۃ الکہف کی فضیلت

(۲۸۱۰) بَيْنَمَا رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ اِذْرَاٰى دَابَّتَهٗ تَرْكُضُ فَنَظَرَ فَاِذَا مِثْلُ الْغَمَامَةِ وَ السَّحَابَةِ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ نَزَلَتْ مَعَ الْقُرْاٰنِ اَوْنَزَلَتْ عَلَى الْقُرْاٰنِ.

ترجمہ: حضرت براء بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک صحابی سورہ کہف پڑھ رہے تھے اسی دوران انہوں نے اپنی سواری کو اچھلتے ہوئے دیکھا جب انہوں نے توجہ کی تو انہیں ایک بادل نظر آیا (بعد میں) وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ سکینت تھی جو قرآن پاک کے ہمراہ نازل ہو رہی تھی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) قران پاک پر نازل ہو رہی تھی۔

(۲۸۱۱) مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھتا رہے وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت قتادہ سے امام شعبہ روایت کرتے ہیں، اس میں سورۃ الکہف کی شروع کی تین آیتوں کا تذکرہ ہے، اور مسلم شریف میں اسی سند سے سورۂ کہف کی آخری آیتوں کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح قتادہ کے دوسرے تلامذہ کی روایتوں میں بھی اختلاف ہے، پس جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ اول و آخر دونوں کو مراد لیا جائے، اور اس سورت کا پہلا اور آخری رکوع ہر شخص یاد کرے، اور روزانہ نماز میں ایک بار اس کو پڑھے، اور نماز میں موقع نہ ملے تو سوتے وقت یا کسی دوسرے وقت ایک بار پڑھے، ان شاء اللہ وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ يٰسٓ

باب ۶ : یٰسٓ شریف کی فضیلت

(۲۸۱۲) اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسٓ وَمَنْ قَرَأَ يٰسٓ كَتَبَ اللهُ لَهٗ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن پاک کا دل سورہ یٰسین ہے جو شخص سورہ یٰسین کی تلاوت کرے گا اس کی قرأت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس شخص کے حق میں دس مرتبہ قرآن پاک پڑھنے کا ثواب لکھ دے گا۔

تشریح: سورہ یٰسین شریف کو قرآن کا دل تین وجوہ سے کہا گیا ہے؟

پہلی وجہ: دل سے اشارہ درمیان کی طرف ہوتا ہے، اور یٰس مثانی میں سے ہے جو مئین اور سبع طول سے چھوٹی اور مفصلات سے بڑی ہے، اس طرح وہ قرآن کا درمیان اور دل ہے (قرآن پاک کی سورتیں آیات کی تعداد وغیرہ کے اعتبار سے چار حصوں میں منقسم ہیں: (۱) طول: لمبی سورتیں (۲) مئین: جس میں سو یا کچھ زیادہ یا کچھ کم آیتیں ہیں (۳) مثانی: جن میں سو سے کافی کم آیتیں ہیں (۴) مفصلات: جن میں بہت کم آیتیں ہیں، اور یٰس شریف میں تراسی آیتیں ہیں اور اس کا شمار مثانی میں ہے۔

دوسری وجہ: دل سے اشارہ جسم کے اہم جز کی طرف ہوتا ہے، اور اس سورت میں شہر انطاکیہ کے ایک بزرگ حبیب نجار کی جو تقریر آئی

ہے: اس میں توکلِ تفویض اور توحید کی تعلیم ہے، یہ مضامین آیات (۲۲۔۲۵) میں ہیں، ان اہم مضامین کی وجہ سے اس کو قرآن کا دل کہا ہے۔

تیسری وجہ: دل پر حیات کا مدار ہے، وہی مایۂ زندگانی ہے، اور اس سورت میں تدبر و تفکر کی جملہ انواع موجود ہیں، اس لئے اس کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حٰمٓ الدُّخَانِ

باب ۷: سورۂ دخان کی فضیلت

(۲۸۱۳) مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِي لَيْلَةٍ أَصْبَحَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص رات کے وقت سورہ دخان کی تلاوت کر لے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

(۲۸۱۴) مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شب جمعہ میں سورہ حم دخان کی تلاوت کر لے اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

سورۃ الدخان قرآن کریم کی چوالیسویں سورت ہے، اور پچیسویں پارہ میں ہے، اس میں کل تین رکوع ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُورَةِ الْمُلْكِ

باب ۸: سورۃ الملک کی فضیلت

(۲۸۱۵) ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسَبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰى خَتَمَهَا فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلَى قَبْرٍ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ انْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰى خَتَمَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے قبر پر خیمہ لگا لیا انہیں یہ پتہ نہیں تھا یہاں پر قبر موجود ہے لیکن وہاں ایک قبر موجود تھی اس میں ایک شخص سورہ الملک کی تلاوت کر رہا تھا اس نے اس سورہ کو پورا پڑھ لیا بعد میں وہ صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ واقعہ سنایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ روکنے والی ہے یہ سورت نجات دلانے والی ہے یہ اس شخص کو قبر کے عذاب سے نجات دلائے گی)۔

(۲۸۱۶) اِنَّ سُوْرَةً مِّنَ الْقُرْاٰنِ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَلَهٗ وَهِىَ تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قرآن پاک میں تیس آیات پر مشتمل ایک سورۃ ہے جو آدمی کی شفاعت کرے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے گا وہ سورۃ الملک ہے۔

(۲۸۱۷) اَنَّ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورہ الم تنزیل اور سورہ ملک کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے۔

سورۃ الملک انتیسویں پارے کی پہلی سورت ہے، اس کی فضیلت میں درج ذیل حدیثیں آئی ہیں۔

تشریح: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا راوی یحییٰ ضعیف ہے، اور اس کا باپ معمولی راوی ہے، وہ حدیثوں میں غلطیاں کرتا تھا۔

حدیث (۴) کی تشریح: یہ ان دونوں سورتوں کا انعامی ثواب ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سورۃ البقرہ سے افضل ہوں کیونکہ سورۃ البقرۃ کا انعامی ثواب بے حد ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک تابعی کا قول ہے، حدیث مرفوع نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِىْ سُوْرَةِ الْاِخْلَاصِ، وَفِىْ سُوْرَةِ اِذَا زُلْزِلَتْ

باب ۹: سورۃ الاخلاص اور سورۃ الزلزال کی فضیلت

(۲۸۱۸) مَنْ قَرَأَ اِذَا زُلْزِلَتْ عُدِلَتْ لَهٗ بِنِصْفِ الْقُرْاٰنِ وَمَنْ قَرَأَ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ عُدِلَتْ لَهٗ بِرُبُعِ الْقُرْاٰنِ وَمَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ عُدِلَتْ لَهٗ بِثُلُثِ الْقُرْاٰنِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص سورہ زلزال کی تلاوت کر لے تو یہ اس کے لیے نصف قرآن پاک پڑھنے کے برابر ہوگا اور جو شخص سورہ کافرون کی تلاوت کر لے تو یہ اس کے لیے ایک چوتھائی قرآن پاک پڑھنے کے برابر ہوگا جو شخص سورت اخلاص کی تلاوت کر لے تو یہ اس کے لیے ایک تہائی قرآن پاک پڑھنے کے برابر ہوگا (یعنی اتنا ثواب ملے گا)۔

(۲۸۱۹) اِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ زلزال نصف قرآن پاک کے برابر ہے اور سورہ اخلاص ایک تہائی قرآن پاک کے برابر ہے اور سورۃ الکافرون ایک چوتھائی قرآن پاک کے برابر ہے۔

(۲۸۲۰) لِرَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ هَلْ تَزَوَّجْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا عِنْدِىْ مَا اَتَزَوَّجُ بِهٖ قَالَ اَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ بَلٰى قَالَ ثُلُثُ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلَيْسَ مَعَكَ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ قَالَ بَلٰى

قَالَ رُبُعُ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ يَاۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ قَالَ بَلٰى قَالَ رُبُعُ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلَيْسَ مَعَكَ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ قَالَ بَلٰى قَالَ رُبُعُ الْقُرْاٰنِ قَالَ تَزَوَّجْ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے دریافت کیا کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ اے فلاں انہوں نے جواب دیا نہیں یارسول اللہ اللہ تعالیٰ کی قسم میرے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے جس کے ذریعے میں شادی کرسکوں نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں سورۃ اخلاص یاد نہیں ہے اس نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک تہائی قرآن پاک ہے پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں سورۃ نصر یاد نہیں ہے؟ تو انہوں نے عرض کی جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا یہ چوتھائی قرآن پاک ہے پھر نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں سورۃ الکافرون یاد نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ چوتھائی قرآن پاک ہے پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا کیا تمہیں سورۃ زلزال یاد نہیں ہے انہوں نے عرض کی جی ہاں ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک چوتھائی قرآن پاک ہے (تو تمہارے پاس اتنی نعمت ہے) تو تم شادی کرلو۔

تشریح: اس قسم کی روایات جن میں بعض سورتوں کی قرآن کریم کے کسی حصہ کے برابر گردانا گیا ہے: علماء کرام نے ایسی حدیثوں کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔

پہلا مطلب: یہ قرآن کریم کے مضامین کی مختلف اعتبارات سے تقسیم ہے، جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: **نزل القرآن علی خمسة اوجه:** حلال وحرام، ومحکم، ومتشابہ، وامثال: قرآن کریم پانچ طرح کے مضامین پر مشتمل ہے، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثلہ، پس حلال کو حلال جانو، اور حرام کو حرام جانو، اور محکم پر عمل کرو، اور متشابہ پر ایمان لاؤ، اور امثال کے ذریعہ عبرت حاصل کرو۔ (مشکوۃ، کتاب الایمان، الاعتصام حدیث ۱۸۲، درمنثور ۲/۶)

اسی طرح مختلف اعتبارات سے قرآن کریم کے مضامین کی تقسیم کی گئیے ہے، مثلاً: علوم قرآن تین ہیں: توحید، احکام، اور تہذیب اخلاق۔ اور قل ھو اللہ احد میں توحید کا بیان ہے، پس وہ تہائی قرآن ہوا۔

اور قرآن کریم میں توحید فی العبادۃ اور توحید فی العقیدۃ کا بیان ہے، نیز دنیوی اور اُخروی احکام ہیں، اور سورۃ الکافرون میں توحید فی العبادت کا مضمون ہے، اس لئے وہ چوتھائی قرآن ہوئی۔ اسی طرح سورۃ النصر کو چوتھائی قرآن کہا ہے، اور ایک روایت میں سورۃ الزلزال کو چوتھائی قرآن کہا ہے، ان کی تخریج بھی اسی طرح کر لی جائے۔

دوسرا مطلب: یہ روایتیں ان سورتوں کے انعامی ثواب کا بیان ہیں، مثلاً سورۃ الاخلاص پر جو انعامی ثواب ملتا ہے وہ تہائی قرآن کے اصلی ثواب کے برابر ہے، اس کی تفصیل پہلے کئی بار گزر چکی ہے (تحفہ ۱:۵۴۷، ۳:۵۴۳) .

فائدہ: یہ دوسرا مطلب مشہور ہے اور پہلا مطلب اصح ہے، کیونکہ دوسرا مطلب لینے کی صورت میں سورۃ الزلزال کا سورۃ الاخلاص سے افضل ہونا لازم آئے گا کیونکہ سورۃ الزلزال کو نصف قرآن کہا گیا ہے، اور سورۃ الاخلاص کو تہائی قرآن، اور اس افضلیت کا کوئی قائل نہیں، اس لئے پہلا مطلب اصح ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ سُوْرَةِ الْاِخْلَاصِ

باب ۱۰: سورۃ الاخلاص کی فضیلت

(۲۸۲۱) اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَقْرَأَ فِیْ لَیْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ مَنْ قَرَأَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ رات کے وقت ایک تہائی قرآن پاک کیوں نہیں پڑھتے؟ جو شخص سورہ اخلاص کی تلاوت کرلے گا تو گویا اس نے ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت کی۔

(۲۸۲۲) اَقْبَلْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَسَمِعَ رَجُلًا یَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آرہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو سورہ اخلاص کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی میں نے عرض کی کیا چیز واجب ہوگئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اس پڑھنے والے کے لیے جنت۔

(۲۸۲۳) مَنْ قَرَأَ کُلَّ یَوْمٍ مِائَتَیْ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مُحِیَ عَنْهُ ذُنُوْبُ خَمْسِیْنَ سَنَةً اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ عَلَیْهِ دَیْنٌ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص روزانہ دوسو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے گا اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے البتہ اگر اس کے ذمے قرض ہو (تو وہ معاف نہیں ہوگا)۔

(۲۸۲۴) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ اخلاص ایک تہائی قرآن پاک کے برابر ہے۔

(۲۸۲۵) اُحْشُدُوْا فَاِنِّیْ سَاَقْرَأُ عَلَیْکُمْ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ فَحَشَدَ مَنْ حَشَدَ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ثُمَّ دَخَلَ فَقَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِنِّیْ سَاَقْرَأُ عَلَیْکُمْ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ اِنِّیْ لَاَرٰی هٰذَا خَبَرٌ جَاءَهٗ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ خَرَجَ نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنِّیْ قُلْتُ سَاَقْرَأُ عَلَیْکُمْ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ اَلَا وَاِنَّهَا تَعْدِلُ بِثُلُثِ الْقُرْاٰنِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اکٹھے ہوجاؤ تا کہ میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت کروں گا راوی بیان کرتے ہیں کچھ لوگ اکٹھے ہوگئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اخلاص کی تلاوت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس بارے میں ایک دوسرے سے کچھ کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا میں تمہارے سامنے ایک تہائی قران پاک کی تلاوت کروں گا تو ہمارا یہ خیال ہے شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

وحی نازل ہونے لگی ہے اسی لیے (آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے ہیں) پھر آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا میں نے یہ کہا تھا میں تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پاک کی تلاوت کروں گا یاد رکھنا (سورۃ اخلاص) ایک تہائی قرآن پاک کے برابر ہے۔

(۲۸۲۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءَ فَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُوْرَةً يُقْرَأُ لَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ يَقْرَأُ بِهَا افْتَتَحَ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَأُ بِسُوْرَةٍ اُخْرٰى مَعَهَا وَكَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ اَصْحَابُهُ فَقَالُوْا اِنَّكَ تَقْرَأُ بِهٰذِهِ السُّوْرَةِ ثُمَّ لَا تَرٰى اَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتّٰى تَقْرَأَ بِسُوْرَةٍ اُخْرٰى فَاِمَّا اَنْ تَقْرَأَ بِهَا وَاِمَّا اَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِسُوْرَةٍ اُخْرٰى قَالَ مَا اَنَا بِتَارِكِهَا اِنْ اَحْبَبْتُمْ اَنْ اَؤُمَّكُمْ بِهَا فَعَلْتُ وَاِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَكَانُوْا يَرَوْنَهُ اَفْضَلَهُمْ وَكَرِهُوْا اَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ فَلَمَّا اَتَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ اَخْبَرُوْهُ الْخَبَرَ فَقَالَ يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ مِمَّا يَأْمُرُ بِهِ اَصْحَابُكَ وَمَا يَحْمِلُكَ اَنْ تَقْرَأَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّيْ اُحِبُّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ حُبَّهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک انصاری صحابی مسجد قباء میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے وہ نماز کے دوران جس بھی سورت کی تلاوت کرتے تھے اس کے ساتھ سورۃ اخلاص ضرور پڑھا کرتے تھے پھر بعد میں دوسری سورت پڑھتے تھے وہ ہر رکعت میں اسی طرح کیا کرتے تھے ان کے ساتھیوں نے اس بارے میں ان سے بات کی اور ان سے یہ کہا آپ یہ (سورت خلاص پڑھتے ہیں) پھر شاید یہ سمجھتے ہیں اس کی تلاوت کافی نہیں ہے اور کوئی دوسری سورت بھی پڑھنے لگ جاتے ہیں یا تو آپ اسی پر اکتفاء کیا کریں یا پھر اسے پڑھنا چھوڑ دیں اور دوسری سورت پڑھ لیا کریں تو ان صحابی نے کہا میں اسے پڑھنا نہیں چھوڑوں گا اگر تم پسند کرو تو میں اس کی تلاوت کے ہمراہ تمہاری امامت کرتا ہوں اور اگر تمہیں یہ پسند نہیں ہے تو میں تمہیں نماز نہیں پڑھاؤں گا انصار ان صاحب کو اپنے درمیان سب سے افضل سمجھتے تھے اور اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی بجائے کوئی اور ان کی امامت کرے جب آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ کو اس بارے میں بتایا کہ آپ ﷺ نے دریافت کیا اے فلاں تمہارے ساتھی تمہیں جو کہتے ہیں تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور تم ہر رکعت میں اسی سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اس کے ساتھ تمہاری محبت تمہیں جنت میں داخل کرے گی۔

تشریح: سورۃ اخلاص کے تہائی قرآن ہونے کا مطلب؟ مذکورہ احادیث میں سورۂ اخلاص کی فضیلت میں مذکور ہے کہ سورۂ تہائی قرآن کے مساوی ہے اس سے کیا مراد ہے؟

علماء کرام نے اس کی مختلف وجوہ لکھی ہیں: (۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس مفہوم کی احادیث کو اپنے ظاہر پر محمول کر کے یہ فرمایا ہے کہ ہے سورۃ اخلاص قرآن کریم کے معانی کے اعتبار سے تہائی قرآن ہے کیونکہ قرآن کریم تین قسم کے مضامین پر مشتمل ہے: احکام قصص واخبار اور توحید سورۃ اخلاص ان امور میں سے صرف تیسرے امر یعنی توحید پر مشتمل ہے اس بناء پر اسے تہائی قرآن کہا گیا ہے۔ (فتح الباری ۸/ ۶۷ کتاب فضائل القرآن)

(۲) ابو العباس بن سریج فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تین امور کا ذکر ہے احکام وعدہ عہد اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سورۃ اخلاص ان میں سے تیسرے امر پر مشتمل ہے اس لیے اس کو تہائی قرآن کے مساوی قرار دیا علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس وجہ کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔

(۳) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں سب سے اہم تین چیزیں ہیں اللہ کی معرفت، آخرت کی معرفت اور صراط مستقیم کی معرفت یہ تین چیزیں سب سے اہم اور اصل ہین ان کے علاوہ بقیہ چیزیں ان کے تابع ہیں سورۃ اخلاص ان میں سے ایک یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہے اس لیے اسے تہائی قرآن مجید کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ (مجموع فتاوٰی ابن تیمیہ ۱۷/ ۱۰۴۔ ۱۲۲)

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اس بارے میں جتنی بھی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں سب جمع ہو سکتی ہیں۔ اور سورۃ اخلاص کو تہائی قرآن مجید کے مساوی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب تہائی قرآن کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔ (یہ حدیث ضعیف ہے، یمان بن المغیرہ ضعیف راوی ہے، اس راوی کی روایتیں صرف ترمذی میں ہیں)۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْمُعَوِّذَتَيْنِ

باب ۱۱: پناہ میں رکھنے والی دو سورتوں کی فضیلت

(۲۸۲۷) قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیَّ اٰيَاتٍ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَةِ وَ (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ) اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَةِ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل کی ہیں جن کی مثل کوئی آیات دکھائی نہیں دیں وہ سورہ الفلق اور سورہ الناس ہیں۔

(۲۸۲۸) اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ اَقْرَاَ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت کی میں ہر نماز کے بعد معوذتین کی تلاوت کیا کروں۔

تشریح: دنیا وآخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کا اصل ذریعہ ایک ہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دے اور اپنے عمل سے اس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے ان دونوں سورتوں میں سے پہلی یعنی سورۃ فلق میں دنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور دوسری سورت یعنی سورۂ ناس میں آخروی آفات سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں اس لیے ہر نماز کے بعد اور صبح وشام انہیں پڑھنے کا معمول رکھنا چاہئے تاکہ یہ فضائل حاصل ہو سکیں۔

تنبیہ: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن مجید کا حصہ نہیں مانتے تھے یہ ایک غلط بات ان کی

طرف منسوب کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں۔
اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو پھر ثقہ راویوں نے ایسی بے اصل بات کیونکر روایت کر دی؟
جواب یہ ہے کہ ان روایتوں کی حقیقت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن کا جزء تو مانتے ہوں لیکن کسی وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہ لکھا ہو۔ اور نہ لکھنے کی دو وجہیں بہت سی ہو سکتی ہیں؟ علامہ زاہد الکوثری نے فرمایا ہے کہ انہوں نے معوذتین کو اس لیے نہیں لکھا تھا کہ ان کے بھولنے کا کوئی ڈر نہ تھا کیونکہ یہ دو سورتیں ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف میں سورۃ فاتحہ بھی نہیں لکھی تھی۔
(تفسیر قرطبی ۱/ ۱۱۴، مقالات الکوثر ص ۱۶)

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ فَضْلِ قَارِئِ الْقُرْاٰنِ

باب ۱۲: قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کی فضیلت

(۲۸۲۹) اَلَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهٖ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُهٗ قَالَ هِشَامٌ وَهُوَ شَدِيْدٌ عَلَيْهِ قَالَ شُعْبَةُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ فَلَهٗ اَجْرَانِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہو اور وہ اسے پڑھنے میں ماہر ہو وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص اس کی تلاوت کرتا ہو (ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) یہ تلاوت کرنا اس کے لیے مشکل ہو (ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) اس کے لیے مشقت کا باعث ہو تو اسے دو اجر ملیں گے۔

(۲۸۳۰) مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص قرآن پاک پڑھے اسے یاد کرے اس کے حلال کو حلال سمجھے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھے تو اللہ تعالیٰ قران پاک کی وجہ سے اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا اور اسے اس کے گھر والوں میں سے دس افراد کے بارے میں شفاعت کا منصب دے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

تشریح: قرآن مجید وہ بیش بہا خزانہ ہے۔ جس کو اللہ رب العزت نے انسانی مخلوقات کے لئے بھیجا۔ اور اس کا مقصد کہ مخلوقات کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ بن جائے یہ تعلق اللہ رب العزت کے پہچانئے کہ بغیر نہیں حاصل ہوتا۔ یہ تعلق اللہ کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تو اس لئے قرآن مجید میں معرفت کا تذکرہ ہے۔ اس معرفت الٰہی کو اگر معرفت کا نام دیا جائے تو یا توحید کا نام دیا جائے، یا ایمان کا نام دیا جائے، یا "العِبَادَةُ لِلّٰهِ الوحدہ" کا نام دیا اس کا مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ رب العزت کو پہچانا جائے اور اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے حقوق ادا کئے جائیں اسی مقصد کیلئے اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو اتارا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا معلم بنا کر بھیجا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو اللہ رب العزت کا تعارف کروائیں۔ نبوت سے پہلے وہ اس بات کے انتہائی مشتاق

تھے کہ کوئی طریقہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ اللہ رب العزت سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ ان کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ کس طرح جوڑا جائے اس پروگرام کے لئے آپ ﷺ انتہائی مشتاق تھے۔ ﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ﴾ (النور: ۳۵)
جناب رسول اللہ ﷺ کا اصلاح فکر اور اصلاح سوچ مخلوق کا درد اور غم اتنا زیادہ تھا کہ اگر وحی نہ مل جائے تو پھر بھی لوگوں کی اصلاح کر سکتا تھے اخلاص کے ذریعے لیکن اللہ رب العزت نے وحی اتاری جب سوچ و فکر بھی انتہائی اعلیٰ تھی اور ساتھ وحی بھی مل گئی تو نورٌ علی نور ہو گیا۔ ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞﴾ (الضحیٰ: ۷) اور پایا آپ کو حیران و پریشان اصلاح مخلوقات کے لئے۔ آپ کی پریشانی کو ضال کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور ضلالت سے کہ غم و درد انتہائی زیادہ کہ ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞﴾ کہ آپ اس مشن کو معلوم کرنے کے لئے ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ کبھی پہاڑوں پر چڑھتے کہ اور غار حرا میں بیٹھ کر یہ سوچتے کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا۔
﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا﴾ (الشوریٰ: ۵۲) قرآن مجید کہ نزول سے پہلے ایمان کے بیان کو نہیں جانتے تھے۔ کہ لوگوں کو ایمان کس طرح سکھلایا جائے۔ تو اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو اتارا۔ لیکن ایک جھلکی سے آئی فرمایا:
﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞﴾ (العلق: ۱، ۲) پانچ آیات اتری اور طریقہ کار بھی بتایا کہ "اِقراء" کام آپ کا قراءت ہو گا اور معرفت الٰہی کو پہچاننا ہے تو فرمایا کہ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞﴾ اللہ کو پہچانا جاتا ہے۔

تشریح: اور قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، پس جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے گا یا کسی اور طرح سے اس سے مزاولت رکھے گا: اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے محبت ہو جائے گی، آگے یہ حدیث قدسی آرہی ہے، جس کو قرآن پاک میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھے، میں اس کو مانگنے والوں کو جو دیتا ہوں اس سے بہتر دیتا ہوں اور اللہ کے کلام کی برتری دوسرے کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ کی برتری اللہ کی مخلوق پر۔

تشریح: حدیث ①: ماہر قرآن کو جو اصلی اور فضلی ثواب ملتا ہے وہ عام ناظرہ خواں کے دو ثوابوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس لئے اس حدیث سے دوم کی اول پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

مع السفرة: سافر کی جمع ہے اس سے کون مراد ہے؟ متعدد اقوال ہیں: (۱) سفرۃ سے وہ مقرب فرشتے مراد ہیں جو لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کی کتابیں نقل کرتے ہیں یا کرام کاتبین یعنی انسانوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں۔
(۲) اس سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں کیونکہ یہ حضرات بھی اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔
(۳) اس سے وحی لکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور علماء امت بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ وہ بھی رسول ﷺ اور امت کے درمیان سفیر اور قاصد ہیں۔

لغات: **ماهر:** امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جسے قرآن مجید خوب اچھے طریقے سے یاد ہو بغیر کسی اٹکن کے پوری روانی سے پڑھتا ہو اور اس کے لیے قران پڑھنا کوئی مشکل اور دشوار نہ ہو۔ **السَّفرة:** سافر کی جمع ہے: لکھنے والے نمائندے بار کی جمع ہے نیک صالح **هو شديد عليه وهو عليه شاق** وہ قرآن مجید اس پر سخت یعنی مشکل سے پڑھتا ہے روانی سے نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھتا ہے۔ **استظرہ:** اس نے قرآن مجید کو یاد کیا۔ **احل:** اس نے حلال جانا حرم اس نے حرام جانا **شفعہ** (تفعیل سے) اللہ تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرمائیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ الْقُرْاٰنِ

باب ۱۳: قرآن کریم کی فضیلت

(۲۸۳۱) مَرَرْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ یَخُوْضُوْنَ فِی الْاَحَادِیْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَلِیٍّ فَقُلْتُ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَلَا تَرَی النَّاسَ قَدْ خَاضُوْا فِی الْاَحَادِیْثِ قَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ فَقُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِیْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَیْنَكُمْ وَهُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَی الْهُدٰی فِیْ غَیْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِیْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ هُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰی قَالُوْا (اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْۤ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ) مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَیْهِ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ خُذْهَا اِلَیْكَ یَا اَعْوَرُ.

ترجمہ: حارث اعور بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں مسجد میں آیا تو وہاں لوگ بات چیت میں مصروف تھے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی اے امیر المؤمنین کیا آپ نے لوگوں کو ملاحظہ فرمایا ہے وہ بات چیت میں مصروف ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کیا وہ لوگ ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا جی ہاں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے عنقریب ایک فتنہ آئے گا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بچنے کا راستہ کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد والوں کی بھی خبریں ہیں اور جو لوگ تمہارے زمانے کے ہیں ان کے بارے میں حکم ہے اور یہ فصل ہے کوئی مذاق نہیں جو شخص تکبر کی وجہ سے اسے ترک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور جو شخص اس کی بجائے کہیں اور سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ رہنے دے گا یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہ حکمت والا تذکرہ ہے اور یہ صراط مستقیم ہے جسے نفسانی خواہشات ٹیڑھا نہیں کر سکتیں اور زبانیں اس میں التباس پیدا نہیں کر سکتی ہیں اور اہل علم اس سے سیر نہیں ہوتے اور بکثرت تلاوت کرنے سے بھی یہ پرانا نہیں ہوتا اس کے عجائبات ختم نہیں ہوں گے۔ یہ وہی ہے جسے سننے کے بعد جن یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

ہم نے قرآن پاک کو سنا ہے یہ حیرت انگیز چیز ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو شخص اس کے مطابق بات کرے گا سچ کہے گا جو شخص اس پر عمل کرے گا اسے اجر دیا جائے گا اور جو شخص اس کے مطابق فیصلہ دے گا وہ انصاف سے کام لے گا اور جو شخص اس کی طرف دعوت دے گا اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی گئی تم اسے حاصل کرلو۔

تشریح: قولہ: ھو الذی لایزیغ بہ الاھواء: قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس سے خیالات میں کجی نہیں آتی، جیسے بعض کتابیں جو گمراہ لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں خیالات کو کج کر دیتی ہیں، ان کے پڑھنے سے ذہن بگڑ جاتا ہے، مگر قرآن کریم ایک ایسی

کتاب ہے جس سے کوئی غلط اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اور سورۃ الرعد میں جو ہے:

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ (الرعد: ۲۷)

آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں (نازل کردہ آیات سے) گمراہ کردیتے ہیں، اور جو شخص ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی اپنی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔"

اس کا جواب سورۂ ابراہیم میں:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ (ابراہیم: ۲۷)

"اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات (کلمہ طیبہ) کے ذریعے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں، اور ظالموں کو یعنی اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والوں کو پھسلا دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔"

یعنی گمراہی قرآن سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ انسان کی بے راہ روی اس کا سبب بنی ہے، جو شخص اپنا نفع نقصان نہیں سوچتا وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔

قوله: لاتلتبس به الالسنة: قرآن کے ساتھ زبانیں مشتبہ نہیں ہوتیں، یعنی اللہ کے کلام اور غیر کے کلام میں، حتیٰ کہ نبی ﷺ کے کلام میں بھی امتیاز کرنا آسان ہے، قرآن کریم کا اپنا انداز ہے، اور لوگوں کا کلام اس سے مختلف ہے۔

من تركه من جبار: جو شخص تکبر وغرور کی وجہ سے قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے ہلاکت وبرباد کردے گا علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قران مجید کی کسی ایسی آیت پر تکبر وانکار کی وجہ سے عمل کرنا چھوڑ دے جس پر عمل کرنا واجب ہے یا تکبر کی وجہ سے اس آیت کی تلاوت نہ کرے تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر ایک شخص کے دل میں قران کی عظمت وتقدس موجود ہے لیکن محض سستی یا کسی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کرتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں البتہ وہ تلاوت کے اجر سے محروم رہتا ہے۔

ولا تلتبس به الأهواء: اس جملے کے دو مطلب ہیں: (۱) قرآن مجید کی تلاوت مومنین کی زبانوں پر دشوار اور مشکل نہیں ہوتی اگرچہ ان کی زبان عربی نہ بھی ہو پھر بھی ان کی زبان آسانی سے قراءت کرلیتی ہے۔

(۲) قرآن کریم اپنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے اس بلند مقام پر ہے کہ دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی فصیح وبلیغ عبارت اور زبان مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ولا يشبع منه العلماء: مطلب یہ ہے کہ قرآن کے علوم ومعارف اتنے وسیع اور ہمہ گیر ہیں کہ بڑے سے بڑا عالم بھی اس کے تمام علوم اور باریکیوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ علماء کرام جب قرآنی علوم میں سے کسی مفہوم پر مطلع ہوجاتے ہیں تو ان کا شوق اور بڑھ جاتا ہے اور ان کی جستجو اور خواہش ہوتی ہے کہ اس سے بھی زیادہ کوئی بات معلوم ہوجائے یوں اس طلب خواہش اور تلاش وجستجو کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

ولا تنقضي عجائبه: اس کے عجائب یعنی انوکھی اور حیرت وتعجب میں ڈال دینے والی چیزیں ختم نہیں ہوتیں جیسے عطف تفسیری ہے کہ اس کی باریکیوں اور حکمتوں کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں نیز قرآن کے معنی ومفہوم کا احاطہ نہ کرسکنا علماء کا اس کے علوم سے سیر نہ ہونا

اور کثرت تلاوت سے اس کا پرانا نہ ہونا یعنی اس کی لذت سرور اور حلاوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ مزید اضافہ ہوتا ہے کہ یہ سب قران کے عجائب ہیں۔

پس لا یخلق اور لا یخلق دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم خواہ کتنا ہی پڑھا جائے: ہر مرتبہ وہ نیا کلام معلوم ہوتا ہے، اور اس میں جو حکم ونکات پوشیدہ ہیں وہ بے انتہا ہیں، قیامت تک علماء اس میں غور کرتے رہیں گے، اور نئی نئی باتیں نکالتے ہیں گے۔

لغات: اعور: کانی آنکھ والا۔ یخوضون فی الأحادیث: لوگ باتوں میں مشغول تھے۔ نبأ ما کان قبلکم: ان لوگوں کے حالات جو تم سے پہلے تھے وہ حکم ما بینکم وہ احکام قرآن میں ہیں جو تمہارے درمیان ضروری ہے یعنی ایمان وکفر طاعت ومعصیت حلال وحرام اور معاملات وغیرہ یہ تمام تفصیل اس میں موجود ہے۔ ھو الفصل: وہ حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے، من جبار تکبر وسرکشی کی وجہ سے۔ قصمه: اللہ تعالیٰ اسے ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ حبل: رسی۔ المتین: مضبوط ومستحکم۔ الذکر: ایسی چیز جس سے اللہ تعالیٰ یاد آئیں یا جس سے لوگ وعظ ونصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ لا تزیغ به: قرآن کی اتباع کی وجہ سے حق سے مائل نہیں ہوتیں کجروی اختیار نہیں کرتیں الاھواء: ھوی کی جمع ہے نفسانی خواہشات لا تلتبسن مخلوط نہیں ہوتیں ہلتی نہیں الالسنة لسان کی جمع ہے زبانیں لا یشبع سیر نہیں ہوتے لا یَخلُق پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا عن کثرة الرد زیادہ پڑھنے اور دہرانے سے لا تنقضی ختم نہیں ہوتے عجائبه: عجیبة کی جمع ہے حیرت انگیز اشیاء باعث تعجب امور۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ

باب ۱۴: قرآن کریم کی تعلیم کا اجر

(۲۸۳۲) خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(۲۸۳۳) خَيْرُكُمْ اَوْ اَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا شخص وہ ہے جو قرآن پاک کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(۲۸۳۴) خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن پاک کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنَ الْقُرْاٰنِ مَالَهٗ مِنَ الْاَجْرِ؟

باب ۱۵: جو شخص قرآن کا ایک حرف پڑھے اس کے لئے کتنا ثواب ہے؟

(۲۸۳۵) مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے اسے اس کے عوض میں ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس گنا کے برابر ہوتی ہے میں یہ نہیں کہتا الم ایک حرف ہے بلکہ الف، ایک حرف ہے ل ایک حرف ہے اور م ایک حرف ہے۔

(۲۸۳۸) يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ قَرَأَ وَاِقْرَأْ وَارْتَقِ ارتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَاُ بِهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قرآن پاک کے حافظ سے کہا جائے گا تم تلاوت شروع کرو اور (جنت کے درجات) پر چڑھنا شروع کرو اور اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر جیسے تم دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے تمہاری منزل وہ ہوگی جب تم آخری آیت کو تلاوت کرو گے۔

(۲۸۳۹) يَجِيْءُ الْقُرْاٰنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ حَلِّهٖ فَيُلْبَسُ تَاجَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَارَبِّ زِدْهُ فَيُلْبَسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَارَبِّ اِرْضَ عَنْهُ فَيَرْضَى عَنْهُ فَيُقَالُ لَهٗ اقْرَأْ وَارْقَ وَتُزَادُ بِكُلِّ اٰيَةٍ حَسَنَةً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن قرآن پاک کا حافظ آئے گا وہ قرآن پاک عرض کرے گا اے میرے پروردگار اسے خلعت فاخرہ سے نواز تو اس حافظ قرآن کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا پھر وہ (قرآن پاک) عرض کرے گا اے میرے پروردگار اس میں اضافہ فرما تو اس شخص کو کرامت کا جوڑا پہنایا جائے گا پھر قرآن پاک عرض کرے گا اے میرے پروردگار تو اس سے راضی ہو جا تو اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہو جائے گا پھر اس (حافظ قرآن کو) کہا جائے گا تم قراءت کرنا شروع کرو اور (جنت کے درجات پر) چڑھنا شروع کرو (اور اس تلاوت کے دوران) ہر آیت کے عوض میں ایک نیکی مزید ملے گی۔

۲۸۴۱۔ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْاَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يَّقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَسْاَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ.

ترجمہ: حسن نامی راوی بیان کرتے ہیں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا گزر ایک قاری کے پاس سے ہوا جو تلاوت کر رہا تھا تو اس نے (یہ قراءت سنا کر) کچھ مانگا تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ارشاد فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص قرآن پاک پڑھے تو وہ اس کے عوض میں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگے عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن پاک پڑھیں گے اور قرآن پاک کے عوض میں لوگوں سے مانگیں گے۔

قرآن کریم اللہ کے تقرب کا بہترین ذریعہ ہے

(۲۸۳۶) مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِيْ شَيْءٍ اَفْضَلَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلٰى رَاْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِيْ صَلَاتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ قَالَ اَبُو النَّضْرِ يَعْنِي الْقُرْاٰنَ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بندے کی کسی بھی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا وہ دو رکعات (میں کی گئی تلاوت) کو سنتا ہے بندہ وہ دو رکعات ادا کرتا ہے اور اس دوران نیکی بندے کے سر پر چھڑکی جاتی ہے جب تک وہ اس نماز میں مصروف رہتا ہے اور بندہ کسی بھی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل نہیں کرتا جتنا اس چیز کے ذریعے کرتا ہے جو اس کی ذات کی طرف سے آئی ہے۔ ابوالنضر نامی بیان کرتے ہیں اس سے مراد قران پاک ہے۔

جو پیٹ قرآن سے خالی ہے وہ اجڑا ہوا گھر ہے

(۲۸۳۷) اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص ذہن میں قرآن پاک کا کوئی بھی حصہ نہ ہو اس کی مثال اجڑے ہوئے گھر کی طرح ہے۔

قرآن کریم کو بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے

(۲۸۴۰) عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِيْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اٰيَةٍ اُوْتِيْهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے سامنے میری امت کے اجر پیش کئے گئے یہاں تک کہ اس تنکے کو بھی پیش کیا گیا جو کسی شخص نے مسجد میں سے نکالا تھا پھر میرے سامنے میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں دیکھا کہ قرآن پاک کی کوئی سورت یا آیت جس کا علم کسی شخص کو دیا گیا ہو پھر وہ شخص اسے بھول گیا جائے۔

تشریح: قرآن کی کسی سورت کو حفظ کرنے کے بعد بھول جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن مجید کے بھول جانے سے کیا مراد ہے؟ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک بھول جانے سے مراد یہ ہے کہ نہ زبانی پڑھ سکے اور نہ دیکھ کر پڑھ سکے۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے قران مجید حفظ کیا پھر اسے بھول گیا کہ اب وہ زبانی نہیں پڑھ سکتا اگرچہ دیکھ کر پڑھ سکتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۵/۷۲،۸۱ کتاب فضائل القرآن)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ معراج کی رات میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بہت سے مناظر اور عذاب میں مبتلا لوگ دکھلائے گئے ہیں ان میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ امت کے نیک اعمال کے اجر وثواب اور برے اعمال اور گناہ بھی آپ کے سامنے پیش کئے

گئے ہیں اگر کسی نے مسجد سے ایک تنکا بھی نکالا تھا تو اس نیکی کو بھی دکھایا گیا اور فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان نے پہلے حفظ کیا اور پھر اسے بھلا دیا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی نے مسجد سے تنکا نکالا جو بظاہر ایک معمولی سی چیز ہے لیکن اس نے یہ عمل چونکہ اللہ کے گھر کی تعظیم اور عظمت کی وجہ سے سرانجام دیا اس لیے اللہ کی نظر میں یہ عمل بھی عظیم ہو گیا اور قرآن کے بھلا دینے کو گناہ کبیرہ میں شمار فرمایا کیونکہ اس شخص نے اللہ کے کلام کی ناقدری کی گویا اپنے عمل سے ایک عظیم چیز کو حقیر سمجھا تو اس کا یہ عمل سب سے بڑا گناہ قرار پایا۔

قرآن کریم کے ذریعہ سوال نہ کیا جائے

(۲۸۴۲) مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ.

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص قرآن پاک کی حرام کی ہوئی اشیاء کو حلال سمجھے تو اس نے قرآن پاک پر ایمان نہیں رکھا۔

تشریح: مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ: جو کوئی شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کا حلال جانے اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چیزیں حرام قرار دی ہیں اگر کوئی شخص انہیں حلال اور جائز سمجھے تو اس نے قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ کافر ہے۔

(۲) ایک شخص قران کی حرام کردہ چیزوں کو حلال تو نہیں سمجھتا حرام ہی جانتا ہے لیکن کبھی اس ممنوع اور حرام چیز کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان تو ہے لیکن کامل نہیں اگر ایمان کامل ہوتا تو پھر اس طرح کی غلطی نہ کرتا گویا مسلمان کو اس بات کی تاکید کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر زندگی گزارے قران مجید کی کامل اتباع اور پیروی کرے کہ اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

قرآن کریم جہراً پڑھنا افضل ہے یا سراً؟

(۲۸۴۳) اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے بلند آواز میں تلاوت کرنے والا اعلانیہ طور پر صدقہ کرنے والے کی مانند ہے اور پست آواز میں تلاوت کرنے والا چھپ کر صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سراً قرآن کریم پڑھنا جہراً پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ پوشیدہ خیرات کرنا علانیہ خیرات کرنے سے افضل ہے، اور اس کی وجہ اہل علم کے نزدیک یہ ہے کہ سراً قرآن کریم پڑھنے والا خود پسندی سے بچا رہتا ہے۔ جو پوشیدہ عمل کرتا ہے اس کے حق میں خود پسندی کا اتنا خطرہ نہیں: جتنا برملا عمل کرنے والے کے حق میں ہے (امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی بات پوری ہوئی)۔

مگر پوشیدہ خیرات کرنا ہر حال میں افضل نہیں، کبھی برملا خیرات کرنا بھی افضل ہوتا ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۷۱) میں ہے:

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۷۱)

ترجمہ: "اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھی بات ہے، اور اگر ان کا اخفا کرو اور فقیروں کو دو تو یہ اخفاء تمہارے لئے بہتر ہے۔"

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث دونوں طرح کی منقول ہیں بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلند آواز سے تلاوت کرنا افضل ہے جبکہ دیگر بعض سے آہستہ آواز سے قرآن پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بظاہر تعارض ہے؟

جواب: دونوں قسم کی احادیث میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ آہستہ آواز سے قران پڑھنا اس شخص کے حق میں بہتر ہے جسے ریا کا اندیشہ ہو اور بلند آواز سے قرأت کرنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جسے ریا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو بشرطیکہ بلند آواز سے قرأت کی وجہ سے کسی نمازی سونے والے یا کسی اور کو تکلیف نہ پہنچے اور اُونچی آواز سے پڑھنا اس لیے افضل ہے کہ اس میں دوسرے لوگوں کے لیے بہت سے فوائد ہیں مثلاً دوسرے لوگ سن سن کر سیکھ سکتے ہیں قرآن سننے سے انہیں ثواب ہوگا دوسروں کو عبادت کا شوق پیدا ہوگا پڑھنے والے کا دل بیدار رہتا ہے اس کی توجہ یکجا رہتی ہے۔

سونے سے پہلے کون سی سورتیں پڑھے؟

(۲۸۴۴) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَنَامُ عَلٰى فِرَاشِهٖ حَتّٰى يَقْرَاَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَالزُّمَرَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے۔

(۲۸۴۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَاُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ يَّرْقُدَ وَيَقُوْلُ اِنَّ فِيْهِنَّ اٰيَةً خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ اٰيَةٍ.

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سَبَّحَ سے شروع ہونے والی سورتوں کو سونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے آپ فرماتے تھے ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔

تشریح: ان فیھن ایۃ خیر من الف ایۃ: جس میں چند اقوال ہیں:

(۱) اس سے سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ ... الخ﴾ مراد ہیں، اس صورت میں ﴿فِيْهِنَّ﴾ سے "فی مجموعھن" مراد ہے کہ ان تمام سورتوں کے مجموعے میں ایک روایت ہے۔

(۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے سورۃ حدید کی آیت ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ﴾ (الحدید:۳) مراد ہے۔

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے وہ آیت مراد ہے جو تسبیح کے مادے سے شروع کی گئی ہے چنانچہ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ (الاسراء:۱)... ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الحدید:۱)... ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ﴾ (الجمعہ:۱) یہ تمام آیتیں اس فضیلت کی حامل ہیں۔

(۴) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تمام سورتوں میں سے کسی ایک آیت کو متعین کرنا مشکل ہے یہ بھی ایک مخفی آیت ہے جس طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن کی ساعت مقبول پوشیدہ رکھی گئی ہے تاکہ ہر مسلمان ذرا محنت اور کوشش کر کے اسے تلاش کرے اسی طرح ان سات سورتوں میں لاعلی التعین ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے اور مقصد یہاں بھی یہی ہے کہ اس آیت کو حاصل کرنے کے لیے ان تمام سورتوں کی تلاوت کی جائے کسی ایک کو متعین نہ کیا جائے۔ (شرح طیبی: ۴/۲۵۶، مرقاۃ: ۵/۴۷)

سورۃ الحشر کی آخری تین آیتوں کی فضیلت

(٢٨٤٦) مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَقَرَأَ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ مِّنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَّمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ.

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" تین مرتبہ پڑھنے کے بعد سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتے ہیں۔ جو اس کے لئے شام تک مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ ہیں اور اگر وہ اس دن مرجائے تو اس کا شمار شہیدوں میں ہوتا ہے۔ نیز اگر کوئی شام کو پڑھے گا تو اسے بھی یہی مرتبہ عطاء کیا جائے گا۔

مَا جَاءَ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ؟

نبی ﷺ کس طرح قرآن پڑھتے تھے؟

قرآن کریم کی تبلیغ ضروری ہے:

تشریح: نبی ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد پہلے طائف گئے تھے، اور قبیلہ ثقیف کو دعوت دی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو ٹھکانہ دیں، مگر انھوں نے انکار کر دیا، آپ ﷺ مکہ واپس آئے اور حج کے موسم میں عرب کے قبائل کے سامنے خود کو پیش کیا، مگر کوئی تیار نہ ہوا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے قبیلہ میں لے جائے، اور آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کرے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے انصار نے ہامی بھری، اور انھوں نے منی کی گھاٹی میں آپ ﷺ سے بیعت کی، اور وہ آپ ﷺ کو مدینہ منورہ لے گئے اسی لئے آپ ﷺ نے ان کا نام انصار رکھا۔ اور یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ ان ابواب میں شاید اس لئے لائے ہیں کہ جب آپ ﷺ لوگوں (غیر مسلموں) کے سامنے قرآن پڑھتے تھے تو ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے تاکہ وہ قرآن میں غور کریں، اور قرآن کے مضامین سے فائدہ اٹھائیں۔

باب ١٦: قرآن کریم کی دو خاص فضیلتیں

(٢٨٤٧) اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَلَاتِهٖ فَقَالَتْ مَا لَكُمْ وَصَلَاتَهٗ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ يُصَلِّيْ قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهٗ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُّفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا.

ترجمہ: یعلی بن مملک بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی قرأت اور (نفلی) نماز کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا انہوں نے جواب دیا تمہارا نبی ﷺ کی نماز سے کیا واسطہ؟ آپ ﷺ نوافل بھی ادا کرتے

تھے اور اتنی دیر کے لیے سو بھی جایا کرتے تھے جتنی دیر آپ ﷺ نے نوافل ادا کئے ہوتے تھے پھر آپ ﷺ اتنی دیر نوافل ادا کرتے تھے جتنی دیر آپ ﷺ سوئے رہتے تھے پھر آپ ﷺ اتنی دیر سو جاتے تھے جتنی دیر آپ ﷺ نے نوافل ادا کئے ہوتے تھے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی تھی۔

(۲۸۴۸) سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ كَانَ يُوْتِرُ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ اَوْ مِنْ اٰخِرِهٖ فَقَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَصْنَعُ رُبَّمَا اَوْتَرَ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اَوْتَرَ مِنْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً فَقُلْتُ كَيْفَ كَانَ قِرَاءَتُهٗ اَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ اَمْ يَجْهَرُ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ يَفْعَلُ قَدْ كَانَ رُبَّمَا اَسَرَّ وَ رُبَّمَا جَهَرَ قَالَ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً قَالَ قُلْتُ فَكَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِي الْجَنَابَةِ اَكَانَ يَغْتَسِلُ قَبْلَ اَنْ يَنَامَ اَمْ يَنَامُ قَبْلَ اَنْ يَغْتَسِلَ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فَنَامَ وَرُبَّمَا تَوَضَّاَ فَنَامَ قُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً.

ترجمہ: عبداللہ بن ابوقیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کی وتر کی نماز کے بارے میں دریافت کیا نبی اکرم ﷺ کس وقت وتر ادا کرتے تھے؟ رات کے ابتدائی حصے میں یا آخری حصے تو انہوں نے جواب دیا ہر وقت میں کر لیا کرتے تھے بعض اوقات آپ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں ادا کر لیتے تھے اور بعض اوقات رات کے آخری حصے میں وتر ادا کر لیتے تھے تو میں نے کہا ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ جس نے اس معاملے میں کشادگی رکھی ہے پھر میں نے دریافت کیا نبی اکرم ﷺ کی قرأت کس طرح ہوتی تھی؟ آپ ﷺ پست آواز میں قرأت کرتے تھے؟ یا بلند آواز میں کرتے تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا ہر طرح کر لیتے تھے تو راوی کہتے ہیں میں نے کہا ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جس نے اس معاملے میں بھی کشادگی رکھی ہے راوی کہتے ہیں پھر میں نے دریافت کیا نبی اکرم جنابت کی صورت میں کیا کرتے تھے؟ کیا آپ ﷺ سونے سے پہلے غسل کر لیتے تھے یا غسل کیے بغیر ہی سو جایا کرتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ہر طرح کر لیتے تھے بعض اوقات آپ ﷺ پہلے غسل کرتے تھے اور پھر سوتے تھے بعض اوقات صرف وضو کر کے سو جایا کرتے تھے میں نے کہا ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اس معاملے میں کشادگی رکھی ہے۔

(۲۸۴۹) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ يَعْرِضُ نَفْسَهٗ بِالْمَوْقِفِ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِيْ اِلٰى قَوْمِهٖ فَاِنَّ قُرَيْشًا مَنَعُوْنِيْ اَنْ اُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّيْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (ابتدائے اسلام میں تبلیغ کے لیے) نبی اکرم ﷺ میدان عرفات میں لوگوں کے سامنے جاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کیا کوئی شخص مجھے اپنی قوم کے پاس لے کر جائے گا کیونکہ قریش نے مجھے اس بات سے روکنے کی کوشش کی ہے میں اپنے پروردگار کے کلام کی تبلیغ کروں۔

(۲۸۵۰) يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَ مَسْاَلَتِيْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي

السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس شخص کو قرآن پاک میرا ذکر کرنے سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھے میں اسے زیادہ افضل عطا کروں گا جو مانگنے والوں کو عطا کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق پر حاصل ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے لہٰذا ان میں سے جو تمہارے لیے آسان ہو اس طریقہ سے پڑھ لو۔ اس میں سات حروف سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں محقق علماء کرام کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو قراءتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں ہیں ان میں باہمی فرق اور اختلاف سات نوعیتوں پر مشتمل ہے ان نوعیتوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اسما کا اختلاف جس میں افراد تثنیہ جمع مذکر و مؤنث کا اختلاف داخل ہے۔ مثلاً ایک قرأت میں تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ ہے اور دوسری قرأت میں تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ ہے۔

(۲) افعال کا اختلاف ہے کہ کسی قرأت میں صیغہ ماضی ہے کسی میں مضارع اور کسی میں امر ہے مثلاً ایک قرأت میں رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ہے اور دوسری قرأت میں اس جگہ رَبَّنَا بَعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ہے۔

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف: جس میں اعراب یا زیر زبر اور پیش کا فرق پایا جاتا ہے مثلاً لَا يُضَارَّ كَاتِبٌ کی جگہ لَا يُضَارِّ كَاتِبٌ اور ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ کی جگہ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ۔

(۴) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قرأت میں تجری من تحتها الانهار ہے اور دوسری میں تجری تحتها الانهر ہے۔

(۵) تقدیم وتاخیر کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم ہے اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً: ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ (ق:۱۹) ہے اور دوسری قرأت میں وجاءت سكرة الحق بالموت ہے۔

(۶) بدلیت کا اختلاف ہے کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قرأت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً نُنْشِزُهَا اور نَنْشُرُهَا نیز فتبينوا اور فتثبتوا اور طلح اور طلع۔

(۷) لہجوں کا اختلاف: جس میں تفخیم ترقیق، امالہ، مد قصر، ہمز، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلاف داخل ہیں یعنی اس میں لفظ تو نہیں بدلتا لیکن اس کے پڑھنے کا طریقہ بدل جاتا ہے مثلاً لفظ موسیٰ کو ایک قراءت میں موسیٰ کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

بہر حال اختلاف قراءت کی ان سات نوعیتوں کے تحت بہت سی قرائتیں نازل ہوئی تھیں اور ان کے باہمی فرق سے معنی میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہوتا تھا صرف تلاوت کی سہولت کے لیے ان کی اجازت دی گئی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تلاوت قرآن کے معاملے میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے اپنے عہد خلافت میں قرآن کریم کے سات نسخے تیار کرائے اور ان سات نسخوں میں تمام قرأتوں کو اس طرح سے جمع فرمایا کہ قرآن کریم کی آیتوں پر نقطے اور زبر زیر اور پیش نہیں لگائے تا کہ انہی مذکورہ قراءتوں میں سے جس قراءت کے مطابق چاہیں پڑھ سکیں یوں اکثر قراءتیں اس رسم الخط میں سما گئیں اور جو قراءتیں اس رسم الخط میں نہ سما سکیں ان کو محفوظ رکھنے کا طریقہ آپ نے یہ اختیار فرمایا کہ ایک نسخہ آپ نے ایک قراءت کے مطابق لکھا اور دوسرا دوسری قراءت کے مطابق امت نے ان نسخوں میں جمع شدہ قراءتوں کو یاد رکھنے کا اس قدر اہتمام کیا کہ علم قراءت ایک مستقل علم بن گیا اور سینکڑوں علماء قراء اور حفاظ نے اس کی حفاظت میں اپنی عمریں خرچ کر دیں۔

سات قراء؟ علامہ ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل سے جو سات قاری سب سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں وہ یہ ہیں

(۱) عبداللہ بن کثیر الداری (متوفی ۱۲۰ھ) آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم کی زیارت کی تھی۔ آپ کی قراءت مکہ مکرمہ میں زیادہ مشہور ہوئی اور آپ کی قراءت کے راویوں میں بزی اور قنبل زیادہ مشہور ہیں۔

(۲) نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم (متوفی ۱۶۹ھ) آپ نے ستر ایسے تابعین سے استفادہ کیا تھا جو براہ راست حضرت ابی بن کعب عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے آپ کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ مشہور ہوئی اور آپ کے راویوں میں ابو موسیٰ قالون اور ابو سعید ورش زیادہ مشہور ہیں۔

(۳) عبداللہ حصبی جو ابن عامر کے نام سے معروف ہیں (متوفی ۱۱۸ھ) آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی زیارت کی تھی اور قراءت کا فن حضرت مغیرہ بن شہاب مخزومی سے حاصل کیا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے آپ کی قرائت کا زیادہ رواج شام میں رہا اور آپ کی قرائت کے راویوں میں ہشام اور ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔

(۴) ابو عمرو بن زبان بن علاء (متوفی ۱۵۴ھ) آپ نے حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ کی قرائت بصرہ میں زیادہ مشہور ہوئی اپ کی قراءت کے راویوں میں ابو عمرو والدوری اور ابو شعیب سوسیٰ زیادہ مشہور ہیں۔

(۵) حمزہ بن حبیب الزیات مولی عکرمہ بن ربیع التیمی (متوفی ۱۸۸ھ) آپ سلیمان اعمش کے شاگرد ہیں وہ یحییٰ بن وثاب کے وہ زرین بن حبیش کے اور انہوں نے حضرت عثمان، حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا تھا اپ کے راویوں میں خلف بن ہشام اور خلاد بن خالد زیادہ مشہور ہیں۔

(۶) عاصم بن ابی النجود الاسدی (متوفی ۱۲۷ھ) آپ زرین حبیش کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابو عبدالرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں آپ کی قرائت کے راویوں میں شعبہ بن عیاش اور حفظ بن سلیمان زیادہ مشہور ہیں آج کل عموماً تلاوت انہیں حفظ بن سلیمان کی روایت کے مطابق ہوتی ہے۔

(۷) ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی نحوی (متوفی ۱۸۹ھ) ان کے راویوں میں ابوالحارث مروزی اور ابوعمر الدوری زیادہ مشہور ہیں مؤخر الذکر تینوں حضرات کی قراءتیں زیادہ تر کوفہ میں رائج ہوئیں۔ لیکن جیسا کہ پیچھے عرض کیا جاچکا ہے ان سات کے علاوہ اور بھی کئی قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں چنانچہ جب بعد میں یہ غلط فہمی پیدا ہونے لگی کہ صحیح قراءتیں ان سات ہی میں منحصر ہیں تو متعدد علماء نے سات کے بجائے دس قراءتیں ایک قراءت میں جمع فرمائیں اسی سے قراءت عشرہ کی اصطلاح مشہور ہوگئی ان دس قراءتوں میں مندرجہ بالا سات قراء کے علاوہ ان تین حضرات کی قراءتیں بھی شامل کی گئیں۔

(۱) یعقوب بن اسحاق حضرمی (متوفی ۲۰۵ھ) آپ کی قراءت زیادہ تر بصرہ میں مشہور ہوئی۔

(۲) خلف بن ہشام (متوفی ۲۰۵) جو حمزہ کی قراءت کے بھی راوی ہیں آپ کی قرائت کوفی میں زیادہ رائج تھی۔

(۳) ابوجعفر یزید بن قعقاع (متوفی ۱۳۰ھ) ان کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ مشہور ہوئی

دس قراءتیں صحیح قول کے مطابق متواتر ہیں اور ان کے علاوہ شاذ ہیں۔

مَا جَآءَ فِیْ قِرَاءَةِ: مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

باب ۱: مالک اور ملک کی قراءتیں

(۲۸۵۱) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ يَقْرَأُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ وَكَانَ يَقْرَأُهَا مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ قرأت میں وقف کیا کرتے تھے آپ ﷺ پہلے (الحمد لله رب العالمين) پڑھتے تھے پھر ٹھہر جاتے تھے پھر (الرحمٰن الرحيم) پڑھتے تھے پھر ٹھہر جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے (ملك يوم الدين)۔

(۲۸۵۲) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَاُرَاهُ قَالَ وَعُثْمَانَ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ (راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ کیا ہے) یہ آیت اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: سورۂ فاتحہ کی تیسری آیت ہے: (مالك يوم الدين): عاصم اور کسائی رحمہما اللہ نے اس کو مالك (الف کے ساتھ) اور باقی قراء نے ملك (الف کے بغیر اور ل کے زیر کے ساتھ) پڑھا ہے، ابوعبید قاسم بن سلام بغدادی رحمہ اللہ بھی ملك پڑھتے تھے، اور اسی کو ترجیح دیتے تھے، آپ لغت حدیث کے امام ہیں اور فن قراءت میں آپ کی تصنیف ہے، مگر آپ کا شمار قراء سبعہ میں نہیں۔ اور ملک کے معنی ہیں: بادشاہ، اور بادشاہ مالک ہوتا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ روایتیں اگرچہ دونوں قراءتوں کی مضبوط نہیں، مگر مسئلہ کا مدار روایات پر نہیں، بلکہ نقل و تواتر اور تعامل پر ہے،

اورقراءسبعہ سے دونوں قراءتیں متواتر منقول ہیں، اس لئے دونوں صحیح ہیں۔

مَاجَاءَ فِی قِرَاءَةِ: اَلْعَيْنُ بِالْعَيْنِ

باب ۲: العین (مرفوع) کی قراءت

(۲۸۵۳) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَاءَ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی (ان النفس بالنفس والعین بالعین)۔

تشریح: سورۃ المائدہ آیت ۴۵ اس طرح ہے: ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) پر اس (تورات) میں یہ بات لکھ دی کہ جان کے بدلے میں جان، آنکھ کے بدلے میں آنکھ، ناک کے بدلے میں ناک، کان کے بدلے میں کان، دانت کے بدلے میں دانت، اور زخموں یں برابری ہے۔

مذکورہ احادیث میں چند قراءتوں کا ذکر ہے۔

اس آیت میں العین اور الانف وغیرہ النفس پر معطوف ہیں، اس لئے سب منصوب ہیں، اور دوسری قراءت میں یہ سب مرفوع ہیں، وہ ان کے اسم کے محل پر عطف کرتے ہیں، ان: جملہ اسمیہ خبریہ پر داخل ہوتا ہے، اور اس کا اسم درحقیقت مبتدا ہوتا ہے، اس لئے محلاً مرفوع ہوتا ہے، چنانچہ اس پر عطف کر کے بعد کے سب الفاظ مرفوع پڑھے گئے ہیں، کسائی نے والجروح تک سب کو مرفوع پڑھا ہے، اور ابن کثیر، ابوعمرو اور ابوعامر نے صرف الجروح کو مرفوع پڑھا ہے اور باقی سب قراء نے سب کو منصوب پڑھا ہے۔

مَاجَاءَ فِی قِرَاءَةِ: هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ

باب ۳: هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ کی قراءت

(۲۸۵۴) اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (هَلْ تَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ).

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ (ھل تستطیع ربك).

تشریح: سورۃ المائدہ آیت ۱۱۲ ہے: ﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ وہ وقت قابل ذکر ہے جب حواریین نے عرض کیا: اے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام! کیا آپ کے پروردگار ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا اتاریں؟ آپ نے جواب دیا: خدا سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو، یعنی بے ضرورت معجزات کی فرمائش مت کرو۔

(۲) سورۃ مائدہ آیت نمبر ۱۱۲ میں ہے: ﴿هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ﴾ یعنی خطاب کا صیغہ ہے شروع میں تا ہے اور ربک کی باء پر زبر ہے

یہ امام کسائی کی قراءت ہے اور مشہور قراءت میں ﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ﴾ ہے یعنی غائب کا صیغہ ہے اور لفظ رب کی باء پر پیش ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ

باب ۴: ﴿اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ کی قراءت

(۲۸۵۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَؤُهَا ﴿اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾.

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھتے تھے: ﴿اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾۔

(۲۸۵۶) اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَرَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾.

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھتے تھے: ﴿اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾۔

تشریح: (۳) سورہ ھود (آیت نمبر ۴۶) میں ہے ﴿اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ اس میں امام کسائی اور یعقوب رحمہما اللہ کے نزدیک لفظ عمل فعل ماضی کا صیغہ ہے یعنی عین پر زبر اور میم کے نیچے زیر کے ساتھ اور لفظ غیر پر زبر ہے اور باقی تمام قراء کے نزدیک لفظ عمل اسم ہے یعنی عین اور میم پر زبر اور لام پر تنوین ہے اور لفظ غیر پر زبر ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا

باب ۵: من لدنی عذرا کی قراءت

(۲۸۵۷) اَنَّهُ قَرَأَ ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾ مُثَقَّلَةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾ (الکہف:۷۶) یعنی آپ ﷺ نے اس میں شد پڑھی۔

تشریح: (۴) سورۃ کہف (آیت نمبر ۷۶) میں ہے ﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾ اس میں لفظ لدنی میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت میں نون تشدید ہے یہی مشہور قراءت ہے اور امام نافع کی قراءت میں نون تخفیف کے ساتھ ہے اس میں تشدید نہیں ہے۔

مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ: فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ

باب ۶: ﴿فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ کی قراءت

(۲۸۵۸) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ ﴿فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت یوں پڑھی: ﴿فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾۔

تشریح: سورۃ کہف (آیت نمبر ۸۶) میں ہے ﴿فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ﴾ اس میں دو قراءتیں ہیں اور دونوں ہی مشہور ہیں ایک حمئة ہے (یعنی حاء پر زبر میم کے نیچے زیر اور ہمزے پر زبر کے ساتھ) اور دوسری قراءت حامیہ ہے یعنی حا اور میم کے درمیان الف کے ساتھ معنی دونوں قراءتوں میں ایک ہی ہے یعنی کیچڑ سڑی ہوئی کالی مٹی۔

مَاجَاءَ فِیْ قِرَاءَةِ: غُلِبَتِ الرُّوْمُ

باب ۷: غلبت الروم کی قراءت

(۲۸۵۹) لَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ ظَهَرَتِ الرُّوْمُ عَلٰی فَارِسَ فَأَعْجَبَ ذٰلِكَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَنَزَلَتْ ﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝﴾ إِلٰی قَوْلِهٖ ﴿یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ قَالَ فَفَرِحَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِظُهُوْرِ الرُّوْمِ عَلٰی فَارِسَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں غزوہ بدر کے موقع پر یہ اطلاع ملی اہل روم اہل فارس پر غالب آ گئے ہیں اہل ایمان کو یہ بات اچھی لگی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝﴾ یہ آیت یہاں تک ہے ﴿یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ راوی بیان کرتے ہیں مسلمان اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ اہل روم ایرانیوں پر غالب آ گئے ہیں۔

تشریح: (۶) سورۃ روم میں ہے: ﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝﴾ ...... ﴿سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۝﴾ اس میں غلبت میں دو قراءتیں ہیں قراءت میں غین پر پیش اور لام کے نیچے زیر ہے اور یہی مشہور قراءت ہے مطلب یہ ہے کہ اہل فارس رومیوں پر غالب آ گئے اور رومی مغلوب ہو گئے اور دوسری قراءت میں یہ صیغہ معروف ہے یعنی غین اور لام دونوں پر زبر ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ غلبت اگر معروف پڑھا جائے تو پھر بعد میں لفظ سیغلبون کو صیغہ مجہول پڑھا جائے گا معنی یہ ہیں کہ رومی لوگ شام پر غالب آ گئے ہیں لیکن عنقریب یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد سالوں میں رومیوں کے بہت سے علاقے مسلمانوں نے فتح کر لیے تھے۔

مَاجَاءَ فِیْ قِرَاءَةِ: مِنْ ضُعْفٍ

باب ۸: من ضعف کی قراءت

(۲۸۶۰) أَنَّهٗ قَرَأَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ فقال ﴿مِنْ ضَعْفٍ﴾۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ﴿مِنْ ضَعْفٍ﴾ پڑھو۔

تشریح:۔ سورۃ روم (آیت نمبر ۵۴) میں ہے ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ اس میں لفظ ضعف کی دو طرح سے پڑھا گیا ہے ضاد پر زبر اور پیش کے ساتھ۔ نسفی فرماتے ہیں کہ امام عاصم اور حمزہ کی قراءت میں ضاد پر زبر ہے اور باقی حضرات کے ہاں ضاد پر پیش ہے یہی راجح قراءت ہے اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے

سامنے لفظ ضُعْفٍ کو زبر کے ساتھ پڑھا تو نبی کریم ﷺ نے مجھے پیش کے ساتھ پڑھایا۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ ضعف پیش کے ساتھ قریش کی لغت ہے اور زبر کے ساتھ لغت تمیم ہے۔

مَاجَاءَ فِیْ قِرَاءَةِ: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

۹: ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ کی قراءت

(۲۸۶۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾.

تَرْجَمَہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھا کرتے تھے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾۔

تَشْرِیْح: سورہ قمر (آیت نمبر ۳۲) میں ہے کہ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ اس میں لفظ مدکر میں دو قرائتیں ہیں قراءت حفص میں دال کے ساتھ ہے دوسری قرائت میں ذال کے ساتھ ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّذَّكِرٍ﴾ ذال کے ساتھ پڑھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (دال کے ساتھ)۔ مدکر اصل مین مذتکر ہے تاء افتعال کو دال سے بدل دیا پھر اس کی وجہ سے ذال کو دال سے بدل کر ادغام کر دیا تو مدکر ہو گیا۔

مَاجَاءَ فِیْ قِرَاءَةِ: فَرُوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ

۱۰: فَرُوْحٌ (بضم الراء) کی قراءت

(۲۸۶۲) كَانَ يَقْرَأُ ﴿فَرُوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾.

تَرْجَمَہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ یہ آیت یوں پڑھا کرتے تھے۔ ﴿فَرُوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾۔

تَشْرِیْح: سورہ واقعہ (آیت نمبر: ۸۹) میں ہے ﴿فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾ اس میں لفظ روح میں دو قراءتیں ہیں۔ مشہور قراءت را پر زبر کی ہے اور دوسری قراءت را پر پیش کی ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے را پر پیش کے ساتھ اور باقی قراء نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیش کی صورت میں اس کے معنی روح کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس کی روح گل ریحان میں جائے گی قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی رحم کے ہیں اور امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ روح را پر زبر کے ساتھ آرام وراحت کے معنی میں ہیں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے معنی فرحت وخوشی اور امام اضحاک کے نزدیک اس کے معنی مغفرت ورحمت کے ہیں۔

مَاجَاءَ فِیْ قِرَاءَةِ: وَالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى

۱۱: ﴿وَالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ کی قراءت

(۲۸۶۳) قَدِمْنَا الشَّامَ فَاَتَانَا اَبُو الدَّرْدَاءِ فَقَالَ اَفِيْكُمْ اَحَدٌ يَقْرَأُ عَلٰى قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ قَالَ فَاَشَارُوْا اِلَيَّ

فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ كَيْفَ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقْرَأُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ قَالَ قُلْتُ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُهَا ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى... الذَّكَرِ وَ الْاُنْثٰى۝﴾ فَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ وَاَنَا وَاللهِ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَقْرَأُهَا وَهٰؤُلَاءِ يُرِيْدُوْنَنِيْ اَنْ اَقْرَأَهَا ﴿وَمَا خَلَقَ﴾ فَلَا اُتَابِعُهُمْ.

ترجمہ: علقمہ بیان کرتے ہیں ہم لوگ شام آئے تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لے آئے انہوں نے دریافت کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص ہے؟ جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق تلاوت کرسکتا ہو؟ علقمہ بیان کرتے ہیں لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو میں نے جواب دیا جی ہاں تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ آیت کیسے پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾۔ راوی بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا میں نے تو انہیں اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى... الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے بھی اسے نبی اکرم ﷺ کی زبانی اسی طرح سنا ہے نبی اکرم ﷺ نے اس کی اس طرح تلاوت کی تھی اور یہ (شام) کے لوگ مجھ سے یہ چاہتے ہیں اب میں اسے دوسری طرح پڑھوں اور یہ لفظ پڑھوں تو میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما دونوں حضرات سورۃ اللیل میں ﴿الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ پڑھتے تھے ان کو اس قراءت کے نسخ کا علم نہیں ہوا حالانکہ صحیح قراءت ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى۝﴾ (اللیل:۳) ہے۔

مَا جَاءَ فِىْ قِرَاءَةِ: اِنِّىْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ

۱۲۔ انی انا الرزاق کی قراءت

(۲۸۶۴) اَقْرَاَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنِّيْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت مجھے یوں پڑھائی تھی: انی انا الرزاق ذو القوۃ المتین.

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں سورۃ الذاریات کی یہ آیت انی انالرزاق ذو القوۃ المتین ہے یعنی لفظ انا کے ساتھ جبکہ متواتر قراءت میں لفظ ھو ہے یعنی ﴿اِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۝﴾

مَا جَاءَ فِىْ قِرَاءَةِ: سُكَارٰى

۱۳۔ سکارٰی کی قراءت

(۲۸۶۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكْرٰى وَمَا هُمْ بِسُكْرٰى﴾.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کو اس طرح پڑھا ہے۔ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكْرٰى وَمَا هُمْ بِسُكْرٰى﴾ (الحج:۲)

تشریح: سورہ الحج (آیت نمبر ۲) میں ہے ﴿وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى﴾ اس میں لفظ سُکٰرٰی میں متواتر قراءت سین پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ ہے اور حمزہ اور کسائی کی قراءت میں سین پر زبر اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے جیسے لفظ عطشی ہے۔

۱۴۔ قرآن کریم کو یاد رکھنے کی تاکید

(۲۸۶۶) بِئْسَمَا لِاَحَدِهِمْ اَوْ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ اٰيَةَ كَيْتَ وَ كَيْتَ بَلْ هُوَ نُسِّىَ فَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِّنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ مِنْ عُقُلِهٖ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کسی بھی شخص کا یہ کہنا بہت ہی برا ہے میں فلاں آیت بھول گیا اسے یہ کہنا چاہیے وہ مجھے بھلا دی گئی تم قرآن پاک کو یاد کرتے رہو اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس طرح چوپایہ رسی (کھلنے پر) بھاگتا ہے قرآن اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ انسان کے دل سے نکلتا ہے۔

اب ابواب القراءۃ کے آخر میں پانچ ہیں، ایک کے علاوہ باقی ابواب کا ابواب القراءۃ سے کوئی قریبی تعلق نہیں، ان کو ابواب فضائل القرآن میں آنا چاہیے تھا۔

مَا جَاءَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ

۱۵: قرآن کریم سات حرفوں پر اتارا گیا ہے

(۲۸۶۷) مَرَرْتُ بِهِشَامِ بْنِ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ وَهُوَ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فِىْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَمَعْتُ قِرَاءَتَهٗ فَاِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلٰى حُرُوْفٍ كَثِيْرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَكِدْتُ اُسَاوِرُهٗ فِى الصَّلٰوةِ فَنَظَرْتُهٗ حَتّٰى سَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ لَبَّبْتُهٗ بِرِدَائِهٖ فَقُلْتُ مَنْ اَقْرَاَكَ هٰذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِىْ سَمِعْتُكَ تَقْرَؤُهَا فَقَالَ اَقْرَاَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ لَهٗ كَذَبْتَ وَاللّٰهِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَهُوَ اَقْرَاَنِىْ هٰذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِىْ تَقْرَؤُهَا فَانْطَلَقْتُ اَقُوْدُهٗ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّىْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى حُرُوْفٍ لَّمْ تُقْرِئْنِيْهَا وَاَنْتَ اَقْرَاْتَنِىْ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ اَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ اِقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَاَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِىْ سَمِعْتُ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِىَ النَّبِىُّ ﷺ اِقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِىْ اَقْرَاَنِى النَّبِىُّ ﷺ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں ہشام بن حکیم بن حزام کے پاس سے گزرا وہ سورت فرقان کی تلاوت کر رہے تھے یہ نبی اکرم ﷺ کی ظاہری زندگی کی بات ہے جب میں نے غور سے ان کی تلاوت کو سنا تو وہ کئی مقامات پر اس قرأت سے مختلف تھی جو نبی اکرم ﷺ نے مجھے سکھائی تھی پہلے تو میں ان کی نماز کے دوران ان پر حملہ کرنے لگا لیکن پھر میں نے انہیں موقع دیا اور جب انہوں نے سلام پھیر لیا تو میں نے ان کو ان کی چادر سے پکڑا اور دریافت کیا تمہیں یہ سورت کس نے پڑھنی

سکھائی ہے جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا آپ ﷺ نے مجھے یہ سورت پڑھنی سکھائی ہے میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم تم نے غلط کہا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے خود مجھے یہ سورت سکھائی ہے وہ جس کی تم تلاوت کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر میں ان کو پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لے گیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسے سورہ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جو طریقہ آپ ﷺ نے مجھے سکھایا تھا حالانکہ آپ ﷺ نے خود یہ سورت پڑھنی سکھائی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا عمر اسے چھوڑ واے ہشام تم تلاوت شروع کرو پھر انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے اسی طرح تلاوت کی جیسے میں نے ان کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عمر اب تم تلاوت کرو پھر میں نے اسی طرح قرأت شروع کی جو آپ ﷺ نے مجھے سکھائی تھی آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تو جسے جو آسان لگے اس کے مطابق تلاوت کر لے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ

باب: اس بارے میں قرآن سات قراءتوں پر نازل ہوا

(۲۸۶۸) لَقِيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ جِبْرَئِيْلَ فَقَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اِنِّيْ بُعِثْتُ اِلٰى اُمَّةٍ اُمِّيِّيْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی ملاقات حضرت جبریل علیہ السلام سے ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام مجھے ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جن میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں ہے ان میں بوڑھی عورتیں بھی ہیں اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہیں لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے کبھی زندگی میں تحریر نہیں پڑھی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔

تشریح: سات کا عدد عربی میں تکثیر کے لئے آتا ہے، قرآن کریم کو شروع میں متعدد طریقوں پر پڑھنے کی اجازت تھی، بعد میں جب اس توسع کی ضرورت باقی نہ رہی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو لغت قریش پر جمع کر دیا جس میں قرآن نازل ہوا تھا، اور جس کو نزول کے ساتھ لکھ کر محفوظ کر لیا گیا تھا۔

(۲) اس حدیث کی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں، تقریباً پینتیس تفسیریں مروی ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قد اختلف العلماء في المراد بالاحرف السبعة على اقوال كثيرة. بلغها ابو حاتم بن حبان الى خمسة وثلاثين قولا. وقال المنذري: اكثرها غير مختار. (فتح البای ۹/۶)

ترجمہ: علماء میں اختلاف ہے کہ ،،سات حروف،، سے کیا مراد ہے؟ ان کے بہت سے اقوال ہیں، ابو حاتم بن حبان نے ان کی تعداد ۳۵ تک پہنچائی ہے اور منذری کہتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر اقوال غیر پسندیدہ ہیں۔

ان ۳۵ اقوال میں سے ایک مشہور قول یہ ہے کہ ان سے مراد سات متواتر قراء تیں ہیں، مگر یہ قول بھی صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال ابو شامة: ظن قوم ان القراء ان السبع الموجودة الان هي التي اريدت في الحديث، وهو خلاف اجماع اهل العلم قاطبة، وانما يظن ذلك بعض اهل الجهل. (فتح الباری ۹/۳۰)

ترجمہ: "ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آج جو سات قراء تیں پائی جاتی ہیں وہی حدیث کی مراد ہیں، یہ بات تمام اہل علم کے اجماع کے خلاف ہے، اور یہ بات بعض نادانوں ہی کا گمان ہے۔ اور اس قول کے فساد کی ایک دلیل یہ ہے کہ قراء تیں سات میں منحصر نہیں، دس تو متواتر ہیں، باقی چار غیر متواتر بھی ہیں، پس وہ اس حدیث کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں؟"

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن کریم کا حفظ کرنا نزول کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، اور اہل لسان کے لئے دشواری یہ ہے کہ وہ رٹے بغیر کسی کلام کو ایک نہج پر نہیں پڑھ سکتے، اور عرب ذہین قوم تھی، رٹنا اس کے بس کی بات نہیں تھی، اور ناخواندہ بھی تھی، لکھا ہوا قرآن سامنے رکھ کر سب لوگوں کے لئے پڑھنا بھی دشوار تھا، نیز اس وقت قرآن کے نسخے بھی عام نہیں ہوئے تھے، اس لئے مضمون کی حفاظت کرتے ہوئے الفاظ بدل کر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، حضرت عمر اور حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے، یہ دونوں حضرات قریشی تھے، ان میں نہ لہجوں کا اختلاف تھا، نہ لغات کا نہ قواعد کا پھر بھی دونوں حضرات اپنے اپنے انداز پر سورۃ الفرقان پڑھ رہے تھے، یعنی ان کے الفاظ مختلف تھے، اور دونوں ہی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب معنی کی حفاظت کرتے ہوئے الفاظ میں تبدیلی کی اجازت ہو، اس کے علاوہ اس حدیث کا اور کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

علاوہ ازیں: عرب کے بعض قبائل کچھ حروف کا تلفظ نہیں کر سکتے تھے، آج بھی بعض مصری ج کا تلفظ نہیں کر سکتے وہ گ پڑھتے ہیں، اور بعض قبائل کے لہجے مختلف تھے، کوئی امالہ کرتا تھا کوئی نہیں کرتا تھا، اور بعض قبائل کے قواعد الگ تھے، کوئی معرفہ بنانے کے لئے ال لگاتا تھا اور کوئی م، جیسے الرجل اور مرجل۔ اسی طرح اور بھی اختلاف تھے۔

قال الطحاوي كان السبعة في اول الامر لضرورة اختلافهم لغة، فلما ارتفعت بكثرة الناس: عادت الى واحد (مجمع البحار) امام طحاوی فرماتے ہیں: سات (متعدد) طرح سے قرآن کریم پڑھنے کی اجازت شروع میں تھی، عربوں کے لہجوں کے اختلاف ختم ہو گیا تو وہ سات طریقے ایک طریقہ کی طرف لوٹ گئے۔

چنانچہ سب قبائل کو ابتداء میں لغت قریش پر جمع کرنا دشوار تھا، اور قرآن لغت قریش میں نازل ہوا تھا، اور اسی کو لکھ کر محفوظ کیا گیا تھا، مگر جب پہلی امت کے لئے اس کو یاد کرنے میں دشواری محسوس کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے گنجائش طلب کی، جس کا ذکر کی پہلی روایت میں آیا ہے، چنانچہ شروع میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معنی کی حفاظت کرتے ہوئے الفاظ میں تبدیلی کی اجازت دی گئی، پھر جب تمام قبائل ایک امت بن گئے اور وہ لغت قریش سے آشنا بھی ہو گئے اور لکھے ہوئے قرآن کریم بھی عام ہو گئے اور نئی نسل نے قرآن حفظ کرنا شروع کیا تو یہ عارضی اجازت ختم کر دی گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایسے تمام مصاحف جلا دیئے جو مختلف طرح سے لکھے گئے تھے، اور مسلمانوں کو لغت قریش پر جمع کر دیا، اس لئے اب وہ گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب مختلف الفاظ سے قرآن پڑھنا جائز نہیں، بلکہ مصحف میں جس طرح لکھا گیا ہے اسی طرح قرآن پڑھنا ضروری ہے۔

مثال سے وضاحت: سورۃ الفرقان کی پہلی آیت ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝﴾

اس آیت میں اگر کوئی نزل کی جگہ انزل پڑھے یا الفرقان کی جگہ القرآن پڑھے یا علی عبدہ کی جگہ علی محمد پڑھے، یا للعلمین کی جگہ للناس پڑھے یا نذیرا کی جگہ بشیرا پڑھے تو شروع میں اس کی گنجائش تھی، کیونکہ ذہین اہل لسان جنھوں نے تلقین کے ذریعہ قرآن یاد کیا ہو ان سے ایسی تبدیلی ممکن تھی، اس لئے اس کی اجازت دی گئی، بعد میں جب اس گنجائش کی ضرورت نہ رہی تو یہ اجازت ختم کر دی گئی۔

حدیث کا مطلب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے سمجھا ہے جو مجمع البحار سے حاشیہ میں نقل کیا ہے:

فائدہ: اور جو سات یا دس متواتر قراءتیں مروی ہیں وہ اسی مصحف عثمانی میں پڑھی جاتی ہیں، جو لغت قریش میں لکھا گیا ہے، اور ان کا ثبوت تعامل (اجماع) سے ہے، جو اصول شرع میں سے ایک اصل ہے، پس یہ سب قراءتیں معتبر ہیں۔ مگر ان متواتر قراءتوں کا کی حدیث سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ یہ سب قراءتیں مصحف عثمانی میں پڑھی جاتی ہیں، ان میں لہجوں کا اختلاف، طریق ادا کا اختلاف اور طرق تحسین کا اختلاف ملحوظ ہے البتہ ابواب القراءۃ میں جو دوسری روایتیں ہیں ان کو کی حدیث سے جوڑا جا سکتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ مالک کو ملک پڑھنے کی گنجائش بھی ابتداء میں تھی، بعد میں یہ اجازت ختم کر دی گئی، اسی طرح وَمَا خَلَقَ کے بغیر وَالذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى پڑھنے کا معاملہ ہے۔

۱۶: قرآن پڑھنے پڑھانے کی فضیلت

(۲۸۶۹) مَنْ نَفَّسَ عَنْ اَخِيْهِ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهٗ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا قَعَدَ قَوْمٌ فِيْ مَسْجِدٍ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَمَنْ اَبْطَاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص اپنے بھائی سے کسی دنیوی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی مصیبت کو دُور کرے گا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا جو شخص کسی تنگ دست کو آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اسے آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس میں وہ علم کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستہ کو آسان کر دے گا جب کبھی کچھ لوگ مسجد میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں ایک دوسرے کو درس دیتے ہیں تو ان پر سکینت نازل اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں جس شخص کا عمل سستی کا شکار ہو اس کا نسب اسے تیز نہیں کر سکتا۔

۱۷: قرآن کریم کتنے دن میں ختم کیا جائے؟

(۲۸۷۰) قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ كَمْ اَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَالَ اخْتِمْهُ فِيْ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِيْ عِشْرِيْنَ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِيْ خَمْسَةَ عَشَرَ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِيْ عَشْرٍ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ اخْتِمْهُ فِيْ خَمْسٍ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَمَا رَخَّصَ لِيْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ میں کتنے عرصے میں قرآن پورا پڑھ لیا کروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے ایک مہینے میں ختم کرلیا کرو میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے بیس دن میں ختم کرلیا کرو میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے پندرہ دن میں ختم کرلیا کرو میں نے عرض کی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے دس دن میں ختم کرلیا کرو تو میں نے عرض کی میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے پانچ دن میں ختم کرلیا کرو میں نے عرض کی میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس بارے میں اجازت نہیں دی۔

(۲۸۷۱) لَهُ اقْرَاءِ الْقُرْاٰنَ فِيْ اَرْبَعِيْنَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم چالیس دن میں قرآن مکمل کیا کرو۔

(۲۸۷۲) قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَيُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَى اللهِ قَالَ الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قَالَ وَمَا الْحَالُ الْمُرْتَحِلُ قَالَ الَّذِيْ يَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ اِلٰى اٰخِرِهٖ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حال مرتحل اس نے دریافت کیا حال مرتحل سے مراد کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی جب آدمی شروع سے لے کر آخر تک قران مجید پورا پڑھ لے تو پھر شروع سے پڑھنا شروع کردے۔

(۲۸۷۳) لَمْ يَفْقَهُ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص تین دن سے کم عرصے میں پورا قرآن پڑھ لے اس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں

تشریح: قرآن مجید کتنی مدت میں ختم کرنا چاہیے؟

(۱) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابوعبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا استدلال اس کی آخری روایت سے ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید

ختم کیا تو اس نے قرآن نہیں سمجھا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ثواب کی نفی نہیں بلکہ سمجھنے کی نفی مراد ہے کہ اس قلیل مدت میں وہ آدمی قرآن کے ظاہری معنی بھی نہیں سمجھ سکتا چہ جائے کہ اس کے علوم ومعارف اور باریک نکات تک اس کی رسائی ہو۔

(۲) جمہور علماء رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس میں شریعت کی طرف سے وقت کی کوئی تحدید اور تعیین نہیں ہے۔

اس کا مدار تلاوت کرنے والے کی ہمت قوت اس کے نشاط اور تازگی پر ہے اگر کوئی آدمی تین دن سے کم میں تازگی کے ساتھ ختم قرآن کرسکتا ہے اور وہ حروف کی ادائیگی میں تجوید کے اصول کی رعایت کے ساتھ تلاوت جاری رکھ سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو آدمی سال میں دو مرتبہ قرآن مجید ختم کرے تو وہ قرآن مجید کا حق ادا کرنے والا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے سال میں حضرت جبرائیل سے دو مرتبہ قران مجید کا دور کیا تھا۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اقرأه فی سبع ولا تزوده علی ذلك. یعنی سات دن میں ختم قرآن کیا کریں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول سات دن میں ختم قرآن کا تھا قرآن کریم کے سات احزاب ہیں ان سات احزاب کی ترتیب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک جملے فمی بشوق میں اس طرح منقول ہے کہ فاء سے فاتحہ میم سے مائدہ یاء سے یونس باء سے بنی اسرائیل شین سے شعراء واؤ سے والصافات اور قاف سے سورۃ قٓ اور آخر قرآن کی طرف اشارہ ہے قرآن کریم کو اس طرح سات احزاب میں تقسیم کر کے ایک حزب کو روزانہ پڑھا جائے تو ہفتہ میں قرآن کریم کا ختم مکمل ہوجایا کرے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸۲/۵، کتاب فضائل القرآن اداب التلاوۃ)

بہت سے ایسے باہمت لوگ گزرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جو روزانہ ایک قرآن ختم کرتے ہیں، اور ایک دو دن نہیں بلکہ زندگی بھر کا ان کا یہ معمول ہے، اور ایسے لوگ بھی کچھ کم نہیں جو منزل فیل کا ورد رکھتے ہیں، یعنی تین دن میں قرآن ختم کرتے ہیں، پہلی منزل سورۂ فاتحہ سے، دوسری سورۂ یونس سے اور تیسری لقمان سے شروع ہوتی ہے، چوتھی سورۂ بنی اسرائیل سے، پانچویں سورۃ الشعراء سے، چھٹی والصفت سے اور ساتویں سورۂ قٓ سے آخر قرآن تک ہے اور یہی منزلیں قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہیں، پس قرآن ختم کرنے کا سب سے افضل یہی طریقہ ہے۔